ضروری نوٹ

جلد دوم میں جتنے حواشی بڑھائے گئے ہیں (یا جو اصلاحیں کی گئی ہیں) وہ سب اُس قرآن سے لیے گئے ہیں جو مولانا مرحوم کے پاس آخری وقت تک رہا - اور اب نورالدین احمد صاحب کے پاس ہے

اس کے علاوہ سورۂ نور کا وہ خوشخط مخطوطہ جسے منشی عبدالقیوم الخطاط نے ۱۹۳۶ (ء) میں لکھا تھا - نورالدین صاحب کے پاس ہے - اُس کی ایک فوٹو کاپی لے لی گئی ہے اور یہاں کتب خانہ میں محفوظ ہے - اصل نورالدین احمد صاحب کے پاس ہے - یہ مخطوطہ کلکتہ والے صندوق سے نکلا ہے جس میں مولانا کے کاغذات احمد نگر فورٹ سے آئے تھے - اور جس کا ذکر انھوں نے ڈاکٹر سید عبداللطیف حیدرآبادی سے کیا تھا - ترجمہ یا تفسیر کا اور کوئی مسودہ نہیں ملا -

محمد اجمل خاں
۱۹۵۹ء

محمد اجمل خاں
1959

(صفحہ ۳ سے پہلے) (فہرست سے پہلے)

اغلاط کتابت و طباعت - ترجمان القرآن جلد دوم مطبوعہ مدینہ برقی پریس بجنور ۳۴۳

معنی تفصیل و مفصل مستعملۂ قرآن را از خود قرآن باید فہمید خشنہ
دراز است . فارسلنا علیہم الطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم
آیات مفصلات (۱۳۳) یعنی ایں ہمہ آیات بیک دفعہ ظہور نکردہ
بلکہ علیحدہ تارۃً بعد اخریٰ الخ،

حقیقت محمد الخ - محمد فی الحقیقت تاثر ماحول خلوت ست الخ
شدہ لیڈر و میدانات الخ

"العالمین" اطلاق عالم براجتماع و امم در کلام جاہلیہ بس
مقصود از عالمین تمام اقوام و امم باشد مثلاً یا بنی اسرائیل
اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم و انی فضلتکم علی العالمین ای علی الامم
والجماعات الخ

قرآن کا جمال فطرۃ پر اس درجہ زور دینا ہے اور اسے بناء
استدلال ٹھہرانا فی الحقیقت ایک حیرت انگیز صورت حال ہے
عرب کی صحرائی اور شہری زندگی فطرۃ کی آسائشوں اور
آرائشوں سے یکقلم خالی تھی - معتدل اور زرخیز خطوں کا
ماحول وہاں میسر نہیں آسکتا - زندگی سرتاسر کش
اور سختیوں کی آزمائش ہے - ایک ایسے ماحول میں
قرآن کا جمال فطرت اور افادہ و فیضان خدا
دینا اور ایک رحیم اور رحمان خدا کا تصور پیدا کرنا
عرب کے مادی ماحول کا پرتو نہیں ہو سکتا - الخ

إنَّ اللهَ يَرفَعُ بِهٰذَا الكِتَابِ أَقوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِينَ

ترجمان القرآن

یعنی

قرآنِ حکیم کے مطالبِ اُردو زبان میں

ضروری تفسیر کے ساتھ

از

ابوالکلام احمد

مکتبہ مصطفائی کشمیری بازار لاہور

ترجمان القرآن

جلد دوم



ہدیہ ـ سترہ روپیہ آٹھ آنہ

MAKTABA JAMIA LTD.
URDU BAZAR,
DELHI-6.

(۱)

فہرست

الاعراف

صفحہ (۱)

التَّوْبَة (صفحہ ٧٤)

اسلام کو بھی افترا یکہ مجنون کہتے تھے۔ ۴۵
(۳۲) منکرین کا قیامت کے بارے میں معاندانہ استفسار اور قرآن
کا جواب فرمایا۔ وہ جب آئے گی تو اچانک آجائیگی۔
(۳۳) اس طرف اشارہ کہ قیامت کا ظہور اجرام سماویہ کا ایک
عظیم ترین حادثہ ہوگا۔
(۳۴) قرآن کا پیغمبر اسلام کی بشریت اور عجز بشریت پر زور
دینا اور اس کے بعض اہم بصائر۔ ۴۷
(۳۵) مشرکوں کی یہ گمراہی کہ مصیبت میں خدا کو پکارتے
ہیں پھر جب مصیبت ٹل جاتی ہے۔ تو اسے خدا کا فضل و کرم نہیں

سمجھتے اپنے ٹھہرائے ہوئے آستانوں پر جھکنے لگتے ہیں۔
شرک فی التسمیہ۔
(۳۶) شرح "توحید الوہیت" پیروانِ مذاہب کی عالمگیر گمراہی
یہ ہے کہ اگرچہ "توحید ربوبیت" کے معترف ہیں لیکن "توحید الوہیت"
۴۸ میں کھوئے گئے۔
(۳۷) سورۂ اعراف کا مرکز موعظت اور اس کی مہمات۔
(۳۸) اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ منکرین حق پیغمبر اسلام
کے مشاہدہ جمال سے محروم ہیں۔ اگرچہ بظاہر تکتے ہوئے نظر آتے
۴۹ ہیں، مگر فی الحقیقت دیکھتے نہیں۔

الانفال صفحہ ۵۲

(۱) قرآن نے پیروانِ دعوت کو جس جنگ کی اجازت دی
اس کی نوعیت اور صورت حال کی تحلیل۔
(۲) مال غنیمت کا حکم۔
(۳) امن کی حالت ہو یا جنگ کی لیکن ضروری ہے کہ باہم دگر
یک جہتی و اخلاص کے ساتھ رہیں۔
(۴) "تقویٰ" اور "اطاعت"۔
(۵) ایمان حق کے خصائص۔
(۶) آیت (۲)، اس باب میں نص قاطع ہے کہ قرآن کے نزدیک
۵۲ ایمان کی ہر حالت یکساں نہیں۔ وہ گھٹتا بھی ہے بڑھتا بھی ہے
(۷) قرآن کا اس اصل عظیم پر زور دینا کہ مال غنیمت سپاہیوں
کا انفرادی حق نہیں ہے بلکہ حکومت کا ہے اور یہ حکومت کا کام
ہے کہ اسے مستحقوں میں تقسیم کرے۔
(۸) جنگ بدر اور اس کے ابتدائی حوادث۔
مسلمانوں کا اختلاف اور پیغمبر اسلام کا فیصلہ۔
(۹) جنگ بدر میں ملائکہ کا نزول اس لئے ہوا تھا کہ کمزور
کم تعداد مسلمانوں کے دل مضبوط کر دیں۔ اس لئے نہیں کہ لڑائی
میں حصہ لیں۔
(۱۰) جنگ بدر میں تائید الٰہی کی کارفرمائیاں اور اس کے بصائر
و حکم۔
۶ (۱۱) "بدر" اور "دار الندوہ"
(۱۲) مسلمانوں کے لئے جنگ سے منہ موڑنا جائز نہیں
الا یہ کہ دشمن دگنے سے بھی زیادہ ہوں۔ اس صورت میں بھی ہزیمت

اسی میں ہوگی کہ منہ نہ موڑیں۔
(۱۳) صریح پیشین گوئی کہ جنگ بدر کے بعد دشمنوں کی کوئی
تدبیر بھی کام نہ دے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔
(۱۴) اعدائے حق کو موعظت کہ جنگ بدر کے نتیجہ نے نصرت
حق کا فیصلہ کر دیا ہے پس چاہئے کہ اب بھی باز آجائیں۔
اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ پیغمبر اسلام نے کس طرح فتح و
کامرانی کی حالت میں بھی امن کے لئے سعی کی، اور کس طرح اعدائے
حق ہمیشہ جنگ پر اڑے رہے؟
(۱۵) یہود و نصاریٰ تورات و انجیل کی صدائیں سنتے
تھے مگر قرآن کہتا ہے نہیں سنتے تھے۔
(۱۶) اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ قرآن کے نزدیک
ایمان کی دعوت سرتاسر تعقل و تفکر کی دعوت ہے، اور کفر کی
حالت عقل و حواس کے تعطل کی حالت۔
(۱۷) فرمایا پیغمبر اسلام کی دعوت زندگی کا سرچشمہ ہے۔
تفسیر "ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ"۔
(۱۸) اجتماعی زندگی کے فتن و خطرات۔
(۱۹) اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کرنے سے
۵۷ مقصود کیا ہے؟
(۲۰) جو جماعت متقی ہوگی اس میں خیر و شر کے امتیاز
کی قوت پیدا ہو جائے گی۔
(۲۱) حکمت الٰہی کی مخفی تدبیریں اور "یمکرون و یمکر
اللہ" کی تفسیر

یونس (صفحہ ۱۴۷)

ہُود (صفحہ ۱۸۳)

یُوسُفؑ (صفحہ ۲۱۹)

الحجر (صفحہ ۲۹۵)

الرّعد (صفحہ ۲۶۸)

ابراہیم (صفحہ ۲۸۳)

النحل (صفحہ ۳۰۸)

بنی اسرائیل (صفحہ ۳۴۶)

الکہف (صفحہ ۳۷۵)

مریم (صفحہ ۴۳۱)

الانبیاء (صفحہ ۴۶۸)

طٰہٰ (صفحہ ۴۴۶)

الحج (صفحہ ۵۰۲)

نقوش

المؤمنون (صفحہ ۵۲۵)

إِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ

مسلم عن نافع

ترجمان القرآن

یعنی

قرآن حکیم کے مطالب اردو زبان میں

ضروری تشریحات و مباحث کے ساتھ

از

ابوالکلام احمد

جلد دوم

سورۂ اعراف سے سورۂ مومنون تک

مطبوعہ مدینہ برقی پریس بجنور

استدراک از مولانا ابوالکلام آزاد

"افسوس ہے کہ طباعت کی غلطیوں سے یہ جلد بھی محفوظ نہ رہ سکی، لیکن اس کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ ان اغلاط کی درستگی میں تھوڑی سی زحمت ضرور ہوگی۔ لیکن اگر آپ نے چند لمحوں کی زحمت گوارا کرلی، تو ہمیشہ کیلئے کتاب کا مطالعہ تردد و اضطراب سے محفوظ ہو جائے گا۔"

(یہ نوٹ اُس جلد میں چھپا تھا جو مدینہ برقی پریس بجنور نے سنہ ۳۶ میں شائع کی تھی۔ زیر نظر ایڈیشن میں یہ اغلاط درست کرکے چھاپے گئے ہیں۔

محمد اجمل خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ

ترجمان القرآن کی دوسری جلد شائع کرتے ہوئے ضروری ہے کہ چند امور کی طرف اشارہ کر دیا جائے:

(۱) ترجمان القرآن کی ترتیب سے مقصود یہ تھا کہ قرآن کے عام مطالعہ و تعلیم کے لئے ایک درمیانی ضخامت کی کتاب مہیا ہو جائے۔ مجرد ترجمہ سے وضاحت میں زیادہ مطول تفاسیر سے مقدار میں کم۔ چنانچہ اس غرض سے یہ اسلوب اختیار کیا گیا کہ پہلے ترجمہ میں زیادہ سے زیادہ وضاحت کی کوشش کی جائے۔ پھر جا بجا نوٹ بڑھا دیے جائیں۔ اس سے زیادہ بحث و تفصیل کو دخل نہ دیا جائے۔ باقی رہا اصولی اور تفسیری مباحث کا معاملہ تو اس کے لئے دو الگ کتابیں مقدمہ اور البیان زیر ترتیب ہیں۔

لیکن پہلی جلد کی اشاعت کے بعد مؤلف نے محسوس کیا کہ تقسیم کار کی یہ ترتیب پیش نظر مقصد کے لئے کتنی ہی ضروری ہو مگر ارباب نظر کا جوش طلب اس پر رضامند نہیں ہو سکتا۔ قدرتی طور پر ان کی لب تشنگی اس سے زیادہ سیرابی کا سامان ڈھونڈھتی ہے اور مقدمہ اور البیان کے وعدہ پر صبر نہیں کر سکتی۔ وہ مضطرب ہیں کہ کل کا دور لبریز ہو یا نہ ہو مگر آج کا جام کیوں خالی رہ گیا ہے؟

مشاطہ را بگو کہ براسباب حسن یار   چیزے فزوں کند کہ تماشا بما رسد

مطالب کی وسعت اور دائرہ بیان کی تنگ سامانی خود مؤلف کے اضطراب بیان کے لئے بھی سخت شکیب آزما تھی۔ مگر کیا کیجیے نظم و تقسیم کار کا تقاضا ناگزیر تھا۔ اس لئے قدم قدم پر عنان قلم کھینچنی ہی پڑتی تھی!

فرصت دیدن گل آہ بسیار کم است   وآرزو ہائے دل مرغان چمن بسیار است

بہرحال صورت حال کے تقاضے سے مؤلف اغماض نہ کر سکا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کتاب کی وضع و اسلوب میں ایک نمایاں تبدیلی کر دینی پڑی۔ اور اب کتاب کی نوعیت محض ترجمہ اور نوٹوں ہی کی نہیں رہی ہے جیسی کہ پہلی جلد کی رہ چکی ہے بلکہ تفسیری مباحث و تفصیلات کا بھی معتدبہ حصہ شامل ہو گیا ہے۔ بلاشبہ اس کی تفصیلات البیان کی تفصیلات تک نہیں پہنچتیں اور پہنچنا بھی نہیں چاہئے تاہم جہاں تک نہایت مطالب کا تعلق ہے تقریباً تمام مقامات بحث میں آ گئے ہیں اور ارباب نظر کے لئے کفایت کرتے ہیں۔

(۲) اس غرض سے جو طریقہ اب اختیار کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہے:۔

پہلے کوشش کی ہے کہ سورت کا کوئی حل طلب مقام بغیر اشارہ و تشریح کے نہ رہ جائے، اور نوٹوں کی ترتیب میں نہ تو مقدار کے لحاظ سے کمی رہے نہ تعداد کے لحاظ سے۔ چنانچہ پہلی جلد کے مقابلہ میں نوٹوں کی مقدار کم از کم ڈیوڑھی ہو گئی ہے اور تعداد تو اکثر حالتوں میں دوگنی سے کم نہیں۔

پھر جب سورت ختم ہو گئی، تو سورت کے تمام اہم مقامات پر از سر نو نظر ڈالی گئی اور جن جن مقامات کے لئے تفصیلی بحث ضروری محسوس ہوئی، ان پر مستقل مباحث و مقالات لکھ کر آخر میں بڑھا دیے گئے۔ ان مباحث نے بعض سورتوں میں اس قدر طول کھینچا کہ بہت دور تک پھیلتے چلے گئے۔ پھر بھی بہ تکلف اختصار کی کوشش نہیں کی گئی اور مبحث نے جس قدر پھیلنا چاہا

مقام اشاعت :

دفتر ترجمان القرآن نمبر ۱۹ - اے بالی گنج سرکلر روڈ

~~پرنٹر و پبلشر ملک محمد شفیع مالک مکتبہ مصطفائی نے کواپریٹو کیپٹل پرنٹنگ پریس لاہور~~

یہ فرضی مکتبہ ہے

سے

~~چھپوا کر کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا~~ ۔

یہ شیخ محمد اشرف تاجر کتب کے ملازم ہیں ۔

بنی اسرائیل، حقوقِ نسواں، تقسیمِ میراث وغیرہا، تو وہ تیسری جلد کی سورتوں کے مباحث میں خود بخود آجائیں گے، اور اس طرح ابتدائی سورتوں کی تشریحات بھی پوری طرح مکمل ہو جائیں گی۔

(۳) اس طرح ترجمان القرآن کا مواد دو جلدوں کی جگہ اب تین جلدوں میں منقسم ہو گیا ہے۔ یہ جلد سورۂ مومنون پر ختم ہوتی ہے، تیسری جلد سورۂ نور سے شروع ہوگی اور آخری سورت یعنی الناس پر ختم ہو جائے گی۔ اسکی ضخامت غالباً سات سو صفحوں تک پہنچ جائے۔ چونکہ آخر میں کئی قسموں کی عام فہرستوں کا اضافہ کیا جا رہا ہے اس لئے سو صفحے اور بڑھا دینے چاہئیں۔

(۴) ہر کتاب میں اسکی خصوصیات کا ایک خاص محل ہوتا ہے اگر اس محل پر نظر رہے تو کتاب کی تمام خصوصیات پر نظر رہی اس سے ہٹ جائے، تو گویا پوری کتاب سے ہٹ گئی، ترجمان القرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ اسکی تمام خصوصیات کا اصلی محل اس کا ترجمہ اور ترجمہ کا اسلوب ہے۔ اگر اس پر نظر رہیگی، تو پوری کتاب پر نظر رہیگی۔ وہ اوجھل ہوگی تو پوری کتاب نظر سے اوجھل ہو جائیگی۔ قرآن کے مقاصد و مطالب کے باب میں جس قدر کاوش کی گئی ہے، راہ کو مشکلات سے جس قدر صاف کیا گیا ہے، قرآن کے علوم و معارف کے جسقدر اصول و مبادیات از سر نو مدوّن کئے گئے ہیں وہ سب کے سب صرف اسی محل میں ڈھونڈھے جا سکتے ہیں، اور یہی قرینہ ہے جس میں کتاب کی تمام خصوصیات مدفون ہیں اگر اہل نظر غور و تدبر سے مطالعہ کرینگے، تو فوراً محسوس کرلیں گے کہ نہ صرف ترجمہ کا ہر صفحہ بلکہ ہر صفحہ کے متعدد مقام کسی نہ کسی خصوصیت کو نمایاں کر رہے ہیں، اور اکثر حالتوں میں ترجمہ کے صرف ایک لفظ یا کسی ایک ترکیب نے معاملہ کی بے شمار مشکلیں حل کر دی ہیں۔ اگر ترجمہ کے ساتھ ایسے حواشی بڑھائے جاتے جن میں ہر مقام کی خصوصیتیں واضح کی جاتیں اور کھول کھول کر بتلایا جاتا کہ پہلے معاملہ کی نوعیت کیا تھی، اور اب کیا سے کیا ہو گئی ہے، تو یقیناً یہ حواشی اپنی مقدار میں ایک پوری کتاب بن جاتے۔ کیونکہ ترجمہ کی ہر چوتھی پانچویں سطر ایک نئے حاشیہ کا تقاضا کرتی، اور ہر حاشیہ تفسیری مباحث کا ایک مقالہ بن جاتا۔

بہر حال ضروری ہے کہ مطالعہ کے وقت یہ حقیقت پیش نظر رہے جس قدر غور و تدبر سے ترجمہ کا مطالعہ کیا جائے گا، اسی قدر قرآن حکیم کے حقایق اپنی اصلی طلعت و زیبائی میں بے نقاب ہوتے جائیں گے۔

(۵) ترجمہ کے بعد کتاب کا دوسرا محلِ تدبر، نوٹ ہیں۔

یہ نوٹ عبارت میں مطول نہیں ہو سکتے تھے اور مطول نہیں ہیں، لیکن معانی و اشارات میں مفصل ہو سکتے تھے اور پوری طرح مفصل ہیں، اور اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کی ہر سطر تفسیر کا ایک پورا صفحہ بلکہ بعض حالتوں میں ایک پورے مقالہ کی قائم مقام ہے اکثر مقامات میں ایسا ہوا ہے کہ معارف و مباحث کا ایک پورا دفتر دماغ میں پھیل رہا تھا مگر نوک قلم پر پہنچا تو ایک سطر یا ایک جملہ بن کر رہ گیا۔ اب کتاب کے صفحہ پر وہ ایک جملہ ہی ~~رہیگا~~ رہے گا لیکن اہل نظر چاہیں تو اپنے ذہن و فکر میں ~~اسے~~ اُسے ایک دفتر کی صورت دے کر پھیلا سکتے ہیں

آں کس ست اہل بشارت کہ اشارت داند ؎ نکتہ ہا ہست بسے محرمِ اسرار کجاست؟

پس ضروری ہے کہ نوٹوں کا مطالعہ ایک ہی مرتبہ نہیں، بلکہ بار بار کیا جائے۔ جوں جوں فکر آشنا ہوتا جائیگا مطالب و دقایق کے نئے نئے پہلو آشکارا ہوتے جائیں گے۔

(۶) یہ مشکل ہے کہ کتاب کی علمی حیثیت کا عام طور پر اندازہ کیا جا سکے۔ اس لئے جو چیز پیش نظر ہے، وہ اس کے مطالعہ کے نتائج ہیں۔ اسکی حیثیت کا اعتراف نہیں۔

پھیلتا گیا۔ مباحث و مقالات کا خط وہی رکھا گیا ہے جو نوٹوں کے خفی قلم کا خط ہے اور سطر ۲۵ کی جگہ ۳۵ سطری اختیار کیا گیا ہے۔ پس اگر ان کی مقدار کا اندازہ متن کے قلم اور سطر کے لحاظ سے کیا جائے، تو تقریباً دوگنے کا فرق تسلیم کرنا پڑیگا۔ یعنی اگر یہ نوٹ اور مقالات کسی کتاب کی شکل میں علیحدہ شائع ہوتے اور متن کا قلم اور سطر اختیار کیا جاتا تو اس سے دوگنی جگہ لیتے جتنی جگہ میں یہاں آ گئے ہیں۔ مثلاً سورۂ توبہ کے آخر میں چھبیس[۲۶] صفحوں کے مباحث ہیں۔ انہیں عام کتابی شکل میں باون صفحات کا مواد تصور کرنا چاہئے۔ سورۂ کہف کے آخر میں اڑتیس[۳۸] صفحات بڑھائے گئے ہیں۔ یہ اس صورت میں کم از کم ۷۶ صفحات تک پہنچ جاتے۔

سورۂ اعراف میں چالیس[۴۰] نوٹ ہیں، اور انفال میں بیالیس[۴۲]۔ سورۂ توبہ میں پہلے بائیس[۲۲] نوٹ اتنے مشرح آئے ہیں کہ بعض دو دو تین تین صفحوں تک مسلسل چلے گئے ہیں پھر آخر میں چھبیس[۲۶] صفحوں کے مفصل مباحث کا مزید اضافہ کیا گیا ہے۔

سورۂ یونس میں پینتالیس[۴۵] نوٹ ہیں۔ پھر بھی آخر میں دس صفحوں کے مباحث[۱۰] اور بڑھانے پڑے۔ سورۂ ہود کے آخر میں ایک مستقل مقالہ اس اصولی مبحث پر درج کیا گیا ہے کہ قصص قرآنی کے مبادی و مقاصد کیا کیا ہیں، اور کیوں قرآن انہیں دلائل و براہین کی حیثیت سے پیش کرتا ہے؟

سورۂ یوسف میں جا بجا مشرح نوٹ لکھے گئے ہیں۔ پھر آخر میں بیس[۲۰] صفحوں کا ایک مقالہ بڑھایا گیا ہے تاکہ سورت کے مواعظ و بصائر پر ایک مجموعی نظر پڑ جائے۔ سورت کے تفسیری مباحث تفصیل طلب تھے، اور بہت زیادہ تھے اس لئے انہیں زیر نظر انداز کرنا پڑا۔ البتہ مواعظ و حکم کے تمام اہم پہلو پوری طرح واضح ہو گئے ہیں۔ التفسیر

سورۂ کہف کے آخر میں اڑتیس[۳۸] صفحوں کے مقالات بڑھائے گئے ہیں۔ کیونکہ متعدد تاریخی سوالات حل طلب تھے، اور بغیر شرح و اطناب کے واضح نہیں ہو سکتے تھے۔ البتہ سورت کا ایک واقعہ تفصیلی بحث سے رہ گیا یعنی صاحب موسیٰ علیہ السلام کے اعمال ثلاثہ اور ان کے نتائج و حکم۔ اگر تفصیلی بحث کی جاتی تو مقالات کی مقدار بہت زیادہ بڑھ جاتی۔ تاہم نوٹ میں جس قدر اشارات کر دیئے گئے ہیں، اہل نظر کے لئے کفایت کرتے ہیں۔

بقیہ سورتوں کے ترجمہ و تشریح میں بھی ایسا ہی اسلوب ملحوظ رہا ہے۔

بلاشبہ یہ تفصیلات ان حدود سے متجاوز ہو گئیں جو ترجمان القرآن کے لئے قرار دی گئی تھیں لیکن اگر البیان کی تفصیلات سامنے لائی جائیں، تو یہ تفصیلات بھی اجمال و تلخیص سے زیادہ معلوم نہ ہونگی۔ یہاں سورۂ یوسف کا مقالہ بیس[۲۰] صفحوں میں سما گیا ہے، اور البیان کے مسودہ کا مواد اگر چالیس صفحوں میں بھی سما جائے تو سمجھنا چاہئے بہت کم جگہ میں آ گیا۔ سب سے زیادہ تفصیل سورہ کہف کے مقالات میں ہوئی ہے لیکن جو مباحث یہاں اڑتیس صفحوں میں سمیٹ دیئے گئے ہیں، ان کے لئے البیان کے ساٹھ ستر صفحوں کی وسعت بھی بہ مشکل کفایت کرے گی!

ہماں عشق ست بر خود بستہ چندیں داستاں ورنہ
کسے بر معنیٔ یک حرف صد دفتر نمی سازد

مباحث و تفصیلات کا اضافہ کرتے ہوئے ایک اور پہلو بھی پیش نظر رہا۔ پہلی جلد کی سورتوں میں یہ طریقہ ملحوظ نہیں رہا ہے اس لئے ان کے جو مقامات بحث و نظر سے رہ گئے ہیں، ضروری تھا کہ ان کے لئے بھی کوئی صورت پیدا کی جاتی، تاکہ یہ ایڈیشن اپنی نوعیت میں ناقص نہ رہ جائے۔ چونکہ مطالب قرآنی کی بڑی تعداد ایسی ہے جو بار بار دہرائی گئی ہے اس لئے ان مقامات کی تشریح کے لئے مناسب موقعہ پیدا کر لینا کچھ دشوار نہ تھا۔ چنانچہ اس طرح کے تمام مواقع پیش نظر رہے ہیں اور پہلی جلد کی پانچ سورتوں کی اکثر مہمات اس جلد کی سورتوں کے مباحث میں آ گئیں۔ البتہ بعض مباحث باقی رہ گئے ہیں، مثلاً قصہ آدم خروج

الاعراف (۷)

مکی - ۲۰۶ - آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

۱ الٓمّٓصٓ ○ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى
۲ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ
۳ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ
۴ قَآئِلُوْنَ ○ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ

(۱) ہدایت وحی کا مقصد "تذکیر" اور "تنذیر" ہے - "تذکیر" یعنی پند و موعظت کے ذریعہ بیدار کرنا۔ "تنذیر" یعنی انکار و بدعملی کے نتائج سے خبردار کرنا -

(۲) پیروانِ دعوت کو موعظت کہ دعوتِ حق کا معاملہ بڑے ہی عزم و ثبات اور صبر و استقلال کا معاملہ ہے اور خواہ کتنی ہی مشکلیں پیش آئیں، لیکن بالآخر حق کی فتح مندی اٹل ہے - پس چاہئے کہ مشکلاتِ کار سے دل تنگ و افسردہ خاطر نہ ہوں -

(۳) مشرکین عرب کو تنذیر -

۱ الف، لام، میم، صاد -

(اے پیغمبر!) یہ کتاب ہے جو تم پر نازل کی گئی اس لئے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو (انکار و بدعملی کی پاداش سے) خبردار و ہشیار کردو، اور اس لئے کہ ایمان رکھنے والوں کے لئے بیداری و نصیحت ہو، پس دیکھو ایسا نہ ہو کہ اس بارے میں کسی طرح کی دل تنگی تمہارے اندر راہ پائے!

۲ (لوگو!) جو کچھ تمہارے پروردگار کی جانب سے تم پر نازل ہوا ہے اس کی پیروی کرو، اور خدا کو چھوڑ کر اپنے ٹھہرائے ہوئے) مددگاروں کے پیچھے نہ چلو (افسوس تم پر!) بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم نصیحت پذیر ہوتے ہو پکڑو -

(۴) جن جماعتوں نے دعوتِ حق کا مقابلہ کیا، وہ پاداشِ عمل میں ہلاک ہوگئیں - کیونکہ انکار و سرکشی کا نتیجہ ہلاکت و نامرادی ہے -

(۵) قوموں سے پرسش ہوگی کہ انہوں نے پیغمبروں کی دعوت پر کان دھرا یا نہیں، اور پیغمبر بھی اس کے لئے جوابدہ ہیں کہ انہوں نے فرضِ رسالت ادا کیا یا نہیں -

۳ اور (دیکھو) کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے پاداشِ عمل میں ہلاک کردیا - چنانچہ ایسا ہوا کہ لوگ راتوں کو بے خبر سو رہے تھے یا دوپہر کے وقت استراحت میں تھے کہ اچانک عذاب کی سختی نمودار ہوگئی!

۴ پھر جب عذاب کی سختی نمودار ہوئی، تو (انکار و شرارت کا سارا دم خم جاتا رہا) اس وقت اُن کی

بڑی دقت یہ پیش آگئی ہے کہ ترجمان القرآن تفسیری مباحث کے رد و کد میں نہیں پڑتا، صرف یہ کرتا ہے کہ اپنی پیش نظر اصول و قواعد کے ماتحت قرآن کے تمام مطالب ایک مرتب و منتظم شکل میں پیش کر دے۔ اگرچہ جا بجا یہ بات نمایاں کرتا جاتا کہ معاملے کے الجھاؤ کیا کیا تھے اور اب کس طرح حقیقت گم گشتہ کا سُراغ لگا یا گیا ہے تو ممکن ہے اہل نظر اس باب میں کوئی رائے قائم کر سکتے لیکن اگر ایسا کیا جاتا تو کتاب کی اصلی حیثیت منفور ہو جاتی۔ اس لئے قصداً اس سے احتراز کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ لوگ پڑھتے ہیں اور پسند کرتے ہیں لیکن کام کی نوعیت و حیثیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔

اس لئے

ملک میں آج دو ہی گروہ موجود ہیں: علماء اور جدید تعلیم یافتہ۔ پہلا گروہ قدیم راہوں سے آشنا ہے لیکن نظر و تدبر کے نئے تقاضوں سے آشنا نہیں۔ دوسرا گروہ نئے تقاضوں کی تشنگی رکھتا ہے لیکن قدیم راہوں سے آشنا نہیں اور نہ راہ کی مشکلات کی اسے کچھ خبر ہے۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ معاملہ کی علمی نوعیت کا نہ تو پہلا گروہ اندازہ شناس ہو سکتا ہے نہ دوسرا، اور بد قسمتی سے تیسرا گروہ مفقود ہے۔

یارب کجاست محرم رازے کہ یک زماں
دل شرح آں دہد کہ چہ دید و چہا شنید!

کام کی علمی نوعیت کا اندازہ اس طرح کیا جا سکتا تھا کہ قرآن کے جس قدر اردو فارسی ترجمے موجود ہیں، سب سامنے رکھ لئے جائیں۔ نیز قدیم تفاسیر میں سے بھی چند مقبول و مستند تفسیریں اٹھا لی جائیں۔ یا کم از کم تفسیر کبیر ہی منتخب کر لی جائے کہ تفسیری مباحث میں متاخرین کا منتہائے نظر و کاوش وہی ہے۔ پھر کم از کم کسی ایک سورت کا ترجمہ ترجمان القرآن میں نکال کر ایک ایک آیت کے ترجمہ و شرح کا ان سب سے مقابلہ کیا جائے، اور پوری دقیقہ سنجی کے ساتھ دیکھا جائے کہ کونسی بات وہاں کس شکل و نوعیت میں آئی ہے اور یہاں اس نے کونسی شکل و نوعیت اختیار کر لی ہے اور پھر اس اختلافِ نظر نے مقاصد و مطالب قرآنی کا معاملہ کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ ایسے اہل نظر کہاں سے آئیں؟ اور اگر کوئی ہو بھی تو اتنی زحمت کیوں برداشت کرنے لگا؟ بہرحال زمانہ اس کام کا اندازہ شناس ہو یا نہ ہو مگر مولف نے زمانہ کی حالت کا پوری طرح اندازہ کر لیا ہے، اور اول دن سے اس پر قانع ہے: جو کچھ طلب ہے استفادہ و عمل کی ہے اعتراف و تحسین کی نہیں:

از رد و ہم قبول تو فارغ نشستہ ایم
اے آں کہ خوب ما نہ شناسی ز زشتِ ما

(۷) کتاب کے ساتھ ہر سورت کے مطالب کی جو فہرست دی گئی ہے وہ صرف فہرست ہی نہیں ہے، بلکہ بجائے خود نظر و مطالعہ کی ایک چیز ہے۔ اگر ایک صاحبِ نظر پوری کتاب نظر انداز کر دے اور صرف اس فہرست پر قناعت کرے جب بھی قرآن کے مقاصد و مطالب پر اتنا عبور حاصل کر لے گا جو شاید دوسری صورتوں میں حاصل نہ کیا جا سکے۔ یہ گویا بجائے خود ایک مجمل تفسیر ہے جو ہر سورت کے مطالب و دقائق کو پوری ترتیب و تعلیل کے بعد بہ یک نظر واضح و آشکارا کر دیتی ہے:

پہلی جلد کی فہرست جب میں نے مرتب کرنی چاہی تو اس سے زیادہ کوئی بات پیش نظر نہ تھی کہ ایک فہرست مرتب ہو جائے لیکن قلم نے بلا قصد اسلوبِ نگارش کا ایک ایسا رخ اختیار کر لیا، کہ ترتیب کے بعد دیکھا، تو معاملہ کچھ سے کچھ ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ ایک دوست عزیز نے جنکی نظر سے ابھی اصل کتاب نہیں گذری تھی صرف سورۂ بقرہ کی فہرست کا پروف پڑھ کر سورۂ بقرہ کی پوری تفسیر پر ایک جامع و مانع تعریر سنا دی۔ اب ہی اسلوبِ ترتیب اس جلد کی فہرست میں بھی قصداً ملحوظ رکھا گیا ہے، اور امید ہے کہ اہل ذوق کے لئے مزید علم و بصیرت کا موجب ہوگا۔

تیسری جلد کے آخر میں ایک عام اور ابجدی فہرست بھی بڑھائی جائیگی، جو مختلف جہتوں سے مطالب قرآنی کا تجزیہ و تحلیل کرتے ہوئے ہر نوع و قسم کو الگ الگ کر کے نمایاں کرے گی۔ اور انشاء اللہ اپنی نوعیت میں نہایت نافع اور جامع ثابت ہوگی۔ فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ واولئک ھم اولوا الالباب (۳۹: ۱۸)

ابو الکلام :- ۱۳ اپریل ۱۹۳۶ء
موتی نگر۔ کانگریس کیمپ۔ لکھنؤ۔

۱۱ إِلَّآ إِبْلِيسَ لَمْ يَكُن مِّنَ السّٰجِدِينَ ○ قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ قَالَ أَنَا خَيْرٌ
۱۲ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ○ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَن تَتَكَبَّرَ
۱۳-۱۴ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِينَ ○ قَالَ أَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ○ قَالَ إِنَّكَ مِنَ
۱۵-۱۶ الْمُنظَرِينَ ○ قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ○ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم مِّن
۱۷ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شٰكِرِينَ ○

(ب) ملائکہ نے تعمیل کی لیکن ابلیس نے انکار و سرکشی کی راہ اختیار کی۔

(ج) آدم سے بھی لغزش ہوئی، لیکن اس نے سرکشی نہیں کی۔ عجز و اعتراف کا سر جھکا دیا۔

(د) اب بنی آدم کے لئے دو راہیں ہو گئیں۔ ایک آدم والی کہ احکام الٰہی کی اطاعت کرنا۔ اور اگر قصور ہو جائے تو توبہ و انابت کا سر جھکا دینا۔ دوسری ابلیس والی کہ پہلے نافرمانی کرنا، پھر عجز و اعتراف کی جگہ سرکشی و تکبر کی چال چلنا۔ جو پہلی راہ چلے گا کامیاب ہوگا۔ جو دوسری راہ چلے گا نامراد ہوگا۔

(ہ) ابلیس کے گھمنڈ اور گستاخانہ جرأت کے ذکر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ برائی کی قوتیں جب سر اٹھاتی ہیں تو ان کی سرکشی کا ایسا ہی حال ہوتا ہے، اور

(و) یہاں ڈھیل اور مہلت سب کے لئے ہے، اچھوں کے لئے بھی اور بروں کے لئے بھی۔

یاد رہے کہ قرآن نے حقایق کی دو قسمیں کر دی ہیں:۔ ایک وہ جن کا تعلق عالم غیب سے ہے یعنی غیر محسوسات سے ایک وہ جن کا تعلق عالم شہادت سے ہے یعنی محسوسات سے۔ نوع انسان کی ابتدائی پیدائش اور نشو و نما کا معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ ہم اپنے وسایل ذہن و ادراک سے کوئی یقینی علم اس بارے میں حاصل نہیں کر سکتے اور اس لئے ضروری ہے کہ کتاب الٰہی نے جو کچھ بیان کیا ہے اس پر ایمان لائیں۔ آدم کی سرگزشت کی تاریخ تورات ہی سے شروع نہیں ہوتی بلکہ آثار قدیمہ کے انکشافات نے اسے بہت قدیم عہد تک پہنچا دیا ہے کم سے کم یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ تورات سے کئی ہزار

۱۱ جھکنے والوں میں سے نہ تھا۔
خدا نے فرمایا "کس بات نے تجھے جھکنے سے روکا جبکہ میں نے حکم دیا تھا؟"
کہا "اس بات نے کہ میں آدم سے بہتر ہوں
۱۲ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا۔ اسے مٹی سے"۔
فرمایا "جنت سے نکل جا۔ تیری یہ ہستی نہیں کہ یہاں رہ کر سرکشی کرے۔ یہاں سے نکل دور ہو یقیناً
۱۳ تو ان میں سے ہوا جو ذلیل و خوار ہیں!"
ابلیس نے کہا "مجھے اس وقت تک کے لئے مہلت دے جب لوگ (مرنے کے بعد) اٹھائے
۱۴ جائیں گے"۔
۱۵ فرمایا "تجھے مہلت ہے"
اس پر ابلیس نے کہا "چونکہ تو نے مجھ پر راہ بند کر دی، تو اب بھی ایسا ضرور کروں گا کہ تیری سیدھی راہ سے بھٹکانے کے لئے بنی آدم کی تاک میں
۱۶ بیٹھوں۔ پھر سامنے سے، پیچھے سے، داہنے سے، بائیں سے (غرضکہ ہر طرف سے) ان پر آؤں، اور تو ان میں سے اکثروں کو شکر گذار نہ پائے
۱۷ گا"۔ گزار

اَلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَلَنَسْــَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْــَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝
۵-۶ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَاۗىِٕبِيْنَ ۝ وَالْوَزْنُ يَوْمَىِٕذِۨ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ
۷ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
۸ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا
۹ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۤ فَسَجَدُوْٓا
۱۰ ع ۱۰/۸

مجرم
پکار اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ "بلاشبہ ہم ظلم کرنے والے تھے"!
۵ تو دیکھو، یقیناً ہم ان لوگوں سے باز پرس کریں گے جن کی طرف پیغمبر بھیجے گئے (کہ انہوں نے
پیغمبروں کی دعوت پر کان دھرا یا نہیں) اور یقیناً پیغمبروں سے بھی باز پرس ہوگی (کہ انہوں نے
فرضِ رسالت ادا کیا یا نہیں) اور پھر یقیناً ایسا ہوگا کہ (اُن کے اعمال کی سرگذشت) ہم اپنے علم
۶ سے انہیں سنا دینگے، اور ہم غائب نہ تھے (کہ بے خبر ہوں)
۷ اور اس دن (اعمال کا) تولنا برحق ہے۔

پھر جس کسی (کی نیکیوں کا) پلہ بھاری نکلے گا، تو
کامیابی اسی کے لئے ہوگی، اور جس کسی کا پلہ ہلکا
۸ ہوگا، تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے اپنے
ہاتھوں اپنا نقصان کیا۔ کیونکہ وہ ہماری آیتوں
کے ساتھ ناانصافی کرتے تھے!

(۶) قانونِ الٰہی یہ ہے کہ ہر فرد اور جماعت کو ویسے
ہی نتائج ملیں گے، جیسے کچھ اس کے اعمال ہوں گے۔
کامیاب انسان وہ ہوگا جس کی بھلائیاں برائیوں سے
زیادہ ہوں گی۔ نامراد وہ ہوگا۔ جس کی برائیوں کے
وزن سے بھلائیاں دب جائیں گی۔ دنیا میں اشیاء کے
موازنہ کے لئے ترازو کام دیا کرتا ہے۔ اسی طرح اعمال
کے موازنہ کے لئے بھی قدرت نے ایک معیار مقرر کر دیا ہے
جس کی تول میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی۔

۹ اور (دیکھو) ہم نے تمہیں (یعنی نوعِ انسانی
کو) زمین میں (قدرت و اختیار کے ساتھ) بسا دیا، اور زندگی کے سر و سامان مہیا کر دئے، مگر بہت کم
۱۰ ایسا ہوتا ہے کہ شکر گذار ہو!

اور (دیکھو، یہ ہماری ہی کارفرمائی ہے کہ) ہم
نے تمہیں پیدا کیا (یعنی تمہارا وجود پیدا کیا، پھر تمہاری
(یعنی نوعِ انسانی کی) شکل و صورت بنا دی پھر (وہ
وقت آیا کہ) فرشتوں کو حکم دیا: "آدم کے آگے جھک
جاؤ" اس پر سب جھک گئے۔ مگر ابلیس، کہ

(۷) نسلِ انسانی کی سعادت و شقاوت کی ابتدائی
سرگذشت، اور ہدایت وحی کی ابتدا،
(ا) پہلے انسان کے وجود کی تخلیق ہوئی، پھر اس کی
صورت بنی، پھر وہ وقت آیا کہ آدم کا ظہور ہوا، اور
اس نے وہ مقام حاصل کر لیا کہ ملائکہ کو حکم ہوا، اس
کے آگے سر بسجود ہو جاؤ۔

٢٢ أَقُل لَّكُمَآ إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا
٢٣ وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِينَ ۝ قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ
٢٤-٢٥ ع ١٥/٢ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلٰى حِينٍ ۝ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ۝ ع يٰبَنِي
آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ
٢٦ مِنْ آيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝ يٰبَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم
مِّنَ الْجَنَّةِ يَنزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا إِنَّهُ يَرٰكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ

اُنھوں نے عرض کیا "~~پروردگار~~ خدایا! ہم نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا۔ اگر تو نے ہمارا قصور نہ بخشا
٢٣ اور ہم پر رحم نہ فرمایا، تو ہمارے لئے بربادی کے سوا کچھ نہیں!"
فرمایا "یہاں سے نکل جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ اب تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے،
٢٤ اور یہ کہ ایک خاص وقت تک وہاں سر و سامان زندگی سے فائدہ اُٹھاؤ گے۔
٢٥ اور فرمایا "تم اسی میں جیو گے، اسی میں مرو گے، پھر اسی سے (مرنے کے بعد) نکالے جاؤ گے!

— اے اولادِ آدم! ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس مہیا
کر دیا جو جسم کی ستر پوشی کرتا ہے اور ایسی چیزیں بھی جو زیب و زینت
— کا ذریعہ ہیں۔ نیز تمہیں پرہیزگاری کی راہ دکھا دی
کہ تمام لباسوں سے بہتر لباس ہے یہ اللہ کے
فضل و رحمت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی
٢٦ ہے تاکہ لوگ نصیحت ~~پذیر ہوں~~ پکڑیں"
(اور خدا نے فرمایا:) "اے اولادِ آدم! دیکھو،
کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں اُسی طرح بہکا
دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو بہکا کر جنت سے
نکلوا دیا تھا، اور ان کے لباس اتروا دئے تھے
کہ ان کے ستر اُنھیں دکھا دے۔ وہ اور اس کا گروہ
تمہیں اس طرح دیکھتا ہے کہ تم اسے نہیں دیکھتے
یاد رکھو، ہم نے یہ بات ٹھہرا دی ہے کہ جو لوگ

(۸) اب یہاں سے آیت (۳۶) تک اولادِ آدم سے خطاب ہے یعنی وہ احکام بیان کیے گئے ہیں جو آدم کی ابتدائی نسل کے افراد کو دیے گئے تھے جب وہ زمین پر پھیل گئے:
(ا) خدا نے زمین کی پیداوار میں تمہارے لئے لباس کا سامان پیدا کر دیا۔ اس میں پوشش و حفاظت بھی ہے اور زیب و زینت بھی نیز اس نے ایک دوسرا لباس بھی مہیا کر دیا ہے اور وہ لباسِ تقویٰ ہے۔ پہلا جسم کی حفاظت و زینت ہے۔ دوسرا رُوح کی۔
(ب) دنیا کا سامان زیب و زینت خدا کی بخشی ہوئی نعمت ہے پس دینداری کا مقتضا یہ ہوا کہ انہیں کام میں لایا جائے نہ یہ کہ ان سے گریز کیا جائے۔ خدا کی عبادت کرو، تو اپنے سامانِ زینت سے آراستہ ہو کر کرو۔
(ج) کھاؤ پیو، دنیا کی تمام نعمتیں کام میں لاؤ مگر اسراف یعنی بے اعتدالی نہ کرو۔ یہ بات کہ دنیا کی تمام راحتوں اور لذتوں سے فائدہ اٹھانا، مگر بے اعتدالی سے بچنا، دینِ حقیقی کی وہ بنیادی اصل ہے جس کی اولادِ آدم کو تعلیم دی گئی تھی۔

١٨ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا ۖ لَّمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكُمْ أَجْمَعِينَ ۝
١٩ وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ
٢٠ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِن
سَوْآتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَن تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا
٢١ مِنَ الْخَالِدِينَ ۝ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ ۝ فَدَلَّاهُمَا بِغُرُورٍ ۚ فَلَمَّا
ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِن وَرَقِ الْجَنَّةِ ۖ وَ
نَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَن تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ

سال پہلے بابل اور مصر میں کسی ایسے واقعہ کا اعتقاد عام تھا چنانچہ کالڈیا کی اینٹوں پر اس کے نقوش ملے ہیں۔ اور زبرس کے معبد میں اس کی تصاویر نمایاں ہیں اور ہیرو گلیفی نقوش بھی اس کے اشاروں سے خالی نہیں۔

غلطی

خدا نے فرمایا "یہاں سے نکل جا۔ ذلیل اور دھتکارا ہوا۔ بنی آدم میں سے جو کوئی تیری پیروی کرے گا، تو وہ تیرا ساتھی ہوگا، اور) میں البتہ ایسا کروں گا
١٨ کہ (پاداشِ عمل میں) تم سب سے جہنم بھر دوں !"
"اے آدم! تو اور تیری بیوی، دونوں جنّت میں رہو سہو، اور جس جگہ سے جو چیز پسند آئے شوق سے کھاؤ۔ مگر دیکھو، (وہ جو ایک درخت ہے تو) اس درخت کے قریب بھی نہ جانا۔ اگر گئے، تو یاد
١٩ رکھو، تم زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے"۔
لیکن پھر ایسا ہوا کہ شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا، تاکہ اُن کے ستر جو اُن سے چھپے تھے، ان پر کھول دے۔ اس نے کہا "تمہارے پروردگار نے اس درخت سے جو تمہیں روکا ہے، تو صرف اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو، تم فرشتے بن جاؤ، یا دائمی زندگی تمہیں حاصل ہو جائے"۔
اس نے قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کہ میں تم دونوں کو خیر خواہی سے نیک بات سمجھانے والا
۲ ہوں۔
غرض کہ شیطان (اس طرح کی باتیں سنا سنا کر بالآخر) اُنہیں فریب میں لے آیا۔ پھر جونہی ایسا ہوا کہ اُنہوں نے درخت کا پھل چکھا، اُن کے ستر اُن پر کھل گئے، اور جب اُنہیں اپنی برہنگی دیکھ کر شرم محسوس ہوئی، (تو) باغ کے پتّے، اوپر تلے رکھ کر، اپنے جسم پر چپکانے لگے۔ اُس وقت اُن کے پروردگار نے پکارا "کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہیں روک دیا تھا، اور کیا میں نے نہیں کہہ
٢٢ دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے"!

وَيَحْسَبُونَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُونَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا ۳۰
وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ ۳۱ ع ۴
وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ
كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ ۳۲
مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ

ہمہ سمجھے کہ راہِ راست پر ہیں! ۳۰

(اور ہم نے حکم دیا تھا) اے اولادِ آدم! عبادت کے ہر موقع پر اپنے جسم کی زیب و زینت سے آراستہ رہا کرو۔ نیز کھاؤ پیو، مگر حد سے نہ گذر جاؤ۔ خدا انہیں پسند نہیں کرتا جو حد سے گذر جانے والے ہیں۔

۳۱ (اے پیغمبر!) اِن لوگوں سے کہو "خدا کی زینت جو اُس نے اپنے بندوں کے برتنے کے لئے پیدا کی ہیں اور کھانے پینے کی اچھی چیزیں کس نے حرام کی ہیں"؟

تم کہو۔ یہ (نعمتیں) تو اسی لئے ہیں کہ ایمان والوں کے کام آئیں۔ دنیا کی زندگی میں (زندگی کی مکروہات کے ساتھ اور) قیامت کے دن (ہر طرح کی مکروہات سے) خالص! دیکھو، اس طرح ہم اُن لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں جو جاننے والے ہیں!

(اے پیغمبر!) اِن لوگوں سے کہو "میرے پروردگار نے جو کچھ حرام ٹھہرایا ہے وہ تو یہ ہے کہ بے حیائی کی باتیں جو کھلے طور پر کی جائیں اور جو چھپا کر کی جائیں۔

کے خلاف نہیں ہیں، بلکہ ان کو کام میں لانا عین منشاءِ ایزدی کی تعمیل ہے، چنانچہ فرمایا، اولادِ آدم کو جو تعلیم دی گئی تھی، وہ یہ تھی کہ اپنی زیب و زینت سے آراستہ ہو کر خدا کی عبادت کرو!

پیروان مذاہب کی عالمگیر گمراہی یہ تھی کہ سمجھتے تھے روحانی سعادت جبھی مل سکتی ہے کہ دنیا ترک کر دی جائے اور خدا پرستی کا مقتضا یہ ہے کہ زینتوں اور آسائشوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔ قرآن کہتا ہے، حقیقت اس کے عین برعکس ہے، تم سمجھتے ہو زندگی کی زینتیں اس لئے ہیں کہ ترک کر دی جائیں۔ حالانکہ وہ اس لئے ہیں کہ کام میں لائی جائیں۔ دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں کو ٹھیک طور پر کام میں لانا، مشیت الٰہی کو پورا کرنا ہے۔

خدا نے زمین میں جو کچھ پیدا کیا ہے سب تمہارے ہی لئے ہے، کھاؤ پیو، زینت و آسائش کی تمام نعمتیں کام میں لاؤ مگر حد سے نہ گزر جاؤ۔ دنیا نہیں۔ دنیا کا بے اعتدالانہ استعمال روحانی سعادت کے خلاف ہے۔

زندگی کی جن زینتوں کو پیروان مذاہب خدا پرستی کے خلاف سمجھتے تھے انہیں قرآن "زینۃ اللہ" یعنی خدا کی زینتوں سے تعبیر کرتا ہے!

یہ آیت قرآن کا ایک انقلاب انگیز اعلان ہے جس نے انسان کی دینی ذہنیت کی بنیادیں اُلٹ دیں۔ وہ دنیا جو نجات و سعادت کی طلب میں دنیا ترک کر رہی تھی۔ اب اسی نجات و سعادت کو دنیا کی تعمیر و ترقی میں

اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا ٢٧
عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا
تَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۟ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ ٢٨
مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ ٢٩
اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

ایمان نہیں رکھتے، اُن کے رفیق و مددگار شیاطین (شیطان) ہوتے ہیں۔

اور یہ لوگ (یعنی مشرکین عرب) جب بے حیائی کی (سخت برائیوں کی) باتیں کرتے ہیں، تو کہتے ہیں "ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے اور (چونکہ وہ کرتے رہے ہیں۔ اس لئے) خدا نے ایسا ہی کرنے کا ہمیں حکم دیا ہے"۔ (اے پیغمبر!) تم کہہ دو۔ "خدا کبھی بے حیائی کی باتوں کا حکم نہیں دے گا۔ کیا تم خدا کے نام پر ایسی بات کہنے کی جرأت کرتے ہو جس کے لئے تمہارے پاس کوئی علم نہیں؟"

تم کہو میرے پروردگار نے جو کچھ حکم دیا ہے، وہ تو یہ ہے کہ (ہر بات میں) اعتدال کی راہ اختیار کرو، اپنی تمام عبادتوں میں خدا کی طرف توجہ درست رکھو، اور دین کو اُس کے لئے خالص کرکے اُسے پکارو۔ اُس نے جس طرح تمہاری ہستی شروع کی، اسی طرح لوٹائے جاؤگے"۔

(۸) خدا کا قانون یہ ہے کہ انسان کی ہدایت کے لئے
٢٧ پیغمبر مبعوث کرتا ہے۔ پھر جو کوئی اصلاح کی راہ اختیار کرتا ہے فلاح پاتا ہے۔ جو سرکشی کرتا ہے تباہ ہوتا ہے۔
یہاں خصوصیت سے لباس کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ اس میں انسان کی عقلی زندگی کا سب سے پہلا مظاہرہ تھا۔ جب وہ لباس پہننے لگا، تو یہ گویا اس حقیقت کا اعلان ہوا کہ اس کا اخلاقی شعور اُبھر آیا ہے، صنعت و اختراع کی راہوں سے آشنا ہو گیا ہے، اور محض حیوانی زندگی کی جگہ انسانی زندگی کی خصوصیات نشوونما (پانے لگی) ہیں۔
(۹) خدا کے دین کی اصلی تعلیم تو یہ تھی لیکن لوگوں نے خود ساختہ گمراہیاں پیدا کر لیں اور اُنہیں حکم الٰہی سمجھنے لگے۔ آیت (۲۸) میں فرمایا، گمراہی کا سب سے بڑا سرچشمہ اپنے
٢٨ بزرگوں کی تقلید ہے۔ مشرکین عرب کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی "ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے"!
(۱۰) آیت (۲۹) میں دین حق کے تین بنیادی اصول واضح کر دیئے: عمل میں اعتدال، عبادت میں توجہ، اور خدا پرستی میں اخلاص۔ یہ آیت باب توحید میں اصل اصول ہے فرمایا "دین کو خدا کے لئے خالص کرکے اسے پکارو" یعنی دین کی جتنی باتیں ہیں وہ صرف خدا کے لئے مخصوص کر دو!
(یعنی جو گروہ ہے)
(۱۱) رہبانیت کا رد، اور اس اصل عظیم کا اعلان
٢٩ کہ دنیوی زندگی کی آسائشیں اور زینتیں خدا پرستی

(تمہارے دو گروہ ہو گئے) ایک گروہ کو (اس کے ایمان و نیک عملی کی وجہ سے کامیابی کی) راہ دکھائی۔ دوسرے پر (اس کے انکار و بدعملی سے) گمراہی ثابت ہو گئی۔ ان لوگوں نے (یعنی دوسرے گروہ نے) خدا کو چھوڑ کر (کے سوا) شیطانوں کو اپنا رفیق بنا لیا، (یعنی مفسدوں اور شریروں کی تقلید کی) یا ایں

أُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُم مِّنَ الْكِتٰبِ حَتّٰىٓ إِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوٓا أَيْنَ مَا كُنتُمْ
تَدْعُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلٰٓى أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كٰفِرِينَ ۝ قَالَ ٣٧
ادْخُلُوا فِىٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِى النَّارِ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ
أُخْتَهَا حَتّٰىٓ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرٰىهُمْ لِأُولٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ أَضَلُّونَا فَـَٔاتِهِمْ
عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ۝ وَقَالَتْ أُولٰىهُمْ لِأُخْرٰىهُمْ ٣٨
فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ۝ ٣٩ ع

زیعنی منکروں کا ہے جو اسے جھٹلاتا ہے۔ جو شخص خدا پر بہتان باندھے اس سے بڑھ کر کوئی گنہگار نہیں، اور جو سچے کو جھٹلائے اسکی بدبختی میں بھی کلام نہیں اب نتائج فیصلہ کر دینگے کہ کون فریق مستحق عذاب ہے، اور کون مستحق کامیابی و ارجمندی۔

اسے مامور نہیں کیا ہے مگر وہ کہے میں مامور ہوں) اور اس سے بڑھ کر جو خدا کی آیتیں جھٹلائے؟ (یعنی خدا کا کلام واقعی نازل ہوا ہو اور وہ ضد اور سرکشی سے کہے نازل نہیں ہوا؟) یہی لوگ ہیں کہ (علم الٰہی کے) نوشتہ

میں جو کچھ ان کے لئے ٹھہرا دیا گیا ہے اس کے مطابق اپنا حصہ پاتے رہیں گے لیکن بالآخر جب ہمارے فرستادہ
پہنچیں گے کہ انہیں وفات دیں، تو اس وقت وہ کہینگے "جن ہستیوں کو تم خدا کے سوا پکارا کرتے تھے اب وہ
کہاں ہیں؟" وہ جواب دینگے "وہ ہم سے کھوئی گئیں" (یعنی ان کی ہستی و طاقت کی کوئی نمود ہمیں دکھائی ٣٧
نہ دی) اور (اس طرح) اپنے اوپر خود گواہی دینگے کہ وہ واقعی (سچائی سے) منکر تھے۔
اس پر حکم الٰہی ہوگا "انسانوں اور جنوں کی ان امتوں کے ساتھ جو تم سے پہلے گذر چکی ہیں تم بھی

(٤١) اصحاب دوزخ کے بعض احوال و واردات جو عالم آخرت میں پیش آئیں گے۔
آیت (٣٨) میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ جب کوئی جماعت برائی میں مبتلا ہوتی ہے تو خود بھی گمراہ ہوتی ہے۔ اور دوسروں کے لئے بھی گمراہی کی مثال قائم کر دیتی ہے اسی لئے پچھلی امتیں اپنے سے پہلی امتوں پر لعنت بھیجیں گی کہ ان کی تقلید و پیروی میں ہم گمراہ ہوئیں۔ فرمایا "تم میں سے ہر ایک کے لئے دوگنا عذاب ہے" یعنی ہر ایک جماعت خود بھی گمراہ ہوئی اور اپنے سے بعد آنے والوں کے لئے بھی بری مثال قائم کی۔ پس سب اس کی مستحق ہوئیں کہ دوگنا عذاب پائیں۔

آتش دوزخ میں داخل ہو جاؤ"
جب کبھی ایسا ہوگا کہ ایک امت دوزخ
میں داخل ہو تو وہ اپنی طرح کی دوسری امت پر لعنت
بھیجیگی۔ پھر جب سب اکٹھی ہو جائیں گی، تو پچھلی امت
پہلی امت کی نسبت کہیگی "خدایا! یہ لوگ
ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا۔ (یعنی جن کی تقلید میں
ہم گمراہ ہوئے) تو انہیں آتش عذاب کا دوگنا عذاب دیجیو"
خدا فرمائے گا "تم میں سے ہر ایک کے لئے دوگنا ٣٨
عذاب ہے لیکن تمہیں معلوم نہیں"
(اور یہ سن کر) پہلی امت پچھلی امت سے کہیگی "دیکھو تمہیں (عذاب کی کمی میں) ہم پر کوئی بڑائی نہ ہوئی تو جیسی ٣٩

٣٣ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ
٣٤ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ
٣٥ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ
٣٦ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ فَمَنْ اَظْلَمُ
مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ

گناہ کی باتیں۔
ناحق کی زیادتی۔
یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری۔
اور یہ کہ خدا کے نام سے ایسی بات کہو جس کے
٣٣ لئے تمہارے پاس کوئی علم نہیں۔"
اور (دیکھو) ہر اُمت کے لئے ایک ٹھہرایا ہوا وقت ہے سو جب کسی امت کا ٹھہرایا ہوا وقت
٣٤ آگیا، تو پھر نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتی ہے نہ ایک گھڑی آگے (جو کچھ اس کے لئے ہونا ہے ہو گزرتا ہے)

(اور فرمانِ الٰہی ہوا تھا:) "اے اولادِ آدم! جب کبھی ایسا ہو کہ میرے پیغمبر تم میں پیدا ہوں اور میری آیتیں تمہیں پڑھ کر سنائیں، تو جو کوئی (ان کی تعلیم سے متنبہ ہو کر) برائیوں سے بچے گا اور اپنے آپ کو سنوار لے گا، اس کے لئے کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا، نہ کسی طرح کی غمگینی۔"

"لیکن جو لوگ میری آیتیں جھٹلائیں گے اور اُن کے مقابلے میں سرکشی کرینگے، تو وہ دوزخی ہوں گے ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے!"

پھر بتلاؤ، اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوا، جو جھوٹ بولتے ہوئے خدا پر بہتان لگائے؟ (یعنی خدا نے

ڈھونڈھنے لگی!

یہاں زینت سے مقصود وہ تمام چیزیں ہیں۔ جو زندگی کی قدرتی ضروریات سے زیادہ ہوں۔ مثلاً اچھا لباس، اچھا کھانا، معیشت کی تمام بے ضرر آسائشیں اور لذتیں۔

(٢٢) پچھلی آیت (٣٤) میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ افراد کی طرح جماعتوں کی موت و حیات کے لئے بھی مقررہ قوانین ہیں، اور ان کے احکام اٹل ہیں جب ایک جماعت کا شر و فساد اُس حد تک پہنچ جاتا ہے جو جماعتوں کی ہلاکت کے لئے ٹھہرا دی گئی ہے، تو پھر ظہورِ نتائج میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں ہوتی۔

یہاں اس اشارہ سے مقصود رؤساءِ عرب کی تنبیہ
٣٥ اور مومنوں کی تذکیر ہے کہ انقلابِ حال کا وقت آگیا ہے اور ضروری ہے کہ فیصلہ کن نتائج ظہور میں آئیں۔

(١٣) آیت (٣٥) میں فرمایا کہ اولادِ آدم کو ہدایتِ وحی کے وقتاً فوقتاً ظہور کی خبر دی گئی تھی۔ اسی قانون کے
٣٦ مطابق اب پیغمبرِ اسلام کا ظہور ہوا ہے۔ وہ اپنے دعوی میں سچا ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ آنے والے نتائج کر دینگے، کیونکہ صورتِ حال نے دو فریق پیدا کر دیے ہیں۔ ایک داعیِ قرآن ہے جو کہتا ہے میں خدا کی طرف سے مامور ہوں۔ دوسرا

وَنَادَىٰٓ أَصْحَٰبُ ٱلْجَنَّةِ أَصْحَٰبَ ٱلنَّارِ أَن قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدتُّم مَّا
۴۴ وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۖ قَالُوا۟ نَعَمْ ۚ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ أَن لَّعْنَةُ ٱللَّهِ عَلَى ٱلظَّٰلِمِينَ ۝ ٱلَّذِينَ
۴۵ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُم بِٱلْءَاخِرَةِ كَٰفِرُونَ ۝ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَ
عَلَى ٱلْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّۢا بِسِيمَىٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا۟ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ أَن سَلَٰمٌ عَلَيْكُمْ ۚ
۴۶ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ۝ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَٰرُهُمْ تِلْقَآءَ أَصْحَٰبِ ٱلنَّارِ قَالُوا۟ رَبَّنَا
۴۷ ع ۱۲ لَا تَجْعَلْنَا مَعَ ٱلْقَوْمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ۝ وَنَادَىٰٓ أَصْحَٰبُ ٱلْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُم بِسِيمَىٰهُمْ
قَالُوا۟ مَآ أَغْنَىٰ عَنكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ۝

اور جنت والوں نے دوزخیوں کو پکارا "ہمارے پروردگار نے جو کچھ ہم سے وعدہ کیا تھا، ہم نے اسے سچا
پایا۔ پھر کیا تم نے بھی وہ تمام باتیں ٹھیک پائیں جن کا تمہارے پروردگار نے تم سے وعدہ کیا تھا؟"
پھٹکار دوزخی جواب میں بولے "ہاں" اس پر ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا "ظالموں پر خدا کی لعنت ہو، ان ظالموں
۴۴ پر جو خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے تھے، اور چاہتے تھے وہ سیدھی نہ ہو، اس میں کجی ڈالی رہے۔ اور آخرت
۴۵ کی زندگی سے بھی منکر تھے۔"

اور (دیکھو) ان دونوں کے درمیان ایک اوٹ ہے اور اعراف (یعنی بلندی پر) کچھ لوگ ہیں جو (دونوں گروہوں میں سے) ہر ایک کو اس کے قیافہ سے پہچان لیتے ہیں۔ ان لوگوں نے جنت والوں کو پکارا "تم پر سلامتی ہو" وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے۔ اس کے
۴۶ آرزومند ہیں۔

اور جب ان لوگوں کی نگاہ دوزخیوں کی طرف پھری (اور ان کی ہولناک حالت نظر آئی) تو پکار اٹھے
۴۷ "خدایا! پروردگار! ہمیں ظالم گروہ کے ساتھ شامل نہ کیجیو!"
اور "اعراف" والوں نے ان لوگوں کو پکارا
جنہیں وہ ان کے قیافہ سے پہچان گئے تھے۔
"نہ تو تمہارے جتھے تمہارے کام آئے، نہ تمہاری
۴۸ بڑائیاں۔"

(۶۹) دو مقام ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں۔ انہیں الگ الگ کر دینا ہو تو درمیان میں دیوار کھڑی کر دیتے ہیں فرمایا، جنت اور دوزخ کی تقسیم بھی ایسی ہی سمجھو۔ ایک دیوار ہے جس نے ایک کو دوسرے سے الگ کر دیا ہے۔ ایک قدم ادھر رہ گئے تو دوزخ ہے۔ آگے بڑھ گئے تو جنت ہے چنانچہ سورۂ حدید میں ہے: "جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان ایک دیوار ہے جس میں دروازہ ہے اندر جاؤ تو رحمت ہے۔ باہر رہو تو عذاب" (۵۷: ۱۳)
اسی دیوار کو یہاں "اعراف" سے تعبیر کیا ہے "اعراف" کا اطلاق ہر ایسی چیز پر ہوتا ہے جو زمین سے بلند ہو۔ فرمایا، جنت و دوزخ کے لئے بھی ایک اعراف ہے جہاں سے دونوں طرف دیکھا جا سکتا ہے۔
اگر حقیقت کے رمز شناس ہو، تو پالوگے کہ زندگی کے ہر گوشہ میں جنت دوزخ کی تقسیم کا یہی حال ہے۔ دونوں کی سرحدیں اس طرح ملی ہوئی ہیں کہ ایک قدم پیچھے رہ گئے اور جنت کی جگہ دوزخ میں پڑ گئے۔ بسا اوقات ایک قدم کی تیزی یا کوتاہی جنت سے دوزخ

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ
يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ○ لَهُم مِّن جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِن ۴۰
فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ○ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا ۴۱
إِلَّا وُسْعَهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ ۴۲
تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ ۖ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا
اللَّهُ ۖ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۖ وَنُودُوا أَن تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ○ ۴۳ نقطہ

کچھ کمائی کر چکے ہو! اس کے مطابق اب عذاب کا مزہ چکھ لو!

جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں اور ان کے مقابلہ میں سرکشی کی تو (یاد رکھو) ان کے لئے آسمان کے دروازے کبھی کھلنے والے نہیں۔ ان کا جنت میں داخل ہونا ایسا ہی ہے جیسے سوئی کے ناکے سے اونٹ کا گزر جانا۔ اسی طرح ہم مجرموں کو ان کے جرموں کا بدلہ دیتے ہیں! (یعنی ہم نے اسی طرح قانون جزاء ٹھہرا دیا ہے)۔ ۴۰

ان کے نیچے آگ کا بچھونا ہوگا، اوپر آگ کی چادر، ہم ظلم کرنے والوں کو ان کے ظلم کا ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں! ۴۱

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کے کام بھی اچھے ہوئے اور (یاد رہے ہمارا قانون یہ ہے کہ) ہم کسی جان پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے، تو بس ایسے ہی لوگ جنت والے ہیں ۴۲ ہمیشہ جنت (کے راحت و سرور) میں رہنے والے! اور (دیکھو) ان لوگوں کے دلوں میں (ایک دوسرے کی طرف سے) جو کچھ کینہ و غبار تھا ہم نے نکال دیا۔ ان کے تلے (آگ کے شعلوں کی جگہ) نہریں رواں ہیں! انہوں نے (ایک دوسرے پر لعنت بھیجنے کی جگہ) کہا "ساری ستائش اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں اس (زندگی) کی راہ دکھائی۔ ہم کبھی اس کی راہ نہ پاتے اگر وہ ~~ہماری رہنمائی نہ کرتا~~ ہمیں راہ نہ دکھاتا۔ بلاشبہ ہمارے پروردگار کے پیغمبر سچائی کا پیغام لے کر آئے تھے" اور (دیکھو) انہوں نے ایک پکار سنی: یہ ہے جنت جو تمہارے ورثہ میں آئی، اُن (نیک) کاموں کی بدولت جو تم (دنیا میں) کرتے رہے ہو!

(۱۵) اصحاب جنت کے بعض احوال و واردات جو آخرت میں پیش آئیں گے۔

دوزخیوں کی نسبت فرمایا تھا کہ ان کی ہر جماعت دوسری جماعت پر لعنت بھیجے گی، اور ہر امت کی آرزو ہوگی کہ دوسری کو دوہرا عذاب ملے۔ یہاں فرمایا، اصحاب جنت کے دل بغض و غبار کی کدورتوں سے پاک ہوتے ہیں، کیونکہ ایمان و عمل کی پاکی کے ساتھ کینہ و عناد کی آلودگی جمع نہیں ہو سکتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصحاب دوزخ کے خصائل کا نمایاں وصف یہ ہے کہ راحت کی حالت میں ہوں یا عذاب میں ان کے دلوں میں بغض و نفرت کے سوا اور کوئی جذبہ جگہ نہیں پاتا۔ برخلاف اس کے اصحاب جنت وہ ہیں جن کے دلوں سے کینہ و غبار یک قلم دور ہو جاتا ہے!

اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ
لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ
٥٣ ع ١٣ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۞ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ
ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۟ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ

فیصلہ کا دن ہوگا!

دی گئی ہے) اس کا مطلب ~~وقوع میں~~ سامنے آجائے؟
(اگر اسی بات کا انتظار ہے، تو جان رکھیں) جس
دن اس کا مطلب وقوع میں آئے گا، اُس دن وہ لوگ کہ اسے پہلے سے بھولے بیٹھے تھے (نامرادی
وحسرت کے ساتھ) بول اُٹھیں گے "بلاشبہ ہمارے پروردگار کے پیغمبر ہمارے پاس سچائی کا پیام لے کر
آئے تھے! مگر افسوس کہ ہم نے انہیں جھٹلایا) کاش شفاعت کرنے والوں میں سے کوئی ہو جو آج ہماری شفاعت
کرے! یا کاش ایسا ہی ہو کہ ہم پھر دنیا میں لوٹائے جائیں اور جیسے کچھ کام کرتے رہے ہیں، اس کے برخلاف
(نیک) کام انجام دیں!"
بلاشبہ ان لوگوں نے اپنے ہاتھوں اپنے کو تباہی میں ڈالا اور دنیا میں جو کچھ افترا پردازیاں کیا کرتے
٥٣ تھے وہ سب (آج) اُن سے کھوئی گئیں!

(۱) توحید الوہیت[1] کی تلقین اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ "خلق" اور "امر" دونوں اللہ ہی کی ذات سے ہیں۔ یعنی وہی کائنات ہستی کا پیدا کرنے والا ہے اور اُسی کے حکم و قدرت سے اس کا انتظام بھی ہو رہا ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ تدبیر و انتظام کی دوسری قوتیں بھی موجود ہوں، جیسا کہ مشرکوں کا خیال تھا۔

"تخت پر متمکن ہوگیا" یعنی خدا کی بادشاہت کائنات ہستی میں نافذ ہوگئی۔ کیونکہ وہی خالق ہے اور وہی مدبر بھی ہے تمام عالم ہستی اسی کے تخت جلال کے آگے جھکی ہوئی ہے چنانچہ ایک دوسری جگہ فرمایا "ثم استوی علی العرش یدبر الامر"

تمہارا پروردگار تو وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ "ایام" میں (یعنی چھ دوروں میں جو یکے بعد دیگرے واقع ہوئے) پیدا کیا، اور پھر (اپنی حکومت و جلال کے) تخت پر متمکن ہوگیا۔ (اُس نے رات اور دن کی تبدیلی کا ایسا نظام ٹھہرا دیا ہے کہ) رات کی اندھیری دن کی روشنی کو ڈھانپ لیتی ہے، اور (ایسا معلوم ہوتا ہے گویا) دن کے پیچھے لپکی چلی آرہی ہو۔ اور (دیکھو) سورج، چاند،

[1] "توحید الوہیت" یعنی خدا کے سوا کوئی ہستی اس کی مستحق نہیں کہ معبود بنائی جائے۔ "توحید ربوبیت" یعنی کائنات کی پیدا کرنے والی اور پرورش کرنے والی ہستی صرف خدا ہی کی ہستی ہے۔ قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال کرتا ہے یعنی جب خالق و رب اس کے سوا کوئی نہیں تو معبود بھی اس کے سوا اور کسی کو نہیں بنانا چاہئے۔

أَهٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ
۴۹ تَحْزَنُونَ ○ وَنَادٰى أَصْحٰبُ النَّارِ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ أَوْ مِمَّا
۵۰ رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِينَ ○ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَ
۵۱ لَعِبًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا وَمَا كَانُوا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُونَ ○
وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ○ هَلْ يَنْظُرُونَ

ہیں یا دوزخ سے جنت میں پہنچا دیتی ہے۔
یک لمحہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد!

(انہوں نے جنتیوں کی طرف اشارہ کرکے کہا) "دیکھو! کیا یہ وہی لوگ نہیں ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ خدا کی رحمت سے انہیں کچھ ملنے والا نہیں؟ (لیکن انہیں تو آج رحمتِ الٰہی پکار رہی ہے:) جنت میں داخل ہو جاؤ۔
۴۹ آج تمہارے لئے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہوا ہے نہ کسی طرح کی غمگینی!"
اور دوزخیوں نے جنت والوں کو پکارا: "تھوڑا سا پانی ہم پر بہا دو (کہ گرمی کی شدت سے پھنکے جاتے ہیں) یا اس میں سے کچھ دیدو جو خدا نے تمہیں بخشا ہے" جنت والوں نے جواب دیا "خدا نے یہ دونوں
۵۰ چیزیں (آج) منکروں پر روک دی ہیں۔ (کیونکہ وہ فرماتا ہے) جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا تھا (یعنی اعمالِ حق کی جگہ ایسے کاموں میں لگے رہتے تھے جو کھیل تماشے کی طرح حقیقت سے خالی تھے) اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا، تو جس طرح انہوں نے اس دن کا آنا بھلا دیا تھا، آج وہ بھی بھلا دئے جائیں گے، نیز اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں سے جان بوجھ کر انکار کرتے
۵۱ تھے!"

(۱۶) اب منکرینِ قرآن کی طرف سلسلۂ بیان متوجہ ہوا ہے فرمایا، آدم کی اولاد کو ہدایت وحی کے وقتاً فوقتاً ظہور کی جو خبر دی گئی تھی، اسی کے مطابق قرآن کی دعوت نمودار ہوئی ہے، اور اس نے علم و بصیرت کی راہ واضح کر دی ہے۔ پھر اگر منکرینِ حق سرکشی و فساد سے باز نہیں آتے، تو انہیں کس بات کا انتظار
۵۲ ہے؟ کیا اس بات کا کہ انکار و بدعملی کے جن نتائج کی خبر دی گئی ہے، ان کا ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، لیکن جس دن ان کا ظہور ہوگا۔ اس دن کی مہلت ہی کب باقی رہے گی۔ کہ کوئی ایمان لائے؟ وہ تو اعمالِ انسانی کے آخری

اور (دیکھو) ہم نے تو ان لوگوں کے لئے ایک ایسی کتاب بھی نازل کر دی جس میں علم کے ساتھ (دینِ حق کی تمام باتیں) الگ الگ کرکے واضح کر دی ہیں، اور جو ایمان رکھنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔
پھر کیا یہ لوگ اس بات کے انتظار میں ہیں کہ (فساد و بدعملی کے جس نتیجہ کی اس میں خبر

۵۷ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ
۵۸ ع ۱۴ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝ لَقَدْ اَرْسَلْنَا
نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ
۵۹ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ
۶۰ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَ
۶۱-۶۲ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَاۗءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَ

زمین سے ہر طرح کے پھل پیدا کر دیتا ہے۔ اس طرح
ہم مُردوں کو (بھی) زندہ کر دیتے ہیں تاکہ تم (قدرتِ الٰہی
۵۷ کی کرشمہ سنجیوں میں) غور و فکر کرو!
اور (دیکھو) اچھی زمین اپنے پروردگار کے
حکم سے اچھی پیداوار ہی نکالتی ہے لیکن جو زمین نکمی
ہے اس سے کچھ پیدا نہیں ہوتا، مگر یہ کہ نکمی چیز پیدا ہو۔ اس طرح ہم (حکمت و عبرت) کی نشانیاں ان لوگوں
۵۸ کے لئے دُہراتے ہیں جو شکر کرنے والے ہیں (یعنی خدا کی نعمتوں) کے قدرشناس ہیں۔
یہ واقعہ ہے کہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف (تبلیغ حق کے لئے) بھیجا تھا۔ اس نے کہا: "اے
میری قوم! اللہ ہی کی بندگی کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ ایک بڑے ہی ہولناک
۵۹ دن کا عذاب تمہیں پیش نہ آجائے"!
اس پر اُس کی قوم کے سرآوردہ لوگوں نے جواب دیا "ہمیں تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تم صریح
۶۰ گمراہی میں پڑ گئے ہو"۔
نوح نے کہا "بھائیو! یہ بات نہیں ہے کہ میں گمراہی میں پڑ گیا ہوں۔ میں تو اس کی طرف سے
۶۱ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، (بھیجا ہوا) ہوں۔ میں اپنے پروردگار کا پیغام تمہیں پہنچاتا ہوں
۶۲ اور پند و نصیحت کرتا ہوں۔ اور اللہ کی طرف سے اس بات کا علم رکھتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں"۔
نیز (نوح نے کہا) کیا تمہیں اس بات پر اچنبھا
ہو رہا ہے کہ تمہارے پروردگار کی نصیحت ایک ایسے
آدمی کے ذریعہ تمہیں پہنچی جو تم ہی سے ہے؟ اور اس

نمایاں ہوتی ہے جن کا ظہور دریائے دجلہ و فرات کے دوآبہ میں ہوا تھا۔ جو انسانی تمدن کا سب سے قدیم گہوارہ ہے۔ اور جہاں غالباً سب سے پہلے بت پرستی کا ظہور ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسانی جمعیت اپنی ابتدائی اور فطری ہدایت کی راہ سے سب سے پہلے وہیں گمراہ ہوئی۔

(ب) اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں۔ مذہبی سچائی کی اصلی بنیاد یہی ہے اسی لئے قرآن نے تمام پیغمبروں کی زبانی اسے نقل کیا ہے۔ انسانی ذہن و ادراک صرف محسوسات کا علم حاصل کر سکتے ہیں لیکن اُس سے آگے کیا ہے؟ اس کے علم کا اُس کے پاس کوئی عقلی ذریعہ نہیں۔

۵۴ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا
۵۵ وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ
۵۶ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ
بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ
الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ

(۱۸) آیت (۵۵) سے سلسلہ بیان اسی مقصد کی طرف پھر گیا ہے جس سے سورت کی ابتدا ہوئی ہے۔ یعنی قرآن کی دعوت کی راہ میں کتنی ہی مشکلات پیش آئیں لیکن اس کی کامیابی اٹل ہے اور اہل ایمان کو اس بارے میں دل تنگ نہ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ آیت (۵۶) میں فرمایا، خدا کی رحمت نیک کرداروں
۵۴ سے دور نہیں۔

پھر (۵۷) میں ایک مثال بیان کی۔ جب پانی برسنے کو ہوتا ہے، تو پہلے بارانی ہوائیں چلنے لگتی ہیں، پھر پانی برستا ہے اور مردہ زمین زندہ ہو کر سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے
۵۵ یہی حال ہدایت وحی اور اس کے انقلاب کا ہے۔ پہلے اس کی علامتیں نمودار ہوتی ہیں۔ پھر اس کی برکتوں سے مردہ روحوں میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ چنانچہ ہوائیں چلنا شروع ہو گئی ہیں۔ اب باران رحمت کی برکتوں کے ظہور کا انتظار کرو۔

لیکن بارش سے صرف وہی زمین فائدہ اٹھا سکتی ہے جس میں اس کی استعداد ہو۔ شور زمین پر کتنی ہی بارش ہو، سرسبز نہ ہوگی۔ اسی طرح قرآن کی ہدایت سے بھی وہی روحیں شاداب ہوں گی جن میں قبولیت حق کی استعداد ہے۔ جنہوں نے استعداد کھو دی، ان کے حصہ میں محرومی
۵۶ و نامرادی کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔

(۱۹) اس کے بعد آیت (۵۹) سے پچھلی دعوتوں کا تذکرہ شروع ہوتا ہے اور یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اس انقلاب حال پر متعجب نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ہمیشہ سے سنت الٰہی ایسی ہی چلی آئی ہے۔ اور ہمیشہ دعوت حق کی بے سروسامانیوں نے وقت کے تمام سروسامانوں پر فتح پائی ہے۔

(ا) اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت نوح کی دعوت

ستارے سب اس کے حکم کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔ یاد رکھو! اسی کے لیئے پیدا کرنا ہے اور اسی کے لیئے حکم دینا (اس کے سوا کوئی نہیں جسے کارخانہ ہستی کے چلانے میں دخل ہو) سو کیا ہی با برکت ذات ہے اللہ کی، تمام جہانوں کا پرورش کرنے والا!

(لوگو!) اپنے پروردگار سے دعائیں مانگو، آہ و زاری کرتے ہوئے بھی اور پوشیدگی میں بھی۔ وہ انہیں پسند نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والے ہیں۔

اور (دیکھو) ملک کی درستگی کے بعد (یعنی دعوت حق کے ظہور کے بعد جو اس کی درستگی کی دعوت ہے) اس میں خرابی نہ پھیلاؤ (اپنی خطاؤں سے) ڈرتے ہوئے اور (اس کی رحمت سے) امیدیں رکھتے ہوئے اس کے حضور دعائیں کرو۔ یقیناً اللہ کی رحمت ان سے نزدیک ہے جو نیک کردار ہیں!

اور (دیکھو) یہ اسی کی کارفرمائی ہے کہ باران رحمت سے پہلے ہوائیں بھیجتا ہے کہ (مینہ برسنے کی) خوشخبری پہنچا دیں۔ پھر جب یہ بوجھل بادل لئے اڑتی ہیں، تو انہیں کسی مردہ زمین کی بستی کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ پھر ان سے پانی برساتا ہے اور

أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ
٦٩ مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَسْطَةً ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ قَالُوا
أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۖ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ
٧٠ مِنَ الصَّادِقِينَ ○ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ ۖ أَتُجَادِلُونَنِي فِي
أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ
٧١ الْمُنتَظِرِينَ ○ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
ع وقف لازم وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ○ وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا

ہیں جنہیں وہ حجت و دلیل سمجھنے لگے ہیں، حالانکہ خدا نے ان کے لئے کوئی دلیل نہیں اتاری۔

ہوں۔ کیا تمہیں اس بات پر اچنبھا ہو رہا ہے کہ ایک ایسے آدمی کے ذریعہ تمہارے پروردگار کی نصیحت
تم تک پہنچی جو خود تم ہی میں سے ہے؟ خدا کا یہ احسان یاد کرو کہ قوم نوح کے بعد تمہیں اس کا جانشین
بنایا اور تمہاری نسل کو زیادہ وسعت اور توانائی بخشی۔ پس چاہئے کہ اللہ کی نعمتوں کی یاد سے غافل
٦٩ نہ ہو۔ تاکہ ہر طرح کامیاب ہو۔"
انہوں نے کہا "کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم صرف ایک ہی خدا کے پجاری ہو جائیں،
اور اُن معبودوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں؟ اگر تم سچے ہو تو وہ بات
٧٠ لا دکھاؤ جس کا ہمیں خوف دلا رہے ہو؟" ڈر
ہود نے کہا "یقین کرو، تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب واقع ہو گیا ہے۔
(کہ عقلیں ماری گئی ہیں اور اپنے ہاتھوں اپنے کو تباہی کے حوالے کر رہے ہو) کیا ہے جس کی بنا پر تم
مجھ سے جھگڑ رہے ہو؟ محض چند نام، جو تم نے اور تمہارے بزرگوں نے اپنے جی سے گڑھ لئے ہیں، اور
جن کے لئے خدا نے کوئی سند نہیں اتاری۔ اچھا، (آنے والے وقت کا) انتظار کرو، میں بھی تمہارے
٧١ ساتھ انتظار کروں گا۔" (انتظار کرنے والوں میں ہوں)۔
پھر ایسا ہوا کہ ہم نے ہود کو اور اس کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا۔ اور جنہوں نے
نشانیاں جھٹلائی تھیں، ان کی بیخ و بنیاد تک اکھاڑ دی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ کبھی ایمان لانے والے نہ تھے۔

(د) قوم ثمود عرب کے اس حصہ میں آباد تھی جو حجاز اور شام کے درمیان وادی القرای تک چلا گیا ہے۔ اسی مقام کو

اور (اسی طرح) ہم نے قوم ثمود کی طرف اس کے بھائی بندوں میں سے صالح کو بھیجا۔

٦٣ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ
ع ١٥ ٦٤ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ۝ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
٦٥ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ
٦٦-٦٧ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
٦٨ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۝

لئے پہنچی تاکہ (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار
کرے اور تم برائیوں سے بچو، اور رحمتِ الٰہی کے
سزاوار ہو؟"
با ایں ہمہ لوگوں نے نوح کو جھٹلایا۔ پس ہم نے
اسے اور ان سب کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے
(سیلاب سے) نجات دی، اور جنہوں نے ہماری نشانیاں
٦٤ جھٹلائی تھیں انہیں غرق کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ (اپنی سمجھ بوجھ کھو کر) یک قلم اندھے ہو گئے تھے!
اور (اسی طرح) ہم نے قوم عاد کی طرف اس کے
بھائی بندوں میں سے ہود کو بھیجا۔ اس نے کہا "اے
قوم! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔
٦٥ کیا تم (انکار و بدعملی کے نتائج سے) نہیں ڈرتے؟"
اس پر قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے جنہوں نے
کفر کا شیوہ اختیار کیا تھا، کہا "ہمیں تو ایسا دکھائی
دیتا ہے کہ تم حماقت میں پڑ گئے ہو۔ اور ہمارا خیال
٦٦ یہ ہے کہ تم جھوٹ بولنے والوں میں سے ہو۔"
ہود نے کہا "بھائیو! میں احمق نہیں ہوں۔ میں
تو اس کی طرف سے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے
٦٧ (بھیجا ہوا) فرستادہ ہوں۔ میں اس کا پیام تمہیں پہنچاتا ہوں اور
٦٨ یقین کرو کہ تمہیں دیانتداری کے ساتھ نصیحت
کرنے والا

انبیاء کرام کا اعلان یہ ہے کہ ان کے پاس ایک ذریعہ موجود
ہے اور وہ "وحی" ہے۔ چونکہ انسان کے پاس ہدایتِ وحی
کے خلاف کوئی یقینی روشنی موجود نہیں، اور چونکہ بغیر اس علم
کے قبول کئے کارخانۂ حیات کا مسئلہ حل نہیں ہوتا، اور
چونکہ وہ وجدانی طور پر اس کی طلب بھی رکھتا ہے اس لئے اس
کا فرض ہے کہ اس اعلان کے آگے سر تسلیم خم کرے۔ اگر نہیں
کرے گا تو وہ یقین و طمانیت کی جگہ شک و ظن کی زندگی کو ترجیح دیگا۔

(۳) قوم نوح کے بعد عرب میں قوم عاد کو عروج ہوا۔
ان کی آبادیاں عمان سے لیکر حضر موت اور یمن تک پھیل گئی
تھیں۔ حضرت ہود کا انہی میں ظہور ہوا تھا۔
حضرت ہود کا وعظ، اور قوم کا آبا و اجداد کی تقلید
کی بنا پر انکار۔
قبولِ حق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ آباؤ اجداد
کی اندھی تقلید اور گڑھی ہوئی بزرگیوں اور روایتی عظمتوں
کی پرستش ہے۔ ابتدا میں جہل و فساد سے کوئی عقیدہ گڑھ
لیا جاتا ہے پھر ایک مدت تک لوگ اسے مانتے رہتے ہیں
پھر جب ایک عرصہ کے اعتقاد سے اس میں شانِ تقدس پیدا
ہو جاتی ہے، تو اسے شک و شبہ سے بالاتر سمجھنے لگتے ہیں اور
عقل و بصیرت کی کوئی دلیل بھی اس کے خلاف تسلیم نہیں کرتے
قرآن اسی کو "اسماءٌ سمیتموھا انتم و آباؤکم" سے
جا بجا تعبیر کرتا ہے، کیونکہ بنائے ناموں اور لفظوں کے
سوا وہ کوئی حقیقت اور معقولیت پیش نہیں کر سکتے۔
افسوس مسلمانوں میں بھی بہت سے ایسے "اسماء" پیدا ہو گئے

۷۵-۷۶ مُؤْمِنُونَ ۝ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنتُم بِهِ كَافِرُونَ ۝ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا
۷۷ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ
۷۸ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝ فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي
۷۹ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ ۝ وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ
۸۰ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ۝ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ ۚ
۸۱ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ۝ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ

بڑا مانع، دنیوی خوشحالیوں کا گھمنڈ اور انہماک ہے ۔

جس پیام حق کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے ہم اس پر پورا
۷۶ یقین رکھتے ہیں" اس پر گھمنڈ کرنے والوں نے کہا "تمہیں جس بات کا یقین ہے ہمیں اس سے انکار ہے"
غرض کہ انہوں نے اونٹنی کو کاٹ ڈالا، اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی۔ انہوں نے کہا
"اے صالح! اگر تم واقعی پیغمبروں میں سے ہو تو اب وہ بات ہم پر لا دکھاؤ جس کا تم نے ہمیں خوف دلایا
۷۷ تھا"

پس ایسا ہوا کہ لرزا دینے والی ہولناکی نے انہیں آ لیا، اور جب ان پر صبح ہوئی تو گھروں
۷۸ میں اوندھے منہ پڑے تھے!
پھر صالح ان سے کنارہ کش ہو گیا۔ اس نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! میں نے اپنے پروردگار
۷۹ عالم کا پیام تمہیں پہنچایا اور نصیحت کی، مگر افسوس تم پر! تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔"
اور لوط کا واقعہ یاد کرو، جب اس نے اپنی
قوم سے کہا تھا "کیا تم ایسی بےحیائی کا کام کرنا پسند
کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی انسان نے
۸۰ نہیں کیا؟ تم عورتوں کو چھوڑ کر نفسانی خواہش
سے مردوں پر مائل ہوتے ہو۔ یقیناً تم ایک ایسی قوم ہو
۸۱ گئے ہو جو (اپنی نفس پرستیوں میں) بالکل چھوٹ ہے"

لوط کی قوم کے پاس اگر اس کا کچھ جواب تھا
تو یہ تھا کہ آپس میں کہنے لگے "اس آدمی کو اپنی
بستی سے نکال باہر کرو۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو

(۱) حضرت لوط حضرت ابراہیم علیہما السلام کے بھتیجے تھے، اور بحر میت کے کنارے سدوم میں مقیم ہو گئے تھے۔ یہ معاملہ وہیں پیش آیا۔

تورات میں ہے کہ سدوم اور عمورہ پر آگ اور گندھک کی بارش ہوئی تھی۔ قرآن میں ہے کہ پتھر برسے تھے۔ دونوں بیانوں کے جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی حالت پیش آئی ہوگی جیسی آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے سے واقع ہوتی ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ

٧٣ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا

٧٤ قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ○

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ

اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ

دوسری جگہ "الحجر" سے بھی تعبیر کیا ہے۔

پالتو جانوروں کو خدا کے نام پر چھوڑ دینے کا طریقہ بہت قدیم ہے۔ بابل اور ہندوستان میں اس کا سراغ ہزاروں برس پیشتر تک ملتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قوم ثمود کے لوگ بھی اپنے بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دیا کرتے تھے۔ حضرت صالح نے خدا کے نام پر ایک اونٹنی چھوڑ دی اور اسی معاملہ میں قوم کے لئے اتباع حق کی آزمائش ہوگئی۔ اگر وہ اونٹنی کو ضرر نہ پہنچاتے، تو یہ اس بات کا ثبوت ہوتا کہ ان کے دل ہدایت کے آگے جھک گئے ہیں۔ مگر ان کے اندر خدا پرستی کے خلاف ایسی ضد اور شرارت پیدا ہوگئی تھی کہ اتنی سی بات بھی مان سکے، اور اونٹنی کو زخمی کر کے ہلاک کر ڈالا۔

"ملک میں سرکشی کرتے ہوئے خرابی نہ پھیلاؤ" اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ قتل و غارت، لوٹ مار، شر و فساد میں چھوٹ ہو گئے تھے اور امن و عدالت کا کوئی احساس باقی نہیں رہا تھا۔

اس نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ دیکھو تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل تمہارے سامنے آچکی ہے۔ یہ خدا کے نام پر چھوڑی ہوئی اونٹنی تمہارے لئے ایک (فیصلہ کن) نشانی ہے۔ پس اسے کھلا چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں جہاں چاہے چرے اسے کسی طرح کا نقصان نہ پہنچاؤ کہ (اس کی پاداش

٧٣ میں) عذاب جانکاہ تمہیں آپکڑے"۔

"اور وہ وقت یاد کرو کہ خدا نے تمہیں قوم عاد کے بعد اس کا جانشین بنایا، اور اس سرزمین میں اس طرح بسا دیا کہ میدانوں سے محل بنانے کا کام لیتے ہو اور پہاڑوں کو بھی تراش کر اپنا گھر بنا لیتے ہو (یہ اس کا تم پر احسان ہے) پس اللہ کی نعمتیں

٧٤ یاد کرو، اور ملک میں سرکشی کرتے ہوئے، خرابی نہ پھیلاؤ"

قوم کے جن سربرآوردہ لوگوں کو (اپنی دولت اور طاقت کا) گھمنڈ تھا۔ انہوں نے مومنوں سے کہا اور یہ اُن لوگوں میں سے تھے جنہیں (افلاس اور بے چارگی کی وجہ سے) کمزور و حقیر سمجھتے تھے:

(۵) جو حقیر و ذلیل سمجھے جاتے تھے، انہوں نے سچائی قبول کی اور جنہیں اپنی دنیاوی بڑائیوں کا گھمنڈ تھا، انہوں نے انکار کیا۔ دعوتِ حق کا جب کبھی ظہور ہوا ہے، تو ہمیشہ ایسی ہی صورت حال پیش آئی ہے۔ قبولیت حق کی راہ میں ایک

کیا تم نے سچ مچ کو معلوم کر لیا ہے کہ صالح خدا کا بھیجا ہوا ہے؟" (یعنی ہمیں تو ایسی کوئی بات اس میں دکھائی دیتی نہیں) انہوں نے کہا "ہاں بیشک

تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ كُنتُمْ
۸۶ قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ ۖ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ○ وَإِن كَانَ طَائِفَةٌ مِّنكُمْ آمَنُوا
بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ○
قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِن قَرْيَتِنَا
۸۸ أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ ○ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُم
بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللَّهُ مِنْهَا ۚ وَمَا يَكُونُ لَنَا أَن نَّعُودَ فِيهَا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ

ہو۔ خدا کا احسان یاد کرو کہ تم بہت تھوڑے تھے اس نے (امن و عافیت دے کر) تمہاری تعداد زیادہ کردی۔ اور پھر غور کرو، جن لوگوں نے فساد کا ~~طریقہ~~ ڈھنگ اختیار کیا تھا، انہیں کیسا کچھ انجام پیش آچکا ہے؟" ۸۶

"اور اگر ایسا ہوا ہے کہ تم میں سے ایک گروہ اس تعلیم پر ایمان لے آیا ہے جس کی تبلیغ کے لئے میں بھیجا گیا ہوں، اور دوسرا گروہ ہے جسے اس پر یقین نہیں، تو (صرف اتنی ہی بات دیکھ کر فیصلہ نہ کرلو) صبر کرو۔ یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کردے، اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے"! ۸۷

اس پر قوم کے سرداروں نے جنہیں (اپنی دنیوی طاقتوں کا) گھمنڈ تھا، کہا "اے شعیب! (دو باتوں میں سے ایک بات ہو کر رہے گی:) یا تو تجھے اور ان سب کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں، ہم اپنے شہر سے نکال باہر کریں گے یا تمہیں مجبور کردینگے کہ ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔" شعیب نے کہا "اگر ہمارا دل تمہارے دین پر مطمئن نہ ہو تو کیا جبراً مان لیں؟" ۸۸

"اگر ہم تمہارے دین میں لوٹ آئیں حالانکہ خدا نے (علم و یقین کی روشنی نمایاں کرکے) ہمیں اس سے نجات دیدی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے جھوٹ بولتے ہوئے خدا پر بہتان باندھا۔ ہمارے لئے ممکن نہیں کہ اب قدم پیچھے ہٹائیں۔ ہاں اللہ کا جو ہمارا پروردگار ہے ایسا ہی چاہتا ہو

(ک) آیت (۸۷) میں فرمایا "وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے"۔ اور دوسری جگہ خدا کے اس فیصلہ کو "قضاء بالحق" اور سب سے بڑی "شہادت" سے بھی تعبیر کیا ہے؟ یہ فیصلہ کیا ہے؟ قانونِ الٰہی کا وہ اعلان جو حق کو کامیاب کرکے اور باطل کو ناکام رکھ کر اپنا فیصلہ صادر کردیتا ہے!

(ل) آیت (۸۸) نے واضح کردیا کہ قرآن کے نزدیک مذہبی اعتقاد کا معاملہ دل کے یقین و طمانیت کا معاملہ ہے، اور جبراً کسی کو اس کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ نیز یہ کہ ہمیشہ داعیانِ حق اور منکرینِ حق میں بنائے نزاع یہی بات رہی ہے کہ وہ کہتے تھے، ہمارا دل جس راہ کو حق سمجھتا ہے اسی پر چلیں گے، یہ کہتے تھے، نہیں، ہم تمہیں جبراً اپنی راہ پر چلا کر چھوڑیں گے۔

۸۲ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ○ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا
۸۳ ۸۴ ع امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ○ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ○
وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُمْ
بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا
۸۵ فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ○ وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ

---

۸۲ بڑے پاک صاف بننا چاہتے ہیں "

پس ایسا ہوا کہ لوط کو اور اس کے گھر والوں کو تو ہم نے بچا لیا، مگر اس کی بیوی نہ بچی کہ وہ
۸۳ بھی پیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔

۸۴ ہم نے ان پر (پتھروں کا) مینہ برسا دیا تھا۔ سو دیکھو، مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟

اور (اسی طرح) مدین کی بستی میں شعیب بھیجا گیا کہ انہی کے بھائی بندوں میں سے تھا۔ اس نے کہا "بھائیو! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ دیکھو تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل تمہارے سامنے آچکی پس چاہیئے کہ ماپ تول پورا پورا کیا کرو۔ لوگوں کو (خرید و فروخت میں) ان کی چیزیں کم نہ دو۔ ملک کی درستگی کے بعد (کہ دعوتِ حق کے قیام سے ظہور میں آرہی ہے) اس میں خرابی نہ ڈالو۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یقین کرو، اسی میں تمہارے لئے بہتری ہے!"

"اور دیکھو، ایسا نہ کرو کہ (دعوتِ حق کی اشاعت روکنے کے لئے) ہر راستے جا بیٹھو اور جو آدمی بھی ایمان لائے، اسے دھمکیاں دے کر خدا کی راہ سے روکو، اور اس میں کجی ڈالنے کے درپے

(ز) مدین کسی بستی کا نام نہیں۔ ایک قبیلہ کا نام تھا جو جزیرہ نمائے سینا میں عرب سے متصل آباد تھا۔ اسی میں حضرت شعیبؑ کا ظہور ہوا۔

(ح) قرآن نے حضرت شعیبؑ کی کوئی ایسی نشانی بیان نہیں کی جیسی دوسرے پیغمبروں کی بیان کی ہے، اور جو متکلمین کی اصطلاح میں "معجزہ" کے لفظ سے تعبیر کی جاتی ہے۔ تاہم قرآن حضرت شعیب کی زبانی نقل کرتا ہے کہ "واضح دلیل آچکی" یہ "دلیل واضح" کیا تھی؟ حضرت شعیب کی تعلیم تھی جو راست بازی و عدالت کی راہ دکھاتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک انبیاء کی تعلیم بجائے خود دلیل، بیّنہ، اور حجت ہے۔ اور ضروری نہیں کہ اس کے ساتھ کوئی دوسری نشانی اور مصطلحہ معجزہ بھی ہو۔

۸۵ (ط) ماپ تول کی درستگی، اور یہ اصل کہ خرید و فروخت میں جو جس کا حق ہو اسے پورا ملنا چاہیئے، انسانی معیشت کی وہ بنیادی صداقت ہے، جس کی ہمیشہ نبیوں نے تلقین کی۔

(ی) حضرت شعیب نے کہا، کم از کم صبر کرو اور نتیجہ دیکھ لو۔ لیکن منکر اس کے لئے بھی طیار نہ ہوئے۔

٩٣ ع ٩ كٰفِرِيْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ
٩٤ يَضَّرَّعُوْنَ ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ
٩٥ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا
٩٦ عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ اَفَاَمِنَ
٩٧ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝

٩٣ کروں ؟"
اور ہم نے جب کبھی کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا،
تو ہمیشہ ایسا کیا کہ اس کے باشندوں کو سختیوں اور
نقصانوں میں مبتلا کر دیا۔ تاکہ (سرکشی سے باز آئیں
٩٤ اور) عاجزی و نیازمندی کریں۔ پھر ہم نے مصیبت
راحت سے بدل دی۔ پھر جب ایسا ہوا کہ وہ (خوش
حالیوں میں) خوب بڑھ گئے اور (پاداشِ عمل سے
بے پروا ہو کر) کہنے لگے "ہمارے بزرگوں پر سختی
کے دن بھی گزرے راحت کے بھی" (یعنی دنیا میں
اچھی بُری حالتیں پیش آتی ہی رہتی ہیں۔ جزائے
عمل کوئی چیز نہیں) تو اچانک ہمارے عذاب کی
٩٥ پکڑ میں آگئے اور وہ بالکل بے خبر تھے!
اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے (جن کی
سرگزشتیں بیان کی گئی ہیں) ایمان لاتے اور بُرائیوں سے بچتے، تو ہم آسمان اور زمین کی برکتوں
کے دروازے ضرور ان پر کھول دیتے لیکن انہوں نے جھٹلایا، پس اس کمائی کی وجہ سے جو انہوں نے (اپنے
٩٦ اعمال کے ذریعہ) حاصل کی تھی، ہم نے انہیں پکڑ لیا (اور وہ مبتلائے عذاب ہوئے)
کیا شہروں کے بسنے والوں کو اس بات سے
امان مل گئی ہے کہ ہمارا عذاب راتوں رات آنازل
٩٧ ہو اور وہ پڑے سوتے ہوں ؟

کرتے تو کم از کم میری موجودگی برداشت کر لو، اور فیصلہ نتائج پر چھوڑ دو، لیکن منکر اس کے لئے بھی تیار نہیں ہوئے۔

(ح) ہمیشہ یہی ہوا کہ داعیِ حق اور ان کے ساتھی وعظ و پند کے ذریعے تبلیغ کرتے، یعنی دل و دماغ کو اپیل کرتے لیکن منکر جبر و تشدد سے ان کی راہ روکنی چاہتے۔ پیغمبروں کی پکار یہ ہوتی تھی کہ روشن دلیلوں پر غور کرو۔ منکروں کا جواب یہ ہوتا تھا کہ انہیں بستی سے نکال باہر کر دو یا سنگسار کر دو!

(ط) پھر دیکھو نتیجہ بھی ہمیشہ ایک ہی طرح کا پیش آیا۔ وہ تمام جماعتیں جنہوں نے دعوتِ حق کا مقابلہ کیا تھا، ہلاک و نابود ہو گئیں، اور دنیا کی کوئی طاقت بھی انہیں قانونِ الٰہی کی پکڑ سے نہ بچا سکی۔

یہی نتیجہ ہے جس پر خصوصیت کے ساتھ یہاں توجہ دلائی ہے اور قرآن دعوتِ حق کے ظہور و احوال کی یکسانیت سے بے شمار مقاصد و نتائج پر استدلال کرتا ہے۔ چنانچہ آیت (٩٤) میں فرمایا کہ ہمیشہ سنتِ الٰہی ایسی ہی رہی ہے اور پھر آیت (١٠١) اور اس کے بعد کی آیات میں واضح کر دیا ہے کہ گذشتہ دعوتوں کے ذکر سے مقصود اسی حقیقت کی تلقین ہے۔

(٢١) منکر و سرکش جماعتوں کی ہلاکت کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں وہ سب اس نوعیت کے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے، قدرتی حوادث کا ظہور تھا مثلاً زلزلہ، طوفان، سیلاب، آتش فشانی

رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ
٨٩ ٩٠ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝
مع ٩١ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ
عند المتقدمين ١٢ ٩٢ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ
رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ

(تو وہ جو چاہے گا ہو کر رہے گا) کوئی چیز نہیں جس پر وہ اپنے علم سے چھایا ہوا نہ ہو۔ ہمارا تمام تر بھروسہ
اُسی پر ہے۔ اے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان سچائی کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو بہتر فیصلہ
٨٩ کرنے والا ہے!"

قوم کے سرداروں نے جو شعیب کے منکر تھے
(لوگوں سے) کہا "اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو
٩٠ بس سمجھ لو، تم برباد ہوئے"!
پس ایسا ہوا کہ لرزا دینے والی ہولناکی نے
انہیں آ لیا، اور جب ان پر صبح ہوئی تو گھروں
میں اوندھے منہ پڑے تھے!
٩١ جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا، (اُن
کا حال ہوا؟) گویا ان بستیوں میں کبھی بسے ہی
نہ تھے!
جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا، وہی
برباد ہونے والے تھے!
بہرحال شعیب ان سے کنارہ کش ہو گیا۔
اس نے کہا "بھائیو! میں نے پروردگار کے پیغامات
تمہیں پہنچا دیئے تھے اور تمہاری بہتری چاہی تھی،
(مگر جب تم نے جان بوجھ کر ہلاکت کی راہ پسند کی) تو
میں نہ ماننے والوں (کی تباہی) پر اب کیسے افسوس

(٢٠) تمام پیغمبروں کے حالات پر غور کرو:
(ا) سب اسی قوم میں پیدا ہوئے جس کی ہدایت کے لئے
مبعوث ہوئے تھے۔ ایسا نہیں ہوا کہ باہر سے کوئی اجنبی
آ گیا ہو جس کی زندگی سے لوگ بے خبر ہوں۔
(ب) کوئی بھی بادشاہ یا امیر نہ تھا۔ نہ کسی طرح کا دنیوی
سروسامان رکھتا تھا۔ سب کا ظہور اسی طرح ہوا کہ تن تنہا
اعلانِ حق کے لئے کھڑے ہو گئے اور صرف خدا کی معیت
و نصرت پر اعتماد کیا۔
(ج) سب کا پیام ایک ہی تھا: خدا کی بندگی کرو اس کے
سوا کوئی معبود نہیں!
(د) سب نے نیک عملی کی تلقین کی۔ انکار و بدعملی کے
نتائج سے متنبہ کیا۔
(ہ) سب کے ساتھ یہی ہوا کہ رئیسوں نے سرکشی کی۔
بے نواؤں نے ساتھ دیا۔
(و) مخالفت بھی ہمیشہ ایک ہی طرح ہوئی یعنی اعلانِ
رسالت کی ہنسی اڑائی گئی۔ ان کی باتوں کو حماقت سے تعبیر
کیا گیا۔ انہیں اور ان کے ساتھیوں کو اذیت پہنچانے کے
تمام وسایل کام میں لائے۔ ان کی دعوت کی اشاعت روکنے
کے لئے اپنی ساری قوتیں خرچ کر ڈالیں۔
(ز) پیغمبروں نے ہمیشہ کہا: اگر میری دعوت قبول نہیں

۱۰۲ وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَإِنْ وَّجَدْنَآ أَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ○ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ
۱۰۳ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ○
۱۰۴ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ
۱۰۵ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ○ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ
۱۰۶ ۱۰۷ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ○ وَّنَزَعَ
يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ

۱۰۱

~~[illegible]~~

اور اِن میں سے اکثروں کو ہم نے ایسا پایا کہ اپنے عہد پر قائم نہ تھے (یعنی انہوں نے اپنا فطری
۱۰۲ شعور و وجدان کہ فطرتِ انسانی کا عہد ہے ضائع کر دیا تھا) اور اکثروں کو ایسا ہی پایا کہ یک قلم نافرمان تھے
پھر ان پیغمبروں کے بعد ہم نے موسیٰ کو فرعون
اور اس کے درباریوں کی طرف اپنی نشانیوں کے
ساتھ بھیجا، لیکن انہوں نے ہماری نشانیوں کے ساتھ
۱۰۳ ناانصافی کی، تو دیکھو، مفسدوں کا کیسا انجام ہوا!
موسیٰ نے کہا "اے فرعون! میں اس کی طرف
۱۰۴ سے بھیجا ہوا آیا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے
میرا فرضِ منصبی ہے کہ خدا کے نام سے کوئی
بات نہ کہوں مگر یہ کہ سچ ہو۔ میں تیرے پروردگار
کی طرف سے (سچائی کی) روشن دلیلیں لایا ہوں
سو بنی اسرائیل کو (آئندہ اپنی غلامی پر مجبور نہ کر
۱۰۵ اور) میرے ساتھ [illegible]" جانے دے"۔
فرعون نے کہا "اگر تو واقعی کوئی نشانی لیکر
۱۰۶ آیا ہے اور اپنے دعوی میں سچا ہے، تو پیش کر"
اس پر موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو اچانک
ایسا ہوا کہ ایک نمایاں اژدہا اُن کے سامنے تھا! اور اپنا ہاتھ (جیب سے باہر) نکالا تو اچانک ۱۰۷

(۲۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا تذکرہ اور اس حقیقت کی تلقین کہ جس طرح پیغمبروں کی "تدبیر" ہمیشہ وقوع میں آئی، اسی طرح "تبشیر" نے بھی اپنی برکتیں دکھلائیں نیز بنی اسرائیل کے ایام و وقائع، جن میں مخاطبین قرآن کے لئے موعظت و عبرتیں تھیں۔

(ا) حضرت موسیٰ کا فرعون سے مطالبہ کہ بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے رہا کر دے اور مصر سے نکل جانے دے۔ بنی اسرائیل حضرت یوسف کے زمانے میں مصر گئے تھے اور عزت کے ساتھ بسائے گئے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ فرعونوں نے انہیں اپنا غلام بنا لیا۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ کا ظہور ہوا۔ گری ہوئی

(ب) جب ایک [illegible] جماعت اٹھتی ہے اور اپنی حالت سنوارنا چاہتی ہے تو مستبد قوتیں اسے بغاوت سے تعبیر کرتی ہیں۔ حضرت موسیٰ کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکل جانے دیا جائے۔ لیکن امرار مصر نے کہا: "یہ چاہتا ہے تم مصریوں کو تمہارے ملک سے نکال باہر کرے"۔ اور سورہ یونس میں ہے کہ انہوں نے موسیٰ سے کہا، تم چاہتے ہو ملک کی سرداری تمہیں مل جائے (۷۸)

(ج) ارکانِ حکومت کا مشورہ اور حضرت موسیٰ کے مقابلے

۹۸ اَوَاَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰٓى اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ بَاۡسُنَا ضُحًى وَّهُمۡ يَلۡعَبُوۡنَ ۝ اَفَاَمِنُوۡا مَكۡرَ اللّٰهِ‌ ۚ فَلَا يَاۡمَنُ
۹۹ ع ۱۲/۶/۲ مَكۡرَ اللّٰهِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ۝ اَوَلَمۡ يَهۡدِ لِلَّذِيۡنَ يَرِثُوۡنَ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ اَهۡلِهَاۤ اَنۡ لَّوۡ
۱۰۰ نَشَآءُ اَصَبۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ‌ ۚ وَنَطۡبَعُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ ۝ تِلۡكَ الۡقُرٰى نَقُصُّ
عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآئِهَا‌ ۚ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ‌ ۚ فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا
۱۰۱ مِنۡ قَبۡلُ‌ ؕ كَذٰلِكَ يَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝

پھر انہیں مفروضہ عذاب کیوں کہا گیا؟
اس لئے، کہ گو ان کا ظہور قدرت کی عادی و جاری
صورتوں ہی میں ہوا تھا، لیکن اس لئے ہوا تھا کہ انکار و سرکشی
کے نتائج لوگوں کے سامنے آجائیں، اور پیغمبروں نے ان کے ظہور ۹۸
کی پہلے سے خبر دیدی تھی۔
ضروری نہیں کہ ہر زلزلہ کسی گروہ کے لئے عذاب ہو،
لیکن ہر وہ زلزلہ عذاب تھا جس کی کسی پیغمبر نے اتمام حجت کے
بعد خبر دیدی تھی، اور جسے مشیت الٰہی نے اس معاملہ سے وابستہ
کر دیا تھا۔ خدا نے فطرت کے تمام مظاہر کے لئے ایک خاص
بھیس مقرر کر دیا ہے وہ جب کبھی آئے گی تو اسی بھیس میں
آئے گی! اس کا بھیس بدل نہیں سکتا، لیکن اس کے ظہور کے ۹۹
مقاصد ہمیشہ یکساں نہیں ہوتے، اور حقیقت حال انسانی
علم کے دسترس سے باہر ہے۔
(۲۲) آیت (۹۹) کا مطلب تم سمجھے؟ عربی میں "مکر" کے
معنی مخفی داؤ اور تدبیر کے ہیں۔ غور کرو، فطرت کے داؤ
کیسے مخفی اور ناگہانی ہوا کرتے ہیں؟ زلزلہ کے اسباب شب ۱۰۰
و روز نشو نما پاتے رہتے ہیں۔ سیلاب ایک لمحہ کی برفباری
ہی کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ آتش فشاں پہاڑوں کا لاوا برسوں
تک کھولتا رہتا ہے، [illegible] (حاشیہ: اندر ہی اندر)
فطرت چپکے چپکے یہ سب کام کرتی رہتی ہے، لیکن ہمیں کہ اس کی
گود میں کھیلتے کودتے رہتے ہیں، ایک لمحہ کے لئے بھی اس کا
گمان نہیں ہوتا [illegible] یہاں تک
کہ اچانک اس کا داؤ نمودار ہو جاتا ہے، اور ہم یک قلم غفلت
و سرمستی میں سرشار ہوتے ہیں! فلا یأمن مکر اللہ
الا القوم الخاسرون! ۱۰۱

یا انہیں اس بات سے امان مل گئی ہے کہ
دن دہاڑے عذاب نازل ہو جائے اور وہ (بے خبر)
کھیل کود میں مشغول ہوں؟
کیا انہیں خدا کی مخفی تدبیروں سے امان
مل گئی ہے؟ (اور وہ سمجھتے ہیں ان کے خلاف کچھ
ہونے والا نہیں؟) تو یاد رکھو خدا کی مخفی تدبیروں
سے بیخوف نہیں ہو سکتے، مگر وہی جو تباہ ہونے والے
ہیں!
پھر جو لوگ (پہلی جماعتوں کے بعد) ملک کے وارث
ہوتے ہیں، کیا وہ یہ بات نہیں پاتے کہ اگر ہم چاہیں
تو (پہلوں کی طرح) انہیں بھی گناہوں کی وجہ سے
مصیبتوں میں مبتلا کر دیں، اور ان کے دلوں پر مہر
لگا دیں کہ کوئی بات سنیں ہی نہیں؟
(اے پیغمبر!) یہ ہیں (دنیا کی پرانی) آبادیاں
جن کے حالات ہم تمہیں سناتے ہیں۔ ان سب میں ان
کے پیغمبر (سچائی کی) روشن دلیلوں کے ساتھ آئے،
مگر ان کے بسنے والے ایسے نہ تھے کہ جو بات پہلے جھٹلا
چکے تھے اسے (سچائی کی نشانیاں دیکھ کر) مان لیں۔
سو دیکھو، اس طرح خدا ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگا
دیتا ہے۔ جو (ہٹ دھرمی سے) انکار کرتے ہیں۔

۱۱۷ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۚ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا
۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۚ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۚ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۚ قَالُوْٓا
۱۲۱-۱۲۲ اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۚ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ
۱۲۳ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ
لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ

---

۱۱۶ پھیلا دی، اور بہت بڑا جادو بنا لائے۔
اور اس وقت ہم نے موسیٰ پر وحی کی کہ تم بھی اپنی لاٹھی (میدان میں) ڈال دو۔ جونہی اس نے لاٹھی
پھینکی، تو اچانک کیا ہوا کہ جو کچھ جادوگروں کا کھوٹا دکھاوا تھا، سب (آناً فاناً) اس نے نگل
۱۱۷ کر نابود کر دیا!

غرض کہ سچائی ثابت ہو گئی، اور جو کچھ جادوگروں نے کرتب کئے تھے سب ملیا میٹ ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فرعون اور اس کے درباریوں کو اس مقابلہ میں مغلوب ہونا پڑا اور (فتح مند ہونے کی جگہ)
۱۱۹ الٹے ذلیل ہوئے!
اور پھر ایسا ہوا کہ (موسیٰ کی سچائی دیکھ کر)
۱۲۰ جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے۔ انہوں نے
کہا "ہم اس پر ایمان لائے جو تمام جہان کا
۱۲۱-۱۲۲ پروردگار ہے، جو موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے"۔
فرعون نے (غضبناک ہو کر) کہا مجھ سے اجازت لئے بغیر تم موسیٰ پر ایمان لائے؟ ضرور یہ ایک پوشیدہ سازش ہے جو تم نے (مل جل کر) شہر میں کی ہے، تاکہ اس کے باشندوں کو اس سے نکال باہر کرو۔ اچھا، تھوڑی دیر میں نہیں (اس کا نتیجہ) معلوم ہو
۱۲۳ جائے گا!

(۴) جادوگروں کا بری طرح ہارنا، حضرت موسیٰ پر ایمان لانا، فرعون کا اسے سازش قرار دینا، اور قتل و تعذیب کی دھمکی۔
سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ یہ معاملہ مصریوں کے تہوار کے دن پیش آیا تھا، اور مملکت کی تمام آبادی جمع تھی، اور خود حضرت موسیٰ کی تجویز سے ایسا ہوا تھا (۵۹) نیز یہ کہ مقابلہ سے پہلے حضرت موسیٰ نے جادوگروں کو نصیحت کی تھی اور وہ متاثر ہو کر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے تھے لیکن چونکہ فرعون اس معاملہ کو قومی خطرہ کا رنگ دے رہا تھا، اس لئے مقابلہ پر جمے رہے۔ انہوں نے آپس میں کہا موسیٰ ہمیں نکال کر ہمارے ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے (۶۳)
جب فرعون نے دیکھا، تمام باشندگانِ ملک کے سامنے اسے شکست ہوئی، اور جن جادوگروں پر بھروسہ کیا گیا تھا، وہی ایمان لے آئے، تو ڈرا، کہیں ایسا نہ ہو، لوگ حضرت موسیٰ کے معتقد ہو جائیں۔ اس لئے جادوگروں پر مکر و سازش کا الزام لگایا یعنی حضرت موسیٰ سے مل گئے ہیں۔ اسی لئے جان بوجھ کر انہیں فتح مند کرا دیا، اور پھر فوراً ان پر ایمان لے آئے۔
(۵) سچا ایمان اگرچہ ایک لمحہ کا ہو، ایسی روحانی طاقت پیدا کر دیتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے مرعوب و مسخر نہیں کر سکتی۔ وہی جادوگر جو فرعون سے صلہ و صلہ و انعام کی التجا

ع ۱۳ ۹ ۴ ۱۰۸ ۱۰۹ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ

۱۱۰ ۱۱۱ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۝

۱۱۲ ۱۱۳ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝

۱۱۴ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِىَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ

۱۱۵ الْمُلْقِيْنَ ۝ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ

۱۱۶ عَظِيْمٍ ۝

۱۰۸ ایسا ہوا کہ دیکھنے والوں کے لئے سفید چمکیلا تھا!

۱۰۹ فرعون کی قوم کے سردار (آپس میں) کہنے لگے "بلا شبہ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے (اپنی ان طاقتوں سے کام لیکر) تمہیں ملک سے نکال باہر کرے

۱۱۰ (اور خود مالک بن بیٹھے) اب بتلاؤ، تمہاری صلاح اس بارے میں کیا ہے؟"

۱۱۱ (چنانچہ) اُنہوں نے (باہم مشورہ کے بعد فرعون سے) کہا "موسیٰ اور اس کے بھائی کو ڈھیل دے کر روک لے اور (اس اثنا میں) نقیب روانہ کر دے کہ (مملکت کے) تمام شہروں سے جادوگر اکٹھا کرکے تیرے حضور لے آئیں"

۱۱۲ چنانچہ جادوگر فرعون کے حضور آئے! انہوں نے

۱۱۳ کہا "اگر ہم موسیٰ پر غالب آئے تو ہمیں اس خدمت کے صلے میں انعام ملنا چاہئے"

۱۱۴ فرعون نے کہا "ضرور ملے گا، اور تم سب میرے مقربوں [illegible] میں داخل ہو جاؤ گے"

(پھر جب مقابلہ ہوا، تو) جادوگروں نے کہا

۱۱۵ "اے موسیٰ! یا تو تم پہلے (اپنی لاٹھی) پھینکو، یا پھر ہم ہی کو پھینکنا ہے"

موسیٰ نے کہا "تم ہی پہلے پھینکو" پھر جب جادوگروں نے (جادو کی بنائی ہوئی لاٹھیاں اور رسیاں) پھینکیں تو ایسا کیا کہ لوگوں کی نگاہیں جادو سے ماردیں، اور ان میں (اپنے کرتبوں سے) دہشت

کے لئے جادوگروں کی طلبی۔ سورۂ طٰہٰ میں مزید تفصیل ہے،

(دیکھو آیت ۵۸)

اکٹھا ہوا

(د) مصر کے جادوگروں کا [illegible] اور حضرت موسیٰ سے مقابلہ۔

جادوگروں کی نسبت فرمایا "لوگوں کی نگاہیں جادو سے ماردی تھیں" یعنی جادو کے شعبدوں کی کوئی حقیقت نہیں محض نگاہ کا دھوکا تھا۔ چنانچہ دوسری جگہ اسے تخیل کی تاثیر سے بھی تعبیر کیا ہے (۲۰ : ۶۶) نیز آیت (۱۱۷) میں فرمایا "ما یأفکون" یعنی ان کی نمایش جھوٹی تھی۔

جادو کا اعتقاد دنیا کی قدیم اور عالمگیر گمراہیوں میں سے ہے، اور نوع انسانی کے لئے بڑی مصیبتوں کا باعث ہو چکا ہے۔ قرآن نے آج سے تیرہ سو برس پہلے اس کے بے اصل ہونے کا اعلان کیا، لیکن افسوس ہے کہ دنیا متنبہ نہ ہوئی اور ازمنۂ وسطیٰ کے مسیحی جہل و قساوت نے ہزاروں بے گناہ انسانوں کو زندہ جلا دیا!

(نزل الجز)

يُورِثُهَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝ قَالُوا أُوذِينَا مِن قَبْلِ أَن تَأْتِيَنَا وَ ۱۲۸
مِن بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرَ
كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۝ وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ ۱۲۹ ع
يَذَّكَّرُونَ ۝ فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَٰذِهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ ۱۳۰
وَمَن مَّعَهُ ۗ أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ

فارعو عبرانی میں "فاراعو" اور عربی میں فرعون ہوگیا۔

(ط) محکومانہ زندگی کا پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ عزم وہمت کی روح پژمردہ ہوجاتی ہے۔ لوگ غلامی کے ذلت انگیز امن پر قانع ہوجاتے ہیں اور طلب وسعی کی کشمکش سے جی چرانے لگتے ہیں یہی حال بنی اسرائیل کا ہوا تھا عرصہ تک مصریوں کی غلامی میں رہتے رہتے اس درجہ مسخ ہوگئے تھے کہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا، آزادی و کامرانی کی طلب میں ان حقیر راحتوں سے کیوں ہاتھ دھو بیٹھیں جو غلامی کی حالت میں میسر آرہی ہیں؟ حضرت موسیٰ نے جیسا صبر واستقامت کی تلقین کی تو شکر گزار ہونے کی جگہ الٹی شکایتیں کرنے لگے وہ ان کی نجات و کامرانی کے لئے فرعون کا مقابلہ کررہے تھے۔ انہیں شکایت تھی کہ تمہاری اس جدوجہد نے فرعون کو اور زیادہ ہمارا مخالف بنادیا تم فائدہ پہنچانے کی جگہ الٹے وبال جان ہوگئے!

(ی) حضرت موسیٰ نے کہا، خدا جسے چاہتا ہے زمین کا وارث بنا دیتا ہے پس اس سے مدد مانگو اور اس راہ میں جمے رہو۔ اس سے معلوم ہوا جو جماعت دنیوی بے سروسامانی سے ہراساں ہوکر بے ہمت نہیں ہوجاتی بلکہ خدا کی مدد پر بھروسہ کرتی اور مشکلات وموانع کے مقابلہ میں جمی رہتی ہے، وہی ملک کی وراثت کی مستحق ہوتی ہے یعنی "استعانت باللہ" اور "صبر" اس راہ میں اصل اصول ہے۔ نیز فرمایا "انجام کار متقیوں کے لئے ہے" یعنی جو جماعت برائیوں سے بچنے والی اور عمل میں پکی ہوگی، بالآخر کامیابی اسی کے لئے ہے۔

بلاشبہ زمین کی بادشاہت صرف خدا ہی کے لئے ہے
وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث
بنادیتا ہے، اور انجام کار انہی کے لئے ہے جو متقی ہونگے"! ۱۲۸
قوم کے لوگوں ~~انہوں~~ نے کہا "تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم
ستائے گئے، اور اب تمہارے آنے کے بعد بھی ستائے
جارہے ہیں"۔
موسیٰ نے کہا "قریب ہے، کہ تمہارا پروردگار تمہارے
دشمن کو ہلاک کردے، اور تمہیں ملک میں اس کا
جانشین بنائے، پھر دیکھے (اس جانشینی کے بعد)
تمہارے کام کیسے ہوتے ہیں؟" ۱۲۹
اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے فرعون کی قوم کو
قحط ~~خشک سالی~~ کے برسوں اور پیداوار کے نقصان
میں مبتلا کیا تھا، تاکہ وہ متنبہ ہوں۔ ۱۳۰
توجب کبھی ایسا ہوتا کہ خوش حالی آتی، تو
کہتے یہ ہمارے حصے کی بات ہے (یعنی ہماری وجہ سے
ہے) اور اگر ایسا ہوتا کہ سختی پیش آجاتی، تو کہتے
یہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست ہے۔
(اے مخاطب!) سن رکھ کہ ان کی نحوست (اور کسی کے پاس نہ تھی) اللہ کے یہاں تھی (جس نے انسان کی
اچھی بری حالتوں کے لئے ایک قانون ٹھہرا دیا ہے اور اسی کے مطابق نتائج پیش آتے ہیں) لیکن

۱۲۴ ۱۲۵ اُرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ○ وَمَا تَنْقِمُ
۱۲۶ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ○ وَ
قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ
۱۲۷ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ○ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ
اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۟

کر رہے تھے، ایمان لانے کے بعد وہ ایسے بے پرواہ ہو گئے کہ سخت سے سخت جسمانی عذاب کی دھمکی بھی انہیں متزلزل نہ کر سکی۔ تفصیل سورۂ طٰہٰ میں ہے (۷۲)۔

"میں ضرور ایسا کروں گا کہ پہلے تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کٹواؤں۔ پھر تم سب کو سولی پر چڑھا دوں!" ۱۲۴

انہوں نے جواب دیا "ہمیں اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے (پھر ہم جسم کے عذاب و موت سے کیوں ہراساں ہوں؟) ہمارا قصور اس کے سوا کچھ نہیں کہ جب ہمارے پروردگار کی نشانیاں ہمارے سامنے آگئیں تو ہم اُن پر ایمان لے آئے۔ (ہماری دعا خدا سے یہ ہے کہ) ہمیں صبر و شکیبائی سے معمور کر دے (تاکہ زندگی کی کوئی اذیت ہمیں اس راہ میں ڈگمگا نہ سکے) اور ہمیں
۱۲۶ دنیا سے اس حالت میں اٹھا کہ تیرے فرمانبردار ہوں!"

(ز) فرعون کا حضرت موسیٰ کی روحانی طاقت سے مغلوب ہو کر فیصلہ کرنا کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے لیکن ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ بنی اسرائیل کے لڑکے قتل کر دیئے جائیں تاکہ ان کی تعداد بڑھنے نہ پائے۔

فرعون نے پہلے حضرت موسیٰ کے قتل کا ارادہ کیا تھا لیکن اس کے خاندان کے ایک آدمی نے کہ دل میں مومن تھا اس سے باز رکھا (دیکھو ۴۰: ۲۸) پس یہاں درباریوں اور فرعون کے مکالمہ کا مطلب سمجھنا چاہیئے کہ جب حضرت موسیٰ آزاد چھوڑ دیئے گئے، تو درباریوں نے کہا، یہ شورش پھیلائے گا اور ہمارے دیوتاؤں سے علانیہ برگشتہ رہیگا اس پر فرعون نے کہا، ڈرنے کی کیا بات ہے؟ بنی اسرائیل
۱۲۷ تو ہماری طاقت کے تلے دبے ہوئے ہیں۔

(ح) مصری مختلف دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ بڑا دیوتا سورج تھا جسے "رع" کہتے تھے، اور چونکہ بادشاہ کو اس کا اوتار سمجھتے تھے۔ اس لئے اس کا لقب "فارع" تھا۔ یہی

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے فرعون سے کہا "کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دے گا کہ ملک میں بدامنی پھیلائیں اور تجھے اور تیرے معبودوں کو ترک کر دیں؟"

فرعون نے کہا "ہم ان کے لڑکوں کو قتل کر دینگے، اور ان کی عورتوں کو [illegible] دیں گے کہ ہماری باندیاں بن کر رہیں) اور ہمیں ڈر کس بات کا ہے؟) وہ ہماری طاقت سے دبے ہوئے بے بس ہیں۔"

تب موسیٰ نے اپنی قوم کو (وعظ کرتے ہوئے) کہا "خدا سے مدد مانگو اور (اس راہ میں) جمے رہو

الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ
الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا
۱۳۷ الربع يَعْرِشُوْنَ ۝ وَجٰوَزْنَا بِبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ
۱۳۸ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ
۱۳۹ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

یہ آنے والا وقت کونسا تھا؟ ان کے ظلم و فساد کا آخری نتیجہ کہ خدا کے "قانون جزا" نے اس طرح کے نتیجہ کے لئے جتنی مقدار فساد و عمل کی ٹھہرا دی ہے جب وہ پیدا ہوگئی، تو نتیجہ ظہور میں آگیا، اور فرعون اور اس کا لشکر ہلاک ہوگیا۔

یہی ظہور نتائج کا وقت ہے جسے قرآن نے انہوں کی "اجل" سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ اسی سورت کی آیت (۳۴) میں اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔

اس سے معلوم ہوا ہر جماعت اپنے اعمال کے ذریعے ایک خاص نتیجہ تک پہنچتی رہتی ہے۔ جو اس کی مقررہ اجل ہے اگر اعمال نیک ہوتے ہیں تو یہ اجل فلاح کی ہوتی ہے۔ بُرے ہوتے ہیں تو ہلاکت کی ہوتی ہے۔

فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی وراثت ارض۔ قانون الٰہی یہ ہے کہ ظالم قومیں جن مظلوم قوموں کو حقیر و کمزور سمجھتی ہیں، ایک وقت آتا ہے کہ وہی شاہی و جہانداری کی وارث ہوجاتی ہیں!

آیت (۱۳۷) سے معلوم ہوا کہ خدا کا وعدۂ نصرت انہی کے حق میں پورا ہوتا ہے جو اس کی شرط پوری کریں یعنی راہِ عمل میں جمے رہیں۔ اگر بنی اسرائیل جمے نہ رہتے تو فتحمندی سے محروم رہتے۔

بنی اسرائیل چونکہ مصری بت پرستی سے مالوف ہوچکے تھے، اس لئے سینا کے بت خانے دیکھ کر خواہشمند ہوئے کہ ان کی پرستش کے لئے بھی ایک بت بنا دیا جائے۔

خیال کرتے تھے، اسی کو ملک کے تمام پورب[1] کا اور اس کے مغربی حصوں کا کہ ہماری بخشی ہوئی برکت سے مالا مال ہے، وارث کر دیا۔ اور اس طرح (اے پیغمبر) تیرے پروردگار کا فرمانِ پسندیدہ بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوا کہ (ہمت و ثبات کے ساتھ) جمے رہے تھے، اور فرعون اور اس کا گروہ (اپنی طاقت و شوکت کے لئے) جو کچھ بناتا رہا تھا اور جو کچھ (عمارتوں کی) بلندیاں اٹھائی تھیں، وہ سب درہم
۱۳۷ برہم کردیں!

اور ہمارے حکم سے ایسا ہوا کہ بنی اسرائیل سمندر پار اتر گئے۔ وہاں ان کا گزر ایک گروہ پر ہوا کہ اپنے بتوں کا پجاری بنا بیٹھا تھا۔ بنی اسرائیل نے کہا "اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی ایسا ہی ایک معبود بنا دے جیسا ان لوگوں کے لئے ہے" موسیٰ نے کہا۔ "افسوس تم پر!) تم بلاشبہ ایک جاہل گروہ ہو۔ یہ لوگ
۱۳۸ جس طریقہ پر چل رہے ہیں وہ تو تباہ ہونے والا
۱۳۹ طریقہ ہے، اور انہوں نے جو عمل اختیار کیا ہے وہ سرتاسر باطل ہے۔

[1] یعنی فلسطین اور شام کا ملک جو مصر کے پورب میں واقع ہے، اور اس کے مغربی حصوں کا ملک یعنی جزیرہ نمائے سینا جو فلسطین کے پچھم میں ہے۔ یہ تمام علاقہ اس وقت مصری شاہنشاہی کا خراج گزار تھا۔

۱۳۱ ۱۳۲ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝
فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا
۱۳۳ وَكَانُوا قَوْمًا مُجْرِمِينَ ۝ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ
۱۳۴ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ
۱۳۵ الرِّجْزَ إِلَى أَجَلٍ هُمْ بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ
۱۳۶ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ۝ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ

---

۱۳۱ بہتوں کو یہ بات معلوم نہیں۔
اور فرعون کی قوم نے کہا "اے موسیٰ، تو ہم پر اپنا جادو چلانے کے لئے کتنی ہی نشانیاں لائے،
۱۳۲ مگر ہم ماننے والے نہیں"۔
پس ہم نے اُن پر طوفان بھیجا، اور ٹڈیوں کے دل، اور جوئیں[1]، اور مینڈک، اور لہو، کہ یہ سب الگ الگ نشانیاں تھیں۔ اس پر بھی اُنہوں نے سرکشی کی، اور ان کا گروہ مجرموں کا گروہ تھا۔
۱۳۳ اور جب ان پر عذاب کی سختی ~~واقع ہوتی~~ پڑتی تو کہنے لگتے "اے موسیٰ! تیرے پروردگار نے تجھ سے (نبوت کا) جو عہد کیا ہے تو اس کی بنا پر ہمارے لئے دعا کر۔ اگر تیری دعا سے عذاب ٹل گیا تو ضرور
۱۳۴ ہم تیرے معتقد ہو جائیں گے، اور بنی اسرائیل کو چھوڑ دینگے کہ تیرے ساتھ چلے جائیں" لیکن پھر جب ایسا ہوا کہ ہم نے ایک خاص وقت تک کے لئے کہ (اپنی سرکشیوں اور بدعملیوں سے) انہیں اس تک
۱۳۵ پہنچنا تھا، عذاب ٹال دیا، تو دیکھو! اچانک وہ اپنی بات سے پھر گئے!
بالآخر ہم نے (ان کی بدعملیوں پر) انہیں سزا دی یعنی اس جرم کی پاداش میں کہ ہماری نشانیاں جھٹلائیں اور ان کی طرف سے غافل رہے انہیں سمندر میں غرق کر دیا، اور جس قوم کو کمزور و حقیر
۱۳۶

(۱۳۴) قوم فرعون پر نکبت و شدائد کا ورود اور پہلے سرکشی، پھر حضرت موسیٰ سے رجوع۔
تورات میں ہے کہ دریائے نیل کا پانی لہو کی طرح ہو گیا تھا۔ اور تمام مچھلیاں مر گئی تھیں (خروج: ۲۰)

آیت (۱۳۵) میں فرمایا "ایک خاص وقت تک کے لئے کہ انہیں اس تک پہنچنا تھا" یعنی ایک آنے والا وقت تھا جس کی طرف وہ اپنے اعمال کے ذریعے بڑھ رہے تھے اور بالآخر پہنچنے والے تھے۔

---

[1] عربی میں "قمل" جوؤں کو بھی کہتے ہیں اور چھوٹی مکھیوں کو بھی۔ اگر تورات میں جوؤں کا ذکر نہ ہوتا تو ہم یہاں ترجمہ میں "مکھیاں" لکھتے کہ انسانی ہلاکت کے لئے زیادہ موثر و قطعی ہیں۔

…انوں کے معائنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی زمانے
…پہاڑ تھا۔ توراۃ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے
…ے عہد میں اس کا آتش فشانی مواد پوری طرح
…و۔ اس کی چوٹی سے دھوئیں کی ایک لٹ اٹھتی
…تھی۔ رات کو شعلے بھڑکتے رہتے تھے۔ بنی اسرائیل
…۔ اس معاملے نے ان کی راہنمائی کی۔ ان کا
…مہ۔ ایلیہ) یعنی ٹھیک کوہ سینا کی طرف تھا۔
…گے دوندہ اس کی چوٹی کی طرف نگاہ رکھتے
رات کو اس کے شعلوں کی روشنی دیکھتے رہتے
کی یوں تعبیر کیا گیا ہے کہ دن کے وقت دھوئیں
…ن کے آگے آگے چلتا تھا۔ اور رات کو
…(خروج ۱۳-۲۱) دور بلندی پر کوئی نمایاں
…ر موسیٰ پر نظر رکھ کر چلے تو ایسا معلوم ہوتا ہے
…ر موسیٰ کے ساتھ آگے آگے جا رہے ہیں۔
…ر دھوئیں کی نمود بادل کی طرح معلوم ہوتی ہے

۱۴۰ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ
يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ
۱۴۱ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ○ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ
۱۴۲ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ○
وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا

۱۴۰ (نیز) موسیٰ نے کہا: کیا تم چاہتے ہو خدا کے سوا کوئی اور معبود تمہارے لئے تلاش کروں؟ حالانکہ وہی ہے جس نے تمہیں دنیا کی قوموں پر فضیلت دی ہے۔"

اور (خدا فرماتا ہے۔ اے بنی اسرائیل!) وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعون کی قوم سے نجات دلائی۔ وہ تمہیں سخت عذابوں میں مبتلا کرتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے اور تمہاری عورتوں کو (اپنی چاکری کے لئے) زندہ چھوڑ دیتے۔ اس صورتِ حال میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری بڑی ہی آزمائش تھی!

۱۴۱ اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں (کے اعتکاف) کا وعدہ کیا تھا۔ پھر دس راتیں بڑھا کر اُسے پورا (چلّہ) کر دیا۔ اس طرح پروردگار کے حضور آنے کی مقررہ میعاد چالیس راتوں کی پوری میعاد ہو گئی۔

۱۴۲ موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا (میں تورات کے لئے پہاڑ پر جاتا ہوں) تم میرے بعد قوم میں میرے جانشین بن کر رہو۔ اور دیکھو، سب کام درستگی سے کرنا، خرابی ڈالنے والوں کی راہ نہ چلنا۔"

اور جب موسیٰ آیا، کہ ہمارے مقررہ وقت

(۲۵) حضرت موسیٰ کی سرگذشت کا پہلا حصہ ختم ہو گیا، جس کا تعلق ان ایام و وقائع سے تھا جو ان کے اور فرعون کے درمیان گزرے۔ اب یہاں سے وہ واقعات شروع ہوتے ہیں جو ان کے اور ان کی امت کے درمیان گزرے۔ پہلے حصے میں یہ حقیقت واضح کی تھی کہ دعوت حق کی مخالفت ہمیشہ طاقتور جماعتوں نے کی اور ہمیشہ ناکام رہیں۔ اس حصہ میں یہ حقیقت واضح کی ہے کہ ایک نئی ہدایت یافتہ جماعت کو راہ عمل میں کیسی کیسی لغزشیں پیش آ سکتی ہیں؟ تاکہ پیروانِ دعوت ان سے اپنی نگہداشت کریں۔

چونکہ سلسلۂ بیان ایک دوسرے حصہ کی طرف مڑ رہا تھا، اس لئے اس کی ابتدا از سرِ نو بنی اسرائیل کی مخاطبت سے کی گئی ہے۔ گویا موعظت و ارشاد کے لحاظ سے یہ ایک نیا بیان ہے۔

(ا) حضرت موسیٰ کا کوہ طور پر اعتکاف اور شریعت کا عطیہ۔ یہاں شریعت سے مقصود وہ دس احکام ہیں جو حضرت موسیٰ نے وحی الٰہی سے پتھر کی دو تختیوں پر لکھے تھے اور جنہیں تورات میں عہد کے احکام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی قتل مت کر۔ زنا مت کر وغیرہا۔ (خروج ۳۴: ۲۹)

(ب) اس اصل عظیم کا اعلان کہ انسان اپنے حواس کے ذریعہ ذات باری کا مشاہدہ و ادراک نہیں کر سکتا، اور اس راہ میں معرفت کا منتہیٰ مرتبہ یہ ہے کہ عجز و نارسائی کا اعتراف کیا جائے۔

یہودیوں نے تورات کے متشابہات کو حقیقت پر محمول کر لیا تھا اور سمجھتے تھے، حضرت موسیٰ نے خدا کی شبیہ دیکھی (خروج ۲۴: ۹)

وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ
مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ
سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ۝ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ
۱۴۳ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُن مِّنَ الشَّاكِرِينَ ۝ وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ
۱۴۴ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا سَأُرِيكُمْ

قرآن نے یہاں اس غلطی کا ازالہ کر دیا۔ فرمایا، جب خدا نے موسیٰ سے کلام کیا تو اس نے کہا میرے سامنے آجا کہ ایک نگاہ دیکھ لوں، یعنی جب غیب سے ندائے حق سنی، تو جوشِ طلب میں بےخود ہو گئے۔ اور لذت سماع کی محویت میں لذت مشاہدہ کے حصول کا ولولہ پیدا ہو گیا:

ولاذن تعشق قبل العین احیانا!

حکم ہوا پہاڑ کو دیکھ۔ اگر یہ تاب لا سکا تو تو بھی تاب لا سکے گا۔ یعنی جو بات نظارہ سے مانع ہے وہ خود تیری ہی ہستی کا عجز ہے یہ بات نہیں ہے کہ نمودِ حق میں کمی ہو۔ و نعم ما قیل:

ہر چہ ہست از قامتِ ناساز بےاندام ماست
ورنہ تشریف تو بر بالائے کس دشوار نیست

(ع۵) (نوٹ)

میں حاضر ہوئے اور اس کے پروردگار نے اس سے کلام کیا، تو (جوشِ طلب میں بےاختیار ہو کر) پکار اٹھا "پروردگار (خدایا)! مجھے اپنا جمال دکھا، تیری طرف نگاہ کر سکوں" حکم ہوا "تو مجھے کبھی نہ دیکھ سکے گا۔ مگر ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ۔ اگر یہ (تجلیِ حق کی تاب لے آیا اور) اپنی جگہ ٹکا رہا، تو (سمجھ لیجیو تجھے بھی میرے نظارہ کی تاب ہے، اور تو) مجھے دیکھ سکے گا" پھر جب اس کے پروردگار (کی قدرت) نے نمود کی، تو پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ غش کھا کے گر پڑا!

جب موسیٰ ہوش میں آیا، تو بولا خدایا! ~~تیرے لیے ہر طرح کی تقدیس ہو~~ (تیری ذات پاک اور مقدس ہے)! میں اپنی جسارت سے
تیرے حضور توبہ کرتا ہوں ~~میں ان میں پہلا شخص ہوں گا جو اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں~~ (یقین رکھنے والوں میں پہلا شخص ہوں)!
۱۴۳ خدا نے کہا اے موسیٰ میں نے تجھے اپنی پیغمبری اور ہمکلامی سے لوگوں پر برگزیدگی بخشی۔ پس جو چیز تجھے عطا فرمائی ہے (یعنی احکامِ شریعت) اسے لے اور شکر بجا لا"!
۱۴۴

(ج) آیت (۱۴۵) کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے جن جن حکموں کی ضرورت تھی وہ سب ان تختیوں کے احکام میں موجود تھے "تفصیلا لکل شیء" یعنی تمام باتیں الگ الگ کر کے بیان کر دی تھیں یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا جہان کی ہر بات تشریح و تطویل کے ساتھ لکھ دی گئی تھی یاد رہے کہ قرآن "تفصیل" کا لفظ اس مصطلحہ معنی میں نہیں بولتا جو بیان و معانی میں بعد کو ٹھہرائے گئے، اور جو "اجمال" کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔ اگر امام رازی کی نظر اس حقیقت پر

اور ہم نے موسیٰ کے لیے ان تختیوں میں ہر قسم کی باتیں لکھ دی تھیں تاکہ لوگوں کے ہر معاملہ کے لیے اس میں نصیحت ہو اور ہر بات الگ الگ واضح ہو جائے (پس ہم نے کہا) اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لے، اور اپنی قوم کو بھی حکم دے کہ اس کے پسندیدہ حکموں پر کاربند ہو جائے۔ وہ وقت دور نہیں کہ ہم نافرمانوں کی جگہ تمہیں دکھا دیں گے"
۱۴۵

١٤٠ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ
يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ
١٤١ ع رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ○ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ
١٤٢ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ○
وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا

---

١٤٠ (نیز) موسیٰ نے کہا "کیا تم چاہتے ہو خدا کے سوا کوئی اور معبود تمہارے لئے تلاش کروں؟ حالانکہ وہی
جس نے تمہیں دنیا کی قوموں پر فضیلت دی ہے"

اور (خدا فرماتا ہے۔ اے بنی اسرائیل!) وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعون کی قوم سے نجات دلائی۔ وہ تمہیں سخت عذابوں میں مبتلا کرتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے اور تمہاری عورتوں کو (اپنی چاکری کے لئے) زندہ چھوڑ دیتے۔ اس صورتِ حال میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری بڑی ہی آزمائش تھی!

١٤١ اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں (کے اعتکاف) کا وعدہ کیا تھا۔ پھر دس راتیں بڑھا کر اُسے پورا (چلّہ) کر دیا۔ اس طرح پروردگار کے حضور آنے کی مقررہ میعاد چالیس راتوں کی پوری میعاد ہوگئی۔

١٤٢ موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا (میں اعتکاف کے لئے پہاڑ پر جاتا ہوں) تم میرے بعد قوم میں میرے جانشین بن کر رہو۔ اور دیکھو، سب کام درستگی سے کرنا خرابی ڈالنے والوں کی راہ نہ چلنا"

اور جب موسیٰ آیا، کہ ہمارے مقررہ وقت

(۲۵) حضرت موسیٰ کی سرگذشت کا پہلا حصہ ختم ہوگیا، جس کا تعلق اُن ایام و وقائع سے تھا جو ان کے اور فرعون کے درمیان گزرے۔ اب یہاں سے وہ واقعات شروع ہوتے ہیں جو ان کے اور ان کی امت کے درمیان گزرے۔ پہلے حصے میں یہ حقیقت واضح کی تھی کہ دعوت حق کی مخالفت ہمیشہ طاقتور جماعتوں نے کی اور ہمیشہ ناکام رہیں۔ اس حصہ میں یہ حقیقت واضح کی ہے کہ ایک نئی ہدایت یافتہ جماعت کو راہ عمل میں کیسی کیسی لغزشیں پیش آسکتی ہیں؟ تاکہ پیروانِ دعوت ان سے اپنی نگہداشت کریں۔

چونکہ سلسلۂ بیان ایک دوسرے حصہ کی طرف مڑنا تھا، اس لئے اس کی ابتدا از سرِ نو بنی اسرائیل کی مخاطبت سے کی گئی ہے۔ گویا موعظت و ارشاد کے لحاظ سے یہ ایک نیا بیان ہے۔

(ا) حضرت موسیٰ کا کوہ طور پر اعتکاف اور شریعت کا عطیہ۔ یہاں شریعت سے مقصود وہ دس احکام ہیں جو حضرت موسیٰ نے وحی الٰہی سے پتھر کی دو تختیوں پر کندہ کئے تھے اور جنہیں تورات میں عہد کے احکام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی قتل مت کر۔ زنا مت کر وغیرہا۔ (خروج ۳۴: ۲۹)

(ب) اس اصلِ عظیم کا اعلان کہ انسان اپنے حواس کے ذریعہ ذاتِ باری کا مشاہدہ و ادراک نہیں کر سکتا، اور اس راہ میں معرفت کا منتہیٰ مرتبہ یہ ہے کہ عجز و نارسائی کا اعتراف کیا جائے۔

یہودیوں نے تورات کے متشابہات کو حقیقت پر محمول کر لیا تھا اور سمجھتے تھے، حضرت موسیٰ نے خدا کی شبیہ دیکھی (خروج ۲۴: ۹)

148 لَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ۘ اِتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظٰلِمِينَ ○ وَلَمَّا سُقِطَ فِي اَيْدِيهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ
149 ضَلُّوا ۙ قَالُوا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِينَ ○ وَلَمَّا رَجَعَ مُوسٰى اِلٰى
قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِنْ بَعْدِي ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ
وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيهِ يَجُرُّهٗ اِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي ۫
150 فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ ○

اس نے کسی کو

آدمی کو بے عقلی اور گمراہی پر مجبور کر دیتا ہے۔

(۸) آیت (۱۴۷) کے آخری حصے نے کیسے قطعی لفظوں میں سزا و عقوبت کی حقیقت واضح کر دی ہے؟ جو کچھ بدلہ پایا وہ اس کے سوا کیا تھا کہ انہی کے کرتوتوں کا پھل تھا!"

(۹) بنی اسرائیل مصر کی بت پرستی سے اس درجہ مالوف ہو چکے تھے کہ رہ رہ کر انہیں اس کا شوق ہوتا۔ جونہی حضرت موسیٰ چالیس دن کے لئے الگ ہوئے، انہوں نے گائے کے بچھڑے کی طلائی مورتی بنا کر اسکی پوجا شروع کر دی۔ تورات میں ہے کہ یہ مورتی حضرت ہارون نے بنائی تھی (خروج ۳۱: ۳۲) لیکن قرآن نے دوسری جگہ واضح کر دیا ہے کہ یہ سامری نامی ایک شخص کی کارستانی تھی اور حضرت ہارون کا دامن اس دھبہ سے پاک ہے (۲۰: ۹۰)

عجائب پرستوں کا قاعدہ ہے کہ جہاں کوئی ذرا سی بات عجیب نظر آئی فوراً معتقد ہو گئے اور سمجھ بوجھ کو خیرباد کہدیا۔ سامری مصر کے مندروں کے بھیدوں سے واقف تھا۔ وہاں اس ترکیب سے مورتیاں بنائی جاتی تھیں کہ جونہی ہوا ان کے اندر جاتی، طرح طرح کی آوازیں نکلنے لگتیں آج کل یہ صنعت باجوں اور کھلونوں میں استعمال کی جاتی ہے۔ اس زمانہ میں معبدوں کا معجزہ تھا چنانچہ اس نے بچھڑے کی مورتی میں بھی یہی کاریگری رکھی بنی اسرائیل اتنی ہی بات دیکھ کر معتقد ہو گئے۔ آیت (۱۴۸) کا مطلب یہ ہے کہ ان عقل کے اندھوں نے اتنی موٹی سی بات بھی نہ سمجھی کہ ایک ہی طرح کی آواز کیوں نکلتی ہے؟ آدمی کی بات کا جواب کیوں نہیں دیتا؟

اسیران

ہندوستان کی طرح بابل اور مصر میں بھی بیل اور گائے کی عظمت کا تصور پیدا ہو گیا تھا۔ اگر کالڈیا کے تمدن کی قدامت تسلیم کر لی جائے تو وہیں سے یہ خیال دوسرے ملکوں میں پھیلا ہو گا

اندھے ہیں پر مجبور نہیں کیا۔"

کرتا ہے۔ نہ کسی طرح کی رہنمائی کر سکتا ہے؟ وہ
148 اسے لے بیٹھے، اور وہ (اپنے اوپر) ظلم کرنے والے تھے
پھر جب ایسا ہوا کہ (افسوس و ندامت سے) ہاتھ ملنے لگے، اور انہوں نے دیکھ لیا کہ راہِ (حق) سے قطعاً بھٹک گئے ہیں، تو کہنے لگے "اگر ہمارے پروردگار نے ہم پر رحم نہیں کیا اور نہ بخشا تو ہمارے لئے تباہی کے سوا
149 کچھ نہیں ہے"!

غضب ناک

اور جب موسیٰ [illegible] اور افسوس کرتا ہوا اپنی قوم میں لوٹا، تو اس نے کہا "افسوس تم پر، کس بُرے طریقہ پر تم نے میرے پیچھے میری جانشینی کی تم اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں ذرا بھی صبر نہ کر سکے" اس نے (جوش میں آ کر) تختیاں پھینک دیں اور ہارون کو بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگا۔ ہارون نے کہا "اے میرے ماں جائے بھائی! (میں کیا کروں) لوگوں نے مجھے بے حقیقت سمجھا، اور قریب تھا کہ قتل کر ڈالیں پس میرے ساتھ ایسا نہ کر کہ دشمن
150 ہنسیں اور نہ مجھے (ان) ظالموں [illegible] کا ساتھی نہ ٹھیرا۔"

دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا ١٤٥
كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ
يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ١٤٦
وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ع وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى ١٤٧
مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَ

ہوتی، تو وہ اس بیکار کی زحمت سے بچ جاتے جو سورہ فاتحہ کی تفسیر لکھنے میں انہوں نے برداشت کی۔ ۸

چونکہ یہ تختیاں وحی الٰہی سے کندہ کی گئی تھیں اس لئے خدا نے ان کی کتابت اپنی طرف منسوب کی اور کتب سماوی کی نسبت قرآن کا یہ عام اسلوب بیان ہے تورات میں ہے کہ یہ دو تختیاں تھیں اور دونوں طرف کندہ کی ہوئی تھیں (خروج ۳۲ : ۱۴)

(د) قرآن کا عام اسلوب بیان یہ ہے کہ خدا کے ٹھہرائے ہوئے قوانین و اسباب سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں انہیں براہ راست خدا کی طرف نسبت دیتا ہے۔ مثلاً اس کا ایک قانون یہ ہے کہ جو لوگ سمجھ بوجھ سے کام لینے کی جگہ اپنے بڑے بوڑھوں کی اندھی تقلید کرنے لگتے ہیں اور اسی پر اڑے رہتے ہیں، رفتہ رفتہ ان کی عقلیں ماری جاتی ہیں اور سمجھ بالکل الٹی ہو جاتی ہے۔ کتنی ہی صاف بات کہی جائے، ان کی سمجھ میں نہیں آئے گی کتنی ہی ان کی بھلائی چاہو، وہ اور زیادہ مخالفت کرینگے۔ قرآن اس حالت کو یوں تعبیر کرے گا کہ خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، پس وہ سمجھتے نہیں یعنی یہ صورت حال خدا کے ٹھہرائے ہوئے قانون کا قدرتی نتیجہ ہے جب کبھی کوئی یہ چال چلتا ہے خدا کا مقررہ قانون موثر ہو کر اسے اس حالت میں پہنچا دیتا ہے۔

چنانچہ آیت (۱۴۶) میں فرمایا جو لوگ سرکشی کرینگے میں ان کی نگاہیں اپنی نشانیوں سے پھیر دوں گا۔ یعنی جو کوئی جان بوجھ کر سرکشی کرے، تو خدا کا قانون یہی ہے کہ وہ دلیلوں اور روشنیوں سے متاثر ہونے کی استعداد کھو دیتا ہے پھر واضح کر دیا کہ یہ حالت اس لئے پیش آئے گی کہ "انہوں نے نشانیاں جھٹلائیں اور غافل رہے" پس معلوم ہوا جو کوئی نشانیاں جھٹلاتا ہے اور غفلت سے باز نہیں آتا وہ کبھی سچائی پا نہیں سکتا یہی مطلب نگاہ پھرا دینے کا ہے، یہ مطلب نہیں ہے، کہ خدا کسی

"جو لوگ ناحق خدا کی زمین میں سرکشی کرتے ہیں، ہم اپنی نشانیوں کی نگاہیں پھرا دینگے۔ وہ دنیا بھر کی نشانیاں دیکھ لیں۔ پھر بھی ایمان نہ لائیں۔ اگر وہ دیکھیں ہدایت کی سیدھی راہ سامنے ہے تو کبھی اس پر نہ چلیں، اگر دیکھیں گمراہی کی ٹیڑھی راہ سامنے ہے، تو فوراً چل پڑیں۔ ان کی ایسی حالت اس لئے ہو جاتی ہے کہ ہماری نشانیاں جھٹلاتے ہیں اور ان کی طرف سے غافل رہتے ہیں"

"اور جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں اور آخرت کے پیش آنے سے منکر ہوئے، تو (یاد رکھو) ان کے سارے کام اکارت گئے۔ [redacted] جو کچھ انہوں نے بدلہ پایا وہ اس کے سوائے [redacted] لیا تھا کہ انہی کی کرتوتوں کا پھل [redacted]" تھا۔"

کر

اور پھر ایسا ہوا کہ موسیٰ کی قوم نے اس کے (پہاڑ پر چلے جانے کے بعد اپنے زیور کی چیزوں سے (یعنی زیور کی چیزیں گلا کر) ایک بچھڑے کا دھڑ بنایا جس سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی، اور اسے ([redacted] کے لئے) اختیار کر لیا۔ (افسوس ان کی عقلوں پر!) کیا انہوں نے اتنی (موٹی سی) بات بھی نہ سمجھی کہ نہ تو وہ ان سے بات

بوجنے

اور ایک پوری دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) اس سے نکالنی چاہیے۔

أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِيَّايَ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ
السُّفَهَاءُ مِنَّا إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَاءُ وَتَهْدِي مَن تَشَاءُ أَنتَ وَلِيُّنَا
۱۵۵ فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ۝ وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي
الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ
۱۵۶ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ
الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ

قدیم اور ازلی صفت ہے۔ عذاب دینا صفت نہیں۔ اور عذاب بھی اس لئے عذاب ہے کہ ہماری ٹھہرائی ہوئی اضافتوں اور نسبتوں کے لحاظ سے ایسا ہی ہونا تھا۔ ورنہ فی الحقیقت اس نے جو کچھ کیا ہے رحمت ہی رحمت ہے۔ سورۂ انعام میں گزر چکا ہے: کتب علیٰ نفسہ الرحمۃ (۱۲)

(ط) آیت (۱۵۶) میں اس فرمان کا ذکر کیا تھا کہ جو لوگ خدا کی نشانیوں پر ایمان رکھیں گے وہ رحمت کے سزاوار ہوں گے، اس لئے بعد کی آیات میں سلسلۂ بیان مخاطبین کی طرف متوجہ ہو گیا ہے یعنی اب کہ پیغمبر اسلام کی موعودہ دعوت نمودار ہو گئی۔ اہل کتاب کے لئے رحمت الٰہی کی بخشائشوں کا دروازہ کھل گیا ہے جو لوگ سچائی کی نشانیوں پر ایمان لائیں گے، فرمان الٰہی کے مطابق کامرانی و سعادت پائیں گے

(ی) پیغمبر اسلام کی دعوت کی تین خصوصیتیں بیان بیان کیں:

(۱) نیکی کا حکم دیتا ہے۔ برائی سے روکتا ہے۔

(۲) پسندیدہ چیزوں کا استعمال جائز ٹھہراتا ہے، ناپسندیدہ چیزوں کے استعمال سے روکتا ہے۔ قرآن نے اس معنی میں "طیبات" اور "خبائث" کا لفظ اختیار کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں اچھی ہیں انہیں جائز کیا ہے، جو بری ہیں۔ یعنی مضر ہیں ان سے روک دیا ہے۔

(۳) جو بوجھ اہل کتاب کے سروں پر پڑ گیا تھا اور جن پھندوں میں گرفتار ہو گئے تھے ان سے نجات دلاتا ہے۔ یہ بوجھ کیا تھا، اور یہ پھندے کونسے تھے جن سے قرآن نے رہائی دلائی؟

سے ہمیں مہلت دی، پھر کیا ایک ایسی بات کے لئے جو ہم میں سے چند بے وقوف آدمی کر بیٹھے ہیں تو ہم سب کو ہلاک کر دے گا؟ یہ اس کے سوا کیا ہے کہ تیری طرف سے ایک آزمائش ہے۔ تو جسے چاہے اس میں بھٹکا دے، جسے چاہے راہ دکھلا دے! خدایا! تو ہمارا والی ہے۔ ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر۔ تجھ سے بہتر بخشنے والا کوئی نہیں!

۱۵۵ (خدایا!) اس دنیا کی زندگی میں بھی ہمارے لئے اچھائی لکھ دے، اور آخرت کی زندگی میں بھی ہمارے لئے اچھائی کر۔ ہم تیری طرف لوٹ آئے!

خدا نے فرمایا "میرے عذاب کا حال یہ ہے کہ جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں، اور رحمت کا حال یہ ہے کہ ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ پس میں ان لوگوں کے لئے رحمت لکھ دوں گا جو برائیوں سے بچیں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے، اور ان کے لئے، جو میری نشانیوں پر ایمان لائیں گے!

۱۵۶ جو "الرسول" کی پیروی کریں گے کہ نبی امّی ہوگا، اور اس کے ظہور کی خبر اپنے یہاں تورات اور انجیل

ع ۱۸ ۱۵۱ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ○ إِنَّ الَّذِينَ
اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي
۱۵۲ الْمُفْتَرِينَ ○ وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا
۱۵۳ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ وَلَمَّا سَكَتَ عَن مُّوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ ۖ وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَ
۱۵۴ رَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ○ وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا ۖ فَلَمَّا

موسیٰ نے کہا "پروردگار (خدایا)! میرا قصور بخش دے (کہ جوش میں آگیا) اور میرے بھائی کا بھی (کہ
گمراہوں کو سختی کے ساتھ نہ روک سکا) اور ہمیں اپنی رحمت کے سائے میں داخل کر! تجھ سے بڑھ
۱۵۱ کر کون ہے جو رحم کرنے والا ہو"

خدا نے فرمایا "جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی ان کے حصے میں ان کے پروردگار کا غضب
۱۵۲ آئے گا، اور دنیا کی زندگی میں بھی ذلت و رسوائی (خواری) پائیں گے۔ ہم افترا پردازوں کو ان کی بدعملی
کا) اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ ہاں جن لوگوں نے برائیوں کے ارتکاب (برے عمل کر) کے بعد (متنبہ ہو کر) توبہ
۱۵۳ کر لی اور ایمان لے آئے، تو بلا شبہ تمہارا پروردگار توبہ کے بعد بخش دینے والا، رحمت والا ہے"

(چڑھا ہو کر (جوڑ لئے))

اور جب موسیٰ کی خشمناکی فرو ہوئی تو اس نے
تختیاں اٹھا لیں۔ ان کی کتابت میں (یعنی ان
حکموں میں جو ان پر لکھے ہوئے تھے) ان لوگوں
کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو اپنے پروردگار
کا ڈر رکھتے ہیں"

(کا غضب ٹھنڈا ہوا)

اور اس غرض سے کہ ہمارے ٹھہرائے ہوئے
وقت میں حاضر ہوں، موسیٰ نے اپنی قوم میں سے
ستر آدمی چنے۔ پھر جب لرزا دینے والی ہولناکی نے
انہیں آلیا تو موسیٰ نے (ہماری جناب میں)
عرض کیا "پروردگار (خدایا)! اگر تو چاہتا، تو ان سب کو
اب سے پہلے ہی ہلاک کر ڈالتا، اور خود میری زندگی
بھی ختم کر دیتا (مگر تو نے اپنے فضل و رحمت

(ذ) حضرت موسیٰ کا قوم کے سرکش سرداروں میں سے ستر آدمیوں
کو فیصلہ کے لیے چننا، اور لرزا دینے والی ہولناکی کا ظہور۔
تورات میں ہے کہ سرداروں کی ایک جماعت نے حضرت
موسیٰ کی بزرگی و پیشوائی سے انکار کیا تھا۔ اس پر حکم الٰہی سے
ایک وقت مقرر کیا گیا۔ اور سرکش گروہ جمع ہوا۔ اس وقت
۱۵۴ زلزلہ آیا، زمین پھٹی، اور سب اس میں غرق (دھنس) ہو گئے۔ (دھنس)
(گنتی ۱۶: ۳۱)

(ح) آیت (۱۵۶) میں فرمایا کہ کائنات ہستی میں اصل
و عام حقیقت رحمت ہے اور تعذیب و عقوبت نہیں ہے مگر
خاص خاص حالتوں کے لئے۔ پس یہاں اصل قانون، رحمت
ہوا جس کے احاطہ سے کوئی گوشہ باہر نہیں ہے۔
یہ مقام معارف قرآنی کی مہمات میں سے ہے اور ان
تمام گمراہیوں کا ازالہ کر دیتا ہے۔ جو خدا کی صفات و افعال
کے بارے میں پھیل گئی تھیں۔ جس حالت کو انسان کے
لئے عذاب قرار دیا۔ اسے خاص حالتوں سے مخصوص
بتلایا۔ مگر رحمت کو کہا کہ عام ہے۔ کیونکہ رحمت اس کی

159 بِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ
قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ
مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ
160 وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا
مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓــٰٔتِكُمْ ۭ

جو لوگوں کو سچائی کی راہ چلاتا اور سچائی ہی کے ساتھ
159 (ان کے معاملات میں) انصاف بھی کرتا ہے ۔
اور ہم نے بنی اسرائیل کو بارہ خاندانوں کے
بارہ گروہوں میں تقسیم کر دیا ۔ اور جب لوگوں نے
موسٰی سے پینے کے لئے پانی مانگا، تو ہم نے وحی کی
کہ اپنی لاٹھی (ایک خاص[1]) چٹان پر مارو ۔ چنانچہ بارہ
چشمے پھوٹ نکلے، اور ہر گروہ نے اپنی اپنی جگہ پانی
کی معلوم کر لی ۔ اور ہم نے بنی اسرائیل پر ابر کا سایہ
کر دیا تھا ۔ اور (ان کی غذا کے لئے) "من" اور "سلوی"
اتارا تھا ۔ ہم نے کہا تھا "یہ پسندیدہ غذا کھاؤ جو
جو ہم نے عطا کی ہے" (اور فتنہ فساد میں نہ پڑو)
انہوں نے (نافرمانی کر کے) ہمارا تو کچھ نہیں بگاڑا
160 خود اپنے ہاتھوں اپنا ہی نقصان کرتے رہے !

حالت پر ہو ۔ لکھنے پڑھنے اور علم و فن کی باتوں سے آشنا نہ ہوا
ہو، چنانچہ عرب کے باشندے بھی اُمّی کہلائے ۔ کیونکہ تعلیم و تربیت
سے آشنا نہیں ہوئے تھے ۔
پیغمبر اسلام کو بھی "الامّی" فرمایا، کیونکہ ظاہری تعلیم و تربیت
کا ان پر سایہ بھی نہیں پڑا تھا ۔ جو کچھ تھا سرچشمہ وحی کا
فیضان تھا ۔
(د) چونکہ تورات کی بشارات میں پیغمبر موعود کے اس وصف
کی طرف اشارا تھا، اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس کا
ذکر کیا گیا ۔ بشارات ظہور کے لئے استثناء ۱۸ : ۱۷ و ۲:۳۲
و ۳۳ : ۲ ۔ اور زبور ۵ ۴ : ۱ ۔ اور انجیل متی ۲۰ : ۱ ۔ یوحنا ۱ :
۲۱ و ۱۴ : ۱۵ کے مقامات دیکھنے چاہئیں ۔
(ن) بنی اسرائیل کی بارہ قبیلوں میں تقسیم اور وادی
سینا کے واقعات کی طرف اشارہ ۔
(س) یہ گمراہی کہ جب فتح و کامرانی حاصل ہوئی تو عبودیت و
نیاز کی جگہ غفلت و شرارت میں مبتلا ہو گئے (دیکھو بقرہ ازم ۵۸)

اور پھر (وہ واقعہ یاد کرو) جب بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا تھا "اس شہر[2] میں جا کر آباد ہو جاؤ،
(جس کے فتح کرنے کی تمہیں توفیق ملی ہے) اور یہ نہایت زرخیز علاقہ ہے) جس جگہ سے چاہو، اپنی غذا
حاصل کرو، اور تمہاری زبانوں پر حِطّۃ[3] کا کلمہ جاری ہو، اور اس کے دروازے میں داخل ہو (اللہ
کے حضور) جھکے ہوئے ہو ۔ ہم تمہاری خطائیں بخش دینگے، اور نیک کرداروں کو (اس سے بھی)

[1] تورات میں ہے کہ یہ چٹان جبل حوریب میں تھی (خروج ۱۷ : ۶) "حوریب" سے مقصود وہ سلسلہ کوہ ہے جو وادی سینا میں واقع ہے
[2] عالباً یہ وہ شہر ہے جسے تورات میں یریحو کہا گیا ہے اور جو یردن پار سرزمین کنعان کی پہلی آبادی تھی جس کے حصول کی بنی اسرائیل
کو بشارت دی گئی تھی (گنتی ۳ : ۵) [3] حطہ کلمہ استغفار ہے یعنی خدایا ! گناہوں سے پاک کر دے !

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ
عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ
ع ۱۹ ۱۵۷ ۹ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا
الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ
۱۵۸ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَ

قرآن نے دوسرے مقامات میں اسے واضح کر دیا ہے۔ مذہبی احکام کی بیجا سختیاں، مذہبی زندگی کی ناقابل عمل پابندیاں، ناقابل فہم عقیدوں کا بوجھ، وہم پرستیوں کا انبار، عالموں اور فقیہوں کی [illegible] کی بیڑیاں، پیشواؤں کے تقدس کی زنجیریں، یہ بوجھل رکاوٹیں تھیں جنہوں نے یہودیوں اور عیسائیوں کے دل و دماغ مقید کر رکھے تھے۔ پیغمبر اسلام کی دعوت نے ان سب سے نجات دلائی اس نے سچائی کی ایسی سہل و آسان راہ دکھائی جس میں عقل کے لئے کوئی بوجھ نہیں عمل کے لئے کوئی سختی نہیں حنیفیۃ السمحۃ لیلھا کنھارھا! ۸

اور دماغی غلامی

اس کی راتیں بھی دن کی طرح روشن ہیں۔

افسوس جن پھندوں سے قرآن نے اہل کتاب کو نجات دلائی تھی مسلمانوں نے وہی پھندے پھر اپنے گلوں میں ڈال لئے!

۱۵۷

(ک) دعوت عامہ کا اعلان۔ یعنی پیغمبر اسلام کی دعوت کسی خاص قوم اور ملک کے لئے نہیں ہے، تمام نوع انسانی کے لئے ہے۔ یہ آیت جوامع آیات میں سے ہے جس نے دعوت اسلام کی پوری حقیقت واضح کر دی۔

(۱) یہ دعوت یکساں طور پر تمام نوع انسانی کے لئے ہے۔

(۲) یہ ایک خدا کے آگے سب سروں کو جھکا ہوا دیکھنا چاہتی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(۳) ایمان "باللہ و کلماتہ" اس کا شعار ہے یعنی خدا پر اور اس کے تمام کلمات وحی پر ایمان - خواہ کسی زمانے

اور کسی ملک میں آئی ہو۔

۱۵۸ فرمایا خدا نے مجھے تم سب کی طرف بھیجا ہے۔ وہ خدا کہ آسمان و زمین کی ساری بادشاہت اسی کے لئے ہے۔ یعنی جب تمام کائنات ہستی میں ایک ہی خدا کی فرمانروائی ہے، تو ضروری ہوا کہ اس کا پیغام ہدایت بھی ایک ہی ہو اور سب کے لئے ہو۔

(ل) عربی میں "امی" ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو اپنی پیدائشی

میں لکھی پائیں گے۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دے گا، برائی سے روکے گا، پسندیدہ چیزیں حلال کرے گا، گندی چیزیں حرام ٹھہرائے گا، اس بوجھ سے نجات دلائے گا جس کے تلے دبے ہونگے، ان پھندوں سے نکالے گا جن میں گرفتار ہونگے۔ تو جو لوگ اس پر ایمان لائے، اس کے مخالفوں کے لئے روک ہوئے (راہ حق میں) اس کی مدد کی، اور اس روشنی کے پیچھے ہو لئے جو اس کے ساتھ بھیجی گئی ہے، سو وہی ہیں جو کامیابی پانے والے ہیں"!

(اے پیغمبر! تم لوگوں سے) کہو "اے افراد نسل انسانی! میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ وہ خدا، کہ آسمانوں کی اور زمین کی ساری بادشاہت اسی کے لئے ہے کوئی معبود نہیں مگر اسی کی ایک ذات! وہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی اُمّی پر کہ اللہ اور اس کے کلمات (یعنی اس کی تمام کتابوں) پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کی پیروی کرو تا کہ (کامیابی کی) راہ تم پر کھل جائے"۔

اور موسیٰ کی قوم میں ایک گروہ ضرور ایسا ہے

۱۶۴ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ○ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ
۱۶۵ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ○ فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً
۱۶۶ خَاسِئِينَ ○ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ
۱۶۷ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا مِّنْهُمُ الصَّالِحُونَ

کیوں جاتا ہے

پروردگار کے حضور معذرت کرسکیں (کہ ہم نے اپنا فرض ادا کردیا تھا) اور اسلیے بھی کہ (شاید) لوگ باز آجائیں
پھر جب ایسا ہوا کہ ان لوگوں نے وہ تمام نصیحتیں بھلا دیں جو انہیں کی گئی تھیں، تو ہمارا (عذاب) پکڑ
نمودار ہوگیا، ہم نے ان لوگوں کو تو بچالیا جو برائی سے روکتے تھے مگر شرارت کرنے والوں کو ایک ایسے
عذاب میں ڈالا کہ محرومی و نامرادی میں مبتلا کرنے والا عذاب تھا۔ یہ سبب ان نافرمانیوں کے جو وہ کیا
۱۶۵ کرتے تھے!

پھر جب یہ (سزا بھی انہیں عبرت نہ دلا سکی، اور) وہ اس بات میں حد سے زیادہ سرکش ہوگئے جس
۱۶۶ سے انہیں روکا گیا تھا، تو ہم نے کہا 'بندر ہو جاؤ۔ ذلت و خواری سے ٹھکرائے ہوئے'!

اور (اے پیغمبر!) جب ایسا ہوا تھا کہ تیرے
پروردگار نے اس بات کا اعلان کردیا تھا: (اگر بنی
اسرائیل شرارت و بدعملی سے باز نہ آئے، تو) وہ قیامت
کے دن تک ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کردے گا
جو انہیں ذلیل کرنے والے عذاب میں مبتلا کرینگے
حقیقت یہ ہے کہ تیرا پروردگار (بدعملی کی) سزا
دینے میں دیر کرنے والا نہیں، اور ساتھ ہی بخشنے والا
۱۶۷ رحمت والا بھی ہے!

اور ہم نے انہیں الگ الگ گروہ کرکے زمین
میں متفرق کردیا۔ کچھ ان میں نیک تھے، کچھ

(ص) آیت (۱۶۷) سے معلوم ہوا کسی قوم پر ظالم و مستبد حکمرانوں کا مسلط رہنا بھی خدا کا ایک عذاب ہے جو پاداش عمل میں نمودار ہوتا ہے۔

(ق) آیت (۱۶۸) میں اس قانون الٰہی کی طرف اشارہ ہے کہ جب کوئی جماعت بدعملی و فساد میں مبتلا ہوتی ہے تو اس کا ہلاک نتیجہ فوراً ظاہر نہیں ہو جاتا، بلکہ تدریج و امہال کی وجہ سے یکے بعد دیگرے مہلتیں ملتی رہتی ہیں کہ اصلاح حال پر آمادہ ہو جائے۔

فرمایا 'ہم نے انہیں الگ الگ گروہ کرکے زمین میں متفرق کردیا' یعنی بنی اسرائیل کی قومی وحدت باقی نہیں رہی چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منتشر ہوگئے یہ تباہی کی ابتدا تھی تاہم ابھی نیک جماعتیں بالکل معدوم نہیں ہوگئی تھیں، لیکن اس دور کے بعد جو نسلیں پیدا ہوئیں وہ عمل و حقیقت سے یکسر محروم ہو گئیں

لہ اصل آیت میں "بعذاب بئیس" ہے۔ "بئیس" بأس سے بھی ہو سکتا ہے جس کے معنی شدت کے ہیں، اور بؤس سے بھی جس کے معنی فقر و فاقہ اور انتہائے محرومی کے ہیں۔ ہم نے دوسرے معنی کو ترجیح دی کیونکہ آگے چل کر "خاسئین" کا لفظ آیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے، عذاب کی نوعیت ایسی تھی کہ ذلیل و خوار کردے۔ (الاعراف)

١٦١ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ○ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
١٦٢ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ع وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ اِذْ
يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ لَا تَاْتِيْهِمْ
١٦٣ كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ
اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ

ع ٥ وقف لازم معانقة النصف

١٦١ زیادہ اجر دینگے"۔
لیکن جو لوگ ان میں ظلم و شرارت کی راہ چلنے والے تھے انہوں نے خدا کی تبلائی ہوئی بات
بدل کر ایک دوسری ہی بات بنا ڈالی (یعنی جس بات کا حکم دیا گیا تھا، اس سے بالکل الٹی چال چلے)
١٦٢ ہم نے آسمان سے اُن پر عذاب بھیجا، اس ظلم کی وجہ سے جس کے وہ مرتکب ہوئے۔

اور (اے پیغمبر!) بنی اسرائیل سے اس شہر کے بارے میں پوچھو جو سمندر کے کنارے واقع تھا، اور جہاں سبت کے دن لوگ خدا کی ٹھہرائی ہوئی حد سے باہر ہو جاتے تھے۔ سبت کے دن ان کی (مطلوبہ) مچھلیاں پانی پر تیرتی ہوئی ان کے پاس آجاتیں مگر جس دن سبت نہ مناتے نہ آتیں۔ اس طرح ہم انہیں آزمائش میں ڈالتے تھے بہ سبب اس نافرمانی کے جو وہ کیا کرتے تھے۔
١٦٣ اور جب اس شہر کے باشندوں میں سے ایک گروہ نے (ان لوگوں سے جو نافرمانوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے) کہا "تم ایسے لوگوں کو (بیکار) نصیحت کیوں کیا کرتے ہو جنہیں (ان کی شقاوت کی وجہ سے) یا تو خدا ہلاک کر دے گا یا نہایت سخت عذاب (اُخروی) میں مبتلا کرے گا"، انہوں نے کہا "اس لئے کرتے ہیں" "تاکہ تمہارے

(ع) بنی اسرائیل کی یہ گمراہی کہ دین کے حکموں پر سچائی کے ساتھ عمل نہیں کرتے تھے، اور شرعی حیلے نکال کر ان کی تعمیل سے بچنا چاہتے تھے انہیں حکم دیا گیا تھا کہ سبت کا مقدس دن تعطیل کا دن ہے اس دن شکار نہ کرو۔ لیکن ایک گروہ نے یہ حیلہ نکالا کہ سمندر کے کنارے گڑھے کھود لئے۔ جب جوار کے بعد پانی اتر جاتا تو گڑھے کے اندر کی مچھلیاں پکڑ لیتے اور کہتے یہ مچھلیاں خود آ گئیں۔ شکار نہیں کی گئیں!
بندر ہو جانے کا مطلب کیا ہے؟ ان کی صورتیں بندروں کی سی ہو گئی تھیں یا دل؟ ائمہ تفسیر میں سے مجاہد کا قول ہے، "مسخت قلوبہم" ان کے دل مسخ ہو گئے تھے (ابن کثیر)
(ف) گمراہوں کی ہدایت کی طرف سے کتنی ہی مایوسی ہو لیکن اہل حق کا فرض ہے کہ نصیحت سے باز نہ رہیں۔ کیونکہ اول تو یہ ایک فرض ہے اور ادائے فرض میں نتیجہ کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ثانیاً کون کہہ سکتا ہے کہ ہدایت قطعاً موثر نہ ہوگی؟ ہو سکتا ہے کہ کسی کے دل کو کوئی بات لگ جائے۔ چنانچہ اسی لئے اہل حق نے کہا "معذرۃ الی ربکم ولعلہم یتقون" تاکہ اللہ کے حضور معذرت کر سکیں، اور اس لئے بھی کہ شاید لوگ باز آجائیں۔ سبحان اللہ قرآن کی معجزانہ بلاغت پانچ چھ لفظوں کے اندر وہ سب کچھ کہہ جاتا جو اس بارہ میں کہا جا سکتا ہے۔

نصیحت

١٧١ وَظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ وَاِذْ
اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ
١٧٢ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚۛ شَهِدْنَا ۚۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ۙ اَوْ تَقُوْلُوْٓا
١٧٣ اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝
١٧۴ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

(جو ہل رہا ہے) اور وہ (دہشت کی شدت میں کے مارے) سمجھے تھے کہ بس ان کے سروں پر آگرا، اور انہیں حکم دیا تھا کہ "یہ کتاب جو ہم نے دی ہے مضبوطی سے پکڑے رہو، اور جو کچھ اس میں تبلایا گیا ہے اسے خوب طرح یاد رکھو۔ یہ اس لئے ہے کہ تم برائیوں سے بچو"۔
١٧١

اور (اے پیغمبر!) وہ وقت بھی لوگوں کو یاد دلاؤ) جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے، یعنی اس ذریت سے جو آدم کے وجود سے (نسلاً بعد نسلٍ) پیدا ہونے والی تھی عہد لیا تھا، اور انہیں (یعنی ان میں سے ہر ایک کو اس کی فطرت میں) خود اس پر گواہ ٹھہرایا تھا: "کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟" سب نے جواب دیا تھا: "ہاں تو ہی ہمارا پروردگار ہے، ہم نے اس کی گواہی دی" اور یہ اس لئے کیا تھا کہ ایسا نہ ہو "تم قیامت کے دن عذر کر بیٹھو کہ ہم اس سے بیخبر رہے، یا کہو خدایا
١٧٢
شرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں نے کیا

(ف) اس حقیقت کا اعلان کہ خدا کی ہستی کا اعتقاد انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے، اور فطرت انسانی کی اصلی آواز "بلیٰ" ہے یعنی تصدیق ہے، انکار نہیں ہے، اور اسی لئے کوئی انسان اپنی غفلت کے لئے معذور نہیں ہو سکتا، اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ آباؤ اجداد کی گمراہی سے میں بھی گمراہ ہو گیا کیونکہ اس کے وجود سے باہر گمراہی کے کتنے ہی موثرات جمع ہو جائیں لیکن اسکی فطرت کی اندرونی آواز کبھی دب نہیں سکتی بشرطیکہ وہ خود اس کے دبانے کے درپے نہ ہو جائے، اور اس کی طرف سے کان بند نہ کرلے

چونکہ آیت (١٧١) میں اس عہد کا ذکر کیا تھا جو دین کے اتباع کا بنی اسرائیل سے لیا تھا، اس لئے یہاں واضح کر دیا گیا کہ پیغمبروں کی ہدایت کوئی نیا پیام انسان کو نہیں دیتی، وہ اسی اعتقاد کی تجدید کرتی ہے جو اول دن سے فطرت انسانی میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔ کوثر نامہ

ہم ان کی نسل میں بعد کو پیدا ہوئے (اور لاچار وہی چال چلے جس پر پہلوں کو چلتے پایا)، پھر کیا تو ہمیں اس بات کے لئے ہلاک کرے گا جو (ہم سے پہلے) جھوٹی راہ چلنے والوں نے کی تھی؟
١٧٣

اور (دیکھو) اس طرح ہم سچائی کی نشانیاں الگ الگ کرکے واضح کر دیتے ہیں، تاکہ لوگ (حق کی طرف) لوٹ آئیں!
١٧۴

168 وَمِنْهُمْ دُونَ ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ
خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ
عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ
وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ
169 بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ○ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ

(۱) چنانچہ علمائے یہود کا یہ حال ہو گیا کہ دنیا کے حقیر فوائد کے لئے دین فروشی کرتے ناجائز باتوں کو جائز بنا لیتے، اور سمجھتے ہمارے لئے کوئی کھٹکا نہیں، خدا ہمیں بخش دے گا۔

168 جب کسی گروہ میں عمل اور حقیقت کی روح باقی نہیں رہتی تو ارتکاب معاصی میں چھوٹ ہو جاتا ہے اور عمل کی جگہ محض جوش اعتقادی کے خود ساختہ سہاروں پر اعتماد کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ یہی حال یہودیوں کا ہوا جو سمجھتے تھے، ہم خدا کی پسندیدہ امت ہیں دوزخ ہم پر حرام کر دی گئی ہے، اور یہی حال اب مسلمانوں کا ہو گیا ہے جو سمجھتے ہیں، ہم امت مرحومہ ہیں دوزخ ہم پر حرام کر دی گئی ہے۔ اگر کچھ مواخذہ ہوگا بھی، تو کسی پیر کی مریدی یا کسی وظیفہ کا ورد یا کسی خاص نماز نفل کی مداومت یا نیاز میلاد کا انعقاد اور عرسوں کی شرکت بخشش و نجات کے لئے کافی ہے۔

اس سے پہلے آیت (۱۵۹) میں کہا تھا کہ قوم موسیٰ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ہدایت پر چلتے ہیں۔ یہاں فرمایا، جو لوگ کتاب اللہ پر سچائی کے ساتھ عمل کرتے ہیں ان کا اجر ضائع ہونے والا نہیں۔ دونوں جگہ بصراحت اس لئے کی تاکہ واضح ہو جائے، جو لوگ سچائی پر قائم ہیں ان کی سعادت سے انکار نہیں۔

پھر اس کے خلاف اور ہم نے انہیں اچھی اور بری دونوں طرح کی حالتوں میں ڈال کر آزمایا۔ تاکہ (بد عملیوں سے) باز آجائیں۔

پھر ان لوگوں کے بعد ناخلفوں نے ان کی جگہ پائی اور کتاب الٰہی کے وارث ہوئے۔ وہ (دین فروشی کرکے) اس دنیائے حقیر کی متاع (بے تامل) لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں "اس کی تو ہمیں معافی مل ہی جائے گی" اور اگر کوئی متاع انہیں اسی طرح (فریق ثانی سے) ہاتھ آجائے تو اسے بھی بلا تامل لے لیں کیا ان سے کتاب میں عہد نہیں لیا گیا ہے کہ خدا کے نام سے کوئی بات نہ کہیں مگر وہی جو سچ ہو؟ اور کیا جو کچھ کتاب میں حکم دیا گیا ہے وہ پڑھ نہیں چکے ہیں؟ جو متقی ہیں ان کے لئے تو آخرت کا گھر (دنیا اور دنیا کی خواہشوں سے) کہیں بہتر ہے (وہ دنیا کے لئے اپنی آخرت تاراج کرنے والے نہیں۔

169 اے علمائے یہود!) کیا اتنی سی بات بھی تمہاری عقل میں نہیں آتی؟

اور (بنی اسرائیل میں سے) جو لوگ کتاب اللہ کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور نماز

170 تو (ان کے لئے کوئی کھٹکا نہیں) ہم کبھی سنوارنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے:

اور جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے ان کے اوپر پہاڑ کو زلزلہ میں ڈالا تھا، گویا ایک سائبان ہے

ط عربی میں "نتقنا" کے معنی "زعزعنا" کے بھی ہو سکتے ہیں اور "زلزلنا" کے بھی۔ نتق السقاء اذا ھزہ ونفضہ لیخرج منہ الزبدة۔ ہم نے دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے۔

يُضْلِلْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ ۱۷۸
لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ
كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝ وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ ۱۷۹
بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَمِمَّنْ خَلَقْنَا ۱۸۰
أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ

تو ایسے ہی لوگ ہوئے جو گھاٹے ٹوٹے میں پڑے! ۱۷۸

اور کتنے ہی جن اور انسان ہیں جنہیں ہم
نے جہنم کے لئے پیدا کیا (یعنی بالآخر اُن کا ٹھکانا
جہنم ہونے والا ہے) ان کے پاس عقل ہے مگر
اس سے سمجھ بوجھ کا کام نہیں لیتے۔ آنکھیں ہیں
مگر ان سے دیکھنے [redacted] نہیں [redacted]۔ کان ہیں مگر
[redacted] سننے [redacted] نہیں [redacted]۔ وہ (عقل و حواس کا
استعمال کھوکر) چارپایوں کی طرح ہوگئے۔ بلکہ ان
سے بھی زیادہ کھوئے ہوئے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو
سرتاسر [redacted] غفلت میں ڈوب گئے [redacted]! ۱۷۹
اور (دیکھو) اللہ کے لئے حسن و خوبی کے نام
ہیں (یعنی صفتیں ہیں) سو تم انہی ناموں سے
اسے پکارو، اور جو لوگ اس کے ناموں میں کج
اندیشیاں کرتے ہیں (یعنی ایسی صفتیں گڑھتے
ہیں جو اس کے جمال و پاکی کے خلاف
ہیں) تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔
وہ وقت دور نہیں کہ اپنے کئے کا بدلہ
پالیں گے۔ ۱۸۰
اور جن لوگوں کو ہم نے پیدا کیا، ان میں
[redacted] ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو لوگوں

(۲۶) قرآن نے جابجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ ہدایت و سعادت کی راہ عقل و تفکر کی راہ ہے، اور گمراہی و شقاوت کا سرچشمہ جہل و کوری اور حواس و تفکر کو بیکار کر دینا ہے۔ جو لوگ خدا کی دی ہوئی عقل سے کام نہیں لیتے یا ہوائے نفس سے اس درجہ مغلوب ہو جاتے ہیں کہ ذہن و ادراک کی قوتیں بیکار ہو جاتی ہیں، وہ کبھی ہدایت نہیں پا سکتے۔ (مزید تفصیل کے لئے تفسیر فاتحہ دیکھنی چاہئے)

چنانچہ یہاں انسان کی دماغی شقاوت کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ہے، جب بڑے بوڑھوں کے تقلیدی اثرات سے، یا ہوائے نفس کے غلبہ سے، یا ذاتی طمع و نفع سے، وہ اس درجہ مغلوب ہو جاتا ہے کہ عقل و حواس کی ساری روشنیاں اس کے لئے بیکار ہو جاتی ہیں۔

قرآن کہتا ہے، ایسا ہی گروہ جہنمی گروہ ہے۔

(۲۷) یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ معرفت حقیقت کی دو ہی راہیں ہیں: "فکر" اور "نظر"۔ "فکر" یہ کہ خدا کی دی ہوئی عقل سے کام لیں اور اپنے اندر سوچیں سمجھیں۔ "نظر" یہ کہ کارخانۂ ہستی کے عجائب و دقائق کا مشاہدہ کریں، اور اس سے بصیرت حاصل کریں۔ جو شخص ان دونوں باتوں سے محروم ہے، وہ اندھا بہرا ہے، اور گمراہی سے لوٹنے والا نہیں۔

(۲۸) قرآن نے خدا کی صفتوں کا جو تصور ہم میں پیدا کرنا چاہا ہے وہ سرتاسر حسن و خوبی کا تصور ہے۔ چنانچہ وہ خدا کی تمام صفتوں کو "حسنیٰ" قرار دیتا ہے یعنی خوبی و جمال کی صفتیں۔ صفتیں کیا کیا ہیں؟ قرآن نے جابجا بیان کی ہیں۔

۱۷۵ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ
شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ
يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ
۱۷۶–۱۷۷ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ سَآءَ مَثَلَا ۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝
مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِیْ ۚ وَمَنْ

(۲۵۱) پچھلی دعوتوں کا ذکر ختم ہوگیا۔ اب بیان یہ حقیقت واضح کی ہے کہ جس طرح پچھلے عہدوں کی مفسد جماعتوں نے آخر تک سچائی کا مقابلہ کیا، اسی طرح عرب کے مفسدین بھی کر رہے ہیں اور کبھی ایمان لانے والے نہیں۔ پس ان کی شرارتوں سے پریشان خاطر نہ ہو۔ نتیجہ کا انتظار کرو۔

آیت (۱۷۵) میں غالباً عرب جاہلیت کے ایک حکیم شاعر اُمیہ بن عبد اللہ ابی الصلت ثقفی کی طرف اشارہ ہے۔ یہ غیر
۱۷۵ معمولی ذکاوت و استعداد کا آدمی تھا۔ اور اہل کتاب کی صحبت میں رہ کر خدا پرستی و دینداری کے خیالات سے آشنا ہوگیا تھا قدرتی طور پر ایسا شخص سب سے زیادہ مستحق تھا کہ اتباع حق کی اس سے توقع کی جاتی، لیکن جب اسلام کا ظہور ہوا، تو پیغمبر اسلام کی فضیلت اس پر گراں گزری، اور اس طمع میں پڑ گیا کہ خود ہی عرب کا پیغمبر کیوں نہ ہوا؟ نتیجہ یہ نکلا کہ ادراک حق کی جو توفیق ملی تھی، ضائع گئی اور ہوائے نفس کی پیروی نے محروم و نامراد کر دیا۔

کتے کی مثال میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم ان لوگوں سے تعرض کرو یا نہ کرو، یہ اپنی مفسدانہ خصلت کا مظاہرہ ضرور کریں گے کیونکہ سچائی کی مخالفت ایسے لوگوں کی طبیعت ثانیہ ہو جاتی ہے۔

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کو اس آدمی کا حال (کلام الٰہی میں) پڑھ کر سناؤ جسے ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں (یعنی دلائلِ حق کی سمجھ عطا کی تھی) لیکن پھر ایسا ہوا کہ اس نے (دانش و فہم کا) وہ جامہ اُتار دیا پس شیطان اس کے پیچھے لگا نتیجہ یہ نکلا کہ گمراہوں میں سے ہوگیا۔

اور اگر ہم چاہتے، تو ان نشانیوں کے ذریعہ اس کا مرتبہ بلند کرتے (یعنی دلائلِ حق کا جو علم ہم نے دیا تھا، وہ ایسا تھا کہ اگر اس پر قائم رہتا، اور ہماری مشیت ہوتی تو بڑا درجہ پاتا) مگر وہ پستی کی طرف جھکا اور ہوائے نفس کی پیروی کی۔ تو اس کی مثال کتے کی سی ہوگئی۔ مشقت میں ڈالو، جب بھی ہانپے اور زبان لٹکائے چھوڑ دو، جب بھی ایسا ہی کرے! ایسی ہی مثال ان لوگوں کی ہے۔
جنہوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں، تو (اے پیغمبر!) یہ حکائیتیں لوگوں کو سناؤ۔ تاکہ ان میں غور
۱۷۶ و فکر کریں۔
کیا ہی بُری مثال ان لوگوں کی ہوئی جنہوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں! وہ اپنے ہاتھوں
۱۷۷ خود اپنا ہی نقصان کرتے رہے!
جس پر اللہ (کامیابی کی) راہ کھول دے تو وہی راہ پر لگا، اور جس پر (کامیابی کی) راہ گم کر دے

وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا ١٨٦
عِنْدَ رَبِّي ۖ لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ۚ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۗ
يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ ١٨٧
قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ
مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ۚ

جس پر (کامیابی کی) راہ گم کردے (یعنی خدا کے ٹھہرائے ہوئے قانون نتائج کے مطابق کھو یا جائے) تو پھر
اس کے لئے کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔ خدا (کے قانون) نے انہیں چھوڑ رکھا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں! ١٨٦

(اے پیغمبر!) لوگ تم سے (قیامت کے) آنے والے وقت کی نسبت پوچھتے ہیں کہ آخر وہ کب ظاہر ہوگا؟ تم کہہ دو "اس کا علم تو میرے پروردگار کو ہے۔ وہی ہے جو اس بات کو اس کے وقت پر نمایاں کرنے والا ہے۔ وہ بڑا بھاری حادثہ ہے جو آسمانوں اور زمین میں واقع ہوگا۔ وہ تم پر نہیں آئے گا مگر اچانک۔

(اے پیغمبر!) یہ لوگ تم سے اس طرح پوچھ رہے ہیں ~~گویا تم اس کی کھوج~~ میں لگے ہوئے ہو۔ تم کہو ~~حقیقت حال اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ صرف خدا ہی جانتا ہے~~ لیکن اکثر آدمی ایسے ہیں
جو اس حقیقت سے انجان ہیں۔ ١٨٧

جیسے تم اِس بات کی کرید

اِس بات کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو "میرا حال تو یہ ہے کہ خود اپنی جان کا نفع نقصان بھی اپنے قبضے میں نہیں رکھتا۔ وہی ہو کر رہتا ہے جو خدا چاہتا ہے۔ اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو ضرور ایسا کرتا کہ بہت سی منفعت بٹور لیتا، اور (زندگی میں) کوئی گزند

(۳۲) مشرکین مکہ انکار و تمسخر کی راہ سے پوچھتے تھے اگر سچ مچ کو قیامت آنے والی ہے تو کیوں نہیں بتا دیتے کہ کب آئیگی؟ فرمایا: وقت کا علم تو اللہ کو ہے۔ تمہارے لئے اس قدر جان لینا کافی ہے کہ جب آئیگی تو اچانک آجائیگی۔ ڈھنڈورا پیٹ کر نہیں آئیگی۔

(۳۳) "ثقلت فی السمٰوٰت والارض" سے معلوم ہوا، وہ اجرام سماویہ کا ایک عظیم حادثہ ہوگا۔

اس آیت اور اس کی ہم معنی آیات سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ قیامت کے آثار و مقدمات کے بارے میں جتنی باتیں مسلمانوں میں مشہور ہو گئی ہیں ان کا بڑا حصہ بے اصل ہے کیونکہ اگر ایک واقعہ سے بہت پہلے اس کی ظاہری علامتیں یکے بعد دیگرے ظہور میں آنے والی ہوں اور اس کی خبر بھی دے دی گئی ہو تو اس واقعہ کا ہونا ناگہانی نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ قرآن قطعی طور پر کہتا ہے کہ لوگ یکسر بے خبر ہونگے اور قیامت اچانک نمودار ہو جائے گی۔

(۳۴) انسان کی ایک عالمگیر گمراہی یہ رہی ہے کہ جب کوئی انسان روحانی عظمت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے تو لوگ چاہتے ہیں اسے انسانیت و بندگی کی سطح سے بلند کر کے دیکھیں لیکن قرآن نے پیغمبر اسلام کی حیثیت ایسے صاف اور قطعی لفظوں میں واضح کردی کہ ہمیشہ کے لئے اس گمراہی کا ازالہ ہو گیا۔ صرف یہی ایک بات ان کی صداقت کے اثبات کے لئے کفایت کرتی ہے جو دنیا اپنے پیشواؤں کو خدا اور خدا کا بیٹا بنانے کی خواہش مند تھی، اسلام کے پیغمبر نے اس سے اتنا بھی نہ چاہا کہ کاہنوں کی طرح مجھے غیب دان تسلیم کر لو۔ زیادہ سے زیادہ بات جو اپنی نسبت سنائی، یہ تھی کہ "انکار و بدعملی کے نتائج سے خبردار کر دینے والا اور ایمان و نیک عملی

ع ۲۲ ۱۱۸ - ۱۸۲ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاُمْلِيْ
۱۸۳ - ۱۸۴ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝
اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ
۱۸۵ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ

اور شمار کی گئیں تو ۹۹ نکلیں ان تمام صفتوں کے معانی پر غور
کرو گے، تو معلوم ہو جائے گا، قرآن کا تصور کس درجہ بلند
۱۸۱ اور کامل ہے۔ صرف ان صفات کے معانی پر تدبر کر کے ہم
کائنات ہستی کے بے شمار اسرار و دقائق کی معرفت حاصل
کر سکتے ہیں۔ کیونکہ یہاں جو کچھ ہے انہی صفات کا ظہور ہے۔
(۲۹) آیت (۱۸۱) میں عرب کے ان موحد اور راست باز
۱۸۲ انسانوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے اپنا جوہر فکر و
نظر ضائع نہیں کیا تھا۔ اور دعوت حق کے شناسا ثابت ہوئے
تھے۔

(۳۰) آیت (۱۸۲) میں قانون امہال کی طرف اشارہ ہے
اور [illegible] کی نسبت خبر دی ہے کہ جزائے عمل کا قانون ان
۱۸۳ کی طرف سے غافل نہیں ہے۔ وہ بتدریج اس نتیجہ تک پہنچ
کر رہیں گے جو انکار و سرکشی کا لازمی نتیجہ ہے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ
لیا کہ چند برسوں کے اندر قریش مکہ کی ساری طاقت نابود
ہوگئی (قانون امہال کے لئے دیکھو تفسیر فاتحہ)
(۳۱) داعیانِ حق کو ہمیشہ منکروں نے مجنوں کہا ہے پیغمبر
اسلام کو بھی اشرار مکہ مجنون کہا کرتے تھے۔ آیت (۱۸۴) اور
(۱۸۵) میں فرمایا۔ یہ منکر نہ تو فکر سے کام لیتے ہیں، نہ مشاہدہ
و نظر سے۔ اگر فکر سے کام لیں۔ تو پیغمبر اسلام کی زندگی جو انہی
میں پیدا ہوا اور انہی میں سے ہے سچائی کی سب سے بڑی دلیل
ہے اگر نظر سے کام لیں تو آسمان و زمین کا ایک ایک ذرہ
۱۸۴ خدا کی ہستی اور اس کے مقررہ قوانین خلقت کی شہادت
دے رہا ہے۔
غور کرو۔ قرآن کا طریق تلقین و استدلال کیا ہے اور
[illegible] نے اسے کیا بنا دیا ہے (تفصیل کے لئے دیکھو تفسیر فاتحہ)

کو سچائی کی راہ دکھاتا، اور سچائی ہی کے ساتھ ان
میں انصاف بھی کرتا ہے۔
اور جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں
ہم انہیں درجہ بدرجہ (آخری نتیجہ تک) لے جائیں گے
اس طرح، کہ انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ ہم انہیں ڈھیل
دیتے ہیں (یعنی ہمارا قانونِ جزا ایسا ہے کہ نتائج
بہ تدریج ظہور میں آتے ہیں اور مہلتوں پر مہلتیں
ملتی رہتی ہیں) اور ہماری مخفی تدبیر بڑی ہی مضبوط
ہے!
کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا؟ ان کے
رفیق کو (یعنی پیغمبر اسلام کو جو انہی میں پیدا ہوا، اور
جس کی زندگی کی ہر بات ان کے سامنے ہے) کچھ
دیوانگی تو نہیں لگ گئی ہے (کہ خواہ مخواہ ایک بات
کے پیچھے پڑ کر سب کو اپنا دشمن بنا لے) وہ اس کے
سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ (انکار و بدعملی کی پاداش
سے) کھلے طور پر خبردار کر دینے والا ہے!
پھر کیا یہ نظر اٹھا کر آسمان و زمین کی پادشاہی
اور جو کچھ خدا نے پیدا کیا ہے نہیں دیکھتے؟ نیز یہ بات
کہ ہو سکتا ہے ان کا (مقررہ) وقت قریب آگیا ہو؟ اگر سوچنے سمجھنے کی یہ ساری باتیں انہیں ہشیار
۱۸۵ نہیں کر سکتیں، تو پھر اس کے بعد اور کون سی بات ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے؟

١٩٢ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ○ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ
١٩٣ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ
١٩٤ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ
لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ
١٩٥ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ○ اِنَّ وَلِيِّ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَ
١٩٦ هُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ○

١٩١ خود کسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ اُن میں نہ تو اس کی طاقت کہ ان کی مدد کریں نہ اس کی کہ خود اپنی ذات ہی کو مدد پہنچائیں۔
١٩٢ اگر تم سیدھی راہ کی طرف بُلاؤ تو تمہارے پیچھے قدم نہ اٹھا سکیں اور تم انہیں پکارو یا چپ رہو دونوں حالتوں کا نتیجہ تمہارے لئے یکساں ہو!
١٩٣ (نادانو!) تم خدا کے سوا جن ہستیوں کو پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح خدا کے بندے ہیں۔ اگر تم (اپنے اس وہم میں) سچے ہو (کہ اُن میں ~~ماورائے بشریت~~ طاقتیں ہیں) تو اپنی احتیاجوں میں پکارو وہ تمہاری پکار کا جواب دیں!
١٩٤ کیا ان (پتھر کی مورتیوں) کے پاؤں ہیں جن سے چلتے ہوں؟ ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہوں؟ آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہوں؟ کان ہیں جن سے سنتے ہوں؟ (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہو (اگر تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریک تمہاری مدد کر سکتے ہیں، تو) انہیں (جس قدر پکار سکتے ہو) پکار لو، پھر (میرے خلاف اپنی ساری) مخفی تدبیریں کر ڈالو، اور مجھے (اپنے جانتے) ذرا بھی مہلت نہ دو۔
١٩٥ (پھر دیکھو نتیجہ کیا نکلتا ہے)
میرا کارساز تو بس اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی
١٩٦ اور وہی ہے جو نیک انسانوں کی کارسازی کرتا ہے!

اس آیت سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ شرک کی قسموں میں سے ایک قسم شرک فی التسمیہ ہے۔ یعنی غیر خدا کی طرف منسوب کرکے نام رکھنا۔ چنانچہ مشرکین عرب عبد العزیٰ، عبد الشمس وغیرہا نام رکھتے تھے، اور افسوس ہے کہ مسلمان بھی اب اسی طرح کے نام رکھنے لگے ہیں۔

(۳۶) قرآن نے جابجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ روحانی اعتقاد کے ساتھ ایک بالاتر ہستی کو پکارنا، بندگی و نیاز کا ایک ایسا فعل ہے جو صرف خدا ہی کے لئے ہونا چاہئے اگر کسی دوسری ہستی کے لئے کیا گیا، تو یہ شرک ہوگا۔ یہی مقام ہے جہاں پیروانِ مذاہب نے ٹھوکر کھائی۔ وہ توحید ربوبیت میں نہیں کھوئے گئے کیونکہ خالق و رب خدا ہی کو مانتے تھے۔ توحید الوہیت میں گمراہ ہوگئے۔ یعنی اپنی دعاؤں اور منتوں مرادوں کے لئے بہت سے آستانے بنا لئے جسے قرآن "اِلٰہ" بنا لینے سے تعبیر کرتا ہے۔

(۳۷) سورت کا مرکزِ موعظت یہ تھا کہ اوائل اسلام کی غربت و بیچارگی میں پیروانِ دعوت کو تسکین دی جائے اور یہ حقیقت ان کے دلوں پر نقش کردی جائے کہ ظاہری اسباب کتنے ہی مخالف دکھائی دیتے ہوں بالآخر دعوت حق کی فتحمند

ع ۲۳ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ ۱۸۸
مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ۖ فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ ۖ فَلَمَّا أَثْقَلَت دَّعَوَا
اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ ۱۸۹
شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا ۚ فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝ ۱۹۰-۱۹۱

کی برکتوں کی بشارت دینے والا ایک بندہ ہوں۔ اگر میں غیب دان ہوتا تو زندگی کا کوئی گزند مجھے نہ پہنچتا۔ مجھے کیا معلوم قیامت کب آئے گی؟"

۱۸۸ کیا ایسے انسان کی زبان سے سچائی کے سوا کوئی بات نکل سکتی ہے؟

چہ عظمت دادۂ یارب بخلق آں عظیم الشاں
کہ "انی عبدہ" گوید بجائے قول "سبحانی"!

مجھے نہ پہنچتا۔ میں اس کے سوا کیا ہوں کہ ماننے والوں کے لئے خبردار کر دینے والا اور بشارت دینے والا ہوں"۔

وہی (تمہارا پروردگار) ہے جس نے اکیلی جان سے تمہیں پیدا کیا (یعنی تمہارے قبیلوں اور گروہوں کا مورث اعلیٰ ایک فرد واحد تھا) اور اس کی جنس سے اس کا جوڑا بنا دیا (یعنی مرد ہی کی نسل سے عورت بھی پیدا ہوتی ہے) تاکہ وہ اس کی رفاقت میں چین پائے۔ پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ مرد عورت کی طرف [illegible] تو عورت کو حمل رہ جاتا ہے۔ پہلے حمل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے اور وہ وقت گذار دیتی ہے، پھر جب بوجھل ہو جاتی ہے (اور وضع حمل کا وقت قریب آلگتا ہے) تو مرد اور عورت دونوں اللہ کے حضور دعا مانگتے ہیں کہ (ان کا بخشش کرنے والا ہے): "خدایا! ہم دونوں تیرے شکر گزار ہونگے اگر ہمیں ایک تندرست بچہ
عطا فرما دے!" ۱۸۹

پھر جب خدا نے انہیں ایک تندرست فرزند دے دیا، تو جو چیز خدا نے دی اس میں دوسری ہستیوں کو شریک ٹھیرانے لگے۔ سو (یاد رکھو) یہ لوگ جیسی کچھ شرک کی باتیں کرتے ہیں۔ اس سے اللہ کی ذات بہت بلند ہے! ۱۹۰

یہ لوگ خدا کے ساتھ کن ہستیوں کو شریک ٹھیراتے ہیں؟ ایسوں کو، جو کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے، اور

(۳۵) آیت ۱۸۹ میں مشرکوں کی یہ گمراہی واضح کی ہے کہ اپنی احتیاجوں اور مصیبتوں میں خدا سے التجائیں کرتے ہیں، لیکن جب مطلب حاصل ہو جاتا ہے، تو اسے ان آستانوں اور معبودوں کی بخشش سمجھنے لگتے ہیں جو انہوں نے ٹھہرا رکھے ہیں۔

چنانچہ مشرکین عرب مصیبتوں میں خدا ہی کو پکارتے تھے۔ لیکن جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو اپنے بنائے ہوئے آستانوں پر نذریں چڑھاتے اور اپنی اولاد کو ان کی طرف منسوب کرتے، اور کہتے: یہ انہی کی بخشش ہے کہ ہمیں اولاد ملی۔

لہ تغشاها کے معنی یہ ہیں کہ جب وہ ڈھانپ لیتا ہے اور یہ عربی میں مباشرت کے لئے کنایہ ہے جسے ہم نے اردو میں [illegible] سے ادا کیا ہے۔

لَا يُقْصِرُوْنَ ○ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ ۲۰۲
مِنْ رَّبِّىْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ ۲۰۳
فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّ ۲۰۴
دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ ۲۰۵
رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ○ ع السجدۃ ۲۰۶

اس میں ذرا بھی کمی نہیں کرتے۔ ۲۰۲

اور (اے پیغمبر!) جب ایسا ہوتا ہے کہ تم ان کے پاس کوئی نشانی لے کر نہ جاؤ (جیسی نشانیوں کی وہ فرمائشیں کیا کرتے ہیں) تو کہتے ہیں "کیوں کوئی نشانی پسند کر کے نہ چن لی" (یعنی کیوں اپنے جی سے نہ بنا لی) تم کہہ دو "حقیقت حال اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ جو کچھ میرے پروردگار کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے (میں) اس کی پیروی کرتا ہوں (میری) (اپنی) رائے اور پسند کو اس میں کیا دخل؟" یہ (قرآن) تمہارے (میں) پروردگار کی طرف سے [illegible] ہے اور ان سب (دلیلوں کا ذخیرہ) کے لئے جو یقین رکھنے والے ہیں ہدایت اور رحمت! ۲۰۳

اور (مسلمانو!) جب قرآن پڑھا جائے تو جی لگا کر سنو اور چپ رہو، تاکہ اللہ کی مہربانی کے مستحق ثابت ہو۔ ۲۰۴

اور (اے پیغمبر!) اپنے پروردگار کو صبح و شام یاد کیا کر، دل میں عجز و نیاز کے ساتھ، ڈرتے ہوئے اور زبان سے بھی آہستہ آہستہ بغیر پکارے۔ اور ایسا نہ کر کہ غافلوں میں سے ہو جاؤ۔ ۲۰۵

جو اللہ کے حضور (مقرب) ہیں وہ کبھی (سرکشی) [illegible] میں آ کر اس کی بندگی سے نہیں جھجکتے۔ وہ اس کی پاکی و ثنا میں زمزمہ سنج رہتے ہیں، اور اسی کے آگے سربسجود ہوتے ہیں! ۲۰۶

وسوسوں اور خطروں

(د) کلام الٰہی کا جی لگا کر سننا [illegible] کے اثرات دور کر دیتا ہے۔

آیت (۱۹۹) میں سے چند لفظوں کے اندر زندگی کی اخلاقی مشکلات کا پورا حل اور سعادت و کامرانی کے تمام طریقے واضح کر دئے۔ اخذ بالعفو، امر بالمعروف، اعراض عن الجاہلین یعنی ناسمجھوں کی ناسمجھی بخش دینی، جاہلوں کے پیچھے نہ پڑنا، اور نیکی کی دعوت میں سرگرم رہنا۔ سرسری نظر میں پتہ نہیں لگے گا۔ اچھی طرح اور بار بار غور کرو۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا کونسا گوشہ ہے جس کی ساری عملی مشکلات ان تین اصلوں سے حل نہیں ہو جاتیں؟۔

(۳۸) آیت (۱۹۸) میں فرمایا حقیقت یہ ہے کہ تجھے دیکھتے نہیں کیونکہ اگر دیکھتے تو کبھی انکار نہ کرتے۔ سو ایک دیکھنا سلمان فارسی کا تھا جو پہلی ہی نگاہ میں پکار اٹھا: واللہ ماھذا بوجہ کذاب! خدا کی قسم یہ صورت جھوٹے آدمی کی نہیں ہو سکتی۔ اور ایک دیکھنا ابوجہل کا تھا کہ مال ھٰذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق! یہ کیا رسول ہے کہ آدمیوں کی طرح کھاتا پیتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا رہتا ہے۔

۱۹۷ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ
۱۹۸ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ
۱۹۹ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ
۲۰۰ ۲۰۱ عَلِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝
وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ

یقینی ہے، مخالف جماعتیں جس قدر اپنی سرگرمی میں بڑھتی جائینگی، اتنا ہی زیادہ ان کی تباہی کا وقت قریب آتا جائے گا۔

۱۹۰ اب سورت کی تمام مواعظ پر دوبارہ نظر ڈالو اور دیکھو کس طرح سورت کی ابتدا ہوئی، کس طرح سلسلۂ بیان کھلتا اور پھیلتا گیا اور کس طرح حق کے تمام جہات و مقاصد اس پھیلاؤ میں سمٹ آئے، پھر کس طرح مرکز بیان برابر ایک ہی رہا، اور اب اسی پر خاتمہ ہو رہا ہے!

چنانچہ یہاں واضح فرمایا کہ:-

۱۹۸ (۱) مشرکین مکہ دعوتِ حق کے خلاف کتنی ہی تدبیریں کریں کامیاب ہونے والی نہیں۔ کیونکہ اس مقابلہ میں حق تمہارے ساتھ ہے ان کے ساتھ نہیں۔

۱۹۹ (ب) جو لوگ تعصب اور ضد میں کھوئے گئے وہ کبھی ماننے والے نہیں۔

(ج) تمہارا طریق کار یہ ہونا چاہئے کہ ہر حال میں نرمی اور درگزر کا شیوہ ملحوظ رکھو، اور نیکی کی دعوت دیتے رہیے۔ مگر جاہلوں کی طرف متوجہ نہ ہو۔

۲۰۰ (د) اگر مخالفین کے عناد، ناموافق حالات کے ہجوم اور اپنی بیچارگی و بے نوائی کے تصور سے مایوس کن خیالات پیدا ہونے لگیں، تو سمجھ جاؤ، یہ شیطانی وسوسہ ہے اور اللہ کی یاد سے اس کا علاج کرو۔

وساوس و خطرات سب کو گزرتے ہیں مگر جو لوگ متقی ہیں ان کا ضمیر ایسا بیدار ہو جاتا ہے کہ جونہی کوئی وسوسہ گزرا اٹھا چونک

۲۰ اٹھے اور راستی و نیکی کی روشنی نمودار ہو گئی۔ مگر جو لوگ ایمان و تقوی سے محروم ہیں وہ اپنے آپ کو [illegible] کے ہاتھوں چھوڑ دیتے ہیں۔ جدھر [illegible] اور جہاں تک لے جائیں کھینچے چلے جائیں گے۔

تم اللہ کے سوا جنہیں پکارتے ہو، یاد رکھو، وہ نہ تو تمہاری مدد کرنے کی قدرت رکھتے ہیں نہ خود اپنی ہی مدد پر قادر ہیں۔

(اے پیغمبر!) اگر تم ان لوگوں کو سیدھے رستے بلاؤ، تو کبھی تمہاری پکار نہ سنیں تمہیں ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تمہاری طرف تک رہے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ کچھ بھی دیکھتے نہیں۔

(بہرحال) نرمی و درگزر سے کام لو، نیکی کا حکم دو، جاہلوں کی طرف متوجہ نہ ہو، اور اگر ایسا ہو کہ شیطان کی طرف سے وسوسہ کی کوئی [illegible] محسوس ہو تو اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے پناہ طلب کرو، بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔[1]

جو لوگ متقی ہیں اگر انہیں شیطان کی وسوسہ اندازی سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو فوراً چونک اٹھتے ہیں، اور پھر (پردۂ غفلت اس طرح ہٹ جاتا ہے گویا) اچانک ان کی آنکھیں کھل گئیں!

مگر جو لوگ شیطانوں کے بھائی بند ہیں تو انہیں وہ گمراہی میں کھینچے ہی لئے جاتے ہیں، اور پھر

ہوا ؎ وسوسوں ؎ لے جائیں

[1] قرآن کا یہ عام اسلوبِ بیان یاد رہے کہ خطاب پیغمبر سے ہوتا ہے اور مقصود اس کے پیرو ہوتے ہیں چنانچہ بعد کی آیات نے واضح کر دیا ہے۔

عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا ۴
مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ۝ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ ۵
وَهُمْ يَنظُرُونَ ۝ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ ۶
الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَن يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝ لِيُحِقَّ ۷
الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝ إِذْ ۸

۴ اور بڑی خوبی و عزت کی روزی۔

(اس معاملہ کو بھی ویسا ہی سمجھ) جس طرح (جنگ بدر میں) یہ بات ہوئی تھی کہ تیرے پروردگار نے سچائی کے ساتھ تجھے تیرے گھر سے باہر نکالا تھا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ مومنوں کا ایک گروہ اس بات سے ناخوش تھا۔

۵ وہ تجھ سے امر حق میں جھگڑنے لگے باوجودیکہ معاملہ واضح ہو چکا تھا۔ (وہ باہر نکل کر مقابلہ ہونے سے اس درجہ ناخوش تھے) گویا انہیں زبردستی موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے اور وہ (اپنی موت اپنی آنکھوں سے) دیکھ رہے ہیں!

(دشمنوں کا مقابلہ کرنے)

۶ (وہ وقت یاد کرو جب) اور (مسلمانو!) جب ایسا ہوا تھا کہ اللہ نے تم سے وعدہ فرمایا تھا۔ (دشمنوں کی) دو جماعتوں میں سے کوئی ایک تمہارے ہاتھ ضرور آئے گی (قبضے میں)۔ اور تمہارا حال یہ تھا کہ چاہتے تھے جس جماعت میں لڑائی کی طاقت (سطوت) نہیں (یعنی قافلہ والی) وہ ہاتھ آجائے مگر خدا کا چاہنا دوسرا تھا) خدا چاہتا تھا اپنے وعدہ کے ذریعہ حق کو ثابت کرے اور (منکروں) کی جڑ بنیاد تک کاٹ کر رکھ دے!

۷ (اور یہ) اسلئے تاکہ حق کو حق کر کے دکھلا دے اور باطل کو باطل کر کے اگرچہ ظلم و فساد کے مجرم ایسا ہونا پسند نہ کریں۔

جب ایسا ہوا تھا کہ (جنگ بدر کے موقعہ پر)

چونکہ لڑائی کی حالت پیش آگئی تھی، اس لئے اسکے ضروری احکام بیان کر دیئے گئے۔ اس سورت میں اور اس کے بعد کی سورت میں تذکیر و موعظت کا مرکز یہی حالت ہے۔

(۲) مال غنیمت جو لڑائی میں ہاتھ آئے، وہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے یعنی یہ بات نہیں ہونی چاہئے کہ جو جس کے ہاتھ پڑ گیا وہ اسی کا ہو گیا۔ بلکہ سب کچھ امام کے سامنے پیش کر دینا چاہئے وہ اُسے جماعت میں تقسیم کرے گا۔

(۳) امن کی حالت ہو یا لڑائی کی، لیکن مسلمانوں کو باہمدگر صلح و صفائی کے ساتھ رہنا چاہئے۔ (یعنی ڈسپلن)

(۴) ہر حال میں تقویٰ اور اطاعت ان کا نصب العین ہو کہ بغیر اس کے کامیابی ممکن نہیں۔

(۵) سچا مومن وہ ہے جس کی رُوح خدا پرستی سے معمور رہتی ہے جس کا ایمان گھٹنے کی جگہ برابر بڑھتا رہتا ہے جو نماز قائم رکھتا اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے کبھی نہیں جھکتا۔

(۶) یہ آیت اس باب میں قاطع ہے کہ قرآن کے نزدیک ایمان کی ہر حالت یکساں نہیں۔ وہ گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی ہے نفس تصدیق کے لحاظ سے سب برابر ہیں کیفیت و یقین میں تفاوت ہے۔ (پس الایمان لا یزید ولا ینقص والی بات چل نہیں سکتی)

(۷) عرب جاہلیت میں دستور تھا کہ لڑائی میں جو مال جس کے ہاتھ

الانفال (۸)

مدنی - ۷۵ - آیتیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ‌ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ‌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَيۡنِكُمۡ‌

۱ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ○ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتۡ

۲ قُلُوۡبُهُمۡ وَاِذَا تُلِيَتۡ عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ۖۚ الَّذِيۡنَ

۳ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ○ اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا‌ ؕ لَهُمۡ دَرَجٰتٌ

(۱) مکہ میں جب پیغمبر اسلام کی دعوت کا ظہور ہوا تو قدرتی طور پر دو گروہ پیدا ہو گئے۔ ایک ان لوگوں کا تھا جنھوں نے یہ دعوت قبول کی۔ دوسرا تمام قوم اور اس کے سرداروں کا جو اس کے مخالف تھے۔ غور کرو، دونوں میں بنا ء نزاع کیا تھی؟ پیروانِ دعوت حق کہتے تھے، انہیں حق ہے کہ جس بات کو درست سمجھیں اختیار کریں۔ مخالف کہتے تھے، انہیں یہ حق حاصل نہیں یعنی وہ انسان کے اعتقاد و ضمیر کی آزادی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے، بزور شمشیر مسلمانوں کو ان کے

۱ اعتقاد سے پھرا دیں۔

پیغمبر اسلام نے تیرہ برس تک ہر طرح کے مظالم برداشت کئے آخر جب مکہ میں زندہ رہنا دشوار ہو گیا، تو مدینہ چلے آئے۔ لیکن قریش مکہ نے یہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ پے در پے حملے شروع کر دئے۔

اب پیغمبر اسلام کے سامنے تین راہیں تھیں:

(ا) جس بات کو حق سمجھتے ہیں، اس سے دست بردار ہو جائیں۔

۲ (ب) اس پر قائم رہیں مگر مسلمانوں کو قتل ہونے دیں۔

(ج) ظلم و تشدد کا مردانہ وار مقابلہ کریں، اور نتیجہ خدا کے ہاتھ چھوڑ دیں۔

انہوں نے تیسری راہ اختیار کی، اور نتیجہ وہی نکلا جو ہمیشہ

۴ نکل چکا ہے یعنی حق فتح مند ہوا، اور ظالموں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

قرآن نے جس لڑائی کو جائز رکھا، اس کی اصلیت اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

(اے پیغمبر!) لوگ تم سے پوچھتے ہیں، مال غنیمت (یعنی لڑائی میں جو مال ہاتھ آئے تم اس) کے بارے میں کیا ہونا چاہئے؟ کہدو مال غنیمت دراصل اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ پس اگر تم مومن ہو، تو چاہئے کہ (اس کی وجہ سے آپس میں تم آپس کا جھگڑا نہ کرو) اللہ سے ڈرو، اپنا باہمی معاملہ درست رکھو، اور اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت میں سرگرم ہو جاؤ۔

مومنوں کی شان تو یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں، اور جب اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، تو ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں، اور وہ ہر حال میں اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں! ہم نے انھیں جو نماز قائم کرتے ہیں، اور ہم نے جو کچھ دے رکھا ہے اس میں سے (ایک حصہ ہماری راہ میں بھی) خرچ کرتے رہتے ہیں۔

بلاشبہ ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں۔ ان کے لئے ان کے پروردگار کے یہاں بڑے مرتبے ہیں، اور بخشائش ہے۔

ہوئی

فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ
۱۲ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
۱۳ ۱۴ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ۝ يَا أَيُّهَا
۱۵ الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ۝ وَمَن يُوَلِّهِمْ
يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ

مگر پیغمبر اسلام نے لوگوں کے ان خیالات کی کچھ پروا نہ کی اور حملہ آوروں کے مقابلہ کا فیصلہ کر لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تین سو تیرہ بے نواؤں نے رؤساء مکہ کے پورے لشکر کو شکست دیدی!

آیت (۷) میں "غیر ذات الشوکۃ" سے قافلہ والی جماعت مراد ہے۔ آیت (۶) میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ ایک فریق نے پیغمبر اسلام کا فیصلہ مان لیا تھا مگر دل میں سخت ہراساں تھا۔ نکلا تو اس طرح ڈرتا ہوا نکلا گویا موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے

(۹) آیت (۱۰) سے واضح ہو گیا کہ فرشتوں والی بات صرف اس لئے تھی کہ کمزور مسلمانوں کے دل قرار پا جائیں یہ بات نہ تھی کہ لڑائی لڑنے میں اُسے کچھ دخل ہو۔ چنانچہ محققین تفسیر و حدیث اسی طرف گئے ہیں کہ فرشتوں کا نزول مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط رکھنے کے لئے ہوا تھا۔ لڑائی میں ان کی شرکت ثابت نہیں نہ اس کی کوئی ضرورت پیش آئی تھی۔ اور آیت (۱۲) میں "فاضربوا" کا خطاب مسلمانوں سے ہے نہ کہ فرشتوں سے۔ مسلمانوں کے دلوں کو تھامے رکھنے کے لئے جو فرشتوں کا نزول ہوا، اس کی حقیقت کیا تھی؟ تو یہ معاملہ بھی عالم غیب کے حقایق سے تعلق رکھتا ہے۔ ہم اپنے ذہن و ادراک سے اس کی حقیقت معلوم نہیں کر سکتے۔

(۱۰) بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کی حالت بڑی ہی بے بسی اور کمزوری کی تھی۔ کل تین سو تیرہ آدمی لڑنے کے قابل تھے اور ان کا بھی یہ حال تھا کہ ایک آدمی کے سوا کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا۔ پس قدرتی طور پر لوگ ہراساں ہوئے اور جو دل کے کچے تھے، انہیں طرح طرح کے وسوسے ستانے لگے۔ پھر بڑی مصیبت یہ ہوئی کہ پانی کی جگہ ایک ہی تھی۔ اس پر دشمن قابض ہو گیا۔ علاوہ بریں زمین ریتلی تھی۔ پاؤں دھنس دھنس جاتے تھے۔ دشمن سوار تھے، ان کا کچھ نہ بگڑتا۔ مسلمان پیدل تھے، ان کے پاؤں نہ جمتے۔

(یعنی میری مدد تمہارے ساتھ ہے) پس مومنوں کو
استوار رکھو۔ عنقریب ایسا ہوگا کہ میں کافروں کے
دلوں میں (مومنوں کی) دہشت ڈال دوں گا۔
سو (مسلمانو!) ان کی گردنوں پر ضرب لگاؤ!
۱۲ ان کے ہاتھ پاؤں کی ایک ایک انگلی پر ضرب لگاؤ!
اور یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے
رسول کی مخالفت کی، اور جو اللہ اور اس کے
رسول کی مخالفت کرے گا، تو یاد رکھو، اللہ (پاداش
۱۳ عمل میں) سخت سزا دینے والا ہے!
(اے اعداء حق!) یہ ہے سزا تمہارے لئے،
تو اس کا مزہ چکھ لو، اور جان رکھو، منکرین حق
۱۴ کو آتش دوزخ کا عذاب بھی پیش آنے والا ہے!
مسلمانو! جب کافروں کے لشکر سے تمہاری
مٹھ بھیڑ ہو جائے (یعنی وہ تم پر ہجوم کر کے چڑھ
دوڑیں اور تم مقابل ہو)، تو انہیں پیٹھ نہ دکھاؤ
(سینہ سپر ہو کر مقابلہ کرو) اور جو کوئی ایسے موقعہ
۱۵ پر پیٹھ دکھلائے گا۔ تو سمجھ لو، وہ خدا کے غضب
میں آگیا، اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوا (اور جس
کا ٹھکانا دوزخ ہوا، تو) اس کے پہنچنے کی جگہ

۹ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَٰئِكَةِ مُرْدِفِينَ ○ وَمَا
جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ
ع ۱۰ حَكِيمٌ ○ إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم
۱۱ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ○ إِذْ
يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَٰئِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ

لگ جائے، وہ اسی کا سمجھا جاتا تھا۔ رومیوں میں بھی ایسا ہی دستور
تھا، اور آج کل بھی یورپ کی تمام قوموں میں ایسا ہی قانون
رائج ہے۔ جس شہر یا قلعہ کو فوج حملہ کرکے فتح کر لیتی ہے،
ایک خاص وقت تک اسے لوٹنے کا اسے حق ہوتا ہے۔ چنانچہ
ہندوستان میں انگریزی فوج نے سرنگا پٹم، بھرت پور، اور
۹ حیدرآباد سندھ کو بے دریغ لوٹا، اور غدر ۱۸۵۷ء میں جب
دلی فتح ہوئی، تو سات دن تک فوجیوں کو لوٹ مار کی اجازت
دیدی گئی تھی۔ لیکن قرآن نے یہ حکم دے کر کہ مالِ غنیمت جو کچھ بھی
ہاتھ آئے، حکومت (یعنی اسٹیٹ) کا ہے، نہ کہ لوٹنے والوں کا
سپاہیوں کی ذاتی طمع و حرص کے ابھرنے کی راہ روک دی
چونکہ یہ اسی قسم کی سختی تھی اس لئے ناگزیر تھا کہ لوگوں پر
شاق گزرے پس پہلے تقویٰ اور اطاعت کی تلقین کی، پھر سچے
مومنوں کی شان بتلائی، پھر آیت (۵) میں فرمایا، اس معاملہ کو
۱۰ بھی ویسا ہی معاملہ سمجھو جیسا جنگ بدر میں پیش آیا تھا۔
لوگوں کی خواہش دوسری تھی۔ اللہ کے رسول کا فیصلہ دوسرا تھا
لیکن بالآخر سب نے دیکھ لیا کہ حق بات وہی تھی جو اللہ کے رسول
نے چاہی تھی۔

(۴) وہ معاملہ یہ تھا کہ ہجرت کے دوسرے سال جب رؤسا،
مکہ نے مدینہ پر حملہ کیا، تو اسی زمانہ میں ان کا ایک تجارتی
قافلہ بھی شام سے مکہ آرہا تھا، اور مدینہ کے قرب و جوار سے
ہو کر گزرنے والا تھا، پیغمبر اسلام نے وحی الٰہی سے مطلع ہو کر
فرمایا ایک گروہ مکہ سے آرہا ہے۔ دوسرا قافلہ ہے۔ ان دو میں
سے کسی ایک سے ضرور جنگ ہوگی، اور تم کامیاب ہوگے چونکہ
قافلہ کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی تھے، اس لئے مسلمانوں
کی خواہش تھی کہ اسی سے مقابلہ ہو، مکہ والی فوج سے نہ لڑیں
کیونکہ خود بڑی ہی کمزوری اور بے سروسامانی کی حالت میں تھے۔

تم نے اپنے پروردگار سے فریاد کی تھی، کہ ہماری مدد
کر، اور اس نے تمہاری فریاد سن لی تھی۔ اس نے کہا
تھا "میں ایک ہزار فرشتوں سے کہ یکے بعد دیگرے
آئیں گے، تمہاری مدد کروں گا۔"
اور اللہ نے یہ بات جو کی، تو اس کا مقصد اس
کے سوا کچھ نہ تھا کہ (تمہارے لئے) خوش خبری ہو،
اور تمہارے (مضطرب دل) قرار پا جائیں۔ ورنہ مدد
تو (ہر حال میں) اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ بلاشبہ
وہ (سب پر) غالب آنے والا (اپنے تمام کاموں
میں) حکمت رکھنے والا ہے:
جب ایسا ہوا تھا کہ اس نے چھا جانے والی
غنودگی تم پر طاری کر دی تھی کہ یہ اس کی طرف سے
تمہارے لئے تسکین و بے خوفی کا سامان تھا، اور آسمان
سے تم پر پانی برسا دیا تھا کہ تمہیں پاک صاف ہونے
کا موقعہ دے دے، اور تم سے شیطان (کے وسوسوں)
کی ناپاکی دور کر دے۔ نیز تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھ
جائے، اور (ریتلے میدانوں میں) قدم جما دے!
(اے پیغمبر!) یہ وہ وقت تھا کہ تیرے پروردگار
نے فرشتوں پر وحی کی تھی، میں تمہارے ساتھ ہوں

٢٠ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَا تَوَلَّوْا۟ عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا۟
٢١ كَٱلَّذِينَ قَالُوا۟ سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝ إِنَّ شَرَّ ٱلدَّوَآبِّ عِندَ ٱللَّهِ ٱلصُّمُّ ٱلْبُكْمُ ٱلَّذِينَ
٢٢ ٢٣ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ عَلِمَ ٱللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا۟ وَّهُم مُّعْرِضُونَ ۝
يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱسْتَجِيبُوا۟ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ
ٱللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ ٱلْمَرْءِ وَقَلْبِهِۦ

تو تمہارے لئے بہتری کی بات یہی ہے اور اگر پھر
یہی چال چلے، تو ہم بھی چلینگے۔ اور یاد رکھو تمہارا
جتھا تمہارے کچھ کام نہ آئے گا اگرچہ بہت سے آدمی
اکٹھے کرلو یقین کرو اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے ١٩
مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت
کرو۔ اس سے روگردانی نہ کرو اور تم (صدائے
حق) سن رہے ہو! ٢٠

نکلتا کہ بلوشر کے پہنچنے سے پہلے ولنگٹن کو شکست ہوجاتی۔ واٹرلو میں اگر بارش نہ ہوئی ہوتی تو یورپ کا سیاسی نقشہ بدل جاتا، لیکن اگر بدر میں ہوئی ہوتی تو کیا ہوتا؟ تمام کرۂ ارضی کی ہدایت و سعادت کا نقشہ الٹ جاتا۔ اسی طرف پیغمبر اسلام نے اپنی دعا میں اشارہ کیا تھا: اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ فلا تعبد فی الارض! خدایا! اگر خدا حق کی یہ چھوٹی سی جماعت آج ہلاک ہوگئی تو کرۂ ارضی میں تیرا سچا عبادت گزار کوئی نہیں رہے گا۔

اور دیکھو، ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ، جنہوں نے (زبان سے) کہا تھا "ہم نے سنا" اور واقعہ
یہ تھا کہ وہ سنتے نہ تھے! ٢١
یقیناً اللہ کے نزدیک سب سے بدتر حیوان وہ (انسان) ہیں جو بہرے گونگے ہو گئے، جو کچھ
سمجھتے نہیں! ٢٢
اور اگر اللہ دیکھتا کہ ان میں کچھ بھی بھلائی ہے (یعنی ان میں فہم و قبول حق کی کچھ بھی استعداد
باقی ہے) تو ضرور انہیں سنوا دیتا، اور اگر وہ انہیں سنوا دے (حالانکہ وہ جانتا ہے کہ قبولیت کی
استعداد کھو چکے ہیں) تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ اس سے منہ پھیر لیں گے اور وہ اس سے پھرے ہوئے ہیں ٢٣

مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دو
جب وہ پکارتا ہے تاکہ تمہیں روحانی موت کی حالت سے
نکال کر) زندہ کردے اور جان لو کہ (بسا اوقات ایسا
ہوتا ہے کہ اللہ اپنے ٹھہرائے ہوئے قوانین و اسباب کے
ذریعہ) انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل

(١٢) آیت (١٥) سے جو اوپر گزر چکی ہے معلوم ہوا کہ اگر دشمن جمع ہوکر مسلمانوں پر چڑھ دوڑیں تو لڑائی سے بھاگنا مسلمانوں کے لئے سخت گناہ کی بات ہے اور اس کے لئے بڑی ہی سخت وعید آئی ہے لیکن اگر دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہو تو پھر کیا کرنا چاہیے؟ اسی سورت کی آیت (٦٦) سے معلوم ہوا کہ میدان جنگ میں ایک مسلمان کو کم از کم دو دشمنوں پر بھاری ہونا چاہیے۔

۱۶ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ
۱۷ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ
۱۸ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ○ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ
ع ۹ / ۱۲ ۱۹ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

آیت (۱۱) میں فرمایا۔ غور کرو۔ خدا کی کارسازی نے کس طرح یہ ساری مشکلیں حل کر دیں؟ اس نے دلوں کو چین دینے کے لئے تم سب پر نیند غالب کر دی، اٹھے تو دل کا سارا خوف و ہراس دور ہو چکا تھا۔ چنانچہ حضرت علی فرماتے ہیں۔ بدر کی پہلی رات کوئی نہ تھا جو آرام سے سو نہ گیا ہو۔ ہاں آنحضرت رات بھر عبادت کرتے رہے (بیہقی فی الدلائل) اور معلوم ہے، جس کے دل میں
۱۶ خوف و خطرہ ہو، وہ کبھی آرام سے سو نہیں سکتا۔ پس اس نیند کا طاری ہو جانا بے خوفی کا القا تھا۔ پھر عین موقعہ پر بارش ہو گئی اور افراط کے ساتھ سب کو پانی میسر آ گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ نہا دھو کر صاف ستھرے ہو گئے کوئی نہ تھا جو چست و چاق اور تازہ دم نہ ہو گیا ہو، بارش کی وجہ سے ریت بھی جم کر سخت ہو گئی۔ پاؤں کے دھنس دھنس جانے کا اندیشہ جاتا رہا۔ اپنی کامیابی کی طرف سے بے اعتمادی و مایوسی جو دراصل شیطانی وسوسے کی ناپاکی تھی اب کسی کے دل میں باقی نہیں رہی۔

آج کل فن جنگ میں جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ سپاہیوں کی اسپرٹ یعنی معنوی قوی درست رکھے جائیں۔ یہاں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا
۱۷ ہے۔ صرف اس بات نے کہ پانی کی ضرورت باقی نہیں رہی ریت میں دھنسنے کا خطرہ جاتا رہا، اور نہا دھو لینے کی وجہ سے جسم میں تازگی آ گئی، لوگوں کے اندر جس درجہ خود اعتمادی اور سرگرمی پیدا کر دی ہو گی اس کا اندازہ صرف اہل نظر ہی کر سکتے ہیں۔
۱۸
بعض اوقات قدرتی حوادث کا ایک معمولی سا واقعہ بھی فتح و شکست کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ جنگ واٹرلو کے تمام مورخین متفق ہیں کہ اگر ۱۷۔ اور ۱۸۔ جون ۱۸۱۵ء کی درمیانی رات میں بارش نہ ہوئی ہوتی، تو یورپ کا نقشہ بدل گیا ہوتا کیونکہ اس صورت میں نپولین کو زمین خشک ہونے کا ۱۱ بجے تک انتظار نہ کرنا پڑتا۔ سویرے ہی لڑائی شروع کر دیتا۔ نتیجہ یہ

کیا ہی بری جگہ ہے! مگر (ہاں) جو کوئی لڑائی کی مصلحت سے ہٹ جائے، یا (اپنے گروہوں میں سے) کسی گروہ کے پاس جگہ لینی چاہئے (اور اس لئے ایک جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ جائے تو اس کا مضائقہ نہیں)

پھر کیا تم نے انہیں (جنگ میں) قتل کیا؟ نہیں خدا نے (یعنی محض اس کی تائید سے ایسا ہوا) اور (اے پیغمبر!) جب تم نے (میدان جنگ میں مٹھی بھر کر خاک) پھینکی، تو حقیقت یہ ہے کہ تم نے نہیں پھینکی تھی، خدا نے پھینکی تھی، اور یہ اس لئے ہوا تھا، تاکہ اس کے ذریعہ ایمان والوں کو ایک بہتر آزمائش میں ڈال کر آزمائے۔ بلاشبہ اللہ سننے والا، علم رکھنے والا ہے!

یہ سب تو ہو چکا۔ اب سن رکھو کہ اللہ کافروں کی مخفی تدبیروں کو (جو وہ دعوت حق کے مٹانے کے لئے کر رہے ہیں) کمزور کر دینے والا ہے!

(اے روسائے مکہ) اگر تم فتح مندی کے ظہور کے طلبگار تھے، تو دیکھ لو، فتح مندی تمہارے سامنے آ گئی (یعنی جنگ بدر کے نتیجہ نے ہار جیت کا فیصلہ آشکارا کر دیا) اور اگر (آئندہ لڑائی سے) باز آ جاؤ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ ٢٩
يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ○ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا ٣٠
قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَاِذْ قَالُوا ٣١
اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ

مسلمانو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو (اور اس
کی نافرمانی سے بچو) تو وہ تمہارے لیے (حق و باطل
میں) امتیاز کرنے والی ایک قوت پیدا کر دے گا،
اور تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور بخش دے گا،
اللہ تو بہت بڑا فضل کرنے والا ہے! ٢٩

اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد کر جب (مکہ
میں) کافر تیرے خلاف اپنی چھپی تدبیروں میں لگے
تھے، تاکہ تجھے گرفتار کر رکھیں، یا قتل کر ڈالیں
یا جلا وطن کر دیں، اور وہ اپنی مخفی تدبیریں کر رہے
تھے، اور اللہ اپنی مخفی تدبیریں کر رہا تھا۔ اور اللہ
بہتر تدبیر کرنے والا ہے! ٣٠

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی
جاتی ہیں، تو کہتے ہیں "ہاں ہم نے سن لیا۔ اگر
چاہیں تو ہم بھی اس طرح کی باتیں کہہ لیں۔ یہ اس
کے سوا کیا ہے کہ جو پہلے گزر چکے، ان کی لکھی ہوئی
داستانیں ہیں!" ٣١

اور (اے پیغمبر!) جب ایسا ہوا تھا کہ (کفار
مکہ نے) کہا تھا "خدایا! اگر یہ بات (یعنی پیغمبر اسلام
کی دعوت) تیری جانب سے امر حق ہے، تو ہم پر

(۱۵) آیت (۲۱) میں اہل کتاب کی طرف اشارہ ہے کہ تورات و انجیل سنتے تھے، مگر حقیقتاً نہیں سنتے تھے، کیونکہ اگر سمجھ کر سنتے تو عمل کرتے۔

افسوس مسلمانوں کا بھی قرآن سننا ویسا ہی سننا ہو گیا۔ وہ سمجھتے ہیں جن حرفوں کی آوازوں سے قرآن کے الفاظ بنے ہیں انہیں کسی نہ کسی طرح کان میں ڈال لینا، سماعت قرآن ہے، اس سے زیادہ کسی بات کی ضرورت نہیں۔

(۱۶) آیت (۲۲) سے جلد نہ گزر جاؤ۔ یہ وہی بات ہے جو قرآن کے ہر صفحہ اور ہر بیان میں بار بار نمایاں ہوتی ہے یعنی اس کی دعوت سرتاسر تعقل و تفکر کی دعوت ہے جو انسان اپنے حواس و عقل سے کام نہیں لیتا، وہ اس کے نزدیک انسان نہیں بدترین چارپایہ ہے۔ نیز وہ فکر و عمل کی جس حالت کو کفر کی حالت قرار دیتا ہے، اس کا سرچشمہ یہی عقل و حواس کا تعطل ہے۔

(۱۷) آیت (۲۴) میں فرمایا پیغمبر اسلام کی دعوت اس لئے ہے کہ تمہیں زندہ کر دے یعنی وہ انسانیت اعلیٰ کے انبعاث و قیام کی دعوت ہے۔ غور کرو، اس دعوت نے وقت کی تمام مردہ جماعتوں کو کس طرح قبروں سے اٹھا کر زندگی کے میدانوں میں متحرک کر دیا تھا؟ اس سے بڑھ کر مردوں کو جلانا اور کیا ہوگا کہ عرب کے ساربانوں میں ابوبکر، عمر، علی، عایشہ، خالد ابن ولید، سعد ابن وقاص، ابن العاص (رضی اللہ عنہم) جیسے اکابر عالم پیدا ہو گئے، اور پچاس برس کے اندر کرۂ ارضی کی سب سے بڑی مہذب و اشرف قوم عرب کے وحشی تھے!

پھر فرمایا، یہ بات نہ بھولو کہ انسان کے افکار و اعمال میں حکمت الٰہی کا ایک خاص قانون کام کر رہا ہے۔ بسا اوقات اس کے ارادوں اور اس کے دل کے جذبوں اور انفعالوں کے درمیان اچانک کوئی غیر متوقع بات آ کر حائل ہو جاتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اچانک اچھائی سے برائی میں جا پڑتا ہے۔

۲۴ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَ
۲۵ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ
۲۶ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ
۲۷ تَشْكُرُوْنَ ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ
۲۸ تَعْلَمُوْنَ ○ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ ع ۳ ۹ ۱۷

پس اگر دشمن دوگنے سے بھی زیادہ ہوں اور مسلمان لڑنے
میں مصلحت نہ سمجھیں تو ایسا کر سکتے ہیں، لیکن اس صورت
میں بھی عزیمت یہی ہو گی کہ خدا پر بھروسہ رکھیں اور لڑنے
سے منہ نہ موڑیں۔
اس حکم کو خاص جنگ بدر کے لئے سمجھنا صحیح نہیں ہو سکتا
کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ کہ خصوص سبب کا، اور آیت
میں "یومئذٍ" سے مراد لڑائی کا وقت ہے نہ کہ جنگ بدر کا دن
۲۵ (۱۳) آیت (۱۸) میں فرمایا۔ میدان جنگ کا فیصلہ تو ہو
چکا، اب رہیں دشمنوں کی خفیہ تدبیریں، تو وہ بھی سست
پڑ جائیں گی چنانچہ ایسا ہی ہوا، بدر کے بعد قریش مکہ کی کوئی
تدبیر بھی ان کے لئے سودمند نہ ہوئی۔
(۱۴) کفار مکہ کہا کرتے تھے "اگر خدا تمہیں فتح مند کرنے
والا ہے تو وہ فتحمندی کہاں ہے۔ خود جنگ بدر میں
ابوجہل نے دعا مانگی تھی۔ خدایا! دونوں میں سے جو دین تجھے
زیادہ پسند ہو، اس کے ماننے والوں کو فتحمند کر! پس آیت
(۱۹) میں فرمایا اگر اسی بات کے طلبگار رہتے، تو وہ ظہور میں
آ گئی، اور اہل حق کو خدا نے فتح مند کر دیا۔
۲۶ نیز فرمایا "اگر باز آ جاؤ"، یعنی اگر اب بھی ظلم و سرکشی
سے باز آ جاؤ، اور محض اختلاف دین کی بنا پر مسلمانوں
کی ہلاکت کے درپے نہ ہو، تو تمہارے لئے سراسر بہتری
ہے۔ اس سے اندازہ کرو کہ کس طرح پیغمبر اسلام نے آخر
۲۷ تک جنگ و خونریزی سے بچنا چاہا، اور فتح و کامرانی کے
بعد بھی امن و صلح کی دعوت دیتے رہے؟ اگر جنگ بدر کے بعد قریش
مکہ ظلم و عداوت سے باز آ جاتے، تو ظاہر ہے بعد کی جنگوں
کی نوبت ہرگز نہ آتی۔ اگرچہ نتیجہ وہی نکلتا۔ یعنی اسلام کی
۲۸ دعوت تمام جزیرۂ عرب کو مسخر کر لیتی۔

ہو جاتا ہے، اور جان لو کہ (آخر کار) اسی کے حضور
جمع کئے جاؤ گے!
اور اس فتنہ سے بچتے رہو جو اگر اٹھا، تو اس کی
زد صرف انہی پر نہیں پڑے گی جو تم میں کرنے والے ہیں
بلکہ سبھی اس کی لپیٹ میں آ جائیں گے، اور جان
لو کہ اللہ (بدعملیوں کی) سزا دینے میں سخت ہے!
اور وہ وقت یاد کرو جب (مکہ میں) تمہاری
تعداد بہت تھوڑی تھی اور تم ملک میں کمزور سمجھے جاتے
تھے، تم اس وقت ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک
نہ لے جائیں پھر اللہ نے تمہیں (مدینہ میں) ٹھکانا
دیا، اپنی مددگاری سے قوت بخشی، اور اچھی چیزیں
دے کر رزق کا سامان مہیا کر دیا، تاکہ تم شکرگزار
رہو!
مسلمانو! ایسا نہ کرو کہ اللہ اور اس کے رسول
کے ساتھ خیانت کرو، اور نہ یہ کہ آپس کی امانتوں
میں خیانت کرو، اور تم اس بات سے ناواقف نہیں ہو
اور یاد رکھو، تمہارا مال اور تمہاری اولاد (تمہارے
لئے) ایک آزمائش ہے، اور یہ بھی بھولو کہ اللہ ہی ہے
جس کے پاس (بخشنے کے لئے) بہت بڑا اجر ہے!

اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۝ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ ٣٦
بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ قُلْ لِّلَّذِيْنَ ٣٧ ع۴
كَفَرُوْۤا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۝
وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ ٣٨

مال اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو خدا کی راہ سے روکیں، تو یہ لوگ آئندہ بھی (اسی طرح) خرچ کریں گے، لیکن پھر وقت آئے گا کہ یہ مال خرچ کرنا) ان کے لئے سراسر پچھتاوا ہوگا، اور پھر (بالآخر) مغلوب کئے جائیں گے!

اگر صرف اسی سی بات اللہ اور رسول کی خیانت تھی، تو غور کرو ان مسلمانوں کے لئے کیا حکم ہونا چاہئے جو اپنی ساری زندگیاں غدار ملت کی سیاسی خدمات میں صرف کر ڈالتے ہیں اور جو ڈیڑھ سو برس سے بے شمار اسلامی حکومتوں کے زوال و انقراض کا باعث ہوئے ہیں؟

اور (یاد رکھو) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی (اور آخر تک اس پر جمے رہے تو) وہ دوزخ
کی طرف ہانکے جائیں گے۔ ٣٦

اور یہ اس لئے ہوگا کہ اللہ ناپاک (روحوں) کو پاک (روحوں سے) جدا کر دے اور جو ناپاک ہیں ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ ملا دے پھر سب کو (اپنی تباہ حالیوں میں) اکٹھا کر دے پھر (قیامت
کے دن) اس (جمع شدہ گروہ) کو دوزخ کے حوالے کر دے۔ یہی لوگ ہیں یکسر تباہ ہو جانے والے! ٣٧

(اے پیغمبر!) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے تم ان سے کہہ دو اگر وہ (اب بھی) باز آجائیں تو جو کچھ گزر چکا، معاف کر دیا جائے گا، لیکن اگر وہ پھر (ظلم و جنگ کی طرف) لوٹے، تو (اس بارے میں) پچھلوں کا طور طریقہ اور اس کا نتیجہ گزر
چکا ہے (اور وہی انہیں بھی پیش آکر رہے گا!) ٣٨

اور (مسلمانو! اب تمہارے لئے صرف یہی چارہ کار رہ گیا ہے کہ) ان سے لڑتے رہو۔ یہاں تک کہ ظلم و فساد باقی نہ رہے اور دین کا سارا معاملہ اللہ ہی کے لئے ہو جائے (یعنی دین کا معاملہ خدا اور

(۴۰) آیت (۲۹) سے معلوم ہوا، جو جماعت متقی ہوگی، اس میں حق و باطل اور خیر و شر کے امتیاز کی ایک خاص قوت پیدا ہو جائے گی، اور اس لئے کبھی باطل و شر کی طرف قدم نہیں اٹھائے گی۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ اس اعتبار سے صدر اول کے مسلمانوں کا کیا حال تھا؟ عرب کے صحرانشین جن کی ساری زندگی اونٹ چرانے میں بسر ہوتی تھی، یکایک ایرانیوں اور رومیوں جیسی متمدن قوموں کی قسمتوں کے مالک ہو گئے، لیکن خیر و شر میں امتیاز کی ایک ایسی قوت ان کے قبضہ میں آگئی تھی کہ جو کچھ کرتے تھے اور جس طرح کرتے تھے وہ حق و عدالت اور خیر و سعادت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا تھا

٣٢ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ
٣٣ وَأَنتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝ وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَ
هُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ ۚ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَٰكِنَّ
٣٤ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا
٣٥ الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اچانک برائی سے بھلائی میں آنکلتا ہے۔ چنانچہ
٣٢ کتنے ہی اچھے ارادے ہیں جن سے عین وقت پر ہمارے دل نے
انکار کر دیا اور کتنے ہی برائی کے منصوبے ہیں جن سے اچانک
ہمارے دل نے بغاوت کر دی۔ پس چاہیئے کہ انسان اپنے دل
کی نگرانی سے کبھی غافل نہ ہو۔
پھر کہا۔ یہ بھی نہ بھولو کہ خدا کے حضور لوٹنا ہے کیونکہ جس
دل میں آخرت کا یقین ہوگا، وہ زندگی کی غفلتوں سے کبھی
٣٣ مغلوب نہیں ہوسکتا۔
(١٨) پچھلی آیات میں انفرادی زندگی کے خطرات سے متنبہ
کیا تھا۔ اب (٢٥) میں اجتماعی خطرات کی طرف اشارہ کیا ہے
ان فتنوں سے بچو جنہیں سوسائٹی کا کوئی ایک فرد یا ایک
جماعت برپا کر دیتی ہے لیکن جب ان کی آگ بھڑک اٹھتی
ہے، تو صرف انہی کو نہیں جلاتی جنہوں نے سلگائی تھی، سبھی
لپیٹ میں آجاتے ہیں، اور اس لئے آجاتے ہیں کہ کیوں
آگ لگانے والے کا ہاتھ نہیں پکڑا؟ کیوں بروقت
بجھانے کی کوشش نہیں کی؟
(١٩) آیت (٢٧) میں خیانت سے مقصود وہ تمام
خیانتیں ہیں جو اسلام کے احکام کی تعمیل و تبلیغ اور امت
٣٤ کے مصالح و مقاصد میں کی جائیں۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ
جس بات کی طرف اشارہ کیا وہ یہ تھی کہ اہل مکہ کے ساتھ
نامہ و پیام نہ رکھو جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ
کر دیا ہے اگرچہ یہ نامہ و پیام اپنے بیوی بچوں کی حفاظت
کے خیال ہی سے کیوں نہ ہو۔
٣٥ بعض مہاجرین نے اپنے اہل و عیال کو جو مکہ میں تھے
خطوط لکھے تھے۔ اس میں کچھ اشارہ جنگ کی نسبت بھی آ
گیا تھا فرمایا۔ یہ اللہ کی رسول کی اور مسلمانوں کی خیانت ہے۔

پتھروں کی بارش برسادے یا ہمیں (کسی دوسرے) عذاب دردناک میں مبتلا کر دے"!

اور اللہ ایسا کرنے والا نہ تھا کہ ان کے درمیان موجود ہو اور پھر انہیں عذاب میں ڈالے اور اللہ ایسا بھی کرنے والا نہیں کہ انہیں عذاب میں ڈالے حالانکہ وہ معافی مانگ رہے ہوں۔

لیکن اب کہ تجھے مکہ چھوڑ دینے پر انہوں نے مجبور کر دیا، کونسی بات رہ گئی ہے کہ انہیں عذاب نہ دے حالانکہ وہ مسجد حرام سے مسلمانوں کو روک رہے ہیں؟ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کے متولی ہونے کے لائق نہیں۔ اس کے متولی اگر ہو سکتے ہیں تو ایسے ہی لوگ ہو سکتے ہیں جو متقی ہوں (نہ کہ مفسد و ظالم) لیکن ان میں سے اکثروں کو (یہ حقیقت) معلوم نہیں۔

اور خانہ کعبہ میں ان کی نماز اس کے سوا کیا تھی کہ سیٹیاں بجائیں اور تالیاں پیٹیں! تو دیکھو جیسے کچھ کفر کرتے رہے ہو اب (اس کی پاداش میں) عذاب کا مزہ چکھ لو۔

جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ اپنا

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ وَلَٰكِن لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِّيَهْلِكَ
مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي ۴۲
مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ
بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ ۴۳
لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ۴۴ ع ۵

اس سے اندازہ کرو کہ دعوت اسلام کا اپنے دشمنوں کے ساتھ کیسا طرزِ عمل رہا، اور کس طرح مجبور و بے بس ہو کر اسے میدان جنگ میں جانا پڑا؟

(۲۵) سورت کے ابتدا میں فرمایا تھا کہ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے یعنی حکومت کا ہے اب آیت (۴۱) میں اس کی تقسیم کا طریقہ بتلا دیا۔ اللہ اور اس کے رسول کے حصے سے مقصود یہ ہے کہ دین و ملت کے مصالح کے لئے ایک خاص رقم رکھی جائے۔ اسی میں سے پیغمبر اسلام کو جب تک زندہ رہیں ضروری مصارف ملیں۔ ان کے بعد ائمہ مسلمین کو۔

(۲۶) اس آیت اور اس کی ہم معنی آیات نے واضح کر دیا کہ قرآن کے نزدیک حکومت (اسٹیٹ) یتیموں مسکینوں اور مصیبت زدوں کی خبر گیری کے لئے ذمہ دار ہے اور حکومت کے خزانہ کا ایک لازمی مصرف قوم کے ان افراد کی اعانت ہے۔

ادھر دشمن دوسرے ناکے پر اور قافلہ تم سے نچلے حصے میں تھا (یعنی سمندر کے کنارے کنارے نکل گیا تھا) اور اگر تم نے آپس میں لڑائی کی بات ٹھہرائی ہوتی تو ضرور میعادِ جنگ سے گریز کرتے (کیونکہ تمہیں دشمنوں کی کثرت سے اندیشہ تھا اور تم میں سے بہتوں کی نظر قافلہ پر تھی) لیکن اللہ نے دونوں لشکروں کو بھڑا دیا تاکہ جو بات ہونے والی تھی اسے کر دکھائے نیز اس لئے کہ جسے ہلاک ہونا ہے اتمام حجت کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہنے والا ہے اتمام حجت کے بعد زندہ
۴۲ رہے اور بلاشبہ اللہ سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے
(اور اے پیغمبر!) یہ وہ دن تھا کہ اللہ نے تجھے خواب میں ان کی تعداد تھوڑی کر کے دکھائی (یعنی یہ دکھلایا کہ اگرچہ بظاہر مسلمانوں سے زیادہ ہوں گے لیکن عزم و ثبات میں تھوڑے ثابت ہوں گے) اور اگر انہیں بہت کر کے دکھاتا، تو (مسلمانو!) تم ضرور ہمت ہار دیتے اور اس معاملہ میں جھگڑنے لگتے اللہ نے تمہیں اس صورتِ حال سے بچا لیا یقین کرو، جو کچھ انسان کے سینوں میں چھپا ہوتا ہے
۴۳ وہ اس کے علم سے پوشیدہ نہیں!
(اور پھر دیکھو) جب تم دونوں فریق ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے، اور اللہ نے ایسا کیا تھا کہ دشمن تمہاری نظروں میں تھوڑے دکھائی دئے (کیونکہ تمہارے دلوں میں ایمان و استقامت کی روح پیدا ہو گئی تھی) اور ان کی نظروں میں تم تھوڑے دکھائی دئے (کیونکہ بظاہر تعداد میں بہت ہی زیادہ تھے) اور یہ اس لئے کیا تھا، تاکہ جو بات ہونے والی تھی اسے کر دکھائے

(۲۷) آیت (۴۲) میں جنگ بدر کے اسی واقعہ کی طرف

٣٩ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ نِعْمَ
٤٠ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ○ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ
وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا
٤١ عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ اِذْ اَنْتُمْ
بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ

الجزء العاشر ١٠

وہ زمانہ کیا ہوا جب مری آہ میں اثر تھا
یہی چشم خوں فشاں تھی، یہی دل، یہی جگر تھا

(٢١) آیت (٣٠) پر غور کرو۔ انسان اپنے جہل و غفلت کی سرشاریوں میں کیا سوچتا ہے اور حکمت الٰہی کی مخفی تدبیروں کا فیصلہ کیا ہوتا ہے؟ جب ہجرت سے پہلے قریش مکہ نے
٣٩ یہ منصوبے باندھے تھے تو کیا ایک لمحہ کے لئے انہیں آنے والے نتائج کا گمان ہو سکتا تھا؟ مگر کس طرح خود انہی کے ظلم و عداوت نے ان کا سارا سر و سامان کر دیا؟ اگر ظلم نہ ہوتا تو ہجرت بھی نہ ہوتی، اور اگر ہجرت ہوتی، تو وہ تمام نتائج بھی ظہور میں نہ آتے جو ہجرت سے ظہور میں آئے۔ ایسی
٤٠ ہی صورتِ حال قانون الٰہی کی مخفی تدبیر ہے جو انسانی ظلم و فساد کی ساری تدبیریں ملیا میٹ کر دیتی ہے!

(٢٢) آیت (٣٢) میں ابوجہل وغیرہ صنادید قریش کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا۔ خدایا! اگر قرآن واقعی تیری جانب سے ہے اور ہم اسے جھٹلانے میں سچے نہیں تو ہم پر اپنا عذاب نازل کر (بخاری) فرمایا یہ خدا کی سنت نہیں کہ وہ ایک قوم پر عذاب نازل کرے حالانکہ داعی حق اس میں موجود ہو، اور نہ اس کا عذاب ایسی حالت میں نازل ہو سکتا ہے کہ استغفار کرنے والے موجود ہوں۔

پھر آیت (٣٤) میں فرمایا۔ اب کہ پیغمبر اسلام کو انہوں نے ہجرت پر مجبور کر دیا، اور ان کی سرکشی یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ خدا کے بندوں کو اس کی عبادت گاہ سے بجبر روکنے لگے، تو کوئی وجہ نہیں کہ پاداش عمل کی نمود میں تاخیر ہو۔ چنانچہ وہ ظاہر ہوا اور قریش مکہ کے جماعتی اقبال کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

٤١ (٢٣) اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ جو لوگ متقی نہیں وہ عبادت گاہوں کی تولیت کے حق دار نہیں۔

(٢٤) آیت (٢٨) عفو و بخشش اور دعوت امن و صلح کی انتہا ہے

انسان کا باہمی معاملہ ہو جائے۔ انسان کا ظلم اس میں مداخلت نہ کر سکے) پھر اگر ایسا ہو کہ وہ (جنگ سے) باز آجائیں، تو جو کچھ وہ کرتے ہیں خدا کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں اور اگر (صلح و درگزر کی اس آخری دعوت سے بھی) روگردانی کریں تو یاد رکھو اللہ تمہارا رفیق و کارساز ہے (اور جس کا رفیق اللہ ہو تو) کیا ہی اچھا رفیق ہے اور کیا ہی اچھا مددگار!

اور جان رکھو کہ جو کچھ تمہیں مال غنیمت میں ملے اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے، رسول کے لئے، (رسول کے) قرابت داروں کے لئے، یتیموں کے لئے، مسکینوں کے لئے، اور مسافروں کے لئے نکالنا چاہئے (اور بقیہ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دئے جا سکتے ہیں) اگر تم اللہ پر اور اس (غیبی مدد) پر یقین رکھتے ہو جو ہم نے فیصلہ کر دینے والے دن اپنے بندے پر نازل کی تھی، جبکہ دو[1] لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے۔ تو چاہئے کہ اس تقسیم پر کاربند رہو۔ اور (یاد رکھو) اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں!

یہ وہ دن تھا کہ تم ادھر قریب کے ناکے پر تھے،

[1] یعنی جنگ بدر کے دن۔

٤٨ وَقَالَ إِنِّي بَرِيٓءٌ مِّنكُمْ إِنِّيٓ أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّيٓ أَخَافُ ٱللَّهَ ۚ وَٱللَّهُ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ۝ إِذْ
يَقُولُ ٱلْمُنَٰفِقُونَ وَٱلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ هَٰٓؤُلَآءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ فَإِنَّ
٤٩ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذْ يَتَوَفَّى ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ۙ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَٰرَهُمْ
٥٠ وَذُوقُوا۟ عَذَابَ ٱلْحَرِيقِ ۝ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ ٱللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّٰمٍ لِّلْعَبِيدِ ۝
كَدَأْبِ ءَالِ فِرْعَوْنَ ۙ وَٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَفَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ فَأَخَذَهُمُ ٱللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ
٥٢ إِنَّ ٱللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ۝

واپس ہوا اور لگا کہنے "مجھے تم سے کچھ سروکار نہیں۔ مجھے وہ بات دکھائی دے رہی ہے جو تم نہیں دیکھتے میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اور اللہ (بدعملیوں کی پاداش
٤٨ میں بہت سزا دینے والا ہے"۔

(٢٦) آیت (٤٨) میں شیطان سے مقصود سراقہ بن مالک ابن جعشم ہے جس نے مشرکین مکہ کا ساتھ دیا تھا، لیکن لڑائی شروع ہوتے ہی بھاگ گیا۔ چنانچہ مکہ کے لوگ کہتے تھے، سراقہ نے ہمیں ہرا دیا۔

اور (پھر دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (ایمان کی کمزوری کا)
روگ تھا، کہنے لگے تھے "ان مسلمانوں کو تو اُن کے دین نے مغرور کر دیا ہے"۔ (یعنی یہ محض دین کا نشہ ہے جو انہیں مقابلے پر لے جا رہا ہے، ورنہ ان کے پلّے ہے کیا؟ وہ نہیں جانتے تھے کہ مسلمانوں کا بھروسہ
٤٩ اللہ پر ہے) اور جس کسی نے اللہ پر بھروسہ کیا، تو اللہ غالب اور حکمت والا ہے!

اور (اے مخاطب!) اگر تو (اپنی آنکھوں سے) وہ حالت دیکھے، جب فرشتے (ان) کافروں کی روحیں قبض کرتے اور ان کے چہروں اور پیٹھوں پر ضربیں لگاتے ہیں، اور کہتے ہیں "اب عذابِ آتش
٥٠ کا مزہ چکھو"۔ (تو تیرا کیا حال ہو؟)
(اے اعدائے حق!) یہ اس (بدعملی) کا نتیجہ ہے جو خود تمہارے ہی ہاتھوں نے پہلے سے ذخیرہ کر دیا،
٥١ اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ اپنے بندوں کے لئے ظلم کرنے والا ہو!

(٢٧) جب بدر میں مٹھی بھر بے سروسامان مسلمان جنگ کے لئے نکلے تو منافق اور کچے دل کے آدمی اسکی کوئی توجیہ نہیں کر سکے بجز اس کے کہ کہیں انہیں ان کے دین کے نشہ نے مغرور کر دیا ہے۔ یہ بات اگرچہ بطور طعنہ کے کہی گئی تھی، لیکن ایک لحاظ سے غلط بھی نہ تھی۔ بلاشبہ یہ دین ہی کا نشہ تھا، لیکن نشۂ باطل نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی معجزانہ بلاغت نے آیت (٤٩) میں ان کا قول نقل کر کے رد نہیں کیا، بلکہ صرف یہ کہا کہ من یتوکل علی اللہ الخ

جیسا کہ دستور فرعون کے گروہ کا اور ان (سرکشوں) کا جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں، رہ چکا ہے وہی تمہارا ہوا۔
٥٢ اللہ کی نشانیوں سے انکار کیا تو اللہ نے ان کے گناہوں کی انہیں پکڑ لیا۔ بلاشبہ اللہ (پاداشِ عمل کی) سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَلَا ۴۵
تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِينَ ۝ وَلَا تَكُونُوا ۴۶
كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا
يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ ۴۷
وَاِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ

اشارہ کیا ہے جس کا پہلے ذکر گذر چکا ہے فرمایا، خدا کی مخفی تدبیروں کی
کرشمہ سازی تھی ادھر دشمنوں کا گروہ بڑھا چلا آتا تھا۔ ادھر تم شہر
سے نکل کر ایک ترچھی ناکے تک پہنچے تھے اور ابوسفیان کا قافلہ
تھا کہ نشیب میں گزر رہا تھا۔ یہی کمزوری کی وجہ سے چاہتے تھے اس
سے مقابلہ ہو لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا، قافلہ تو نکل گیا
اور مقابلہ ہوا حملہ آوروں سے اور تمہاری مٹھی بھر کمزور جماعت نے
اسے ہرا کر بھگا دیا!

(۴۸) آیت (۴۴) میں اس خواب کی طرف اشارہ کیا ہے جو
جنگ بدر سے پہلے پیغمبر اسلام نے دیکھا تھا، اور جس میں دشمن ناکام اور
مسلمان فتح مند دکھائے گئے تھے یہ خواب مسلمانوں کے لئے مزید
تقویت کا باعث ہوا تھا۔

(۴۹) آیت (۴۵) سے (۴۷) تک چھ باتوں پر زور دیا ہے
کہ فتح وکامرانی کا اصلی سرچشمہ ہیں:
(ا) ثابت قدم رہو۔ کیونکہ میدان جنگ کی ساری
کامیابی اسی کے لئے ہوتی ہے جو آخر تک ثابت قدم رہے۔
(ب) بہت زیادہ اللہ کو یاد کرو۔ کیونکہ جسم کا ثبات دل
سے ثبات پر موقوف ہے اور دل اسی کا مضبوط ہے گا جو اللہ
پر کامل ایمان رکھتا ہے۔
(ج) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور رسول کے بعد
اپنے امام وسردار کی کیونکہ بغیر اطاعت (ڈسپلن) کے کوئی جماعت
کامیاب نہیں ہو سکتی۔
(د) باہمی نزاع سے بچو، ورنہ سست پڑ جاؤ گے اور بات بگڑ جائیگی
(ہ) کتنی ہی مشکلیں پیش آئیں جھیلتے رہو۔ بالآخر جیت اسی کی
ہے جو زیادہ جھیلنے والا ہوگا۔
(و) کافروں کا سا چلن اختیار نہ کرو جو ایمان و راستی کی جگہ
گھمنڈ اور دکھاوے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ تمہارے کاموں کی
بنا خدا پرستانہ عجز واخلاص پر ہونی چاہئے۔

۴۴ اور سارے کاموں کا دارومدار اللہ ہی کی ذات پر ہے!
مسلمانو! جب (حملہ آوروں کی) کسی جماعت سے تمہارا
مقابلہ ہو جائے تو لڑائی میں ثابت قدم رہو اور زیادہ سے
۴۵ زیادہ اللہ کو یاد کرو، تاکہ تم کامیاب ہو!
اور اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو، اور آپس میں
جھگڑا نہ کرو ایسا کرو گے تو تمہاری طاقت سست پڑ
جائیگی اور ہوا اکھڑ جائے گی اور جیسی کچھ بھی مشکلیں مصیبتیں
پیش آئیں تم صبر کرو، اللہ ان کا ساتھی ہے جو صبر
۴۶ کرنے والے ہیں!
اور دیکھو) ان لوگوں جیسے ہو جاؤ جو اپنے گھروں
سے (لڑنے کے لئے) اتراتے ہوئے اور لوگوں کی نظروں میں
نمائش کرتے ہوئے نکلے اور جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کی راہ سے (اس
۴۷ کے بندوں کو) روکتے ہیں اور (یاد رکھو) جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے
ہیں اللہ (اپنے علم وقدرت سے) اس پر چھایا ہوا ہے!
اور پھر جب ایسا ہوا تھا کہ شیطان نے ان کے
کرتوت ان کی نگاہوں میں خوشنما کر کے دکھائے تھے
اور کہا تھا۔ آج ان لوگوں میں کوئی نہیں جو تم پر غالب
آسکے اور میں تمہارا پشت پناہ ہوں، مگر جب دونوں
فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو الٹے پاؤں

ع ۵۸ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ۝ وَلَا
۵۹ يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ۝ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ
وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ
۶۰ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۝ وَإِنْ

۵۷ کھڑے ہوں (اور) ہوسکتا ہے کہ عبرت پکڑیں اور اگر ایک گروہ (ابھی میدان جنگ میں تو دشمنوں کے ساتھ نہیں نکلا ہے لیکن اس) سے تمہیں دغا کا اندیشہ ہے تو چاہئیے ان کا عہد انہی پر اُلٹا دو (یعنی عہد فسخ کردو) اس طرح کہ دونوں جانب یکساں حالت میں ہو جائیں (یعنی ایسا نہ کیا جائے کہ اچانک شکست عہد کی انہیں خبر دی جائے۔ بلکہ پہلے سے جتا دینا چاہئیے تاکہ دونوں فریقوں کو یکساں طور پر تیاری کی مہلت مل جائے) یاد رکھو

۵۸ اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا!
اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی، وہ خیال نہ کریں کہ بازی لے گئے۔ وہ کبھی (پیروانِ حق کو)

۵۹ درماندہ نہیں کرسکتے۔
(اور مسلمانو!) ~~جہاں تک تمہارے بس میں ہے~~ اپنے مقدور بھر قوت پیدا کرکے اور گھوڑے تیار رکھ کر دشمنوں کے مقابلہ کے لئے اپنا ساز و سامان مہیا کئے رہو کہ اس طرح مستعد رہ کر تم اللہ کے (کلمۂ حق کے) اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے نیز ان لوگوں کے سوا اوروں پر بھی جن کی تمہیں خبر نہیں۔ اللہ انہیں جانتا ہے۔ اور (یاد رکھو) اللہ کی
۶۰ راہ میں (یعنی جہاد کی تیاری میں) تم جو کچھ بھی خرچ کروگے، وہ تمہیں پورا پورا ادا کردیا جائیگا! ایسا نہ ہوگا کہ تمہاری حق تلفی ہو

کیا ہے جب پیغمبر اسلام مدینہ آئے تو یہاں یہودیوں کی تین بستیاں آباد تھیں۔ بنی قینقاع، بنی نضیر، بنی قریظہ۔ پیغمبر اسلام نے ان سب سے صلح و امن اور باہمدگر اعانت کا معاہدہ کیا۔ معاہدہ کی ایک شرط یہ تھی کہ تمام جماعتیں ایک قوم بن کر رہیں گی اور اگر کسی فریق پر اس کے دشمن حملہ کرینگے، تو سب اس کی مدد کرینگے (ابن ہشام)۔ لیکن ابھی معاہدہ کی سیاہی خشک بھی نہیں ہوئی تھی کہ یہودیوں نے خلاف ورزی شروع کردی اور قریش مکہ سے مل کر مسلمانوں کی تباہی کی سازشیں کرنے لگیں حتی کہ خود پیغمبر اسلام کو ہلاک کرنے کی تدبیروں میں لگ گئے۔ یہاں حکم دیا ہے کہ اب ایسے دغاباز لوگوں کے ساتھ نباہ نہیں ہوسکتا۔ جو کھلم کھلا لڑیں ان کا مقابلہ کرو جو ایسا نہ کریں اور غدر و فریب کا ان سے اندیشہ ہو تو انہیں کھلے طور پر خبر دیدو کہ اب معاہدہ فسخ ہوگیا۔ لیکن فرمایا، یہ بات اس طرح کی جائے کہ دوسرے فریق کو نقصان نہ پہنچے۔ یعنی وقت سے پہلے فسخ معاہدہ سے خبردار ہوجائے، اور اگر تیاری کرنی چاہے تو ہماری طرح اسے بھی تیاری کا پورا موقعہ ملے۔
یہاں سے اندازہ کرو کہ قرآن نے ہر معاملہ میں حتی کہ جنگ میں بھی سچائی اور دیانت کا جو معیار قائم کیا ہے، وہ کس قدر بلند ہے؟ کہیں بھی اس نے کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا، جہاں اخلاقی کمزوری کو ابھرنے کا موقعہ دیا گیا ہو۔
کیا دنیا میں اس وقت تک کسی قوم نے احکام جنگ کو اس درجہ بلند اخلاقی معیار پر رکھا ہے؟
عالمگیر جنگ یورپ کی تاریخ کا ہر صفحہ اس کے جواب میں "نہیں" کہے گا!

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ
عَلِيْمٌ ۝ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۵۳
وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ اِنَّ شَرَّ الدَّوَاۗبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ ۵۴
لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝ ۵۵ ۵۶
فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ ۵۷

(اور) یہ بات اس لئے ہوئی کہ اللہ کا مقررہ قانون ہے کہ جو نعمت وہ کسی گروہ کو عطا فرماتا ہے اسے پھر کبھی نہیں بدلتا، جب تک کہ خود اسی گروہ کے افراد اپنی حالت نہ بدل لیں۔ اور اس لئے بھی
کہ اللہ (سب کی) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے۔ ۵۳
جیسا کچھ دستور فرعون کے گروہ کا اور ان (سرکشوں) کا جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں، رہ چکا ہے، وہی تمہارا ہوا۔ انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیاں جھٹلائیں تو ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں ہلاک کر ڈالا۔ فرعون کا گروہ (سمندر میں) غرق کیا گیا تھا، اور وہ سب ظلم کرنے
والے تھے۔ ۵۴

(۲۸) آیت (۵۳) اور اسکی ہم معنی آیات نے قطعی لفظوں میں واضح کر دیا کہ قرآن کے نزدیک اقوام و جماعات کے عروج و زوال اور موت و حیات کا قانون کیا ہے؟ فرمایا یہ خدا کی مقررہ سنت ہے کہ جب وہ کسی گروہ کو اپنی نعمتوں سے سرفراز کرتا ہے تو اس میں کبھی تغیر نہیں کرتا، جب تک کہ خود اس گروہ کے افراد خود اپنی حالت متغیر نہیں کر دیتے۔ چنانچہ دنیا کی پوری تاریخ ہمیں اس بارہ میں جو کچھ بتلا رہی ہے اس کی حقیقت بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ ہر قوم خود ہی اپنی زندگی کا گہوارہ بناتی ہے اور پھر خود ہی اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر بھی کھودتی ہے۔

بلاشبہ اللہ کے نزدیک بدترین چارپائے وہ (انسان) ہیں جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی، تو یہ وہ
لوگ ہیں کہ کبھی ایمان لانے والے نہیں! ۵۵
(اے پیغمبر!) جن لوگوں سے تم نے (صلح کا) عہد و پیمان کیا تھا، پھر انہوں نے اسے توڑا، اور ایسا ہوا کہ ہر مرتبہ عہد کر کے توڑتے ہی رہے اور (بدعہدی کے وبال سے)
ڈرتے نہیں، تو (اب چاہئے جیسی حالت میں انہیں پاؤ ۵۶
اسی کے مطابق سلوک بھی کرو) اگر تم لڑائی میں انہیں موجود پاؤ، تو ایسی سزا دو کہ جو لوگ ان کے پس پشت ہیں (یعنی مشرکین مکہ) انہیں بھاگتے دیکھ کر خود بھی بھاگ

(۲۹) اسی سورت کی آیت (۲۲) میں فرمایا تھا کہ بدترین چارپائے وہ انسان ہیں جو اپنی عقل و حواس سے کام نہیں لیتے۔ یہاں آیت (۵۵) میں فرمایا، بدترین چارپائے وہ انسان ہیں جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی۔ اس سے معلوم ہوا، قرآن کے نزدیک عقل و حواس سے ٹھیک طرح کام نہ لینا اور اندھوں کی طرح چلنا، انسانیت کے درجہ سے گر جانا ہے، اور وہ کہتا ہے، کفر اسی اندھے پن کا نتیجہ ہے پس ایمان کی راہ عقل و بصیرت کی راہ ہوئی اور کفر اندھے پن کا دوسرا نام ہوا۔

(۳۰) آیت (۵۶) میں مدینہ کے یہودیوں کی طرف اشارہ

لَا یَفْقَهُوْنَ ○ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ ٦٥
صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ
الصّٰبِرِیْنَ ○ مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ؕ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ ٦٦
الدُّنْیَا ۖۗ وَاللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ○ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ ٦٧
فِیْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ ٦٨

کی دعوت امن کا اعلان کردیا ہے؟ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ جنگ بدر کے فیصلہ نے مسلمانوں کی فتح مندی آشکارا کردی تھی اور تمام جزیرہ عرب ان کی طاقت سے متاثر ہونے لگا تھا۔ تاہم حکم ہوا جب کبھی دشمن صلح و امن کی طرف جھکے، چاہیے کہ بلا تامل تم بھی جھک جاؤ۔ اگر اس کی نیت میں فتور ہوگا تو ہوا کرے اس کی وجہ سے صلح و امن کے قیام میں ایک لمحہ کے لئے بھی دیر نہیں کرنی چاہیئے!

(۴۴) دنیا میں کوئی کام انسان کے لئے اس سے زیادہ مشکل نہیں ہے کہ بکھرے ہوئے انسانی دلوں کو ایک رشتہ الفت میں پرو دے۔ اور یہ کام تقریبًا ناممکن ہوجاتا ہے جب معاملہ ایسے انسانوں کا ہو جو صدیوں سے باہمی جنگ و جدال کی آب و ہوا میں پرورش پاتے رہے ہوں، اور جن کے نفسیاتی سانچوں میں باہمی آمیزش و ائتلاف کا کوئی ڈھنگ باقی نہ رہا ہو۔

پیغمبر اسلام کا ظہور ایسے ہی لوگوں میں ہوا تھا مگر ابھی ان کی دعوت پر دس بارہ ہی برس گزرے تھے کہ مدینہ میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا جو اس اعتبار سے بالکل ایک نئی قسم کی مخلوق تھی۔ وہ جب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے باہمی کینہ و انتقام کے مجسمے تھے لیکن جونہی مسلمان ہوئے محبت و سازگاری کی ایسی پاکی و قدوسیت ابھر آئی کہ ان میں کا ہر فرد دوسرے کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کردینے کے لئے مستعد ہوگیا۔ فی الحقیقت یہی وہ تزکیۂ اخلاق کا عمل ہے جو ایک پیغمبرانہ عمل تھا، اور جو پیغمبر اسلام کی تعلیم و تربیت نے انجام دیا، اور اسی کی طرف آیت (۶۴) میں اشارہ فرمایا ہے۔

گروہ ہے جس میں سمجھ بوجھ نہیں۔

(مسلمانو!) اب خدا نے تم پر بوجھ ہلکا کردیا۔
اس نے جانا کہ تم میں کمزوری ہے۔ اچھا، اب اگر
تم میں جھیل جانے والے سو آدمی ہوں گے، تو (انہیں
صرف اپنے سے دوگنی تعداد کا مقابلہ کرنا ہوگا یعنی)
وہ دو سو دشمنوں پر غالب رہیں گے۔ اور اگر ہزار
ہوں گے، تو سمجھو دو ہزار دشمنوں کو مغلوب کرکے
رہیں گے اور (یاد رکھو) اللہ جھیل جانے والوں کا ساتھی
ہے! ٦٦

نبی کے لئے سزاوار نہیں کہ اس کے قبضہ میں
قیدی ہوں جب تک کہ ملک میں غلبہ حاصل نہ کرلے۔[۱]
(مسلمانو!) تم دنیا کی متاع چاہتے ہو اور اللہ چاہتا ہے (تمہیں)
آخرت (کا اجر دے) اور اللہ غالب ہے حکمت والا! ٦٧

اگر (اس بارے میں) پہلے سے اللہ کا حکم نہ ہوگیا
ہوتا، تو کچھ تم نے (جنگ بدر میں مال غنیمت لوٹا) اس کے
لئے ضرور تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا۔ ٦٨
بہرحال جو کچھ تمہیں غنیمت میں ہاتھ لگا ہے

[۱] "حتی یثخن فی الارض" ای حتی یغلب فی الارض (بخاری) وقال ابن عباس: حتی یظھر علی الارض۔

٦١ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ وَإِن يُرِيدُوا أَن يَخْدَعُوكَ
٦٢ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۚ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ۙ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ
أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ
٦٣-٦٤ حَكِيمٌ ○ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ○ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ
الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن
مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ

(اور دیکھو) اگر (دشمن) صلح کی طرف جھکیں تو چاہئے تم بھی اس کی طرف جھک جاؤ، اور (ہر حال میں)
٦٠ اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بلاشبہ وہی ہے جو (سب کی) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے!

اور (اے پیغمبر!) اگر ان کا ارادہ یہ ہوگا کہ تجھے دھوکا دیں تو (کوئی اندیشہ کی بات نہیں) اللہ کی ذات تیرے لئے کافی ہے وہی ہے جس نے اپنی مددگاری سے اور مومنوں (کی جماعت) سے تیری تائید کی اور وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی۔ اگر تو وہ سب کچھ خرچ کر ڈالتا جو روئے زمین میں ہے، جب بھی ان کے دلوں کو باہمی الفت سے نہ جوڑ سکتا۔ لیکن یہ اللہ ہے جس نے ان میں باہمی الفت پیدا کر دی۔ بلاشبہ وہ (اپنے کاموں میں) غالب اور حکمت والا ہے!

اے پیغمبر! اللہ تیرے لئے کفایت کرتا ہے اور ان مومنوں کو بھی جو تیرے پیچھے چلنے والے ہیں![1]

اے پیغمبر! مومنوں کو لڑائی کا شوق دلا (مسلمانو) اگر تم میں بیس آدمی بھی مشکلوں کو جھیل جانے والے نکل آئے، تو یقین کرو، وہ دو سو دشمنوں پر غالب ہوکر رہینگے، اور اگر تم میں ایسے آدمی سو ہوگئے، تو سمجھ لو ہزار کافروں کو مغلوب کرکے رہینگے۔ اور یہ اس لئے ہوگا کہ کافروں کا گروہ ایسا

٦٢ (٣١) آیت (٦٠) میں فرمایا "جہاں تک تمہارے بس میں ہے" اپنے مقدور کے مطابق
کیونکہ یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی جماعت اس طرح کا سر و سامان جنگ مہیا کرسکے جو ہر اعتبار سے مکمل ہو۔ پس معلوم ہوا، مسلمانوں کو اس بارے میں جو کچھ حکم دیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ اپنے مقدور کے مطابق جو کچھ کرسکتے ہیں کریں، اور ادائے فرض کے لئے آمادہ ہو جائیں
٦٤ یہ بات نہیں ہے کہ جب تک دنیا جہان کے ہتھیار اور ہر قسم کے ساز و سامان مہیا نہ ہو جائیں اس وقت تک بے بسی کا عذر کرتے رہیں اور فرض و فارغ سے بے فکر ہو جائیں۔

اگر مسلمانوں نے اس آیت کی روح کو سمجھا ہوتا، تو اس اپاہج پنے میں مبتلا نہ ہوتے جو ڈیڑھ سو برس سے تمام مسلمانانِ عالم پر طاری ہے۔

(٣٢) چونکہ جنگ کی تیاری بغیر مال کے نہیں ہوسکتی تھی، اس لئے اس کے بعد کی آیت میں انفاق فی سبیل اللہ پر زور دیا۔ اگر اس انفاق کی حقیقت آج مسلمان صحیح طور پر سمجھ لیں، تو ان کی ساری مصیبتیں ختم ہو جائیں۔

(٣٣) آیت (٦١-٦٢) نے کیسے قطعی لفظوں میں قرآن

مشکل ہے //

[1] اس آیت کا صحیح ترجمہ یہی ہے اگرچہ بصرہ کے ائمہ نحو اس کے خلاف گئے ہیں 'وما کان سیبویہ نبی النحو ولا معصوماً'۔

مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ
النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا ٧٢
بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ٧٣
وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ ٧٤

حال ایسا ہوا کہ ایمان تو لائے مگر ہجرت نہیں کی، تو تمہارے لئے ان کی اعانت و رفاقت میں سے کچھ نہیں ہے، جب تک وہ اپنے وطن سے ہجرت نہ کریں۔ ہاں اگر دین کے بارے میں تم سے (مدد) چاہیں تو بلاشبہ تم پر ان کی مدد گاری لازم ہے۔ الّا یہ کہ کسی ایسے گروہ کے مقابلہ میں مدد چاہی جائے جس سے تمہارا (صلح و امن کا) عہد و پیمان ہے (کہ اس صورت میں تم عہد و پیمان کے خلاف قدم نہیں اٹھا سکتے) اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ کی نگاہ
سے پوشیدہ نہیں! ٧٢

اور (دیکھو) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے، وہ بھی (راہ کفر میں) ایک دوسرے کے کارساز و رفیق ہیں۔ اگر تم ایسا نہ کروگے (یعنی باہمی ولایت اور بھائی چارگی کا جو حکم دیا گیا ہے، اور وفاء عہد اور اعانت مسلمین کی جو تلقین کی گئی ہے، اس پر کاربند نہیں رہوگے) تو ملک میں فتنہ پیدا ہو جائے گا اور بڑی ہی خرابی پھیلے گی۔

(غرضکہ) جو لوگ ایمان لائے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اور جن لوگوں نے (مہاجرین مکہ کو) پناہ دی اور مدد کی تو فی الحقیقت یہی (سچے)
مومن ہیں۔ ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی ٧٤

رائے ہوئی کہ انہیں قتل کر دینا چاہئے حضرت عمرؓ بھی انہی میں تھے لیکن آنحضرت نے عام رائے کے مطابق فیصلہ فرمایا، اور قیدیوں کے لئے فدیہ طلب کیا گیا، اور جن قیدیوں سے فدیہ نہیں ملا وہ روک لئے گئے۔

اس پر آیت (٦٧) نازل ہوئی۔ فرمایا دنیا میں نبی اس لئے نہیں آتے کہ ان کے پیرو دشمنوں کو قید رکھ کر فدیے کا روپیہ لیں، بلکہ مقصود محض دعوت حق کا اعلان ہوتا ہے پس نبی کو سزاوار نہیں کہ جب تک اسکی دعوت ملک میں ظاہر و غالب ہو جائے اسیران جنگ کو فدیہ کے لئے روکے رکھے۔ تمہاری نظر متاع دنیا پر ہے، اور خدا نے تمہارے لئے آخرت کا انعام پسند کیا ہے

چنانچہ اس کے بعد آیت (٧٠) نے معاملہ بالکل صاف کر دیا فرمایا جو قیدی فدیے کے لئے روک لئے گئے ہیں، ان سے کہدو اگر تمہاری نیتیں صاف ہیں تو تمہارے لئے کوئی کھٹکا نہیں

جہاں تک اسیران جنگ کا تعلق ہے، سورہ محمد کی آیت (٤) نے آخری حکم دیدیا ہے۔ فاما منًّا بعد و اما فداء یعنی آئندہ یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دیا کرو، یا فدیہ لے کر جیسی مصلحت وقت ہو۔

(٣٨) آیت (٧٢) سے آخر سورت تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

(١) اسلام کی دعوت نے باہمی الفت و سازگاری کی جو روح پھونک دی تھی اس کا ایک عجیب و غریب منظر تاریخ نے آج تک محفوظ رکھا ہے، یہ نو مسلموں کا باہمی بھائی چارہ

ع ٦٩ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ
الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ
٧٠ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
٧١ حَكِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ
اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰۤئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا

اس سے معلوم ہوا مسلمانوں کی باہمی الفت ایک ایسی نعمت
ہے جسے خدا نے اپنا خاص انعام قرار دیا ہے۔ افسوس ان پر جو اس
٦٩ نعمت سے محرومی پر قانع ہوگئے، اور اس کے لئے اپنے اندر کوئی
جلن محسوس نہیں کی!
آج باہمی الفت کی جگہ باہمی مخاصمت مسلمانوں کی سب
بڑی پہچان ہوگئی ہے اسی کو انقلاب حال کہتے ہیں!
(۳۵) آیت (۶۵) اور (۶۶) میں دو مختلف حالتوں کے لئے
عزیمت و رخصت کی دو مختلف صورتیں بتلائی ہیں۔ ایمان کا خاصہ
تو یہ ہونا چاہئے کہ ایک مسلمان دس دشمنوں پر بھاری رہے لیکن
٧٠ چونکہ ابھی تمہاری حالت بڑی ہی کمزوری کی حالت ہے۔ اس لئے
کم از کم اپنے سے دوگنی تعداد کا مقابلہ کرو، تو قوانین حق کا فیصلہ
یہ ہے کہ غالب رہوگے۔
(۳۶) آیت (۶۵) میں غلبہ کی توجیہہ یہ کی کہ بانھم
قوم لا یفقھون تمہارے دشمنوں کا گروہ ایسا گروہ
ہے جس میں سمجھ بوجھ نہیں یعنی محض اندھے پن کا تعصب ہے،
جس کے جوش میں لڑ رہے ہیں۔ علم و بصیرت، معاملہ فہمی،
اور صلاحیت کار سے محروم ہیں، اور چونکہ محروم ہیں اس لئے
کتنی ہی بڑی تعداد میں ہوں اصحاب دانش و بصیرت کے مقابلہ
میں ٹھہر نہیں سکتے۔
٧١ آج کل کے مسلمانوں کو غور کرنا چاہئے کہ اب اصحاب دانش
و بصیرت وہ ہیں یا دنیا کی دوسری قومیں؟ اگر حالات منقلب
ہوگئے ہیں تو نتائج بھی کیوں منقلب نہ ہو جائیں؟
(۳۷) جنگ بدر میں جب دشمن قید ہوئے تو سوال پیدا
ہوا، اس بارے میں کیا کرنا چاہئے؟ چونکہ اس وقت
مسلمان بڑی ہی تنگی و افلاس کی حالت میں تھے، اس لئے
عام رائے یہ تھی کہ قیدیوں کے لئے فدیہ مانگا جائے، اور جب
تک فدیہ وصول نہ ہو، قیدی رہا نہ کئے جائیں بعض صحابہ کی

اسے حلال و پاکیزہ سمجھ کر اپنے کام میں لاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے۔

اے پیغمبر! لڑائی کے قیدیوں میں سے جو لوگ تمہارے قبضہ میں ہیں، ان سے کہدو "اگر اللہ نے تمہارے دلوں میں کچھ نیکی پائی، تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے کہیں بہتر چیز تمہیں عطا فرمائے گا، اور تمہیں بخش دے گا۔ وہ بڑا بخشنے والا رحمت والا ہے"!

اور اگر ان لوگوں نے چاہا تمہیں دغا دیں تو (کوئی وجہ نہیں کہ تم اس اندیشہ سے اپنا طرز عمل بدل ڈالو) یہ اس سے پہلے خود اللہ کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں، اور اسی کی پاداش ہے کہ تمہیں ان پر قدرت دیدی گئی ہے، اور (یاد رکھو) اللہ سب کچھ جانتا اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے!

جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا، اور جن لوگوں نے (مکہ کے مہاجروں کو مدینہ میں) جگہ دی اور ان کی مدد کی، تو یہی لوگ ہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے کا کارساز و رفیق ہے اور جن لوگوں کا

والایمان من قبلھم الخ (۵۹) نیز والسابقون السابقون اولٰئک المقربون (۵۶)
(۱۲) اور یہ ظاہر ہے کہ سچائی کی ہر راہ میں جو درجہ پہل کرنے والوں کا ہوتا ہے، وہ دوسروں کو نصیب نہیں ہوسکتا۔

(ح) اس کے بعد فرمایا، جو لوگ آئندہ ایمان لائیں، ہجرت و جہاد کریں، (یا جن لوگوں نے پہلی ہجرت کے بعد ایمان قبول کیا اور ہجرت کی) تو گو یہ پہلی دو جماعتوں سے پیچھے آئے لیکن انہی میں داخل سمجھے جائیں، یعنی اسی طرح مواخاۃ و اشتراک کے مستحق سمجھے جائیں۔

(ط) اس کے بعد وراثت کا معاملہ صاف کر دیا مسلمانوں میں اسلامی بھائی چارگی کا ایسا ولولہ پیدا ہوگیا تھا کہ خون کے عزیزوں سے کہیں زیادہ رشتۂ حق کے ان عزیزوں کو اپنا سمجھنے لگے تھے۔ حتیٰ کہ اگر ایک مرجاتا، تو رشتۂ مواخاۃ کا بھائی اس کا وارث سمجھا جاتا۔ انہوں نے اپنے سارے پچھلے رشتے بھلا دئے تھے۔ صرف ایک ہی رشتہ کی لگن باقی رہ گئی تھی یعنی سب اللہ کے رسول کے فدائی اور سب اسی کے جمال جہاں آرا پر اپنا سب کچھ نثار کر دینے والے ہیں:

توئی نخلِ خوش ثمر کیستی؟ کہ باغ و چمن
ہمہ زخویش بریدند و در تو پیوستند!

لیکن یہاں فرمایا، جو قرابت دار ہیں، وہ خدا کے ٹھہرائے ہوئے قرابت دار ہیں، اور صلہ رحمی کا رشتہ کسی حال میں نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ پس وراثت وغیرہ کے حقوق سے وہ محروم نہیں کئے جاسکتے۔ یاد رہے، یہاں اولوا الارحام سے مقصود اولوالارحام مصطلحۂ فرائض نہیں ہیں، بلکہ مصطلحۂ لغت، یعنی قرابت دار۔

(ی) آیت (۷۳) میں فرمایا "اگر ایسا نہ کروگے تو ملک میں فتنہ اٹھے گا اور بڑی ہی خرابی پھیلے گی"۔ یعنی دینِ حق کی دشمنی میں [illegible] ایک دوسرے کے کارساز و رفیق ہوگئے ہیں، پس چاہئے، تم بھی راہِ حق میں ایک دوسرے کے کارساز و رفیق رہو، نیز اپنے عہد و پیمان میں پوری طرح پکے رہو، کسی حال میں اس سے باہر نہ جاؤ۔ اگر تم ایسا نہ کروگے، تو ظلم و فساد سر اٹھائے گا، اور امن و عدالت کا جو دروازہ کھل رہا ہے، نہ کھل سکے گا۔

جن مٹھی بھر مظلوم مسلمانوں نے دعوتِ حق کا بیج بویا تھا ان کا یہ حال تھا، لیکن آج جب کہ روئے زمین میں چار سو ملین مسلمان موجود ہیں ان کی باہمی مواخاۃ کا کیا حال ہے؟ ہندوستان کے مسلمانوں کا کیا حال ہے جس میں ستر ملین مسلمان بستے ہیں؟

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ
بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۞ ع ۱۰ ۷۵

اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کیا، تو وہ بھی تم ہی میں داخل ہیں (انہیں اپنے سے الگ نہ سمجھو) اور (باقی رہے) قرابت دار، تو وہ اللہ کے حکم میں ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں (پس باہمی بھائی چارگی میں ان کے حقوق فراموش نہ کر دیئے جائیں) بلاشبہ اللہ ہر بات کا علم رکھتا ہے!

تھا جسے عربی میں مواخاۃ کہتے ہیں یعنی اسلام کے رشتہ سے ایک نومسلم دوسرے نومسلم کا بھائی ہو جاتا تھا، اور پھر ساری باتوں میں دونوں ایک دوسرے کی شرکت و ملکیت کے ویسے ہی حق دار ہو جاتے، جیسے حقیقی بھائی ہوتے ہیں حتیٰ کہ اگر ایک مر جائے تو دوسرا اس کا وارث ہو جاتا تھا!

یہ مواخاۃ دو مرتبہ ہوئی۔ ایک مرتبہ مکہ میں، اور یہ صرف مہاجرین کے درمیان ہوئی تھی، دوسری مرتبہ مدینہ میں اور یہ مہاجرین اور انصار کے درمیان ہوئی تھی۔ یعنی مکہ کے جو لوگ ہجرت کر کے آئے ان میں اور مدینہ کے نومسلموں میں ایک قول کے مطابق یہ نوے ۹۰ آدمی تھے، اور ایک قول میں سو ۱۰۰۔

(ب) مسلمانوں کی بڑی تعداد ہجرت کر کے مدینہ چلی آئی تھی۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو موانع و مشکلات سے بے بس ہو کر مکہ ہی میں پڑے رہے۔

(ج) بیان فرمایا: جو لوگ ایمان لائے، اپنا گھر بار چھوڑا، جان و مال سے راہ حق میں جہاد کیا، تو وہ خواہ کسی قبیلہ اور کسی حلقہ کے ہوں، ایک ہی برادری کے افراد ہو گئے۔ یعنی جان نثاران حق کی برادری کے۔ ان کا ہر فرد دوسرے فرد کا کارساز و رفیق ہے، اور اسی کارسازی و رفاقت پر تمہاری ساری کامیابیوں کا دارو مدار ہے۔

(د) لیکن جو ایمان تو لائے مگر ابھی تک ہجرت نہ کر سکے، تو ظاہر ہے کہ اس رشتہ کے حقوق میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ہجرت کر کے تم سے آنہ ملیں۔

(ہ) ہاں اگر وہ دین کے معاملہ میں مدد چاہیں تو تمہارا فرض ہے کہ ان کی مدد کرو۔ محض اس وجہ سے کہ ابھی تک ہجرت نہ کر سکے ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہماری مددگاری کے حق دینی سے محروم ہو جائیں۔

(و) البتہ یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ اپنے عہد و پیمان کا وفادار رہنا مسلمانوں کا سب سے پہلا فرض ہے پس اگر وہ کسی ایسے غیر مسلم گروہ کے مقابلہ میں مدد چاہیں جس سے تم صلح و کا عہد و پیمان کر چکے ہو، تو تمہارے لئے جائز نہ ہوگا کہ ان کی مدد کے لئے عہد شکنی کرو۔ نتیجہ خواہ کچھ ہی نکلے۔ لیکن اپنے قول و قرار پر قائم رہنا چاہئے۔

یہ اشارہ اس طرف تھا کہ مدینہ آ کر پیغمبر اسلام نے مدینہ اور اطراف مدینہ کی مختلف جماعتوں سے باہمی صلح و سازگاری کا معاہدہ کیا تھا۔ جو معاہدہ صحیفہ کے نام سے مشہور ہوا۔ صحیفہ کے اکثر فریق عہد شکنی کر چکے تھے، لیکن ابھی تک مسلمانوں کی طرف سے انفساخ کا اعلان نہیں ہوا تھا۔ اس سے اندازہ کرو کہ قرآن نے وفائے عہد کا، اگرچہ مخالفوں کے ساتھ ہو، اگرچہ اسکی وجہ سے اپنوں کی مدد نہ کی جا سکے، کس درجہ لحاظ رکھا ہے؟

(ز) فرمایا کہ درجہ کے لحاظ سے جو مقام دو پہلی جماعتوں کا ہے، وہ دوسروں کا نہیں ہو سکتا، یعنی مکہ کے ان مہاجرین کا جنہوں نے حق کی خاطر گھر بار چھوڑا اور جان و مال سے جہاد کیا، اور مدینہ کے ان انصار کا جنہوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی مددگاری کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اولئک ھم المومنون حقا: چنانچہ دوسری جگہ فرمایا۔ والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار الخ (۹: ۱۰۰) اور سورۂ حشر میں انہی دو جماعتوں کی طرف اشارہ کیا ہے: للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم۔ اور والذین تبوؤا الدار

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا
فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ○ فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ ۴
فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ
فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ وَإِنْ أَحَدٌ ۵
مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ
قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ○ ع كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ ۶

ہاں مشرکوں میں سے وہ لوگ کہ تم نے اُن سے معاہدہ کیا تھا، پھر انہوں نے (قول قرار نبا ہنے میں) کسی طرح کی کمی نہیں کی اور نہ ایسا کیا کہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی ہو، اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ پس چاہئے کہ ان کے ساتھ جتنی مدت کے لئے عہد ہوا ہے، اتنی مدت تک اُسے پورا کیا جائے۔ اللہ انہیں دوست رکھتا ہے جو (ہر بات میں) متقی ہوتے ہیں۔

پھر جب حرمت کے مہینے گزر جائیں، تو (جنگ کی حالت قائم ہوگئی) مشرکوں کو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو، اور جہاں کہیں ملیں گرفتار کر لو۔ نیز ان کا محاصرہ کرو، اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو پھر اگر ایسا ہو کہ وہ باز آجائیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان سے کسی طرح کا تعرض نہ

عہد شکنی برداشت نہ کریں چنانچہ دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے کوچ کیا، اور بغیر کسی قابل ذکر خونریزی کے مکہ کی فتح مبین ظہور میں آگئی فتح کے بعد سنہ ۹ ہجری میں اس سورت کی ابتدائی آیتیں تیس یا چالیس تک نازل ہوئیں اور پیغمبر اسلام نے حضرت ابوبکر اور حضرت علی کو ذیقعدہ میں مکہ بھیجا کہ حج کے موقعہ پر بطور اعلان عام کے یہ آیات مشتہر کر دیں۔ خلاصہ ان کا یہ ہے:

(ا) جن جماعتوں نے بدعہدی کی، ان کے ساتھ اب کوئی معاہدہ نہیں رہا۔ تاہم اچانک ان پر حملہ نہیں کیا جاتا۔ چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے جو حج کے دن سے شروع ہوگی اور ۱۰ ربیع الآخر ختم ہوگی۔ اس عرصہ میں انہیں نقل و حرکت کا پورا امن حاصل ہوگا۔ لیکن اس کے بعد جنگ کی حالت تصور کی جائیگی

(ب) لیکن جن جماعتوں نے بدعہدی نہیں کی، تو ان کا معاہدہ اپنی جگہ پر قائم ہے۔

(ج) حرم کعبہ اب شرک کی تمام آلودگیوں سے پاک کر دیا گیا ہے جو مشرکین عرب نے پیدا کر دی تھیں پس آئندہ یہ عبادت گاہ صرف اہل توحید و ایمان کے لئے ہوگی۔ کوئی مشرک آئندہ سال سے اس کا قصد نہ کرے (آیت ۲۸)

سورت کا بقیہ حصہ بھی سنہ ۹ ہجری ہی میں غزوہ تبوک کے اثناء میں اور اس کے بعد نازل ہوا تھا۔

کیا جائے بلاشبہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا، رحمت والا ہے! ۵
اور (اے پیغمبر!) اگر مشرکوں میں سے کوئی آدمی آئے اور تم سے امان مانگے تو اُسے ضرور امان دو۔ یہاں تک کہ وہ (اچھی طرح) اللہ کا کلام
سن لے پھر اُسے (بہ امن) اس کے ٹھکانے پہنچا دو یہ بات اس لئے ضروری ہوئی کہ یہ لوگ (دعوتِ حق کی حقیقت کا) علم نہیں رکھتے ۶

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ (ان) مشرکوں کا عہد اللہ اور

(۲) یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہاں لڑائی کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا

التوبة (۹)

مدنی - ۱۲۹ - آیتیں

۱ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؕ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ
۲ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ○ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ
اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ
۳ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○

(مسلمانو!) جن مشرکوں کے ساتھ تم نے (صلح و امن کا) معاہدہ کیا تھا، اب اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بری الذمہ ہونے کا ان کے لئے اعلان ہے، کہ "چار مہینے تک ملک میں چلو پھرو (کوئی روک ٹوک نہیں۔ اس کے بعد جنگ کی حالت قائم ہو جائے گی) اور یاد رکھو، تم کبھی اللہ کو عاجز نہ کر سکو گے، اور اللہ منکروں کو (پیروانِ حق کے ہاتھوں) ذلیل کرنے والا ہے"۔

اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج کے بڑے دن عام منادی کی جاتی ہے کہ اللہ مشرکوں سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی۔ (یعنی اب کوئی معاہدہ اللہ کے نزدیک باقی نہیں رہا اور نہ اس کا رسول کسی معاہدہ کے لئے ذمہ دار ہے) پس اگر تم (اب بھی ظلم و شرارت سے) توبہ کر لو۔ تو تمہارے لئے اس میں بہتری ہے، اور اگر نہ مانو گے تو جان رکھو، تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور (اے پیغمبر!) جو لوگ کفر کی راہ چل رہے ہیں، انہیں عذابِ دردناک کی خوشخبری سنا دو!

(۱) کوئی شخص کتنے ہی مخالفانہ ارادے سے مطالعہ کرے
لیکن تاریخ اسلام کے چند واقعات اس درجہ واضح اور قطعی ہیں
کہ ممکن نہیں، ان سے انکار کیا جا سکے ازانجملہ یہ کہ جو جماعتیں
پیغمبر اسلام کی مخالف تھیں، ان کے تمام کام اول سے لیکر آخر
۱ تک ظلم و تشدد، دغا و فریب، وحشت و خونخواری پر مبنی رہے،
اور پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں نے جو کچھ کیا، اس کا ایک
ایک فعل صبر و تحمل، راستی و دیانت، اور عفو و بخشش کا اعلیٰ سے
اعلیٰ نمونہ تھا۔ مظلومی میں صبر، مقابلہ میں عزم، معاملہ میں راست
بازی، طاقت و اختیار میں درگزر، تاریخ انسانیت کے وہ
نوادر ہیں جو کسی ایک زندگی کے اندر اس طرح بھی یکجا نہیں
۲ ہو سکا۔ جمع ہوئے ہوں۔
قریش مکہ نے جس طرح ظلم و تعدی میں کمی نہیں کی، اسی
طرح بدعہدی میں بھی اپنی مثال چھوڑ گئے۔ آخری معاملہ حدیبیہ کی
صلح کا تھا۔ اس میں ایک طرف مسلمان اور ان کے حلیف تھے
دوسری طرف قریش اور ان کے حلیف مسلمانوں کے ساتھ قبیلہ
خزاعہ شریک ہوا۔ قریش کے ساتھ بنو بکر۔ صلح کی بنیادی شرط
یہ تھی کہ دس برس تک دونوں فریق صلح و امن پر قائم رہیں گے
لیکن ابھی دو برس ہی نہیں گزرے تھے کہ بنو بکر نے خزاعہ پر
حملہ کر دیا۔ اور قریش نے ان کی مدد کی حتیٰ کہ خود سہیل
بن عمر حملہ میں شریک ہوا جس نے معاہدہ حدیبیہ پر دستخط کئے
تھے، بنو خزاعہ نے خانہ کعبہ میں پناہ لی اور خدا کے نام پر امان
مانگی، اس پر بھی بے دریغ قتل کئے گئے تھے۔ صرف چالیس
آدمی بچ کر مدینہ پہنچے، اور پیغمبر اسلام کو اپنا حالِ زار
سنایا۔
۳ اب معاہدہ کی رو سے پیغمبر اسلام کا فرض ہو گیا کہ قریش کی

لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ۝ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۱۰
وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ ۗ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ○ وَإِن نَّكَثُوا أَيْمَانَهُم ۱۱
مِّن بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ
يَنتَهُونَ ○ أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ ۱۲
أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ ۱۳

کسی مومن کے لئے نہ تو قرابت کا پاس کرتے ہیں،
نہ عہد و قرار کا۔ یہی لوگ ہیں کہ ظلم میں حد سے
گزر گئے ہیں۔ ۱۰
بہر حال اگر یہ باز آئیں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ
ادا کریں، تو (پھر ان کے خلاف تمہارا ہاتھ نہیں اٹھنا
چاہئے۔ وہ) تمہارے دینی بھائی ہو گئے۔ ان لوگوں
کے لئے جو جاننے والے ہیں، ہم اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔ ۱۱
اور اگر یہ اپنے عہد و پیمان جو خود کر چکے ہیں، توڑ ڈالیں، اور تمہارے دین کو برا بھلا کہیں،
تو پھر (اس کے سوا چارہ نہیں کہ ان) کفر کے سرداروں سے جنگ کرو۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی سوگند
سوگند نہیں (اور تمہیں جنگ اس لئے کرنی چاہئے) تاکہ یہ (ظلم و بد عہدی سے باز آ جائیں۔ ۱۲
(مسلمانو!) کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں
کرتے جنہوں نے اپنے عہد و پیمان کی قسمیں توڑ ڈالیں،
جنہوں نے اللہ کے رسول کو اس کے وطن سے نکال
باہر کرنے کے منصوبے کئے، اور پھر تمہارے بر
خلاف لڑائی میں پہل بھی انہی کی طرف سے ہوئی؟
کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ (اگر ڈرتے ہو تو تم مومن
نہیں۔ کیونکہ) اگر مومن ہو تو اللہ سبحانہٗ کا
زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا ڈر تمہارے دلوں میں
بسا ہو! ۱۳

اور جب جانے لگے تو اسے اس کے ٹھکانے بحفاظت پہنچا دیا جائے تاکہ اپنے امن کی جگہ پہنچ کر آزادی و اختیار کے ساتھ غور و فکر کرے اور جو راہ چاہے اختیار کرے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دین کے بارے میں تقلید کافی نہیں۔ فہم و اذعان ضروری ہے، ورنہ قرآن کا سنانا اور پھر غور و فکر کی مہلت دینا ضروری نہ ہوتا۔ یا در ہے قرآن جس طرح اس معاملہ میں جبر کی پرچھائیں بھی دیکھنا نہیں چاہتا اسی طرح تقلیدی اعتقاد کا بھی روادار نہیں۔

(۶) آیت (۷) سے لے کر (۱۳) تک یہ حقیقت واضح کی ہے کہ دشمنوں کی پے در پے عہد شکنیوں اور ظلم و عداوت کی انتہا نے کس طرح اس اعلانِ جنگ کو ناگزیر کر دیا تھا۔ فرمایا جن لوگوں نے بار بار عہد کئے اور بار بار خلاف ورزی کی اور پھر صلح حدیبیہ کا آخری عہد بھی اس ظالمانہ طریقہ پر پامال کیا، اب ان کا عہد کیونکر عہد سمجھا جا سکتا ہے؟ ہاں جو فریق اس عہد پر قائم رہے تو یقیناً ان کا عہد اپنی جگہ قائم ہے۔ اسلام کسی حال میں بھی بد عہدی جائز نہیں رکھ سکتا۔ فرمایا ان کی دلی عداوت کا یہ حال ہے کہ اگر اب بھی قابو پا جائیں، تو ایک مومن کو زندہ نہ چھوڑیں۔ اگر ایسے لوگوں کے خلاف اعلان جنگ نہ کیا جاتا، تو نتیجہ یہ نکلتا کہ مسلمان دائمی خطرہ میں چھوڑ دیئے جاتے۔

عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ
۷ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا
۸ وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
۹ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

تعلق صرف ان مشرک جماعتوں سے تھا جو عرب میں دعوت اسلام کی پامالی کے لئے لڑ رہی تھیں، نہ کہ دنیا جہان کے تمام مشرکوں کے لئے۔ چنانچہ اول سے لے کر آخر تک خطاب خاص جماعتوں سے ہے اور صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے کہ ان جماعتوں نے کس طرح عہد شکنی کی اور کس طرح خود ہی جنگ کے اعادہ کا باعث ہوئے نیز ظلم و جنگ کی ابتدا کرنے والے بھی وہی ہیں۔

۷ (۳) آیت (۵) سے بات قطعی طور پر واضح ہو گئی کہ حسبا بات کے بعد ایک جماعت مسلمانوں کی جماعت تسلیم کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ زبان سے اسلام کا اقرار کرے اور عمل میں دو باتیں ضرور آ جائیں: نماز کی جماعت کا قیام اور زکوٰۃ کی ادائیگی۔ اگر یہ دو عملی باتیں ایک جماعت میں مفقود ہیں تو اس کا شمار مسلمانوں میں نہ ہوگا۔

اس اعتبار سے ایک فرد کی حالت میں اور ایک جماعت کی حالت میں جو فرق ~~[illegible]~~ چاہئے: اگر ایک فرد قیام صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ میں کوتاہی کرتا ہے تو گنہ گار ہے لیکن اگر ایک جماعت نے بہ حیثیت جماعت کے ترک کر دیا، تو اسلامی زندگی کی بنیادی شناخت کھو دی، اور ~~[illegible]~~ اس لئے اُن کی حیثیت مشتبہ ہوگئی۔

وا اسے سمجھ لینا

ان چند لفظوں میں تمہیں اس تمام نزاع کا فیصلہ مل جا سکتا ہے جو تارک صلوٰۃ کے باب میں چلی آتی ہے، بشرطیکہ غور و فکر سے کام لو۔

۸ (۴) غور کرو جنگ کی سخت سے سخت حالت میں بھی اصل مقصد یعنی ارشاد و موعظت کا دروازہ کس طرح کھلا رکھا؟ اور کس طرح دین و اعتقاد کے معاملہ کو جبر و اکراہ کے شبہ سے بھی بالاتر رکھا گیا؟ آیت (۶) میں فرمایا، ان مشرکوں میں ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جن میں قرآن سننے اور حقیقت حال معلوم کرنے کی خلش پیدا ہو اگر کوئی ایسا آدمی آ جائے، تو عین لڑائی کی حالت

۹ میں بھی اسے بخوشی پناہ دو۔ جب تک رہنا چاہے رہے قرآن سنے

اس کے رسول کے نزدیک عہد ہو؟ ہاں جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے قریب (حدیبیہ میں) عہد و پیمان باندھا تھا (اور انہوں نے اسے نہیں توڑا) تو (ان کا عہد ضرور عہد ہے، اور) جب تک وہ تمہارے ساتھ (اپنے عہد پر) قائم رہیں، تم بھی ان کے ساتھ (اپنے عہد پر) قائم رہو۔ اللہ انہیں دوست رکھتا ہے جو (اپنے تمام کاموں میں) متقی ہوتے ہیں۔

ان مشرکوں کا عہد کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر آج تم پر غلبہ پا جائیں، تو نہ تو تمہارے لئے قرابت کا پاس کریں، نہ کسی عہد و پیمان کا۔ وہ اپنی باتوں سے تمہیں راضی کرنا چاہتے ہیں، مگر ان کے دلوں کا فیصلہ اس کے خلاف ہے اور ان میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں (یعنی راست بازی کے تمام طریقوں اور پابندیوں سے باہر ہو چکے ہیں)

ان لوگوں نے اللہ کی آیتیں ایک بہت ہی حقیر قیمت پر بیچ ڈالیں (یعنی ہوائے نفس کے تابع ہو گئے۔ اور اللہ کی آیتوں پر یقین نہیں کیا) پس اس کی راہ سے لوگوں کو روکنے لگے۔ افسوس ان پر! کیا ہی برا ہے جو یہ لوگ کرتے رہے ہیں!

اس پر غور و فکر کرے

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ

اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰۤئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ ۱۸

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ ۱۹

اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰۤئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ ۲۰

رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ

فی الحقیقت مسجدوں کو آباد کرنے والا تو وہ ہے، جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا، نماز قائم کی زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا اور کسی کا ڈر نہ مانا، جو لوگ ایسے ہیں، انہی سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ (سعادت و کامیابی کی) راہ پانے والے ثابت ہونگے!

۱۸ کیا تم لوگوں نے یوں ٹھہرا رکھا ہے کہ حاجیوں کے لئے سبیل لگا دینی اور مسجد حرام کو آباد رکھنا اسی درجہ کا کام ہے جیسا اس شخص کا کام جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ اللہ کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں اور اللہ کا قانون ہے

۱۹ کہ وہ ظلم کرنے والوں پر (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا۔

جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی، اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، تو یقیناً اللہ کے نزدیک ان کا بہت بڑا درجہ ہے اور وہی ہیں

۲۰ جو کامیاب ہونے والے ہیں!

ان کا پروردگار انہیں اپنی رحمت اور کامل خوشنودی کی بشارت دیتا ہے۔ نیز ایسے باغوں

قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ ان کی رسوائی اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ کے لئے ثبت ہو گئی اور پھر مسلمانوں کے دلوں کو مظلومیت و بے چارگی کے سارے دکھوں سے کیسی شفا کامل ملی کہ پچیس برس کے اندر وہ کرہ زمین کی سب سے بہتر اثر مبت طاقت تسلیم کر لیے گئے! قوم بن گئے!

(۹) آیت (۱۷) سے سلسلہ بیان ایک دوسرے معاملہ کی طرف متوجہ ہوا ہے، جس کا اس موقعہ پر اعلان کیا گیا تھا، اور فی الحقیقت اس صورت حال کا لازمی نتیجہ تھا۔ یعنی خانہ کعبہ کی مستقل حیثیت فرمایا، یہ پرستاران توحید کی عبادت گاہ تھی، اور اب آئندہ بھی انہی کے لئے مخصوص رہیگی۔ مشرکوں کو یہ حق نہیں کہ اسے اپنے مشرکانہ اعمال و رسوم سے ملوث کریں۔ چنانچہ اوپر گذر چکا ہے کہ سنہ ۹ ہجری کے حج میں حضرت علی نے جن امور کا اعلان عام کیا، ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ آئندہ سال سے [redacted]۔ اور اسی حکم کی یہ تمہید ہے جو آیت مذکور سے شروع ہوئی ہے۔

(۱۰) قریش مکہ کو خانہ کعبہ کی مجاوری اور حاجیوں کی کاروبار کے منصرم ہونے کا بڑا غرور تھا۔ اور جب ایک جماعت اعتقاد و عمل کی حقیقت سے محروم ہو جاتی ہے، تو اسی طرح کے رسوم و مظاہر کو ہر طرح کی بزرگی و سعادت کا ذریعہ سمجھنے لگتی ہے۔ چنانچہ آج کل مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے کسی بزرگ کی سجادہ نشینی، کسی مزار کی مجاوری کسی زیارت گاہ کا متولی ہونا، جو اثر و رسوخ رکھتا ہے، وہ بڑے سے بڑے اور بہتر سے بہتر مومن و متقی کو بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایک صالح و متقی مسلمان کو کوئی نہیں پوچھے گا، لیکن ایک [redacted] مجاور یا متولی درگاہ کی ہزاروں آدمی قدم بوسی کرینگے!

یہاں اسی گمراہی کا ازالہ کیا ہے۔ فرمایا۔ اصلی نیکی یہ نہیں ہے کہ حاجیوں کو پانی پلانے کی سبیل لگا دی یا خانہ کعبہ میں روشنی کر دی

١٤ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۙ

١٥ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ؕ وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ

١٦ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلَا رَسُولِهٖ وَلَا

الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ اَنْ يَّعْمُرُوا مَسٰجِدَ ع

١٧ اللّٰهِ شٰهِدِينَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُونَ ۝

آیت (١٣) میں فرمایا، یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے۔ اس کی ابتدا کس نے کی؟ کس نے مظلوموں کو جلاوطنی پر مجبور کیا اور کون فوج لے کر ان پر حملہ آور ہوا؟ یہی لوگ تھے جو سب کچھ کرتے رہے اب اگر ہم ان کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوئے ہیں تو اس کی ذمہ داری اُنہی پر ہے۔

(٧) پھر غور کرو قرآن ہر جگہ اس جنگ کا مقصد کیا قرار دیتا

١٤ ہے جس کی اس نے اجازت دی تھی؟ آیت (١٢) میں فرمایا

لعلھم ینتھون "تاکہ ظلم و بدعہدی سے باز آجائیں" اسی طرح سورۂ انفال کی آیت (٥٧) میں گزر چکا ہے۔ لعلھم

١٥ یذکرون "تاکہ عبرت پذیر ہوں" یعنی یہ دفاعی جنگ بھی انتقام کے خیال سے یا دنیوی انتفاع و تغلب کے لئے نہیں ہے بلکہ محض اس لئے ہے کہ [illegible] و تشدد اپنی بدکرداریوں سے باز آجائیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ناگزیر حالت سے زیادہ ایک لمحہ کے لئے بھی قرآن نے جنگ کا قیام جائز نہیں رکھا، اور پے عہد شکنیوں اور سخت سے سخت مظالم کے بعد بھی دشمنوں پر دروازہ کبھی بند نہیں کیا۔

(٨) آیت (١٤) میں چھ باتیں فرمائی تھیں:

(ا) تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب ملے گا۔

(ب) وہ رسوا ہونگے۔

١٦ (ج) تم فتح مند ہوگے۔

(د) مومنوں کے دلوں میں اپنی مصیبتوں اور اندوہوں کے جتنے دکھ ہیں، سب دور ہو جائیں گے۔

(ہ) ان کے دلوں جلن نکل جائیگی۔

(و) جنہیں توبہ ملنی ہے، وہ تائب ہونگے

چنانچہ غور کرو، کس طرح یہ تمام باتیں حرف بحرف پوری ہوئیں، مشرکین عرب کی ہستی ہمیشہ کے لئے مٹ گئی! انہی مسلمانوں

١٧ کے ہاتھوں جو بیس[٢٠] برس تک ان مظالم سہتے رہے تھے' ان کی

(مسلمانو!) ان سے (بلا تامل) جنگ کرو۔ اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب دیگا، انہیں رسوائی میں ڈالے گا، ان پر تمہیں فتح مند کرے گا، اور جماعت مومنین کے دلوں کے سارے دکھ دور کر دے گا، ان کے دلوں کی جلن باقی نہیں رہے گی۔ اور پھر جس پر چاہے گا، اپنی رحمت سے لوٹ آئے گا۔ اللہ سب کچھ جانتا اور (اپنی ہر بات میں) حکمت رکھنے والا ہے!

(مسلمانو!) کیا تم نے ایسا سمجھ رکھا ہے کہ تم اتنے ہی میں چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تو اللہ نے ان لوگوں کو پوری طرح آزمایش میں ڈالا ہی نہیں، جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہے اور اللہ، اس کے رسول، اور مومنوں کو چھوڑ کر کسی کو اپنا پوشیدہ دوست نہیں بنایا ہے (یاد رکھو) جیسے کچھ بھی تمہارے اعمال ہیں، خدا ان سب کی خبر رکھنے والا ہے!

مشرکوں کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں، ایسی حالت میں کہ وہ خود اپنے کفر کا اعتراف کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سارے عمل اکارت گئے، اور وہ عذاب آتش میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۲۵
سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ ۲۶
رَّحِيْمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ ۲۷
بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ

نہیں رکھتیں۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ آج کل مسلمانوں کی عام مذہبی ذہنیت کس درجہ اسلام سے دور ہوگئی ہے۔ جاہلیت عرب کی طرح وہ بھی رواجی نیکیوں کو حقیقی اسلامی نیکیوں پر ترجیح دینے لگے ہیں اگر ایک [illegible] امیر محرم میں سبیل لگا دیتا ہے یا ربیع الاول میں دھوم دھام سے مولود کی مجلس کر دیتا ہے یا کسی مسجد اور درگاہ میں بجلی کی روشنی کرا دیتا ہے تو تمام مسلمان اس کی حمد و ثنا کا غلغلہ مچا دیتے ہیں اور کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ اس کے ایمان و عمل اور ایثار فی اللہ و للہ کا کیا حال ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیے کہ رواجی نیکیاں اللہ کے نزدیک نیکیاں نہیں ہیں نیکی کا معیار صرف ایمان و عمل اور ایمان و عمل کی راہ میں ایثار ہے۔

(۲۴) اوپر گزر چکا ہے کہ یہ سورت سنہ ۹ ھ میں نازل ہوئی تھی، اور ابتدائی آیتیں سال کے آخری مہینوں یعنی حج کے مہینوں میں اعلان عام کی غرض سے مشتہر کی گئیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ مکہ فتح ہو چکا تھا، جنگ حنین نے دشمنوں کی رہی سہی قوت بھی ختم کر دی تھی، غزوۂ تبوک میں تیس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی تھی، اور جزیرۂ عرب میں مسلمانوں کے سوا اور کوئی قوت نظر نہیں آتی تھی۔ تاہم صورت حال کے بعض پہلو ایسے تھے جو کمزوری سے خالی نہ تھے

(۱) مکہ کے طلقاء کا ایک بڑا گروہ نیا نیا مسلمانوں میں داخل ہوا تھا یعنی ان باشندگان مکہ کا جنہیں پیغمبر اسلام نے عفو و بخشش کی ایک بے نظیر مثال قائم کرتے ہوئے فتح مکہ کے دن آزاد کر دیا تھا اور فرمایا تھا: انتم الطلقاء آج تم سے کوئی باز پرس نہیں۔ یہ ابھی اسلامی زندگی کی پختگی کے محتاج تھے اور ان میں سے بہتوں کے عزیز و اقربا دشمنوں میں ملے ہوئے تھے۔ جب اعلان جنگ ہوا، تو انہیں اپنے قرابت داروں کی فکر ہوئی۔ بعضوں نے جاہلیت کے نسبی اور خاندانی عصبیت کی صدا بھی بلند کی، جو ابھی پوری طرح ان کے دلوں سے محو نہیں ہوئی

محض اپنی کثرت سے میدان مار لوگے) تو دیکھو، وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین اپنی ساری وسعت پر بھی تمہارے لئے تنگ ہوگئی۔ بالآخر ایسا ہوا کہ
۲۵ تم میدان کو پیٹھ دکھا کر بھاگنے لگے۔

پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی جانب سے دل کا سکون و قرار نازل فرمایا، اور ایسی فوجیں اتار دیں جو تمہیں نظر نہیں آتی تھیں، اور (اس طرح) ان لوگوں کو عذاب دیا جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی، اور یہی جزا ہے ان لوگوں کی جو کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں! (یعنی ان کی بد
۲۶ عملی کا لازمی نتیجہ یہی ہے)۔

پھر اس کے بعد اللہ جس پر چاہے گا، اپنی رحمت سے لوٹ آئے گا (یعنی توبہ قبول کرے گا)
۲۷ اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا ہے!

مسلمانو! حقیقت حال اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ مشرک نجس ہیں (یعنی شرک نے ان کے دلوں کی پاکی سلب کر لی ہے) پس چاہیے کہ اب اس برس کے بعد (یعنی سنہ ۹ ہجری کے بعد سے) مسجد حرام کے نزدیک نہ آئیں، اور اگر تم کو ان کی آمد و رفت کے بند ہو جانے

٢١-٢٢ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۝ خٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ عِندَهُۥٓ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا
لَا تَتَّخِذُوٓا ءَابَآءَكُمْ وَإِخْوٰنَكُمْ أَوْلِيَآءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمٰنِ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ
٢٣ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ۝ قُلْ إِن كَانَ ءَابَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوٰنُكُمْ وَأَزْوٰجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ
وَأَمْوٰلٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجٰرَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللّٰهِ
وَرَسُولِهِۦ وَجِهَادٍ فِى سَبِيلِهِۦ فَتَرَبَّصُوا حَتّٰى يَأْتِىَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِۦ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ
ع ٣ ٩ ٢٤ الْفٰسِقِينَ ۝ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِى مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۙ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ

اصلی نیکی تو اس کی ہے جو ایمان لایا، اور جس نے اعمالِ حسنہ
٢١ انجام دئے۔
(١١) نیز یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ خدا کی عبادت گاہ
٢٢ کی تولیت کا حق متقی مسلمانوں کو پہنچتا ہے اور وہی اسے آباد
رکھنے والے ہو سکتے ہیں یہاں سے بات معلوم ہو گئی کہ فاسق و فاجر
آدمی مساجد کا متولی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دونوں میں کوئی
مناسبت باقی نہیں رہتی بلکہ متضاد باتیں جمع ہو جاتی ہیں
مسجد خدا پرستی کا مقام ہے، اور متولی خدا پرستی سے نفور!
٢٣ (١٢) آیت (١٨) میں مومن صادق کی جو تعریف بیان کی
اس میں ایمان باللہ اور قیام صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کے ساتھ یہ
بھی فرمایا کہ "اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ مانا" اس سے معلوم
ہوا کہ قرآن کے نزدیک اسلام کے فکری و عملی ارکان میں سے ایک
رکن یہ بھی ہے، اور جس دل میں ماسوی اللہ کی دہشت ہو
وہ پورا مسلمان نہیں۔

کی جہاں ان کے لئے ہمیشگی کی نعمت ہو گی اور وہ
ان میں ہمیشہ رہنے والے ہونگے۔ یقیناً اللہ کے پاس
(نیک کرداروں کے لئے) بہت بڑا اجر ہے!
مسلمانو! اگر تمہارے باپ اور تمہارے بھائی
ایمان کے مقابلہ میں کفر کو عزیز رکھیں، تو انہیں اپنا
رفیق و کارساز نہ بناؤ۔ اور جو کوئی بنائے گا، تو ایسے
ہی لوگ ہیں جو (اپنے اوپر) ظلم کرنے والے ہیں!
اے پیغمبر! مسلمانوں سے کہدے "اگر ایسا ہے
کہ تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی تمہاری
بیویاں، تمہاری برادری، تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے
تمہاری تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے ڈرتے ہو،
تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں اس قدر پسند ہیں، یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ سے اس کے رسول سے
اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں، تو (کلمۂ حق تمہارا محتاج نہیں) انتظار کرو۔ یہاں
تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے آ جائے، اور اللہ (کا مقررہ قانون ہے کہ وہ) فاسقوں پر
٢٤ (کامیابی و سعادت کی) راہ نہیں کھولتا!

(١٣) آیت (٢٠) میں واضح کر دیا کہ اللہ کے نزدیک بزرگی و فضیلت کا معیار کیا ہے
فرمایا سب سے بڑا درجہ انہی کا ہے جنہوں نے سچائی کی راہ میں ہر طرح کی قربانیاں
کیں اور ایمان و عمل کی آزمائش میں پورے اترے تمہارے گھڑے ہوئے مقدس
و بزرگی کے مناصب اور رواجی بڑائیاں اللہ کے نزدیک کوئی حقیقت

(مسلمانو!) یہ واقعہ ہے کہ اللہ بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کر
چکا ہے (جبکہ تمہیں اپنی قلت و کمزوری سے کامیابی کی امید نہ تھی) اور
جنگ حنین کے موقعہ پر بھی جبکہ تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے اور سمجھے تھے کہ

٣٠ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ
٣١ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝
٣٢ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝
هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ
٣٣ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ
النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ

اور علاقہ بھی لب آسکتے یہاں آٹھ چیزوں کا ذکر کیا ہے اور اگر غور کرو گے تو ایک متمدن زندگی کے تمام علائق ان میں آسکتے ہیں نیز جس ترتیب سے ذکر کیا ہے علائق کی گہرائیوں کی قدرتی ترتیب یہی ہے۔

فرمایا، انسان کی مدنی زندگی کی الفتوں کے یہ رشتے یہی ہیں اور اپنی جگہ سب مطلوب و ضروری ہیں لیکن اگر محبت ایمانی میں اور ان میں مقابلہ ہو جائے، تو پھر مومن وہ ہے جس پر ان تمام الفتوں میں سے کسی الفت کا بھی جادو چل نہ سکے۔ اور کوئی علاقہ بھی اسے اتباع حق سے روک نہ سکے!

غور کرو، قرآن فطرت انسانی کی کمزوری کا کس طرح کھوج لگاتا ہے؟ فرمایا۔ اور تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا تمہیں ڈر لگا رہتا ہے یعنی عزائم و مقاصد کی راہ میں جب کبھی قدم اٹھایا جائے گا تو ناگزیر ہے کہ صورت حال میں انقلاب ہو، اور جب انقلاب ہوگا، خواہ جنگ کی صورت میں ہو، خواہ کسی دوسری صورت میں، تو عارضی طور پر کاروبار ضرور بگڑے گا، مال و جائداد کے لیے خطرات ضرور پیدا ہوں گے، اور یہی بات مال و دولت کے پرستاروں پر ہمیشہ شاق گذرتی ہے، وہ کہتے ہیں ہمارا کاروبار خراب ہو جائے گا اور نہیں جانتے کہ اگر راہ حق میں استقامت دکھائیں تو جو کچھ خراب ہوگا، وہ بہت تھوڑا ہوگا، اور پھر جو کچھ بنے گا وہ بہت زیادہ ہوگا وان اللہ عندہ اجر عظیم!

محبت ایمانی کی اس آزمائش میں صحابہ کرام جس طرح پورے اترے اس کی شہادت تاریخ نے محفوظ کر لی ہے اور محتاج بیان نہیں بلا شائبہ مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہوگا جیسا صحابہ نے اللہ کے رسول سے راہ حق میں کیا۔ انہوں نے اس محبت کی راہ میں سب کچھ قربان کر دیا جو انسان کر سکتا ہے اور پھر اسی کی راہ سے سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پا سکتی ہے،

٣٠ جا رہے ہیں۔
ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ
کو پروردگار بنا لیا۔ اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی حالانکہ
انہیں جو کچھ حکم دیا گیا تھا، وہ اس کے سوا کچھ نہ تھا
کہ ایک خدا کی بندگی کرو۔ کوئی معبود نہیں ہے۔ مگر
وہی اس کی پاکی ہو اس ساجھے سے جو یہ اس کی ذات
٣١ میں لگا رہے ہیں!
یہ لوگ چاہتے ہیں اللہ کی روشنی اپنی پھونکوں
سے بجھا دیں حالانکہ اللہ یہ روشنی پوری کئے بغیر رہنے
٣٢ والا نہیں اگرچہ کافروں کو پسند نہ آئے!
(ہاں) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو حقیقی ہدایت، اور
سچے دین کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ اس دین کو تمام (ٹھہرائے
ہوئے) دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکوں کو ایسا
٣٣ ہوتا پسند نہ آئے!
مسلمانو! یاد رکھو (یہودیوں اور عیسائیوں کے) علماء
اور مشائخ میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو لوگوں
کا مال ناحق ناروا کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے انہیں روکتے
ہیں اور جو لوگ چاندی سونا اپنے ذخیروں

خفتم عيلة فسوف يغنيكم الله من فضله ان شاء ان الله عليم حكيم ۝ قاتلوا الذين
لا يؤمنون بالله ولا باليوم الآخر ولا يحرمون ما حرم الله ورسوله ولا يدينون
دين الحق من الذين اوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون ۝ و ع ۵ ۲۹
قالت اليهود عزير ابن الله وقالت النصرى المسيح ابن الله ذلك قولهم بافواههم
يضاهؤن قول الذين كفروا من قبل قاتلهم الله

تھی

(ب) منافق اور کچے دل کے آدمی بھی ابھی باقی تھے وہ کہنے لگے اب جنگ کے اعلان کی ضرورت کیا ہے؟ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔

(ج) عام مسلمانوں میں بھی فتح و عروج کی وجہ سے کچھ نہ کچھ
۲۸ بے پرواہی سی پیدا ہوگئی تھی۔ لوگ خیال کرتے ہونگے اب تو تمام عرب کلمۂ حق کے آگے جھک رہا ہے اور دشمنوں میں کچھ دم خم باقی نہیں رہا۔ حالانکہ مشیت الٰہی نے عروج اسلام کا جو نقشہ کھینچا تھا۔ وہ کچھ اور ہی تھا، اور اس موقعہ پر طبیعتوں کی بے پروائی نہ صرف مستقبل کے لئے بلکہ موجودہ حالت کے لئے بھی خطرے سے خالی نہ تھی۔

پس ضروری تھا کہ مسلمانوں کو ایمان و عمل کے عزائم کی از سر نو تلقین کی جائے، اور یاد دلایا جائے کہ آزمائش ابھی ختم نہیں ہوئی ہے، بلکہ شروع ہوئی ہے ازانجملہ اس اعلان جنگ کی آزمائش ہے جسے دشمنوں کے عند و فریب نے ناگزیر کر دیا ہے اور ملک کے امن و امان کا استحکام اس کے بغیر ممکن نہیں۔

چنانچہ پہلے آیت (۶) میں فرمایا تھا، ایسا نہ سمجھو کہ تم
۲۹ اتنے ہی میں چھوڑ دئے جاؤ گے جتنا کچھ ہو چکا ہے، بلکہ ابھی ایمان و عمل کی آزمائشیں باقی ہیں۔ اب یہاں سچے مومنوں کی فضیلت بیان کرنے کے بعد آیت (۲۳) میں خصوصیت کے ساتھ توجہ دلائی کہ ایمان کا دعویٰ اور مومنوں کے دشمنوں سے موالات ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اگر باپ اور بھائی بھی دشمنوں میں سے ہوں، جب بھی تمہیں ان سے کوئی علاقہ نہیں رکھنا چاہئے۔

(ھ) آیت ۲۴ نہات مواعظ میں سے ہے اور اس باب میں قطعی ہے کہ اگر حب ایمانی و غیر ایمانی میں مقابلہ ہو جائے تو مومن وہ ہے جس کی حب ایمانی پر دنیا کی کوئی محبت

سے) فقر و فاقہ کا اندیشہ ہو (کہ وہ ہر طرح کی ضروری چیزیں باہر سے لاتے اور تجارت کرتے ہیں) تو گھبراؤ نہیں۔ اللہ چاہے گا تو عنقریب تمہیں اپنے فضل سے تونگر کر دے گا اللہ سب کچھ جانتا اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے!

اہل کتاب میں سے جن لوگوں کا یہ حال ہے کہ نہ تو خدا پر (سچا) ایمان رکھتے ہیں، نہ آخرت کے دن پر۔ نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے (ان کی کتاب میں) حرام ٹھہرا دیا ہے اور نہ سچے دین ہی پر عمل پیرا ہیں، تو (مسلمانو!) ان سے (بھی) جنگ کرو۔ یہاں تک کہ وہ اپنی خوشی سے جزیہ دینا قبول کر لیں اور حالت ایسی ہو جائے کہ ان کی سرکشی ٹوٹ چکی ہو۔

اور یہودیوں نے کہا عزیز اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کی باتیں ہیں محض ان کی زبان سے نکالی ہوئی (ورنہ سمجھ بوجھ کر کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتا) ان لوگوں نے بھی انہی کی سی بات کہی جو ان سے پہلے کفر کی راہ اختیار کر چکے ہیں۔ ان پر اللہ کی لعنت! یہ کدھر کو بھٹکے

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَہٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَہٗ عَامًا
لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰہُ ؕ زُیِّنَ لَہُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِہِمْ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ
۳۷ ع الْکٰفِرِیْنَ ۝ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اثَّاقَلْتُمْ
اِلَی الْاَرْضِ ؕ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَۃِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی
۳۸ الْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیْلٌ ۝

اصلی چیزوں کی استعداد ہے اور وہ موجود ہو تو مٹھی بھر انسان سینکڑوں انسانوں پر غالب آجا سکتے ہیں۔

فرمایا۔ اللہ نے تمہیں بہت سی جنگوں میں نصرت دی حالانکہ تم بہت تھوڑے تھے اور ڈرتے تھے کہ کامیابی نہیں ہو گی۔ اور پھر حنین کے دن بھی فتحمندی دی جبکہ تمہیں اپنی کثرت تعداد کا غرہ تھا، اور کثرت تعداد نے کچھ کام نہیں دیا تھا۔

(۱۷) آیت (۲۸) میں اسی حکم کا ذکر ہے جو اوپر گذر چکا ہے یعنی آئندہ سے کوئی مشرک اس عبادت گاہ میں جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے خدائے واحد کی پرستش کے لئے بنائی تھی۔ داخل نہ ہو سکے گا' اور یہ مقام امت مسلمہ کے لئے مرکز ہدایت بن کر رہے گا جیسا کہ فی الحقیقت اُسے ہونا تھا۔

(۱۸) اس آیت میں مشرکوں کے نجس ہونے سے مقصود ان کی قلبی نجاست ہے' نہ کہ جسمانی، کیونکہ اسلام کسی انسان کے جسم کو ناپاک نہیں قرار دیتا' اور ہر انسان کو انسان ہونے کے لحاظ سے ایک درجہ پر رکھتا ہے' اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے چھوت چھات کی ہر قسم اور ہر شکل کو ناجائز قرار دیا ہے' خود پیغمبر اسلام کا یہودیوں اور مشرکوں سے ہر طرح کی معاشرت رکھنا، ایک ساتھ کھانا پینا، ان کی دعوتوں میں جانا اور انہیں دعوتوں میں بلانا، حتیٰ کہ انہیں مسجد کے اندر ٹھہرانا ثابت ہے۔

(۱۹) بالاتفاق یہ حکم صرف خانہ کعبہ سے تعلق رکھتا ہے۔ عام مساجد میں غیر مسلموں کے لئے کوئی شرعی روک نہیں چنانچہ پیغمبر اسلام نے یمن کے عیسائیوں اور طائف کے مشرکوں کو اپنی مسجد میں ٹھہرایا تھا۔

سب سے بلا استثناء جنگ کرتے ہیں' اور (ساتھ ہی) یاد رکھو کہ اللہ انہی کا ساتھی ہے جو (ہر حال میں)
۳۶ تقویٰ والے ہیں۔

نسئ (یعنی مہینے کو اس کی جگہ سے پیچھے ہٹا دینا جیسا کہ جاہلیت میں دستور ہو گیا تھا) اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کفر میں
مڑھ جاتا
کچھ اور [redacted] ہے اس سے کافر گمراہی میں پڑتے ہیں' ایک ہی مہینے کو ایک برس حلال سمجھ لیتے ہیں (یعنی اس میں لڑائی جائز کر دیتے ہیں) اور پھر اسی کو دوسرے برس حرام کر دیتے ہیں (یعنی اس میں لڑائی ناجائز کر دیتے ہیں) تاکہ اللہ نے
ٹھہرا دی
حرمت کے مہینوں کی جو گنتی مقرر کر دی ہے اسے اپنی گنتی سے مطابق کر کے اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینوں کو حلال کر لیں۔ ان کی نگاہوں میں ان کے برے کام خوشنما ہو کر دکھائی دیتے ہیں' اور اللہ (کا قانون ہے کہ وہ) منکرین حق
۳۷ پر (کامیابی و سعادت کی) راہ نہیں کھولتا۔

مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے' اللہ کی راہ میں قدم اٹھاؤ' تو تمہارے پاؤں بوجھل ہو کر زمین پکڑ لیتے ہیں! کیا آخرت چھوڑ کر صرف دنیا کی زندگی ہی پر ریجھ گئے ہو؟ (اگر ایسا ہی ہے) تو (یاد رکھو) دنیا کی زندگی کی متاع
۳۸ تو آخرت کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے۔ [illegible] ! کہ تھوڑا سا فائدہ اٹھا لینا۔

اس کے سوا

۳۴ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى

۳۵ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ

اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً

۳۶ كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

لیکن آج ہمارا حال کیا ہے؟ کیا ہم میں سے کسی کو جرات ہو سکتی ہے کہ یہ آیت سامنے رکھکر اپنے ایمان کا احتساب کرے؟

(۱۶۱) آیت (۲۵) میں جنگ حنین کی طرف اشارہ ہے ۸ھ

۳۴ میں فتح مکہ کے بعد قبیلہ ہوازن اور ثقیف نے بنی نضر اور بنی ہلال کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ تو پیغمبر اسلام مکہ سے نکلے اور حنین نامی وادی میں مقابلہ ہوا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد دشمنوں سے تین گنا زیادہ تھی، اس لئے لوگوں کو اپنی کثرت تعداد کا گھمنڈ ہو گیا تھا کہتے تھے اب وہ دن نہیں رہا کہ تعداد کی کمی کی وجہ سے مغلوب ہو جائیں نتیجہ یہ نکلا کہ وقت پر تعداد کی کثرت کچھ کام نہ آئی۔ اور فتحمندی ہوئی تو محض پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھ مٹھی بھر مسلمانوں کے عزم و ہمت سے۔

مسلمانوں کو پہاڑ کی ایک تنگ گھاٹی سے گزرنا تھا وہاں

۳۵ دشمنوں کے تیرانداز گھات لگائے بیٹھے تھے مسلمانوں کی فوج نے دو ہزار مکہ کے نئے نئے نومسلم اور بعض معاہد مشرک بھی تھے۔

جونہی انہوں نے قدم بڑھایا، دشمنوں نے تیروں پر رکھ لیا۔ اور اچانک ان کے قدم اکھڑ گئے۔ انہیں بھاگتا دیکھ کر تمام لشکر نے بھی بھاگنا شروع کر دیا۔ قریب تھا کہ شکست ہو جاتی مگر اللہ نے پیغمبر اسلام کے قلب مبارک کو اپنے سکون و قرار کی روح سے معمور کر دیا۔ آپ نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ اصحاب سمرہ کو پکاریں یعنی صلح حدیبیہ کے موقعہ پر بیعت رضوان کرنے والوں کو۔ ان کی ندا کا بلند ہونا تھا کہ ہمت و شجاعت کی نئی لہر سب کے دلوں میں دوڑ گئی، اور پھر لوٹ کر اس بے جگری سے حملہ کیا کہ دشمنوں کے قدم اکھاڑ دئے۔

یہ حادثہ فی الحقیقت اللہ کی طرف سے مسلمانوں کی تادیب تھی تاکہ محض کثرت تعداد ہی کو کامیابی کی بنیاد نہ سمجھ لیں۔ بلاشبہ تعداد کی کثرت بھی موجبات فتح میں سے ہے۔ لیکن صرف اسی سے فتحمندی نہیں مل سکتی۔

میں ڈھیر کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے، تو ایسے لوگوں کو عذاب دردناک کی خوشخبری سنا دو!

عذاب دردناک کا وہ دن، جبکہ (ان کا جمع کیا ہوا) سونے چاندی کا ڈھیر دوزخ کی آگ میں تپایا جائیگا۔ اور اس سے ان کے ماتھے، ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور اس وقت کہا جائے گا:) یہ ہے جو تم نے اپنے لئے ذخیرہ کیا تھا۔ سو جو کچھ ذخیرہ کر کے جمع کرتے رہے، اس کا مزہ آج چکھ لو!

اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی بارہ مہینے کی ہے۔ اللہ کی کتاب میں ایسا ہی لکھا گیا جس دن آسمانوں کو اور زمین کو اس نے پیدا کیا (یعنی جب سے اجرام سماویہ بنے ہیں، خدا کا ٹھہرایا ہوا حساب یہی ہے) ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت کے مہینے ہوئے (یعنی رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم، کہ امن کے مہینے سمجھے جاتے تھے اور لڑائی ممنوع تھی) دین کی سیدھی راہ یہ ہے۔ پس ان حرمت کے مہینوں میں (جنگ و خونریزی کر کے) اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، اور چاہیے کہ تمام مشرکوں سے بلا استثناء جنگ کرو، جس طرح وہ تم

خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن ۴۱
بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ وَاللَّهُ
يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَ ۴۲ ع
تَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ۝ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَن يُجَاهِدُوا ۴۳
بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ۴۴

سنہ ۹ھ میں پیغمبر اسلام کو خبر ملی کہ قیصر روم نے یعنی قسطنطنیہ کی مشرقی رومی حکومت نے مدینہ پر حملہ کا حکم دے دیا ہے اور عرب کے عیسائی قبائل بھی شامل ہو گئے ہیں۔ یہ مسلمانوں کے لئے پہلا موقعہ تھا کہ عرب سے باہر کی ایک سب سے بڑی طاقت دشمنانہ حیثیت آمادۂ پیکار ہوئی تھی، اس لئے ضروری تھا کہ بروقت مدافعت کا پورا سامان کیا جاتا۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے تیاری اور کوچ کا اعلان کر دیا۔

لیکن اگر ایک طرف ضرورت ناگزیر تھی تو دوسری طرف وقت کی ساری باتیں ناموافق ہو رہی تھیں۔ مسلمان چند ماہ پہلے جنگ حنین و طائف کی لڑائی میں چور ہو چکے تھے، اور اس سے پہلے فتح مکہ کا معاملہ پیش آ چکا تھا۔ پھر اچانک مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی، اور چونکہ مالی وسائل محدود تھے اور باہمی اشتراک و معاونت کی زندگی تھی، اس لئے تنگی و عسرت سب پر چھائی ہوئی تھی۔ پھر موسم بڑی ہی گرمی کا تھا، اور فصل کاٹنے کا وقت سر پر آ گیا تھا۔ نیز سفر ملک کے اندر نہ تھا۔ اس سے باہر چودہ مرحلوں کا تھا۔ ان سب باتوں نے مل جل کر مسلمانوں کے لئے بڑی ہی مشکلیں پیدا کر دیں، اور قدرتی طور پر ان کے قدم رک رک کر اٹھنے لگے۔ حالت بلاشبہ مجبوری کی تھی، لیکن جب دفاع ملت کی گھڑی آ جائے تو اس طرح کی کوئی مجبوری، مجبوری تسلیم نہیں کی جا سکتی، اور ادائے فرض کی راہ بہرحال آسانیوں اور راحتوں کی راہ نہیں ہے۔ اس میں مشکلیں اور مصیبتیں جھیلنی ہی پڑیں گی البتہ مصیبتیں عارضی ہوں گی اور نتائج کی کامرانیاں دوامی۔

چنانچہ ان آیات میں مسلمانوں کو اسی حقیقت کی تلقین کی گئی ہے۔

مومنین صادقین نے اس دعوت کا کیا جواب دیا؟ اور ساری باتوں کے ناموافق ہونے پر بھی کس جوش و سرگرمی کے

(اے پیغمبر!) اگر تمہارا بلاوا کسی ایسی بات کے
لئے ہوتا جس میں قریبی فائدہ نظر آتا، اور ایسے سفر
کے لئے جو آسان ہوتا، تو (یہ منافق) بلا تامل تمہارے
پیچھے ہو لیتے۔ لیکن انہیں راہ دور کی دکھائی دی (اس
لئے جی چرانے لگے) اور تم دیکھو گے کہ یہ) قسمیں کھا
کر (مسلمانوں سے) کہیں گے، اگر ہم مقدور رکھتے تو ضرور
تمہارے ساتھ نکلتے (افسوس ان پر!) یہ (قسمیں کھا کر
اپنے کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں، اور اللہ جانتا ہے
کہ قطعاً جھوٹے ہیں! ۴۲
(اے پیغمبر!) اللہ تجھے بخشے! تو نے ایسا کیوں
کیا کہ (ان کی منافقانہ عذر داریوں پر) انہیں پیچھے
رہ جانے کی) رخصت دے دی؟ اس وقت تک رخصت
نہ دی ہوتی کہ تجھ پر کھل جاتا، کون سچے ہیں اور
تو معلوم کر لیتا کون جھوٹے ہیں؟ ۴۳
جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان
رکھتے ہیں، وہ کبھی تجھ سے اجازت کے طلبگار نہ
ہوں گے کہ اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے (اللہ کی
راہ میں) جہاد کریں اور اللہ جانتا ہے کہ کون متقی ہیں ۴۴
تجھ سے اجازت طلب کرنے والے تو وہی ہیں جو (فی الحقیقت

إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ
٣٩ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا
فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ
بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ
٤٠ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ انفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ

(٢٠) آیت (٢٩) میں مشرکین عرب کی طرح عرب کے یہودیوں اور شام کے عیسائیوں کے خلاف بھی جنگ کا حکم دیا ہے اور یہی آیت جزیہ کے باب میں اصل و بنیاد ہے اس کی تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی۔

(٢١) چونکہ سلسلہ بیان اہل کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا تھا اس لئے آیت (٣٥) تک ان کی اعتقادی اور عملی گمراہیوں کے اصول و مبادی واضح کئے ہیں اور دعوت قرآنی کی دائمی فتحمندی کی بشارت دی ہے۔ ان کی مزید تشریح بھی سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی۔

(٢٢) چونکہ اب خانہ کعبہ اور حج کا معاملہ جاہلیت کی تمام آلودگیوں سے پاک ہو گیا تھا، اس لئے ضروری تھا کہ جاہلیت کی اس جاہلانہ رسم کا بھی ازالہ کر دیا جاتا جس نے حج کا زمانہ مشتبہ کر دیا تھا۔ اور مہینوں کے حساب کا عرب میں کوئی معیار قائم نہیں رہا تھا۔ آیت (٣٦) اور (٣٧) میں اسی بات کا اعلان کیا ہے۔ مزید تشریح کے لئے سورت کا آخری نوٹ دیکھو۔

اگر قدم نہ اٹھاؤ گے، تو یاد رکھو وہ تمہیں ایک
ایسے عذاب میں ڈالے گا جو دردناک ہوگا، اور تمہاری
جگہ کسی دوسرے گروہ کو لا کھڑا کرے گا، (اور تم دفاع
سے غافل ہو کر) اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے (اپنا
٣٩ ہی نقصان کرو گے) اور اللہ تو ہر بات پر قادر ہے
اگر تم اللہ کے رسول کی مدد نہیں کرو گے تو (نہ کرو)
اللہ نے اس کی مدد کی ہے اور اس وقت کی ہے
جب کافروں نے اسے اس حال میں گھر سے نکالا
تھا کہ (صرف دو آدمی تھے، اور) دو میں دوسرا (اللہ کا
رسول) تھا، اور دونوں غار (ثور) میں چھپے بیٹھے تھے
اس وقت اللہ کے رسول نے اپنے ساتھی سے کہا تھا
"غمگین نہ ہو، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔ (وہ دشمنوں کو ہم پر پانے نہ دے گا) پس اللہ نے اپنا سکون و
قرار اس پر نازل کیا، اور پھر ایسی فوجوں سے مددگاری کی جنہیں تم نہیں دیکھتے، اور بالآخر کافروں کی بات
٤٠ پست کی اور (تم دیکھ رہے ہو کہ) اللہ ہی کی بات ہے جس کے لئے بلندی ہے، اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

(٢٣) اوپر گذر چکا ہے کہ اس سورت کی بقیہ آیتیں غزوۂ تبوک کے متعلق نازل ہوئی تھیں، چنانچہ یہاں سے لے کر آخر تک اسی غزوہ کا بیان ہے، اور جا بجا موعظت و ارشاد کے مختلف اطراف و متعلقات بھی نمایاں ہوتے جاتے ہیں۔
"تبوک" مدینہ اور دمشق کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جس کا فاصلہ آج کل مدینہ سے چھ سو دس کیلو میٹر حساب کیا گیا۔

(مسلمانو! ساز و سامان کے بوجھ سے) ہلکے ہو یا
بوجھل، جس حال میں ہو نکل کھڑے ہو (کہ دفاع کے
لئے تمہیں بلایا جا رہا ہے) اور اپنے مال سے اور اپنی
٤١ جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ اگر تم (اپنا
نفع نقصان) جانتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

٤٨ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ○ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ
٤٩ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ○ اِنْ تُصِبْكَ
حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا
٥٠ وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ○ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ
٥١ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○

کا قانون کام کر رہا ہے، یعنی وہی جماعت کشمکش حیات میں باقی رہتی ہے جو دنیا کے لئے انفع ہو، جو انفع نہیں، وہ چھانٹ دی جاتی ہے۔ پس جو جماعت اس قانونِ فطرت کے مطابق اپنے کو زندگی و بقا کا اہل ثابت نہیں کرے گی ضروری ہے کہ اس کی جگہ دوسری جماعت کو مل جائے اور یہی "استبدالِ قوم" ہے

(٢٥) آیت (٤٠) میں واقعہ ہجرت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا ذکر سورۂ انفال میں بھی گزر چکا ہے (دیکھو آیت ٣٠) جب مکہ میں اعدائے حق نے فیصلہ کر لیا کہ تمام قبائل کے لوگ مل کر یک دفعت پیغمبر اسلام پر حملہ کر دیں، تو آپ کو ہجرت کا حکم ہوا۔ آپ حضرت ابوبکر کو ساتھ لے کر ثور کے غار میں پوشیدہ ہو گئے جو مکہ سے تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے۔ یہاں آپ نے تین راتیں بسر کیں، اور پھر مدینہ روانہ ہو گئے دشمن جو آپ کی تلاش میں تھے، وہ یہاں بھی پہنچے، لیکن اللہ نے آپ کی حفاظت کا ایسا سامان کر دیا تھا کہ بغیر دیکھے بھالے واپس چلے گئے۔

یہ تین راتیں حضرت ابوبکر نے کہ شمع نبوت کے پروانہ تھے جس عالم میں بسر کی ہونگی، اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس نے عشق و محبت کا کچھ بھی ذائقہ چکھا ہو۔ اللہ کا رسول غار میں پوشیدہ تھا، دشمن سراغ میں تھے۔ ہر لحظہ اندیشہ تھا کہ کہیں سراغ نہ پالیں اور ایک مرتبہ ان کی صدائیں بھی کانوں میں آنے لگیں تھیں، ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ ان کے دل کے حزن و اضطراب کا کیا عالم ہوگا؟ بلاشبہ انہیں یقین تھا کہ اللہ اپنے رسول کا مددگار ہے۔ لیکن عشق و محبت کا قدرتی تقاضہ ہے کہ محبوب کو خطرہ میں دیکھ کر مضطرب ہو۔ اس سے وہ اپنے دل کو نہیں روک سکتے تھے۔ اگر روک سکتے، تو محبت کی عدالت کا فیصلہ ان کے خلاف ہوتا!

جنگ اُحد میں انہوں نے اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں
کی تھی) یہاں تک کہ سچائی نمایاں ہو گئی، اور
اللہ کا حکم غالب ہوا، اور ایسا ہونا ان کے لئے
٤٨ خوشگوار نہ تھا!
اور ان (منافقوں) میں کوئی ایسا بھی ہے
جو کہتا ہے: "مجھے اجازت دیجئے (کہ گھر میں بیٹھا
رہوں) اور فتنہ میں نہ ڈالئے"، تو سن رکھو یہ لوگ
فتنہ ہی میں گر پڑے (کہ جھوٹے بہانے بنا کر خدا کی
راہ سے منہ موڑا، اور فتنہ یہی فتنہ ہے، نہ کہ وہ وہمی
فتنہ جو ان کے نفاق نے گڑھ لیا ہے)، اور بلاشبہ
٤٩ دوزخ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔
(اے پیغمبر!) اگر تمہیں کوئی اچھی بات پیش آ
جائے تو وہ انہیں (یعنی منافقوں کو) بری لگے،
اور اگر کوئی مصیبت پیش آ جائے تو کہنے لگیں:
"اسی خیال سے ہم نے پہلے ہی اپنے لئے مصلحت
٥٠ بینی کر لی تھی"، اور پھر گردن موڑ کے خوش خوش چل دیں!
کہدو ہمیں کچھ پیش نہیں آ سکتا مگر وہی جو اللہ
نے ہمارے لئے (اپنی کتاب میں) لکھ دیا ہے، وہی ہمارا
کارساز ہے اور مومنوں کو چاہئے کہ اللہ ہی پر (ہر طرح کا) بھروسہ

۴۵ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ
۴۶ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ لَوْ
خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ
۴۷ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ

ساتھ اٹھے؟ اس کا جواب تاریخ سے مل سکتا ہے۔ مختصر لفظوں
میں یہ ہے کہ تیس ہزار مسلمانوں نے پیغمبر اسلام کے ساتھ کوچ
کیا تھا۔ اور انفاق مال کی فداکاریوں کا یہ حال تھا کہ اگر
۴۵ ایک طرف حضرت عثمانؓ نے نو سو اونٹ پیش کر دیئے تھے، تو دوسری
طرف ابوعقیل انصاری نے رات بھر ایک کھیت میں آبپاشی کر
کے دو سیر چھوہارے مزدوری میں حاصل کئے تھے، اور وہ لاکر
اللہ کے رسول کے قدموں پر رکھ دئے تھے!
اسی فوجی تیاری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنا تمام
مال و متاع پیش کر دیا تھا۔ حتی کہ کرتے کی گھنڈیاں بھی توڑ
کر شامل کر دی تھیں۔ اور جب اللہ کے رسول نے پوچھا تھا،
ما ابقیت لاھلک' بیوی بچوں کے لئے کیا چھوڑ آئے
۴۶ تو اس پیکر صدق و وفا نے جواب دیا تھا اللہ ورسولہ!
چونکہ اس فوج کی تیاری بڑی ہی تنگی و افلاس کی حالت
میں ہوئی تھی اس لئے جیش عسرت کے نام سے مشہور ہوئی۔
(۲۴) قرآن نے یہاں آیت (۳۹) میں اور نیز دیگر مقامات
میں "استبدال اقوام" کا ذکر کیا ہے، یعنی فرمایا ہے، یاد رکھو
اگر تم نے اور ذرا بھی کوتاہی کی، تو خدا کا قانون اس طرح
کا واقع ہوا ہے کہ تمہاری جگہ کسی دوسرے گروہ کو لاکھڑا کرے گا۔
تاریخ کا مطالعہ کرو تو اس استبدال کے مناظر تمہارے
سامنے آجائیں گے اور قرآن پر تدبر کرو تو اس کے سنن و قوانین
واضح ہو جائیں گے۔
حکمت الٰہی نے افراد کی طرح جماعتوں کی زندگی و
قیام کے لئے بھی ایک خاص نظام مقرر کر دیا ہے، اور اسی کے
مطابق ایک جماعت کی جگہ دوسری جماعت سے، اور ایک قوم
کی زندگی دوسری قوم کی زندگی سے ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔
قرآن کہتا ہے، افراد کے نظام حیات کی طرح جماعات
کا نظام حیات بھی جد و جہد، سعی و طلب، اور فکر و
عمل کی صلاحیت کا نظام ہے۔ اور یہاں بھی بقاء انفع"

اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے، اور ان
کے دل شک میں پڑ گئے ہیں، تو اپنے شک کی حالت
میں متردد ہو رہے ہیں۔
اور اگر واقعی ان لوگوں نے نکلنے کا ارادہ کیا
ہوتا، تو اس کے لئے کچھ نہ کچھ سروسامان کی تیاری
ضرور کرتے، مگر (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ نے ان کا
اٹھنا پسند ہی نہیں کیا۔ پس انہیں بوجھل کر دیا،
اور ان سے کہا گیا (یعنی ان کے بوجھل پن نے کہا)
دوسرے بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ تم بھی بیٹھ رہو!
اگر یہ تم مسلمانوں میں (گھل مل کے) نکلتے، تو
تمہارے اندر کچھ زیادہ نہ کرتے مگر (ہر طرح کی) خرابی
اور ضرور تمہارے درمیان فتنہ انگیزی کے گھوڑے
دوڑاتے (کہ ادھر کی بات ادھر لگاتے۔ ادھر کی ادھر)
اور تم جانتے ہو کہ تم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ان کی
بات پر کان دھرنے والے ہیں (پس ظاہر ہے کہ ان
کی موجودگی سے بجز فتنہ و فساد کے کچھ حاصل نہ ہوتا)
اور اللہ جانتا ہے کون ظلم کرنے والے ہیں۔
(اے پیغمبر!) یہ واقعہ ہے کہ ان لوگوں نے
اس سے پہلے بھی فتنہ انگیزی کی کوششیں کیں اور تمہارے
خلاف طرح طرح کی تدبیریں الٹ پلٹ کر آزمائیں (چنانچہ

وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ
۵۵-۵۶ كٰفِرُوْنَ ۝ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝ لَوْ
۵۷ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ
يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا

تو کسی حال میں بھی وہ اپنے کو شرکت سے معاف نہیں رکھتے تھے الا یہ کہ قطعاً عاجز و معذور ہوں۔

ابو راشد حرانی کہتے ہیں۔ میں نے مقداد بن اسود کو حمص میں دیکھا، جنگ کے لئے نکل رہے تھے۔ میں نے کہا خدا نے تمہیں معذور ٹھہرا دیا ہے (یعنی بوڑھے ہو) انہوں نے کہا انفروا خفافا و ثقالا کا کیا جواب ہے؟ حبان ابن زید شرعبی سے مروی ہے کہ میں نے افسس جاتے ہوئے فوج میں ایک نہایت بوڑھے آدمی کو دیکھا جس کی بھویں آنکھوں پر آ گری تھیں۔ میں نے متعجب ہو کر کہا خدا نے معذوروں کو معاف نہیں کر دیا؟ اس نے کہا، خدا نے تو ہمیں ہر حال میں نکل کھڑے ہونے کا حکم دیا ہے: خفافا و ثقالا ابو ایوب انصاری سے بھی ایسا ہی مروی ہے (ابن جریر)

یہ آیت اس باب میں قطعی ہے کہ جب تفاع کے لئے امام بلائے تو بجز ان معذوروں کے جنہیں آگے چل کر آیت (۹۱) میں مستثنیٰ کر دیا ہے، ہر شخص پر واجب ہو جاتا ہے کہ جان و مال سے شریک جہاد ہو اور اس بارے میں کوئی عذر مسموع نہیں۔

(۲۷) اب آیت (۴۲) سے سلسلہ بیان منافقوں کی طرف متوجہ ہوا ہے جن کے لئے غزوہ تبوک کا معاملہ ایک آخری اور فیصلہ کن آزمائش ثابت ہوا تھا۔ اس نے نظاہر و نمائش کے تمام پردے چاک کر دئیے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اس سورت کو الفاضحہ کے نام سے بھی پکارتے تھے۔ کیونکہ اس نے منافقوں کے بھید کھول کر ان کی فضیحت کر دی۔

منافقوں کی نسبت سورہ آل عمران کی آیت (۱۷۳) میں پڑھ چکے ہو اللہ انہیں مومنوں سے ممتاز کر کے آشکارا کر دے گا۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے ایسے مرحلے پیش آتے رہے جن میں نفاق کے چہرں کو بے نقاب ہونا پڑا۔ اس سلسلہ کا

ہے اور صاحب اولاد ہیں، تمہیں متعجب نہ کرے، یہ تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ نے مال اور اولاد ہی کی راہ سے انہیں دنیوی زندگی میں عذاب دینا چاہا (کہ نفاق و بخل کی وجہ سے مال کا غم و بال جان ہو رہا ہے اور اولاد کو اپنے سے برگشتہ اور اسلام میں ثابت قدم دیکھ کر شب و روز جل رہے ہیں) اور (باقی رہا آخرت کا معاملہ تو) ان کی جانیں اس حالت
۵۵ میں نکلیں گی کہ ایمان سے محروم ہونگے!
اور (دیکھو) اللہ کی قسمیں کھا کر (تمہیں) یقین دلاتے ہیں کہ وہ تم ہی میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم
۵۶ میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ ایک گروہ ہے ڈرا سہما ہوا
(ان کے دلوں کے خوف و نفرت کا یہ حال ہے کہ اگر انہیں پناہ کی کوئی جگہ مل جائے، یا کوئی غار، یا کوئی اور چھپ بیٹھنے کا سوراخ، تو تم دیکھو کہ یہ فوراً اس کا رخ کریں اور حالت یہ ہو کہ گویا
۵۷ رسی تڑا کر بھاگے جا رہے ہیں!
اور ان میں کچھ ایسے ہیں کہ مال زکوٰۃ بانٹنے میں تجھ پر عیب لگاتے ہیں (کہ تو لوگوں کی رعایت کرتا ہے) پھر حالت ان کی یہ ہے کہ اگر انہیں اس میں سے دیا جائے، تو خوش ہو جائیں نہ دیا جائے

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ
۵۲ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا
۵۳ لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ
اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ
۵۴ هُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ

۵۱ رکھیں (اس کے سوا بھروسے کا سہارا کوئی نہیں!)
(اے پیغمبر! تم ان سے) کہو: تم ہمارے لئے جس
بات کا انتظار کرتے ہو (یعنی جنگ میں قتل ہوجانے
کا) وہ ہمارے لئے اس کے سوا کیا ہے کہ دو خوبیوں
میں سے ایک خوبی ہے (یعنی فتح اور شہادت میں سے
شہادت) اور ہم تمہارے لئے جس بات کے منتظر
ہیں، وہ یہ ہے کہ اللہ اپنے یہاں سے کوئی عذاب بھیج
دے یا ہمارے ہی ہاتھوں عذاب دلائے تو اب (نتیجہ کا)
۵۲ انتظار کرو۔ ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں!

لیکن پیغمبر اسلام کے سکون قلب کا عالم دوسرا تھا۔ ان کا رفیق غار جب جوش محبت میں مضطرب ہوتا تو تسلی دیتے اور فرماتے "غمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے" خود حضرت ابوبکر کا بیان ہے کہ جب دشمن غار کے قریب آئے تو میں نے مضطرب ہوکر کہا! ان میں سے کسی نے پاؤں اونچا کیا تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آنحضرت نے فرمایا "ابوبکر! تم ان دو آدمیوں کے لئے کیا خیال کرتے ہو جن کے لئے تیسرا خود اللہ ہے" (شیخین عن انس)
یہاں فرمایا، اللہ نے اپنی جانب سے اس پر سکون و قرار اتارا یعنی (ابوبکرؓ) کیونکہ پیغمبر اسلام کا قلب مبارک تو پہلے ہی سے ساکن و برقرار تھا۔

(اور) کہو: تم (بظاہر) خوشی سے (راہ حق میں) خرچ کرو یا ناخوش ہوکر، تمہارا خرچ کرنا کبھی قبول
۵۳ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ تم ایک ایسے گروہ ہوگئے جو (احکام الٰہی سے) نافرمان ہے۔

اور خرچ کرنے کی قبولیت سے وہ محروم نہیں
کئے گئے، مگر اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے
رسول سے انکار کیا (اگرچہ وہ ایمان کے دعوی
میں کسی سے پیچھے نہیں) وہ نماز کے لئے نہیں آتے
مگر کاہلی کے ساتھ، اور (راہ حق میں) مال خرچ
نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ خرچ کرنے کی ناگواری
ان کے دلوں میں بسی ہوئی ہے!
تو دیکھو، یہ بات کہ ان کے پاس مال و دولت

(۲۶) آیت (۴۱) میں فرمایا خفافا وثقالا خواہ ہلکے ہو خواہ بوجھل یہاں اس سے مقصود کیا ہے؟ تو حق یہ ہے کہ استعداد اور کمی استعداد کی تمام حالتیں اس میں داخل ہیں نوجوان نکل چلنے میں ہلکا ہوتا ہے زیادہ عمر کا آدمی بوجھل ہوتا ہے سرگرم آدمی فوراً اٹھ کھڑا ہوگا کسلمند کے قدم بوجھل ہوں گے جن کے علائق زیادہ ہیں وہ اپنے کو اتنا ہلکا نہ پائے گا جتنا ایک مجرد آدمی، یا کم علائق رکھنے والا۔ اسی طرح کوئی سر و سامان سفر سے ہلکا ہوگا۔ کوئی اسلحہ جنگ سے۔ اگر قرآن کے سمجھنے میں ہمیں صحابہ و سلف کے فہم کا اعتبار کرنا چاہئے، نہ کہ بعد کے منطقی اصولیوں اور بدلی فقیہوں کا، تو انہوں نے اس طرح کی ساری صورتیں اس میں داخل سمجھی تھیں، اور جب کبھی جنگ کا عام اعلان ہوجاتا

٦٠ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ وَمِنْهُمُ
الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ
لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ

اور اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کے لئے' اور اُن تمام کاموں کے لئے، جو مثل جہاد کے اعلاء کلمۂ حق کے لئے ہوا،)

اور مسافروں کے لئے (جو اپنے گھر نہ پہنچ سکتے ہوں اور مفلسی کی حالت میں پڑ گئے ہوں)

یہ اللہ کی طرف سے ٹھہرائی ہوئی بات ہے

اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا (اپنے تمام حکموں
٦٠ میں) حکمت رکھنے والا ہے۔

اور انہی (منافقوں) میں (وہ لوگ بھی) ہیں جو اللہ کے نبی کو (اپنی بدگوئی سے) اذیّت پہنچانا چاہتے ہیں' اور کہتے ہیں یہ شخص تو بہت سننے والا ہے (یعنی کان کا کچا ہے۔ جو بات کسی نے کہدی' اس نے مان لی۔ اے پیغمبر!) تم کہو' ہاں وہ بہت سننے والا ہے' مگر تمہاری بہتری کے لئے (کیونکہ وہ بجز حق کے کوئی بات قبول نہیں کرتا) وہ اللہ پر یقین رکھتا ہے (اس لئے اللہ جو کچھ اسے سناتا ہے' اُس پر اسے یقین ہے) اور وہ (سچے) مومنوں کی بات پر بھی یقین رکھتا ہے (جن کی سچائی ہر طرح کے امتحانوں میں پڑ کر کھری ثابت ہو چکی ہے) اور وہ ان لوگوں کے لئے سرتا سر رحمت ہے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں' اور جو لوگ

(۲۸) آیت (۴۳) ~~کہ اب جان پر غور کر کے دیکھئے کہ کش~~ ~~مکش جبت انسانہ~~ میں پیغمبر اسلام کو متنبہ کیا ہے کہ رحمت و درگزر کی ایک حد ہونی چاہئے۔ اب یہ اس کے مستحق نہیں کہ رسی اتنی ڈھیلی چھوڑ دی جائے۔

فرمایا، جب یہ لوگ ایک طرف تو جھوٹے عذر سناتے تھے' دوسری طرف یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ جو آپ کا حکم ہوگا تو بہتر تھا کہ تم انہیں پوری آزمائش میں ڈال دیتے۔ یعنی کہتے میرا حکم تو یہی ہے کہ چلنا چاہئے۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ کھل جاتا، کون یہ کہنے میں سچے ~~تھے~~، کون ایسا کہہ دینے پر بھی نہ نکلنے والا ~~تھا~~۔ تھا۔

(۲۹) آیت (۴۴) میں فرمایا جن کے دلوں میں ایمان کی لگن ہے بھلا وہ ایک ایسے کام میں کیوں جھجھکنے لگے؟ اور کیوں اس کے انتظار میں بیٹھے لگے؟ ان کے لئے تو صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ادائے فرض کا وقت آگیا اور جسے ایمان عزیز ہے وہ ادائے فرض کے لئے مستعد ہو جائے۔ جھجھک تو وہی مانیں گے جن کے دلوں میں سچا ایمان نہیں۔ اور جو شک کے روگی ہو رہے ہیں۔ تاکہ کوئی نہ کوئی راہ نکل بھاگنے کی مل جائے۔

(۳۰) چونکہ مقابلہ بیزنطانی شہنشاہی سے تھا جو شرق میں رومۃ الکبریٰ کی عظمت کی جانشین تھی، اور ابھی حال میں ایران کو شکست دے چکی تھی۔ اس لئے منافقوں کو یقین تھا، مسلمانوں کے خاتمے کے دن آگئے۔ عبداللہ بن ابی سلول نے جو منافقوں کا سرغنہ تھا، لوگوں کو یقین دلایا تھا کہ پیغمبر اسلام اس سفر سے لوٹنے والے نہیں۔

آیت (۴۷) میں فرمایا، یہ سمجھے، پیچھے رہ کر مصیبت سے بچے' اور واقعہ یہ ہے کہ ان کا نہ نکلنا ہی تمہارے لئے بہتر ہوا۔ کیونکہ نکلتے تو فتنوں کے گھوڑے دوڑاتے' اور کچے دل کے آدمیوں کو بہکاتے رہتے۔ اس سے پہلی آیت میں فرمایا، مگر اللہ کے حضور ان کا اٹھنا ناپسند ہوا یعنی اللہ کے علم میں تھا کہ اب کے نہیں نکلیں گے' اور اللہ نے

۵۸ رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ○ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ
۵۹ رَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ○ ع
اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ
وَالْغٰرِمِيْنَ

تو بس اچانک بگڑ بیٹھیں!

اور (کیا اچھا ہوتا) اگر ایسا ہوتا کہ جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں دیدیا، اس پر رضامند ہو جاتے اور کہتے "ہمارے لئے اللہ بس کرتا ہے اللہ اپنے فضل سے ہمیں (بہت کچھ) عطا فرمائے گا، اور اس کا رسول بھی (عطا و بخشش میں کمی کرنے والا نہیں) ہمارے لئے تو بس اللہ ہی غایت و مقصود ہے!

صدقہ کا مال (یعنی مالِ زکوٰۃ) تو اور کسی کے لئے نہیں ہے۔

صرف فقیروں کے لئے ہے۔

اور مسکینوں کے لئے ہے۔

اور ان کے لئے، جو اس کی وصولی کے کام پر مقرر کئے جائیں۔

اور وہ، کہ ان کے دلوں میں (کلمۂ حق کی) الفت پیدا کرنی ہے۔

اور وہ، ان کی گردنیں (غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہیں (اور انہیں آزاد کرانا ہے)

نیز قرضداروں کے لئے (جو قرض کے بوجھ سے دب گئے ہوں، اور ادا کرنے کی طاقت نہ رکھیں)۔

آخری مرحلہ غزوہ تبوک تھا۔

۵۸ پڑھ چکے ہو کہ اس موقع پر ناموافق حالات سے عام مسلمانوں کی سرگرمیاں بھی ابتدا میں کچھ دھیمی رہی تھیں لیکن منافقوں کی حالت بالکل دوسری تھی۔ ہر حکم ان کے لئے پیامِ موت سے بھی زیادہ سخت ہوا لگے حیلے بہانے کرنے۔ ہر شخص ایک نیا بہانہ گڑھ لاتا اور کہتا ویسے تو مجھے چلنے میں کوئی عذر نہیں مگر مشکل یہ ہے کہ فلاں کام ناگزیر ہو گیا ہے فلاں بات ناقابلِ حل ہو رہی ہے۔ فلاں الجھاؤ سلجھایا نہیں جا سکتا۔ اب جیسا آپ کا حکم ہو مقصود یہ تھا کہ جھوٹی سچی مجبوریاں
۵۹ سنا ئیں گے تو پیغمبر اسلام کا اخلاق ایسا نہیں ہے کہ کسی کو مجبور کر کے لے جانا چاہیں۔ ان کی رحمت و رافت ہمیشہ رسی ڈھیلی چھوڑ دیتی ہے وہ یہی کہیں گے کہ مجبور ہو تو نہ چلو۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا پیغمبر اسلام ان کے حیلے بہانے سنتے اور یہ دیکھ کر کہ خوشی سے چلنے کے لئے تیار نہیں کہہ دیتے اچھا تمہیں رخصت ہے۔

ان میں سے بعضوں نے بات بنانے کے لئے یہ بھی کہا کہ مال حاضر ہے لے لیجئے مگر نکلنا دشوار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں انہی واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرمایا، اگر کوئی ایسی بات ہوئی کہ فوری فائدہ دکھائی دیتا، اور سفر بھی دور کا نہ ہوتا، تو ان کے نفاق کو چھپنے کی آڑ مل جاتی جیسی بار بار مل چکی ہے یہ فوراً تیرے پیچھے قدم اٹھا دیتے ظاہر میں حکم کی تعمیل کرتے، دل میں دنیا کی طمع اور مکر و غدر کی چالیں ہوتیں۔ چنانچہ احد وغیرہ میں ایسا ہی کیا تھا۔ مگر انہیں مشکل یہ آ پڑی کہ معاملہ نکل آیا عرب سے باہر دور دراز کا، اور سفر کی مشقتیں ہوئیں بڑی ہی سخت۔ نہ تو دنیا کے نفع قریب کی توقع، نہ قرب مقام کی سہولت کا سہارا۔ بس بے بس ہو کر رہ گئے۔ اور دکھاوے کے لئے ساتھ نہ نکل سکے۔ اللہ کی طرف سے یہی فیصلہ کن آزمائش تھی جس نے سارا بھانڈا پھوڑ کر رکھ دیا، اور جب کبھی راہِ حق میں کوئی سخت آزمائش آ جاتی ہے، تو منافقوں کے چہرے اسی طرح بے نقاب ہو جایا کرتے ہیں!

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ ؕ قُلۡ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ
تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝ لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ ؕ اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآئِفَةٍ مِّنۡكُمۡ ۶۵
نُعَذِّبۡ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ۝ اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ بَعۡضُهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۘ ۶۶
يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡكَرِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ وَيَقۡبِضُوۡنَ اَيۡدِيَهُمۡ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمۡ ؕ
اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ۝ ۶۷

معجزانہ بلاغت ہے۔ وہ یقیناً ہر طرح کے متوقع اور وہمی خطرات ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے ہونگے، اور فتنہ سے تعبیر کرتے ہونگے۔ مثلاً اس موسم میں ہزاروں آدمیوں کو اس قدر دور کے سفر پر لے جانا جان بوجھ کر انہیں ہلاک کرنا ہے، اور یہ نیکی کا کام نہیں۔ پھر جہاں جانا ہے وہ دوسروں کا ملک ہے، نہیں معلوم کن کن بلاؤں میں پڑنا پڑے۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب پیغمبر اسلام نے تبوک کا ارادہ کیا تو منافقوں کے ایک سردار جد بن قیس نے کہا "عورتوں کے معاملہ میں میں بہت کمزور ہوں مجھے ڈر ہے کہیں بنو اصفر کی عورتیں دیکھ کر مفتون نہ ہو جاؤں پس مجھے رہ جانے کی اجازت دیجئے اور اس فتنہ میں نہ ڈالئے" (ابن جریر، بنو اصفر یعنی رومی)

اس سے معلوم ہوا۔ جو باتیں کہی گئی ہونگی وہ اسی قسم کی ہونگی فرمایا: یہ چھوٹے بہانے نکالنے کے لئے چھوٹے فتنہ کا ذکر کرتے ہیں، حالانکہ یہ کیسا اصلی فتنہ میں گر پڑے کہ راہ حق میں جہاد کرنے سے جی چرایا، اور اس کے لئے جھوٹی نیکی و پرہیزگاری کی آڑ پکڑی۔ غور کروگے تو نفاق کی یہ خصلت آج بڑے بڑے مدعیان علم و مشیخت میں بولتی نظر آئے گی۔ جھوٹی دینداری اور وہمی پرہیزگاری نے سعی و عزم کی تمام راہیں ان پر بند کردی ہیں اور وہ ساعی ہیں کہ امت پر بھی بند کردیں۔ ۱۹۱۴ء کی بات ہے کہ مجھے خیال ہوا، ہندوستان کے علماء و مشائخ کو عزائم و مقاصد وقت پر توجہ دلاؤں، ممکن ہے چند اصحاب رشد و عمل نکل آئیں۔ چنانچہ میں نے اس کی کوشش کی، لیکن ایک تنہا شخصیت کو مستثنیٰ کردینے کے بعد سب کا متفقہ جواب یہی تھا کہ یہ دعوت ایک فتنہ ہے۔ الا ان فی الفتنۃ سقطوا۔ یہ مستثنیٰ شخصیت مولانا محمود حسن دیوبندی کی تھی ~~جناب رشید الدین کے جواب میں پہنچ چکی ہے~~

تم نے بعض علماء کے فتوے پڑھے ہونگے کہ مسلمانوں کو وقت

کر دینے والا ہے جس کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے"۔

اور اگر تم ان لوگوں سے پوچھو (ایسی باتیں کیوں کرتے ہو؟) تو یہ ضرور جواب میں کہیں "ہم نے تو یونہی جی بہلانے کو ایک بات چھیڑ دی تھی اور ہنسی مذاق کرتے تھے" تم (ان سے) کہو "کیا تم اللہ کے ساتھ، اس کی آیتوں کے ساتھ، اور اس کے رسول کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہو؟" ۶۵

بہانے نہ بناؤ، حقیقت یہ ہے کہ تم نے ایمان کا اقرار کرکے پھر کفر کیا۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو (اس کے عدم اصرار اور توبہ و انابت کی وجہ سے) معاف بھی کر دیں، تاہم ایک گروہ کو ضرور عذاب دینگے اس لئے کہ (اصل میں) وہی مجرم تھے۔ ۶۶

منافق مرد اور منافق عورتیں، سب ایک دوسرے کے ہم جنس، برائی کا حکم دیتے ہیں، اچھی باتوں سے روکتے ہیں، اور (راہ حق میں خرچ کرنے سے) اپنی مٹھیاں بند رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا، نتیجہ یہ نکلا کہ یہ بھی اللہ کے حضور بھلا دیئے گئے (یعنی جو اس کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے اس کے قوانین فضل و سعادت بھی اسے بھلا کر

ہونگے

٦١ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللّٰهُ
الثلثة ٦٢ وَرَسُولُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوهُ اِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ
٦٣ رَسُولَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ۝ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُونَ
اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوا ۚ اِنَّ اللّٰهَ
٦٤ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَحْذَرُونَ ۝

تمہارے لئے اسی میں بہتری رکھی کہ نہ نکلیں۔

٦١ (٣١) اس سے معلوم ہوا کہ جماعتی زندگی کے لئے مذبذب اور کچے دل کے آدمیوں کی موجودگی ایک بڑا خطرہ ہے خصوصاً جب کہ قوم موت و حیات کی جدوجہد میں مشغول ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آزاد سے آزاد قومیں بھی مجبور ہوئیں کہ جنگ کے وقت حکومت کو غیر معمولی اختیارات دیدیں، اور اگر شخصی آزادی کے قوانین بھی معطل کر دے تو معترض نہ ہوں۔ کیونکہ اس وقت ایک منافق کی شرارت پوری قوم کو خطرہ میں ڈال دے سکتی ہے۔

ان آیات کی موعظت یہ ہے کہ حتی الامکان ایسے افراد کی موجودگی برداشت نہیں کرنی چاہئے، اور ایسا خیال نہیں
٦٢ کرنا چاہئے کہ ان کی علیحدگی سے جو عارضی شور و شغب ہوگا، وہ جماعتی مصالح کے لئے زیادہ مضر ہوگا۔ اگر درخت کی جڑ دور ثابت ہے۔ تو جتنا چھانٹو گے، اتنا ہی زیادہ پھلتا جائے گا، اور فاسد اعضاء کا الگ کر دینا مضر نہیں ہوتا، چھوڑ دینا جسم کے لئے مہلک ہوتا ہے۔

(٣٢) جب انسان میں سچائی باقی نہیں رہتی، تو نیکی و
٦٣ پرہیزگاری کے خیال کو خود نیکی و پرہیزگاری ہی کے خلاف استعمال کرنے لگتا ہے اور اس سے حیلہ بہانے کا کام نکالتا ہے، اور یہ نفاق کا سب سے زیادہ پُرفریب حربہ ہے بہت سے سادہ لوح دیندار اس کے دھوکے میں آجاتے ہیں۔

چنانچہ آیت (٤٩) میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرمایا، بعض منافق کہتے ہیں، اس سفر میں نکلنا فتنوں میں پڑنا ہے۔ پس ہمیں فتنہ میں نہ ڈالئے۔ مدینہ میں ہی بیٹھے رہنے دیجئے۔

اس فتنہ سے ان کا مقصود کیا تھا؟ اسے اس لئے
٦٤ بیان نہیں کیا کہ صریحی قرائن واضح کر رہے ہیں، اور یہی قرآن

اللہ کے رسول کو آزار پہنچانا چاہتے ہیں، تو انہیں سمجھ لینا چاہئے، ان کے لئے عذاب ہے، عذاب دردناک!

(مسلمانو!) یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کر لیں۔ حالانکہ اگر یہ واقعی مومن ہوتے، تو سمجھتے کہ اللہ اور اس کا رسول اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اسے (اپنے ایمان و عمل سے) راضی رکھیں۔

کیا (ابھی تک) انہوں نے یہ بات (بھی) نہ جانی کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہے اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے۔ ہمیشہ اس میں جلے گا؟ اور بہت ہی بڑی رسوائی ہے (جو کسی انسان کے حصے میں آسکتی ہے؟)

منافق اس بات سے (بھی) ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو ان کے بارے میں کوئی سورت نازل ہو جائے، اور جو کچھ ان کے دلوں میں چھپا ہے وہ انہیں (علانیہ) جتلا دے (تو اے پیغمبر!) تم ان سے کہدو: "تم (اپنی عادت کے مطابق) تمسخر کئے رہو۔ یقیناً اللہ اب وہ بات (پوشیدگی سے) نکال کر ظاہر

٧٠ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ
وقف لازم بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ
٧١ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَعَدَ
اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ
٧٢ ع طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

بلکہ صرف اس لئے کہ کسی کی راہ میں چلتا رہے اور یہ جو کسی کی راہ میں چلتے رہنا ہے، تو یہی اس کے لئے منزل مقصود ہے۔

راہرواں را خستگی راہ نیست • عشق ہم راہ است، ہم خود منزل است

دوسرے اگر جد و جہد کرتے ہوئے مر جائیں تو یہ ان کی ناکامیابی ہے۔ مومن اگر مر جائے تو اس کی بڑی سے بڑی فتحمندی ہے ایسی فتحمندی جس سے بڑی فتحمندی کی وہ اپنی ذات کے لئے آرزو ہی نہیں کر سکتا:

آنانکہ غم تو برگزیدند ہمہ • در کوئے شہادت آرمیدند ہمہ
در معرکہ دو کون فتح از عشق است • با آنکہ سپاہ او شہید اند ہمہ

دوسرے اگر لڑیں اور دشمنوں پر غالب آ سکیں تو ان کی ہار ہوئی، لیکن مومن وہ ہے جو ہار کے معنی ہی سے ناآشنا ہوتا ہے۔ وہ اگر کسی میدان میں غالب نہ آئے، جب بھی جیت اسی کی ہے کیونکہ اس کی ہار جیت کا معیار میدان جنگ نہیں ہوتا خود اسکی طلب و سعی ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنی سعی و طلب میں پورا نکلا تو اس نے میدان مار لیا، اگرچہ میدان جنگ میں اس کی لاش ہزاروں لاشوں کے نیچے دبی ہوئی ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اس راہ میں وہ کبھی مر نہیں سکتا۔ اس کی موت بھی اس کی زندگی ہوتی ہے۔ "ولکن لا تشعرون"!

— یہ قرآن نے جا بجا زور دیا ہے کہ مومن کا مقصد سعی صرف اللہ اور اس کی سچائی ہے، اور مومن کی جہد کا نام "جہد فی سبیل اللہ" رکھ دیا، تو اس میں یہی حقیقت پوشیدہ ہے یعنی وہ ساری منزلوں سے جو دنیا میں پیش آ سکتی ہیں، بلند کر دیا گیا۔ اب دنیا کی کوئی منزل اس کی منزل مقصود نہیں ہو سکتی اور ان تک پہنچ سکنا۔ اس کی ناکامیابی کا فیصلہ کرے۔ اس کے لئے منزل مقصود تو صرف یہ ہے کہ حق کی راہ میں چلتا رہے اور رکے نہیں۔ اس کا ہر قدم جو چلتا رہا فتح مندی ہے، اور قدم جو رک گیا، نامرادی!

پاس روشن دلیلوں کے ساتھ آئے تھے، (مگر وہ اندھے پن سے باز نہ آئے) اور ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ اللہ ان پر ظلم کرتا، مگر وہ خود ہی
٧٠ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

اور جو مرد اور عورتیں مومن ہیں، تو وہ سب ایک دوسرے کے کارساز و رفیق ہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم رکھتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ہر (حال میں) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ سو یہی لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحمت فرمائے گا۔ یقیناً اللہ سب پر غالب اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت
٧١ رکھنے والا ہے۔

مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے اللہ کی طرف سے (نعیم ابدی کے) باغوں کا وعدہ ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی (اور اس لئے کبھی خشک ہونے والے نہیں) وہ ہمیشہ ان میں رہینگے نیز ان کے لئے ہمیشگی کے باغوں میں پاک مسکن ہونگے ... سب سے بڑھ کر نعمت یہ کہ
٧٢ اللہ کی خوشنودیوں کا ان پر نزول ہوگا!

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَ
٦٨ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۙ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ
اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ
٦٩ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَ
قَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

کی سیاسی مجالس میں شریک ہونا چاہئے، کیونکہ اس میں غیر مسلم عورتیں
کھلے منہ موجود ہوتی ہیں، اور اس لئے ان کی شرکت فتنہ سے
٦٧ خالی نہیں! اسی طرح یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ ان کی شرکت
سے نماز یا جماعت فوت ہوجاتی ہے، اور یہ تقویٰ کے خلاف
ہے۔ یاد رکھو، یہ تقویٰ اور دینداری نہیں ہے جو ان کاموں
کی مخالفت پر انہیں ابھارتی ہے، یہ مرض نفاق کی قسموں
میں سے ایک قسم ہے، اور قرآن کی شہادت اسکے لئے بس کرتی ہے
(۳۴) آیت (۵۲) کا ٹھیک مطلب سمجھ لو۔ فرمایا! تم ہمارے
٦٨ لئے جس بات کے انتظار میں رہتے ہو وہ یہ ہے کہ ہم جنگ میں
مارے جائیں اور شکست ہو، لیکن ہمارے لئے تو یہ بھی احدی
الحسنیین ہے یعنی دو خوبیوں میں سے ~~ایک خوبی~~ (پہلی خوبی فتح ہے دوسری شہادت) اور
یہی مقام ہے جسے قرآن ایمان اور ایمان والوں کی خصوصیت
قرار دیتا ہے، اور کہتا ہے جو کفر کی راہ چلے، تو انہیں اس کی
سمجھ نہیں۔
دنیا میں جب کبھی کوئی فرد یا جماعت کسی مقصد کے لئے
جدوجہد کرتی ہے، تو اس کے سامنے امید بھی ہوتی ہے۔
مایوسی بھی، کامیابی بھی ہوتی ہے، ناکامیابی بھی لیکن قرآن
کہتا ہے، مومن وہ ہے جس کی جدوجہد میں جو کچھ ہے، امید
و کامرانی ہی ہے، مایوسی و ناکامی کی اس پر پرچھائیں بھی
نہیں پڑسکتی ~~کیونکہ وہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کے لئے کرتا ہے~~ اور
اس کے لئے یہی بات کامیابی نہیں ہوتی کہ کسی خاص منزل تک
پہنچ جائے، بلکہ اس کی راہ میں چلتے رہنا اور جدوجہد
٦٩ میں لگے رہنا بجائے خود بڑی کامیابی ~~ہے~~ ہوئی۔ وہ جب
اپنا سفر شروع کرتا ہے، تو اس لئے نہیں کرتا کہ
کسی خاص منزل تک ضرور ہی پہنچ جائے۔

چھوڑ دیتے ہیں) بلاشبہ یہ منافق ہے، ہیں جو (دائرہ
حق سے) باہر ہوگئے ہیں!
منافق مردوں اور منافق عورتوں کے لئے اور (کھلے)
منکروں کے لئے اللہ کی طرف سے دوزخ کی آگ کا وعدہ
ہے کہ ہمیشہ اس میں ~~رہیں گے~~ رہیں گے اور وہی انہیں بس کرتی
ہے۔ نیز اللہ نے ان پر لعنت کی، اور ان کے لئے عذاب
ہے، ایسا عذاب کہ برقرار رہے گا!
(منافقو! تمہارا بھی وہی حال ہوا) جیسا ان
لوگوں کا حال تھا کہ تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ وہ تم سے
کہیں زیادہ قوت والے تھے، اور مال و اولاد بھی تم
سے زیادہ رکھتے تھے پس ان کے حصے میں جو کچھ دنیا
کے فوائد آئے، وہ برت گئے، تم نے بھی اپنے حصہ کا
فائدہ اسی طرح برت لیا جس طرح انہوں نے برتا تھا
اور جس طرح (ہر طرح کی باطل پرستی کی) باتیں وہ کر
گئے، تم نے بھی کرلیں۔ (پس یہ نہ بھولو کہ) یہی لوگ تھے جن
سارے کام دنیا و آخرت میں اکارت ہوئے، اور یہی ہیں
گھاٹے ٹوٹے میں رہنے والے۔
کیا انہیں ان لوگوں کی خبر نہیں ملی جو ان سے پہلے
گزر چکے ہیں؟ قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم ابراہیم
اور مدین کے لوگ، اور وہ کہ ان کی بستیاں الٹ دی گئیں تھیں؟ ان سب کے رسول ان کے . . . . .

فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ○ أَلَمْ يَعْلَمُوا ۷۷
أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ○ الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ ۷۸
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ ۙ سَخِرَ
اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۚ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۷۹
سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ○ فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَن يُجَاهِدُوا ۸۰ ع ۱۴
بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا

پس اس بات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے دلوں میں نفاق (کا روگ) دائمی ہوگیا۔ اس وقت تک کے
لئے کہ یہ اللہ سے ملیں (یعنی قیامت تک دور ہونے والا نہیں) اور یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ
سے جو وعدہ کیا، اسے (جان بوجھ کر) پورا نہیں کیا، اور نیز دروغ گوئی کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے ہیں۔ ۷۷
(افسوس ان پر!) کیا انہوں نے نہیں جانا کہ اللہ ان کے بھیدوں اور سرگوشیوں سے واقف ہے
اور یہ کہ غیب کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں؟ ۷۸
جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ خوش دلی سے خیرات کرنے والے مومنوں پر (ریاکاری کا) عیب لگاتے
ہیں، اور جن مومنوں کو اپنی محنت مشقت کی کمائی کے سوا اور کچھ میسر نہیں (اور اس میں سے بھی جتنا
نکال سکتے ہیں راہ حق میں خرچ کر دیتے ہیں) ان پر تمسخر کرنے لگتے ہیں، تو (انہیں معلوم ہو جائے کہ)
دراصل اللہ کی طرف سے خود ان پر تمسخر ہو رہا ہے (کہ ذلت و نامرادی کی زندگی بسر کر رہے ہیں) اور
(آخرت میں) ان کے لئے عذاب دردناک ہے! ۷۹
اے پیغمبر! تم ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو یا نہ کرو (اب کی بخشش ہونے والی نہیں) تم اگر ستر مرتبہ بھی ان کے لئے
مغفرت کی دعا کرو (یعنی سینکڑوں مرتبہ ہی دعا کیوں نہ کرو) جب بھی اللہ انہیں کبھی نہیں بخشے گا۔ یہ اس بات کا
نتیجہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ (کا مقررہ قانون یہ ہے کہ وہ) دائرہ ہدایت
سے نکل جانے والوں پر (کامیابی و سعادت کی) راہ کبھی نہیں کھولتا۔ ۸۰
جو منافق جہاد میں شریک نہیں ہوئے اور) پیچھے چھوڑ دیئے گئے، وہ اس بات پر خوش ہوئے کہ اللہ
کے رسول کی خواہش کے خلاف اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں، اور انہیں یہ بات ناگوار ہوئی کہ اپنے
مال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ انہوں نے لوگوں سے کہا تھا "اس گرمی میں

۷۳ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝
يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۚ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ
يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ
وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ
۷۴ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ
۷۵-۷۶ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا

بہرحال یاد رہے کہ "دو خوبیوں" سے مقصود یہی حقیقت ہے،
یعنی فتح مندی یا شہادت، اور شہادت بھی فتح مندی ہے۔ یہ
ہمارے مفسروں نے مطلب نہیں ہے کہ "شہادت یا مالِ غنیمت" جیسا کہ ~~سمجھا گیا~~
خیال کیا۔ اور حاشا کہ مالِ غنیمت ~~~~ اِحْدَى
الْحُسْنَيَيْنِ ہو۔ (قرآن کے نزدیک)
(۴۲) آیت (۸۷) تک مدینہ کے منافقوں کے حالات و
خصائل پر مزید روشنی ڈالی ہے، اور ان معاملات کی طرف اشارات
۷۳ کئے ہیں جو غزوہ تبوک کی ابتدا میں اور پھر سفر کے درمیان اور
واپسی پر پیش آئے۔ اور بالآخر ان لوگوں کے لئے آخری احکام
صادر کئے ہیں۔ ان تمام آیات کے لئے سورت کا آخری نوٹ
دیکھو، کیونکہ بغیر یک جائی نظر ڈالے تمام پہلو واضح نہیں ہو سکتے
(۴۳) آیت ۶۰ میں زکوٰۃ کے مصارف بیان کر دئے۔ توضیح کے لئے آخری نوٹ دیکھو

اے پیغمبر! کافروں اور منافقوں، دونوں سے
جہاد کر، اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آ (کیونکہ کافروں
کی عہد شکنیاں اور منافقوں کا عذر و فریب اب آخری
درجہ تک پہنچ چکا ہے) بالآخر ان کا ٹھکانا دوزخ
ہے، (اور جس کا آخری ٹھکانا دوزخ ہو تو) کیا ہی
بُری پہنچنے کی جگہ ہے!
یہ (منافق) اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم نے ایسا
نہیں کہا، اور واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے ضرور کفر کی
بات کہی۔ وہ اسلام قبول کر کے پھر کفر کی چال چلے
اور اس بات کا منصوبہ باندھا جو نہ پا سکے۔ انہوں نے انتقام نہیں لیا۔ مگر اس بات کا کہ اللہ اور اس
کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے (مالِ غنیمت دے دے کر) تونگر کر دیا ہے! بہرحال اگر یہ لوگ اب
بھی باز آجائیں تو ان کے لئے بہتر ہے، اور اگر گردن موڑیں تو پھر یاد رکھیں، اللہ ضرور انہیں دنیا
اور آخرت میں عذاب دردناک دے گا، اور روئے زمین پر ان کا نہ کوئی کارساز ہونے والا ہے
۷۴ نہ مددگار!
اور (دیکھو) ان میں (کچھ لوگ) ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ اپنے فضل
۷۵ سے ہمیں (مال و دولت) عطا فرمائے گا، تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ضرور نیکی کی زندگی بسر کریں گے۔
پھر جب ایسا ہوا کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے (مال) عطا فرمایا، تو اس میں کنجوسی کرنے لگے
۷۶ اور اپنے عہد سے پھر گئے، اور حقیقت یہ ہے کہ (نیکی کی طرف سے) ان کے دل ہی پھرے ہوئے ہیں۔

٨٧ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۝ لَٰكِنِ الرَّسُولُ وَ
الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ
٨٨ الْمُفْلِحُونَ ۝ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ
٨٩ الْعَظِيمُ ۝ وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَ ع ١١
٩٠ رَسُولَهُ ۚ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى
الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا

انہوں نے پسند کیا کہ پیچھے رہجانے والیوں کے ساتھ رہیں۔ (یعنی مرد ہو کر جنگ کے وقت عورتوں
٨٧ کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہیں) اور ان کے دلوں پر مہر لگ گئی، پس یہ کچھ سمجھتے نہیں!
لیکن اللہ کے رسول نے اور انہوں نے جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں، اپنے مال سے اور اپنی جان
سے (راہ حق میں) جہاد کیا، (اور ان کی منافقانہ چالیں کچھ بھی نہ کر سکیں) یہی لوگ ہیں کہ ان کے لئے نیکیاں
٨٨ ہیں، اور یہی ہیں کہ کامیاب ہوئے!
اللہ نے ان کے لئے (نعیم ابدی کے) ایسے باغ تیار کر دئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (اور
اس لئے کبھی خشک ہونے والے نہیں) یہ ہمیشہ ان میں رہینگے۔ اور یہ ہے بہت بڑی فیروزمندی (جو
٨٩ ان کے حصے میں آئی)
اور (اے پیغمبر!) اعرابیوں میں سے (یعنی عرب
کے صحرائی بدوؤں میں سے) عذر کرنے والے تمہارے
پاس آگئے کہ انہیں بھی (رہ جانے کی) اجازت دی جائے
اور (ان میں سے) جن لوگوں نے (اظہار اسلام کر
کے) اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا،
وہ گھروں ہی میں بیٹھے رہے، سو معلوم ہوا کہ
ان میں سے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی،
٩٠ انہیں عنقریب عذاب دردناک پیش آئیگا
ناتوانوں پر، بیماروں پر، اور ایسے لوگوں پر
جنہیں خرچ کے لئے کچھ میسر نہیں، کچھ گناہ نہیں ہے (اگر وہ دفاع میں شریک نہ ہوں) بشرطیکہ اللہ اور

(١) آیت (٩٠) میں سلسلۂ بیان ایک دوسرے گروہ کی طرف متوجہ ہوا ہے کہ ان میں بھی ایک جماعت منافقوں کی تھی اور ایک جماعت کمزور ایمان والوں کی، یہ صحرانشین قبایل جن کا بقیہ آج بھی موجود ہے اور عرب کے بدو کہے جاتے ہیں۔ ان کا بڑا حصہ نیا نیا مسلمان ہوا تھا، اور شہروں میں نہ رہنے کی وجہ سے ابھی اسلامی زندگی کی تربیت نہیں ملی تھی۔ غزوۂ تبوک کا بلاوا ہوا تو کچھ لوگ آئے اور عذر پیش کئے۔ کچھ ایسے تھے جو چپکے بیٹھے رہے معذرت کے لئے بھی نہیں آئے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عذر کرنے والے عامر بن الطفیل کے قبیلے کے تھے۔ انہوں نے کہا تھا، اگر ہم آپ کے ساتھ نکلے تو طی کے بدو ہمارے مویشی اور اولاد پر آپڑینگے (ابن جریر) چنانچہ جو منافق تھے، ان کے لئے وعید ہوئی اور جنہوں نے کمزوری کی وجہ سے پہلوتہی کی تھی، ان پر عتاب ہوا۔

لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ ۗ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا ۚ لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ۝ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا ٨١
كَثِيرًا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَىٰ طَائِفَةٍ مِنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ ٨٢
لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا ۖ إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ
بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ ۝ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَ ٨٣
لَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ ۝ وَلَا تُعْجِبْكَ ٨٤
أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ
وَهُمْ كَافِرُونَ ۝ وَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ آمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ ٨٥
أُولُو الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ مَعَ الْقَاعِدِينَ ۝ ٨٦

(گھر کا آرام چھوڑ کر) کوچ نہ کرو" (اے پیغمبر!) تم کہو "دوزخ کی آگ کی گرمی تو (اس سے) کہیں زیادہ
گرم ہوگی" اگر انہوں نے سمجھا ہوتا (تو کبھی اپنی اسی حالت پر خوش نہ ہوتے!) ٨١
اچھا یہ تھوڑا سا ہنس لیں پھر انہیں اپنی اُن بد عملیوں کی پاداش میں بہت کچھ رونا ہے جو یہ کماتے رہے ہیں! ٨٢
تو (دیکھو) اگر اللہ نے تمہیں ان کے کسی گروہ کی طرف (صحیح سلامت) لوٹا دیا، اور پھر (کسی موقعہ پر)
انہوں نے (جہاد میں) نکلنے کی اجازت مانگی، تو اس وقت تم کہہ دینا "نہ تو تم میرے ساتھ کبھی نکلو اور نہ
کبھی میرے ساتھ ہو کر دشمن سے لڑو۔ تم نے پہلی مرتبہ بیٹھ رہنا پسند کیا، تو اب بھی پیچھے رہ جانے والوں
کے ساتھ (گھروں میں) بیٹھے رہو!" ٨٣
اور (اے پیغمبر!) ان میں سے کوئی مرجائے، تو تم کبھی اس کے جنازہ پر (اب) نماز نہ پڑھنا، اور نہ
اس کی قبر پر کھڑے رہنا۔ کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا، اور اس حالت میں
مرے کہ (دائرۂ ہدایت سے) باہر تھے۔ ٨٤
اور (دیکھو) ان کے مال اور ان کی اولاد پر تمہیں تعجب نہ ہو۔ یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ چاہتا
ہے، مال و اولاد کے ذریعہ انہیں عذاب دے (یعنی ایسے لوگوں کے لئے اس کا مقررہ قانونِ حیات
ایسا ہی ہے) اور ان کی جان اس حالت میں نکلے کہ سچائی کے منکر ہوں۔ ٨٥
اور (اے پیغمبر!) جب کوئی (قرآن کی) سورت اس بارے میں اترتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ۔ اور
اس کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کرو، تو جو لوگ ان میں مقدور والے ہیں، وہی تجھ سے رخصت مانگنے
لگتے ہیں کہ "ہمیں چھوڑ دیجئے۔ گھر میں بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہیں"۔ ٨٦

لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللّٰهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۚ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ○ سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ ۹۴
إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ ۖ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاءً بِمَا كَانُوا
يَكْسِبُونَ ○ يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۖ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ ۹۵
الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ○ الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ ۹۶

نہ رہ سکیں حسرت و غم کے آنسو بے اختیار بہنے لگے:

زچشمم آتیں بروار و اشکم را تماشا کن!

قرآن کی معجزانہ بلاغت دیکھو۔ پہلے بے مقدوروں کا ذکر ہو چکا تھا، لیکن خصوصیت کے ساتھ پھر ان کا ذکر کیا، اور ان کی محبت ایمانی کی تصویر کھینچ دی۔ تاکہ نفاق کے مقابلہ میں ایمان کا بھی ایک مرقع سامنے آجائے۔ یعنی یا تو وہ ہیں کہ قدرت رکھتے پر بھی حیلے بہانے نکالتے ہیں۔ یا یہ ہیں کہ مقدرت نہ رکھتے پر بھی دل کی لگن چین سے بیٹھنے نہیں دیتی۔ آنسو بن کر آنکھوں سے ٹپک رہی ہے۔

غزوہ تبوک میں سواریوں کی بڑی قلت تھی۔ اٹھارہ آدمیوں کے حصے میں ایک اونٹ آیا تھا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے جو زاد راہ کی مقدرت نہیں رکھتی تھی، پیغمبر اسلام سے عرض کیا، ہمارے لئے سواری کا بندوبست کر دیجئے، آپ نے کہا، کہاں سے کروں، کوئی سامان نہیں پاتا اس پر وہ روتے ہوئے چلے گئے، اور ان کے درد و غم کا یہ حال تھا کہ "البکائین" کے نام سے مشہور ہو گئے تھے یعنی بہت رونے والے! (ابن جریر)

سبحان اللہ، ان چند آنسوؤں کی قدر و قیمت جو ایمان کی تپش سے بہے تھے۔ کہ ہمیشہ کے لئے ان کا ذکر کتاب اللہ نے محفوظ کر دیا۔ آج بھی کہ تیرہ صدیاں گذر چکی ہیں، ممکن نہیں ایک مومن یہ آیت پڑھے اور ان آنسوؤں کی یاد میں خود اس کی آنکھیں بھی اشکبار نہ ہو جائیں!

(۳) آیت (۹۳) میں فرمایا اعارزمن کے وقت عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہنا، ایک ایسی نامردی کی بات ہے جسے کوئی خوددار آدمی گوارا نہیں کر سکتا، لیکن انہوں نے یہ بھی گوارا کر لیا کیونکہ جہل و بیجسی کی انتہائی حالت ان پر طاری ہو گئی ہے اس حالت کو جو انتہا درجہ

اعتبار کرنے والے نہیں اللہ نے ہمیں پوری طرح تمہارا حال تبلا دیا ہے۔ اب آئندہ اللہ اور اس کا رسول دیکھے گا، تمہارا عمل کیسا رہتا ہے (نفاق پر مصر رہتے ہو یا باز آتے ہو) اور پھر (بالآخر) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ظاہر و پوشیدہ، ہر طرح کی باتیں جاننے والا ہے پس وہ تمہیں تبلائے گا کہ (دنیا میں) کیا کچھ کرتے رہے ہو! ۹۴

جب تم لوٹ کر ان سے ملو گے، تو ضرور یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے، تاکہ ان سے درگزر کرو۔ سو چاہئے کہ تم ان سے درگزر ہی کر لو (یعنی رخ پھیر لو) یہ ناپاک ہیں، ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا، اس کمائی کا نتیجہ جو یہ (اپنی بدعملیوں سے) کماتے رہے! ۹۵

یہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ ان سے راضی ہو جاؤ، سو (یاد رکھو) اگر تم راضی بھی ہو گئے (حالانکہ تمہیں راضی نہیں ہونا چاہئے، اور تم راضی نہ ہو گے) تو اللہ ان سے کبھی راضی ہونے والا نہیں جو (دائرۂ ہدایت سے) باہر ہو گئے ہیں! ۹۶

اعرابی کفر اور نفاق میں سب سے زیادہ سخت ہیں، اور اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کی نسبت

۹۱ نَصَحُوا لِلّٰهِ وَرَسُولِهٖ ۚ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ ۚ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَلَا عَلَى
الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ
۹۲ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ۝ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ
۹۳ أَغْنِيَاءُ ۚ رَضُوا بِأَنْ يَّكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝
يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۚ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوا لَنْ نُّؤْمِنَ

اس کے رسول کی خیر خواہی میں کوشاں رہیں (کیونکہ ایسے لوگ نیک عملی کے دائرہ سے الگ نہیں
۹۱ ہوئے اور) نیک عملوں پر الزام کی کوئی وجہ نہیں اللہ بڑا ہی بخشنے والا رحمت والا ہے!

اور نہ ان لوگوں پر کچھ گناہ ہے جن کا حال یہ تھا کہ (خود سواری کی مقدرت نہیں رکھتے تھے، اس لئے) تیرے پاس آئے کہ ان کے لئے سواری بہم پہنچادے اور جب تو نے کہا، میں تمہارے لئے کوئی سواری نہیں پاتا، تو (بے بس ہو کر) لوٹ گئے، لیکن ان کی آنکھیں اس غم میں اشکبار ہو رہی تھیں کہ افسوس! ہمیں میسر نہیں کہ اس راہ میں کچھ خرچ کریں!

الزام تو دراصل ان پر ہے جو تجھ سے (بیٹھے رہنے کی) اجازت مانگتے ہیں حالانکہ مالدار ہیں۔ انہوں نے پسند کیا کہ (جب سب لوگ راہ حق میں کوچ کر رہے ہوں تو یہ) گھروں میں رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہیں! (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی پس جانتے بوجھتے نہیں!

جب تم (جہاد سے لوٹ کر) ان کے پاس واپس جاؤ گے، تو وہ آئیں گے اور تمہارے سامنے (طرح طرح کی) معذرتیں کریں گے۔ (اے پیغمبر! تمہیں چاہئے اس وقت) کہدو: معذرت کی باتیں نہ بناؤ۔ اب ہم تمہارا

(۲۱) کوئی بات دنیا میں اس سے زیادہ عجیب نہیں ہو سکتی کہ وحشی اور بہائم صفت انسان، اچانک محبت و اخلاص اور ایثار و خود فروشی کے فرشتے بن جائیں۔ لیکن قرآن کی تعلیم نے ایسا ہی انقلاب پیدا کیا۔ اوپر گزر چکا ہے کہ غزوہ تبوک بڑے ہی ناموافق حالات میں پیش آیا تھا حتی کہ لوگوں کی افسردگی پر اللہ کا عتاب ہوا۔ لیکن اس پر بھی لوگوں کا کیا حال تھا؟ یہ تھا کہ شدت درد و غم سے بے اختیار ہو کر رونے لگتے تھے۔ کس بات پر؟ اس پر کہ عیش و راحت میں انہیں حصہ نہیں ملا؟ نہیں، اس پر کہ راہ حق کی مصیبتوں اور قربانیوں میں شریک ہونے سے رہ گئے!

۹۲ آیت (۹۱) میں بتلا دیا کہ اگر دفاع کے لئے نفیر عام ہو تو کن کن لوگوں کو معذور تصور کیا جا سکتا ہے فرمایا، ناتوان آدمی یعنی جو لوگ جسمانی طور پر مجبور ہوں مثلاً بہت بوڑھے اندھے اپاہج۔ دوسرے بیمار۔ تیسرے ایسے لوگ جو سفر کی لازمی ضروریات کے انتظام کی مقدرت نہ رکھتے ہوں۔

اس عہد میں تو کوئی سرکاری فوج وجود میں آئی تھی نہ رضاکاروں کی کوئی الگ تنخواہ تھی نہ سپاہیوں کی معاش کے لئے حکومت کا کوئی خزانہ تھا سبھی رضاکار تھے، اور سب کے لئے ضروری تھا کہ اپنا خرچ خود ہی اٹھائیں بلکہ بن پڑے تو دوسروں کے لئے بھی خرچ کریں پس فرمایا، جو لوگ فی الحقیقت
۹۳ معذور نہیں رکھتے کوئی وجہ نہیں کہ ان پر الزام آئے۔

[illegible] لوگ جن کے ایمان و اخلاص کا یہ حال تھا کہ جب ان کے لئے سواری کا انتظام نہ ہو سکا اور تیرے ادب و احترام نے اس کی بھی اجازت نہ دی کہ زیادہ اصرار کریں، تو خاموش ہو کر لوٹ گئے لیکن آنکھیں جو درد دل کی غماز ہیں خاموش

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا
۱۰۰ الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ
وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ
۱۰۱ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ
۱۰۲ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے، یہ بنو اسد اور غطفان کے قبائل تھے (ابن جریر)

(۷) آیت ۱۰۰ سے معلوم ہوا، اس امت کے بہترین طبقے تین ہیں:

(ا) مہاجرین میں سے سابقون الاولون یعنی مکہ کے وہ حق پرست جنہوں نے دعوتِ حق کی قبولیت میں سبقت کی اور سب سے پہلے ایمان لائے۔ پھر صلح حدیبیہ سے پہلے کہ غربت و مصیبت کا زمانہ تھا، اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی۔

بالاتفاق سب سے پہلے ایمان لانے والی ہستی حضرت خدیجہ کی تھی ان کے بعد گھر کے آدمیوں میں سے حضرت علی (کہ دس برس سے زیادہ عمر کے نہ تھے) اور زید بن حارثہ ایمان لائے، اور باہر کے آدمیوں میں حضرت ابوبکر۔ حضرت ابوبکر ہجرت مدینہ میں بھی اسبق ہیں کہ خود آنحضرت کے ساتھی تھے۔

(ب) انصار میں سے سابقون الاولون یعنی مدینہ کے وہ حق شناس جنہوں نے عین اس وقت جبکہ تمام جزیرۂ عرب داعیِ حق کو جھٹلا رہا تھا، اور خود اس کے اہل وطن اس کے قتل و ہلاکت کے درپے تھے، دعوتِ حق قبول کی، اور عقبۂ اولیٰ اور ثانیہ میں بیعت کا ہاتھ بڑھایا۔ پہلی بیعت میں سات آدمی تھے اور یہ اعلان نبوت سے گیارھویں برس ہوئی۔ دوسری میں ستر مرد تھے اور دو عورتیں، اور یہ پہلی سے ایک برس بعد ہوئی۔ پیغمبر اسلام نے دوسری بیعت والوں کے ساتھ ابو زرارہ بن مصعب کو بغرض تعلیم بھیج دیا تھا۔ کچھ لوگ ان کے جانے پر ایمان لائے اور کچھ اس وقت جب خود آنحضرت نے ہجرت فرمائی۔

(ج) وہ لوگ جو ان دونوں جماعتوں کے قدم بہ قدم چلے اور گو بعد کو آئے، لیکن ان کا شمار پہلوں ہی کے ساتھ ہوا۔ چونکہ بعد کو ایمان لانے والوں میں بعض منافق اور کچے دل کے آدمی بھی تھے

سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں، اور وہ لوگ
جنہوں نے راست بازی کے ساتھ ان کی پیروی کی
تو اللہ ان سے خوشنود ہوا، وہ اللہ سے خوشنود ہوئے
اور اللہ نے ان کے لئے (نعیم ابدی کے) باغ تیار کر
دئے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور اس لئے
وہ خشک ہونے والے نہیں) وہ ہمیشہ اس (نعمت و
سرور کی زندگی) میں رہیں گے، اور یہ ہے بہت
۱۰۰ بڑی فیروزمندی !
اور ان اعرابیوں میں جو تمہارے آس پاس
بستے ہیں کچھ منافق ہیں، اور خود مدینہ کے باشندوں
میں بھی جو نفاق میں (رہتے رہتے) مشاق ہوگئے
ہیں (اے پیغمبر!) تم انہیں نہیں جانتے لیکن ہم
جانتے ہیں ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دینگے پھر اس
عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے جو بہت ہی بڑا
۱۰۱ عذاب ہے !
اور دوسرے لوگ (وہ ہیں) جنہوں نے اپنے گناہوں
کا اعتراف کیا۔ انہوں نے ملے جلے کام کئے کچھ اچھے کچھ
برے، تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ ان پر (اپنی رحمت سے) لوٹ
۱۰۲ آئے۔ اللہ بڑا ہی بخشنے والا بڑا ہی رحمت والا ہے !

أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ ٩٧
يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَائِرَ ۚ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ
عَلِيمٌ ۝ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبَاتٍ عِنْدَ اللَّهِ ٩٨
وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ ۚ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَهُمْ ۚ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
رَحِيمٌ ۝ وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ ٩٩ ع

سمجھا جائے، دین کے ان حکموں کی انہیں خبر نہیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیے ہیں (کیونکہ آبادیوں میں رہنے کی وجہ سے تعلیم و تربیت کا موقعہ انہیں حاصل
نہیں) اور اللہ (سب کا حال) جاننے والا (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے! ٩٧

اور اعرابیوں ہی میں ایسے لوگ ہیں کہ جو کچھ (راہ حق میں) خرچ کرتے ہیں اسے (اپنے اوپر) جرمانہ سمجھتے ہیں، اور منتظر ہیں کہ تم پر کوئی گردش آجائے (تو الٹ پڑیں) حقیقت یہ ہے کہ بری گردش کے دن خود انہی پر آنے والے ہیں، اور اللہ (سب کچھ) سننے
والا، (سب کچھ) جاننے والا ہے! ٩٨

اور (ہاں) اعرابیوں ہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ (راہ حق میں) خرچ کرتے ہیں، اسے اللہ کے تقرب اور رسول کی دعاؤں کا وسیلہ سمجھتے ہیں تو سن رکھو کہ فی الحقیقت وہ ان کے لیے موجب تقرب ہی ہے۔ اللہ انہیں اپنی رحمت کے دائرہ میں داخل کرے گا۔ بلاشبہ وہ بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحمت
والا ہے! ٩٩

اور مہاجرین اور انصار میں جو لوگ سبقت کرنے والے

غفلت و انکار کا لازمی نتیجہ ہے، قرآن مہر لگا دینے سے تعبیر کرتا ہے اس کی تعبیر کی تشریح پچھلی سورتوں میں گزر چکی ہے خصوصاً سورۂ اعراف کی آیت (۱۴۶) کے نوٹ میں۔

(۴) یہ آیتیں سفر تبوک کے اثنا میں نازل ہوئی ہیں آیت (۹۴) میں فرمایا، منافق تو سمجھے ہوئے تھے، تم اس سفر سے بخیر و عافیت لوٹنے والے نہیں اب لوٹو گے، تو جب واپس آئیں گے اور طرح طرح کی باتیں عذر و معذرت کی کریں گے۔ پھر جب دیکھیں گے کہ بات بنتی نہیں، تو قسمیں کھانی شروع کر دیں گے، لیکن خواہ وہ کتنی ہی قسمیں کھائیں، تمہیں ان کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے اب ان کا قول نہیں، ان کا عمل دیکھا جائے گا، اور اسی کے مطابق ان سے سلوک کیا جائے گا، پھر بالآخر اللہ کے حضور لوٹنا ہے اور اپنے کیے کا نتیجہ پانا۔

(۵) شہریوں کے مقابلہ میں بادیہ نشین قبائل عموماً سخت طبیعت کے ہوتے ہیں کیونکہ ان میں وہ لچک اور نرمی پیدا نہیں ہو سکتی جو معاشرتی زندگی کا خاصہ ہے۔ یہی حال عرب کے بدوؤں کا تھا۔ آیت ۹۷ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۶) آیت (۹۸) میں فرمایا۔ انہی میں وہ منافق ہیں جو اگر اسلام کی راہ میں کچھ خرچ بھی کرتے ہیں تو محض اس خوف سے کہ سمجھتے ہیں، بغیر اس کے چارہ نہیں، اور یہ خرچ کرنا ان کے لئے ایسا ہے، جیسے کوئی ناگواری سے جرمانہ بھرے۔ وہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی مصیبت آپڑے تو ان پر الٹ پڑیں۔ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر انہوں نے سمجھا ہوگا، رومیوں کے مقابلہ میں مسلمان کب ٹھہر سکتے ہیں، اب ان کے دن ختم ہوئے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۱۰۶
وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ
يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ ۱۰۷
يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ○ ۱۰۸
اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ

ہیں جن کا معاملہ اس انتظار میں کہ اللہ کا حکم کیا ہوتا ہے ملتوی ہو گیا ہے۔ وہ انہیں عذاب دے یا (اپنی رحمت سے) ان پر لوٹ آئے (اسی کے ہاتھ ہے) اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے! ۱۰۶

اور (منافقوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں) جنہوں نے اس غرض سے ایک مسجد بنا کھڑی کی کہ نقصان پہنچائیں، کفر کریں، مومنوں میں تفرقہ ڈالیں اور ان لوگوں کے لئے ایک کمین گاہ پیدا کر دیں جو اب سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکے ہیں۔ وہ ضرور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہمارا مطلب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ بھلائی ہو، لیکن اللہ کی گواہی یہ ہے کہ وہ اپنی قسموں میں قطعاً جھوٹے ہیں! ۱۰۷

(اے پیغمبر!) تم کبھی اس مسجد میں کھڑے نہ ہونا۔ اس بات کی کہ تم اس میں کھڑے ہو (اور بندگان الٰہی تمہارے پیچھے نماز پڑھیں) وہی مسجد حقدار ہے جس کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے (یعنی مسجد قبا اور مسجد نبوی) اس میں ایسے لوگ (آتے) ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ پاک و صاف رہیں، اور اللہ (بھی) پاک و صاف رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے! ۱۰۸

کیا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد

گھرا ہوا تھا، اس نے کہا، مجھے قبول کر لو اور ساری دنیا کی دشمنی مول لے لو، اور ان عشاق حق نے کہا، ہم نے قبول کیا، اور تیرے لئے سارے جہان کی دشمنیاں اور ہر طرح کی مصیبتیں اپنے سر لے لیں:-

دو عالم نقد جاں بر دست دارند
بہ بازارے کہ سودائے تو باشد!

یہی وجہ ہے کہ یہاں ان کا معاملہ ایسے پیرایہ میں بیان فرمایا جس سے بڑھ کر پیرایہ بیان عشاق حق کے لئے نہیں ہو سکتا: رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ اللہ ان سے خوشنود ہوا، وہ اللہ سے خوشنود ہوئے۔ اور سورۂ مائدہ میں انہی کے لئے پیشین گوئی گزر چکی ہے: یحبونھم و یحبونہ۔ اللہ ان سے محبت کریگا وہ اللہ سے محبت کرینگے!

اللہ کی خوشنودی تو ظاہر ہے کہ ان کے کمال ایمان و عمل کا نتیجہ تھی، لیکن خود ان کے خوشنود ہونے کا بیان کیا مطلب رکھتا ہے؟ افسوس ہے کہ لوگ اس کی حقیقت نہیں سمجھے اور اگرچہ یہاں سمجھانے کی گنجائش نہیں، اگر پھر بھی کوشش کروں گا کہ سورت کے آخری نوٹ میں اس کی تشریح بھی آجائے۔

(۸) آیت (۱۰۱) میں منافقوں کے ایک خاص گروہ کا ذکر کیا جو اطراف مدینہ کے بدوی قبائل میں بھی تھے۔ اور شہری باشندوں میں بھی۔ فرمایا مردوا علی النفاق۔ یہ نفاق میں مشاق اور عادی ہو گئے ہیں یعنی منافقانہ زندگی میں رہتے رہتے اس کی ایسی مشق و مزاولت ہو گئی ہے کہ نو آموزوں کی طرح پکڑے نہیں جا

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ
۱۰۳ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ
۱۰۴ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَ
۱۰۵ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَ
اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ

اس لئے "باحسان" کی قید لگادی، یعنی وہ جنہوں نے راست بازی کے ساتھ ان کی پیروی کی۔

دنیا میں جب کبھی سچائی کا ظہور ہوا ہے تو اس کا پہلا عہد ہمیشہ غربت و بیکسی کا رہا ہے اور ان ساری دنیوی ترغیبوں سے خالی رہا ہے جو کسی انسان کے دل کو مائل کرسکتی ہیں پس جو نفوس قدسی اس وقت حق کا ساتھ دیتے ہیں ان کی حق شناسی و حق پرستی کے درجہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ وہ داعی حق کا پہلے پہل ساتھ دے کر خود بھی داعیان حق کے گروہ میں داخل
۱۰۴ ہو جاتے ہیں اور ان کی حق پرستی دنیا کے ہر طرح کے تاثرات سے یک قلم منزہ ہوتی ہے۔

تاریخ اسلام میں مہاجرین و انصار کی جماعت کا یہی مقام ہے۔ اسی لئے السابقون الاولون سے زیادہ ان کے وصف میں کچھ کہنا ضروری نہ ہوا۔ کیونکہ یہاں اسبقیت و اولیت سے بڑھ کر اور کوئی بات نہیں ہو سکتی۔

جب پیغمبر اسلام نے پہلے پہل حضرت ابوبکر کو دعوت دی اور
۱۰۴ اس پیکر صدق و وفا نے سنتے ہی قبول کر لی، تو غور کرو اس وقت اس معاملہ کا حال کیا تھا؟ پورے کرہ ارضی میں تن تنہا دو آدمی کھڑے تھے۔ ایک نے بلایا تھا۔ دوسرا دوڑ گیا تھا۔ جس نے بلایا اس کے اندر وحی الٰہی کا یقین بول رہا تھا، لیکن جو دوڑا، اس نے کیا دیکھا تھا کہ ایک عجیب و غریب بات سنتے ہی قبول کر لی اور بیٹھے بٹھائے تمام ملک و قوم کو اپنا دشمن جانی بنا لیا؟

یاراں خبر دہید کہ ایں جلوہ گاہ کیست؟

اسی طرح غور کرو، جب عقبۂ اولیٰ میں مدینہ کے سات
۱۰۵ آدمی بیعت کر رہے تھے، تو کس سے کر رہے تھے اور کس حال میں کر رہے تھے؟ جس مظلوم کو گیارہ برس سے تمام جزیرۂ عرب جھٹلا رہا تھا، اور جو خود اپنی قوم و وطن میں دشمنوں سے

(اے پیغمبر!) ان لوگوں کے مال سے صدقات قبول کر لو۔ تم قبول کر کے انہیں (بخل و طمع کی برائیوں سے) پاک اور (دل کی نیکیوں کی ترقی سے) تربیت یافتہ کرو گے۔ نیز ان کے لئے دعائے خیر کرو۔ بلاشبہ تمہاری دعا ان کے دلوں کے لئے راحت و سکون ہے۔ اور اللہ (دعائیں) سننے والا اور (سب کچھ) جاننے والا ہے!

کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور جو کچھ بطور خیرات کے نکالیں اُسے منظور کر لیتا ہے؟ اور یہ کہ اللہ ہی ہے زیادہ سے زیادہ توبہ قبول کرنے والا، اور بڑا ہی رحمت والا۔؟

اور (اے پیغمبر!) تم کہو عمل کئے جاؤ۔ اب اللہ دیکھے گا کہ تمہارے عمل کیسے ہوتے ہیں، اور اللہ کا رسول بھی دیکھے گا اور مسلمان بھی دیکھیں گے، اور (پھر) تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جس کے علم سے تو کوئی ظاہر بات پوشیدہ ہے نہ کوئی چھپی بات۔ پس وہ تمہیں بتلائے گا کہ جو کچھ کرتے رہے ہو اس کی حقیقت کیا تھی۔

اور (پچھلے تائب گروہ کے علاوہ) کچھ اور لوگ

وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۱۱۱
اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۞ مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ ۱۱۲
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ وَلَوْ كَانُوْۤا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ
لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۞ ۱۱۳

اور جو سر اعترافِ ذنوب میں جھک گیا، پھر اس کے لئے محرومی نہیں ہوسکتی "کہ مستحق کرامت گناہ گارانند"

اس سے پہلے حکم گذر چکا ہے کہ منافقوں کی خیرات قبول نہ کرو اور نہ ان کی بخشش کے لئے دعا کرو۔ یہاں فرمایا، جن لوگوں نے اب اپنی خطاؤں کا اقرار کر لیا اور تائب ہوگئے، تو وہ جو کچھ راہ حق میں نکالیں اسے قبول کرلو، اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔ تمہاری دعا ان کے دلوں کے لئے کہ حسرت و ندامت سے زخمی ہو رہے ہیں راحت و سکون کا مرہم ثابت ہوگی!

نیز فرمایا، تم اس ذریعہ سے انہیں مطہّر اور مزکّی کردو گے یعنی خیرات و زکوٰۃ کا نکالنا اور اس کا قبول ہونا ایک ایسا معاملہ ہے جو نفس کی پاکی و تربیت کا باعث ہوتا ہے مزید اشارات کے لئے آخری نوٹ میں "زکوٰۃ" کا مبحث دیکھو۔

آیت (۱۰۶) میں فرمایا کچھ اور لوگ ہیں جو خدا کے فیصلہ کا ابھی انتظار کر رہے ہیں۔ یعنی ان کی توبہ کی قبولیت و عدم قبولیت کا ابھی فیصلہ نہیں ہوا۔ یہ کل تین آدمی تھے: مرارہ بن الربیع، کعب بن مالک، بلال بن امیہ۔ انہوں نے واپسی پر کوئی معذرت نہیں کی اور کہا، سچی بات تو یہ ہے کہ کوئی عذر نہ تھا، محض کاہلی اور سستی تھی جس نے نکلنے نہیں دیا۔ اس پر آنحضرت نے فرمایا۔ اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ چنانچہ آگے چل کر آیت (۱۱۷) میں ان کا حکم ملیگا

(۱۰) آیت (۱۰۷) میں منافقوں کی ایک بہت بڑی شرارت کا ذکر کیا ہے۔ جو انہوں نے ایک مسجد بنا کر کرنی چاہی تھی اور خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر کیا کہ اس میں مسلمانوں کے لئے عبرت و موعظت تھی اس باب میں ضروری اشارات سورت کے آخری نوٹ میں ملیں گے۔

کرتے ہیں۔ پس مارتے بھی ہیں۔ اور مرتے بھی ہیں یہ وعدہ اللہ کے ذمہ ہو چکا (یعنی اس نے ایسا ہی قانون ٹھہرا دیا)، تورات، انجیل، قرآن (تینوں کتابوں میں یکساں طور پر) اس کا اعلان ہے، اور اللہ سے بڑھ کر کون ہے جو اپنا عہد پورا کرنے والا ہو؟ پس (مسلمانو!) اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ سے چکایا، خوشیاں مناؤ اور یہی ہے جو بڑی سے بڑی فیروزمندی ہے! ۱۱۱

(ان لوگوں کے اوصاف و اعمال کا یہ حال ہے کہ:)
(اپنی لغزشوں اور خطاؤں سے) توبہ کرنے والے۔
عبادت میں سرگرم رہنے والے۔
اللہ کی حمد و ثنا کرنے والے۔
سیر و سیاحت کرنے والے۔
رکوع و سجود میں جھکنے والے۔
نیکی کا حکم دینے والے، برائی سے روکنے والے
اور اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔
(اے پیغمبر! یہی سچے مومن ہیں) اور مومنوں کو (کامیابی و سعادت کی) خوشخبری دیدو! ۱۱۲

پیغمبر کو اور ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں، ایسا کرنا سزاوار نہیں کہ جب واضح ہوگیا، یہ لوگ دوزخی ہیں، تو پھر مشرکوں کی بخشش کے طلب گار ہوں، اگرچہ وہ ان کے عزیز و اقارب ہی کیوں نہ ہوں ۱۱۳

عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانٍ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَہٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ ھَارٍ فَانْھَارَ

۱۰۹ بِہٖ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ لَا یَزَالُ بُنْیَانُھُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَۃً فِیْ

۱۱۰ ع ۱۳/۱۱/۲ قُلُوْبِھِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُھُمْ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۝ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ

اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وقف

وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ

سکتے۔ جو کچے اور نو آموز ہیں ان کے لئے مشکل ہے کہ اپنی دلی حالت چھپائے رکھیں۔ وہ ان کے چہروں پر ابھر ہی آتی ہے اور باتوں سے ٹپکنے ہی لگتی ہے۔ لیکن یہ لوگ اس بناوٹ کے ایسے عادی ہوگئے ہیں کہ ممکن نہیں، عام نگاہیں تاڑ سکیں۔

"ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دینگے" یعنی یہ اپنی دہری استعداد نفاق کی وجہ سے دُہرے عذاب کے مستحق ہوگئے۔ پہلی استعداد یہ کہ منافق ہوئے، دوسری یہ کہ اس میں کامل و مشاق ہوگئے

قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اعمال کے نتائج

۱۰۹ ٹھیک ٹھیک ان کی حالت اور درجہ کے مطابق نکلتے ہیں۔ اگر ایک شخص نے زہر کھالیا ہلکے قسم کا، تو نتیجہ بھی ہلکے قسم کی مضرت کا نکلے گا۔ لیکن اگر زہر قاتل ہے تو نتیجہ بھی قاتل ہوگا۔ ایسا ہی قانون روحانی زندگی میں بھی کام کر رہا ہے اور اچھائیوں کی طرح برائیوں کے بھی اقسام و مدارج ہیں۔

(۹) آیت (۱۰۲) سے لے کر (۱۰۶) تک ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اگرچہ اس موقعہ پر کوتاہی کی تھی لیکن اس کا سبب نفاق نہ تھا۔ سستی اور کاہلی تھی۔ پیغمبر اسلام جب سفر سے واپس آئے تو ان میں سے ہر شخص سچائی کے ساتھ اپنی غفلت پر منفعل ہوا۔ اور کوئی نہ تھا جس کا دل حسرت و ندامت کے زخموں سے چور نہ ہو رہا ہو۔ اللہ نے ان کی توبہ قبول کرلی کیونکہ اس

۱۱۰ کی بخشش و رحمت کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوسکتا۔ شرط صرف یہ ہے کہ خود ہم اپنے دلوں کا دروازہ اپنے ہاتھوں بند نہ کریں

نہ پہنچی ضعف سے لب تک دعا ہی ورنہ سدا

در قبول تو اس آرزو میں باز رہا!

فرمایا انہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور ان کا اعتراف دل کا اعتراف ہے پس کوئی وجہ نہیں کہ ان کی توبہ قبول نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ اس بارے میں اصل کارگر ہونے والی چیز سچا اعتراف ہے

اللہ کے خوف اور اس کی خوشنودی پر رکھی (جو کبھی ہلنے والی نہیں) یا وہ جس نے ایک کھائی کے گرتے ہوئے کنارے پر اپنی عمارت کی بنیاد رکھی، اور وہ مع اپنے مکین کے آتش دوزخ (کے گڑھے) میں جا گری؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ انہیں (کامیابی و سعادت کی) راہ نہیں دکھاتا جو ظلم کا شیوہ اختیار کرتے ہیں!

یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے (یعنی مسجد ضرار) ہمیشہ ان کے دلوں کو شک و شبہ سے مضطرب رکھے گی (یہ کانٹا نکلنے والا نہیں) مگر یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے جائیں (کیونکہ یہ ان کے نفاق کی ایک بہت بڑی شرارت تھی، جو چلی نہیں، اس لئے ہمیشہ اس کی وجہ سے خوف و ہراس کی حالت میں رہیں گے) اور اللہ سب کا حال جاننے والا (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے!

بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں بھی خرید لیں، اور ان کا مال بھی۔ اور اس قیمت پر خرید لیں کہ ان کے لئے بہشت (کی جاودانی زندگی) ہو، وہ (کسی دنیوی مقصد کی راہ میں نہیں بلکہ) اللہ کی راہ میں جنگ

قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ 117
خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ
لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ 118 ع
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ 119
حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ

عبادت سے مقصود عبادت خاص بھی ہے۔ اور عام بھی خاص یہ کہ خاص وقتوں اور خاص شکلوں کی عبادت جو دین حق نے قرار دیدی ہے، اسے پورے اخلاص اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرے، عام یہ کہ انسان کی فکری حالت عبادت گزارانہ ہوجائے۔ اور پھر وہ جو کچھ بھی سنے، جو کچھ بھی کہے جو کچھ بھی کرے، سب میں ایک عابدانہ روح کام کر رہی ہو!

(ج) الحامدون۔ یعنی وہ جو اپنے فکر سے اور اپنے قول سے اللہ کی حمد وستایش کرنے والے ہیں۔ فکر سے حمد وستایش یہ ہوئی کہ بحکم و یتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض (۳: ۱۹۱) آسمان وزمین کی خلقت میں غور وفکر کرنا، اور ان تمام کارفرمائیوں کی معرفت حاصل کرنا جو اس کی محمودیت و جمال پر دلالت کرتی ہیں۔ قول سے حمد وستایش، اس فکری حالت کا قدرتی نتیجہ ہے۔ کیونکہ جس ہستی کی محمودیت دل ودماغ میں بس جائیگی، ضروری ہے کہ زبان سے بھی بے اختیار اسکی حمد وثنا کے ترانے نکلنے لگیں!

(د) السائحون۔ وہ جو راہ حق میں سیر وسیاحت کرتے ہیں یعنی بحکم قد خلت من قبلکم سنن فسیروا فی الارض (۳: ۱۳۷) زمین میں عبرت ونظر کے لئے گردش کرتے ہیں۔ علم کی ڈھونڈھ میں نکلتے ہیں، راہ حق میں جدوجہد کرتے ہوئے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ کا رخ کرتے ہیں، حج کے لئے خشکی وتری کی مسافتیں قطع کرتے رہتے ہیں۔

(ہ) الراکعون الساجدون۔ وہ جو اللہ کے آگے جھک جاتے ہیں، اور رکوع وسجود سے کبھی نہیں تھکتے، یہ رکوع وسجود کی حالت جسم پر بھی طاری ہوتی ہے، قلب پر بھی طاری ہوتی ہے، اور زبان پر بھی طاری ہوتی ہے۔

(و) الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر۔ وہ جو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں، یعنی معرفت

اس کے پیچھے قدم اٹھایا، اور اس وقت اٹھایا، جبکہ حالت ایسی ہوچکی تھی کہ قریب تھا، ان میں سے ایک گروہ کے دل ڈگمگا جائیں۔ پھر وہ اپنی رحمت سے ان سب پر متوجہ ہو
گیا۔ بلاشبہ وہ شفقت رکھنے والا، رحمت فرمانے والا ہے! 117

اور (اسی طرح) ان تین شخصوں پر بھی (اس کی رحمت لوٹ آئی) جو (معلق حالت میں) چھوڑ دیئے گئے تھے (اور اس وقت لوٹ آئی) جبکہ زمین اپنی ساری وسعت پر بھی ان کے لئے تنگ ہوگئی تھی، (اور وہ خود بھی اپنی جان سے تنگ آگئے تھے، اور انہوں نے جان لیا تھا کہ اللہ سے بھاگ کر انہیں کوئی پناہ نہیں مل سکتی۔ مگر خود اسی کے دامن میں۔ پس اللہ (اپنی رحمت سے) ان پر لوٹ آیا تاکہ وہ رجوع کریں۔ بلاشبہ اللہ ہی ہے، بڑا توبہ قبول کرنے
والا، بڑا ہی رحمت والا! 118

مسلمانو! خدا کے خوف سے بے پروا نہ ہوجاؤ۔ اور چاہیئے کہ سچوں کے ساتھی بنو (کہ یہ سچائی تھی جو ان
لوگوں کی بخشش کا وسیلہ ہوئی!) 119

مدینہ کے باشندوں کو اور ان اعرابیوں کو جو اس کے اطراف میں بستے ہیں، لائق نہ تھا کہ اللہ کے رسول کا (دفاع میں) ساتھ نہ دیں اور پیچھے رہ جائیں، اور نہ یہ بات لائق تھی کہ اس کی جان کی پروا نہ کرکے محض

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرٰهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ
۱۱۴ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرٰهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ۝ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ
۱۱۵ إِذْ هَدٰهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُونَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ إِنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
۱۱۶ وَالْأَرْضِ ۖ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيرٍ ۝ لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى
النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ

اور ابراہیمؑ نے جو اپنے باپ کے لئے بخشش کی آرزو کی تھی تو صرف اس وجہ سے کہ اپنا وعدہ پورا کر دے جو وہ اس سے کر چکا تھا (یعنی اس نے کہا تھا، میرے بس میں اور تو کچھ نہیں دعا ہے تو اس سے باز نہیں رہوں گا) لیکن جب اس پر واضح ہوگیا کہ وہ اللہ کی سچائی) کا دشمن ہے (اور کبھی حق کی راہ اختیار کرنے والا نہیں) تو اس سے بیزار ہوگیا بلاشبہ ابراہیم بڑا ہی دردمند بڑا ہی بردبار (انسان) تھا۔

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ایک گروہ کو ہدایت دے کر پھر گمراہ ٹھہرائے تاوقتیکہ اُن پر وہ ساری باتیں واضح نہ کر دے جن سے انہیں بچنا چاہئے۔ بلاشبہ اللہ کے علم سے کوئی بات باہر نہیں!

بلاشبہ کہ آسمان اور زمین کی (ساری) پادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے (سب کچھ اسی کے قبضہ میں ہے) اور (مسلمانو!) اس کے سوا نہ تو تمہارا کوئی رفیق و کارساز ہے نہ مددگار!

یقیناً اللہ اپنی رحمت سے پیغمبر پر متوجہ ہوگیا نیز مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے بڑی تنگی اور بے سروسامانی کی گھڑی میں

(۱۱) آیت (۱۱۱) میں حب ایمانی کی حقیقت واضح کی ہے۔
فرمایا، جو لوگ اللہ پر ایمان لائے تو ایمان کا معاملہ یوں سمجھو کہ انہوں نے اپنا سب کچھ اللہ کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ جان بھی اور مال و متاع بھی اب ان کی کوئی چیز ان کی نہیں رہی۔ اللہ اور اس کی سچائی کی ہوگئی!

بندگانِ تو در عشقِ خداوند انند
دو جہاں را بہ تمنائے تو بفروختہ اند

اور پھر اللہ کی طرف سے اس کے معاوضہ میں کیا ہوا! یہ ہوا کہ نعیم ابدی کی کامرانیاں انہیں عطا فرمائیں:
یہ گویا خرید و فروخت کا ایک معاملہ تھا جو اللہ میں اور عشاقِ حق میں طے پاگیا۔ اب نہ بیچنے والا اپنی متاع واپس لے سکتا
۱۱۴ ہے نہ خریدنے والا قیمت لوٹائے گا۔

انا من بالنفس لمعسنر ربها + نلیس لها فی الخلق کلهم ثمن
اذا ذهبت نفسی بدنیا اصبتها + فقد ذهبت منی وقد ذهب الثمن

اور چونکہ اللہ کے لطف و کرم کا اقتضاء تھا، اس لئے معاملہ کو اپنی طرف سے شروع کیا نہ کہ بیچنے والوں کی طرف سے یعنی یہ نہیں کہا کہ مومنوں نے بیچ ڈالی بلکہ کہا، اللہ نے مومنوں سے خرید
۱۱۵ لی۔ گویا معاملہ کا طالب تھا۔ حالانکہ ہر طرح کی طلب و احتیاج سے وہ منزہ ہے اور جو متاع اس نے قبول کی وہ بھی اسی کی تھی اور جو کچھ معاوضہ میں بخشا وہ بھی اس کے سوا اور کس کا ہو سکتا ہے؟
(۲) آیت (۱۱۲) اس سورت کی مہمات معارف میں سے ہے
فرمایا، سچے مومنوں کے اوصاف و مدارج یہ ہیں کہ:
(۱) التائبون۔ یعنی وہ جو اپنی توبہ میں سچے اور پکے ہوتے ہیں اور ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرتے اور اپنی غفلتوں
۱۱۶ اور لغزشوں پر نادم رہتے ہیں۔
(ب) العابدون یعنی وہ جو اللہ کی عبادت میں سرگرم رہتے ہیں اور ان کی ساری بندگیاں اور نیازمندیاں صرف اسی کے لئے ہوتی ہیں۔

۱۲۲ لِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم ع
۱۲۳ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ الربع
فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِ إِيمَانًا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ
۱۲۴ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا
۱۲۵ وَهُمْ كَافِرُونَ ۝

پھر اگر توبہ و انابت کا تتمہ عبادت کا ذوق، اور تحمید و تسبیح کا عرفان کامل درجہ کا ہے، تو ممکن نہیں کہ وہ مومن صادق کو گھر میں چین سے بیٹھنے دے۔ ضروری ہے کہ وطن و مکان کی الفت کی زنجیریں ٹوٹیں اور سیر و سیاحت میں قدم سرگرم ہو جائیں۔ پس یہ چوتھی منزل ہوئی ہوئی اور السائحون کا طبقہ چوتھا طبقہ تھا ہوا۔

ان چار منزلوں سے جو کاروانِ عمل گذر گیا، اس نے اصلاحِ نفس کی مسافت طے کر لی پس اب پانچویں منزل الراکعون الساجدون کی ہوئی۔ یعنی بندگی و نیازمندی میں پورے ہو گئے اور اللہ کے آگے سر نیاز ہمیشہ کے لئے جھک گیا، اب الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر کا مقام انہیں حاصل ہو جائے گا یعنی اپنی تعلیم و تربیت کا معاملہ پورا کر کے دوسروں کے لئے معلم و مربی ہو جائیں گے۔ چنانچہ چھٹی منزل یہی ہوئی، اور اسی سے آخری منزل کے ڈانڈے مل گئے کہ الحافظون لحدود اللہ کا مقام ہے، یہاں پہنچکر ان کے تمام اعمال حدودِ الٰہی کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں وہ خود اپنے اعمال میں بھی حدود اللہ کی کامل نگہداشت رکھتے ہیں، اور اپنے وجود سے باہر بھی ان کے نفاذ و قیام کی نگہبانی کرتے ہیں۔

(۱۳۰) اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی کہ نیک مقصد سے سیر و سیاحت کرنا سچے مومنوں کا بہترین عمل ہے، اور ان اعمال میں سے ہے جن کے ذریعے وہ ایمان کے مدارج طے کرتے، اور خصائص ایمانی میں کامل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس سرعت کے ساتھ صدرِ اول کے مسلمان تمام دنیا میں پھیل گئے اس کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی، اور جب تک اسلام کی عملی روح زندہ رہی، ان سے بڑھ کر زمین کی مسافتیں قطع کرنے والی کوئی قوم نہ تھی۔ وہ سیاحت کو سیاحت سمجھ کر نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ کی عبادت سمجھتے تھے اور فی الحقیقت سیاحت نہ صرف ایک تنہا عبادت ہے بلکہ کتنی ہی عبادتوں کا مجموعہ ہے گھر بار چھوڑنا عزیز و اقارب کی جدائی برداشت کرنی، سفر کی مشقتوں میں پڑنا قدم قدم پر مال خرچ کرنا، آب و ہوائی ناموافقت اجنبیوں

(تعلیم و تربیت کے بعد) اپنے گروہ میں واپس جاتی تو لوگوں کو (جہل و غفلت کے نتائج سے) ہشیار
۱۲۲ کرتی تاکہ برائیوں سے بچیں؟

مسلمانو! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس (پھیلے ہوئے) ہیں، اور چاہئے کہ وہ (جنگ میں) تمہاری سختی محسوس کریں (کہ بغیر اس کے جنگ جنگ نہیں) اور یاد رکھو، اللہ ان کا ساتھی ہے جو
۱۲۳ (ہر حال میں) متقی ہوتے ہیں!

اور جب ایسا ہوتا ہے کہ (اللہ کی طرف سے) قرآن کی کوئی سورت اترتی ہے، تو ان (منافقوں) میں کچھ لوگ ہیں جو (انکار و شرارت کی راہ سے) کہتے ہیں "تم لوگوں میں سے کس کا ایمان اس نے زیادہ کر دیا"؟ تو حقیقت یہ ہے کہ جو ایمان رکھتے ہیں، ان کا ایمان تو ضرور زیادہ کر دیا، اور وہ اس پر خوشیاں
۱۲۴ منا رہے ہیں!

لیکن (ہاں) جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کا روگ ہے (اور ایمان کی جگہ انکار کی ناپاکی) تو بلا شبہ اس نے ان کی ناپاکی پر ایک اور ناپاکی بڑھا دی اور (نتیجہ بھی دیکھ لو) وہ مر گئے، اور اس حالت میں
۱۲۵ مرے کہ ایمان سے قطعی محروم تھے!

عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا
يَطَــــُٔـوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ
۱۲۰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ
۱۲۱ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا
كَاۗفَّةً ۭ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَاۗىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ

اپنے ہی نفس کی اصلاح پر قانع نہیں ہو جاتے، بلکہ دوسروں کی بھی اصلاح کرتے اور دنیا میں حق و عدالت کے نشر و قیام کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

(ن) الحافظون لحدود اللہ - یہ آخری وصف اور آخری مقام ہوا یعنی وہ جو ان تمام حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں جو اللہ نے انسان کے لئے ٹھہرا دی ہیں۔ قرآن کی اصطلاح یہ ہے کہ تمام واجبات و حقوق کو خواہ افراد کی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں خواہ جماعت سے وہ حدود اللہ سے تعبیر کرتا ہے یعنی یہ حدیں ہیں جو مقرر کر دی گئیں۔ ان کے ٹوٹنے میں انسانی امن و سعادت کی بنیادوں کا ٹوٹ جانا ہے۔

یہ کل سات وصف ہوئے، اور جس ترتیب سے بیان کئے گئے ہیں، وہ قابل غور ہے، یہ گویا نفس انسانی کے تزکیہ و ترقی کے سات درجے ہیں، یا سات طبقے! جو یکے بعد دیگرے ٹھیک اسی
۱۲۰ ترتیب سے سلوک ایمانی میں پیش آتے ہیں۔

جب کوئی انسان راستی و ہدایت کی راہ میں قدم اٹھائیگا تو قدرتی طور پر پہلا مقام توبہ و انابت ہی کا ہوگا یعنی پچھلی غلطیوں اور گمراہیوں سے (خواہ وہ کفر کی ہوں خواہ نفاق کی، خواہ معاصی و زلات کی) باز آئے گا، اور آئندہ کے لئے ان سے بچنے کا عہد
۱۲۱ کرے گا، اور اپنے سارے دل اور ساری روح سے اللہ کی طرف رجوع ہو جائے گا۔ اور یہی توبہ کی حقیقت ہے پھر اگر توبہ سچی ہوگی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ کی بندگی و نیاز مندی کی سرگرمی پیدا ہو جائے پس یہ دوسری منزل ہوئی، یا سلوک ایمانی کا دوسرا طبقہ۔ پھر چونکہ عبادت گزاری کی زندگی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ فکر اور ذکر کا مقام حاصل ہو جائے، اور ملکوت السمٰوات والارض کے مشاہدہ و معرفت کا دروازہ کھل جائے اس لئے تیسری منزل تحمید و تسبیح کی منزل یعنی اللہ کی حمد و ثنا کے جوش سے معمور ہو جانے کی منزل کہ ربنا ما خلقت ھذا باطلا[1] (۳: ۱۹۱)

اپنی جانوں کی فکر میں پڑ جائیں اس لئے کہ اللہ کی راہ میں انہیں جو مصیبت بھی پیش آتی، وہ ان کے لئے ایک نیک عمل شمار کی جاتی، ہر پیاس جو وہ جھیلتے، ہر محنت جو وہ اٹھاتے، ہر مخمصہ جس میں وہ پڑتے، ہر وہ قدم جو وہاں چلتا جہاں چلنا کافروں کے لئے غیظ و غضب کا باعث ہوتا، اور ہر وہ چیز جو وہ (مال غنیمت میں) دشمنوں سے پاتے (یہ سب کچھ ان کے لئے عمل نیک ثابت ہوتا کیونکہ) اللہ نیک کرداروں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا!

اور (اسی طرح) وہ (اللہ کی راہ میں) کوئی رقم نہیں نکالتے۔ چھوٹی ہو یا بڑی، اور کوئی میدان طے نہیں کرتے، مگر یہ کہ (اس کی نیکی) ان کے نام لکھی جاتی ہے تاکہ اللہ ان کے کاموں کا انہیں بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے!

اور (دیکھو) یہ ممکن نہ تھا کہ سب کے سب مسلمان (اپنے گھروں سے) نکل کھڑے ہوں (اور تعلیم دین کے مرکز میں آکر علم و تربیت حاصل کریں) پس کیوں نہ ایسا کیا گیا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکل آتی ہوتی کہ دین میں دانش و فہم پیدا کرتی؛ اور جب

[1] سورہ آل عمران کی آیت (۱۹۱) کا نوٹ دیکھنا چاہئے - نیز اعراف - آیت (۱۰۵)

فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

۱۲۹ ع ۱۶

۱۲۹ تو ان سے کہدو "میرے لئے اللہ کا سہارا بس کرتا ہے۔ کوئی معبود نہیں ہے۔ مگر صرف اسی کی ذات میں نے اس پر بھروسہ کیا، وہ (تمام عالم ہستی کی جہانداری کے) عرش عظیم[2] کا خداوند ہے!

اور علم کے مرکزوں میں پہنچو: فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم؟ (۹: ۱۲۲) اور تجارت کے غرض فضل الٰہی کی جستجو سے تعبیر کیا حتیٰ کہ حج کے موقعہ پر بھی اس کی اجازت دی۔ لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم[1] (۲: ۱۹۸) جبکہ سیر و سیاحت کے صریح احکام موجود ہیں تو پھر کونسی وجہ ہے کہ یہاں اس وصف کی موجودگی موجب تعجب ہو؟

(۱۴) اس عہد کے مسلمانوں نے کلمۂ حق کے رشتے پر دنیا کے سارے رشتے قربان کر دئیے تھے! انہیں اپنے ان عزیزوں اور رشتہ داروں سے لڑنے میں ایک لمحہ کے لئے بھی تامل نہیں ہوا جنہوں نے اسلام کے خلاف تلوار اٹھائی تھی۔ اور اس وقت حالت ہی ایسی ہو گئی تھی کہ کلمۂ حق کا ساتھ دینا دنیا کے تمام رشتوں علاقوں کو خیرباد کہہ دینا تھا۔ لیکن اسلام کے جو دشمن لڑتے ہوئے قتل ہو گئے، یا اپنی موت مر گئے۔ ان کی حالت زندوں سے مختلف ہو گئی تھی۔ کیونکہ اب وہ زندہ نہ تھے کہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کرتے، یا ان کے خلاف لڑتے بعض لوگوں کو خیال ہوا جب اللہ کے رسول کی دعا مقبول ہے تو کیوں نہ ہم اپنے ان عزیزوں کے لئے دعاءِ مغفرت کی التجا کریں جو مر چکے ہیں؟ اور خود قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت نازل ہو چکا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ کے لئے دعاءِ مغفرت کی تھی؛ حالانکہ وہ موحدوں کا مخالف تھا: واغفر لابی، انہ کان من الضالین (۲۶: ۸۶) آیت (۱۱۳) اسی معاملہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرمایا، نہ تو پیغمبر کو سزاوار ہے کہ ایسا کرے اور نہ مومنوں کو۔ اگرچہ وہ ان کے عزیز و اقارب ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ جب ان پر یہ بات روشن ہو گئی کہ وہ دوزخی ہیں تو پھر انہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے فیصلہ کے خلاف زبان کھولنے کی جسارت کریں۔

ان پر یہ بات روشن کس طرح ہوئی تھی؟ اللہ کی وحی سے اگر تعین کے ساتھ کسی نسبت نازل ہو چکی ہو۔ یا ان کے ان اعمال سے جن پر ان کی زندگیوں کا خاتمہ ہوا۔ یہ ظاہر ہے کہ وہ بیس برس تک داعی حق اور دعوت حق کے جانی دشمن رہے اور کفر و جحود اور ظلم و طغیان کی کوئی شرارت ایسی نہیں ہے جو انسان کر سکتا ہو اور انہوں نے نہ کی ہو۔ پھر ان کی زندگی کا خاتمہ بھی اسی عالم میں ہوا، اور اپنے اعمال بد پر ایک لمحہ کے لئے شرمندہ نہ ہوئے۔ جن لوگوں کی حالت ایسی رہ چکی ہو ان کے دوزخی ہونے سے زیادہ اور کون سی بات روشن ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد اس شبہ کا ازالہ کر دیا جو بعض طبیعتوں کو ہوا تھا۔ فرمایا، حضرت ابراہیم نے جو اپنے باپ کے لئے مغفرت کی دعائیں کی تھیں تو صرف اس لئے کہ جب تک آدمی زندہ رہتا ہے، اس کی ہدایت و اصلاح سے قطعی مایوسی نہیں ہو جا سکتی۔ اگرچہ کتنا ہی گمراہی و شقاوت میں ڈوبا ہوا ہو کیونکہ ہو سکتا ہے مرنے سے پہلے باز آ جائے۔ چنانچہ جب تک ان کا باپ زندہ رہا، وہ مایوس نہ ہوئے اور دعائیں مانگتے رہے۔ یہ بات انہوں نے اپنے باپ سے کہہ دی تھی۔ جب اس سے الگ ہوئے تھے اور وہ اپنی بات کے پکے تھے لیکن جب وہ کفر و جحود کی حالت میں مر گیا، تو ان پر واضح ہو گیا کہ وہ اپنی روش سے باز آنے والا نہ تھا۔ پس انہوں نے اس طلب مغفرت سے بیزاری ظاہر کر دی۔

چنانچہ قرآن نے سورۂ مریم اور ممتحنہ میں ان کے اس عہد کا ذکر کیا ہے۔ مریم میں ہے کہ جب ان کے باپ نے غصہ میں آ کر انہیں نکال دیا۔ اور کہا اگر تو اپنی روش سے باز نہ آیا تو سنگسار کر دوں گا۔ تو انہوں نے کہا: سلام

[1] تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم (اس موقعہ پر) اللہ کا فضل بھی حاصل کرنا چاہو (یعنی تجارت کرو)

[2] عرش یعنی تخت شاہی۔ دیکھو سورۂ اعراف آیت (۵۴) کا نوٹ۔

استغفار للمشرکین کی ممانعت

۱۲۶ اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّهُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ۝
وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ یَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ
۱۲۷ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ۝ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا
۱۲۸ عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا

(افسوس ان پر) کیا یہ نہیں دیکھتے کہ کوئی برس اس سے خالی نہیں جاتا کہ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ آزمائش میں نہ ڈالے جاتے ہوں پھر بھی یہ ہیں کہ نہ تو توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت پکڑتے ہیں!

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے (جس میں منافقوں کا ذکر ہوتا ہے) تو وہ آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں کہ تم پر کسی کی نگاہ تو نہیں؟ (یعنی اپنا ذکر سن کر جو تم چونک اٹھے ہو تو اس پر کسی کی نگاہ تو نہیں پڑ رہی؟) پھر منہ پھیر کر چل دیتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ان کے دل ہی (راستبازی سے) پھیر دیئے کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ بوجھ سے کورے ہوگئے!

(مسلمانو) تمہارے پاس (اللہ کا) ایک رسول آگیا ہے جو تم ہی میں سے ہے تمہارا رنج و کلفت میں پڑنا اس پر بہت شاق گذرتا ہے وہ تمہاری بھلائی کا بڑا ہی خواہشمند ہے وہ مومنوں کے لئے شفقت رکھنے والا رحمت والا ہے

(اے پیغمبر!) اگر اس پر بھی یہ لوگ سرتابی کریں

سے صحبت و معاملت اور پھر ان تمام موانع و مشکلات میں عزم و عمل کا استوار رہنا، ایثار و تحمل کے کتنے مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں، تب کہیں جاکر یہ عمل انجام پاتا ہے۔

سورہ تحریم میں یہی وصف مسلمان عورتوں کے لئے بھی فرمایا
۱۲۶ مومنات، قانتات، تائبات عابدات، سائحات (۶۶: ۵) اللہ کی فرمانبردار برائیوں سے پرہیز کرنے والیاں عبادت گزار سیاحت میں سرگرم اور روایات سے ثابت ہے کہ نہ صرف صحابیہ کرام کی بی بیاں بلکہ خود پیغمبر اسلام کی ازواج مطہرات بھی جنگ میں نکلتی تھیں اور مجاہدین کی خدمت کرتی تھیں بعد کو اس بارہ میں جو حال ہوا وہ شرح و بیان سے مستغنی ہے۔

بعضوں کو اس پر تعجب ہوا کہ سیر و سیاحت کا شمار بھی خصائص ایمانی میں ہوا اس لئے السائحون اور السائحات کے لغوی اور مصطلحہ معنی سے گریز کرنے لگے، لیکن فی الحقیقت ان کا تعجب محل تعجب ہے۔ قرآن نے ہجرت کو ایمان کا بہترین عمل قرار دیا ہے جو گھر بار چھوڑ کر نکلنا ہے، اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے فرمایا، انفروا خفافا و نقالا (۹: ۴۱) اور حج ہر مستطیع مسلمان
۱۲۷ پر مرد ہو یا عورت فرض کر دیا جو باشندگان مکہ کے علاوہ سب کے لئے بڑی سے بڑی سیاحت ہی ہے۔ من کل فج عمیق (۲۲: ۲۷) نیز جا بجا زور دیا کہ ملکوں کی سیر کرو، پچھلی قوموں کے آثار و باقیات سے عبرت پکڑو، ان کے عروج و زوال کے حالات و بواعث کا کھوج لگاؤ افلم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم (۱۲: ۱۰۹) خدا کی قدرت و حکمت کی ان نشانیوں پر غور کرو جو زمین کے چپہ چپہ میں پھیلی ہوئی ہیں: وکاین من ایۃ فی السموٰت والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون (۱۲: ۱۰۵) اور اسی صورت میں یہ حکم پورا ہو سکتا ہے کہ تم گھر سے نکلو

نکلو گھر سے ہوا اور ساماں سے ہلکے ہو یا بوجھل [illegible] دنیا کی سیر، دور دراز مسافت کے کرو [illegible] ملکوں کی سیر نہیں کی کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے پچھلی قوموں کا خاتمہ کس طرح [illegible] (قدرت الٰہی کی کتنی ہی نشانیاں ہیں کہ لوگ ان پر سے گزر جاتے ہیں اور گردن اٹھا کر دیکھتے نہیں!

گزر چکا ہے کہ حکم الٰہی کے انتظار میں ہیں۔

یہ تین شخص کعب بن مالکؓ، ہلال بن امیہؓ اور مرارہ بن ربیعہ تھے۔ کعب بن مالک ان بہتر سابقین انصار میں سے ہیں جنہوں نے عقبہ ثانیہ میں بیعت کی تھی، اور ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع دونوں بدری تھے یعنی ان جاں نثاروں میں جنہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی تھی۔

ان تینوں سے بھی غزوہ تبوک میں کوتاہی ہوئی اور شریک نہ ہوئے لیکن جب آنحضرت واپس تشریف لائے، اور ساتھ نہ دینے والے اپنے اپنے عذر پیش کر کے معافی مانگنے لگے تو انہوں نے کوئی خاص عذر پیش نہیں کیا، اور صاف صاف تسلیم کر لیا کہ ہماری سستی اور کاہلی تھی کہ اس سعادت سے محروم رہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا۔ حکم الٰہی کا انتظار کرو۔ پھر تمام مسلمانوں کو حتیٰ کہ ان کی بیویوں کو بھی حکم ہوا کہ ان سے ملنے جلنے کے تمام تعلقات منقطع کر لو۔ چنانچہ اچانک انہوں نے اپنے آپ کو اس حالت میں پایا کہ مدینہ اور اطراف مدینہ کی پوری آبادی نے ان کی طرف سے رخ پھیر لیا تھا ان کے عزیز و قریب تک ان کے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے۔ آخر جب پورے پچاس دن اس حالت میں گزر گئے تو یہ آیت نازل ہوئی، اور انہیں قبولیت توبہ کی بشارت ملی۔

ان تین صحابیوں میں سے حضرت کعب بن مالک نے خود اپنی سرگذشت تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں "تمام جنگوں میں میں نے رسول اللہ کے ساتھ شرکت کی، اور اس موقعہ پر بھی نکلنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن ایک کے بعد ایک دن نکلتے گئے اور میں اسی خیال میں رہا کہ اپنے معاملات نپٹا لوں تو نکلوں۔ یہاں تک کہ آج کل ہوتے ہوتے پورا وقت نکل گیا۔ اتنے میں خبر اڑی کہ آنحضرت واپس آ رہے ہیں۔ تب میری آنکھیں کھلیں لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ آپ حسب معمول پہلے مسجد میں تشریف لائے، اور جو لوگ کوچ میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ آ آ کر معذرتیں کرنے لگے اور قسمیں کھا کھا کر اپنی سچائی کا یقین دلانے لگے۔ یہ کچھ اوپر اسی آدمی تھے۔ انہوں نے جو کچھ ظاہر کیا، آنحضرت نے قبول کر لیا۔ اور ان کے دلوں کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا۔ جب میری طرف متوجہ ہوئے تو مجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ کوئی جھوٹی معذرت بنا کر کہہ دیتا۔ جو کچھ سچی بات تھی، صاف صاف عرض کر دی۔ آپ نے سن کر فرمایا "اچھا جاؤ اور انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے۔" میں نے لوگوں سے پوچھا اور بھی کسی کو ایسا حکم ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ کو۔

اس کے بعد جب آنحضرت کا حکم ہوا کہ ہم تینوں سے کوئی بات چیت نہ کرے، تو سب نے منہ پھیر لیا۔ اچانک دنیا کچھ سے کچھ ہو گئی۔ گویا کل تک جس دنیا میں تھا، اب وہ دنیا ہی نہیں رہی تھی۔ میرے دونوں شریک ابتلا گھر میں بند ہو کر بیٹھ رہے تھے لیکن میں سخت جان تھا۔ اس حالت میں بھی روز گھر سے نکلتا، مسجد میں حاضری دیتا، جماعت میں شریک ہوتا، اور پھر ایک گوشہ میں سب سے الگ بیٹھ جاتا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ نماز کے بعد قریب جا کر سلام عرض کرتا۔ اور پھر اپنے جی میں کہتا دیکھوں سلام کے جواب میں آپ کے لبوں کو حرکت ہوتی ہے یا نہیں؟ آپ گوشہ چشم سے کبھی کبھی دیکھ لیتے، لیکن جب میری نگاہ ادھر اٹھتی تو رخ پھیر جاتا۔

بہر تسکین دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر وہ جو وقتاً کچھ جنبش تھی ابرو میں!

ایک دن شہر سے باہر نکلا تو قتادہ کے باغ تک پہنچ گیا۔ یہ میرا چچیرا بھائی تھا اور اپنے تمام عزیزوں میں اسے زیادہ محبوب رکھتا تھا۔ میں نے سلام کیا، مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا ابو قتادہ! کیا تم نہیں جانتے کہ میں مسلمان ہوں اور اللہ اور اس کے رسول کی اپنے دل میں محبت رکھتا ہوں؟ اس پر بھی اس نے میری طرف رخ نہیں کیا۔ لیکن جب میں نے یہی بات بار بار دہرائی، تو صرف اتنا کہا "اللہ و رسولہ اعلم" اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ تب مجھ سے ضبط نہ ہو سکا، اور بے اختیار آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔"

"وہاں سے واپس ہوا تو راستہ میں شام کا ایک نبطی مل گیا۔ وہ لوگوں سے کہہ رہا تھا کوئی ہے جو کعب بن مالک تک پہنچا دے؟ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا تو اس نے بادشاہ غسان کا ایک خط نکال کر میرے حوالہ کیا۔ اس میں لکھا تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے آقا نے تم پر سختی کی ہے تم ہمارے پاس چلے آؤ۔ ہم تمہاری قدر و منزلت کریں گے۔ خط پڑھ کر میں

فلیک، ساستغفرلک ربی انہ کان بی حفیا (۱۹: ۴۷) اچھا، میں جاتا ہوں، تجھ پر سلامتی ہو، اب میں اپنے پروردگار سے تیرے لئے بخشش کی دعا کروں گا۔ وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ اور ممتحنہ میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے خاندان سے تمام تعلقات قطع کر دیئے تھے مگر صرف اتنا واسطہ اپنے باپ سے رکھا کہ لاستغفرن لک، وما املک لک من اللہ من شئی (۶۰: ۴) میں ضرور تیری بخشش کا طلب گار رہوں گا۔ اس سے زیادہ تیرے لئے میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے!

اور خود پیغمبر اسلام کا بھی یہی حال تھا کہ دشمنان حق کے لئے ان کی زندگی میں برابر طلبگار بخشش رہے کہ ابھی امید منقطع نہیں ہوئی تھی جنگ اُحد میں جب ان کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا تھا، تو زبان مقدس پر یہی دعا طاری تھی کہ رب اغفر لقومی فانہم لا یعلمون! خدایا میری قوم کو بخشدے کیونکہ وہ جانتے نہیں کہ کیا کر رہے ہیں!

یہ واضح رہے کہ قرآن نے حضرت ابراہیم کی یہ بات ان کے مناقب و فضایل میں شمار کی ہے اور جا بجا بطور نمونہ کے پیش کی ہے کیونکہ کتنے ہی ناموافق حالات ہوں، مگر ہدایت سے مایوس نہ ہونا، اور اپنے ماں باپ کے لئے ہر حال میں خیر طلب رہنا جن کی محبت و شفقت انسان کی پرورش کا ذریعہ ہوئی ہے ایمان و رستی کے بہترین اعمال میں سے ہے چنانچہ سورہ ابراہیم میں جہاں ان کی وہ مقبول دعائیں نقل کی ہیں جو امت مسلمہ کے ظہور اور خانہ کعبہ کی آبادی کے لئے کی تھیں، وہاں یہ دعا بھی نقل کی ہے: ربنا اغفرلی ولوالدی وللمومنین (۱۴: ۴۱) خدایا، مجھے بخشدے اور میرے باپ کو بھی اور ان سب کو جو ایمان لائے!

بخش دے

یہاں باپ سے مقصود ان کا حقیقی باپ ہے یا چچا جس نے بطور باپ کے پرورش کیا تھا؟ تو زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ آزر ان کا چچا تھا، اور یہ معاملہ اسی کے ساتھ پیش آیا تھا۔ چنانچہ سورۂ انعام آیت (۷۴) کے حاشیہ میں اس طرف اشارہ گذر چکا ہے۔

(۱۵) آیت (۱۶) میں فرمایا آسمان و زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے یہاں جسمانی موت و حیات کا ذکر نہ تھا۔ پس مقصود یہ ہے کہ نجات و بخشش کا رشتہ اسی کے ہاتھ میں ہے، اور جس طرح اجسام کی موت و حیات اس کے حکم سے ہے اسی طرح روح کی ہدایت و شقاوت کا معاملہ بھی اسی کے حکم پر موقوف ہے اور اس کے حکم سے مقصود اس کے ٹھہرائے ہوئے قوانین ہیں۔ ان قوانین کے مطابق کسی کی راہ سعادت کی راہ ہوتی ہے کسی کی شقاوت کی۔ اور ان کے خلاف کبھی کوئی بات ظہور میں نہیں آسکتی۔

حیات ممات روحانی

(۱۶) آیت (۱۱۷) پچھلی آیتوں کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس میں ان لوگوں کو قبولیت توبہ کی بشارت دی ہے جن سے غزوہ تبوک کی طیاریوں میں کوتاہی ہوئی تھی اور جن کی نسبت آیت (۱۰۲) میں فرمایا تھا کہ انہیں رحمت الٰہی کا امیدوار رہنا چاہئے۔ چونکہ قبولیت کا مقتضا یہ تھا کہ ان کے دلوں کے زخم دھوئے جائیں، اور مرحمت و اکرام کے مرہموں سے تسکین پائیں اس لئے پیرایہ بیان ایسا اختیار کیا گیا کہ ان کے سارے دکھوں کا مداوا ہو گیا۔ انہوں نے اس لغزش کی وجہ سے اپنی اصلی جگہ کھو دی تھی یعنی جن مقبولوں کے ساتھ ان کا شمار تھا، ان کی صف سے باہر ہو گئے تھے پس قبولیت توبہ کا مژدہ سنایا گیا تو اس طرح، کہ پہلے خود پیغمبر اسلام کا نام آیا، پھر مہاجرین و انصار کا۔ اور پھر انہی کے ضمن میں ان لوگوں کا بھی ذکر کر دیا گیا، اور رحمت الٰہی کی توجہ یکساں طور پر سب کے لئے کہی گئی، تاکہ اب کوئی اس حلقہ سے باہر نہ رہے۔ جن سے قصور ہوا تھا وہ بھی محسوس کرنے لگیں کہ رحمت و قبولیت کی ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے ہیں۔

شرح وعلی الثلاثة الذین خلفوا

گدایاں را ازیں معنی خبر نیست
کہ سلطان جہاں با ماست امروز!

توبہ کے معنی رجوع ہونے اور لوٹنے کے ہیں۔ اللہ کا اپنی رحمت کے ساتھ لوٹنا کاملوں کے لئے یہ ہے کہ مزید رحمت اکرام ہو قصور مندوں کے لئے یہ کہ قبولیت و مغفرت ہو۔

(۱۷) اس کے بعد فرمایا ان تین آدمیوں کی بھی توبہ قبول ہو گئی جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا۔ یعنی جن کی نسبت کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا ۔ اور پیغمبر اسلام نے فرمایا تھا حکم الٰہی کا انتظار کرو۔ چنانچہ آیت (۱۰۶) میں انہی کی نسبت

کیونکہ تعلیم و تربیت سے محروم رہتے ہیں۔ اب یہاں اشارہ کیا کہ تعلیم کا ایک عام نظم قائم کرنا چاہیے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تمام مسلمان گھر چھوڑ کر تحصیلِ علم کے لئے نکل کھڑے ہوں۔ بس ایسا کرنا چاہئے کہ ہر بستی اور ہر گروہ میں سے کچھ لوگ اس کام کے لئے وقف ہو جائیں وہ تعلیم و تربیت کے مرکز میں (اور اس وقت مرکز مدینہ تھا) رہ کر دین میں بصیرت پیدا کریں اور پھر اپنی آبادیوں میں جا کر دوسروں کو تعلیم دیں۔

قرآن کے یہی اشارات ہیں جنہوں نے مسلمانوں میں اول دن سے تحصیلِ علم کا عام ولولہ پیدا کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے ایک صدی کے اندر ہی اندر اس کا ایک ایسا عالمگیر نظام قائم کر دیا جس کی نظیر دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

معرکہ یرموک کی پیشین گوئی

(۱۹) آیت (۱۲۳) میں غالباً اس طرف اشارہ تھا کہ گو تبوک میں رومیوں سے مقابلہ نہیں ہوا، کیونکہ انہوں نے حملہ کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ لیکن وہ پھر طیاریاں کرنے والے ہیں اور ضروری ہے کہ مسلمان جنگ کے لئے مستعد رہیں۔ اس صورت میں "الذین یلونکم" کا مطلب یہ ہوگا کہ جو دشمن تمہاری سرحد سے متصل ہیں۔ یعنی شام کے رومی اور عرب کے عیسائی قبائل۔ چنانچہ چند سالوں کے بعد ایسا ہی ہوا۔ اور یرموک کا معرکہ پیش آیا۔

چونکہ رومیوں کا مقابلہ اس عہد کی سب سے زیادہ طاقتور اور متمدن شاہنشاہی کا مقابلہ تھا، اس لئے فرمایا۔ اس قوت سے لڑو کہ وہ تمہاری سختی محسوس کریں۔ مسلمانوں نے اس حکم کی جس طرح تعمیل کی، اس کا اندازہ صرف اس بات سے کر لیا جا سکتا ہے کہ ہرقل کی فوج بالاتفاق دو لاکھ سے زیادہ تھی اور مسلمان زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار تھے لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ ہمیشہ کے لئے رومی حکومت کا شام میں خاتمہ ہو گیا۔

کامل انذار و تنبیہ

(۲۰) آیت (۱۲۶) میں اگرچہ منافقوں کا ذکر ہے، لیکن قرآن کے تمام بیانات کی طرح یہاں بھی مقصود یہ ہے کہ غفلت انسانی کی ایک عام تصویر سامنے آجائے۔ افراد کی زندگی ہو یا جماعات کی، لیکن ہر ہلاکت و بربادی کے مقدم سراغ لگاؤ گے تو پاؤ گے کہ ان کی ہلاکت اچانک ان پر نہیں آگری تھی۔ وہ مدتوں تک ان پر منڈلاتی رہی، لیکن اتری نہیں۔ وہ اپنی آمد کی علامتیں بھیجتی رہی۔ ان کی زندگی کا کوئی برس کوئی مہینہ، بلکہ کوئی دن ان سے خالی نہیں گیا۔ لیکن جب یہ ساری تنبیہیں بیکار ہو گئیں، اور وہ غفلت و گمراہی سے باز نہ آئے، تو پھر ان پر اتر آئی۔ کیونکہ یہ ان کی "اجل" تھی، اور جب اجل آجائے تو وہ ٹل نہیں سکتی۔ (دیکھو ۷: ۳۴)

خدا کے روحانی قوانین بھی اس کے جسمانی قوانین کی طرح ہیں۔ تم بد پرہیزی کرتے ہو تو فوراً نہیں مر جاتے۔ البتہ موت کے پیام آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ پیام کیا ہیں؟ بیماریاں ہیں جو موت کی طرف سے آنے لگتی ہیں، تاکہ تمہیں بر وقت ہشیار کر دیں۔ اگر تم ہشیار ہو گئے تو وہ رک جائیگی۔ نہ ہوئے تو پھر تمہارے سرہانے آکھڑی ہوگی۔ ٹھیک ایسا ہی معاملہ جماعتوں اور قوموں کے ساتھ بھی پیش آتا ہے۔ اور ایسا ہی معاملہ افراد کی معنوی سعادت و شقاوت کا بھی سمجھو۔ جو نصیحت پکڑتے اور باز آجاتے ہیں، وہ سنتِ الٰہی کے مطابق ہلاکت سے بچ جاتے ہیں۔ جو مُصر رہتے ہیں، ہلاک ہو جاتے ہیں۔ یہی حقیقت ہے جسے قرآن نے جا بجا امہال، تربص، اور استمتاع سے بھی تعبیر کیا ہے (تشریح کے لئے دیکھو تفسیر فاتحہ)

برأت ایک وداعی موعظت تھی

(۲۱) امام بخاری نے براء سے روایت کی ہے کہ آخری سورت جو نازل ہوئی، برأت ہے، اور حاکم وغیرہ نے اُبی ابن کعب اور ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ سب سے آخری آیات جو نازل ہوئیں برأت کی آخری دو آیتیں ہیں لیکن تمام روایتوں کو جمع کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے، برأت سب سے آخری نہیں ہو سکتی۔ کم از کم واتقوا یوماً ترجعون فیہ الی اللہ (۲: ۲۸۱) اور سورہ نصر اس کے بعد ضرور نازل ہوئی ہے۔ بہرحال آخری ہو یا نہ ہو۔ لیکن باعتبار نزول کے یہ آخری کلام میں سے ضرور ہے، اور اسی لئے بہ حیثیت مجموعی پوری سورت میں اور آخری دو آیتوں میں خصوصیت کے ساتھ اس طرح کا طرزِ خطاب پایا جاتا ہے، جیسے امت کو آخری احکام دیئے جا رہے ہوں، آخری موعظت کا پیام ہو۔

چنانچہ آخری دو آیتوں میں عرب کی اس نسل سے خطاب ہے جو اس وقت مخاطب تھی (۱) اللہ کا رسول تم میں آگیا۔ اور اس نے اپنا فرض رسالت ادا کر دیا۔ وہ کسی دوسری جگہ سے تم میں نہیں آنکلا تھا۔ سنتِ الٰہی کے مطابق خود تم

نے کہا یہ ایک اور نئی مصیبت آئی۔ گویا پچھلی بلائیں کافی نہ تھیں"۔

"جب اس حالت پر چالیس راتیں گزر چلیں تو آنحضرت کی جانب سے ایک آدمی آیا اور کہا حکم ہوا ہے تم اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ۔ میں نے کہا طلاق دے دوں؟ کہا نہیں صرف علیحدگی کا حکم ہے۔ ہلال اور مرارہ کو بھی ایسا ہی حکم ہوا ہے۔ اس پر میں نے اپنی بیوی کو اس کے میکے بھجوا دیا۔

"جب دس دن گزر گئے، تو پچاسویں رات پر صبح آئی۔ میں اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھ کر بیٹھا تھا۔ اور ٹھیک ٹھیک وہی حالت تھی جس کی تصویر اللہ کے کلام نے کھینچ دی ہے۔ زندگی سے تنگ آ گیا تھا، اور خدا کی زمین بھی اپنی ساری پہنائیوں پر میرے لئے تنگ ہو گئی تھی۔ اچانک کیا سنتا ہوں، کوئی آدمی کوہ سلع پر سے پکار رہا ہے "کعب بن مالک! بشارت ہو۔ تمہاری توبہ قبول ہو گئی"۔"

چہ مبارک سحرے بود و چہ فرخندہ شبے! آں شب قدر کہ ایں تازہ براتم دادند!

"اب لوگ جوق جوق مجھے مبارک باد دینے کے لئے دوڑے۔ ایک آدمی گھوڑا دوڑاتے ہوئے آیا لیکن بشارت کی آواز اس سے بھی زیادہ تیز ثابت ہوئی تھی۔ میں مسجد میں حاضر ہوا تو آنحضرت لوگوں کے حلقہ میں بیٹھے تھے۔ آنحضرت کا قاعدہ تھا کہ جب خوش ہوتے تو چہرۂ مبارک چمکنے لگتا۔ جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔ ہم لوگوں کو یہ بات معلوم تھی۔ اس لئے ہمیشہ آپ کے چہرے پر نگاہ رکھتے تھے چنانچہ میں نے دیکھا۔ اس وقت بھی چہرہ مبارک چمک رہا تھا۔ فرمایا کعب! تجھے آج اس دن کے ورود کی بشارت دیتا ہوں جو تیری زندگی کا سب سے بہتر دن ہے۔ میں نے عرض کیا۔ یہ بات آپ کی جانب سے ہوئی یا اللہ کی وحی سے۔ فرمایا اللہ کی وحی سے (صحیحین)

اس آیت کا نوٹ، نوٹ کے حدود سے متجاوز ہو گیا، لیکن تفصیل اس لئے ضروری ہوئی کہ معاملہ اہم ہے اور اس میں مسلمانوں کے لئے بڑی ہی عبرت و موعظت ہے۔ امام احمد بن حنبل کی نسبت منقول ہے کہ قرآن کی کوئی آیت انہیں اس قدر نہیں رلاتی تھی جس قدر یہ آیت اور کعب بن مالک کی روایت۔ اس سے معلوم ہوا کہ:-

(ا) خدمت حق میں تساہل ایک مومن کے لئے کیا سخت جرم ہے کہ ایسے مخلص اور مقبول صحابی بھی اس درجہ سرزنش کے مستحق ہوئے اور تمام مسلمانوں کو ان سے قطع علائق کا حکم دیا گیا۔

(ب) مسلمانوں کی اطاعت و امتثال کا کیا حال تھا کہ جونہی انقطاع علائق کا حکم ہوا، تمام شہر نے یک قلم رخ پھیر لیا۔ چوری چھپے بھی کسی نے اس حکم کی خلاف ورزی نہیں کی حتیٰ کہ ان کے محبوب سے محبوب عزیزوں کو بھی یہ خیال نہ گزرا کہ ایک لمحہ کے لئے اس پر عمل نہ کریں یا کم از کم تعمیل میں نرمی و تساہل سے کام لیں۔ ابو قتادہ کا حال خود حضرت کعب کی زبان سے سن چکے ہو۔ جب انہوں نے کہا، تم تو اس سے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ سچا مسلمان ہوں۔ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوں۔ پھر مجھ سے رخ کیوں پھیر لیا ہے؟ تو ابو قتادہ نے صرف یہی کہا کہ اللہ و رسولہ اعلم۔ ان تین لفظوں میں اس عہد کے مسلمانوں کی ذہنیت کی پوری تصویر آ گئی ہے یعنی مجھے تمہارا سب کچھ پتہ ہے۔ جانتا ہوں کہ تم سچے مسلمان ہو لیکن اپنے جاننے کو کیا کروں؟ جاننا تو اللہ اور اس کے رسول کا ہے، اور اس کا حکم یہی ہے کہ تم سے کوئی واسطہ نہ رکھوں۔

پھر اس اطاعت کے لئے نہ تو کوئی مادی قوت کام میں لائی گئی تھی۔ نہ عمال حکومت کا ڈر تھا، نہ قانون و عدالت کا، صرف ایک شخص کے لبوں نے حرکت کی تھی، اور اتنی بات سب کو معلوم ہو گئی تھی کہ اس کی مرضی یہی ہے۔ بس اتنی بات کا معلوم ہو جانا اس کے لئے کافی تھا کہ سب کے دل مجسم اطاعت و امتثال بن جائیں۔

(ج) پھر یہ بھی دیکھو کہ مسلمانوں کی باہمی اخوت و محبت کا کیا حال تھا! اس سختی کے ساتھ حکم کی تعمیل ضرور کی لیکن ساتھ ہی ان کی مصیبت کے غم سے کوئی دل خالی بھی نہ تھا۔ سب کے دلوں کو لگی تھی کہ ان کی توبہ قبول ہو جائے جونہی قبولیت کا اعلان ہوا ایک پر ایک دوڑنے لگا کہ ان سختی کشان عشق کو سب سے پہلے میری زبانی مژدۂ قبولیت ملے۔ کوہ سلع پر سے جس نے پکار کر سب سے پہلے بشارت سنائی تھی، حضرت کعب نے گو اس کا نام نہیں لیا لیکن وہ حضرت ابوبکرؓ تھے۔

(۱۸) اس سے پہلے آیت (۹۷) میں بدوی قبائل کی نسبت فرمایا تھا کہ احکام دین سے بے خبری ان سے زیادہ متوقع ہے۔

...لیم و تعلیم کے
...لام کا قیام

کی سورتوں کا رہا ہے، اسلئے مفسرین نے خیال کیا، یہ مدنی آیتیں نہیں ہوسکتیں اور سورۂ برأت میں ان کا ہونا تعجب انگیز ہے۔ پھر اس استعجاب کو دور کرنے کے لئے طرح طرح کی توجیہیں کی گئیں لیکن مندرجہ بالا تفسیر کے بعد وہ سب غیر ضروری اور بے محل ہوگئیں۔

(۲۲) سورت کے بعض مہمات کی تشریح ابھی باقی ہے:

اہل کتاب سے قتال کا حکم کیوں دیا گیا

(۱) آیت (۲۹) میں عرب کے ان یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی تمام معاہدات فسخ کردینے کا حکم دیا ہے جنہوں نے یکے بعد دیگرے معاہدوں کی خلاف ورزیاں کی تھیں اور مسلمانوں کے امن و عافیت کے خلاف ایک بہت بڑا خطرہ بن گئے تھے۔ اور حکم دیا ہے کہ مشرکین عرب کی طرح ان کے خلاف بھی اب اعلان جنگ ہے۔

اسلام کا جب ظہور ہوا تو حجاز میں یہودیوں کی متعدد جماعتیں آباد تھیں، لیکن عیسائیوں کی کوئی قریبی آبادی نہ تھی۔ وہ یا تو یمن میں تھے، یا عرب اور شام کے سرحدی علاقے میں۔ یہودیوں کا جو طرز عمل رہا اس کی طرف اشارات گزر چکے ہیں۔ عیسائیوں کی حالت یہودیوں سے مختلف رہی۔ ان کی طبیعت میں وہ جمود اور سختی نہ تھی جو یہودیوں میں طبیعت ثانیہ ہو چکی تھی، اس لئے جب انہوں نے اس دعوت کا حال سنا تو مخالفت کا جوش پیدا نہیں ہوا، بلکہ اس کی طرف مائل ہونے لگے۔ چنانچہ یمن کے عیسائیوں نے ابتدا سے موافقانہ روش اختیار کی تھی، اور خود اپنی خوشی سے جزیہ دینا قبول کرلیا تھا۔ پھر خود بخود اسلام نے اپنی راہ وہاں نکال لی۔ انہی کے وفد سے وہ مخاطبات ہوئے تھے جو سورہ آل عمران میں گزر چکے ہیں۔ عرب سے باہر کے جن عیسائیوں تک اسلام کی دعوت پہلے پہل پہنچی ان کا بھی یہی حال رہا۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے جو بادشاہ مسلمان ہوا، وہ حبش کا عیسائی فرمانروا نیگوس تھا۔ جسے عرب نجاشی کہا کرتے تھے۔ اور جس کی حق شناسی اور استعداد ایمانی کی مدح خود کلام الٰہی نے کی ہے (دیکھو ۵: ۸۳)

اس عہد کے یہودیوں اور عیسائیوں کے اس اختلاف حال کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے اور اس کی علت بھی واضح کردی ہے (دیکھو ۵: ۸۲)

لیکن آگے چل کر جب اسلام کی دعوت زیادہ پھیل گئی تو وہ عیسائی ریاستیں جو عرب اور شام کے سرحدی علاقہ میں قائم ہوگئی تھیں اور رومی حکومت کے ماتحت تھیں اس تحریک کی ترقی گوارا نہ کرسکیں اور رومی شاہنشاہی کی پشت گرمی سے مغرور ہوکر آمادۂ پیکار ہوگئیں سب سے پہلا معاملہ حضرت حارث بن عمیر کی شہادت کا پیش آیا۔ آنحضرتؐ نے انہیں دعوت اسلام کا خط دے کر موتہ بھیجا تھا جہاں کا رئیس شرجیل بن عمرو غسانی تھا۔ اس نے انہیں بغیر کسی جرم و قصور کے قتل کرادیا اس صریح غدر و ظلم نے پیغمبر اسلام کو جنگ پر مجبور کردیا۔ اور ایک فوج سنہ ۸ ہجری میں روانہ کی گئی۔ اس وقت شہنشاہ قسطنطنیہ بھی شام میں مقیم تھا۔ اس سے رئیس موتہ نے مدد مانگی اور شاہی فوج بھی میدان میں آگئی تاہم فتح مسلمانوں ہی کو ہوئی۔

اس واقعہ کے بعد شام کے تمام عرب قبائل نے تہیہ کرلیا کہ مسلمانوں پر حملہ کردیں اور شہنشاہ قسطنطنیہ نے بھی ان کی اعانت کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ شاہی فوجیں شام میں جمع ہونے لگیں اور پیغمبر اسلام کو خود دفاع کے لئے نکلنا پڑا۔ یہی دفاعی اقدام ہے جو غزوۂ تبوک کے نام سے مشہور ہوا۔ لیکن جب پیغمبر اسلام تبوک پہنچے تو معلوم ہوا مسلمانوں کے اس بے باکانہ اقدام نے دشمنوں کے حوصلے پست کردیئے اور اب حملہ کا ارادہ ملتوی ہوگیا ہے۔

اس سورت کی آیتیں اس واقعہ کے بعد ہی نازل ہوئی تھیں اور چونکہ اب مسلمانوں پر اس جانب سے سخت حملہ ہونے والا تھا، اور دوسری طرف عرب کے یہودی بھی اپنی سازشوں میں سرگرم تھے، اس لئے ناگزیر ہوگیا تھا کہ مشرکین عرب کی طرح ان کے خلاف بھی جنگ کا اعلان کردیا جائے۔

پس اس آیت میں "جنگ کرو" کے حکم سے مقصود جنگ کی یہی صورت ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا کے تمام یہودیوں اور عیسائیوں پر محض ان کے یہودی اور عیسائی ہونے کی وجہ سے حملہ کردو۔ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہوجائیں یا جزیہ نہ دیں جب کہ معترضین اسلام نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایسا مطلب صرف وہی قرار دے سکتا ہے جو پورے قرآن سے پیغمبر اسلام کی زندگی سے صحابہ کے حالات سے اور تاریخ اسلام سے یک قلم آنکھیں بند کرلے۔

ہی میں پیدا ہوا، اور چونکہ وہ تم ہی میں سے ہے اس لئے اول سے لے کر آخر تک اس کی ساری باتیں تمہاری نگاہوں کے سامنے رہی ہیں۔ اس کا لڑکپن بھی تم میں گذرا، اس کی جوانی کے دن بھی تم میں بسر ہوئے۔ پھر اس نے نبوت کا اعلان کیا تو تم سے کہیں چھپ کر زندگی بسر نہیں کی۔ اس کی ساری باتیں تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ پھر جو کچھ گزرنا تھا گذرا، اور تم نے مظلومی و بیکسی کے اعلان بھی سن لئے۔ فتح و کامرانی بس ان کی تصدیق بھی کر لی۔ تم میں کوئی نہیں جو اس کی بے داغ زندگی کا شاہد نہ ہو، اور کوئی نہیں جس نے اس کی ایک ایک بات کی سچائی آزما نہ لی ہو۔

پھر ان کے ایک ایسے وصف پر زور دیا جو منصب رسالت کے لئے اور ہر اس انسان کے لئے جو قوم کی رہنمائی و قیادت کا مقام رکھتا ہو، سب سے زیادہ ضروری وصف ہے، یعنی ابنائے جنس کے لئے شفقت و رحمت۔ فرمایا۔ اس سے زیادہ کوئی بات تمہارے لئے یقینی نہیں ہو سکتی کہ وہ سر تا پا شفقت و رحمت ہے۔ وہ تمہارا دکھ برداشت نہیں کر سکتا۔ تمہاری ہر تکلیف خواہ جسم کے لئے ہو خواہ روح کے لئے اس کے دل کا درد و غم بن جاتی ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کی خواہش سے لبریز ہے۔ وہ اس کے لئے ایسا مضطرب قلب رکھتا ہے کہ اگر اس کی بن پڑتی تو ہدایت و سعادت کی ساری پاکیاں پہلے ہی دن گھونٹ بنا کر پلا دیتا۔ پھر اس کی یہ شفقت و محبت صرف تمہارے ہی لئے نہیں ہے۔ وہ تو تمام مومنوں کے لئے خواہ عرب کے ہوں خواہ عجم کے رؤف رحیم ہے۔

"رؤف" رافۃ سے ہے، اور اس کا اطلاق ایسی رحمت پر ہوتا ہے جو کسی کی کمزوری و مصیبت پر جوش میں آئے پس رافۃ، رحمت کی ایک خاص صورت ہے، اور رحمت عام ہے۔ دونوں کے جمع کر دینے سے رحمت کا مفہوم زیادہ قوت و تاثر کے ساتھ واضح ہو گیا۔

خدا نے یہ دونوں وصف جابجا اپنے لئے فرمائے ہیں، اور یہاں اپنے رسول کے لئے بھی فرمائے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر یہ مجمع مخاطبین یہ سب کچھ دیکھ لینے اور تجربہ کر لینے کے بعد بھی ادائے فرض سے اعراض کرے تو اے پیغمبر! تم آخری اعلان کر دو کہ میرے لئے اللہ بس کرتا تھا، اور اب بھی اللہ بس کرتا ہے۔ وہ اپنے کلمۂ حق کا محافظ ہے، اور اس کی مشیت نے جو کچھ فیصلہ کر دیا ہے، بہر حال ہو کر رہنے والا ہے۔ اس کا قیام و عروج کسی خاص ملک اور قوم کی پشت پناہی پر موقوف نہیں۔ میرا بھروسہ اسی پر تھا اور اسی پر ہے۔ میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا۔

یہ پیام موعظت یہاں کیوں ضروری ہوا؟ اس کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ دو باتیں سامنے رکھ لی جائیں سورت کے نزول کا وقت اور سورت کے مطالب۔ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب تمام عرب میں کلمۂ حق سربلند ہو چکا تھا، اور گو قرآن نے دعوت حق کی عالمگیر فیروزمندیوں کی خبر دے دی تھی، تاہم ان لوگوں کے لئے جو کل تک غربت و بیکسی کی انتہائی مصیبتوں میں رہ چکے تھے، تمام عرب کا مسلمان ہو جانا بڑی سے بڑی کامرانی تھی، اور اس لئے ناگزیر تھا کہ ایک طرح کی فارغ البالی اور بے پروائی طبیعتوں میں پیدا ہو جائے۔ غزوہ تبوک کی تیاریوں میں جو بعضوں سے تساہل ہوا۔ تو اس کی تہ میں بھی اس حالت کی جھلک صاف دکھائی دے رہی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس سورت میں اس تفصیل اور شدت کے ساتھ استعداد کار اور عزم و ہمت کی تلقین کی گئی کہ اس کی نظیر کسی دوسری سورت میں نہیں ملتی۔

پس یہاں اس آخری موعظت و اعلان کا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب پر دو باتیں واضح کر دی جائیں۔ ایک یہ کہ جو کچھ ہو چکا ہے، یہ معاملہ کی تکمیل نہیں ہے بلکہ محض ابتدا ہے، اور اس لئے ادائے فرض کا مطالبہ بدستور باقی ہے۔ یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ کام سے فارغ البال ہو گئے۔ دوسری یہ کہ کلمۂ حق اپنے عروج کے لئے تمہارا محتاج نہیں۔ اگر آئندہ تم نے کوتاہی کی تو خود نقصان اٹھاؤ گے، دعوت حق کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اس کے لئے صرف اللہ کی کہ جہانداری عالم کے عرش عظیم کا مالک ہے، نصرت و حمایت کفایت کرتی ہے۔

مندرجۂ بالا سطور سے وہ تمام الجھاؤ دور ہو گئے جو ان دو آیتوں کے بارے میں پیدا ہو گئے تھے۔ چونکہ ان آیتوں میں اہل عرب سے خطاب ہے اور اعراض کی صورت میں توکل علی اللہ کی تلقین کی گئی ہے اور یہ اسلوب بیان زیادہ تر

(ھ) قرآن نے غیر مسلموں سے جزیہ لینے کا حکم کیوں دیا؟ اس لئے کہ حق و انصاف کا مقتضا یہی تھا۔ اور اس لئے کہ وہ چاہتا تھا مسلمانوں کے نظام حکومت میں غیر مسلموں پر اتنا بوجھ نہ ڈالا جائے، جتنا بوجھ مسلمانوں کو اٹھانا پڑے گا۔
اسلام نے مسلمانوں پر جنگی خدمت فرض کر دی تھی۔ یعنی آج کل کی اصطلاح میں فوجی قانون جبری تھا، اور اس لئے ضروری تھا کہ جو غیر مسلم اسلامی حکومت کے ماتحت شہری زندگی بسر کریں وہ بھی ملک کی حفاظت کے لئے جنگ میں شریک ہوں۔ لیکن اسلام نے اسے انصاف کے خلاف سمجھا کہ اس بارے میں غیر مسلموں پر جبر کیا جائے! اس نے یہ بات ان کی مرضی پر چھوڑ دی اور کہا اگر خود اپنی خوشی سے چاہو تو جنگی خدمات میں مسلمانوں کی طرح شریک ہو۔ نہ شریک ہونا چاہو تو اس کے بدلے ایک سالانہ رقم ادا کر دیا کرو۔ یہی رقم تھی جو غیر مسلموں کے لئے جزیہ ہوئی۔ ✕
فی الحقیقت انسان کے عقاید و جذبات کی آزادی کا یہ ایسا اعتراف تھا جس کا اس عہد میں کسی دوسری قوم نے تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ جنگ کے لئے نکلنا اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ لینا ہے۔ مسلمان مسلمانوں کو اس کے لئے مجبور کر سکتے ہیں، لیکن انہیں کیا حق ہے کہ غیر مسلموں کو اس کے لئے مجبور کریں؟
چنانچہ صحابہ کرام کے زمانہ میں غیر مسلموں کو جو سرکاری فرامین دئے گئے، ان میں صاف صاف اس کی تصریح پاتے ہیں جو فوج میں شریک ہوگا اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ جو نہ ہوگا اس سے جزیہ لیا جائے گا۔ بعض فرامین میں یہاں تک سہولت دی ہے کہ اگر عام طور پر شریک نہیں ہوتے۔ صرف ایک برس شریک ہوگئے تو اس برس کی رقم معاف ہو جائیگی طبری نے تاریخ میں اور بلاذری نے فتوح البلدان میں یہ فرامین نقل کئے ہیں۔
یہ تو پہلی علت ہوئی۔ دوسری علت کا یہ حال ہے کہ اسلام نے مسلمانوں پر کئی طرح کے ٹیکسوں کا بوجھ ڈال دیا۔ زکوٰۃ انہیں ادا کرنی چاہئے، عام صدقات و خیرات میں انہیں حصہ لینا چاہئے۔ جنگ پیش آجائے تو اس کا بوجھ بھی اٹھانا چاہئے۔ پس ضروری تھا کہ غیر مسلم رعایا پر بھی ایسا ہی بوجھ ڈالا جاتا، کیونکہ جہاں تک آزادی و حقوق کا تعلق ہے ان میں اور مسلمانوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن اسلام نے ایسا نہیں کیا۔ غیر مسلموں کو حقوق تو مسلمانوں ہی کی طرح دئے، لیکن مالی بوجھ مسلمانوں کی طرح نہیں ڈالا۔ اُن تمام ٹیکسوں کے بدلے جو مسلمانوں پر عاید کئے تھے صرف ایک ہی ٹیکس کی ادائیگی ضروری ٹھہرائی یعنی جزیہ کی۔ اور وہ بھی انہیں معاف کر دیا جو فوجی خدمت کے لئے طیار ہو جائیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فی الحقیقت غیر مسلموں کے لئے کوئی بوجھ بھی نہ رہا اور حقوق سب کے سب ملے۔ یعنی اگر ایک غیر مسلم ذمی فوجی خدمت سے انکار نہ کرے (جو خود اسی کے وطن کی حفاظت کے لئے ہوگی) تو وہ اسلامی حکومت میں آزادی و حقوق کی ٹھیک ویسی ہی زندگی بسر کرے گا جیسی ایک مسلمان بسر کر سکتا ہے، لیکن مسلمان کی طرح اسے کوئی ٹیکس ادا نہیں کرنا پڑیگا
کیا اس طرز عمل کی کوئی دوسری نظیر تاریخ عالم سے پیش کی جا سکتی ہے؟
(و) جہاں تک غیر مسلموں کے مذہبی، معاشرتی، اور شہری حقوق کا تعلق ہے موسیو لیبان کا یہ قول کفایت کرتا ہے کہ "اسلامی حکومت کے ماتحت غیر مسلم ذمیوں کو وہ سب کچھ حاصل تھا جو کسی قوم کو حاصل ہو سکتا ہے۔ البتہ صرف ایک بات کا حق نہ تھا۔ یعنی وہ خلیفہ نہیں ہو سکتے تھے"!
(ز) آیت (۳۰) اور اس کے بعد کی آیتوں میں یہود و نصاریٰ کی اُن گمراہیوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں پڑ کر وہ دین حق سے منحرف ہو گئے۔
یہاں یہودیوں کا یہ قول جو نقل کیا ہے کہ عزیز خدا کے بیٹے ہیں، تو اس سے مقصود یہودیوں کا عام اعتقاد نہیں ہے بلکہ صرف ان یہودیوں کا اعتقاد ہے جو یثرب میں آباد تھے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سلام بن مشکم، نعمان بن اوفی، ابو انس، شاش بن قیس اور مالک بن صیف کے رؤسا یہود میں سے تھے، آنحضرت کے پاس آئے اور کہا ہم آپ کی کس طرح پیروی کر سکتے ہیں۔ جب کہ آپ نے ہمارا قبلہ ترک کر دیا اور عزیز کو ابن اللہ نہیں مانتے (ابن جریر)
عزیز سے مقصود عزرا ہیں۔ بخت نصر کے حملہ بیت المقدس میں تورات کے تمام نسخے جل گئے تھے۔ اس لئے جب یہودی قید بابل سے چھوٹ کر واپس آئے۔ تو ان کے پاس تورات کا کوئی نسخہ نہ تھا، اور ان کی نئی نسل عبرانی زبان سے بھی نا آشنا

(نوٹ) شرح واقعہ ابراہیم پاشا در اہل شام الخ
قدرے تشریح تعہ احوال و اقلیم ہر حالات حالیہ، عہد وسطی را اختیاس باید کرد۔ تعلیل فقہا صحیح نیست الخ
(یہ نوٹ پنسل سے اسی طرح حاشیہ پر درج ہے۔ ایڈیٹر)

حضرت عزیر کی نسبت یہود کا اعتقاد

حکم قتال کے ساتھ یہ بات بھی واضح کر دی کہ ان جماعتوں کو دعوت حق سے کیوں بغض ہؤا اور کیوں راستی و عدالت سے منہ موڑ کر مسلمانوں کی ہلاکت و بربادی کے درپے ہو گئے؟ چنانچہ پہلے اہل کتاب کا نام نہیں لیا بلکہ ان کے چار سلبی وصف بیان کئے یعنی جن لوگوں کے اوصاف کا یہ حال ہے ان سے راستی عدالت اور پاس عہد و قرار کی کوئی امید نہیں کی جا سکتی، اور وہ پیروان حق کی عداوت سے کبھی باز آنے والے نہیں۔ پس اگر ان سے جنگ کی جائے تو چارہ کار کیا رہا ہے؟

فرمایا، باوجود اہل کتاب ہونے کے اب ان کا حال یہ ہے کہ نہ تو اللہ پر ایمان باقی رہا ہے نہ آخرت پر۔ زبان سے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مومن ہیں لیکن ان کا ہر عمل اعلان کرتا ہے کہ مومن نہیں پھر اللہ اور اس کے رسول نے جو کچھ حرام کر دیا تھا، اب ان کے لئے حرام نہیں رہا۔ کیونکہ اول تو ہوائے نفس سے حیلے نکال کر کتنی ہی حرام چیزیں حلال کر لیں پھر حلت و حرمت کا حق بھی خدا و رسول کی جگہ اپنے فقیہوں اور پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جس دین حق کی انہیں حضرت موسیٰ اور مسیح علیہما السلام نے تعلیم دی تھی اسے یک قلم چھوڑ چکے ہیں۔

یہاں اہل کتاب کے ایمان کی اسی طرح نفی کی ہے جس طرح سورہ بقرہ میں کی ہے کہ ومن الناس من یقول آمنا باللہ وبالیوم الآخر وما ھم بمؤمنین (۲: ۸)

حکم جزیہ (ب) اس کے بعد فرمایا حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ اٹھا کر جزیہ دیدیں اور ان کا گھمنڈ ٹوٹ چکا ہو۔ نہ صرف عربی زبان میں، بلکہ تقریباً ہر زبان میں یہ محاورہ موجود ہے کہ کسی چیز کو خود اپنے ہاتھ سے دیدینا رضامندی سے دینا ہوتا ہے۔ مثلاً اردو میں کہینگے "تم اپنے ہاتھ سے اٹھا کر جو دیدو گے ہم لے لینگے" یعنی اپنی خوشی سے جو کچھ دیدو وہی ہمارے لئے بہت ہے۔ ٹھیک یہی مطلب عربی میں بھی اس ترکیب کا ہوتا ہے۔ پس مطلب یہ ہؤا کہ وہ اپنی خوشی سے جزیہ دینا منظور کر لیں اور ان کا گھمنڈ اور ظلم جس نے انسان کے امن و راحت کو خطرہ میں ڈال دیا تھا، باقی نہ رہے۔[1]

(ج) عربی میں جزیہ[2]، خراج کے معنی میں بھی بولا گیا ہے جو اراضی سے وصول کیا جاتا ہے اور ٹیکس کے لئے بھی جو اشخاص پر عائد ہوتا ہے۔ ایران اور روم میں اس طرح کے ٹیکس لئے جاتے تھے، اور عرب کے جن حصوں نے ان کی باج گزاری منظور کر لی تھی، وہ اس طرح کے ٹیکسوں سے آشنا ہو گئے تھے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ نجران (یمن) کے عیسائیوں کا جب وفد آیا، تو اس نے خود یہ بات پیش کی کہ ہم مسلمان تو نہیں ہوتے، لیکن اطاعت قبول کر لیتے ہیں۔ آپ ہم پر جزیہ مقرر کر دیں۔ غالباً یہ جزیہ لینے کا پہلا واقعہ ہے جو تاریخ اسلام میں پیش آیا۔ اس کے بعد بحرین کے یہودیوں اور مجوسیوں سے جزیہ لیا گیا۔

(د) یہاں جزیہ لینے کا جو حکم دیا گیا ہے، وہ اگرچہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ذکر میں آیا، لیکن اصلاً حکم تمام غیر مسلموں کے لئے ہے جو اسلامی حکومت کے ماتحت رہنا منظور کر لیں۔ چنانچہ صدر اول سے لے کر آخر تک تمام اسلامی حکومتوں کا عمل اسی پر رہا۔ خود آنحضرت نے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا، صحابہ نے صابیوں سے لیا، اور خلفاء بنو امیہ و عباسیہ کا سندھ کے ہندوؤں اور پیروان بدھ سے لینا معلوم ہے۔

البتہ عرب کے غیر مسلموں کے بارے میں اختلاف ہؤا، اور امام ابوحنیفہ اور قاضی ابو یوسف اس طرف گئے ہیں کہ ان سے جزیہ پر مصالحت نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس بارے میں صحیح مذہب جمہوری کا ہے۔ یعنی عرب و عجم کی کوئی تفریق نہیں کیونکہ خود آنحضرت اور صحابہ کا عرب کے غیر مسلموں سے جزیہ لینا ایک مسلم واقعہ ہے۔

باقی رہے مشرکین عرب، تو ان کا سوال عملاً پیدا ہی نہیں ہؤا۔ کیونکہ سورہ برأت کے نزول کے بعد تمام مشرکین عرب مسلمان ہو چکے تھے، اور حکمت الٰہی کا فیصلہ یہی تھا کہ جاہلیت عرب کا شرک پھر یہاں سر نہ اٹھائے۔

---

[1] امام شافعی نے کتاب الام میں تصریح کی ہے سمعت عددًا من اھل العلم یقولون الصغار ان یجری علیھم حکم الاسلام یعنی میں نے متعدد اہل علم سے سنا ہے کہ وھم صاغرون کا مطلب یہ ہے۔ ان پر اسلامی حکومت کے قوانین جاری ہو جائیں یعنی وہ اسلامی حکومت کے قوانین کے آگے جھک جائیں۔ [2] خود جزیہ کا لفظ بھی ایران کی پیداوار ہے۔ یعنی فارسی لفظ "گزیت" سے معرب ہؤا ہے۔ اس بارے میں مولانا شبلی نعمانی نے جو کچھ لکھا ہے، وہ زمانہ حال کی نہایت قیمتی اسلامی تحقیقات میں سے ہے۔

خامسًا توہم پرستی اور جہل و کوری کا دروازہ کھل گیا۔ کیونکہ جب اعتقاد و عمل کا دار و مدار چند انسانوں کی رایوں پر آٹھہرا، اور دوسروں کو اس کا حق نہ رہا کہ اپنی عقل و بینش سے کام لیں، تو ظاہر ہے کہ عقل و بینش کی جگہ جہل و توہم ہی پھیلے گا، اور جو بات کسی ٹھہرائے ہوئے پیشوا کی زبان سے نکل جائے گی، لوگوں کے لئے دلیل و حجت کا کام دے گی۔

سادسًا دینی پیشوا اچھے انسان ہونے کی جگہ بے پناہ دیوتا بن گئے۔ اور ان کی ساری باتوں نے تقدیس و پاکی کا جامہ پہن لیا۔ کیونکہ جب انہیں اپنے پیروؤں کے لئے حکم و تشریع کی غیر مشروط طاقت مل گئی، اور اپنے احکام و اعمال میں یک قلم غیر مسئول ہو گئے تو پھر نفس انسانی کی شرارتیں ان سے جو کچھ بھی کرا ئیں کم ہے۔

یورپ کے اس عہد کی تاریخ پر نظر ڈالو جسے مورخ ازمنۂ وسطیٰ کے نام سے پکارتے ہیں، بلکہ اس عہد کی بھی جو نشأۃ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے، تمہیں ان نتائج کی ساری قطاریں اور مثالیں قدم قدم پر ملنے لگیں گی۔ صرف پوپ کے منصب کی نسلاً بعد نسلٍ تاریخ ہی دیکھ لی جائے۔ اس کے لئے کفایت کرے گی۔

قرآن نے جس وقت یہ صدا بلند کی، عیسائی دنیا طیار نہ تھی کہ اس کا جواب دیتی لیکن بالآخر اس سے اعراض نہ کر سکی۔ اس وقت تو قرآن کی اس دعوتِ حق کو عیسائیوں نے نہیں سمجھا، لیکن یہ تخم ریزی برگ و بار لائے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ صلیبی لڑائیوں میں جب یورپ کے عیسائیوں کو مسلمانوں سے ملنے اور اسلام کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، تو اس کے اثرات کام کرنے لگے اور بالآخر لوتھر نے اصلاح کنیسہ کی دعوت بلند کی۔ لوتھر اور کلیسا میں بنائے نزاع یہی تھی کہ حق کا معیار کیا ہے؟ کتاب اللہ یا پوپ کا اجتہاد؟ اور خدا کی کتاب اس لئے ہے کہ پڑھی جائے اور سمجھی جائے، یا اس لئے کہ سب کچھ پوپ پر چھوڑ دیا جائے؟ نزاع کی ابتداء نجات کے مسئلے سے ہوئی تھی، یعنی نجات کا دار و مدار ایمان پر ہے، یا پوپ کی سندِ مغفرت پر؟ ظاہر ہے کہ یہ حرف بحرف اسی صدائے حق کی بازگشت تھی کہ اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابًا من دون اللہ!

آج یہ واقعہ دنیا کے تاریخی حقائق میں سے سمجھا جاتا ہے کہ یورپ کی تمام ذہنی اور عملی ترقیوں کا دور اصلاح کنیسہ کی دعوت سے شروع ہوا۔ یہ سچ ہے لیکن اسی طرح یہ بھی سچ ہے کہ اصلاح کنیسہ کی بنیاد اس دن پڑی تھی جس دن اللہ کے رسول نے نجران کے بشپ کو یہ دعوتِ اصلاح دی تھی: یا اھل الکتٰب! تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ و لا نشرک بہ شیئا، ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ (۳: ۶۴) اور پھر اس دن جس سورۂ برأت کی یہ آیت نازل ہوئی تھی۔[1]

اگر چھٹی صدی عیسوی کے عیسائی جہل و تعصب نے اس دعوت سے انکار نہ کیا ہوتا، تو وہ تمام تاریک صدیاں ظہور میں نہ آتیں جن کی وحشت انگیز سرگزشتیں تاریخ کو قلمبند کرنی پڑیں۔ اور ازمنۂ مظلمہ کے نام سے پکاری گئیں اور یقینًا یورپ کے علمِ عقلیت کی تاریخ چودھویں صدی کی جگہ ساتویں صدی سے شروع ہو جاتی!

یہ سرگذشت تو عیسائی دنیا کی ہے جسے اس دعوتِ حق نے مخاطب کیا تھا۔ لیکن خود مسلمانوں کا کیا حال ہوا جنہیں اس دعوت کی تبلیغ سپرد کی گئی تھی؟ افسوس ہے کہ وہ خود بھی اس گمراہی سے بچ نہ سکے، اور انہوں نے بھی تشریع دینی کا حق کتاب و سنت کی جگہ انسانوں کی رایوں کے حوالہ کر دیا۔ اعتقادًا نہیں، عملاً، اور سوال یہاں عمل ہی کا ہے نہ کہ اعتقاد کا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تمام مفاسد ظہور میں آگئے جن کا دروازہ قرآن نے بند کرنا چاہا تھا۔ اور سب سے بڑا فساد یہ پیدا ہوا کہ صدیوں سے ان کی عقلی ترقی یک قلم رک گئی اور تقلید نے علم و بصیرت کی راہوں سے انہیں دور کر دیا۔ حتیٰ کہ اب معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ ایک طرف مسلمانوں کی معاشرتی و اجتماعی زندگی مختل ہو رہی ہے کیونکہ اس کی ضرورتوں کے مطابق احکام فقہ نہیں ملتے اور شریعت کو فقہ کے مذاہبِ مدوّنہ ہی میں منحصر سمجھ لیا گیا ہے۔ دوسری طرف تمام اسلامی حکومتوں نے قوانین شرع پر عملدرآمد ترک کر دیا ہے اور اس کی جگہ یورپ کے دیوانی و فوجداری قوانین اختیار کرتے گئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ فتاویٰ فقہ وقت کے انتظامی و معاشرتی مقتضیات کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اور کوئی نہیں جو انہیں بتلائے کہ اللہ کی شریعت کا دامن اس

---

[1] لوتھر پر پوپ کی طرف سے جو الزام لگائے گئے تھے ان میں ایک الزام یہ بھی تھا کہ وہ اسلام کا پیرو ہو گیا ہے اور یہ کہ قرآن کے مطالعہ سے اس میں یہ گمراہی پیدا ہوئی (اڈورڈ ہسٹری آف دی ریفارم، باب سوم)

گئی تھی۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت عزرا نے کلدانی حروف میں اور ایسی عبرانی میں کہ کلدانی زبان سے مخلوط تھی، از سر نو تورات کے صحائف لکھے اور یہی نسخہ اصلی نسخہ کا بدل سمجھا گیا۔ چونکہ حضرت عزرا نے از سر نو شریعت مرتب کی اور قید بابل کے جو نتیجے دور کئے بانی ہوئے، اس لئے یہودیوں میں ان کی شخصیت بہت ہی مقدس مانی گئی ہے۔ حتیٰ کہ موسیٰ کا ہم رتبہ اور شریعت کا دوسرا بانی کہا گیا۔ چنانچہ آج تک یہودیوں کا عام اعتقاد یہ ہے کہ اگر اس عہد میں لوگوں سے قصور نہ ہوا ہوتا۔ تو عزرا بھی وہ سارے معجزے دکھا دیتے جو حضرت موسیٰ نے دکھلائے تھے[1]۔

جب یہودیوں کا ان کی نسبت عام اعتقاد یہ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہود یثرب کا غلو موجب تعجب ہو۔

(۲۳) اس کے بعد آیت (۳۱) میں اس گمراہی کی طرف اشارہ کیا ہے جو یہود و نصاریٰ کی تمام فکری و عملی گمراہیوں کا سرچشمہ تھی یعنی انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علما و مشائخ کو پروردگار بنا لیا ہے۔ پروردگار بنا لینے کا مطلب نہیں ہے کہ وہ انہیں رب السموٰت والارض کہتے ہیں کیونکہ اس طرح تو کبھی کسی نے کسی کو رب نہیں بنایا۔ مطلب ہے کہ یہودیوں نے اپنے فقیہوں کو اور عیسائیوں نے اپنے پوپ اور اس کے مقرر کئے ہوئے پادریوں کو دین کے بارے میں جو منصب دے دیا ہے اور وہ اپنے زاہدوں اور درویشوں کی نسبت جیسا کچھ اعتقاد رکھتے ہیں وہ فی الحقیقت انہیں مثل پروردگار کے بنا لینا ہے۔ تشریح اتخاذ ارباباً من دون اللہ

چنانچہ خود پیغمبر اسلام نے اس کا یہی مطلب قرار دیا۔ عدی بن حاتم طائی جو پہلے عیسائی تھے کہتے ہیں، آنحضرت نے جب براۃ کی یہ آیت پڑھی تو میں نے عرض کیا ہم انہیں پوجتے تو نہیں۔ آپ نے کہا "کیا ایسا نہیں ہے کہ جس بات کو وہ حرام ٹھہرا دیتے ہیں تم حرام سمجھ لیتے ہو۔ جس بات کو حلال کر دیتے ہیں، حلال مان لیتے ہو؟" عرض کیا "ہاں" فرمایا "یہی انہیں پوجنا ہے" (ترمذی و البیہقی فی السنن) اس سے معلوم ہوا کہ اپنے دینی پیشواؤں کو تشریع دینی کا حق دیدینا، یعنی اس بات کا حق دیدینا کہ وہ جو کچھ اپنی خواہش اور رائے سے ٹھہرا دیں، اس کی بلا چون و چرا تقلید و اطاعت کرنی چاہئے، قرآن کے نزدیک انہیں رب بنا لینا ہے۔ کیونکہ اس بات کا حق اللہ کے سوا اور اللہ کی وحی کے مبلغ کے سوا اور کسی کو نہیں۔ پس جب دوسروں کو بھی یہ حق دیدیا گیا تو گویا وہ خدائی میں شریک کر لئے گئے۔

عیسائیوں میں ایک انسان بھی ایسا نہیں ہوا جس نے پوپ اور اس کے مقرر کئے ہوئے فادر کو خدا سمجھا ہو، اور نہ یہودیوں نے کبھی اپنے ربیوں کو ایسا سمجھا۔ لیکن ان کے عمل کا یہی حال رہا۔ گویا حق و باطل، حلال و حرام، عذاب و ثواب اور جنت و دوزخ کی تقسیم کا سارا اختیار انہی کے قبضہ میں ہے۔ وہ جو حلال کر دیں حلال ہے۔ جو حرام کر دیں حرام ہے۔ جسے چاہیں بخشش کا پروانہ دیدیں جسے چاہیں محروم و مردود کر دیں۔ جنت کی کنجی بھی انہی کے ہاتھ میں ہے۔ دوزخ کا داروغہ بھی انہیں کے زیر حکم۔ وہ ایسے مقدس ہیں کہ کوئی بات ان کی غلط نہیں ہو سکتی۔ اور اللہ نے انہیں ایسا با اختیار کر دیا ہے کہ ان کے حکم سے کوئی بات باہر نہیں:

ما شئتَ لا ما شاءتِ الاقدارُ فاحکم فانت الواحد القہارُ!

اس گمراہی کا نتیجہ یہ نکلا کہ:۔

اولاً خدا کی کتاب جو اس غرض سے نازل کی گئی تھی کہ لوگ اسے پڑھیں اور اس پر عمل کریں یک قلم بے اثر و بیکار ہو گئی۔ کیونکہ اس کی جگہ انسانوں کی رایوں اور فیصلوں نے لے لی۔

ثانیاً، ہدایت کا مرکز عملاً خدا کا حکم نہ رہا۔ انسانوں کا حکم ہو گیا۔

ثالثاً دینی پیشواؤں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا جو لوگوں کو اندھا بہرا بنا کر جس طرح چاہتا، اپنے اغراض کے لئے کام میں لاتا۔

رابعاً، انسان کی عقلی ترقی کی تمام راہیں بند ہو گئیں۔ کیونکہ جب لوگوں نے اپنی سمجھ بوجھ سے کام لینا چھوڑ دیا۔ اور اپنے بنائے ہوئے پیشواؤں کا حکم بلا دلیل ماننے لگے کہ یہی دینی تقلید کے ہیں تو ظاہر ہے کہ پھر عقل کی نشو و نما اور ترقی کے لئے کونسی راہ باقی رہ گئی؟

[1] جیوش انسائیکلو پیڈیا۔ آرٹیکل عزرا۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں بھی وہ مقالہ دیکھنا چاہئے جو عزرا کے حالات پر ہے۔

ثواب کما لینے کی چیز ہے اور پھر جو بہ نیتِ ثواب سننا چاہے اسے معاوضہ لے کر سنانے لگے۔ چنانچہ علمائے یہود نے تورات خوانی کو پیشہ بنا لیا تھا، اور رومن کیتھولک چرچ کے راہب آج تک ایک ایک گھر میں جا کر انجیل سناتے اور اس کی قیمت وصول کرتے ہیں۔

(۷) عوام میں یہ اعتقاد پیدا کر دیا کہ نجات کا سررشتہ انہی کے ہاتھ میں ہے، جسے چاہیں بخش دیں جسے چاہیں نہ بخشیں اور پھر اس غرض سے اعترافِ گناہ (confession) کا طریقہ رائج کیا یعنی ہر عیسائی کے لئے ضروری ہو گیا کہ کسی پادری کے سامنے جو اس غرض سے مقرر ہو اپنے گناہوں کا اقرار کرے اور وہ اسے مسیح کے نام پر بخش دے۔ اصلاح کے بعد سے کلیسا نے یعنی پروٹسٹنٹ نے اس سے انکار کر دیا لیکن کیتھولک کلیسا کے معتقدین میں آج تک رائج ہے۔

(۸) اس سے بھی بڑھ کر جلبِ زر کا یہ طریقہ نکالا گیا کہ مغفرت کے پروانے فروخت کئے جانے لگے یعنی جو شخص ایک خاص مقررہ قیمت ادا کر دیتا، اسے نجات کا مقدس پروانہ مل جاتا، اور اس پروانہ کے حصول کا مطلب یہ سمجھا جاتا تھا کہ اب کتنے ہی معاصی و جرائم کئے جائیں، آسمان میں کوئی پرسش نہ ہو گی۔ مورخین نے تصریح کی ہے کہ اس تجارت کو اس قدر فروغ ہوا تھا کہ کاروباری آدمیوں نے پوپ سے اس کی فروخت کا ٹھیکہ لینا شروع کر دیا تھا۔ لوتھر کے دل میں سب سے پہلے اسی معاملے نے خلش پیدا کی تھی۔

(۹) طرح طرح کے تبرکات اور آثار بنائے تھے، اور عوام کے دلوں میں اعتقاد پیدا کر دیا تھا کہ جس کسی نے ان کی زیارت کر لی یا انہیں چھو لیا، اسے دین و دنیا کی ساری برکتیں مل گئیں۔ مثلاً لکڑی کا کوئی ٹکڑا جس کی نسبت یقین دلایا جاتا تھا کہ یہ اسی صلیب کا ہے جس پر حضرت مسیح کو سولی دی گئی تھی، یا کسی سینٹ کا ناخن، یا کوئی کپڑا، یا تسبیح۔ لوگ ان کی زیارت کرتے اور مقررہ نذریں ادا کرتے۔ ان تبرکات پر ہیکل بھی تعمیر کئے جاتے تھے جو آج تک موجود ہیں۔

(۱۰) اکل اموال بالباطل کا ایک بڑا ذریعہ مقابر و مشاہد کی مجاوری بھی رہی۔ چنانچہ عیسائیوں میں یہ معاملہ اس قدر بڑھا کہ حج و زیارت کا مرکز یہی مقامات بن گئے، اور ایک دنیا کی دولت وہاں سمٹ آئی۔

(۱۱) چونکہ دین میں اخلاص باقی نہیں رہا تھا، اس لئے جب کبھی دیکھتے کہ شریعت کا کوئی حکم ان کی دنیا پرستیوں میں روک ہے، تو فوراً کوئی نہ کوئی شرعی حیلہ نکال لیتے۔ قرآن نے اصحابِ سبت کے حیلہ کا ذکر کیا ہے (۷ : ۱۶۳) اور اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ انہیں سود کے لین دین سے روکا گیا تھا مگر وہ بلا تامل کھانے لگے (۴ : ۱۶۱) اس باب میں تورات کا حکم کیا تھا، اور علمائے یہود نے کس طرح یکے بعد دیگرے حیلے نکالے اس کی تشریح البیان میں ملے گی۔

(۱۲) جو مر جاتے، اسے ثواب پہنچانے اور اس کے گناہوں کا کفارہ دلانے کے لئے مقررہ رقمیں وصول کرتے اور اس غرض سے طرح طرح کی رسمیں رائج کر دی تھیں۔ چنانچہ یہودیوں اور کیتھولک عیسائیوں میں آج تک رائج ہیں۔

(۱۳) سب سے آخر مگر سب سے اول یہ کہ دین کی ساری باتوں کو یک قلم دکانداری اور پیشہ بنا لیا تھا۔ اور ان کی پوری زندگی حقیقی معنی میں دکانداری کی زندگی ہو گئی تھی۔ عالم اور درویش ہونے کے معنی ہی یہ ہو گئے کہ دین اور خدا کے نام سے پیشہ کی روٹی کھانے والے۔ علم دین کا پڑھنا، پڑھانا، مسائل دین کی تعلیم، فتویٰ نویسی، ہدایت و وعظ، قرأت و ذکر، کوئی کام ایسا نہ تھا جو بغیر دنیوی معاوضہ کے کیا جاتا ہو۔

قرآن نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے انکی اس گمراہی کی طرف اس لئے اشارہ کیا تاکہ واضح ہو جائے، ان کا ایمان سے محروم ہو جانا۔ اور دین حق کا قطعاً ترک کر دینا دراصل ان کے علماء و مشائخ کی ان گمراہیوں اور دنیا پرستیوں کا نتیجہ تھا۔

لیکن آج مسلمان اور مسلمانوں کے علماء و مشائخ اپنی حالت پر نظر ڈالیں اور غور کریں کہ کیا وہ بھی ٹھیک ٹھیک احبار و رہبان کے قدم بقدم نہیں چل رہے ہیں؟ اور کیا اکل اموال بالباطل کی یہ تمام صورتیں کسی نہ کسی بھیس میں یہاں بھی کام نہیں کر رہی ہیں؟ حضرت شاہ ولی اللہ نے اب سے دو برس پہلے فوز الکبیر میں لکھا تھا کہ اگر احبار یہود کی حالت دیکھنی چاہتے ہو تو آج کل کے علماء کو دیکھ لو۔ اور اگر عیسائیوں کے رہبان کا نقشہ کھینچنا چاہتے ہو تو آج کل کے مشائخ کے سامنے بیٹھ کر کھینچ لو۔

قرآن نے اس آیت میں یہ بات تمام احبار و رہبان کی طرف منسوب نہیں کی ہے بلکہ اکثر کی طرف منسوب کی ہے۔ اور

نقص سے پاک ہے، اور اگر وہ کتاب و سنت کی طرف رجوع کرتے تو انہیں اس زمانے کے لیے بھی ویسے ہی اصلح و اوفق قوانین مل جاتے جس طرح پچھلے عہدوں کے لئے مل چکے ہیں۔ فیا للہ و للمسلمین من ھذہ الفاقرۃ التی ھی اعظم فواقر الدین۔ والرزیۃ التی ما رزی بمثلھا سبیل المومنین!

اکل اموال بالباطل

(ط) چونکہ پچھلی آیت میں احبار و رہبان کا ذکر کیا گیا تھا، اس لئے آیت (۳۴) خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کو مخاطب کر کے ان کی حالت بیان فرمائی ہے، تاکہ اس سے نصیحت پکڑیں۔

قرآن نے یہاں اور متعدد مقامات میں یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ کی ایک بہت بڑی گمراہی یہ بتلائی ہے کہ ناجائز طریقہ پر لوگوں کا مال کھا لیتے ہیں بے باک ہوگئے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ٹھیک طور پر سمجھ لیا جائے اس سے مقصود کیا ہے؟ یہ مقصود تو ہو نہیں سکتا کہ وہ لوگوں کے مال پر علانیہ ڈاکے ڈالتے تھے۔ ضرور کوئی ایسی ہی بات ہوگی جو ان کی روزانہ زندگی کے اعمال ہوگئی تھی، اور جس کا نتیجہ اکل اموال بالباطل تھا۔

یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہبی حلقوں اور اداروں کی تاریخ اب منضبط ہو چکی ہے اس پر نظر ڈالی جائے تو بے شمار باتیں سامنے آئیں گی، لیکن خصوصیت کے ساتھ حسب ذیل امور قابل غور ہیں:

(۱) بادشاہوں اور امیروں کی مطلب برآریوں کے لئے حلال کو حرام، حرام کو حلال بنا دیتے اور اس کے فتوی دیکر انعام و اکرام لیتے۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ شریعت کے کسی حکم سے انکار کر دیتے تھے بلکہ یہ ہے کہ اس کے حکموں کو توڑ مروڑ کر، یا طرح طرح کے حیلے بہانے نکال کر ایسی صورتیں نکال لیتے کہ امیروں کی مولئے نفس پوری ہو جائے۔ مثلاً کوئی امیر اپنے کسی دشمن سے انتقام لینا چاہتا ہے تو یہ اس کے کفر کا فتوی طیار کر کے دیدیتے کہ شرعاً اسے قتل کرنا جائز ہے۔ بیوی سے نجات حاصل کرنی چاہتا، تو فتوی دیدیتے کہ نکاح قائم نہیں رہا۔ اگر کسی روپیہ والے سے کوئی ایسی بات ہو جاتی جس کی شرع میں تعزیر ہے، اور وہ روپیہ دے کر بچنا چاہتا، تو مسئلہ کی کوئی ایسی صورت کھینچ تان کے بنا دیتے کہ تعزیر ساقط ہو جاتی۔

بادشاہوں اور امیروں کے نکاح و طلاق کے بارے میں پوپ اور کارڈینلوں کی دین فروشیاں تاریخ یورپ کے ایسے مشہور واقعات ہیں کہ محتاج بیان نہیں۔

(۲) ناجائز طریقہ پر مال کھانے کی ایسی صورتیں نکالتے کہ مثلاً فلاں جماعت کافروں اور بت پرستوں کی جماعت ہے، ان کا مال دھوکے فریب سے بھی کھا لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ ثواب ہے۔ چنانچہ علمائے یہود کا مشرکین عرب کی نسبت یہی فتوی تھا۔ سورۂ آل عمران میں گذر چکا ہے: ذلک بانھم قالوا لیس علینا فی الامیین سبیل (۳: ۷۵)

(۳) معاملات و قضایا میں رشوت لے کر فیصلے کرتے۔

قرون وسطی میں پوپ سے لیکر کسی گاؤں کے ایک پادری تک جس طرح بات بات میں رشوتیں لیا کرتے تھے، تاریخ کے مسلمات میں سے ہے۔

(۴) راہبوں میں سے جو شخص زیادہ شہرت حاصل کر لیتا، لوگ سمجھتے، اسے روحانی تسلط و تصرف کا مقام حاصل ہو گیا ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ پس ہر طرح کی حاجتیں لے کر اس کے پاس آتے، اور وہ اُن سے طرح طرح کی نذریں لے کر انہیں یقین دلا دیتا کہ تمہاری حاجت روائی کا سامان ہو گیا۔

(۵) تمام مذہبی اعمال و رسوم کے لئے باقاعدہ قیمتیں مقرر کر دی تھیں، اور اس غرض سے کہ آمدنی کے وسائل زیادہ سے زیادہ بڑھیں، ہمیشہ نئی نئی رسمیں اور نئی نئی تقریبیں نکالتے رہتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مذہبی زندگی کے تمام اعمال خرید و فروخت کا معاملہ بن گئے۔ کوئی نماز پڑھے تو اس کے لئے کچھ نہ کچھ خرچ کرے، روزہ رکھے تو اس کے لئے نذرانہ نکالے، شادی غمی ہو جائے تو اس کے لئے فیس مقرر، وعظ و نصیحت کی محفل کرنی چاہتے تو اس کے لئے باقاعدہ رقوم۔ حتی کہ کوئی خدا سے دعا بھی نہیں کرا سکتا جب تک کہ اس کا مقررہ نذرانہ ادا نہ کر دے!

(۶) کتاب اللہ کے علم و تعلیم کو صرف اپنے ہی طبقہ کے لئے مخصوص کر لیا کہ یہ عوام کے سمجھنے کی چیز نہیں، صرف تبرکاً سن کر

کسی متمدن شہر میں رہتا ہو خواہ صحرا میں معلوم کر سکتا ہے کہ کب مہینہ ختم ہوا اور کب شروع ہوا۔ اس کے لئے نہ تو علم ہیئت کی حساب دانیوں کی ضرورت ہے، نہ تقویم کی جدولوں کی۔ علاوہ بریں موسموں اور طلوع و غروب کے وقتوں کی جو تبدیلیاں قدرتی طور پر ہوتی رہتی ہیں وہ سب اس حساب میں پیش آتی رہتی ہیں۔ مثلاً رمضان اور حج کا مہینہ ہمیشہ گردش میں رہتا ہے کبھی کسی موسم میں آتا ہے کبھی کسی موسم میں اور اس طرح ہر انسان کو اپنی زندگی میں پورا موقعہ مل جاتا ہے کہ یہ اعمال ہر طرح کے موسموں اور ان کے تاثرات کے ساتھ انجام دے۔ جس میں بے شمار مصلحتیں ہیں اور یہ موقعہ تفصیل کا نہیں۔

(ک) آیت (۶۰) مصارف زکوٰۃ کے باب میں اصل ہے اور ضروری ہے کہ بعض امور واضح ہو جائیں۔

(۱) ہم نے ترجمہ میں "فقرا" اور "مساکین" کے لئے دوسرے الفاظ اختیار نہیں کئے۔ کیونکہ عربی میں "فقر" اور "مسکنت" سے مقصود احتیاج کی دو مختلف حالتیں ہیں اور ضروری ہے کہ ان کی لغوی نوعیت بجنسہٖ قائم رکھی جائے۔

"فقیر" اور "مسکین" دونوں سے مقصود ایسے لوگ ہیں جو محتاج ہوں، لیکن "فقر" عام ہے اور "مسکنت" کی حالت خاص ہے۔ "فقیر" اُسے کہیں گے جس کے پاس ضروریاتِ زندگی کے لئے کچھ بھی نہیں۔ لیکن "مسکین" وہ ہے جس کی احتیاج ابھی اس آخری درجہ تک تو نہیں پہنچی، مگر پہنچ جائے گی۔ اگر خبر گیری نہ کی جائے۔ مثلاً سوسائٹی کے ایسے افراد جو مختلف اسباب سے مفلس ہو گئے ہیں، یا وسائلِ معیشت کا اہتمام نہیں کر سکتے۔ ان کے جسم پر اُجلے کپڑے ابھی باقی ہیں گھر میں تھوڑا بہت سامان بھی نکل آئے ممکن ہے دو چار روپے بھی جیب میں موجود ہوں۔ اگر انہیں آج کھانا نہ ملے، تو بھوکے نہیں رہیں گے کل نہ ملے تو برتن بیچ لیں گے، پرسوں نہ ملے تو کپڑے فروخت کر ڈالیں گے لیکن پھر اس کے بعد؟ تو کوئی وسیلہ معاش سامنے نہیں دکھتے

"فقیر" اور "مسکین" میں اس لحاظ سے بھی فرق ہے کہ فقیر کو سوال کرنے میں عار نہیں ہوتا لیکن "مسکین" کو اس کی خودداری اور عفتِ نفس طلب والحاح کی اجازت نہیں دیتی۔ صحیحین کی ایک حدیث میں خود آنحضرتؐ نے "مسکین" کی یہ تعریف کی ہے کہ الذی لا یجد غنی یغنیہ، ولا یفطن فیتصدق علیہ ولا یقوم فیسال الناس جسے ایسے وسائل میسر نہیں کہ تونگر کر دیں، جس کا فکر ظاہر نہیں کہ لوگ خیرات دیں جو خود سوال کے لئے کھڑا نہیں ہوتا کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔ اور پھر اسی حدیث میں سورۂ بقرہ کی آیت (۲۷۳) کی طرف اشارہ فرمایا کہ یحسبہم الجاھل اغنیاء من التعفف۔ تعرفھم بسیماھم۔ لا یسئلون الناس الحافا۔ ان کی خودداری کا یہ حال ہے کہ ناواقف خیال کرے یہ تو تونگر ہیں۔ تم انہیں ان کے چہروں سے پہچان لے سکتے ہو، مگر وہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کبھی سوال نہیں کرتے بلاشبہ ایسے علماءِ دین جو سورۂ بقرہ کی آیت متذکرہ صدر کے مصداق ہوں کہ الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض (۲: ۲۷۳) یعنی دین کی تعلیم و خدمت کے لئے وقف ہو گئے ہوں اور فکرِ معیشت کے لئے وقت نہ نکال سکیں "مساکین" میں داخل ہیں بشرطیکہ انہوں نے تعلیمِ دین کو حصولِ زر کا پیشہ نہ بنا لیا ہو، یا محتاج سے زیادہ نہ لیتے ہوں۔ اور کسی حال میں خود سائل و ساعی نہ ہوتے ہوں۔ نیز وہ تمام افراد جو ان کی طرح خدمتِ دین و امت کے لئے وقف ہو جائیں، اور معیشت کا کوئی سامان نہ رکھتے ہوں۔

قوم کے تمام ایسے افراد جن پر وسایلِ معیشت کی تنگی کی وجہ سے معیشت کے دروازے بند ہو رہے ہیں اور اگرچہ وہ خود پوری طرح ساعی ہیں، لیکن نہ تو نوکری ہی ملتی ہے، نہ کوئی اور راہ معیشت نکلتی ہے، یقیناً "مساکین" میں داخل ہیں اور اس مد کے اولین مستحق ہیں لیکن اس کا انتظام اس طرح ہونا چاہیے کہ ان کی خبر گیری بھی ہو جائے اور ساتھ ہی ان میں بیکاری کی عادت اور اپاہج پنا بھی پیدا نہ ہو، یہ بات نہ صرف ان کی اعانت میں بلکہ تمام مستحقین کی اعانت میں ملحوظ رہنی چاہیے ایسے افراد جو خوشحال تھے لیکن کاروبار کی خرابی کی وجہ سے یا کسی ناگہانی مصیبت کی وجہ سے مفلس ہو گئے ہیں اگرچہ اپنی پچھلی حیثیت کی بنا پر معزز سمجھے جاتے ہوں، لیکن "مساکین" میں داخل ہیں اور ضروری ہے کہ اس مد سے ان کی بھی خبر گیری کی جائے۔ ×

(۲) ان مصارف کے بیان سے مقصود یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ہر رقم ان سب میں وجوباً تقسیم کی جائے، یا یہ ہے کہ خرچ انہی میں

تشریح مصارف زکوٰۃ۔

فقیر اور مسکین ×
مسکنت سے مقصود ایسی حالت ہے کہ معیشت بہت ہی ضعیف اور ناکافی ہو، مگر تھوڑی بہت ہو ضرور۔ چنانچہ سورہ کہف میں جو ملاح صاحب کشتی کا ذکر ہے اور جس کی کشتی میں چھید کر کے اُسے ناقص کر دیا تھا، اس کی نسبت فرمایا۔
اما السفینۃ فکانت لمساکین یعملون فی البحر (۷۹) کشتی کے مالکوں کو "مسکین" کہا۔ حالانکہ وہ کشتی کے مالک تھے اور دریا کی راہ سے اپنا کام چلاتے تھے۔

اس طرح کے مواقع میں اس کا عام انداز یہی ہے۔ مثلاً اہل کتاب ہی کی نسبت دوسری جگہ فرمایا ہے۔ وان اکثرکم فاسقون (۵ : ۶۲) تم میں سے اکثر فاسق ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ تم سب فاسق ہو۔ کیونکہ اگر ایسا کہا جاتا تو گو اس اعتبار سے حق ہوتا کہ اکثریت کا حکم کل ہی کا ہوتا ہے لیکن پھر بھی حقیقت حال کی پوری تعبیر نہ ہوتی، اور یہ مطلب نکالا جا سکتا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا ایک ایک فرد بلا استثنا۔ اسی طرح کا ہوگیا ہے۔ حالانکہ ان میں خال خال ایماندار اور مخلص افراد بھی موجود تھے۔ یہ بات نہ تھی کہ پوری امت میں ایک فرد بھی نیک راہ پر نہ رہا ہو۔

"نسی" کی حقیقت

(ی) آیت (۳۶) میں "نسی" سے مقصود کیا ہے؟ اسے خود قرآن نے بتلا دیا ہے، اور صحابہ کرام نے مزید تشریح کر دی لیکن بعد کو مفسرین کی کاوشوں نے اور خصوصاً علماء ہیئت کی دقیقہ سنجیوں نے اسے ایک پیچیدہ سوال بنا دیا۔ غالباً ابو معشر فلکی پہلا شخص ہے جس کا خیال اس طرف گیا کہ یہ کبیسہ کا معاملہ تھا پھر ابوریحان بیرونی نے بھی اسی کی پیروی کی۔ گذشتہ صدی کے بعض مستشرقین یورپ کو بھی اس مسئلہ پر خصوصیت کے ساتھ توجہ ہوئی کیونکہ انہوں نے خیال کیا اس سے عرب جاہلیت کی تقویمی معلومات پر روشنی پڑے گی۔ چنانچہ پوکاک، ڈی ساسی، اگاسین دی پرسیول، اسپرنگر، ول ہاسن وغیرہم نے اس پر طول طویل بحثیں کی ہیں اور زمانہ حال کا ایک اطالوی مستشرق پرنس کائتانی بھی اپنی زیر تصنیف تاریخ اسلام کی پہلی جلد میں اس پر بحث کر چکا ہے۔ مستشرقین ہی کی صف میں محمود پاشا فلکی کو بھی شمار کرنا چاہیے جس نے کبیسہ کا نظریہ تسلیم کر کے یہ کوشش کی کہ اس عہد کے شمسی مہینوں کی تقویمی حالت منضبط کی جائے۔

لیکن حق یہ ہے کہ اس نظریہ کے لئے کوئی تاریخی بنیاد موجود نہیں، اور صاف بات وہی معلوم ہوتی ہے جس کی طرف خود قرآن نے اشارہ کر دیا ہے اور آثار صحابہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

عرب میں حضرت اسماعیل کے زمانہ سے یہ بات چلی آتی تھی کہ سال کے چار مہینے امن کے مہینے ہیں ان میں لڑائی نہیں ہونی چاہیے۔ رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم۔ اسی لئے انہیں اشہر الحرام کہتے تھے۔ یعنی حرمت کے مہینے۔ نیز قمری مہینوں کے حساب سے کہ قدرتی حساب ہے، حج کا مہینہ بھی متعین تھا، اور وہ اسی نام سے پکارا جاتا تھا یعنی ذی الحجہ۔ اسی مہینے کی آٹھویں، نویں، دسویں حج کے اعمال و رسوم کے دن سمجھے جاتے تھے۔

ایک مدت تک یہ بات اسی طرح قائم رہی، لیکن پھر لوگوں پر اس حکم کی پابندی شاق گزرنے لگی۔ اول تو اس لئے کہ قمری مہینوں کے حساب کی وجہ سے حج کا زمانہ ہمیشہ ایک ہی موسم میں نہیں آتا، بدلتا رہتا۔ اور اسی وجہ سے قریش کے سفر تجارت میں خلل پڑتا۔ ثانیاً امن کے مہینوں کا معاملہ بھی ان کے جنگ جویانہ مقاصد کے خلاف واقع ہوا تھا ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ سے کتنی ہی عداوت ہو اور انتقام کا کتنا ہی موزوں موقعہ سامنے دیکھے لیکن اس کی جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ ان مہینوں کی بے حرمتی کر کے اعلان جنگ کر دے۔ چونکہ عرب جاہلیت کی طبیعتوں کے لئے نہ تو دینی قیود تھے نہ علمی حدود اس لئے مطلب براری کا ایک ڈھنگ نکال لینے میں انہیں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ وہ ڈھنگ یہ تھا کہ امن کے مہینوں کا معاملہ ان کے قدرتی حساب پر موقوف نہیں رکھا بلکہ اس کے لئے ایک خود ساختہ اعلان ضروری ٹھہرا دیا جو حج کے موقعہ پر کیا جاتا تھا۔ اس اعلان کے ذریعہ جب ضرورت امن کے مہینے پیچھے ڈال دیتے، یا حج کا مہینہ مؤخر کر دیتے۔ مثلاً محرم امن کا مہینہ تھا۔ اعلان کر دیا جاتا کہ اس سال محرم صفر میں واقع ہوگا۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ محرم کا حقیقی مہینہ حکماً معدوم ہو جاتا اور اس میں لڑائی شروع ہو جاتی۔ پھر جب یہ فرق بہت دور تک پہنچ جاتا تو اسے لوٹانا شروع کر دیتے۔ یہاں تک کہ اصلی مہینوں کی ترتیب پھر قائم ہو جاتی۔

چونکہ یہ طریقہ سرتاسر جہل و فساد پر مبنی تھا، اور اس کی وجہ سے نہ تو تقویم کا کوئی معیار باقی رہا تھا، نہ امن و جنگ کے ایام کا۔ اس لئے ضروری تھا کہ اس کا قطعاً انسداد کر دیا جائے، اور حج کے لئے ایک معین اور قطعی زمانہ مقرر ہو جائے اگر فی الحقیقت اس معاملہ کی بنیاد کسی حسابی قاعدہ پر ہوتی، تو کوئی وجہ نہ تھی کہ قرآن اسے زیادۃ فی الکفر سے تعبیر کرتا۔

اسلام کا جب ظہور ہوا۔ تو عرب میں قمری مہینوں کا حساب رائج تھا۔ اس نے بھی اپنے احکام و عبادات کے لئے اسی حساب پر استناد کیا۔ کیونکہ انسان کے لئے مہینوں کا قدرتی حساب یہی ہے۔ چاند چھپتا ہے اور پھر نکلتا ہے اور ہر شخص خود

(۶) پھر اس باب میں اس کی ایک دوسری خصوصیت بھی ہے یعنی وہ علت جو نہ صرف زکوٰۃ کے لئے بلکہ تمام صدقات و خیرات کے لئے قرار دی گئی، اور جس کی وجہ سے اس سارے نے بالکل ایک دوسری ہی نوعیت اختیار کر لی۔

کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم — تاکہ ایسا نہ ہو، مال و دولت صرف دولت مندوں کے گروہ ہی میں محصور ہو کر رہ جائے۔ (۷:۵۹)

یعنی زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ دولت سب میں پھیلے، سب میں بٹے۔ کسی ایک گروہ ہی کی ٹھیکہ داری نہ ہو جائے اور اسی سورت کی آیت (۳۴) میں گزر چکا ہے: والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ، فبشرھم بعذاب الیم۔ جو لوگ چاندی سونا خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کے لئے اگر کوئی بشارت ہو سکتی ہے تو یہی کہ عذاب دردناک کی بشارت دے دو! اور حدیث بعث معاذ الی الیمن میں زکوٰۃ کا مقصد یہ فرمایا گیا:

توخذ من اغنیائھم فترد فی فقرائھم — ان کے دولت مندوں سے وصول کی جائے اور پھر ان کے محتاج افراد میں لوٹائی جائے۔ (رواہ الجماعۃ)

قرآن اور احتکار و اکتناز

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ قرآن کی روح دولت کے احتکار و اختصاص کے خلاف ہے یعنی وہ نہیں چاہتا کہ دولت کسی ایک گروہ کی ٹھیکہ داری میں آ جائے یا سوسائٹی میں کوئی ایسا طبقہ پیدا ہو جائے جو دولت کو خزانہ بنا بنا کر جمع کرے۔ بلکہ وہ چاہتا ہے، دولت ہمیشہ سیر و گردش میں رہے اور زیادہ سے زیادہ تمام افراد قوم میں پھیلے اور منقسم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ورثہ کے لئے تقسیم و اسہام کا قانون نافذ کر دیا، اور اقوام عالم کے تمام قوانین کی طرح نہیں کیا کہ خاندان کے ایک ہی فرد کے قبضہ میں رہے۔ جونہی ایک شخص کی آنکھیں بند ہوئیں اس کی دولت جو اس وقت تک انتہا ایک جگہ میں تھی اب وارثوں میں بٹ کر کئی جگہوں میں پھیل جائے گی۔ اور پھر ان میں سے ہر وارث کے وارث ہوں گے اور اسے بانٹتے اور پھیلاتے رہیں گے۔

اور پھر یہی وجہ ہے کہ اس نے سود کا لین دین حرام کر دیا، اور قاعدہ یہ ٹھہرایا کہ یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات (۲:۲۷۶) اللہ سود کا جذبہ گھٹانا چاہتا ہے، خیرات کا جذبہ بڑھانا چاہتا ہے یعنی یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں۔ جس قوم میں سود کا جذبہ ابھرے گا، اس کے غالب افراد شقاوت و محرومی میں مبتلا رہیں گے۔ جس قوم میں خیرات کا جذبہ ابھرے گا، اس کا کوئی فرد محتاج و مفلس نہیں رہے گا۔

اور یہی لئے اس نے سود کے معاملہ کو اتنی اہمیت دی کہ فرمایا، جو لوگ اس پر مصر رہیں گے وہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلان جنگ کریں گے۔ فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ (۲:۲۷۹) کیونکہ اس معاملہ پر جماعت کی بنیادی فلاح موقوف تھی، اور ضروری تھا کہ اسے ایمان و انقیاد کا معیار قرار دیا جاتا۔

اور یہی وجہ ہے کہ سورۂ بقرہ میں انفاق کا حکم دینے کے بعد متصلاً فرمایا: یوتی الحکمۃ من یشاء ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ وما یذکر الا اولوا الالباب (۲:۲۶۹) یعنی یہ بات کہ اپنی کمائی کا ایک حصہ دوسرے افراد جماعت کو دے دیا جائے کھونا نہیں ہے، پانا ہے، بہت دقیق بات ہے۔ اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو صاحب حکمت ہیں، اور جس کسی نے حکمت کی دولت پائی، تو اس نے بڑی سے بڑی بھلائی پا لی۔ وما یذکر الا اولوا الالباب![۱]

(۷) قرآن و سنت کی تعلیمات اور صحابہ کرام کی عملی زندگی کے مطالعہ کے بعد مجھے اس حقیقت کا پورا اذعان ہو گیا ہے کہ اسلام کے بنائے ہوئے اجتماعی نقشہ میں دولت اور وسائل دولت کے احتکار اور اکتناز کے لئے کوئی جگہ نہیں

---

[۱] قرآن نے زکوٰۃ و صدقات کے باب میں جو کچھ کہا ہے، اس کے معارف و دقائق بے شمار ہیں اور بدقسمتی سے مفسرین دوسرے گوشوں میں نکل گئے۔ یہاں تفصیل ممکن نہیں، اتنی باتیں بھی بلا قصد قلم سے نکل گئیں اور پھر طبیعت نے گوارا نہیں کیا کہ قلمرو کر دی جائیں۔ تفصیل کے لئے البیان کا انتظار کرنا چاہئے۔ سورۂ توبہ کی آیت والذین یکنزون الذھب والفضۃ کی تفسیر (بقیہ ص ۳۴)

کی جا سکتی ہے جس مصرف میں خرچ کرنا ضروری ہو اسی میں خرچ کی جائے؟ تو اس بارے میں فقہاء نے اختلاف کیا۔ لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ تمام مصارف میں یہ یک وقت تقسیم کرنا ضروری نہیں جس وقت جیسی حالت اور جیسی ضرورت ہو اسی کے مطابق خرچ کرنا چاہئے اور یہی مذہب قرآن و سنت کی تصریحات اور روح کے مطابق ہے ائمہ اربعہ میں صرف امام شافعی اس کے خلاف گئے ہیں۔

(۳) یہ آٹھ مصارف جس ترتیب سے بیان کئے ہیں اگر غور کرو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ معاملہ کی قدرتی ترتیب یہی ہے سب سے پہلے ان دو گروہوں کا ذکر کیا جو استحقاق میں سب سے زیادہ مقدم ہیں کیونکہ زکوٰۃ کا اولین مقصد دانتی کی اعانت ہے یعنی فقراء اور مساکین پھر اس گروہ کا ذکر کیا جس کی موجودگی کے بغیر زکوٰۃ کا نظام قائم نہیں رہ سکتا اور اس اعتبار سے اس کا تقدم ظاہر ہے لیکن چونکہ اس کا استحقاق بالذات نہیں تھا اس لئے اولین جگہ نہیں دی جا سکتی بس دوسری جگہ پائی۔ العاملین علیہا۔ پھر المؤلفۃ قلوبھم کا درجہ ہوا کہ ان کا دل ہاتھ میں لینا ایمان کی تقویت اور حق کی اشاعت کے لئے ضروری تھا۔ پھر غلاموں کو آزاد کرانے اور قرضداروں کو بار قرض سے سبکدوش کرانے کے مقاصد نمایاں ہوئے جو نسبتاً موقت اور محدود تھے پھر فی سبیل اللہ کا مقصد رکھا گیا کہ مستحقین کی پچھلی جماعتیں کسی وقت مفقود ہو گئی ہوں یا کم ہو گئی ہوں یا مقتضیاتِ وقت نے ان کی اہمیت کم کر دی ہو۔ یا مال زکوٰۃ کی مقدار بہت زیادہ ہو گئی ہو۔ تو ایک جامع و حاوی مقصد کا دروازہ کھول دیا جائے جس میں دین و امت کے مصالح کی ساری باتیں آ جائیں۔ سب سے آخر میں "ابن السبیل" کی جگہ ہوئی کیونکہ تقدم میں یہ سب سے کم اور مقدار کے لحاظ سے بہت ہی محدود صورت میں پیش آنے والا مصرف تھا۔

(۴) قرآن کی اصطلاح میں وہ تمام کام جو براہ راست دین و ملت کی حفاظت و تقویت کے لئے ہوں سبیل اللہ کے کام ہیں اور چونکہ حفظ و صیانت امت کا سب سے زیادہ ضروری کام دفاع ہے اس لئے زیادہ تر اطلاق اسی پر ہوا۔ پس اگر دفاع درپیش ہے اور امام وقت اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ مدّ زکوٰۃ سے مدد لی جائے تو اس میں خرچ کیا جائے گا۔ ورنہ دین و امت کے عام مصالح میں مثلاً قرآن اور علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت میں مدارس کے اجراء و قیام میں۔ دعاۃ و مبلغین کے قیام و ترسیل میں۔ ہدایت و ارشاد امت کے تمام مفید وسائل میں۔[1] | سبیل اللہ

(۵) دنیا میں کوئی دین نہیں جس نے محتاجوں کی اعانت اور ابنائے جنس کی خدمت کی تلقین نہ کی ہو اور اسے عبادت یا عبادت کا لازمی جزء نہ قرار دے دیا ہو لیکن یہ خصوصیت صرف اسلام کی ہے کہ وہ صرف اتنے ہی پر قانع نہیں ہوا۔ بلکہ ہر مستطیع مسلمان پر ایک خاص ٹیکس مقرر کر دیا جو اسے اپنی تمام آمدنی کا حساب کر کے سال بسال ادا کرنا چاہئے اور پھر اسے اس درجہ اہمیت دی کہ اعمال میں نماز کے بعد اسی کا درجہ ہوا، اور قرآن نے ہر جگہ دونوں عملوں کا ایک ساتھ ذکر کر کے یہ بات واضح کر دی کہ کسی جماعت کی اسلامی زندگی کی سب سے پہلی شناخت یہی دو عمل ہیں: نماز اور زکوٰۃ۔ اگر کوئی جماعت بحیثیت جماعت کے انہیں یک قلم ترک کر دے گی تو اس کا شمار مسلمانوں میں نہ ہوگا۔ اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے مانعین زکوٰۃ سے قتال کیا، اور حضرت ابو بکرؓ نے کہا واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ و الزکوٰۃ (متفق علیہ) | حکم زکوٰۃ اور اسلام کا نظامِ اجتماعی

بلاشبہ حضرت مسیح (علیہ السلام) کے مواعظ اس بارے میں بہت دور تک چلے گئے ہیں۔ انہوں نے صرف یہی نہیں کہا کہ آدھا دے دو، بلکہ کہا سب کچھ دے دو، لیکن چونکہ اسلام کی طرح کوئی معین نظم قائم نہیں کیا، اس لئے یہ تعلیم محض زہد و ترک دنیا کا ایک عملی مقام بن کر رہ گئی، اور مسیحیت کے صدر اول کے سوا (جبکہ کلیسا کی بنیاد باہمی اخوت و اشتراک پر قائم کی گئی تھی) کوئی زمانہ ایسا ظہور میں نہ آسکا کہ عیسائیوں میں اس تعلیم کے نتائج نے نشو و نما پایا ہو۔

---

[1] فقہاء و مفسرین کا ایک گروہ اسی طرف گیا ہے اور بعضوں نے تو اسے اس درجہ عام کر دیا کہ مسجد، کنواں، پل اور تمام اس طرح کی تعمیرات خیریہ بھی اس میں داخل کر دیں۔ وقیل ان اللفظ عام فلا یجوز قصرہ علی نوع خاص ویدخل فیہ جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الجسور والحصون وعمارۃ المساجد وغیر ذالک (نیل الاوطار) فقہاء حنفیہ میں سے صاحب فتاوی ظہیریہ لکھتے ہیں: المراد طلبۃ العلم اور صاحب بدائع کے نزدیک تمام کام جو نیکی و خیرات کے لئے ہوں اس میں داخل ہیں۔

وقت کے حاکموں کو۔ اس نے کہا: اذا یتخذون بھا ثیاباً و طیباً۔ وہ تو زکوٰۃ کا روپیہ اپنے کپڑوں اور عطروں پر خرچ کر ڈالتے ہیں۔ فرمایا "وان" "اگرچہ ایسا کرتے ہوں، مگر وہ انہی کو دو" (ابن ابی شیبہ) کیونکہ زکوٰۃ کا معاملہ بغیر نظام کے قائم نہیں رہ سکتا۔

صدر اول سے لیکر آخر عہد عباسیہ تک یہ نظام بلا استثنار قائم رہا۔ لیکن ساتویں صدی ہجری میں جب تاتاریوں کا سیلاب تمام اسلامی ممالک میں امنڈ آیا، اور نظام خلافت معدوم ہوگیا، تو سوال پیدا ہوا کہ اب کیا کرنا چاہئے؟ فقہاء حنفیہ کے جس قدر شروح و متون اور کتب فتاوی آج کل متداول ہیں زیادہ تر اسی دور میں یا اس کے بعد لکھے گئے ہیں اس وقت پہلے پہل اس بات کی تخم ریزی ہوئی کہ زکوٰۃ کی رقم بطور خود خرچ کر ڈالی جائے، کیونکہ غیر مسلم حاکموں کو نہیں دی جا سکتی۔ مگر ساتھ ہی فقہاء نے اس پر بھی زور دیا کہ جن ملکوں میں اسلامی حکومت قائم نہیں رہی ہے اور اعادہ حالت فوراً ممکن نہیں وہاں مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ کسی اہل مسلمان کو اپنا امیر مقرر کر لیں۔ تاکہ اسلامی زندگی کا نظام قائم رہے، معدوم نہ ہو جائے۔

لیکن افسوس ہے کہ بعد کو بتدریج اس نظام کی اہمیت سے مسلمان غافل ہوتے گئے، اور رفتہ رفتہ یہ حالت ہوگئی کہ لوگوں نے سمجھ لیا۔ زکوٰۃ نکالنے کا معاملہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ خود حساب کر کے ایک رقم نکال لیں، اور پھر جس طرح چاہیں خود ہی خرچ کر ڈالیں۔ حالانکہ جس زکوٰۃ کی ادائیگی کا قرآن نے حکم دیا ہے، اس کا قطعاً یہ طریقہ نہیں ہے۔ اور مسلمانوں کی جو جماعت اپنی زکوٰۃ کسی امین زکوٰۃ یا بیت المال کو حوالے کرنے کی جگہ خود ہی خرچ کر ڈالتی ہے۔ وہ دیدہ و دانستہ حکم شریعت سے انحراف کرتی ہے، اور یقیناً عنداللہ اس کے لئے جوابدہ ہوگی۔

(۱۰) اگر کہا جائے کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت موجود نہیں اسلئے مسلمان مجبور ہو گئے، اور انفرادی طور پر خرچ کرنے لگے، تو شرعاً و عقلاً یہ عذر مسموع نہیں ہو سکتا۔ اگر اسلامی حکومت کے فقدان سے جمعہ ترک نہیں کر دیا گیا جس کا قیام امام و سلطان کی موجودگی پر موقوف تھا، تو زکوٰۃ کا نظام کیوں ترک کر دیا جائے؟ کس نے مسلمانوں کے ہاتھ اس بات سے باندھ دیے تھے، کہ اپنے اسلامی معاملات کے لئے ایک امیر منتخب کر لیں، یا ایک مرکزی بیت المال پر متفق ہو جائیں یا اقلاً ویسی ہی انجمنیں بنالیں جیسی انجمنیں بے شمار غیر ضروری باتوں کے لئے بلکہ بعض حالتوں میں بدع و محدثات کے لئے انہوں نے جابجا بنالی ہیں۔

(۱۱) اسلام نے اجتماعی زندگی کا ایک پورا نقشہ بنایا تھا۔ جہاں اس کے چند خانے بگڑے سمجھ لو پورا نقشہ بگڑ گیا چنانچہ اس ایک نظام کے فقدان نے مسلمانوں کی پوری اجتماعی زندگی مختل کر دی ہے۔ لوگ اصلاح کے لئے طرح طرح کے ہنگامے بپا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں انجمنوں اور قومی چندوں کے ذریعے وقت کی مشکلوں اور مصیبتوں کا علاج ڈھونڈ نکالیں گے، حالانکہ مسلمانوں کے لئے اصلی سوال یہ نہیں ہے کہ کوئی نیا طریقہ ڈھونڈ نکالیں، سوال یہ ہے کہ اپنے گم گشتہ طریقہ کا کھوج لگائیں!

درازیٔ شب و بیداریٔ من این ہمہ نیست ز بخت من خبر آرید تا کجا خفتست؟

اگر محض دولت مند افراد کے عطیوں اور قومی تحریکوں کے نظام سے قوم کا اقتصادی مسئلہ حل ہو سکتا تو آج یورپ اور امریکہ سے بڑھ کر کون ہے جہاں دونوں باتوں کا انتظام کر سکتا ہے؟ لیکن معلوم ہے کہ ان کا کوئی قومی فنڈ اور کوئی قومی نظام بھی نچلے طبقوں کی بیکاری اور متوسط طبقہ کا افلاس روک نہ سکا، اور اب اجتماعی مسئلہ کا ہلاکت آفرین خطرہ ان کے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ اصل یہ ہے کہ افراد کی وقتی فیاضیاں کتنی ہی زیادہ ہوں قوم کی اجتماعی زندگی کے قیام کے لئے کبھی کفیل نہیں ہو سکتیں۔ اس صورت حال کا علاج صرف وہی ہے جو اسلام نے تیرہ سو برس پہلے تجویز کیا تھا۔ یعنی قانون سازی کے ذریعہ قوم کی پوری کمائی کا ایک خاص حصہ کمزور افراد کی خبر گیری کے لئے مخصوص کر دینا کہ توخذ من اغنیائہم فترد فی فقرائہم اور کی لایکون دولۃ بین الاغنیاء منکم!

(۱۲) بہرحال یہ بات یاد رہے کہ زکوٰۃ کی نوعیت عام خیرات کی سی نہیں ہے۔ بلکہ یہ اپنے پورے معنوں میں ایک

ہے "اختکاز" یہ کہ دولت کا کسی ایک طبقہ ہی میں محصور ہو جانا" اکتناز" یہ کہ دولت کے بڑے بڑے خزانوں کا افراد کے پاس جمع ہو جانا۔ اس نے سوسائٹی کی نوعیت کا جو نقشہ بنایا ہے' اگر ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے' اور صرف چند خلنے ہی نہیں بلکہ تمام خانے اپنی اپنی جگہ بن جائیں۔ تو ایک ایسا اجتماعی نظام پیدا ہو جائے' کہ جس میں نہ تو بڑے بڑے کروڑ پتی ہونگے' نہ مفلس محتاج طبقے ایک طرح کی درمیانی حالت غالب افراد پر طاری ہو جائے گی۔ بلاشبہ زیادہ سے زیادہ کمانے والے افراد موجود ہوں گے۔ کیونکہ سعی و کسب کے بغیر کوئی مومن زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ لیکن جو جو جتنا زیادہ کمائے گا' اتنا ہی زیادہ انفاق پر مجبور بھی ہوگا۔ اور اس لئے افراد کی کمائی جتنی بڑھتی جائے گی' اتنی ہی زیادہ جماعت بہ حیثیت جماعت کے خوش حال ہوتی جائیگی۔ قابل اور مستعد افراد زیادہ سے زیادہ کمائینگے' لیکن صرف اپنے ہی لئے نہیں کمائینگے' تمام افراد قوم کے لئے کمائیں گے یہ صورت پیدا نہ ہو سکے گی کہ ایک طبقہ کی کمائی دوسرے طبقوں کے لئے محتاجی و مفلسی کا پیام ہو جائے' جیسا کہ اب عام طور پر ہو رہا ہے یہ بات کہ قرآن کی تعلیم کے مطابق دنیا میں کس طرح کی مدنیت اور اجتماعیت پیدا ہو سکتی ہے؟ جس درجہ اہم ہے' اتنی ہی زیادہ دقیق بھی ہے۔ البیان میں بہ ضمن تفسیر بقرہ اس کی مفصل بحث و تحقیق ملے گی۔

(۸) اگر مسلمان آج اور کچھ نہ کریں' صرف زکوٰۃ کا معاملہ ہی احکام قرآنی کے مطابق درست کرلیں' تو بغیر کسی تامل کے دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ان کی تمام اجتماعی مشکلات و مصائب کا حل خود بخود پیدا ہو جائے گا۔

(۹) لیکن مصیبت یہ ہے کہ مسلمانوں نے یا تو احکام قرآنی کی تعمیل یک قلم ترک کر دی ہے یا پھر عمل بھی کر رہے ہیں تو اس طرح' کہ فی الحقیقت عمل نہیں کر رہے ہیں۔

قرآن نے زکوٰۃ کا معاملہ ایک خاص نظام سے وابستہ کر دیا ہے اور اسی نظام کے قیام پر اس کے تمام مقاصد و مصالح کا حصول موقوف ہے۔ زکوٰۃ ایک ٹیکس ہے۔ بالکل اسی طرح کا ٹیکس جس طرح آج کل انکم ٹیکس وصول کیا جاتا ہے پس اسکی ادائیگی کا طریقہ یہ نہ تھا کہ ہر شخص خود ہی اپنا ٹیکس نکالے' اور خود ہی خرچ بھی کر ڈالے' بلکہ یہ تھا کہ حکومت اپنے کلکٹروں کے ذریعہ ہر شخص سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کرے' اور پھر ضروریات وقت کے مطابق جس مصرف کو مقدم دیکھے' اس میں خرچ کرے جب ایک شخص نے حکومت کے مقرر عامل کو اپنی زکوٰۃ دیدی' اسکی زکوٰۃ ادا ہوگئی چنانچہ اسی لئے کلکٹروں اور عاملوں کی تنخواہ کا بار بھی اسی فنڈ پر ڈال دیا' اور صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ والعاملین علیھا۔ جو کارندے وصولی کے لئے مقرر ہوں' ان کے ضروری مصارف۔ اگر ادائیگی کے لئے یہ بات ضروری نہ ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی' کہ مصارف کی مد میں مستقلاً عمال حکومت کا ذکر کیا جاتا۔

اور پھر یہی وجہ ہے کہ صاف و صریح لفظوں میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ اس باب میں عمال حکومت کی اطاعت کریں اور بلا عذر زکوٰۃ ان کے حوالہ کر دیں۔ حتی کہ اگر عمال ظالم ہوں۔ یا بیت المال کا روپیہ ٹھیک طور پر خرچ نہ ہو رہا ہو' جب بھی اصلاح حال کی سعی کے ساتھ' ادائیگی کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیئے۔ یہ نہیں کرنا چاہیئے کہ زکوٰۃ بطور خود خرچ کر ڈالی جائے۔ بشیر بن خصاصہ کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے کہا: ان قوما من اصحاب الصدقۃ یعتدون علینا۔ عمال کا ایک گروہ صدقہ لینے میں ہم پر زیادتیاں کرتا ہیں۔ کیا اس کا مقابلہ کریں؟ فرمایا "نہیں"۔ (ابوداؤد) سعد بن وقاص کی روایت میں صاف صاف موجود ہے: ادفعوا الیھم ما صلوا جب تک وہ نماز پڑھتے ہیں زکوٰۃ انہیں دیتے رہو۔

بنو امیہ کے زمانہ میں جب نظام خلافت بدل گیا' اور حکام ظلم و تشدد پر اتر آئے' تو بعض لوگوں کو خیال ہوا۔ ایسے لوگ ہماری زکوٰۃ کے کیوں امین سمجھے جائیں؟ لیکن تمام صحابہ نے یہی فیصلہ کیا کہ زکوٰۃ انہی کو دینی چاہیئے یہ کسی نے نہیں کہا کہ خود اپنے ہاتھ سے خرچ کر ڈالو۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے ایک شخص نے پوچھا۔ اب زکوٰۃ کسے دیں؟ کہا

(بقیہ صفحہ ۱۳۱) تم متداول تفاسیر میں پڑھو "ولا ینفقونھا" کی توجیہ میں کیا کیا مشکلیں پیدا کی گئی ہیں' اور پھر کیسے دور دراز حل نکالے گئے ہیں؟ حالانکہ اگر اکتناز کے زور پر غور کیا ہوتا اور اس بارے میں قرآن و سنت کی روح پیش نظر ہوتی' تو معاملہ بالکل واضح تھا۔ بہرحال یہ محل اطناب نہیں۔

کسی حال میں بھی شرعی نہیں ہو سکتا کہ باوجود خوشحالی ہونے کے اپنے رشتہ داروں کو فقر و فاقہ میں چھوڑ دیا جائے، اور پھر اگر کچھ دیا بھی جائے تو اسے زکوٰۃ کی مد میں شمار کر لیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے کوئی خاص اسلامی عمل ہی ترک نہیں کر دیا ہے، بلکہ ان کی پوری زندگی غیر اسلامی ہو گئی ہے۔ ان کی فکری حالت غیر اسلامی ہے، ان کی عملی رفتار غیر اسلامی ہے، ان کا دینی زاویۂ نگاہ غیر اسلامی ہو گیا ہے۔ وہ اگر اسلامی احکام پر عمل بھی کرنا چاہتے ہیں تو غیر اسلامی طریقہ سے، اور یہ دینی تنزل کی انتہا ہے۔ فما لهؤلاء القوم لا يكادون يفقهون حديثا!

(۵) ایک عام اور سب سے زیادہ مہلک غلط فہمی یہ پھیل گئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں زکوٰۃ دیدینے کے بعد انفاق و خیرات کے اور تمام اسلامی فرائض ختم ہو جاتے ہیں جہاں ایک شخص نے رمضان میں اٹھنوں اور روپوں کی پڑیاں باندھ کر تقسیم کے لئے رکھ دیں، سال بھر کے لئے اُسے ہر طرح کے انسانی و اسلامی تقاضوں سے چھٹی مل گئی!

حالانکہ ایسا سمجھنا، یک قلم اسلام کو بھلا دینا ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کو جس طرح کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کی ہے وہ محض اپنی اور اپنے بیوی بچوں کے پیٹ ہی کی زندگی نہیں ہے، بلکہ منزلی، خاندانی، معاشرتی، جماعتی، اور انسانی فرائض کی ادائیگی کی ایک پوری آزمائش ہے۔ اور جب تک ایک انسان اس آزمائش میں پورا نہیں اترتا، اسلامی زندگی کی لذت اس پر حرام ہے۔

اس پر اس کے نفس کا حق ہے اس کے والدین کا حق ہے۔ رشتہ داروں کا حق ہے۔ بیوی بچوں کا حق ہے ہمسایہ کا حق ہے اور پھر تمام نوع انسانی کا حق ہے۔ اس کا فرض ہے کہ اپنی استطاعت اور مقدور کے مطابق یہ تمام فرائض ادا کرے، اور انہیں فرائض کی ادائیگی پر اس کی زندگی کی ساری دنیوی اور اخروی سعادتیں موقوف ہیں: واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا، وبالوالدين احسانا، وبذي القربى واليتامى والمساكين والجار ذي القربى، والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبيل، وما ملكت ايمانكم (۴: ۳۶)

یہ تمام فرائض ادا نہیں کئے جا سکتے، جب تک کہ انفاق و خیرات کے لئے انسان کا ہاتھ کشادہ نہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اعمال میں سے کسی عمل پر اتنا زور نہیں دیا، جس قدر نماز اور انفاق پر، اور منافقوں کی سب سے بڑی پہچان اسی صورت میں یہ بتائی کہ ان کی مٹھیاں بند رہتی ہیں۔ انفاق کے لئے کھلتی نہیں: ويقبضون ايديهم (۹: ۶۷) اور اگر کچھ دیتے بھی ہیں تو مجبور ہو کر: ولا ينفقون الا وهم كارهون (۹: ۵۴)، اور مومنوں کی نسبت فرمایا ينفقون اموالهم بالليل والنهار سرا وعلانية (۲: ۲۷۴) مومن وہ ہیں جن کا ہاتھ ہمیشہ کھلا رہتا ہے، رات دن، پوشیدہ اور ظاہر ہر حال میں سرگرم انفاق رہتے ہیں۔ نیز فرمایا: یہ شیطانی خیال ہے کہ خرچ کرنے سے ہم محتاج ہو جائیں گے۔ اور اس راہ میں بخل فحش ہے یعنی سخت قسم کی برائی۔ اور اللہ انفاق کا حکم دے کر تمہیں مغفرت اور خوشحالی کی راہوں پر لگاتا ہے: الشيطن يعدكم الفقر ويامركم بالفحشاء والله يعدكم مغفرة منه وفضلا (۲: ۲۶۸)

پس یہ سمجھنا کہ جہاں سال میں ایک مرتبہ زکوٰۃ کا ٹیکس دے دیا، انفاق فی سبیل اللہ کے تمام مطالبات پورے ہو گئے، صریح قرآن کی تعلیم سے اعراض کرنا ہے۔ زکوٰۃ تو ایک خاص قسم کا ٹیکس ہے اور ایک خاص مقصد کے لئے لگایا گیا ہے، جو سال میں ایک مرتبہ دینا پڑتا ہے، لیکن ہماری زندگی کا ہر چوبیس گھنٹہ ہم سے انفاق کا مطالبہ کرتا ہے، اور اگر ہم اسلامی زندگی کا توشہ لے کر دنیا سے جانا چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ حسب استطاعت اس کے تمام مطالبات پورے کریں۔

قرآن اور سوشلزم

(۶) دنیا میں دولت اور وسائل دولت کا احتکار اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ضروری تھا اس کا ردِ عمل پیدا ہو۔ چنانچہ اٹھارھویں صدی میں موجودہ سوشلزم کی بنیادیں پڑیں، اور اب اس نے کمیونزم کی انتہائی صورت اختیار کر لی ہے اور پندرہ برس سے روس میں اس کا اولین تجربہ بھی ہو رہا ہے۔ قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن کی تعلیم سرمایہ داری کے مفاسد مٹانا چاہتی ہے اور دولت کی تقسیم کی حامی ہے، تو کیا ایسا نہیں سمجھا جا سکتا کہ اس کا رخ بھی

انکم ٹیکس ہے جو اسلامی حکومت نے ہر کمانے والے فرد پر لگا دیا تھا۔ بشرطیکہ اسکی کمائی اس کی ذاتی ضروریاتِ زندگی سے زیادہ ہو۔ موجودہ زمانے کے انکم ٹیکسوں میں اور اس میں صرف دو باتوں کا فرق ہے۔ ایک یہ کہ اپنی نوعیت میں زیادہ وسیع ہے یعنی صرف کاروبار کی گھٹتی بڑھتی آمدنی ہی پر عائد نہیں ہوتا۔ بلکہ اندوختہ پر بھی واجب ہو جاتا ہے اگرچہ اس سال کوئی نئی آمدنی نہ ہوئی ہو۔ نیز اس طرح کی تمام ملکیتیں بھی اس میں داخل ہیں جو بڑھنے کی استعداد رکھتی ہوں مثلاً مویشی۔ دوسری یہ کہ مقصد کے لحاظ سے یہ ایک خاص مصرف رکھتا ہے جس کی مختلف مدیں معین کر دی گئی ہیں۔ اسٹیٹ کو حق نہیں کہ ان مصارف کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں خرچ کرے۔

(۱۳) قرآن نے یہودیوں کی اس گمراہی کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے احکامِ شرع کی تعمیل سے بچنے کے لئے شرعی حیلے نکال لئے تھے! افسوس ہے کہ مسلمانوں میں بھی اس گمراہی نے سر اٹھایا حتیٰ کہ حیلہ کا معاملہ بعض کتبِ فقہ کا ایک مستقل باب بن گیا۔ ازانجملہ ایک حیلہ زکوٰۃ کے باب میں بھی مشہور ہے۔ طریقہ اس کا یہ بتلایا جاتا ہے کہ جو شخص زکوٰۃ سے بچنا چاہے وہ کسی آدمی سے بخش دینے اور بخشوا لینے کا فرضی معاملہ کرتے اور قبل اس کے کہ برس پورا ہو اپنا تمام مال اس کے نام ہبہ کر دے پھر وہ برس ختم ہونے سے پہلے وہی مال اس کے نام ہبہ کر دے گا۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ دونوں پر سے باوجود مالدار ہونے کے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ مثلاً شوہر نے اپنی بیوی سے رجب کے مہینہ میں کہہ دیا میں نے اپنا مال تجھے ہبہ کر دیا۔ اس نے کہا قبول۔ اب شوہر پر زکوٰۃ نہیں رہی۔ کیونکہ قبل اس کے کہ سال تمام ہو وہ صاحبِ نصاب نہ رہا۔ البتہ بیوی پر پڑ گئی۔ بشرطیکہ بارہ مہینے گزر جائیں۔ لیکن وہ بارہ مہینے کیوں گزرنے دے گی؟ وہ جمادی الاولیٰ میں شوہر سے کہہ دے گی میں نے تمام مال اب تمہیں ہبہ کر دیا۔ اس طرح اس نیک بخت پر سے بھی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی!

قصہ کوتہ گشت ورنہ درد سر بسیار بود!

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ احکامِ شرع کی تعمیل میں اس طرح کی حیلہ بازیاں نکالنی فسق و ضلالت کا انتہائی مرتبہ ہے اور جو شخص اس طرح کی مکاریاں کر کے احکامِ الٰہی سے بچنا چاہتا ہے اس کی معصیت ان لوگوں سے بدرجہا زیادہ ہے جو سیدھی سادھی طرح ترکِ اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ بات کہ ایک شخص سے جرم ہو گیا محض جرم ہے، مگر یہ بات کہ ایک شخص جرم کو بے جرمی و پاک عملی بنا کر کرتا ہے، صرف جرم ہی نہیں ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے، اور صرف اس کی عملی زندگی ہی کو نہیں بلکہ ایمان و فکر کو بھی تاراج کر دینے والا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جونہی اس طرح کے حیلوں کا چرچا پھیلا، تمام سلفِ امت نے اس پر انکارِ عظیم کیا، اور ائمہ و فقہاء میں کوئی نہیں جس نے انہیں جائز رکھا ہو۔

(۱۴) ایک اور غلط فہمی اس باب میں یہ پھیل گئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں اپنے مفلس رشتہ داروں کی خبرگیری کا یہی طریقہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقوم سے ان کی مدد کی جائے۔

بلاشبہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ غیروں سے پہلے اپنے محتاج رشتہ داروں کی خبر لے، اور قرآن نے صدقات و خیرات کے معاملہ میں جو اصلاحات کی ہیں من جملہ ان کے ایک بڑی اصلاح یہ ہے کہ رشتہ داروں کی اعانت کو بھی خیرات قرار دے دیا، بلکہ خیرات کا سب سے پہلا اور بہتر مصرف: قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین (۲: ۲۱۵)، لیکن زکوٰۃ جو خیرات کی ایک خاص قسم ہے اس لئے واجب نہیں کی گئی ہے کہ لوگ خیرات کی دوسری قسموں سے ہاتھ روک لیں اور اپنے محتاج رشتہ داروں کی مدد کا بوجھ بھی اسی پر ڈال دیں۔ زکوٰۃ دینی ہوگی جو صاحبِ استطاعت ہو اور اگر ایک شخص خوشحال ہے اور اس کے رشتہ دار تنگی و محتاجی میں مبتلا ہو گئے ہیں تو بحیثیت مسلمان ہونے کے اس کا فرض ہے کہ ان کی خبرگیری کرے۔ اگر نہیں کرے گا، تو یقیناً عنداللہ جواب دہ ہوگا۔ کیونکہ صلۂ رحمی کا حق خدا کا ٹھہرایا ہوا حق ہے: واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام (۴: ۱) بلاشبہ اس کی یہ خبرگیری اس کے لئے خیرات کا بہترین عمل ہوگی، لیکن خبرگیری ہر حال میں اس کا اسلامی فرض ہے۔ یہ طریقہ

بعضٍ درجٰت (۴۲ : ۳۲) دنیوی زندگی کی معیشت ہم نے لوگوں میں تقسیم کر دی اور اس کا کارخانہ ایسا بنا دیا کہ سب ایک ہی درجہ میں نہیں ہیں۔ کوئی کسی درجہ میں ہے کوئی کسی درجہ میں۔

بہرحال قرآن نے اجتماعی مسئلہ کا جو حل تجویز کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ مدارج معیشت کی مساوات قائم کرنی نہیں چاہتا۔
~~لیکن حق معیشت کی مساوات ضرور قائم کرتا ہے یعنی وہ کہتا ہے یہ بات ضروری نہیں کہ سب کو ایک ہی طرح پر سامان معیشت ملے لیکن یہ ضروری ہے کہ سب کو اور سعی و ترقی کی راہ یکساں طور پر سب کے سامنے کھل جائے~~! اس نے ہر طرح کے نسلی، خاندانی، جغرافیائی، اور طبقاتی امتیاز مٹا دیئے، اس نے زندگی کے ہر میدان میں انسانی مساوات کا اعلان کر دیا، اس نے وہ تمام رکاوٹیں دور کر دیں جو سوسائٹی کے اونچے طبقوں نے کمزور افراد کی خوشحالی و ترقی کی راہ میں پیدا کر دی تھیں اس نے قانون سازی کے ذریعے دولت کا احتکار و اختصاص روک دیا، اس نے زندگی کے ہر گوشہ میں دولت کے اکتناز کی جگہ دولت کی تقسیم پر زور دیا، اس نے اس بات سے قطعًا انکار کر دیا کہ دولت مندی بجائے خود کوئی حق ہے۔ اس نے بے اعتدالانہ سرمایہ داری کی تمام راہیں روک دیں، اس نے سود کی ہر شکل حرام کر دی، اس نے جوئے کو کسی حال میں جائز نہ رکھا۔ پھر ان تمام باتوں سے بڑھ کر یہ کہ انسانی زندگی کے اعمالِ حق میں انفاق فی سبیل اللہ کو سب سے زیادہ نمایاں جگہ دی اور ہر کمانے والے فرد کو سالانہ ٹیکس کے ذریعہ مجبور کر دیا کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ دوسروں کے لئے بھی نکالے۔ بس یہ نقشہ ہے جو اسلام نے اجتماعی نظام کا بنایا ہے۔

~~لیکن سوشلزم صرف اتنے ہی پر قانع نہیں رہنا چاہتا، وہ آگے بڑھنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے انفرادی ملکیت کی جگہ قومی ملکیت کا نظام قائم کرے اور مدارج معیشت کا اونچ نیچ معدوم ہو جائے۔ وہ یہ اصل تسلیم نہیں کرتا کہ اصول معیشت کا اختلاف فطرتی ہے اور اجتماعی زندگی کی سرگرمی و سعی کے لئے محرک و محرک ہوتی ہے وہ کہتا ہے اس وقت تک حالت ایسی ہی رہی ہے لیکن اگر سوسائٹی کا نظام مساوات معیشت پر قائم کیا گیا، تو دوسری طرح کی ذہنی اور معنوی محرکات پیدا ہو جائیں گی اور کارخانہ معیشت کی سرگرمی اسی طرح جاری رہے گی جس طرح اس وقت تک جاری رہی ہے۔~~

~~دنیا کا اس وقت تک کا تجربہ اس کے خلاف ہے اور روس کا نیا تجربہ بھی اس وقت تک اپنے لئے کوئی علمیت کا ثبوت نہیں پیش کر سکا ہے تاہم اس میں شک نہیں کہ سوشلزم کو اس مطالبہ کا حق ہے کہ مزید تجربہ کا موقع دیا جائے ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا~~

(ل) قرآن نے "کفر" کی طرح "نفاق" کا بھی جا بجا ذکر کیا ہے اور منافقوں کے اعمال و خصائل کی سب سے زیادہ تفصیل اسی سورت میں ملتی ہے۔ پس ضروری ہے کہ ٹھیک طور پر سمجھ لیا جائے، نفاق کی حقیقت کیا ہے اور منافقوں کی جماعت کس طرح کی جماعت تھی۔؟

(۱) دنیا میں ہم دیکھتے ہیں، فکر و عمل کا کوئی گوشہ ہو، تین طرح کے آدمی ضرور رہتے ہیں:
مستعد اور صالح طبیعتیں یہ ہر اچھی بات کو پہچان لیتی ہیں اور قبول کر لیتی ہیں، اور پھر سرگرم عمل ہو جاتی ہیں۔
مفسد طبیعتیں۔ انہیں ہر اچھی بات سے انکار ہوتا ہے۔ کوئی سیدھی بات ان کے اندر اترتی نہیں۔
درمیانی گروہ یہ ہر بات کو سن لینے اور مان لینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، لیکن فی الحقیقت اس کے اندر رہنماری نہیں ہوتی۔ وہ قدم اٹھا دیتا ہے مگر چلنا نہیں چاہتا، اور چلتا ہے تو پہلے ہی قدم میں لڑکھڑا جاتا ہے اس میں پہلے گروہ کی مستعدی نہیں ہوتی کہ جو بات مان لی، اسے ٹھیک ٹھیک مان لے اور عمل کرے! اس میں دوسرے گروہ کی بے باکی و جرأت بھی نہیں ہوتی کہ یکسو ہو کر صاف صاف انکار کر دے۔ پس گو وہ سمجھتا ہے کہ ایک راہ اختیار کر لی ہے لیکن فی الحقیقت دونوں راہوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہوتا۔ جہاں تک اقرار کا تعلق ہے، قبول کرنے والوں میں ہوتا ہے، جہاں تک ایمان و عمل کا تعلق ہے منکروں کی سی حالت میں: مذبذبین بین ذٰلک لا الی ھٰٓؤلآءِ ولا الی ھٰٓؤلآءِ (۴ : ۱۴۳)
جزم و یقین اور عزم و عمل پہلے گروہ کا خاصہ ہے۔ انکار و جحود دوسرے کا، اور رشک و تذبذب اور بے عملی و تعطل تیسرے کا

یعنی شخصی دولت سے جو انفاق کے ساتھ ہو تعرض نہیں کرتا، لیکن پرائیوٹ دولت یعنی اکتناز کا مخالف ہے۔

حقیقت

اسی طرف ہے جس طرف سوشیلزم جا رہا ہے؛ بلا شبہ سمجھا جا سکتا ہے لیکن ایک خاص درجہ تک اور اسکی حقیقت سمجھ لینی چاہئے دو صورتیں ہیں، اور ضروری ہے کہ دونوں کا فرق ملحوظ رکھا جائے۔

ایک صورت یہ ہے کہ دولت اور وسایل دولت کا احتکار روک دیا جائے، اور کمانے والے فرد کو قانون سازی کے ذریعہ مجبور کیا جائے کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ کمزور افراد کے لئے نکالے۔ نیز اسٹیٹ کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے کہ کوئی فرد ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے لیکن ساتھ ہی یہ اصل بھی تسلیم کی جائے کہ معیشت کے لحاظ سے تمام افراد و طبقات کی حالت یکساں نہیں ہو سکتی، اور یہ عدم یکسانیت اکثر حالتوں میں قدرتی ہے کیونکہ سب کی جسمانی و دماغی استعداد یکساں نہیں اور جب استعداد یکساں نہیں، تو ناگزیر ہے کہ جد و جہد معیشت کے ثمرات بھی یکساں نہ ہوں بہ الفاظ دیگر انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کر لیا جائے کہ جو جس قدر حاصل کر سکتا ہے وہ اس کا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ صرف دولت کا احتکار ہی نہ روکا جائے، بلکہ دولت کی انفرادی ملکیت بھی ختم کر دی جائے۔ اور ایسا نظام قائم کیا جائے، جس میں اجباری قوانین کے ذریعہ اقتصادی اور معیشتی مساوات کی حالت پیدا کر دی جائے [illegible]

[illegible]

بھی ایسا ہی نظام قرار دیا جا تا ہے۔

قرآن نے جو صورت اختیار کی ہے وہ پہلی ہے، اور سوشیلزم جس [illegible]

[illegible]

اسلام اور سوشیلزم کا یہ اختلاف اگرچہ محض درجہ [illegible]

[illegible]

اس طرح کے اشارات جابجا پائے جاتے ہیں کہ یہ اختلاف قدرتی ہے۔ اور ضروری تھا کہ ظہور میں آئے۔ وہ کہتا ہے۔ اگر یہاں سب کی حالت یکساں ہو جاتی تو تزاحم و تنافس کی حالت پیدا نہ ہوتی، اور اگر یہ حالت پیدا نہ ہوتی تو انسان کی قدرتی قوتوں کے ابھرنے اور ترقی پانے کے لئے کوئی شئے محرک بھی نہ ہوتی اور اجتماعی زندگی کی وہ تمام سرگرمیاں ظہور میں نہ آتیں جن سے یہ تمام کارخانہ چل رہا ہے:

وھو الذی جعلکم خلائف الارض ورفع	اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا،
بعضکم فوق بعض درجت لیبلوکم	اور بعض کو بعض پر مرتبے دئے، تاکہ جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں
فی ما اتاکم۔ ان ربک سریع العقاب	آزمائے بلا شبہ تمہارا پروردگار (بدعملیوں کی) فوراً سزا دینے والا
وانہ لغفور رحیم (۶: ۱۶۵)	ہے اور بلا شبہ وہ بڑا ہی بخشنے والا، رحمت والا ہے۔

اس آیت میں تین باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اولاً خدا نے انسانی زندگی کا کارخانہ کچھ اس طرح چلایا ہے کہ یہاں ہر گوشہ میں ایک طرح کی جانشینی کا سلسلہ جاری رہتا ہے یعنی ایک فرد اور گروہ جاتا ہے۔ دوسرا فرد اور گروہ اس کی جگہ لیتا اور اس کے ثمرات و نتائج سعی کا وارث ہوتا ہے۔ ثانیاً درجے کے لحاظ سے سب یکساں نہ ہوئے بعض اوپر ہوئے بعض ان سے نیچے۔ ثالثاً مدارج معیشت کی یہ بلندی و پستی اس لئے ہوئی تاکہ انسان کے عمل و تصرف کے لئے آزمائش کی حالت پیدا ہو جائے، اور ہر فرد اور ہر گروہ کو موقعہ دیا جائے کہ اپنی سعی و کاوش سے جو درجہ حاصل کر سکتا ہے حاصل کرلے آخر میں فرمایا۔ خدا کا قانون جزا سست رفتار نہیں یعنی سعی و طلب کی اس امتحان گاہ سے جزاء عمل کا معاملہ وابستہ ہے جیسے جس کے اعمال ہونگے، ویسے ہی نتایج اس کے حصہ میں آجائینگے

اسی طرح جابجا قرآن میں پاؤگے: واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق (۱۶: ۷۱) خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی ہے۔ نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا؛ ورفعنا بعضھم فوق

معیشت کے مدارج کا

لیکن قرآن میں

منافقوں کے اعمال و خصائص

(۱) اب غور کرو کہ یہاں منافقوں کے اعمال و خصائص کیا کیا بیان کئے ہیں :-

(ا) جب راہِ حق میں جان و مال کی قربانی کا وقت آتا، تو طرح طرح کے حیلے بہانے نکالتے اور کہتے ہمیں گھر بیٹھ رہنے کی اجازت مل جائے۔

(ب) مسلمانوں میں ہمیشہ فتنہ پھیلاتے۔ کمزور اور ناسمجھ آدمیوں کو گمراہ کرتے، ادھر کی بات ادھر لگاتے۔

(ج) جب کبھی جماعت کے لئے کوئی نازک وقت آجاتا، تو اس طرح کی باتیں نکالتے کہ دوسروں کے دل بھی کمزور پڑ جاتے اور کوئی نہ کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہوتا۔ چنانچہ احد میں انہوں نے ایسا ہی کیا، اور اس موقعہ پر بھی کمی نہیں کی۔

(د) دینداری کے بھیس میں اپنا نفاق چھپاتے، اور کہتے۔ اس کام میں ہمارے لئے فتنہ ہے، اس لئے شریک نہیں ہو سکتے۔

(ہ) مسلمانوں کی مصیبت ان کے لئے مصیبت نہیں ہوتی، اور نہ ان کی خوشی، ان کے لئے خوشی۔

(و) جب کوئی جماعتی معاملہ پیش آجاتا، تو اس کا ساتھ نہ دیتے اور طرح طرح کی فتنہ اندازیاں کرتے۔ پھر اگر کوئی حادثہ پیش آجاتا تو کہتے۔ تو ہم نے پہلے ہی یہ بات معلوم کر لی تھی۔ اسی لئے ساتھ نہیں دیا تھا۔ اور پھر بجائے اس کے کہ قوم کی مصیبت کو اپنی مصیبت سمجھیں دل میں خوش ہوتے کہ چلو اچھا ہوا کامیاب نہ ہوئے۔

(ز) نماز پڑھیں گے تو اس بے دلی سے کہ معلوم ہوگا، ایک بوجھ آپڑا ہے، اور چاہتے ہیں کسی نہ کسی طرح ٹال کر الگ ہو جائیں۔

(ح) نیکی کی راہ میں خوش دلی سے کبھی خرچ نہ کریں۔ کنجوسی ان کی سب سے بڑی علامت ہے۔

(ط) قسمیں کھا کھا کر یقین دلائیں گے کہ ہمیں مخالف نہ سمجھو، حالانکہ دل میں نفاق بھرا ہوا ہے۔

(ی) چونکہ دلوں میں کھوٹ ہے، اس لئے ڈرے سہمے رہتے ہیں، اور بہت سے کام دل کی خواہش سے نہیں، بلکہ محض جماعت کے خوف سے کرتے ہیں۔

(ک) چونکہ راہ حق کی آزمائشیں پیش آتی رہتی ہیں، اور دل میں اخلاص و یقین نہیں ہے، اس لئے بسا اوقات صورتِ حال سے ایسے مضطرب ہو جاتے ہیں، کہ اگر چھپ بیٹھنے کی کوئی جگہ مل جائے تو فوراً رسی تڑا کر بھاگ کھڑے ہوں۔

(ل) غرض کے بندے ہیں۔ ان کی خوشنودی اور ناراضگی کا سارا دار و مدار دنیا اور دنیا کا حصول ہے۔ اگر صدقات کی تقسیم میں انہیں بھی کچھ دے دیا جائے، تو خوش رہیں گے۔ نہ دیا جائے تو بگڑ بیٹھیں گے۔

(م) چونکہ ایمان و راستی سے محروم ہیں، اس لئے حق و ناحق کی کچھ پروا نہیں۔ جس طرح بھی ملے مال و دولت حاصل کرنی چاہئے صدقات و خیرات کے مستحق نہیں، لیکن اس کے حصول کے خواہشمند رہتے ہیں۔

(ن) اگر ان کی ہوائے نفس کے خلاف کوئی فیصلہ ہو، تو فوراً طعنہ زنی پر اتر آئیں کہ دوسروں کی طرف داری کی جاتی ہے۔

(س) پیغمبر اسلام مخلص مومنوں کا اخلاص پہچانتے اور انہیں قابل اعتماد سمجھتے تھے۔ یہ بات منافقوں پر شاق گذرتی۔ حتیٰ کہ بعضوں نے کہا، وہ کان کے کچے ہیں۔ لوگوں کی باتوں میں آجاتے ہیں۔

(ع) جب دیکھتے ہیں، ان کی منافقانہ روش پر عام برہمی پیدا ہو گئی تو قسمیں کھا کھا کر لوگوں کو یقین دلاتے اور انہیں اپنے سے راضی رکھنا چاہتے۔ قرآن کہتا ہے۔ ان کی حق فراموشی دیکھو۔ انہیں خدا کی تو کچھ پرواہ نہیں کہ بدعملیاں کئے جاتے ہیں، لیکن انسانوں کی اتنی پرواہ ہے کہ جونہی ان کی نگاہیں بدلی ہوئی نظر آئیں، لگے خوشامد کرنے اور جھوٹی قسمیں کھا کھا کر یقین دلانے۔

فی الحقیقت انسانی گمراہی کی بوالعجبیوں میں سے ایک عجیب بوالعجبی یہ ہے کہ وہ خدا پر ایمان رکھنے کا مدعی ہوتا ہے، اور جانتا ہے کہ اس کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ تاہم ہر طرح کی معصیتیں کئے جائیگا اور ایک لمحہ کے لئے اسے خیال نہ ہوگا کہ میں کیا کر رہا ہوں، لیکن جونہی انسانوں کی نظر میں اسکی معصیتیں نمایاں ہوئیں، اس کے ہوش و حواس گم ہو جائیں گے اور ہزار طرح کے جتن کرے گا کہ کہیں وہ اسے برا نہ سمجھنے لگیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فی الحقیقت اسے

بعینہ یہی حال ایمان و عمل کے دائرہ کا بھی ہے۔ یہاں بھی طبیعت انسانی کی یہ تینوں حالتیں ظہور میں آتی ہیں۔ منتقد طبیعتیں قبول کر لیتی اور چل کھڑی ہوتی ہیں۔ یہ مومن ہیں۔ مفسد انکار کرتیں اور مخالفت میں سرگرم ہو جاتے ہیں۔ یہ کافر ہیں۔ کچھ لوگ قبول کر لیتے ہیں، لیکن فی الحقیقت قبولیت کی روح ان کے اندر نہیں ہوتی۔ یہ منافق ہیں۔

(۲) قرآن نے کفر کی طرح نفاق کے اعمال و خصائص بھی پوری تفصیل کے ساتھ بیان کئے۔ کیونکہ کفر کی طرح نفاق بھی محض عہد نزول ہی کی پیداوار نہ تھا۔ ہمیشہ ظہور میں آنے والی گمراہی تھی اور انسان کی گمراہیاں کسی خاص عہد و نسل کی نہیں بلکہ نوع انسانی کی گمراہیاں ہوتی ہیں۔

(۳) ایک عام غلط فہمی یہ پھیلی ہوتی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں منافقوں کا گروہ کافروں کا کوئی خاص سازشی گروہ تھا جو جاسوسوں کی طرح بھیس بدل کر مسلمانوں میں رہنے لگا تھا۔ باہر نکلتا تو مسلمان بن جاتا۔ اکیلے میں ہوتا تو اپنے اصلی بھیس میں لوٹ آتا۔ حالانکہ ایسا سمجھنا قرآن و احادیث کی صاف صاف تصریحات کو جھٹلانا ہے، ان لوگوں نے اسلام بطور اپنے دین و اعتقاد کے اسی طرح اختیار کر لیا تھا جس طرح دوسرے مسلمانوں نے، چنانچہ اسی سورت کی آیت (۷۴) میں ہے کہ: وکفروا بعد اسلامهم اسلام لا کر پھر کفر کی باتیں کیں۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے تھے۔ ان کی بیویاں انہیں مسلمان سمجھتی تھیں۔ ان کے بچے انہیں مسلمان سمجھتے تھے۔ ان کے گھر کا ہر فرد یقین کرتا تھا کہ ہم مسلمان ہیں۔ وہ نماز پڑھتے تھے۔ روزہ رکھتے تھے۔ اسلام کے طور طریقے پر اولاد کی پرورش کرتے تھے[1] جہاں تک کسی دین کو بطور ایک دین کے اختیار کر لینے کا تعلق ہے، کوئی بات ایسی نہ تھی جو بظاہر ان کے مسلمان ہونے کے خلاف ہو۔ تاہم قرآن نے فیصلہ کیا کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ کیونکہ اسلام کا گھونٹ تو انہوں نے پی لیا تھا، لیکن حلق کے نیچے ~~پیچھے~~ اترا نہ تھا۔ کسی تعلیم کو اختیار کر لینے کے بعد یقین و عمل کی جو روح پیدا ہونی چاہئے، اس سے یک قلم محروم تھے۔ اخلاص اور صداقت کے لئے ان کے دلوں میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہ اللہ کا کلام سنتے، مگر اس لئے نہیں کہ عمل کریں بلکہ اس لئے کہ محض سنتے رہیں۔ وہ نماز پڑھتے مگر بے دلی کے ساتھ۔ خیرات کرتے مگر مجبور ہو کر۔ ان کے دلوں میں دین سے زیادہ دنیا کا عشق تھا۔ اسلام کے جو احکام ان کے شخصی اغراض کے خلاف نہ ہوتے، ان پر خوش خوش عمل کرتے۔ جو خلاف ہوتے ان سے نکل بھاگنا چاہتے۔ جب کبھی خوشحالیوں کا موقعہ ہوتا تو وہ سب سے پہلے مومن تھے جب کبھی قربانیوں کا موقع آجاتا تو سب سے آخری صفوں میں بھی دکھائی نہ دیتے۔ جہاد کے تصور سے ان کی روحیں لرز جاتیں۔ انفاق کا حکم ان کے لئے موت کا پیام ہوتا۔ اسلام کے دشمنوں سے سازگاریاں رکھنے میں انہیں کچھ تامل نہ ہوتا۔ وہ سمجھتے تھے دونوں طرف ملے رہنے ہی میں مصلحت ہے۔ اگر بازی الٹ پڑی اور دشمن فتح مند ہو گئے تو ان کے پاس بھی اپنی جگہ بنی رہے گی۔

ایمان و کفر کی طرح نفاق کی تمام حالتیں بھی یکساں نہیں اور نہیں تھیں۔ چونکہ اصل کے اعتبار سے یہ حالت بھی انکار ہی کی ایک اقرار نما صورت ہے اس لئے جب بڑھتی ہے تو انکار قطعی ہی کی طرف بڑھتی ہے اور اسی کے خصائص رونما ہونے لگتے ہیں۔ کسی میں کم کسی میں زیادہ۔ چنانچہ اس عہد کے منافقوں کی حالت نفاق یکساں نہ تھی۔ عبداللہ بن ابی کا نفاق ہر منافق کا نفاق نہ تھا۔ خود قرآن نے اسی سورت کی آیت (۱۰۱) میں اس طرف اشارہ کیا ہے: وممن حولكم من الاعراب منافقون ومن اهل المدينة مردوا على النفاق۔ کسی کے نفاق کا رخ زیادہ تر اس طرف تھا کہ ہجرت سے جی چراتے تھے کسی پر انفاق مال شاق تھا۔ کوئی جہاد سے بچنا چاہتا تھا۔ کسی پر نماز کا قیام سخت گزرتا تھا۔ کوئی ایسا بھی تھا کہ احکام الٰہی اور آیات قرآنی کی ہنسی اڑاتا تھا، اور اس تاک میں تھا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی آفت آپڑے تو کھلم کھلا دشمنوں کے ساتھ ہو جائے۔ تاہم یہ قطعی ہے کہ ان سب نے اسلام بطور اپنے دین و طریقہ کے قبول کر لیا تھا، اور مسلمانوں ہی میں سمجھے جاتے تھے۔ یہ بات نہ تھی کہ محض ایک سازشی گروہ بھیس بدل کر مسلمانوں میں آملا ہو، اور مسلمانوں میں سے نہ ہو۔

[1] عبداللہ بن ابی منافقوں کا سرغنہ تھا، لیکن اس کا لڑکا منافق نہ تھا، مخلص مومن تھا۔ اسی طرح تمام منافقوں کی اولاد و احفاد مخلصوں کی جماعت نکلی۔

اور فرمایا ہے جس میں یہ خصلت ہو تو سمجھ لو نفاق کی خصلت آگئی۔ مثلاً اربع، من کن فیہ، کان منافقا خالصًا
و من کانت فیہ خصلۃ منھن کانت فیہ خصلۃ من النفاق (بخاری)، ولو صلی، وصام، وزعم
انہ مسلم (مسلم) یعنی چار خصلتیں ہیں جس میں یہ چاروں جمع ہو جائیں وہ پورا منافق ہے، اور جس میں کوئی ایک خصلت
پائی جائے، تو سمجھ لو، نفاق کی ایک خصلت پیدا ہو گئی۔ مسلم کے لفظ میں یہ بھی ہے" اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو، روزہ رکھتا
ہو، اور اس زعم میں ہو کہ مسلمان ہے" پھر وہ خصلتیں بیان کی ہیں جو سچے مومن میں نہیں ہونی چاہئیں مثلاً امانت میں خیانت
جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی، غصہ میں آکر بے قابو ہو جانا۔ تو معلوم ہوا، نفاق کوئی ایسی حالت نہ تھی جو صرف آنحضرت کے
زمانہ ہی میں ظہور پذیر ہوئی ہو، اور نہ منافقوں کا گروہ کوئی ایسا گروہ تھا جو محض چھپے کافروں کا ایک سازشی گروہ ہو
یہ ایمان و عمل کی کمزوری کی ایک زیادہ سخت حالت ہے، اور جس طرح اس زمانہ میں تھی اسی طرح ہر زمانے میں ہو سکتی
ہے، اور ہوتی رہی ہے۔

اگر آج مسلمانوں کی اکثریت اپنے ایمان و عمل کا احتساب کرے، تو اسے معلوم ہو جائے کہ نفاق کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے
اور کسی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں وہ اپنے ہی وجود میں اسے دیکھ لے سکتی ہے۔

حقایق ہستی کے احوال ثلاثہ

(۸) یہ جو قرآن نے انسان کے عقاید و اعمال کی تین حالتیں قرار دیں، ایمان، کفر، نفاق، تو فی الحقیقت عالم ہستی کے
تمام گوشوں میں اصلاً تین ہی حالتیں پائی جاتی ہیں۔ یا تو تکوین کی حالت ہو گی، یا افساد کی حالت ہو گی، یا پھر دونوں کی درمیانی
حالت خود اپنے وجود ہی کو دیکھ لو۔ یا زندگی ہے، یا موت ہے، یا بیماری، بیماری کو نہ تو زندگی کی صحیح حالت کہہ سکتے ہیں
نہ موت ہی قرار دے سکتے ہیں۔ دونوں کے بین بین ہے، لیکن رخ اس کا موت ہی کی طرف ہے۔ ٹھیک روح کا بھی یہی حال
ہوا۔ ایمان زندگی ہے، موت کفر ہے، اور نفاق بیماری۔

یہ مقام نہایت معارف قرآنی میں سے ہے۔ لیکن۔

گر نویسم شرح آں بے حد شود
مثنوی ہفتاد من کاغذ شود!

مسجد ضرار

(۹) آیت (۱۰۷) میں جس مسجد کا ذکر کیا گیا ہے، اور جو تاریخ اسلام میں مسجد ضرار کے نام سے یاد کی جاتی ہے اس کا مختصراً
حال یہ ہے۔

پیغمبر اسلام جب مدینہ آئے، تو پہلے قبا نامی مقام میں قیام فرمایا۔ یہاں آپ کے حکم سے ایک مسجد تعمیر ہوئی تھی جو عہد اسلام
کی پہلی مسجد ہے۔ بعض منافقوں نے جن کی تعداد بعض روایات سے بارہ ثابت ہوتی ہے، اسی مسجد کے پاس ایک نئی مسجد
تعمیر کی اور جب پیغمبر اسلام تبوک کے لئے نکل رہے تھے، تو آپ کی خدمت میں آکر عرض کیا۔ ایک دن وہاں آکر نماز پڑھا
دیجئے۔ آپ نے فرمایا، ابھی تو سفر درپیش ہے۔ واپسی پر دیکھا جائے گا۔ پھر جب آپ تبوک سے واپس ہوئے، اور مدینہ کے
بالکل قریب پہنچ گئے تو یہ آیت نازل ہوئی، اور اللہ نے بانیان مسجد کے منافقانہ مقاصد سے آپ کو مطلع کر دیا۔ آپ
نے فوراً حکم دیا کہ یہ مسجد گرا دی جائے، چنانچہ قبل اس کے کہ مدینہ پہنچیں، مسجد منہدم کر دی گئی تھی۔

اس آیت میں مسجد بنانے کے چار مقصد بیان کئے ہیں۔

(ا) ضرارًا یعنی ان کا مطلب یہ ہے کہ قبا کے مخلص مومنوں کو نقصان پہنچائیں۔ کیونکہ مسجد قبا کی وجہ سے انہیں
ایک خاص عزت حاصل ہو گئی ہے۔ یہ حسد و عناد سے چاہتے ہیں، ان کی یہ خصوصیت باقی نہ رہے۔

(ب) "وکفرًا" کفر کے مقاصد پورے ہوں یعنی اپنی الگ مسجد ہو جائے گی، تو مسجد قبا میں نماز کے لئے جانے کی ضرورت
باقی نہیں رہیگی، اور اس طرح نماز ترک کرنے کا موقع مل جائے گا۔ کیونکہ لوگ سمجھیں گے، انہوں نے اپنی مسجد میں نماز پڑھ لی
یہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں گے اس سے معلوم ہوا کہ ترک نماز کی حالت ایک ایسی حالت ہے جسے قرآن "کفر" کی حالت سے
تعبیر کرتا ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ نیک کاموں کا نیک ہونا مقصد و نیت پر موقوف ہے، ورنہ مسجد بنانے جیسا نیک کام بھی،
کفر کے لئے ہو جا سکتا ہے۔

(ج) "وتفریقًا بین المومنین" مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لئے۔ کیونکہ قبا کی تمام آبادی ایک ہی مسجد

خدا کی ہستی کا یقین نہیں۔ کیونکہ اگر یقین ہوتا، اسی درجہ کا یقین جس درجہ کا یقین انسانوں کی موجودگی پر رکھتا ہے، تو ممکن نہ تھا کہ اس سے بے پرواہ ہوجاتا۔ قرآن کہتا ہے، یہی حالت نفاق کی حالت ہے۔

(ف) دین کے بارے میں ان کی زبانیں جھوٹ ہیں۔ لیکن جب پکڑے جاتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے بطور تفریح اور مزاح کے ایک بات کہدی تھی۔ سچ مچ کو ہمارا یہ مطلب نہ تھا۔ قرآن کہتا ہے، یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا، تم اللہ کی، اس کی آیتوں کی، اس کے رسول کی ہنسی اڑاتے ہو۔

(ص) جس طرح مومن مرد اور عورتیں، راہ حق میں ایک دوسرے کے رفیق و معاون ہیں اسی طرح منافق راہ نفاق میں ایک دوسرے کے رفیق و معاون ہیں۔

(ق) کذب گوئی ان کا شعار ہے۔ صریح ایک بات کہیں گے، اور پھر انکار کر دینگے۔

(ر) بعضوں کا یہ حال ہے کہ عہد کرتے ہیں: خدایا اگر تو ہم پر فضل کرے، تو ہم تیری راہ میں خیرات کرینگے، اور نیکی کی زندگی بسر کرینگے۔ لیکن جب اللہ فضل کرتا ہے، تو پھر بے تامل بخیلی پر اتر آتے ہیں۔ اور کچھ اسکی راہ میں نہیں نکالتے اس کی طرف سے رُخ پھیرے رہتے ہیں!

(ش) ان کا ایک کا ایک وصف یہ ہے کہ خود تو کچھ کرینگے نہیں، لیکن کرنے والوں کے خلاف زبان طعن کھولنے میں ہمیشہ بیباک رہینگے۔ مثلاً اگر خوش حال آدمیوں نے بڑی بڑی رقمیں راہ حق میں نکالیں تو کہیں گے، دکھاوے کے لئے یا کسی دنیوی غرض کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ اگر کوئی غریب آدمی اپنی محنت مزدوری کی کمائی میں سے چار پیسے نکال کر رکھ دے گا تو اسکی ہنسی اڑائیں گے کہ واہ اچھی خیرات کی!

(ت) راہ حق میں محنتیں مشقتیں برداشت کرنا، ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ غزوہ تبوک کا معاملہ سخت گرمی میں پیش آیا تھا۔ اس لئے لوگوں سے کہتے تھے اس گرمی میں کہاں جاتے ہو؟

(ث) ایمان کے ضعف نے انہیں مردانگی کے احساس و غیرت سے بھی محروم کر دیا۔ جب لوگ قوم و ملت کی راہ میں جان و مال قربان کرتے ہیں، تو وہ عورتوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں، اور ذرا بھی نہیں شرماتے۔

(خ) کچھ لوگ ایسے ہیں جو نفاق کی حالت میں شب و روز رہتے رہتے بڑے مشاق ہوگئے ہیں۔ دوسرے اتنے مشاق نہیں جو مشاق ہیں تم انہیں تاڑ نہیں سکتے۔

(ذ) بعض لوگ دینداری کے بھیس میں ایسی راہیں نکالتے کہ مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ہو اور ان کے مقاصد کو نقصان پہنچے۔ مثلاً ایک مسجد بنائی اور پیغمبر اسلام سے عرض کیا، آپ اس میں نماز پڑھا دیں تو ہمارے لئے برکت و سعادت ہو۔ مقصود یہ تھا کہ اپنے اجتماع کے لئے ایک نیا حلقہ پیدا کریں اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ہو۔

(ض) کوئی سال نہیں گذرتا کہ ان کے لئے تنبیہ و اعتبار کی کوئی نہ کوئی بات ظہور میں نہ آجاتی ہو، لیکن غفلت کا یہ حال ہے کہ نہ تو توبہ کرتے ہیں، نہ عبرت پکڑتے ہیں۔

(۵) سورہ آل عمران، نساء، انفال، احزاب، محمد، فتح، حدید، مجادلہ، اور حشر میں بھی منافقوں کے اعمال و خصائص بیان کئے گئے ہیں، اور ایک پوری سورت منافقون انہی کے حالات میں ہے۔ چاہئے کہ اس موقعہ پر فہرست سے مدد لے کر وہ تمام مقامات بھی دیکھ لئے جائیں۔

(۶) یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ سورۂ بقرہ کی آیت (۸) و من الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاخر وما ھم بمومنین میں اور اس کی بعد کی آیتوں میں جن لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے، اس سے مقصود منافقوں کی یہ جماعت نہیں ہے، بلکہ یہود و نصاریٰ ہیں جو ایمان باللہ کا دعویٰ کرتے تھے مگر حقیقۃً ایمان کی روح ان میں باقی نہیں رہی تھی۔ فی الحقیقت یہ حالت بھی نفاق ہی کی حالت ہے۔ جو ایک مدت کے جمود و اعراض کے بعد پیروانِ مذاہب پر طاری ہوجاتی ہے، لیکن مقصود اس سے مدینہ کے منافق نہیں ہیں۔

(۷) یہاں سے بات بھی واضح ہوگئی کہ ان احادیث کا مطلب کیا ہے جن میں نفاق کی خصلتیں بیان کی گئی ہیں

خود پیغمبر اسلام بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں (آیت ۸۰) سورۂ منافقون میں فرمایا تھا۔ سواء علیهم استغفرت لهم ام لم تستغفر لهم (۶۳:۶) تم ان کے لئے مغفرت طلب کرو یا نہ کرو، دونوں حالتیں ان کے لئے یکساں ہیں وہ بخشے جانے والے نہیں۔ یہاں یہی بات زیادہ زور دے کر کہی گئی کہ ان تستغفر لهم سبعین مرة تم ستر مرتبہ (یعنی سینکڑوں مرتبہ) کیوں نہ دعاءِ مغفرت کرو، مگر یہ بخشے جانے والے نہیں۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو اس کے لڑکے نے آپ سے درخواست کی کہ کفن کے لئے اپنا پیراہن عطا فرمائیں اور نماز جنازہ پڑھا دیں۔ اور آپ نے درخواست منظور کر لی حضرت عمرؓ پر یہ بات شاق گذری تھی۔ مگر آپ نے فرمایا: لو اعلم انی ان زدت علی السبعین غفر له لزدت علیها (بخاری والجماعة) اس حدیث اور آیت مندرجہ صدر کی تطبیق میں مفسرین کو مشکلات پیش آئی ہیں لیکن فی الحقیقت معاملہ بالکل واضح ہے اور تشریح اس کی سورۂ منافقون کے نوٹ میں ملے گی۔

(ہ) جن منافقوں نے اس موقعہ پر شرکت نہ کی، آئندہ اگر وہ کسی ایسے کام میں شریک ہونا چاہیں تو صاف انکار کر دیا جائے اور انہیں شریک نہ کیا جائے (آیت ۸۳)

(و) ان میں سے جو کوئی بغیر توبہ کئے مر جائے، پیغمبر اسلام اس کے جنازے میں شریک نہ ہوں اور نہ حسب معمول دعا مانگیں (آیت ۸۴) حضرت حذیفہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے، یہ حکم خاص خاص منافقوں کے لئے ہوا تھا۔ اور آنحضرت نے ان کے نام بتلا دئے تھے۔ جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ یہ بارہ آدمی تھے۔ (فتح الباری)

(ز) اگر یہ لوگ معذرت کریں، تو صاف صاف کہہ دیا جائے کہ اب تمہاری زبانی معذرتیں نہیں سنی جائیں گی عمل دیکھا جائے گا۔ آئندہ اگر تمہارے اعمال سے اخلاص ثابت ہوا، تو سمجھا جائے گا کہ تائب ہو گئے، نہیں تو منافق متصور ہوگے (آیت ۹۴)

(ح) مسلمانوں کو حکم ہوا۔ ان سے گردن موڑ لو۔ یعنی ان سے ربط ضبط نہ رکھو (آیت ۹۵)

(۱۰) اس باب میں بے شمار امور تفصیل طلب ہیں اور مباحث تفسیر و حدیث کے متعدد مقامات ہیں جن کی وضاحت و تحقیق ضروری ہے، لیکن مزید تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ البیان کا انتظار کرنا چاہئے۔

شرح مقام ورضوا عنه

(ل) آیت (۱۰۰) میں سابقون الاولون اور ان کے متبعین کی نسبت فرمایا: رضی اللہ عنهم و رضوا عنه اللہ ان سے راضی ہوا۔ وہ اللہ سے۔ اس مقام کا ایک پہلو قابلِ غور ہے جس پر لوگوں کی نظر نہیں پڑی یعنی ورضوا عنه پر کیوں زور دیا گیا؟ اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ اللہ ان سے خوشنود ہوا۔ کیونکہ ان کے اعمال اللہ کی خوشنودی ہی کے لئے تھے۔ یہ بات خصوصیت کے ساتھ کیوں کہی گئی کہ وہ بھی اللہ سے خوشنود ہوئے؟

اس لئے کہ ان کے ایمان و اخلاص کا اصلی مقام بغیر اس کے نمایاں نہیں ہو سکتا تھا۔

انسان جب کبھی کسی مقصد کی راہ میں قدم اٹھاتا ہے، اور مصیبتوں سے دوچار ہوتا ہے تو دو طرح کی حالتیں پیش آتی ہیں کچھ لوگ جوانمرد اور باہمت ہوتے ہیں۔ وہ بلا تامل ہر طرح کی مصیبتیں جھیل لیتے ہیں لیکن ان کو جھیلنا جھیل لینا ہی ہوتا ہے۔ یہ بات نہیں ہوتی کہ مصیبتیں نہ رہی ہوں عیش و راحت ہو گئی ہوں۔ کیونکہ مصیبت پھر مصیبت ہے۔ باہمت آدمی کڑوا گھونٹ بغیر کسی جھجک کے پی لے گا۔ لیکن اس کی کڑواہٹ کی بدمزگی محسوس ضرور کرے گا۔ لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں صرف باہمت ہی نہیں کہنا چاہئے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ سمجھنا چاہئے۔ ان میں صرف ہمت و جوانمردی ہی نہیں ہوتی بلکہ عشق و شیفتگی کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ مصیبتوں کو مصیبتوں کی طرح نہیں جھیلتے، بلکہ عیش و راحت کی طرح لذت و سرور حاصل کرتے ہیں راہ محبت کی ہر مصیبت ان کے لئے عیش و راحت کی ایک نئی لذت بن جاتی ہے اگر اس راہ میں کانٹوں پر لوٹنا پڑے تو کانٹوں کی چبھن میں انہیں ایسی راحت ملے، جو کسی کو پھولوں کی سیج پر لوٹ کر بھی نہیں مل سکتی۔ جس قدر اس راہ کی مصیبتیں بڑھتی جاتی ہیں۔ اتنی ہی زیادہ ان کے دل کی خوشحالیاں بھی بڑھتی جاتی ہیں۔ ان

میں نماز پڑھتی تھی۔ اب بالکل اس کے پاس دوسری مسجد بنیں گی، تو جماعت بٹ جائے گی کچھ لوگ پچھلی مسجد میں جائینگے کچھ نئی میں۔ اور جب ایک جماعت نہ رہی، تو مسلمانوں کے باہمی اجتماع و تعارف کا وہ مقصد بھی فوت ہوگیا جو قیام جماعت کے اہم ترین مقاصد میں سے ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک مسجد اگر موجود ہو، تو بلا ضرورت دوسری مسجد اس کے قریب تعمیر کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسا کرنا تفریق بین المومنین ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تمام ائمہ اسلام نے اتفاق کیا کہ ہر شہر میں جمعہ کی جماعت ایک ہی جگہ ہونی چاہئے۔ اور اگر آبادی اتنی زیادہ ہو جائے کہ ایک جگہ کافی نہ ہو، تو پھر بقدر ضرورت ایک سے زیادہ مساجد میں جمعہ قائم کیا جائے۔ یہ نہیں کرنا چاہئے کہ بلا ضرورت بہت سی مسجدیں تعمیر کر دی جائیں اور ہر مسجد میں جمعہ شروع کر دیا جائے۔

افسوس ہے کہ مسلمانوں نے یہ صریح حکم قرآنی پس پشت ڈال دیا، اور محض ریاکاری اور نام و نمود کے لئے یا کسی سابق مسجد اور اس کے منتظموں کو نقصان پہنچانے کے لئے بکثرت مسجدیں ہر شہر و قریہ میں تعمیر کر دیں اور روز بروز تعمیر کرتے جاتے ہیں۔ اگر ان کی تعمیر کے حالات و مقاصد کا تفحص کیا جائے تو بڑی تعداد ٹھیک ٹھیک مسجد ضرار کی سی مسجد ثابت ہوگی، مگر کوئی نہیں جو اس افساد سے لوگوں کو روکے، بلکہ خود علما و مشائخ اپنے شخصی انتفاع و ترفع کے لئے اس مفسدانہ فعل کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں اور اپنے معتقدوں کو تعمیر مسجد کے بے محل ثواب سنا سنا کر مزید ترغیبیں دیتے ہیں چنانچہ مسلمانوں کی تفریق و انتشار کا ایک بڑا باعث مسجدوں کا وجود بھی ہو گیا ہے۔ ایک ہی محلہ میں چار چار پانچ پانچ جگہ جماعتیں ہوتی ہیں، ایک ہی رقبہ میں بلا ضرورت ایک سے زیادہ جگہ جمعہ پڑھا جاتا ہے۔ پھر صرف اتنے ہی پر قدم اٹھا نہیں رکا، بلکہ عیدین کی جماعتیں بھی مسجدوں میں ہونے لگی ہیں، حالانکہ ایسا کرنا صریح سنت مستمرہ کے خلاف ہے اور اجتماع عیدین کا مقصد عظیم ضائع کر دیتا ہے۔

(د) "وارصادًا لمن حارب اللہ و رسولہ من قبل" اللہ اور اس کے رسول سے جس نے جنگ کی، اس کے لئے ایک کمین گاہ پیدا کر دی جائے۔ یا اس کے انتظار و توقع میں پہلے سے ایک جگہ بنا دی جائے یعنی دشمنان اسلام کے لئے جن سے یہ لوگ سازباز رکھتے ہیں، ٹکنے کی جگہ پیدا ہو جائے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں قبیلہ خزرج کا ایک آدمی ابو عامر راہب تھا جو ظہور اسلام سے پہلے عیسائی ہو گیا تھا۔ جب پیغمبر اسلام مدینہ تشریف لائے۔ تو کلمہ اسلام کا عروج اس پر شاق گذرا، اور اسلام کے خلاف سازشوں میں سرگرم ہو گیا۔ پہلے قریش مکہ کا ساتھ دیا، پھر شہنشاہ قسطنطنیہ کے پاس پہنچا اور اسے مسلمانوں پر حملہ کی ترغیب دی قبا کے بعض منافقین میں اور اس میں قدیم سے رسم و راہ تھی۔ یہ انہیں اسلام کے خلاف اکساتا رہتا اور رومیوں کے حملہ کا یقین دلاتا۔ یہاں "لمن حارب اللہ و رسولہ" میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

(۹) اس سورت میں منافقوں کے لئے حسب ذیل احکام دئے گئے ہیں۔

(ا) ایسے لوگوں کا انفاق قبول نہ کیا جائے (آیت ۸۳) اس سے معلوم ہوا کہ جو افراد جماعت کے مقاصد کو نقصان پہنچائیں، امام کو چاہئے ان کی مالی اعانات قبول کرنے سے انکار کر دے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کا مال قبول کرنا انہیں بدعملیوں اور شرارتوں پر جرأت دلاتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں، ہم روپیہ خرچ کر کے اپنے منافقانہ اعمال کی پردہ پوشی کرتے رہینگے۔

(ب) صاف صاف کہہ دیا کہ یہ لوگ بھی معاندوں کی طرح نجات اخروی سے محروم رہینگے اگرچہ اپنے کو مومن سمجھتے ہیں۔ (آیت ۶۸)

(ج) منافقوں سے بھی جہاد کرنے کا حکم دیا گیا (آیت ۷۳) اس سورت کے دوسرے احکام و مواعظ کی طرح اس حکم کا تعلق بھی آئندہ پیش آنے والے واقعات سے تھا۔ چنانچہ جب پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد فتنہ نفاق نے سر اٹھایا۔ اور متعدد قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو صحابہ کرام نے اس حکم کی تعمیل کی، اور ان سے قتال کرنے پر متفق ہو گئے۔

(د) اشرار منافقین کی نسبت فرمایا، جو ان میں سے بغیر توبہ کئے مر جائیں گے وہ کبھی بخشے نہیں جائیں گے۔ اگرچہ

وافر ملا، لیکن آنحضرت نے ان باشندگان مکہ کو ترجیح دی جو فتح مکہ کے بعد نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، اور انصار مدینہ کے حصہ میں کچھ نہ آیا۔ کیونکہ آپ کے پیش نظر نومسلموں کی تالیف قلب تھی۔ یہ حالت دیکھ کر بعض نوجوانوں کو خیال ہوا، اہل مکہ سے لڑے تو ہم، لیکن آج مال غنیمت کا حصہ مل انہیں رہا ہے، بات آنحضرت تک پہنچی تو آپ نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا: الا ترضون ان یذهب الناس بالشاة والبعیر وتذهبون بالنبی الی رحالکم ؟ کیا تمہاری خوشنودی کے لئے یہ بات کافی نہیں کہ لوگ یہاں سے مال غنیمت کے حصے لے کر جائیں، اور تم اللہ کے نبی کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ ؟ انصار بے اختیار پکار اٹھے۔ رضینا یا رسول الله رضینا ؛ ہم خوشنود ہیں، یا رسول اللہ ہم خوشنود ہیں! (صحیحین) اور پھر غور کرو، جو لوگ واتبعوهم باحسان، داخل ہوئے، انہیں بھی کس درجہ اس مقام سے حصۂ وافر ملا تھا؟ دنیا میں شاید ہی کسی عورت کے دل میں اپنے عزیزوں کے لئے ایسی محبت پیدا ہوئی ہوگی، جیسی جاہلیت کی مشہور شاعر خنساء کے دل میں تھی۔ اس نے جو مرثیے اپنے بھائی صخر کے غم میں کہے ہیں، تمام دنیا کی شاعری میں اپنی نظیر نہیں رکھتے؛

یذکرنی طلوع الشمس صخرا   واذکرہ بکل غروب شمس[۵]!

لیکن ایمان لانے کے بعد اسی خنساء کی نفسیاتی حالت ایسی منقلب ہوگئی کہ جنگ یرموک میں اپنے تمام لڑکے ایک ایک کر کے کٹوائے، اور جب آخری لڑکا بھی شہید ہو چکا، تو پکار اٹھی: الحمد لله الذی اکرمنی بشهادتهم!

پس رضوا عنه میں اشارہ اسی طرف ہے کہ اللہ اور اس کے کلمۂ حق کی راہ میں جو کچھ بھی پیش آیا انہوں نے اسے جھیلا ہی نہیں، بلکہ کمال محبت ایمانی کی وجہ سے اس میں خوش حال و خوشنود رہے، اور یہی مقام ہے جو ان کے درجہ کو تمام مدارج ایمان و عمل میں ممتاز کر دیتا ہے۔

تعجب ہے کہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسروں کی نظر اس صاف اور واضح بات کی طرف نہ گئی۔ البیان میں مزید تفصیل ملے گی۔

ترک موالات کا حکم اور اسکی حقیقت

(م) اس سورت میں جابجا اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ دشمنوں سے رفاقت و اعانت کے رشتے نہ رکھو اگرچہ وہ تمہارے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں، اور دوسری سورتوں میں بھی ایسے ہی احکام موجود ہیں لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ یہ اور اسی طرح کے تمام احکام، احکام جنگ میں سے ہیں نہ کہ معیشت و علائق کے عام احکام، اور یہ بات خود قرآن نے جابجا اس درجہ وضاحت اور قطعیت کے ساتھ واضح کر دی ہے کہ شک و تردد کی ذرا بھی گنجائش نہیں رہی ہے۔ جہاں تک ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ معاملہ کرنے کا تعلق ہے، قرآن کہتا ہے، اصل اس باب میں محبت و شفقت، ہمدردی و سلوک اور تعاون و سازگاری ہے۔ اس کے سوا کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ وہ کہتا ہے ہر انسان دوسرے انسان کا بھائی ہے، خواہ اس کا ہم وطن ہو یا نہ ہو، ہم نسل ہو یا نہ ہو، ہم عقیدہ ہو یا نہ ہو، اور امتیاز و تفریق کی وہ تمام باتیں جو اس انسانی بھائی چارگی کا رشتہ قطع کرتی ہیں خدا کی طرف سے نہیں ہیں، خود انسانوں کی گڑھی ہوئی معصیت اور گمراہی ہے۔ پیغمبر اسلام کی دعاؤں میں سب سے زیادہ اعتراف اسی حقیقت کا ہوتا تھا کہ انی اشهد ان العباد کلهم اخوة "(مسلم) خدایا! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے تمام بندے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

لیکن جب تمام ملک و قوم نے اس دعوت کو بہ زور شمشیر نابود کر دینے کا فیصلہ کر دیا، اور پیروان دعوت پر محض اختلاف عقائد کی بنا پر ظلم و ستم کرنے لگے، تو قدرتی طور پر جنگ کی حالت پیدا ہوگئی۔ اب دو فریق ایک دوسرے کے خلاف صف آرا تھے۔ ایک فریق مسلمانوں کا تھا جو اپنا بچاؤ کر رہا تھا۔ دوسرا دشمنوں کا تھا جو حملہ آور تھا۔ پس ایسی حالت میں ناگزیر ہو گیا کہ دوستوں اور دشمنوں میں صاف صاف امتیاز ہو جائے۔ جو دوست ہیں، وہ دشمنوں کے کیمپ سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھیں جو دشمن ہیں، وہ دوستوں سے کسی طرح کی سازش نہ کر سکیں۔ قرآن میں جس قدر احکام عدم موالات کے ہیں، وہ سب اسی صورت حال سے تعلق رکھتے ہیں، اور اس سورت کی آیت (۲۳) بھی اسی سے متعلق ہے۔

---

۵ ہر صبح سورج کا نکلنا صخر کی یاد تازہ کر دیتا ہے، اور کوئی شام مجھ پر ایسی نہیں آتی کہ صخر کی یاد سامنے نہ آگئی ہو!

لئے صرف اس بات کا تصور کہ یہ سب کچھ کسی کی راہ میں پیش آ رہا ہے اور اسکی نگاہیں ہمارے حال سے بے خبر نہیں، عیش و سرور کا ایک ایسا بے پایاں جذبہ پیدا کر دیتا ہے کہ اس کی سرشاری میں جسم کی کوئی کلفت اور ذہن کی کوئی اذیت محسوس ہی نہیں ہوتی۔

یہ بات سننے میں تمہیں عجیب معلوم ہوتی ہوگی۔ لیکن فی الحقیقت حالت اتنی عجیب نہیں ہے، بلکہ انسانی زندگی کے معمولی واردات میں سے ہے۔ اور عشق و محبت کا مقام تو بہت بلند ہے، بوالہوسی کا عالم بھی ان واردات سے خالی نہیں۔

حریفِ کاوشِ مژگانِ خونریزش نہ، ناصح   بہ دست آور رگِ جانے و نشتر را تماشا کن!

سابقون الاولون کی محبت ایمانی کا یہی حال تھا۔ ہر شخص جو ان کی زندگی کے سوانح کا مطالعہ کرے گا، بے اختیار تصدیق کرے گا کہ انہوں نے راہِ حق کی مصیبتیں صرف جھیلی ہی نہیں بلکہ دل کی پوری خوشحالی اور رُوح کے کامل سرور کے ساتھ اپنی پوری زندگیاں ان میں بسر کر ڈالیں۔ ان میں سے جو لوگ اول دعوت میں ایمان لائے تھے، ان پر شب و روز کی جان کاہیوں اور قربانیوں کے پورے تیئیس برس گزر گئے، لیکن اس تمام مدت میں کہیں سے بھی یہ بات دکھائی نہیں دیتی کہ مصیبتوں کی کڑواہٹ ان کے چہروں پر کبھی کھلی ہو۔ انہوں نے مال و علایق کی ہر قربانی اس جوش و مسرت کے ساتھ کی گویا دنیا جہان کی خوشیاں اور راحتیں ان کے لئے فراہم ہوگئی ہیں اور جان کی قربانیوں کا وقت آیا، تو اس طرح خوش خوش گردنیں کٹوا دیں، گویا زندگی کی سب سے بڑی خوشی زندگی میں نہیں بلکہ موت میں تھی۔ ان میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے اتنی عمریں نہیں پائیں کہ اسلام کی غربت کے ساتھ اسلام کا عروج و اقبال بھی دیکھ لیتے اور عدی بن حاتم کی طرح کہہ سکتے "کنتُ فی من افتتح کنوز کسریٰ"[۱]۔ تاہم جب دنیا سے گئے تو اس عالم میں گئے کہ ان سے زیادہ عیش و خوشحالی میں شاید ہی کسی نے دنیا چھوڑی ہو۔ بدر اور اُحد کے شہیدوں کے حالات پڑھو، ایمان لانے کے بعد جو کچھ بھی ان کے حصے میں آیا، وہ بجز راتدن کی کاہشوں اور مصیبتوں کے اور کیا تھا؟ اور پھر قبل اس کے کہ اسلام کے فتح و اقبال کی کامرانیوں میں شریک ہونے کا موقعہ ملتا دشمنوں کی تیغ و سنان سے چور میدانِ جنگ میں دم توڑ رہے تھے۔ لیکن پھر بھی غور کرو، ان کے دل کی شادمانیوں کا کیا حال تھا؟ اس طمینان و سکون کے ساتھ عیش و نشاط کے بستروں پر کسی نے جان نہ دی ہوگی، جس طرح انہوں نے میدان جنگ کی رتیلی زمین پر لوٹ لوٹ کر دی۔ جنگ اُحد میں سعد بن ربیع کو لوگوں نے دیکھا، زخمیوں میں پڑے سانس توڑ رہے ہیں۔ پوچھا، کوئی وصیت کرنی ہو تو کر دو۔ کہا۔ اللہ کے رسول کو میرا سلام پہنچا دینا، اور قوم سے کہنا، ان کی راہ میں جانیں نثار کرتے رہیں۔ عمارہ بن زیاد زخموں سے چور جان کنی کی حالت میں تھے کہ آنحضرت سرہانے پہنچ گئے۔ فرمایا۔ کوئی آرزو ہو تو کہدو۔ عمارہ نے اپنا زخمی جسم گھسیٹ کر اور زیادہ قریب کر دیا اور اپنا سر آپ کے قدموں پر رکھ دیا، کہ اگر کوئی آرزو ہوسکتی ہے تو صرف یہی ہے۔

منم و ہمیں تمنا کہ بوقتِ جاں سپردن   بہ رُخ تو دیدہ باشم، تو درونِ دیدہ باشی!

عورتوں تک کا یہ حال تھا کہ بیک وقت انہیں ان کے شوہر، بھائی، اور باپ کے شہید ہو جانے کی خبر پہنچائی جاتی تھی، اور وہ کہتی تھیں، یہ تو ہوا۔ مگر بتلاؤ، اللہ کے رسول کا کیا حال ہے؟ پھر جب آپ کا جمال جہاں آرا نظر آتا، تو بے اختیار خوش ہو کر پکار اُٹھتیں: کل مصیبةٍ بعدك جلل! تو اگر سلامت ہے، تو پھر دنیا کی ساری مصیبتیں ہمارے لئے شہد و شکر کا گھونٹ ہوگئیں۔

من دوں گرفتہ شدیم، چہ باک   غرض اندر میان سلامت اوست

تاریخ اسلام میں جنگ حنین پہلی جنگ ہے جس میں بکثرت مال غنیمت ہاتھ آیا۔ چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی کا ذکر روایات میں ملتا ہے۔ یہ وقت تھا کہ سابقون الاولون کو مال و دولت سے حصہ

---

[۱] عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا تھا۔ لتفتحن کنوز کسریٰ۔ ایسا ضرور ہونے والا ہے کہ تم کسریٰ کے خزانے فتح مندانہ کھولو گے۔ وکنت فی من افتتح کنوز کسریٰ۔ یہ پیشین گوئی میں نے اپنی آنکھوں سے پوری ہوتے دیکھ لی۔ کیونکہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے کسریٰ کا خزانہ کھولا تھا۔ (بخاری)

منزل النبی صلی اللہ علیہ

یُوْنُس (۱۰)

مکی - ۱۰۱ - آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱ الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ
۲ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝
اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ
۳ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ اِلَيْهِ
مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ

الف - لام - را

یہ آیتیں ہیں کتاب حکیم کی۔ (یعنی ایسی کتاب
۱ کی جس کی تمام باتیں حکمت کی باتیں ہیں)
کیا لوگوں کو اس بات پر اچنبا ہوا کہ انہی
میں سے ایک آدمی پر ہم نے وحی بھیجی؟ اس بات
کی وحی کہ لوگوں کو (انکار و بد عملی کے نتائج سے)
خبردار کر دے اور ایمان والوں کو خوشخبری دیدے کہ پروردگار
کے حضور ان کے لئے اچھا مقام ہے؟ کافروں نے
۲ کہا بلا شبہ یہ شخص جادوگر ہے۔ کھلا جادوگر!"

(اے لوگو!) تمہارا پروردگار تو وہی اللہ ہے
جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ ایام میں پیدا کیا
(یعنی چھ معین زمانوں میں پیدا کیا) پھر اپنے تخت
حکومت پر متمکن ہو گیا۔ وہی تمام کاموں کا بندوبست کر رہا ہے (یعنی کائنات ہستی پیدا بھی اسی نے کی
اور فرمانروائی بھی صرف اسی کی ہوئی) اس کے حضور کوئی سفارشی نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ کہ خود وہ اجازت دیدے
اور اجازت کے بعد کوئی اس کی جرات کرے۔ یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار پس اسی کی بندگی کرو۔ کیا تم
۳ غور و فکر سے کام نہیں لیتے؟
تم سب کو بالآخر اسی کی طرف لوٹنا ہے یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے

سورۂ انعام کی طرح اس سورت میں بھی خطاب مشرکین عرب سے ہے' اور مواعظ کا مرکز دین حق کے مبادی و اساسات ہیں یعنی توحید' وحی و نبوت' اور آخرت کی زندگی سلسلہ بیان منکرین وحی کے ذکر سے شروع ہوا ہے کیونکہ ہدایت دینی کی سب سے پہلی کڑی یہی ہے' اور اسی کے اعتقاد پر اور تمام باتوں کا اعتقاد موقوف ہے۔

(۱) منکرین حق ایک طرف تو وحی و نبوت سے انکار کرتے دوسری طرف یہ بھی دیکھتے تھے کہ یہ آدمی اور آدمیوں کی طرح نہیں ہے کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔ پھر جب اس کی کوئی توجیہہ بن نہ پڑتی تو کہنے ہو نہ ہو یہ جادوگری ہے۔ ان کا یہ قول قرآن کی حیرت انگیز تاثیر کی سب سے بڑی شہادت ہے یعنی اس کا اثر اس درجہ نمایاں اور قطعی تھا کہ باوجود عناد و جحود کے اس سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔ اسے جادوگری سے تعبیر کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

(۲) آسمان و زمین کی چھ ایام میں خلقت سے مقصود کیا ہے؟ اس کی طرف سورۂ اعراف میں اشارہ ہو چکا ہے' مزید تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی۔

(۳) توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال یعنی جب تم مانتے ہو کہ کائنات ہستی کا پیدا کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں تو پھر تدبیر و انتظام عالم کے بہت سے تخت اقتدار تم نے

اصل اس باب میں سورۂ ممتحنہ کی یہ آیات ہیں جو ایک ایسے ہی معاملہ کی نسبت نازل ہوئی تھیں۔

لا ينهٰكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم ان تبرّوهم و تقسطوا اليهم ان الله يحب المقسطين. انما ينهٰكم الله عن الذين قاتلوكم في الدين و اخرجوكم من دياركم وظاهروا على اخراجكم ان تولّوهم ومن يتولهم فأولٰئك هم الظٰلمون (۶۰ : ۹)

(اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ ان مشرکوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور انصاف کے ساتھ پیش آؤ، جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے لڑائی نہیں کی، اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ خدا تو تمہیں صرف ان لوگوں کی رفاقت و سازگاری سے روکتا ہے جنہوں نے تم نے دین کے بارے میں لڑائی کی ہے (یعنی محض اس لئے کہ تم نے انکار دین چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے، تم پر حملہ کر دیا ہے) اور ظلم وستم کر کے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے، نیز تمہیں جلاوطن کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے پس جو کوئی ایسے لوگوں سے رفاقت و سازگاری رکھے گا تو ایسے ہی لوگ ہیں جو ظلم کرنے والے ہیں!

اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ قرآن میں جہاں کہیں مسلمانوں کو مشرکین عرب یا یہود و نصاریٰ کی موالات سے روکا گیا ہے تو اس سے مقصود صرف وہی جماعتیں تھیں جنہوں نے مسلمانوں سے محض اختلاف دین کی بنا پر قتال کیا تھا۔ اور جن کے ظلم وستم نے مسلمانوں کو ترک وطن پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ بات نہ تھی کہ تمام مشرکین عرب سے یا یہود و نصاریٰ سے ترک علائق کا حکم دیدیا گیا ہو، اور ظاہر ہے کہ قرآن کا یہ حکم کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ اس کی دعوت سرتا سر انسانی اخوت و مساوات کی دعوت اور عموم شفقت و احسان کا عالمگیر پیام ہے۔

سورۂ توبہ ایک آخری اور وداعی پیام تھا

(ن) اس سورت کے تمام مطالب اپنی اصلی حیثیت میں اس وقت تک واضح نہیں ہو سکتے جب تک یہ حقیقت پیش نظر نہ ہو کہ یہ تمام تر امت کے نام ایک وداعی پیام تھا، اور احکام و مواعظ سے اصل مقصود مستقبل کے پیش آنے والے معاملات تھے نہ کہ موجودہ۔ مفسرین کی نظر چونکہ اس پہلو پر نہیں گئی، اس لئے انہیں اکثر مقامات کی شرح و توجیہہ میں دقتیں پیش آئیں۔ یہ اصل پیش نظر رکھ کر سورت کے تمام مواعظ و احکام پر دوبارہ نظر ڈالو، صاف واضح ہو جائے گا کہ آئندہ مرحلوں کے لئے مخاطبین کو تیار کیا جا رہا ہے۔ مزید تفصیل کا یہ محل نہیں۔

٧ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۙ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
٩ الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ دَعْوٰىهُمْ
١٠ ع فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَوْ
يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ
لِقَاۗءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ

کھاے پیے، اور مرکر ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے؟ (اس استدلال کی وضاحت کے لئے دیکھو تفسیر فاتحہ)

غور کرو۔ اس قسم کے تمام مواعظ کا خاتمہ ہمیشہ اسی قسم کے جملوں پر ہوتا ہے کہ لقوم یعلمون۔ لقوم یعقلون کیونکہ ان باتوں کو وہی سمجھ سکتا ہے جو علم و بصیرت سے محروم نہ ہو۔

(٥) منازل قمر کی تقدیر سے مقصود کیا ہے؟ اس کی تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی۔

(٦) سبحان اللہ! آیت (٧) کے چند گنے ہوئے لفظوں میں حقیقت حال کی کیسی کامل تصویر کھینچ دی ہے جس سے کوئی گوشہ بھی باہر نہیں رہا۔ ساتھ ہی وجود آخرت کے تمام دلایل بھی آ گئے۔ منکرین آخرت کی ذہنیت کی چار حالتیں ہیں!

(ا) ان کے اندر خدا سے ملنے کی توقع نہیں۔

(ب) صرف دنیوی زندگی ہی میں خوشنود ہو رہے ہیں۔

(ج) اس حالت کے خلاف ان کے اندر کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی۔ اس پر مطمئن ہو گئے ہیں۔

(د) ان کا ذہن و ادراک اس درجہ معطل ہو گیا ہے کہ قدرت کی تمام نشانیاں جو چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں انہیں بیدار نہیں کر سکتیں وہ یک قلم غافل ہو گئے ہیں۔

ان میں سے ہر بات نہ صرف بیان حال ہے بلکہ بجائے خود ایک دلیل بھی ہے، اور یہی قرآن کی معجزانہ بلاغت ہے تشریح البیان میں ملے گی۔

(٧) یاد رہے کہ قرآن نے ہر جگہ آخرت کے معاملہ کو "لقاء الٰہی" سے تعبیر کیا ہے اور اس تعبیر نے واضح کر دیا ہے کہ حیات آخرت کی اصل حقیقت قرآن کے نزدیک کیا ہے۔ مختصر تشریح آخری نوٹ میں ملے گی۔

(٨) آیت (١٠) کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی۔

رکھتے، صرف دنیا کی زندگی ہی میں مگن ہیں اور اس حالت پر مطمئن ہو گئے ہیں اور جو لوگ ہماری نشانیوں
٧ سے غافل ہیں تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کا (آخری) ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ بہ سبب اس کمائی کے جو (خود
٨ اپنے ہی عملوں کے ذریعے) کماتے رہتے ہیں!

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے، تو ان کے ایمان کی وجہ سے (کامیابی و سعادت کی) راہ ان کا پروردگار ان پر کھول دے گا۔ ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی جبکہ وہ نعمت الٰہی کے باغوں
٩ میں ہونگے؛ وہاں ان کی پکار یہ ہوگی کہ "خدایا! ساری پاکیاں تیرے ہی لئے ہیں!" ان کی دعا یہ ہوگی کہ "سلامتی ہو" اور دعاؤں کا خاتمہ یہ ہوگا کہ الحمد
١٠ للہ رب العٰلمین!

اور (دیکھو) انسان جس طرح فائدہ کے لئے جلد باز ہوتا ہے اگر اسی طرح اللہ اسے نقصان پہنچانے میں جلد باز ہوتا (یعنی اگر اس کا قانون جزا ایسا ہوتا کہ ہر بدعملی کا برا نتیجہ فوراً کام کر جائے) تو اس کا وقت کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا (لیکن قانون جزا نے یہاں ڈھیل دے رکھی ہے) پس جو لوگ (مرنے کے بعد) ہماری ملاقات کی توقع نہیں

ثُمَّ يُعِيدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ
۴ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۞ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ
مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
۵ يَّعْلَمُوْنَ ۞ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
۶ يَّتَّقُوْنَ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ

کیوں بنا رکھے ہیں؟ اور کیوں انہیں بندگی و نیاز کا مستحق سمجھتے ہو؟
جس طرح یہ بات ہوئی کہ پیدا کرنے والی ہستی اس کے سوا کوئی نہیں
اسی طرح تدبیر و فرمانروائی کا تخت بھی صرف اسی کا تخت ہوا۔ اس میں
تو کسی سفارشی کی سفارش کو دخل ہے نہ کسی مقرب کے تقرب کو۔
یہی مضمون سورۂ اعراف کی آیت (۵۴) میں گذر چکا ہے
الا له الخلق والامر۔
(۴) آیت (۴) میں سلسلہ بیان آخرت کی زندگی کی طرف
متوجہ ہو گیا ہے جس سے مشرکین عرب کو انکار تھا۔ یہاں
۴ تین باتوں کی طرف اشارہ کیا:
(ا) وہ ہستی پیدا کرتا ہے اور پھر دہراتا ہے۔ پس اگر پہلی پیدائش
پر یقین رکھتے ہو تو دوسری پیدائش پر تمہیں کیوں تعجب ہوتا ہے؟
یہ پہلی نشأۃ سے دوسری نشأۃ پر استدلال ہے زیادہ تفصیل
سورۂ حج کی آیت (۵) اور قیامۃ کی آخری آیات میں ملے گی۔
(ب) دوسری زندگی کیوں ضروری ہوئی؟ اس لئے کہ
جزاء عمل کا قانون چاہتا تھا کہ جس طرح ایک زندگی آزمائش
عمل کے لئے ہے اسی طرح ایک زندگی جزاء عمل کے لئے بھی ہو۔
(ج) تمام نظام خلقت اس کی شہادت دے رہا ہے کہ
۵ یہاں کوئی بات بغیر حکمت و مصلحت کے نہیں ہے سورج کو دیکھو
جس کی درخشندگی سے تمام ستارے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ چاند کو دیکھو
جس کی گردش کی ۲۸ منزلیں مقرر کر دی ہیں اور اسی سے تم مہینے
کا حساب کرتے اور برسوں کی گنتی معلوم کرتے ہو۔ اگر یہ سب کچھ
بغیر مصلحت کے نہیں ہے تو کیا ممکن ہے کہ انسان کا وجود بغیر
کسی غرض و مصلحت کے ہو، اور صرف اس لئے ہو کہ

۶ [1] متقی اور تقوے کے لئے دیکھو سورۂ بقرہ نوٹ
هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ -

وہی ہے جو پیدائش شروع کرتا ہے اور پھر اسے دہراتا
ہے (یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا) تاکہ
جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے انہیں انصاف
کے ساتھ بدلہ دے۔ باقی رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر
کی راہ اختیار کی، تو انہیں پاداش کفر میں کھولتا
ہوا پانی پینے کو ملے گا، اور عذاب دردناک!
وہی ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا بنایا، اور
چاند کو روشن، اور پھر چاند کی منزلوں کا اندازہ ٹھہرا
دیا، تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو
اللہ نے یہ سب کچھ نہیں بنایا ہے مگر حکمت و مصلحت کے
ساتھ۔ ان لوگوں کے لئے جو جاننے والے ہیں، وہ
(اپنی قدرت و حکمت کی) دلیلیں کھول کھول کر
بیان کر دیتا ہے!
بلاشبہ اس بات میں کہ رات کے پیچھے دن
اور دن کے پیچھے رات آتی ہے، اور بلاشبہ ان
تمام چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں میں اور زمین
میں پیدا کی ہیں، ان لوگوں کے لئے (قدرت و
حکمت کی) نشانیاں ہیں جو متقی[1] ہیں۔
جو لوگ (مرنے کے بعد) ہم سے ملنے کی توقع نہیں

١٦ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝
١٧ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ وَيَعْبُدُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّــُٔوْنَ
١٨ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ النَّاسُ

١٥ پر وحی کیا جاتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کروں تو عذاب کا ایک بہت بڑا دن آنے والا ہے
اور تم کہو "اگر اللہ چاہتا تو میں قرآن تمہیں سناتا ہی
نہیں اور نہیں اس سے خبردار ہی کرتا (مگر اس کا چاہنا یہی
ہوا کہ تم میں اس کا کلام نازل ہو اور تمہیں اقوام عالم کی
ہدایت کا ذریعہ بنائے) پھر دیکھو یہ واقعہ ہے کہ میں اس
معاملہ سے پہلے تم لوگوں کے اندر ایک پوری عمر بسر کر
١٦ چکا ہوں۔ کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟
پھر بتلاؤ، اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے
جو اپنے جی سے جھوٹ بات بنا کر اللہ پر افترا کرے اور
اس آدمی سے جو اللہ کی سچی آیتیں جھٹلائے؟ یقیناً
١٧ جرم کرنے والے کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے!
اور (یہ مشرک) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش
کرتے ہیں جو نہ تو انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں نہ
فائدہ، اور کہتے ہیں (ہم اس لئے ان کی پرستش کرتے
ہیں کہ) یہ اللہ کے حضور ہمارے سفارشی ہیں (اے پیغمبر!
تم) کہہ دو "کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دینی چاہتے ہو
جو خود اسے معلوم نہیں نہ تو آسمانوں میں اور نہ زمینوں
میں؟" پاک اور بلند ہے اس کی ذات اس شرک سے
١٨ جو یہ لوگ کر رہے ہیں!
اور (ابتدا میں) انسانوں کی ایک ہی امت تھی

(١١) مشرکین عرب پیغمبر اسلام کی صداقت و فضیلت سے انکار نہیں کر سکتے تھے، اس لئے کہتے تھے، ہم تمہاری بات سننے کے لئے تیار ہیں مگر تم ایسی باتیں کہتے ہو جنہیں ہم قبول نہیں کر سکتے۔ تم کوئی دوسرا قرآن لاؤ، یا اسی کے مطالب ایسے کر دو کہ ہمارے پرانے عقیدوں کے خلاف نہ ہوں۔ فرمایا، یہ کچھ میرے جی کی من گھڑت نہیں ہے کہ تمہاری فرمائش کے مطابق بنا دوں۔ میں تو خود اللہ کی وحی کا تابع فرمان ہوں جو کچھ مجھ پر وحی ہوتی ہے تمہیں سنا دیتا ہوں اگر اس کے حکم سے نافرمانی کروں تو اس کی پکڑ سے مجھے بچانے والا کون ہے؟

(١٢) پھر آیت (١٦) میں صداقت نبوت کی ایک سب سے زیادہ واضح اور وجدانی دلیل بیان کی ہے جس کی حقیقت افسوس ہے کہ مفسرین نے پوری طرح واضح نہیں کی۔ فرمایا، ساری باتیں چھوڑ دو۔ صرف اسی بات پر غور کرو کہ میں تم میں کوئی نیا آدمی نہیں ہوں جس کے خصائل و حالات کی تمہیں خبر نہ ہو۔ تم ہی میں سے ہوں اور اعلان وحی سے پہلے ایک پوری عمر تم میں بسر کر چکا ہوں یعنی چالیس برس تک کی عمر کہ عمر انسانی کی پختگی کی کامل مدت ہے۔ اس تمام مدت میں میری زندگی تمہاری آنکھوں کے سامنے رہی۔ بتلاؤ اس تمام عرصہ میں کوئی ایک بات بھی تم نے سچائی اور امانت کے خلاف مجھ میں دیکھی؟ پھر اگر اس تمام مدت میں مجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ کسی انسانی معاملہ میں جھوٹ بولوں، تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اب خدا پر بہتان باندھنے کے لئے تیار ہو جاؤں اور جھوٹ موٹ کہنے لگوں مجھ پر اس کا کلام نازل ہوتا ہے؟ کیا اتنی سی موٹی بات بھی تم نہیں پا سکتے؟

تمام علمائے اخلاق و نفسیات متفق ہیں کہ انسان کی عمر میں ابتدائی چالیس برس کا زمانہ اس کے اخلاق و خصائل کے ابھرنے اور بننے کا اصلی زمانہ ہوتا ہے۔ جو سانچا اس عرصہ میں بن گیا، پھر بقیہ زندگی میں بدل نہیں سکتا۔ پس اگر ایک شخص چالیس برس

۱۱ يَعْمَهُوْنَ ۝ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهٖٓ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ
۱۲ مَرَّ كَأَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ إِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۚ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا
الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۚ كَذٰلِكَ
۱۳-۱۴ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْأَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝
وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ أَوْ بَدِّلْهُ ۚ
قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ أَنْ أُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحٰٓى إِلَيَّ ۚ إِنِّيْٓ أَخَافُ إِنْ
۱۵ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝

۱۱ رکھتے ہم انہیں ان کی سرکشیوں میں سرگرداں چھوڑ دیتے ہیں
اور جب کبھی انسان کو کوئی رنج پہنچتا ہے،
تو خواہ کسی حال میں ہو، کروٹ پر لیٹا ہو، بیٹھا ہو، کھڑا ہو، ہمیں پکارنے لگے گا، لیکن جب ہم اس کا رنج دور کر دیتے
ہیں، تو پھر اس طرح (منہ موڑے ہوئے) چل دیتا ہے، گویا رنج و مصیبت میں کبھی اس نے ہمیں پکارا ہی نہیں تھا!
۱۲ تو دیکھو! جو حد سے گزر گئے ہیں، ان کی نگاہوں میں اسی طرح ان کے کام خوشنما کر دیئے گئے ہیں!

(۹) آیت (۱۱) میں قانون امہال کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تشریح تفسیر فاتحہ میں دیکھنی چاہیے۔

اور تم سے پہلے کتنی ہی امتیں گزر چکی ہیں کہ جب انہوں نے ظلم کی راہ اختیار کی، تو ہم نے انہیں (پاداش عمل میں) ہلاک کر دیا۔ ان کے رسول ان کے پاس روشن دلیلوں کے ساتھ آئے تھے، مگر اس پر بھی وہ آمادہ نہ ہوئے کہ ایمان لائیں (تو دیکھو)
۱۳ مجرموں کو اسی طرح ہم ان کے جرموں کا بدلہ دیتے ہیں!
۱۴ پھر ان امتوں کے بعد ہم نے تمہیں ان کا جانشین بنایا، تاکہ دیکھیں تمہارے کام کیسے ہوتے ہیں؟
اور (اے پیغمبر!) جب تم ہماری واضح آیتیں

(۱۰) آیت (۱۲) میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رنج و مصیبت کی حالت میں انسان کے اندر وجدانی طور پر یہ ولولہ اٹھتا ہے کہ ایک بالاتر ہستی موجود ہے جو میرا درد دکھ دور کر سکتی ہے اور اسی کو پکارنا چاہیے۔ لیکن جب مصیبت دور ہو جاتی ہے تو پھر عیش و راحت کی غفلتوں میں پڑ کر اسے بھول جاتا ہے، گویا کبھی اس نے کسی کو پکارا ہی نہ تھا!
قرآن نے جا بجا انسان کی اس فطری حالت سے استشہاد کیا ہے۔ کیونکہ مصیبت اور بے بسی کی حالت میں بے اختیار اس ولولہ کا اٹھنا، اس امر کا ثبوت ہے کہ انسانی فطرت اپنے اندرونی ادراک میں خدا کی ہستی کا اعتقاد رکھتی ہے، اور اعراض و غفلت کی حالت وجدانی نہیں ہے خارجی اثرات کا نتیجہ ہے۔ آگے چل کر آیت (۲۲) میں بھی یہی بات ملے گی لیکن ایک دوسرے اسلوب موعظت میں۔

انہیں پڑھ کر سناتے ہو، تو جو لوگ (مرنے کے بعد) ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں "اس قرآن کے سوا کوئی دوسرا قرآن لا کر سناؤ۔ یا اسی (کے مطالب) میں رد و بدل کر دو" تم کہو میرا یہ مقدور نہیں کہ اپنے جی سے اس میں رد و بدل کر دوں۔ میں تو بس اسی حکم کا تابع ہوں جو مجھ

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ ۲۲
اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ ۲۳
مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ
زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا

(۱۵) جب تک دنیوی اسباب و علائق کا کوئی ادنیٰ سا سہارا بھی باقی رہتا ہے انسان کا وجدان بیدار نہیں ہوتا، اور ایک تنکے کا بھروسہ بھی اس کے لئے کافی ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے غافل ہو جائے لیکن جونہی اسباب و علائق کے رشتے ٹوٹے، اور یاس و قنوط کی کامل حالت طاری ہوئی اور اس نے دیکھا، کہ اب دنیا کا کوئی ہاتھ اسے بچا نہیں سکتا تو اچانک اس کا سویا ہوا وجدان بیدار ہو جاتا ہے اور خدا پرستی کا جوش اپنے سارے اخلاص کے ساتھ اس کے اندر ابھر آتا ہے اس وقت وہ خدا کے سوا اور کسی کو نہیں دیکھتا سارے رشتے، سارے بھروسے ساری ہستیاں یک قلم نابود ہو جاتی ہیں۔ وہ بے اختیار خدا کو پکارنے لگتا ہے اور اس کی یہ پکار اس کے دل کے ایک ایک ریشہ کی پکار ہوتی ہے۔

لیکن پھر اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ کیا حالت قائم رہتی ہے نہیں جونہی اس کی ڈوبتی کشتی ابھلی، اور امید و مراد کی گم شدہ صورت واپس آگئی، پھر وہی اس کی غفلتیں ہوتی ہیں اور وہی سرکشیاں!

اگر تم غور کرو گے، تو اس حالت کی مثالیں خود اپنی ہی زندگی میں تمہیں مل جائیں گی۔ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ تم بیمار ہوئے اور طبیبوں نے جواب دیدیا؟ یا کسی دوسری مصیبت میں پڑے اور دنیا کے سارے سہارے ہاتھ سے نکل گئے؟ اگر ایسا ہوا ہے تو یاد کرو، اس وقت تمہاری خدا پرستی اور خدا پرستی کے اخلاص کا کیا حال تھا؟

قرآن نے جابجا اس حالت کے بیان کے لئے بحری سفر کی مثال اختیار کی ہے، کیونکہ انسان کی بے بسی اور مایوسی کے لئے اس سے بہتر مثال نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ یہاں آیت (۲۲) میں اسی طرف اشارہ کیا ہے اور سورۂ عنکبوت کی آیت (۶۵) اور لقمان کی آیت (۳۲) میں بھی یہی مطلب ملے گا۔

دین حق کی تعلیم و تزکیہ کا مقصد یہی ہے کہ اس حالت انسان کو نجات دلا دے اور اس کا وجدان اس طرح بیدار کر دے کہ خدا پرستی کا جو اخلاص خاص خاص حالتوں میں ابھرتا ہے وہ اس کی

نہ رہی) تو اس وقت انہیں خدا کے سوا اور کوئی ہستی یاد نہیں آتی وہ) دین کے اخلاص کے ساتھ خدا کو پکارنے لگتے ہیں "خدایا! اگر اس حالت سے ہمیں نجات دیدے
۲۲ تو ہم ضرور تیرے شکر گزار ہونگے" پھر (دیکھو) جب اللہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو اچانک (اپنا عہد و پیمان بھول جاتے ہیں اور) ناحق ملک میں سرکشی و فساد کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تو خود تمہاری ہی جانوں پر پڑنے والا ہے۔ یہ دنیا کی (چند روزہ) زندگی کے فائدے ہیں سو اٹھا لو۔ پھر تمہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اس وقت ہم تمہیں بتائیں گے کہ جو کچھ دنیا میں کرتے رہے،
۲۳ اس کی حقیقت کیا تھی!

دنیا کی زندگی کی مثال تو بس ایسی ہے جیسے یہ معاملہ کہ آسمان سے ہم نے پانی برسایا، اور زمین کی نباتات جو انسانوں اور چارپایوں کے لئے غذا کا کام دیتی ہیں اس سے شاداب ہو کر کھلی پھولیں اور باہم دگر مل گئیں پھر جب وہ وقت آیا کہ زمین نے اپنے (ابھری اور لالی کے) سارے زیور پہن لئے اور لہلہاتے ہوئے کھیتوں اور گراں بار باغوں سے) خوشنما ہو گئی، اور زمین کے مالک

۱۹ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝
وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ
ع ۲۰ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّاۗءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ
۲۱ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَ
الْبَحْرِ ۭ حَتّٰىٓ اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ
عَاصِفٌ وَّجَاۗءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ

پھر الگ الگ ہوگئے۔ اور اگر تمہارے پروردگار کی جانب سے پہلے ایک بات نہ ٹھہرا دی گئی ہوتی (یعنی لوگ الگ الگ راہوں میں چلینگے اور اسی اختلاف میں انکے لیے آزمائش عمل ہوگی) تو جن باتوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں، ان کا فیصلہ کبھی کا ہو چکا ہوتا!

اور یہ لوگ کہتے ہیں "کیوں ایسا نہ ہوا کہ اس پر (یعنی پیغمبر اسلام پر) اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی اترتی"؟ تو (اے پیغمبر!) تم کہہ دو "غیب کا علم تو صرف اللہ ہی کے لئے ہے بس انتظار کرو میں بھی تمہارے
۲۰ ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں!"

اور جب ایسا ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کو درد دکھ کے بعد اپنی رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں، تو فوراً ہماری (رحمت کی) نشانیوں میں باریک باریک حیلے نکالنا شروع کر دیتے
۲۱ ہیں (اے پیغمبر!) تم کہدو "اللہ ان باریکیوں میں سب سے زیادہ تیز ہے۔ اس کے فرشتے تمہاری یہ ساری مکاریاں قلمبند کر رہے ہیں"

وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی خشکی اور تری میں سیر و گردش کا سامان کر دیا ہے، پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ تم جہازوں میں سوار ہوتے ہو، جہاز موافق ہوا پاکر تمہیں لے اڑتے ہیں، مسافر خوش ہوتے ہیں (کہ کیا اچھی ہوا چل رہی ہے) پھر اچانک ہوائے تند کے جھونکے نمودار ہو جاتے اور ہر طرف سے موجیں ہجوم کرنے لگتی ہیں، اور مسافر خیال کرتے ہیں بس اب ۴

۴ ان میں گھر گئے (اور بچنے کی کوئی امید باقی - (۱۵۳)

کی عمر تک صادق و امین رہا ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ اکتالیسویں برس میں قدم رکھتے ہی ایسا کذاب اور مفتری بن جائے کہ انسانوں ہی پر نہیں بلکہ فاطر السموٰت والارض پر افترا کرنے لگے؟

چنانچہ اس کے بعد فرمایا۔ دو باتوں سے تم انکار نہیں کر سکتے جو شخص اللہ پر افترا کرے اس سے بڑھ کر کوئی شریر نہیں اور جو صادق کو جھٹلائے وہ بھی سب سے زیادہ شریر انسان ہے۔ اور شریر و مفتری کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اب صورت حال نے یہاں دونوں فریق پیدا کر دئے ہیں۔ اگر میں مفتری علی اللہ ہوں تو مجھے ناکام و نامراد ہونا پڑیگا۔ اگر تم سچائی کے مکذب ہو تو تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا ہے۔ فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے، اور اس کا قانون ہے کہ مجرموں کو فلاح نہیں دیتا۔

چنانچہ اللہ کا فیصلہ صادر ہو گیا جو مکذب تھے، ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا۔ جو صادق تھا، اس کا کلمہ صدق آج تک قائم ہے اور قائم رہے گا!

سورۂ انعام کی آیات (۲۱) اور (۹۳) اور سورۂ اعراف کی (۳۷) میں بھی یہی استشہاد گزر چکا ہے۔

(۱۳) آیت (۱۸) میں توحید الوہیت کا بیان ہے اس کی تفسیر سورت کے آخری نوٹ میں دیکھو۔

(۱۴) آیت (۱۹) کے ہم معنی آیت بقرہ (۲۰۹) میں بھی گزر چکی ہے اور مہمات معارف قرآنی میں سے ہے اس کی مزید تشریح سورۂ ہود کی تشریحات میں ملے گی۔

٢٧ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَ
٢٨ شُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ۝ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا
٢٩ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَ
٣٠ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ
السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

نہیں جو اس حقیقت سے بیخبر ہو، مگر کوئی نہیں جو اس غرورِ باطل کی سرگرانیوں سے اپنی نگہداشت کر سکے!

یہی غفلت ہے جسے دینِ حق دور کرنا چاہتا ہے۔ وہ دنیا اور دنیا کی کامرانیوں سے نہیں روکتا۔ مگر ان کے غرورِ باطل اور بے اعتدالانہ انہماک کی راہیں بند کر دینی چاہتا ہے۔ کیونکہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے سارے فتنوں کا اصلی سرچشمہ یہی غرورِ باطل ہے۔

(۱۷) قرآن نے ہر جگہ ایمان کو روشنی سے اور کفر کو تاریکی سے تشبیہ دی ہے۔ اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور (۲: ۲۵۷) اور مومنوں کی پہچان یہ فرمائی ہے کہ ان کے لئے سرخروئی اور شادمانی ہوگی۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی وجوہ یومئذ ناضرۃ الیٰ ربھا ناظرۃ (۷۵: ۲۳) تعرف فی وجوھھم نضرۃ النعیم (۸۳: ۲۴) وجوہ یومئذ ناعمۃ لسعیھا راضیۃ (۸۸: ۹) اور کفر کے لئے سیاہ روئی اور خواری ہے: وجوہ یومئذ باسرۃ تظن ان یفعل بھا فاقرۃ (۷۵: ۲۵) وجوہ یومئذ خاشعۃ عاملۃ ناصبۃ تصلیٰ نارًا حامیۃ (۸۸: ۴) اور آل عمران کی آیت (۱۰۶) میں گزر چکا ہے: یوم تسود وجوہ و تبیض وجوہ یہاں آیات ۲۶ اور ۲۷ میں بھی یہی بات بیان کی ہے۔ خوشحالی و کامرانی سے چہروں کا چمک اٹھنا اور نامرادی و خواری سے سیاہ پڑ جانا ایک طبعی حالت ہے بس فرمایا، قیامت کے دن ایک گروہ کے چہرے چمک اٹھیں گے دوسرے کے سیاہ پڑ جائینگے۔ اور سیاہ چہروں کا یہ حال ہوگا، گویا پردۂ شب نے ان کے چہرے ڈھانپ لئے ہیں!

(۱۸) آیت (۲۸) میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ تم

٢٧ ہمیشہ رہنے والے!

اور (دیکھو) جس دن ایسا ہوگا کہ ہم ان سب کو اپنے حضور اکٹھا کرینگے، اور پھر ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا ہے کہینگے "تم اور وہ سب جنہیں تم نے شریک ٹھہرایا تھا، اپنی جگہ سے نہ ہلو" (یعنی اپنے مقام میں رُکے رہو۔ آگے نہ بڑھو) اور پھر ایسا ہوگا کہ ایک دوسرے سے انہیں الگ کر دینگے (یعنی شرک کرنے والوں میں اور ان میں جنہیں شریک بنایا گیا، امتیاز پیدا ہو جائے گا) تب وہ ہستیاں جنہیں خدا کے ساتھ شریک بنایا گیا ہے کہیں گی: "یہ بات تو نہ تھی کہ تم
٢٨ ہماری ہی پرستش کرتے تھے۔ آج کے دن ہم میں اور تم میں اللہ کی گواہی بس کرتی ہے (وہ جانتا ہے کہ)
٢٩ تمہاری پرستاریوں سے ہم یک قلم بےخبر تھے"

پس اس دن ہر آدمی جانچ لے گا کہ جو کچھ وہ پہلے کر چکا ہے اس کی حقیقت کیا تھی۔ سب اللہ کے حضور کہ ان کا مالک حقیقی ہے لوٹائے جائیں گے، اور حقیقت کے خلاف جس قدر افترا پردازیاں کرتے رہے ہیں سب ان سے کھوئی جائینگی!

(اے پیغمبر) ان لوگوں سے پوچھو وہ کون ہے جو تمہیں آسمان و زمین کی بخشایشوں کے ذریعہ روزی دیتا ہے؟ وہ

۲۴ كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ يَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ
۲۵ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا
۲۶ يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا
السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَاۤ
اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

سمجھے اب فصل ہمارے قابو میں آگئی ہے تو اچانک ہمارا حکم دن کے وقت یا رات کے وقت نمودار ہو گیا، اور ہم نے زمین کی ساری فصل اس طرح بیخ و بن سے کاٹ کے رکھ دی گویا ایک دن پہلے تک اس کا نام ونشان ہی نہ تھا! اس طرح ہم (حقیقت کی) دلیلیں کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں!

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے (کامیابی و نجات کی) سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے!

(اس کا قانون تو یہ ہے) جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے لئے بھلائی ہی ہوگی، اور (جتنی اور جیسی کچھ ان کی بھلائی تھی) اس سے بھی کچھ زیادہ ان کے چہروں پر نہ تو (محرومی کی) کالک لگے گی نہ ذلت کا اثر نمایاں ہوگا ایسے ہی لوگ جنتی ہیں، ہمیشہ جنت میں رہنے والے!

اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں تو برائی کا نتیجہ ویسا ہی نکلے گا جیسی کچھ برائی ہوگی اور ان پر خواری چھا جائے گی۔ اللہ (کے قانون) سے انہیں بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ ان کے چہروں پر اس طرح کالک چھا جائے گی جیسے اندھیری رات کا ایک ٹکڑا چہروں پر اڑھا دیا گیا ہو! سو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں۔ دوزخ میں

پوری زندگی کی ایک دائم اور مستقر حالت ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ ایمان کی حالت یہ فرمائی کہ مصیبت کی گھڑی ہو یا راحت و سرور کا عالم، لیکن خدا کی یاد سے دل پر غفلت طاری نہ ہو۔

(۱۶) "بغی" کے معنی سرکشی کے ہیں اور اس میں ہر طرح کی سرکشی
داخل ہے لیکن جب "فی الارض" کے ساتھ کہا جائے جیسا کہ آیت (۲۳)
میں ہے تو اس سے مقصود وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں دنیا کی دولت
۲۴ و لذت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ اس کے گھمنڈ میں آکر ظلم و فساد کو
اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں چونکہ اس سرکشی کا اصلی سرچشمہ دنیوی زندگی کے
سروسامان کا غرور ہے اس لئے آیت (۲۴) میں فرمایا، دنیا کی زندگی
۲۵ کی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے کاشت کاری کا معاملہ۔ آسمان سے پانی
برستا ہے اور تمہارے کھیت لہلہانے لگتے ہیں۔ پھر جب وقت آتا
ہے کہ تم سمجھنے ہو اب فصل پک گئی اور ہماری محنت کی کمائی ہمارے
قبضہ میں ہے تو اچانک کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے اور ساری فصل
اس طرح تباہ ہو جاتی ہے گویا اس کا نام ونشان ہی نہیں تھا!
یعنی دنیوی زندگی کی ساری کامرانیاں اور دلفریبیاں بے ثبات
اور ہنگامی ہیں۔ تم یہاں کی کسی چیز اور حالت پر بھروسہ نہیں کر سکتے
۲۶ کہ یہ ہر وقت ایسی ہی رہے گی اول تو زندگی ہی چند روزہ ہے، پھر اس کا
بھی ٹھکانا نہیں۔ پھر زندگی کے عیش و تمتع کی جتنی دلفریبیاں
ہیں سب کا حال یہ ہے کہ صبح ہیں تو شام نہیں شام کو نہیں تو صبح
کو نہیں۔ ایسی حالت میں اس سے بڑھ کر غفلت و گمراہی کی اور کیا بات
ہو سکتی ہے کہ انسان حق و راستی کی راہ چھوڑ کر سرکشی پر اتر آئے
اور کس چیز کے بھروسے پر؟ اس زندگی کے سروسامان اور اقتدار
کے بھروسے پر جسے چند لمحوں کے لئے بھی قطعی اور برقرار نہیں
کہہ سکتا۔
لیکن انسانی غفلت کے عجائب کا یہی حال ہے کوئی

لَّا يَهِدِّيٓ إِلَّآ أَن يُهْدَىٰ ۖ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ○ وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ ٱلظَّنَّ ۳۵
لَا يُغْنِى مِنَ ٱلْحَقِّ شَيْـًٔا ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌۢ بِمَا يَفْعَلُونَ ○ وَمَا كَانَ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانُ أَن يُفْتَرَىٰ مِن ۳۶
دُونِ ٱللَّهِ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ ٱلَّذِى بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ ٱلْكِتَٰبِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ○ ۳۷
أَمْ يَقُولُونَ ٱفْتَرَىٰهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا۟ بِسُورَةٍ مِّثْلِهِۦ وَٱدْعُوا۟ مَنِ ٱسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ إِن كُنتُمْ
صَٰدِقِينَ ○ بَلْ كَذَّبُوا۟ بِمَا لَمْ يُحِيطُوا۟ بِعِلْمِهِۦ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُۥ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ ٱلَّذِينَ مِن ۳۸
قَبْلِهِمْ ۖ فَٱنظُرْ كَيْفَ كَانَ عَٰقِبَةُ ٱلظَّٰلِمِينَ ○ وَمِنْهُم مَّن يُؤْمِنُ بِهِۦ وَمِنْهُم مَّن لَّا يُؤْمِنُ بِهِۦ ۳۹

جائے؟ افسوس تم پر! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟ ۳۵

اور ان لوگوں میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں جو صرف وہم و گمان کی باتوں پر چلتے ہیں اور سچائی کی معرفت میں گمان کچھ کام نہیں دے سکتا۔ یہ جو کچھ کر رہے ہیں، اللہ اس سے بےخبر نہیں ہے! ۳۶

اور اس قرآن کا معاملہ ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اپنے جی سے گڑھ لائے۔ وہ تو ان تمام وحیوں کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں، اور کتاب اللہ کی تفصیل ہے (یعنی اللہ کی کتابوں میں جو کچھ تعلیم دی گئی ہے) وہ سب اس میں کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہے) اس میں کوئی شبہ نہیں۔ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے! ۳۷

(۲۱) آیت (۳۶) قرآن کے مہمات معارف میں سے ہے اس کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی

(۲۲) آیت (۳۷) میں فرمایا قرآن جس قسم کی چیز ہے ایسی چیز کبھی انسانی بناوٹ سے نہیں بن سکتی۔ پھر فرمایا، وہ تمام پچھلی صداقتوں کی تصدیق کرنے والا اور تمام پچھلی کتابوں کی تعلیمات پر حاوی ہے۔ قرآن کا یہ وصف کیوں اس بات کی دلیل ہوا کہ وہ انسانی بناوٹ کا کام نہیں؟ اس کے جواب کے لئے تفسیر سورۂ فاتحہ دیکھو۔ یہ مہمات براہین قرآنیہ میں سے ہے۔

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے (یعنی پیغمبر اسلام نے) اللہ کے نام پر یہ افترا کیا ہے؟ تم کہو اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو (اور ایک آدمی اپنے جی سے گڑھ کر ایسا کلام بنا لے سکتا ہے) تو قرآن کی مانند ایک سورت بنا کر پیش کر دو، اور خدا کے سوا جن جن ہستیوں کو اپنی مدد کے لئے بلا سکتے ہو (تمہیں پوری طرح اجازت ہے) بلا لو! ۳۸

(۲۳) آیات (۳۸) اور (۳۹) اور (۴۱) کی ضروری تشریحات کے لیے آخری نوٹ دیکھنا چاہئے۔

نہیں یہ بات نہیں ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ جس بات پر یہ اپنے علم سے احاطہ نہ کر سکے۔ اور جس بات کا نتیجہ ابھی پیش نہیں آیا، اس کے جھٹلانے پر آمادہ ہو گئے۔ ٹھیک اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ تو دیکھو ظلم کرنے والوں کا کیسا کچھ انجام ہو چکا ہے! ۳۹

اور (اے پیغمبر!) ان میں (یعنی تیری قوم میں) کچھ تو ایسے ہیں جو قرآن پر (آئندہ) ایمان لائیں گے۔ کچھ ایسے

وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ
۳۱-۳۲ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ
۳۳ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا
۳۴ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ
مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۭ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ

جن پیشواؤں کو اپنی حاجت روائیوں کے لئے پکارتے ہو ان تک
نہ تو تمہاری پکار پہنچتی ہے، نہ تمہاری پرستاریوں کی انہیں کچھ خبر
ہے، وہ تمہاری حاجت روائی کیا کرینگے؟ قیامت کے دن خدا
مشرکوں کو اور ان کے بنائے ہوئے شریکوں کو ایک صف میں کھڑا
کرے گا۔ کیونکہ معبودوں کو اپنے پرستاروں کے مقابلے میں ہی ہونا
چاہئے۔ لیکن وہ مشرکوں کا ساتھی ہونا پسند نہیں کرینگے۔ وہ کہینگے
ہمیں ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ گو ہمارا نام لیتے ہوں،
لیکن فی الحقیقت ہمیں نہیں پوجتے تھے، اپنی ہوا و نفس کے
۳۱ پجاری تھے۔ ہمیں تو ان کی پرستش کی خبر بھی نہیں!

۔ ایسی ہی بات ہے، جیسی مائدہ کے آخر میں حضرت مسیح
علیہ السلام کی نسبت فرمائی ہے کہ قیامت کے دن عرض کرینگے میں
عیسائیوں کے شرک سے بری ہوں۔ ما قلت لھم الا ما
امرتنی بہ (۵ : ۱۱۷) مزید تشریح کے لئے آخری نوٹ
۳۲ میں ادراک آخرت کا مبحث دیکھو۔

(۲۰) آیت (۳۱) میں برہان ربوبیت کا استدلال ہے۔
اور توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استشہاد کیا گیا ہے
(برہان ربوبیت کی تفصیل تفسیر فاتحہ میں گزر چکی ہے)

(۲۰) آیت (۳۵) قرآن کے کمات جح مں سے ہے مگر افسوس
۳۳ ہے کہ مفسرین نے اسکی حقیقت بھی اسی طرح ضائع کر دی، جس
طرح اکثر دلائل قرآنیہ ضائع کر دی ہیں۔ اسکی تشریح آخری
نوٹ میں ملے گی۔

کون ہے جس کے قبضہ میں تمہارا سننا اور دیکھنا
ہے؟ وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے
اور مردہ کو زندہ سے؟ اور پھر وہ کون ہے جو تمام
کارخانۂ ہستی کا انتظام کر رہا ہے؟" یہ فوراً بول
اٹھینگے کہ "اللہ" پس تم کہو "اگر ایسا ہی ہے تو پھر تم
(انکار حق کے نتیجہ سے) ڈرتے نہیں؟"

یہی اللہ فی الحقیقت تمہارا پروردگار ہے،
پھر بتلاؤ، سچائی کے جان لینے کے بعد اسے نہ ماننا
گمراہی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ تم (حقیقت سے)
منہ پھیرے کدھر کو جا رہے ہو؟

(اے پیغمبر!) اسی طرح تیرے پروردگار کا فرمودہ
ان لوگوں پر صادق آگیا جو (دائرہ ہدایت سے)
باہر ہو گئے ہیں کہ وہ ایمان لانے والے نہیں!

(اے پیغمبر!) ان سے پوچھو "کیا تمہارے ٹھہرائے
ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو خلقت کی
پیدائش شروع کرے اور پھر اسے دہرائے؟ تم کہو: یہ تو اللہ ہے جو ابتدا میں پیدا کرتا ہے پھر اسے دہرائیگا۔
۳۴ پس غور کرو، تمہاری الٹی چال تمہیں کدھر کو لے جا رہی ہے؟

ان سے پوچھو "کیا تمہارے بنائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو حق کی راہ دکھاتا ہے۔ پھر جو حق کی راہ
دکھلائے، وہ اس کا حقدار ہے کہ اسکی پیروی کی جائے، یا وہ جو خود ہی راہ نہیں پاتا جب تک اسے راہ نہ دکھائی

۴۶ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى
مَا يَفْعَلُوْنَ ○ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا
۴۷-۴۸ يُظْلَمُوْنَ ○ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ ضَرًّا وَّ
لَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۗ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ

بڑے ہی گھاٹے میں رہے جنہوں نے اللہ کی ملاقات
کا اعتقاد جھٹلایا، اور وہ کبھی (کامیابی کی) راہ پانے
۴۵ والے نہ تھے -!

اور (اے پیغمبر) ہم نے ان لوگوں سے (یعنی منکرین
عرب سے) جن جن باتوں کا وعدہ کیا ہے (یعنی دعوتِ
حق کے پیش آنے والے نتائج کی خبر دی ہے) اُن میں سے
بعض باتیں تجھے (تیری زندگی میں) دکھا دیں یا (ان
کے ظہور سے پہلے) تیرا وقت پورا کر دیں) لیکن بہرحال انہیں
ہماری ہی طرف لوٹنا ہے اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں، اللہ
۴۶ اس پر شاہد ہے -

اور (یاد رکھو) ہر امت کے لئے ایک رسول ہے
(جو ان میں پیدا ہوتا اور انہیں دینِ حق کی طرف بلاتا
ہے) پھر جب کسی امت میں اس کا رسول ظاہر ہو گیا
تو (ہمارا قانون یہ ہے کہ) ان کے درمیان انصاف کے
ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ایسا نہیں ہوتا کہ نا
۴۷ انصافی ہو -

اور یہ لوگ کہتے ہیں "اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ یہ بات
۴۸ (یعنی انکارِ حق کی پاداش) کب ظہور میں آئے گی"؟ (اے پیغمبر!)
تم کہہ دو (یہ معاملہ کچھ میرے اختیار میں نہیں کہ بتلا دوں کب واقع ہوگا) میں تو خود اپنی جان کا بھی نفع نقصان اپنے
قبضہ میں نہیں رکھتا ۔ وہی ہوتا ہے جو اللہ نے چاہا ہے، ہر
امت کے لئے (پاداشِ عمل کا) ایک مقررہ وقت ہے، اور جب وہ وقت

ہی قلیل مدت کا درمیانی وقفہ گزرا ہو۔ اس حالت کی مثال یوں
سمجھو جیسے کبھی رات بھر سو کر تم اٹھتے ہو۔ اور اٹھنے کے بعد خیال کرتے
ہو کہ بہت تھوڑی دیر نیند میں رہے۔ حالانکہ رات بھر نیند میں
بسر کر چکے ہوتے ہو۔ یہ حقیقت قرآن نے مختلف تعبیرات میں بیان
کی ہے، اور سب کا حاصل یہ ہے کہ وہ عظیم مدت جو انسان پر گزر گئی
اس دن بہت ہی قلیل محسوس ہوگی۔ سورۂ مومنون آیت (۱۱۲) روم
(۳۰) احقاف (۴۶) اور نازعات کی آخری آیت دیکھنی چاہئے۔
سورۂ روم کی آیت (۵۶) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح
کا احساس اگرچہ سب کو ہوگا، لیکن اہل علم و ایمان جن کے دلوں
میں یوم آخرت کا یقین تھا، اس احساس سے مغلوب نہیں ہو
جائیں گے۔ وہ پا لینگے کہ یہ تمام مدت جو گزر چکی ہے دنیوی زندگی
کی درمیانی مدت تھی اور اب قیامت کا دن ہمارے سامنے ہے،
ان آیات کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دنیوی زندگی
اس دن اتنی حقیر و قلیل محسوس ہوگی، گویا گھڑی بھر کی زندگی لیکن
پہلا مطلب زیادہ واضح اور موزوں ہے۔

(۴۶) آیت ۴۶ کا مطلب یہ ہے کہ دعوتِ حق کی
فتحمندیوں اور منکروں کی نامرادیوں کی جو خبر دی گئی ہے، کچھ
ضروری نہیں کہ وہ سب کچھ تیری زندگی ہی میں پیش آجائے
بعض باتیں تیری موجودگی میں ہو کر رہینگی، بعض بعد کو واقع ہونگی
پس منکروں کو یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس معاملہ کا سارا دارومدار
اس شخص کی زندگی پر ہے۔ یہ نہ رہیگا تو کچھ نہ ہوگا۔ تو زندہ رہے
یا نہ رہے، لیکن احکامِ حق کو پورا ہو کر رہنا ہے۔ چنانچہ ایسا
ہی ہوا۔

(۴۷) آیت ۴۷ میں اللہ کے اس قانون کی طرف اشارہ ہے
کہ جب کسی قوم کی ہدایت کے لئے اس کا رسول ظاہر ہوا، اور

ع ۹ ۴۰ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ۝ وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنتُمْ بَرِيئُونَ
۴۱ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ أَفَأَنتَ تُسْمِعُ
۴۲ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَمِنْهُم مَّن يَنظُرُ إِلَيْكَ أَفَأَنتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا
۴۳-۴۴ لَا يُبْصِرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ وَيَوْمَ
يَحْشُرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ
۴۵ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝

۴۰ ہیں جو ایمان لانے والے نہیں اور تیرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون لوگ مفسد ہیں۔
اور اگر یہ (اس قدر سمجھانے پر بھی) تجھے جھٹلائیں، تو کہہ دے "میرے لئے میرا عمل ہے تمہارے لئے تمہارا۔
میں جو کچھ کرتا ہوں، اس کی ذمہ داری تم پر نہیں تم جو کچھ کرتے ہو اس کے لئے میں ذمہ دار نہیں" (ہر شخص
کے لئے اس کا عمل ہے اور عمل کے مطابق نتیجہ۔ پس تم اپنی راہ چلو۔ مجھے اپنی راہ چلنے دو، اور دیکھو اللہ کا
۴۱ فیصلہ کیا ہوتا ہے)
اور (اے پیغمبر!) ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو تیری باتوں کی طرف کان لگاتے ہیں (اور تو خیال کرتا ہے
یہ کلام حق سن کر اس کی سچائی پا لینگے، حالانکہ فی الحقیقت وہ سنتے نہیں) پھر کیا تو بہروں کو بات سنائیگا
۴۲ اگرچہ وہ بات نہ پا سکتے ہوں؟
اور ان میں کچھ ایسے ہیں جو تیری طرف تکتے ہیں
(اور تو خیال کرتا ہے، یہ تجھے سمجھ کر دیکھتے ہیں، حالانکہ وہ
دیکھتے نہیں) پھر کیا تو اندھے کو راہ دکھائے گا، اگرچہ
۴۳ اسے کچھ سوجھ نہ پڑتا ہو؟
یقیناً اللہ انسانوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا
(کہ انہیں جبراً اندھا بہرا بنا دے) مگر خود انسان ہی ہے
جو اپنے اوپر ظلم کرتا ہے (کہ اس کی بخشی ہوئی قوتوں سے
۴۴ کام نہیں لیتا اور ہٹ اور ضد میں آکر سچائی سے انکار کر دیتا ہے)
اور جس دن ایسا ہوگا کہ اللہ ان سب کو اپنے حضور جمع کرے گا، اس دن انہیں ایسا معلوم ہوگا، گویا (دنیا میں)
اس سے زیادہ نہیں ٹھہرے، جیسے گھڑی بھر کو لوگ ٹھہر جائیں
اور آپس میں صاحب سلامت کر لیں (تو) بلاشبہ وہ لوگ

(۴۴) آیت ۴۲ اور اس کے بعد کی آیات میں اسی حالت کی طرف اشارہ ہے جو جا بجا قرآن میں بیان کی گئی ہے یعنی جہل و فساد اور تعصب و تقلید کے جمود سے ایسی حالت کا پیدا ہو جانا جو انسان کی عقل و بصیرت کو یک قلم معطل کر دیتی ہے، اور وہ اس قابل نہیں رہتا کہ سچائی اور حقیقت کا ادراک کر سکے۔ آیت ۴۴ میں فرمایا یہ حالت اس لئے پیش نہیں آتی کہ خدا نے کسی کو اس پر مجبور کر دیا ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تو یہ ظلم ہے، اور خدا کا یہ قانون نہیں کہ کسی جان پر ظلم ہو۔ یہ تو خود انسان ہی ہے جو خدا کی دی ہوئی روشنی ضائع کر کے اندھا بہرا بن جاتا ہے!

(۴۵) آیت ۴۵ میں اس طرف اشارہ ہے کہ آخرت کی زندگی جب انسان پر طاری ہوگی، تو۔۔ تمام مدت جو مرنے کے بعد سے لیکر نشاۃ ثانیہ تک گذرتی ہے اسے ایسی محسوس ہوگی جیسے ایک بہت

٥٥ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○
٥٦ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ
٥٧ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ
٥٨ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ
٥٩ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ○

٥٤ کسی طرح کی زیادتی واقع ہو!

یاد رکھو، آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لئے ہے (اس کے سوا کوئی نہیں جسے حکم و تصرف میں کچھ دخل ہو) اور یہ بات بھی نہ بھولو کہ اللہ کا وعدہ حق ہے۔ (وہ کبھی ٹل نہیں سکتا)
٥٥ مگر ان میں زیادہ تر ایسے ہیں جو یہ بات نہیں جانتے!

٥٦ وہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے۔ اور وہی ہے جس کی طرف تم سب کو (بالآخر) لوٹنا ہے!

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے ایک ایسی چیز آگئی، جو موعظت ہے، دل کی تمام بیماریوں کے لئے شفا ہے، اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو (اس پر) یقین
٥٧ رکھتے ہیں۔

(اے پیغمبر!) تم کہو، یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کی رحمت ہے۔ پس چاہیئے کہ اس پر خوشیاں منائیں اور یہ ان ساری چیزوں سے بہتر ہے جسے وہ (دنیا
٥٨ کی زندگی میں) جمع کرتے رہتے ہیں!

(اے پیغمبر!) تم ان سے کہو "کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ جو روزی اللہ نے تمہارے لئے پیدا کی ہے تم نے (محض اپنے اوہام و ظنون کی بنا پر) اس میں سے بعض کو حرام ٹھہرا دیا، بعض کو حلال سمجھ لیا ہے" تم پوچھو (یہ جو تم نے حلال حرام کا حکم لگایا تو) کیا اللہ نے اس کی اجازت دی ہے یا تم اللہ پر

(۳۰) آیت (۵۷) میں قرآن کے چار وصف بیان کئے:
(ا) موعظت ہے یعنی دل میں اتر جانے والی دلیلوں اور روح کو متاثر کرنے والے طریقوں سے ان تمام باتوں کی ترغیب دیتا ہے جو خیر و حق کی باتیں ہیں، اور ان تمام باتوں سے روکتا ہے جو شر او بطلان کی باتیں ہیں۔ کیونکہ عربی میں وعظ کا مفہوم صرف نصیحت ہی نہیں ہے بلکہ ایسی نصیحت جو موثر دلائل اور دلنشین اسلوبوں کے ساتھ کی جائے۔
(ب) شفآء لما فی الصدور۔ دل کی تمام بیماریوں کے لئے نسخۂ شفا ہے۔ جو فرد اور گروہ بھی اس نسخہ پر عمل کرے گا اس کے قلوب ہر طرح کے مفاسد و رذائل سے پاک ہو جائینگے
یاد رہے کہ عربی میں قلب، فواد، اور صدر کے الفاظ جب کبھی ایسے موقعہ پر بولے جائیں جیسا کہ یہ موقع ہے، تو ان سے مقصود انسان کی معنوی حالت ہوتی ہے یعنی ذہن و فکر کی قوت، عقلی ادراک، جذبات و عواطف، اخلاق و عادات، اندرونی حسیات، وہ عضو مقصود نہیں ہوتا جو فن تشریح کا دل اور سینہ ہے۔ پس دل کی شفا کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کی فکری اور اخلاقی حالت کے جس قدر مرض ہو سکتے ہیں، ان سب کے لئے یہ نسخۂ شفا ہے
(ج) یقین کرنے والوں کے لئے ہدایت ہے۔
(د) یقین کرنے والوں کے لئے پیام رحمت ہے۔ یعنی ظلم و

۴۹ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا
۵۰-۵۱ يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ○ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ○
۵۲ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ○ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ
۵۳ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ○ ع ۱۳ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ
۵۴ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○

لوگوں نے چاہا ظلم و تشدد کے ذریعہ اسکی دعوت روک دیں، لہٰذا اللہ نے ان دونوں فریقوں کے درمیان فیصلہ کر دیا، یعنی حق فتح مند ہوا باطل نامراد، اور چونکہ یہ فیصلہ حق و عدالت کا فیصلہ ہے اس لئے جا بجا اسے "قضی بالحق" اور "قضی بالقسط" سے تعبیر کیا ہے، تفصیل تفسیر سورۂ فاتحہ میں گذر چکی ہے۔

(۲۸) استعجال بالعذاب (آیت ۵۰) کی تشریح کے لئے تفسیر فاتحہ دیکھنی چاہئے۔

۴۹ آپہنچا ہے تو پھر نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں نہ ایک گھڑی آگے!

(اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہو "کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر اس کا عذاب رات نازل ہو گیا یا دن دہاڑے آ گیا تو تم کیا کر دگے؟

۵۰ پھر کیا بات ہے جس کیلئے مجرم جلدی مچا رہے ہیں؟

کیا جب وہ واقع ہو جائے گا اس وقت تم یقین کرو گے؟ (لیکن اس وقت یقین کرنا کچھ سودمند نہ ہوگا۔ اس
۵۱ وقت کہا جائے گا) ہاں اب تم نے یقین کیا، اور تم ہی تھے کہ اس کی طلب میں جلدی مچایا کرتے تھے"! پھر
ظلم کرنے والوں سے کہا جائے گا: اب ہمیشگی کا عذاب چکھو۔ تمہیں جو کچھ بدلہ مل رہا ہے یہ اس کے سوا کیا ہے
۵۲ کہ خود تمہارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہے جو دنیا میں کماتے رہے تھے!

(۲۹) آیت ۵۳ میں ان لوگوں کا قول نقل کیا ہے جو منکر و جامد نہ تھے مگر تصدیق میں متامل تھے۔ وہ جب پیغمبر اسلام کی صداقت و دیانت پر غور کرتے جو تمام قوم میں اول دن سے مسلّم تھی، تو ان کا دل کہتا، سچے آدمی کی زبان سے جھوٹی بات نہیں نکل سکتی۔ لیکن یہ جب دیکھتے کہ (ان کی) دعوت اسم، الٰہ (؟) اس کا تقاضا، دلائل ہے جن سے وہ اور ان کے آبا و اجداد یکسر نا آشنا رہے ہیں، تو طبیعت کھلتی نہیں، شک و حیرت کی حالت میں مبتلا ہو جاتے، اور پوچھنے لگتے "کیا جو کچھ تم کہہ رہے ہو فی الحقیقت ایسا ہی ہے؟" فرمایا تم کہو جب تمہیں آج تک میری سچائی میں شبہ نہیں ہوا تو آج کیوں [illegible] جو کچھ کہتا ہوں یہ حق ہے اور اس پر میرا پروردگار شاہد ہے۔

اور تجھ سے پوچھتے ہیں "کیا یہ بات واقعی سچ ہے؟"
۵۳ تم (بلا تامل) کہو "ہاں میرا پروردگار اس پر شاہد ہے کہ یہ سچائی کے سوا کچھ نہیں، اور تم کبھی ایسا نہیں کر سکتے کہ اُسے (اس کے کاموں میں) عاجز کر دو"۔

اور (آنے والا عذاب اس درجہ ہولناک ہے، اور اس کا وقوع اس درجہ قطعی ہے کہ) اگر ہر ظالم انسان کے قبضہ میں وہ سب کچھ آجائے جو روئے زمین میں ہے تو وہ ضرور اسے اپنے فدیہ میں دیدے اور دیکھو جب انہوں نے عذاب اپنے سامنے دیکھا تو (اپنی سرکشی و انکار یاد کر کے) دل ہی دل میں پچھتانے لگے پھر ان کے درمیان (یعنی مومنوں اور سرکشوں کے درمیان) انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور ایسا کبھی نہ ہوگا کہ ان پر

الآخرۃ لا تبدیل لکلمت اللہ ذلک ھو الفوز العظیم ۝ ولا یحزنک قولھم ان ٦٤
العزۃ للہ جمیعا ھو السمیع العلیم ۝ الا ان للہ من فی السموت ومن فی الارض و ٦٥
ما یتبع الذین یدعون من دون اللہ شرکاء ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون ۝ ٦٦
ھو الذی جعل لکم الیل لتسکنوا فیہ والنھار مبصرا ان فی ذلک
لایت لقوم یسمعون ۝ ٦٧

کو حرام ٹھہرا دیا ہو، چنانچہ قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ اس نے صرف انہی چیزوں سے روکا ہے جو خبائث ہیں۔ یعنی مضر اور گندی ہیں۔ باقی جتنی چیزیں ہیں۔ طیبات ہیں۔

(ب) کسی چیز کو حرام ٹھہرا دینے کا حق صرف خدا کی شریعت کو ہے پس کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ محض اپنے قیاس و رائے سے کوئی چیز حرام ٹھہرا دے۔

(ج) قرآن نے جن باتوں کو افترا علی اللہ سے تعبیر کیا ہے یعنی خدا پر بہتان باندھنا، ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ بغیر نص قطعی کے محض اپنی رائے اور قیاس سے کوئی چیز حرام ٹھہرا لی جائے۔

(د) انسان کے عقائد و اعمال کی بنیاد علم و یقین پر ہونی چاہئے نہ کہ وہم و گمان پر۔ وہ مشرکوں کی بنیادی گمراہی ہی قرار دیتا ہے کہ علم و یقین کی کوئی روشنی اپنے سامنے نہیں رکھتے۔ محض اوہام و ظنون کے پرستار ہیں۔

نزول قرآن سے پہلے اقوام عالم کی ایک عالمگیر گمراہی یہ تھی کہ کھانے پینے کے بارے میں طرح طرح کے وہمی قاعدے بنا لئے تھے، حلت و حرمت کی بنیاد علم و حقیقت کی کسی روشنی پر نہ تھی محض اوہام و خرافات پر تھی۔ قرآن نے نوع انسانی کو اس حالت سے نجات دلائی۔ اس نے اعلان کیا کہ زمین میں جتنی اچھی چیزیں خدا نے پیدا کی ہیں سب اسی لئے ہیں کہ انسان انہیں برتے اور خدا کے سوا کسی کو یہ اختیار نہیں کہ اس کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کو حرام ٹھہرا دے۔

یہ آیت ان تمام فقہا، متشددین کے خلاف حجت قاطع ہے جنہوں نے محض رائے و قیاس سے بعض مباحات حرام ٹھہرا دی ہیں اور ان تمام لوگوں کے خلاف بھی جو سمجھتے ہیں مباحات کا دائرہ اپنے اوپر تنگ کر لینا تقویٰ اور تقرب الٰہی کی بات ہے۔

(۳۲) قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ کسی بات کے ٹھہرا دینے اور قطعی طور پر نافذ کر دینے کے لئے "کتابت" کی تعبیر اختیار

اللہ کے فرمان اٹل ہیں کبھی بدلنے والے نہیں اور یہی سب سے بڑی فیروزمندی ہے جو انسان کے حصے میں آسکتی ہے! ٦٤

(اور اے پیغمبر!) منکروں کی (معاندانہ) باتوں سے تم آزردہ نہ ہو، ساری عزتیں اللہ ہی کے لئے ہیں (وہ جسے چاہے عزت دے۔ جسے چاہے ذلت دے) وہ سننے والا جاننے والا ہے! ٦٥

یاد رکھو وہ تمام ہستیاں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ جو زمین میں اللہ ہی کے تابع فرمان ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کے سوا اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو پکارتے ہیں تم جانتے ہو وہ کس بات کی پیروی کرتے ہیں؟ (کیا یقین و بصیرت کی؟ نہیں) محض وہم و گمان کی وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ (ہر بات میں) اپنی اٹکلیں دوڑاتے ہیں! ٦٦

وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کا وقت بنا دیا کہ اس میں آرام پاؤ اور دن کا وقت کہ اس کی روشنی میں دیکھو بھالو۔ بلاشبہ اس بات میں ان لوگوں کے لئے (ربوبیت الٰہی کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں جو (کلام حق) سنتے (اور سمجھتے) ہیں! ٦٧

وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ
ع ۶۰ ١١ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ
عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ
۶۱ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ
۶۲-۶۳ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي

بہتان باندھتے ہو؟"

اور جن لوگوں کی جرأتوں کا یہ حال ہے کہ اللہ کے نام پر جھوٹ بول کر افترا پردازی کر رہے ہیں، انہوں نے روزِ قیامت کو کیا سمجھ رکھا ہے؟ (کیا وہ سمجھتے ہیں اللہ کی جانب سے کوئی پرسش ہونے والی نہیں؟) حقیقت یہ ہے کہ اللہ انسانوں کے لئے بڑا ہی فضل رکھتا ہے (کہ اس نے جزائے عمل کو آخرت پر اٹھا رکھا ہے اور دنیا میں سب کو مہلت عمل دیدی ہے) لیکن ان میں زیادہ تر ایسے ہیں جو اس کا شکر بجا نہیں لاتے۔

اور (اے پیغمبر!) تم کسی حال میں ہو، اور قرآن کی کوئی سی آیت بھی پڑھ کر سناتے ہو، اور (اے لوگو!) تم کوئی سا کام بھی کرتے ہو، مگر وہ بات کرتے ہوئے ہماری نگاہوں سے غائب نہیں ہوتے، اور نہ تو زمین میں نہ آسمان میں کوئی چیز تمہارے پروردگار کے علم سے غائب ہے۔ ذرہ بھر کوئی چیز ہو یا اس سے چھوٹی یا بڑی سب کچھ ایک کتاب واضح میں مندرج ہے!

یاد رکھو جو اللہ کے دوست ہیں، ان کے لئے نہ تو کسی طرح کا خوف ہوگا، نہ کسی طرح کی غمگینی۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ایمان لائے اور زندگی ایسی بسر کی کہ برائیوں سے بچتے رہے، ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی (کامرانی وسعادت کی) بشارت ہے اور آخرت کی زندگی میں بھی

۵۹ قساوت اور بغض و تنفر سے دنیا کو نجات دلاتا اور رحم و محبت اور امن وسلامتی کی روح سے معمور کرتا ہے۔ محص

پھر قرآن کے اوصاف کا مدعیانہ اعلان ہی نہ تھا، بلکہ اس کی صداقت کی سب سے زیادہ موثر دلیل بھی تھی۔ اگر ایک شخص دعوی کرے کہ وہ طبیب ہے، تو سب سے زیادہ سہل اور قطعی طریقہ اس کے دعوے کی جانچ کا یہ ہوگا کہ دیکھا جائے، اس کے علاج سے بیماروں کو شفا ملتی ہے یا نہیں؟ اگر تم دیکھو کہ موت کی آغوش میں پہنچے ہوئے بیمار اس کے شفا خانہ میں داخل ہوئے اور تندرست ہو نکلے۔ تو تم یقیناً تسلیم کر لوگے کہ اپنے دعوے میں سچا ہے۔ قرآن نے بھی جابجا یہی جانچ منکروں کے سامنے پیش کی ہے۔ اس نے کہا میں نسخہ شفا ہوں، اور ثبوت میں

۶۰ مومنوں اور متقیوں کی جماعت پیش کر دی جو اس کے دارالشفا میں تیار ہوئی تھی کہ دیکھ لو، یہ تندرست ہو گئے ہیں، نہیں؟ آج بھی اس کی یہ دلیل اسی طرح قاطع ہے جس طرح عہد نزول میں تھی۔ اگر اس نے عرب جاہلیت کے مریضان روح و دل میں سے ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، خالدؓ، سلمانؓ، ابوذرؓ، وغیرہم جیسی تندرست روحیں پیدا کر دی تھیں تو کیا اس کے نسخہ شفا ہونے میں شک کیا جا سکتا ہے؟

۶۱ (۴۱) مشرکین عرب نے اپنے اوہام و خرافات کی بنا پر بہت سی چیزوں کا استعمال حرام ٹھہرا لیا تھا۔ چنانچہ سورۂ انعام میں آیت ۱۳۸ سے

۶۱ ۱۵۰ تک اس کا مفصل بیان گذر چکا ہے اور یہاں آیت ۵۹ میں بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے اس آیت سے اور اس کی ہم معنی آیات سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو گئی کہ:

۶۲ (۱) قرآن کے نزدیک ان تمام چیزوں میں جو کھانے پینے کی پیدا ہوتی ہیں، اصل اباحت ہے۔ نہ کہ حرمت یعنی جتنی چیزیں ہیں کھانے کے قابل ہیں سب حلال ہیں الا یہ کہ وحی الٰہی نے کسی چیز

اقْضُوْٓا اِلَیَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِۙ وَاُمِرْتُ ۷۱
اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓىِٕفَ وَ ۷۲
اَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا ۷۳
اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ

خلاف کرنا ہے کر گزرو اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو
(اور دیکھو آخر کار کیا نتیجہ نکلتا ہے؟) ۷۱
"پھر اگر (اس پر بھی تم باز نہ آئے، اور) مجھ سے
روگردانی کی، تو (یاد رکھو) اپنا ہی نقصان کرو گے) میں جو کچھ کر رہا ہوں اس کے لئے تم سے کسی مزدوری
کا طلبگار نہیں ہوا تھا میری مزدوری تو اللہ کے سوا
اور کسی کے پاس نہیں۔ مجھے (اسی کی طرف سے) حکم
دیا گیا ہے کہ اس کے فرمانبردار بندوں کے گروہ میں
شامل رہوں"۔ ۷۲

اس پر بھی لوگوں نے اسے جھٹلایا۔ پس ہم نے
اسے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں سوار
تھے (طوفان سے) بچا لیا، اور (غرق شدہ قوم کا) جا
نشین بنایا، اور جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائی
تھیں ان سب کو غرق کر دیا۔ تو دیکھو، ان لوگوں کا
حشر کیسا ہوا جو (انکار و سرکشی کے نتائج سے) خبردار
کر دئے گئے تھے؟ ۷۳

پھر نوح کے بعد ہم نے (کتنے ہی) رسولوں کو
ان کی قوموں میں پیدا کیا۔ وہ ان کے پاس روشن
دلیلیں لے کر آئے تھے، اس پر بھی ان کی قومیں تیار
نہ تھیں کہ جو بات پہلے جھٹلا چکی ہیں، اسے (دلیلیں دیکھ
کر) مان لیں۔ سو دیکھو، جو لوگ (سرکشی اور فساد میں)
حد سے گزر جاتے ہیں، ہم اسی طرح ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے

قوم کا معاملہ اس حقیقت کے لئے ایک شاہد حجت ہے، ان کا اعلان بھی یہی تھا
کہ تم میری مخالفت میں جو کچھ کر سکتے ہو کر گزرو۔ اگر میں صادق ہوں
تو تمہاری کوئی کوشش میرے خلاف کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ نتیجہ نے
فیصلہ کر دیا کہ کون صادق تھا، اور کون خدا کی سچائی جھٹلانے والا تھا۔

(۳۵۱) آیت ۷۱ جو اوپر گزر چکی ہے، انبیاء کرام کی صداقت
کی ایک بہت بڑی دلیل واضح کرتی ہے یعنی وہ کامل یقین جو اپنے
مرسل من اللہ اور صادق ہونے کا ان کے اندر موجود ہوتا ہے
حضرت نوح نے کہا، اگر تم پر میری دعوت و تذکیر گراں گزرتی ہے
اور مجھے اپنے بیان میں جھوٹا سمجھتے ہو، تو جو کچھ بھی تم میرے خلاف
کر سکتے ہو، زیادہ سے زیادہ کوشش، اور زیادہ سے زیادہ اہتمام
کے ساتھ کر گزرو۔ تم سب جمع ہو، باہمدگر مشورے کرو، بہتر سے بہتر
تدبیریں جو میرے مٹانے کے لئے سوچی جا سکتی ہیں سوچ لو،
معاملہ کا کوئی پہلو ایسا نہ رہ جائے جس کا پہلے سے بندوبست نہ
کر لیا ہو۔ پھر پورے عزم کے ساتھ اٹھ کھڑے ہو اور اپنے جا نیے
جھر ذرا بھی مہلت نہ دو۔ پھر یہ سب کچھ کر کے دیکھ لو۔ تم مجھے اور
میری دعوت کو مٹا سکتے ہو یا نہیں!
کیا ممکن ہے کہ محض بناوٹ اور افترا پردازی کی زندگی
سے ایسا یقین ابل سکے؟ کیا ممکن ہے کہ ایک فرد واحد پوری
قوم کو اس طرح مقابلہ کی دعوت دے اور اس کے دل میں ذرا بھی
کھٹک موجود ہو کہ اپنے بیان میں سچا نہیں؟
(۳۶) حضرت نوح کے ذکر کے بعد فرمایا، ان کے بعد بہت سے
رسول مختلف قوموں میں مبعوث ہوئے اور ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ پھر
حضرت موسیٰ کے تذکرہ میں تفصیل کی۔ کیونکہ اہل عرب ان کے نام سے
ناآشنا نہ تھے۔

حضرت نوح کے ذکر میں بھی اور حضرت موسیٰ کے حالات میں
بھی صرف انہی پہلوؤں پر زور دیا ہے جو سورت کی موعظت سے
تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی:

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ
بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ ۶۸ — ۶۹
مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ ع ۷۰
وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى
اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ

کرتا ہے یعنی کتبناہے یہ بات لکھ دی گئی ہے مثلاً کتب علیکم الصیام (۲: ۱۸۳) ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ (۹: ۳۶) کتب علیہ انہ من تولاہ فانہ یضلہ (۲۲: ۴) اسی طرح اس مطلب کے لئے کہ حکمت الٰہی نے کارخانۂ ہستی کی ہر چیز کے لئے ایک قانون بنا دیا ہے اور یہاں جو کچھ ظہور میں آتا ہے وہ سب کچھ ضبط میں آچکا ہے "کتابت" اور "کتاب" کی تعبیر جا بجا ملتی ہے چنانچہ یہاں بھی آیت (۶۱) میں فرمایا "آسمان و زمین میں ایک ذرہ بھی ایسا نہیں جو کتاب مبین کے انضباط سے باہر ہو یعنی علم الٰہی سے باہر ہو یا اللہ نے جو ۶۸
قوانین خلقت ٹھہرا دئیے ہیں ان کے احاطے سے باہر ہو۔

احکام و قوانین کا شاہی فرمانوں میں لکھ دینا اور شاہی ۶۹
دفاتر میں درج کر دینا، دنیا کی نہایت پرانی رسم ہے۔ اسی لئے تقریباً تمام زبانوں میں کسی بات کے لکھ دینے کا مطلب یہ ہو گیا ہے کہ بات پکی ہو گئی اور اب اس میں رد و بدل کی
گنجائش نہیں باہمی عہد و پیمان بھی لکھے جاتے تھے اور جب ۷۰
لکھ دئیے گئے تو سمجھا جاتا تھا اب ان کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی۔ عربی میں بھی یہ تعبیر قدیم سے موجود ہے اور معلوم ہوتا ہے قرآن نے بھی اسی معنی میں یہ تعبیر اختیار کی ہے۔

البتہ یہ ظاہر ہے کہ ہم جزم و یقین کے ساتھ اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ یہ معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے اور عالم غیب کے حقائق ہماری عقل کی دسترس سے باہر ہیں۔

(۳۳) آیت ۶۲ کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی۔

(۳۴) قرآن کا عام اسلوب خطاب ہے کہ پہلے وجدانی دلائل بیان کرتا ہے پھر واقعات و ایام کے شواہد سے استدلال کرتا ہے آیت ۶۹ میں تمام پچھلے مواعظ کا خلاصہ بیان کر دیا کہ مفتری علی اللہ فلاح نہیں پا سکتا۔ پھر آیت (۷۱) میں فرمایا انہیں حضرت نوح کی سرگزشت سناؤ یعنی حضرت نوح اور ان کی

یہ کہتے ہیں۔ اللہ نے اپنا ایک بیٹا بنا رکھا ہے اس کے لئے تقدیس ہو! وہ تو (اس طرح کی تمام احتیاجوں سے) بے نیاز ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کے لئے ہے تمہارے پاس ایسی بات کہنے کے لئے کونسی دلیل آگئی؟ کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہنے کی جرأت کرتے ہو جس کے لئے تمہارے پاس کوئی علم نہیں؟

(اے پیغمبر!) تم کہو جو لوگ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح پانے والے نہیں! ان کے لئے تو دنیا ہی کی متاع ہے پھر (آخر کار) ہماری طرف لوٹنا ہے تب ہم انہیں عذاب سخت کا مزہ چکھائیں گے کہ جیسی کچھ کفر کی باتیں کرتے رہے ہیں اس کا نتیجہ پا لیں!

اور (اے پیغمبر!) انہیں نوح کا حال سناؤ جبکہ ایسا ہوا تھا کہ اس نے اپنی قوم سے کہا تھا "اے میری قوم! اگر تم پر یہ بات شاق گزرتی ہے کہ میں تم میں (دعوت و ہدایت کے لئے) کھڑا ہوں اور اللہ کی نشانیوں کے ساتھ پند و نصیحت کرتا ہوں تو میرا بھروسہ صرف اللہ پر ہے تم میرے خلاف جو کچھ کرنا چاہتے ہو اسے ٹھان لو اور اپنے شریکوں کو بھی ساتھ لے لو پھر جو کچھ تمہارا منصوبہ ہو اسے اچھی طرح سمجھ بوجھ لو کہ کوئی پہلو نظر سے رہ نہ جائے پھر جو کچھ میرے

اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ ۸۲ ع ۸/۱۳
مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ۸۳
وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ ۸۴
تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۸۵ - ۸۶
وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا

ثبوت اور قیام ہے یعنی جو بات ثابت ہو، اٹل ہو، اَمٹ ہو، اُسے "حق" کہتے ہیں۔ اور "باطل" ٹھیک ٹھیک اس کا نقیض ہے۔ یعنی ایسی بات جو مٹ جانے والی اور باقی نہ رہنے والی ہو۔ پس قرآن نے سچائی کو حق سے اور انکار کو باطل سے تعبیر کرکے یہ بات واضح کردی ہے کہ سچائی کا خاصہ ثبوت و قیام ہے، اور انکار و سرکشی کے لئے نہ ٹک سکنا اور مٹ جانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جا بجا اس طرح کی تعبیرات ہمیں ملتی ہیں کہ خدا حق کو حق کردے گا اور باطل کو باطل یعنی ثابت و قائم رہ کر اپنی حقانیت آشکارا کردے گا، اور باطل نابود ہو کر اپنے بطلان کا ثبوت دیگا۔ مثلاً سورۂ انفال کی آیت ۸ میں گذر چکا ہے لیحق الحق و یبطل الباطل۔ اور یہاں بھی آیت ۸۲ میں ایسی ہی تعبیر اختیار کی ہے۔ یہ تعبیر قرآن کے دقائق براہین میں سے ہے۔ جس کی تشریح تفسیر سورۂ فاتحہ میں دیکھنی چاہیئے۔

(۳۹) آیت ۸۳ میں ان لوگوں کو جو ایمان لائے "ذریة من قومہ" سے تعبیر فرمایا ہے۔ "ذریة" کے اصلی معنی کم سن اولاد کے ہیں، لیکن نسل و اولاد کے معنوں میں مطلقاً بھی بولا جاتا ہے۔ یہاں چونکہ قوم کے ساتھ ذریة کا لفظ آیا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ لغوی ہی معنی میں ہی آیا ہو، یعنی قوم بنی اسرائیل کے کم سن افراد۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب کبھی مقاصد و عزائم کی راہ میں شدائد و محن کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو قوم کے بڑے بوڑھوں سے بہت کم امید کی جا سکتی ہے۔ زیادہ تر نئی نسل کے نوجوان ہی آگے بڑھتے ہیں کیونکہ بڑے بوڑھوں کی ساری زندگیاں ظلم و فساد کی آب و ہوا میں بسر ہو چکی ہیں، اور محکومی کی حالت میں رہتے رہتے عافیت کوشی کے عادی ہو جاتے ہیں البتہ نوجوانوں میں نیا دماغ ہوتا ہے نیا خون ہوتا ہے، نئی امنگیں ہوتی

اگرچہ ان لوگوں کو جو مجرم ہیں، ایسا ہونا پسند نہ آئے ۸۲
تو دیکھو، اس پر بھی ایسا ہوا کہ موسیٰ پر کوئی ایمان نہیں لایا مگر صرف ایک گروہ، جو اسکی قوم کے نوجوانوں کا گروہ تھا۔ وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتا ہوا کہ کہیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں، اور اس میں شک نہیں کہ فرعون ملک (مصر) میں بڑا ہی سرکش (بادشاہ) تھا، اور اس میں بھی شک نہیں کہ (ظلم و استبداد میں) بالکل چھوٹ تھا۔ ۸۳
اور موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا "لوگو! اگر تم فی الحقیقت اللہ پر ایمان لائے ہو اور اسکی فرمانبرداری کرنی چاہتے ہو، تو چاہیئے کہ صرف اسی پر بھروسہ کرو۔ (اور فرعون کی طاقت سے نہ ڈرو")۔ ۸۴
انہوں نے کہا "ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا (ہم دعا کرتے ہیں کہ) پروردگار! ہمیں اس ظالم گروہ کے لئے آزمائشوں کا موجب نہ بنائیو (کہ اس کے ظلم و ستم کے مقابلہ میں کمزوری دکھائیں) اور اپنی رحمت سے ۸۵
ایسا کیجیو کہ اس کافر گروہ کے پنجہ سے نجات پا جائیں" ۸۶
اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی (ہارون) پر وحی کی کہ اپنی قوم کے لئے مصر میں مکان بناؤ، اور اپنے

۷۴ الْمُعْتَدِينَ ○ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا
۷۵، ۷۶ وَكَانُوا قَوْمًا مُجْرِمِينَ ○ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَٰذَا لَسِحْرٌ مُبِينٌ ○ قَالَ مُوسَىٰ
۷۷ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ أَسِحْرٌ هَٰذَا وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُونَ ○ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا
۷۸ وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ ○ وَقَالَ
۷۹، ۸۰ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيمٍ ○ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ○
۸۱ فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ○ وَيُحِقُّ

۷۴ ہیں۔
پھر ہم نے ان رسولوں کے بعد موسیٰ اور ہارون
کو بھیجا۔ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف۔ وہ
ہماری نشانیاں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ مگر فرعون
اور اس کے درباریوں نے گھمنڈ کیا۔ ان کا گروہ
۷۵ مجرموں کا گروہ تھا۔
پھر جب ہماری جانب سے سچائی ان پر نمودار ہوگئی تو
۷۶ کہنے لگے "یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ جادو ہے صریح جادو"
موسیٰ نے کہا "تم سچائی کے حق میں جب وہ نمودار
۷۷ ہوگئی، ایسی بات کہتے ہو؟ کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر تو کبھی کامیابی نہیں پا سکتے"۔
انہوں نے (جواب میں) کہا "کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ جس راہ پر ہم نے اپنے باپ دادوں
کو چلتے دیکھا ہے اس سے ہمیں ہٹا دو، اور ملک میں تم دونوں بھائیوں کے لئے سرداری ہو جائے؟ ہم تو
۷۸ تمہیں ماننے والے نہیں"۔
۷۹ اور فرعون نے کہا "[illegible] مملکت میں جتنے ماہر جادوگر ہیں، سب کو میرے حضور حاضر کرو"
جب جادوگر آموجود ہوئے (اور مقابلہ کا میدان گرم ہوا) تو موسیٰ نے کہا "تمہیں جو کچھ میدان میں
۸۰ ڈالنا ہے ڈال دو"۔
جب انہوں نے (اپنی جادو کی رسیاں اور لاٹھیاں) ڈال دیں، تو موسیٰ نے کہا "تم جو کچھ بنا کر لائے ہو
یہ جادو ہے اور یقیناً اللہ اسے ملیا میٹ کر دے گا۔ اللہ کا یہ قانون ہے کہ وہ مفسدوں کا کام نہیں سنوارتا
۸۱ وہ حق کو اپنے احکام کے مطابق ضرور ثابت کر دکھائیگا۔

(ا) مفتری علی اللہ فلاح نہیں پا سکتا۔
(ب) نہ وہ جو صادق کا مقابلہ کرے۔ یعنی اللہ کے رسول کا
مقابلہ کرے۔
(ج) ہدایت ایسی چیز نہیں ہے کہ زبردستی کسی کو پلا دو۔
جو ماننے والے نہیں، وہ کبھی نہیں مانیں گے۔ خواہ کتنی ہی نشانیاں
دکھلاؤ۔ ایسا ہی ہمیشہ ہوا ہے، اور اب بھی ہوگا۔
(۳۷) حضرت موسیٰ نے کہا، تم حق کی نشانیوں کو جادو کہتے
ہو، حالانکہ جو جادوگر ہو، وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ
جادو انسان کی بناوٹ اور شعبدہ طرازی ہے، اور ایک انسان
اپنی بناوٹوں اور کرتبوں میں کتنا ہی ہشیار ہو لیکن حق
کے مقابلہ میں کبھی نہیں ٹک سکتا۔

(۳۸) الحق "حقق" سے ہے اور عربی میں "حقق" کا معنی خاصہ

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ ٩٢ ع
وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْــَٔـلِ ٩٣
الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ ٩٤
وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ٩٥

دی جائے گی تاکہ آنے والی قوموں کے لئے قدرت حق کی نشانی ہو اسی لئے قدیم مفسرین کو حل مطلب میں مشکلات پیش آئیں لیکن اگر دقت نظر سے کام لیا جائے تو مطلب بالکل واضح ہے

قدیم مصریوں میں حنوط کا طریقہ رائج تھا یعنی بادشاہوں اور امیروں کی نعشیں ایک خاص طرح کا مصالحہ لگا کر ایک عرصہ تک کے لیے محفوظ کر دیتے تھے۔ چنانچہ اٹھارویں صدی کے اوائل سے لے کر اس وقت تک بے شمار نعشیں مصر میں نکل چکی ہیں۔ اور دنیا کا کوئی عجائب خانہ نہیں جس کے حصے میں دو چار نعشیں نہ آئی ہوں۔ اس طرح کی نعشوں کے لئے "ممی" کا لفظ یونانیوں نے استعمال کیا تھا جو غالباً خود مصریوں ہی کی اصطلاح تھی۔

آیت کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرمایا۔ تو اب موت سے تو نہیں بچ سکتا، لیکن تیرا جسم سمندر کی موجوں سے بچا لیا جائیگا تاکہ وہ حسب معمول ممی کر کے رکھا جائے اور آنے والی نسلوں کے لیے عبرت و تذکیر کا موجب ہو۔

اگر مصریات (اجپٹالوجی) کے بعض علماء کی یہ تحقیق درست ہے کہ یہ فرعون رمیسیس ثانی تھا، تو اس کی لاش آج تک زائل نہیں ہوئی ہے کیونکہ اس کی ممی نکل آئی ہے، اور قاہرہ کے عجائب خانہ میں صحیح و سالم موجود ہے۔

اس سلسلہ میں متعدد امور بحث طلب ہیں جن کے لئے البیان کا انتظار کرنا چاہیے

(١) قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ مومنوں سے خطاب مقصود ہوتا ہے لیکن مخاطب پیغمبر اسلام کو کرتا ہے مثلاً یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء (١:٦٥) [illegible] (٩٤) میں اگرچہ خطاب [illegible] سے ہے مگر مقصود [illegible] ایمان لاؤ [illegible]

بعد آنے والے ہیں (قدرت حق کی) ایک نشانی ہو اور اکثر انسان ایسے ہیں جو ہماری نشانیوں کی طرف سے یک قلم غافل رہتے ہیں! ٩٢

اور ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے وعدہ کے مطابق (فلسطین میں) بسنے کا بہت اچھا ٹھکانا دیا تھا اور پاکیزہ چیزوں سے ان کی روزی کا سامان کر دیا تھا پھر جب کبھی انہوں نے (دین حق کے بارے میں) اختلاف کیا تو علم کی روشنی فوراً ان پر نمودار ہو گئی (یعنی ان میں یکے بعد دیگرے نبی مبعوث ہوتے رہے لیکن پھر بھی وہ حقیقت پر متفق نہ ہوئے) قیامت کے دن تمہارا پروردگار ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں باہم اختلاف کرتے رہے ہیں! (یعنی انہیں معلوم ہو جائیگا کہ حقیقت حال کیا تھی)

اور اگر تمہیں اس بات میں کسی طرح کا شک ہو جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لو جو تمہارے زمانے سے پہلے کی کتابیں پڑھتے رہتے ہیں (یعنی اہل کتاب) کہ یقیناً یہ سچائی ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر اتری ہے تو ہرگز ایسا نہ کرنا کہ شک ٩٤
کرنے والوں میں سے ہو جاؤ اور نہ ان لوگوں میں سے جنہوں نے اللہ کی نشانیاں جھٹلائیں اور نتیجہ یہ نکلا کہ نامراد ہوئے ٩٥

۸۷ بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ
مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓي اَمْوَالِهِمْ
۸۸ وَاشْدُدْ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا
۸۹ فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰۗنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ
فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ
۹۰ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ اٰۗلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ
۹۱ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ

ہیں انہیں شاید دشمن کا خوف مرعوب نہیں کر دیتا۔ وہی پہلے قدم اٹھاتے ہیں پھر تمام قوم ان کے پیچھے چلنے لگتی ہے۔

مصر میں حضرت موسیٰ کو ایسی ہی صورت پیش آئی فرعون کے قہر و استبداد نے بنی اسرائیل کے بڑے بوڑھوں کی ہمتیں سلب کر دی تھیں۔ وہ شکر گزار ہونے کی جگہ الٹی شکایتیں کرتے۔ لیکن نوجوانوں کا یہ حال نہ تھا۔ ان میں ایک گروہ نکل آیا جس نے حضرت موسیٰ کے احکام کی تعمیل کی۔

مکانوں کو قبلہ رخ تعمیر کرو۔ نیز (ان میں) نماز قائم کرو، اور جو ایمان لاتے ہیں انہیں (کامیابی) کی بشارت دو۔

اور موسیٰ نے دعا مانگی "خدایا! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو اس دنیا کی زندگی میں زیب و
زینت کی چیزیں اور مال و دولت کی شوکتیں بخشی ہیں، تو خدایا! کیا یہ اس لئے ہے کہ تیری راہ سے یہ لوگوں
کو بھٹکائیں! خدایا ان کی دولت زایل کر دے، اور ان کے دلوں پر مہر لگا دے کہ اس وقت تک یقین
۸۸ نہ کریں۔ جب تک عذاب دردناک اپنے سامنے نہ دیکھ لیں!"۔
اللہ نے فرمایا "میں نے تم دونوں کی دعا قبول کی۔ تو اب تم (اپنی راہ میں) جم کر کھڑے ہو جاؤ، اور
۸۹ ان لوگوں کی پیروی نہ کرو جو (میرا طریق کار) نہیں جانتے" (اور اس لئے صبر نہیں کر سکتے)
اور پھر ایسا ہوا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا۔ یہ دیکھ کر فرعون اور اس کے لشکر نے
پیچھا کیا، مقصود یہ تھا کہ ظلم و شرارت کریں۔ لیکن جب حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ فرعون سمندر میں غرق ہونے
لگا، تو اس وقت پکار اٹھا "میں یقین کرتا ہوں کہ اس ہستی کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل
۹۰ ایمان رکھتے ہیں، اور میں بھی اسی کے فرمانبرداروں میں ہوں!"
(ہم نے کہا) "ہاں، اب تو ایمان لایا، حالانکہ پہلے برابر نافرمانی کرتا رہا، اور تو دنیا کے مفسد انسانوں
۹۱ میں سے ایک (بڑا ہی) مفسد تھا!"

(۴۰) آیت ۹۲ کا مضمون بظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے یعنی مشیت الٰہی کا یہ فیصلہ کہ فرعون کے جسم کو غرق ہونے سے نجات

پس آج ہم ایسا کریں گے کہ تیرے جسم کو (سمندر کی موجوں سے) بچا لیں گے، تاکہ ان لوگوں کے لئے جو تیرے

100 بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَي الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
101 وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا
102 مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ

نہ نکلی جس نے داعی حق کی بات فوراً مان لی ہو اور عذاب اس پر سے ٹل گیا ہو۔ پھر اگر اکثر حالتوں میں ایسا ہی ہوا ہے، تو موجودہ حالت پر تعجب و مایوسی کیوں ہو؟

(۴۳) قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ انسانی طبیعت و استعداد کا اختلاف فطری ہے اور خدا کی مشیت یہی ہوئی کہ یہ اختلاف ظہور میں آئے۔ اگر وہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی طرح کی طبیعت ایک ہی طرح کی استعداد ایک ہی طرح کی فکری و عملی حالت پر مجبور کر دیتا۔ مگر اس نے ایسا نہیں چاہا۔ اس کی حکمت کا یہی فیصلہ ہوا کہ انسان میں ہر طرح کی حالت پیدا کرنے کی استعداد ہو اور ہر طرح کی راہ اس کے آگے کھول دی جائے۔ وہ اگر اونچا ہونا چاہے تو زیادہ سے زیادہ اونچا ہو سکے۔ پست ہونا چاہے تو زیادہ سے زیادہ پستی میں گر سکے۔ اسی تنوع استعداد کا نتیجہ ہے کہ فکر و عمل کے ہر گوشے میں مختلف حالتیں پیدا ہو گئیں۔ ایک گروہ جماعت کا ذوق ایک طرح کا ہوا، دوسرے کا دوسری طرح کا۔ ایک کی سمجھ ایک طرف گئی، دوسرے کی دوسری طرف۔ ایک نے ایک راہ پسند کی کہ حق ہے۔ دوسرے نے اسی سے انکار کیا کہ حق نہیں! اور پھر اسی اختلاف فکر و عمل نے ہدایت و سعادت اور ضلالت و شقاوت کی کشمکش پیدا کر دی جسے قرآن آزمائش حیات سے تعبیر کرتا ہے کہ "لیبلوکم ایکم احسن عملاً" (۲:۶۷) وہ تمہیں کشمکش حیات کی آزمائش میں ڈالتا ہے تاکہ کھل جائے تم میں کون ہے جس کے اعمال سب سے زیادہ بہتر ہوتے ہیں کیونکہ اس کشمکش میں کامیاب وہی ہوگا جو اپنے عمل میں احسن و انفع ہوگا۔

یہاں آیت (۹۹) میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے اور غور کرو کتنے مختصر لفظوں میں کتنی عظیم الشان بات کہہ دی؟ فرمایا: فکر و استعداد کا اختلاف یہاں ناگزیر ہے اور ایمان کوئی ایسی چیز نہیں کہ زور زبردستی سے کسی کے اندر ٹھونس دی جائے۔ یہ تو اسی کے اندر پیدا ہوگا، جس میں فہم و قبول کی استعداد ہے۔ پھر اگر تم پر یہ بات شاق گزر رہی ہے کہ کیوں لوگ مان نہیں لیتے، تو کیا تم لوگوں پر جبر کرو گے کہ نہیں، تمہیں ضرور

کہ کسی بات پر یقین لے آئے، مگر یہ کہ اللہ کے حکم سے
(یعنی اللہ نے اس بارے میں جو قانون طبیعت بنا دیا
ہے اس کے اندر رہ کر۔ اس سے باہر کوئی نہیں جا سکتا) اور
اس کا قانون ہے کہ) وہ ان لوگوں کو (محرومی و شقاوت
100 کی) گندگی میں چھوڑ دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے!
(اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہو "جو کچھ آسمان
میں (تمہارے اوپر) ہے اور جو کچھ زمین میں (تمہارے
چاروں طرف) ہے اس سب پر نظر ڈالو (اور دیکھو
وہ زبان حال سے کس حقیقت کی شہادت دے
رہے ہیں؟)، لیکن جو لوگ یقین نہیں رکھتے ان کے
لئے نہ تو (قدرت کی) نشانیاں ہی کچھ سود مند ہیں،
101 نہ ہوشیار کرنے والوں کی تنبیہیں!
پھر اگر یہ لوگ منتظر ہیں تو ان کا انتظار اس
بات کے سوا اور کس بات کے لئے ہو سکتا ہے کہ
جیسے کچھ (عذاب کے) دن ان سے پہلے لوگوں پر گزر
چکے ہیں، ویسے ہی ان پر بھی آموجود ہوں۔ تو
تم کہہ دو "اچھا انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ
102 انتظار کرنے والوں میں ہوں"!
(جب عذاب کی گھڑی آجاتی ہے تو ہمارا
قانون ہے کہ) اپنے رسولوں کو اور مومنوں کو اس سے
بچا لیتے ہیں۔ اسی طرح ہم نے اپنے اوپر ضروری ٹھہرا

۹۶ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ
۹۷ الْأَلِيمَ ۝ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ
۹۸ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ۝ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ
۹۸ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا

(اے پیغمبر!) جن لوگوں پر اللہ کا فرمان صادق آگیا ہے (یعنی اس کا یہ قانون کہ جو آنکھیں بند کرلیگا،
۹۶ اسے کچھ نظر نہیں آئے گا) وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اگر (دنیا جہان کی) ساری نشانیاں بھی ان کے سامنے
۹۷ آجائیں، جب بھی نہ مانیں، یہانتک کہ عذاب دردناک اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں!

پھر کیوں ایسا ہوا کہ قوم یونس کی بستی کے سوا اور کوئی بستی نہ نکلی کہ (نزول عذاب سے پہلے) یقین کربیتی اور ایمان کی برکتوں سے فائدہ اٹھاتی؟ یونس کی قوم جب ایمان لے آئی، تو ہم نے رسوائی کا وہ عذاب اس پر سے ٹال دیا جو دنیا کی زندگی میں پیش آنے والا تھا، اور ایک خاص مدت تک سر و سامان زندگی سے بہرہ مند ہونے کی مہلت دے دی۔

اور (اے پیغمبر!) اگر تیرا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے (اور دنیا میں اعتقاد و عمل کا اختلاف باقی ہی نہ رہتا لیکن تو دیکھ رہا ہے کہ اللہ نے ایسا نہیں چاہا، اس کی مشیت یہی ہوئی کہ طرح طرح کی طبیعتیں اور طرح طرح کی استعدادیں ظہور میں آئیں پھر اگر لوگ نہیں مانتے تو) کیا تو ان پر جبر کرے گا کہ جب تک ایمان نہ لائیں چھوڑنے والا نہیں؟

اور (یاد رکھو) کسی جان کے اختیار میں نہیں ہے

(۴۲) آیت (۹۸) میں حضرت یونس کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے
ان کا عبرانی نام "یوناہ" تھا جو عربی میں "یونس" ہوگیا۔ یہ بنی
اسرائیل کے نبیوں میں سے ہیں، اور عہد عتیق کے نوشتوں
میں ایک نوشتہ ان کے نام سے بھی ہے۔ اس نوشتہ سے
معلوم ہوتا ہے انہوں نے باشندگان نینوا کو خبر دی تھی کہ چالیس
دن کے بعد شہر تباہ ہو جائے گا، کیونکہ تمہارا ظلم و فساد حد سے
گزر گیا ہے۔ یہ سن کر انہوں نے سرکشی نہیں کی، بلکہ بادشاہ سے
۹۸ لے کر گدڑیے تک سب توبہ و استغفار میں لگ گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ
چالیس دن کی مدت گزر گئی مگر موعودہ تباہی ظہور میں نہ آئی۔
فرمایا۔ موعودہ عذاب ان پر سے اس لئے ٹل گیا کہ بات
مان لی اور سرکشی نہیں کی۔ اس کے بعد فرمایا۔ ایک خاص
مدت تک کے لئے انہیں مہلت دیدی گئی۔ چنانچہ حضرت
یوناہ کے بعد تقریباً سنہ ۶۹۰ قبل مسیح میں ان کا ظلم و فساد
پھر حد سے گزر گیا، اور ایک اور اسرائیلی نبی ناحوم نامی نے
انہیں پیش آنے والی تباہی کی خبر دی۔ اس انذار کے ستر
برس بعد اہل بابل نے ان پر حملہ کیا ساتھ ہی دریائے دجلہ میں اس
زور کا سیلاب آیا کہ نینوا کی شہر عالم چار دیواری جا بجا سے
گر گئی اور حملہ آوروں کے لئے کوئی روک باقی نہ رہی۔
چنانچہ آشوری تمدن کا یہ مرکز اس طرح نابود ہوا کہ سنہ ۲۰۰
۹۹ قبل مسیح میں اس کا جائے وقوع بھی لوگوں کو معلوم نہ تھا۔
جیسا کہ اس عہد کے ایک یونانی مورخ نے تصریح کی ہے۔
آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اہل مکہ انکار و سرکشی کر رہے
ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تمہیں غور کرنا چاہئے کہ کتنے ہی رسول عرب کے قرب و جوار میں آئے لیکن قوم یونس کے سوا کوئی قوم

۱۰۸ فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ ۝
۱۰۹ ع وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ۝

آگئی ہے۔ پس جو ہدایت کی راہ اختیار کرے گا، تو اپنے ہی بھلے کے لئے کرے گا، اور جو بھٹکے گا، تو اس کی گمراہی اسی کے آگے آئے گی۔ میں تم پر نگہبان نہیں ہوں کہ زبردستی کسی راہ میں کھینچ لے جاؤں اور پھر اس سے نکلنے نہ دوں"۔

۱۰۸ (اے پیغمبر!) جو کچھ تم پر وحی کی جاتی ہے اُس پر چلتے رہو اور اپنی راہ میں جمے رہو۔ یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کردے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے!

نقل کئے ہیں، انمیں ہیں ہر جگہ ایسی ہی بات پائی جاتی ہے یعنی مذہبی صداقت کی دعوت کا معاملہ سرتا سر سمجھنے بوجھنے اور سمجھ بوجھ کر اختیار کرلینے کا معاملہ ہے۔ اس میں نہ تو کسی طرح کی زبردستی ہے نہ کسی طرح کا لڑائی جھگڑا۔ تمہاری بھلائی کے لئے ایک بات کہی گئی ہے۔ اگر سمجھ میں آجائے تو مان لو نہ آئے تو نہ مانو۔ تمہاری راہ تمہارے لئے، ہماری راہ ہمارے لئے۔ اگر مان لوگے تو اپنا ہی بھلا کروگے۔ نہ مانوگے تو اپنا ہی نقصان کروگے۔ ہر شخص اپنے نفس کا مختار ہے، چاہے بھلائی کی راہ چلے اور بھلائی کمائے، چاہے بُرائی کی چال چلے اور بُرائی کمائے۔ اگر کوئی بھلائی کی راہ چلے گا تو کسی دوسرے کو کچھ نہیں دیدیگا، کہ وہ اس کے پیچھے پڑ جائے۔ اگر برائی کی چال چلے گا۔ تو کسی دوسرے کا نقصان نہیں کرے گا کہ وہ اس سے بگڑنے لگے۔ اپنی اپنی راہ ہے اور اپنی اپنی کمائی: ومن عمل صالحًا فلنفسه، ومن اساء فعلیها، وما ربك بظلام للعبید (۴۱: ۴۶)

تذکیر و توکیل

ساتھ ہی واضح کردیا کہ داعیِ حق کی حیثیت کیا ہے: وما انا علیکم بوکیل۔ میں داعی اور مذکر ہوں کچھ تم پر وکیل نہیں بنا دیا گیا ہوں یعنی میرا کام یہ ہے کہ نصیحت کی بات سمجھا دوں۔ یہ نہیں ہے کہ نگہبان بن کر تم پر مسلط ہو جاؤں اور سمجھوں، مجھے تمہاری ہدایت کی ٹھیکہ داری مل گئی ہے۔ دوسری جگہ پیغمبر اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے یہی مطلب یوں ادا کیا ہے کہ وما انت علیهم بجبار (۵۰: ۴۵)، تو ان لوگوں پر ایک حاکم جابر کی طرح مسلط نہیں ہے کہ جبرا و قہرا بات منوالے۔ نیز فرمایا: لست علیهم بمصیطر (۸۸: ۲۲) تجھے ان لوگوں پر داروغہ بناکر نہیں بٹھا دیا ہے کہ مانیں یا نہ مانیں لیکن تو انہیں راہ حق پر چلا دینے کا ذمہ دار ہو۔

نیز جا بجا مختلف پیرایوں میں یہ حقیقت واضح کردی ہے کہ پیغمبر کا مقام اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ سچائی کی پکار بلند کرنے والا، پیام حق پہنچا دینے والا ہے، نصیحت کی بات سمجھا دینے والا ہے، ایمان و عمل کے نتائج کی خوش خبری دینا اور انکار و بدعملی کے نتائج سے خبردار کردینا ہے۔ اس سے زیادہ اس کے سر کوئی ذمہ داری نہیں۔

غور کرو۔ اس سے زیادہ صاف، بے لاگ امن و سلامتی کی کوئی راہ ہوسکتی ہے؟ اگر دنیا نے دعوت حق کی یہ رُوح سمجھ لی ہوتی تو کیا ممکن تھا کہ کوئی انسان دوسرے انسان سے محض اختلاف اعتقاد و عمل کی بنا پر لڑتا؟ لیکن مصیبت یہ ہے کہ انسان کے ظلم و سرکشی نے کبھی اس حقیقت کا اعتراف نہیں کیا۔ اور یہی بات ساری نزاعوں کی بنیاد بن گئی۔ قرآن نے پچھلی قوموں کی جس قدر سرگزشتیں بیان کی ہیں انہیں جا بجا پڑھو۔ ہر جگہ دیکھوگے کہ بنائے نزاع یہی تھی۔ خدا کے رسولوں کا ہمیشہ اعلان یہی ہوا کہ ہم نصیحت کرنے والے ہیں، ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے اگر نہیں مانتے، تو تم اپنی راہ چلو۔ ہمیں اپنی راہ چلنے دو، اور دیکھو نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ لیکن ان کے منکر کہتے تھے کہ نہیں، نہ تو ہم تمہاری بات مانیں گے۔ نہ تمہیں تمہاری راہ چلنے دینگے۔ سورہ اعراف کی آیت (۸۸) میں حضرت شعیب کی سرگذشت گزر چکی ہے۔ جب ان کی قوم کے سرکشوں نے کہا "اگر تم اور تمہارے ساتھی ہماری ملت میں پھر لوٹ نہ آئے، تو ہم ضرور تمہیں اپنی بستی سے جلا وطن کردینگے" تو انہوں نے جواب میں کہا "اولو کنا کارھین؟" اگر تمہارے مذہب پر ہمارا دل مطمئن نہ ہو تو کیا جبرًا اسے مان لیں؟

ع ۱۱ ۱۵ ۱۰۳ حَقًّا عَلَيْنَا نُنجِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي شَكٍّ مِّن دِينِي فَلَا أَعْبُدُ
۱۰۴ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ
۱۰۵ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ وَلَا تَدْعُ مِن
۱۰۶ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۖ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظَّالِمِينَ ۝ وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ
بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ۚ يُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ
۱۰۷ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ

مان ہی لینا چاہئے ؛
اس آیت سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ قرآن کے نزدیک دین و ایمان کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں جبر و اکراہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جبر و اکراہ کی صورت کا ذکر ایک ان ہونی اور ناکردنی بات کی طرح کیا گیا ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت (۲۵۶) اس بارے میں قرآن کا مقررہ قانون ہے کہ لا اکراہ فی الدین۔

(۲۴۸) آیت (۱۰۴) کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے میری دعوتِ دین کی حقیقت ٹھیک ٹھیک نہیں سمجھی ہے اور اس وہم میں مبتلا ہو کہ شاید تمہارے مطلب کی باتیں بھی تھوڑی بہت مان لوں تو یہ وہم اپنے دماغ سے نکال دو۔ میرا اعلان صاف یہ ہے کہ میں تمہارے گھڑے ہوئے معبودوں کو نہیں، تمام صرف پروردگار عالم کی عبادت کرتا، اور اسی کی طرف سے دعوت دینے پر مامور ہوں۔ اب اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد جو کچھ تمہارے جی میں آئے کرو۔ میری راہ میرے لئے ہے تمہاری تمہارے لئے اور فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے۔

لیا ہے کہ مومنوں کو بچا لیا کریں۔
(اے پیغمبر!) تم کہہ دو: "اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی طرح کے شبہ میں ہو تو میں بتلا دیتا ہوں کہ میرا طریقہ کیا ہے۔ تم اللہ کے سوا جن ہستیوں کی بندگی کرتے ہو، میں ان کی بندگی نہیں کرتا۔ میں تو اللہ کی بندگی کرتا ہوں جس کے قبضہ میں تمہاری زندگی ہے اور جس کے حکم سے تم پر موت طاری ہوتی ہے اور مجھے اسی کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ مومنوں
۱۰۴ کے زمرے میں رہوں"۔
اور نیز مجھے کہا گیا ہے کہ ہر طرف سے ہٹ کر اپنا رخ اللہ کے دین کی طرف کر لے اور ایسا ہرگز نہ
۱۰۵ سمجھو کہ شرک کرنے والوں میں سے ہو جائے!
اور (مجھے حکم دیا ہے کہ) اللہ کے سوا کسی کو نہ پکار اس کے سوا جو کوئی ہے' وہ نہ تو فائدہ پہنچا سکتا
۱۰۶ ہے نہ نقصان۔ اگر تو نے ایسا کیا، تو پھر یقیناً تو بھی ظلم کرنے والوں میں گنا جائے گا!"
"اور اگر اللہ کے حکم سے تجھے کوئی دکھ پہنچے، تو جان لے کہ اسے دور کرنے والا کوئی نہیں مگر اسی کی ذات اگر وہ تجھے کسی طرح کی خوبی بخشنی چاہے، تو جان لے کہ کوئی نہیں جو اس کا فضل روک سکے
۱۰۷ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا فضل کرے۔ وہ بخشنے والا، رحمت والا ہے!"

(۲۵۱) قرآن حکیم میں تم جابجا اس طرح کا اعلان پاؤ گے جیسا کہ آیت (۱۰۸) میں ہے۔ اس نے بھٹلے نبیوں کی جو تعلیم

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہہ دو کہ "اے لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے سچائی تمہارے پاس

لیکن اسے معلوم نہیں کہ اس کے اعلان کی تاریخ امریکہ اور فرانس کے اعلانِ حقوقِ انسانی سے شروع نہیں ہوئی ہے اس سے بارہ سو برس پہلے شروع ہو چکی تھی!

افسوس ہے کہ خود مسلمانوں نے بھی قرآن کی یہ تعلیم پس پشت ڈال دی۔ اگر انہوں نے یہ بات نہ بھلائی ہوتی، تو ممکن نہ تھا کہ مختلف مذہبی فرقہ بندیاں پیدا ہوتیں، اور ہر فرقہ دوسرے فرقہ سے محض اختلافِ عقائد کی بنا پر دست و گریباں ہو جاتا۔

(۴۶) اس سورت کے بعض مقامات کی ضروری تشریحات رہ گئی ہیں۔ وہ یہاں درج کر دی جاتی ہیں:

(ا) آیت (۳) میں فرمایا، تمہارا پروردگار وہی ہے جس نے آسمان و زمین چھ "ایام" میں بنائے۔ یہی بات سورۂ اعراف کی آیت (۵۴) میں گذر چکی ہے اور اس کے نوٹ میں چھ "ایام" کا مطلب واضح کر دیا گیا ہے۔ یہاں ہم چاہتے ہیں وہ تمام اشارات جمع کر دیں، جو آسمان و زمین کی ابتدائی پیدائش کے بارے میں جابجا کئے گئے ہیں:

کائنات کا چھ ایام میں پیدا ہونا

(۱) آسمان و زمین کی پیدائش ایک ایسے مادہ سے ہوئی جسے قرآن "دخان" کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے: ثم استوی الی السماء وھی دخان (۴۱:۱۱)" دخان" کے معنی دھوئیں کے ہیں یا ایسی بھاپ کے جو اوپر چڑھی ہوئی ہو۔

(۲) یہ مادۂ دخانیہ ابتدا میں ملا ہوا تھا۔ الگ الگ نہ تھا۔ پھر اس کے مختلف حصے ایک دوسرے سے جدا کر دیئے گئے، اور ان سے اجرامِ سماویہ کی پیدائش ظہور میں آئی: ان السماوات والارض کانتا رتقا ففتقناھما (۲۱:۳۰)

(۳) یہ تمام کائنات بیک دفعہ ظہور میں نہیں آگئی۔ بلکہ تخلیق کے مختلف ... یکے بعد دیگرے طاری ہوئے یہ دورچھ تھے جیسا کہ آیت زیرِ بحث میں ہے۔

(۴) سات ستاروں کی تکمیل دو دوروں میں ہوئی: فقضاھن سبع سماوات فی یومین (۴۱:۱۲)

(۵) زمین کی پیدائش دو دوروں میں ہوئی: قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین وتجعلون لہ اندادا، ذٰلک رب العلمین (۴۱:۹)

(۶) زمین کی سطح کی درستگی اور پہاڑوں کی نمود، اور قوت نشو و نما کی تکمیل ... دو دوروں میں ہوئی، اور اس طرح یہ چار دور ہوئے: وجعل فیھا رواسی من فوقھا وبارک فیھا وقدر فیھا اقواتھا فی اربعۃ ایام سواء للسائلین (۴۱:۱۰)

(۷) تمام اجسامِ حیہ (یعنی نباتات و حیوانات) کی پیدائش پانی سے ہوئی: وجعلنا من الماء کل شیء حی (۲۱:۳۰)

(۸) انسان کے وجود پر بھی یکے بعد دیگرے مختلف حالتیں گزری ہیں: وقد خلقکم اطوارا (۷۱:۱۴)

ان تمام اشارات کا ماحصل بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں مادۂ دخانی تھا۔ پھر اس میں انقسام ہوا۔ یعنی بہت سے ٹکڑے ہو گئے۔ پھر ہر ٹکڑے نے ایک کرہ کی شکل اختیار کر لی، اور اسی کے ایک ٹکڑے سے زمین بنی۔ کوئی ایسی تبدیلی واقع ہوئی کہ دخانیت نے مائیت کی شکل اختیار کر لی یعنی پانی پیدا ہو گیا۔ پھر خشکی کے قطعات درست ہوئے پھر پہاڑوں کے سلسلے نمایاں ہوئے۔ پھر زندگی کا نمو شروع ہوا اور نباتات ظہور میں آگئیں۔

موجودہ زمانہ میں اجرامِ سماویہ کی ابتدائی تخلیق اور کرۂ ارضی کی ابتدائی نشو و نما کے جو نظریے تسلیم کر لئے گئے ہیں یہ اشارات بظاہر ان کی تائید کرتے ہیں، اور اگر ہم چاہیں تو ان بنیادوں پر شرح و تفصیل کی بڑی بڑی عمارتیں اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا صحیح نہ ہو گا۔ یہ نظریے کتنے ہی مستند تسلیم کر لئے گئے ہوں، لیکن پھر نظریے ہیں اور نظریات جزم و یقین کے ساتھ حقیقت کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ پھر اس سے کیا فائدہ کہ ان کی روشنی میں قرآن کے

اسلام اور اس کے منکروں میں جو نزاع شروع ہوئی وہ بھی تمام تر یہی تھی۔ قرآن کہتا تھا۔ میری راہ تبلیغ و تذکیر کی ہے۔ مخالف کہتے تھے۔ ہماری راہ جبر و تشدد کی ہے۔ قرآن کہتا تھا۔ اگر میری بات سمجھ میں آئے تو مان لو۔ نہ سمجھ میں آئے تو ماننے والوں کو ان کی راہ چلنے دو۔ وہ کہتے تھے۔ ہماری بات تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے تمہیں ماننی ہی چاہئے۔ نہیں مانو گے تو جبراً منوائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے اس آیت میں اور اس کی ہم معنی آیات میں جو بات کہہ دی ہے اگر دنیا اسے سمجھ لیتی تو نوع انسانی کی وہ تمام خون ریزیاں جو فکر و عمل کے اختلافات سے پیدا ہوئیں ایک قلم ختم ہو جاتیں، اور آج کل بھی جس قدر جھگڑے ہو رہے ہیں، وہ سب ختم ہو جائیں۔ غور کرو سارے جھگڑوں کی اصلی بنا کیا ہے؟ یہی ہے کہ لوگ "تذکیر" اور "توکیل" میں فرق نہیں کرتے، اور قرآن کہتا ہے، دونوں میں فرق کرو۔ تذکیر کی راہ یہ ہوئی کہ جو بات ٹھیک سمجھتے ہو، اس کی دوسروں کو بھی ترغیب دو، مگر صرف ترغیب دو۔ اس سے آگے نہ بڑھو۔ یعنی یہ بات نہ بھول جاؤ کہ پسند کرنے نہ کرنے کا حق دوسروں کو ہے۔ تم اس کے لئے ذمہ دار نہیں ہو۔ "توکیل" یہ ہوئی کہ ڈنڈا لے کر کھڑے ہو جاؤ اور جو کوئی تم سے متفق نہ ہو اس کے پیچھے پڑ جاؤ۔ گویا خدا نے تمہیں لوگوں کی ہدایت و گمراہی کا ٹھیکہ دار بنا دیا ہے۔ جب قرآن صاف صاف کہتا ہے کہ خدا کے رسولوں کا منصب بھی تذکیر و تبلیغ کے اندر محدود تھا، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے مامور تھے، تو پھر ظاہر ہے کسی دوسرے انسان کے لئے وہ کب گوارا کر سکتا ہے کہ وکیل، مصیطر اور جبار بن جائے؟

دراصل اعمال انسانی کے تمام گوشوں میں اصلی سوال حدود ہی کا ہے، اور ہر جگہ انسان نے اسی میں ٹھوکر کھائی ہے یعنی ہر بات کی جو حد ہے اس کے اندر نہیں رہنا چاہتا۔ دو حق ہیں۔ اور دونوں کو اپنی اپنی حدوں کے اندر رہنا چاہئے۔ ایک حق تذکیر و تبلیغ کا ہے۔ ایک پسند و قبولیت کا۔ ہر انسان کو اس کا حق ہے کہ جس بات کو درست سمجھتا ہے اسے دوسروں کو بھی سمجھائے لیکن اس کا حق نہیں ہے کہ دوسروں کے حق سے انکار کر دے یعنی یہ بات بھلا دے کہ جس طرح اسے ایک بات کے ماننے نہ ماننے کا حق ہے۔ ویسا ہی دوسرے کو بھی ماننے نہ ماننے کا حق ہے، اور ایک فرد دوسرے کے لئے ذمہ دار نہیں۔

ہم نے یہاں جس بات کو "حق" سے تعبیر کیا ہے قرآن اُسے ہر انسان کا "فرض" قرار دیتا ہے یعنی وہ کہتا ہے جس بات کو تم سچ سمجھتے ہو، تمہارا فرض ہے کہ اُسے دوسروں تک بھی پہنچاؤ۔ اگر اس میں کوتاہی کرو گے تو خدا کے آگے جواب دہ ہو گے۔ لیکن ساتھ ہی یاد رکھو کہ فرض تذکیر و تبلیغ کا ہے۔ توکیل و اجبار کا نہیں ہے اور جوابدہی اس میں ہے کہ تم نے تبلیغ کی یا نہیں کی۔ اس میں نہیں ہے کہ دوسروں نے مانا یا نہیں مانا۔ سورۂ اعراف کی آیت (۱۶۴) میں پڑھ چکے ہو کہ جو لوگ اصحاب سبت کو نصیحت کرتے تھے، انہوں نے کہا تھا "معذرۃً الی ربکم و لعلهم یتقون" ہم جانتے ہیں کہ ان لوگوں کی سرکشی حد سے گزر چکی ہے لیکن یہ جانتے پر بھی نصیحت کئے جاتے ہیں تاکہ خدا کے سامنے کہہ سکیں ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا، اور اس خیال سے بھی کہ کون جانتا ہے؟ شاید باز آجائیں۔

غور کرو، قرآن نے کس درجہ صحت و اعتدال کے ساتھ معاملہ کے دونوں پہلوؤں کی حفاظت کی ہے اور پھر ان کی حد بندیوں کا خط کھینچ دیا ہے؟ اس نے ایک طرف تذکیر و دعوت پر زور دیا، تاکہ حق کی طلب و قیام کی روح افسردہ نہ ہو۔ دوسری طرف انسان کی شخصی آزادی بھی محفوظ کر دی کہ جبر و تشدد بے جا مداخلت نہ کر سکے۔ حد بندی کا یہی خط ہے جو یہاں صحت و اعتدال کی حالت قائم رکھتا ہے۔ اسے اپنی جگہ سے ادھر ادھر کر دو، دونوں میں سے کوئی بات ضرور غلط ہو جائے گی اگر دعوت و تذکیر کا قدم آگے بڑھے گا، اعتقاد و فکر کی شخصی آزادی باقی نہیں رہے گی۔ اگر شخصی آزادی کے مطالبہ میں بڑھ جاؤ گے، حق و عدالت کے طلب و قیام کا نظم مختل ہو جائے گا۔

قرآن کی بہت سی باتوں کی طرح اس بات کے سمجھنے میں بھی دنیا نے بہت دیر لگائی، اور تاریخ کو بارہ صدیوں تک اس بات کا انتظار کرنا پڑا کہ ایک انسان دوسرے انسان کو محض اختلاف عقائد کی بنا پر ذبح نہ کرے، اور اتنی بات سمجھ لے کہ "تذکیر" اور "توکیل" میں فرق ہے۔ اب ڈیڑھ سو برس سے یہ بات دنیا کے عقلی مسلمات میں سے سمجھی جاتی ہے

نہ تھے[1]

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عرب جاہلیت نے مجاور قوموں سے یہ حساب معلوم کیا یا بطور خود اس نتیجہ تک پہنچے تھے، لیکن یہ قاعدہ ان میں رائج ضرور تھا اور اسے چاند کی منزلوں سے تعبیر کرتے تھے۔ حکمائے اسلام نے ان منزلوں کو بطلیموس کے نقشۂ منطقہ مجسطی سے تطبیق دی تھی۔ اور علمائے یورپ نے زمانہ حال کے اسماء و علام سے تطبیق دی ہے۔ ان منزلوں کے عربی نام حسب ذیل ہیں: الشرطان - البطین - الثریا - الدبران - الھقعہ - الھنعہ - الذراع - النثرہ - الطرف - الجبھہ - الزبرہ - الصرفہ - العوّاء - السماک الاعزل - الغفر - الزبانی - الاکلیل - القلب - الشولہ - النعائم - البلدۃ - سعد الذابح - سعد بلع - سعد السعود - سعد الاخبیہ - الفرغ الاول - الفرغ الثانی - بطن الحوت -

الفرغ الاول اور ثانی کے لئے فرغ الدلو المقدم اور فرغ الدلو المؤخر کے نام بھی ملتے ہیں، اور بطن الحوت کو الرشا بھی کہتے ہیں۔

(ج) ادیان عالم کے بنیادی عقاید میں سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی اسی دنیا میں ختم نہیں ہو جاتی اس کے بعد بھی ایک زندگی ہے، اور اس زندگی میں جیسے کچھ اعمال ہونگے ویسے ہی نتائج دوسری زندگی میں پیش آئیں گے۔ قرآن میں ایمان باللہ کا ایک بنیادی عقیدہ یہی مسئلہ ہے۔ البتہ اس نے جو تعبیر اختیار کی ہے وہ پیروان مذاہب کے عام تصور سے مختلف ہے وہ اس گوشہ کو کائنات ہستی کے عالمگیر قوانین خلقت سے الگ نہیں قرار دیتا، بلکہ اسی کے ماتحت لاتا ہے۔ وہ کہتا ہے جس طرح دنیا میں ہر چیز کے خواص اور ہر حادثہ کے نتائج ہیں۔ ٹھیک اسی طرح انسانی اعمال کے بھی خواص و نتائج ہیں، اور یہاں مادیات کی طرح معنویات کے قوانین بھی کام کر رہے ہیں۔ پس اچھے عمل کا نتیجہ اچھائی ہوگا۔ برے عمل کا نتیجہ برائی (اس مقام کی تفصیل تفسیر سورۂ فاتحہ کے مبحث "الدین" میں گذر چکی ہے)۔

یہ اچھے برے نتائج کس شکل میں پیش آئیں گے؟ قرآن کہتا ہے "نیک عمل انسان اصحاب جنت ہیں ان کے لئے بہشتی زندگی کی خوشحالیاں ہوں گی اور لقاء الٰہی کی دائمی نعمت۔ بد عمل انسان اصحاب دوزخ ہیں۔ ان کے لئے دوزخی زندگی کی بدحالیاں ہوں گی۔ اور نعمت اخروی سے محرومی۔ پھر دونوں طرح کی زندگیوں کے احوال و واردات ہیں جنہیں جا بجا مختلف اسلوبوں میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟

اس بارے میں ہم اپنی عقل سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ عالم ہمارے ادراک کی سرحد سے باہر ہے جس مقام کا ہم ادراک نہیں کر سکتے، وہاں کے حالات کی نسبت حکم کیسے لگائیں؟ اگر لگائیں گے، تو یہ ظن و گمان ہوگا، اور ظن سے یقین پیدا نہیں ہو سکتا۔

لیکن پھر اس پر ہم یقین کیوں کریں۔

اس لئے کہ ہم وجدانی طور پر محسوس کرتے ہیں کہ سرحد محسوسات سے ماورا بھی ایک حقیقت موجود ہے، اور اگر اس حقیقت سے انکار کر دیں، تو کائنات ہستی کے مسئلہ کا کوئی حل باقی نہیں رہتا، اور خود ہماری عقل کہتی ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی ہستی اور آخرت کی زندگی کا مبدء تسلیم نہیں کیا جاتا تو مسئلہ ہستی کے سارے سوالات لاینحل ہو جاتے ہیں، لیکن جونہی یہ نقطہ تسلیم کر لیا جاتا ہے، معاً سارے سوالات حل ہو جاتے ہیں اور مجہولیت کی تاریکی کی جگہ عرفان و بصیرت کی روشنی ہر طرف نمایاں ہو جاتی ہے۔ پس ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ نقطہ بناوٹی نہیں ہے حقیقی ہے۔

البتہ ایک بات بالکل واضح ہے جب ہم عالم آخرت کے احوال و واردات سنتے ہیں، تو قدرتی طور پر ان کی وہی شکل سامنے آ جاتی ہے جو اس زندگی کی محسوسات کے لحاظ سے ہو سکتی ہے لیکن خود قرآن و سنت کی تصریحات نے ہمیں بتلا دیا ہے

[1] یعنی کتاب "پن دہش" جو ان کتابوں میں سے ہے جو ہندوستان کے پارسیوں سے دستیاب ہوئیں۔ عبد الرحمٰن الصوفی نے کتاب الکواکب والصور میں اور بیرونی نے آثار الباقیہ میں انہیں ضبط کیا ہے۔ قزوینی کی عجائب المخلوقات میں بھی ان کی تفصیل ملتی ہے لیکن ناقص ہے۔

مجمل اور محتمل اشارات کی تفسیر کی جبے فرض کرو، آج ہم نے دخان اور دخان کے انقسام کا مطلب اسی روشنی میں آراستہ کر دیا جو وقت کے نظریوں میں تسلیم کیا جاتا ہے لیکن کل کو کیا کرینگے۔ اگر ان نظریوں کی جگہ دوسرے نظریے پیدا ہو گئے؟ صاف بات یہی ہے کہ یہ معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے جس کی حقیقت ہم اپنے علم و ادراک کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتے اور قرآن کا مقصود ان اشارات سے تخلیق عالم کی شرح و تحقیق نہیں ہے۔ خدا کی قدرت و حکمت کی طرف انسان کو توجہ دلانا ہے۔

یاد رہے کہ پیدائش عالم کے بارے میں مفسرین نے بہت سی روایات نقل کر دی ہیں جن کی صحت ثابت نہیں، اور جو تمام تر یہودیوں کے قصص و روایات سے ماخوذ ہیں۔ صحیح مسلم کی حدیث خلق اللہ التربۃ یوم السبت الخ کی نسبت بھی محققین نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ اس کا رفع مشکوک ہے اور غالباً کعب احبار سے مروی ہے۔ حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں اقوال جمع کر دئے ہیں۔

منازل قمر

(ب) آیت (۵) میں فرمایا وقدرہ منازل یعنی چاند کے لئے یکے بعد دیگرے وارد ہونے کی منزلیں اندازہ کر کے ٹھہرا دیں۔ سورۂ یٰسین کی آیت (۳۹) میں بھی ان منزلوں کی طرف اشارہ کیا ہے: والقمر قدرنہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم۔ پس مختصراً ان منازل کا مطلب سمجھ لینا چاہیئے۔

چاند زمین کے گرد گردش میں رہتا ہے اور اپنی گردش کے فلک کو ۲۷ دن، ۷ گھنٹوں اور ۴۳ منٹوں میں قطع کر لیتا ہے۔ اس دور کو علماء ہیئت چاند کے نجومی دورے یا نجومی مہینے سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیونکہ اس دور کے ختم ہونے پر چاند پھر اسی ستارہ کے قریب دکھائی دیتا ہے جس کے پاس سے اس کی گردش شروع ہوئی تھی۔ نیز اپنی گردش کی ہر رات میں وہ کسی نہ کسی ستارہ یا ستاروں کے مجموعہ کے پاس ضرور پہنچ جاتا ہے، اور وہ گویا اس کی گردش کے لئے ہر روز کی ایک منزل بن گیا ہے۔ وہ ہمیشہ ایک خاص منزل سے سفر شروع کرتا ہے، ہر روز کی مقررہ منزل میں نمایاں ہوتا ہے اور پھر وہیں پہنچ جاتا ہے جہاں سے زمین کا طواف شروع کیا تھا۔

اس طرح ۲۷ دن اور ۷ گھنٹے کی مدت نے ۲۸ منزلیں بنا دیں۔ جب ہم ۳۶۰ کے درجوں کو (جو کامل دور کی مقررہ مقدار ہے) ۲۸ راتوں پر تقسیم کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ چاند ہر روز تقریباً ۱۳ درجہ مسافت اپنے فلک کی طے کر لیا کرتا ہے "تقریباً" اس لئے کہا گیا کہ حساب میں کچھ دقیقے زیادہ ہوتے ہیں۔

انسان کی نگاہ کے لئے آسمان کی کوئی چیز بھی اس درجہ نمایاں اور پرکشش نہیں جس قدر سورج اور چاند کا طلوع و غروب ہے۔ کیونکہ انہی دو ستاروں نے بغیر کسی کاوش اور پیچیدگی کے اسے اوقات شماری کا راز بتلا دیا۔ اس نے دیکھا کہ سورج نکلتا ہے اور پھر گھٹتے گھٹتے چھپ جاتا ہے۔ پس اُسے یہ اندازہ مقرر کر لینے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی کہ یہ ایک معین وقت ہے جس میں کبھی خلل واقع نہیں ہو سکتا۔ اور اسے ایک دن ٹھہرا لینا چاہیئے۔ پھر اس نے چاند کو دیکھا اور فوراً معلوم کر لیا کہ اس کے طلوع و غروب کا بھی ایک خاص اندازہ مقرر ہے۔ وہ ایک خاص زمانہ تک دکھائی دیتا ہے۔ پھر غائب ہو جاتا ہے اور پھر نمایاں ہو کر بڑھنے گھٹنے لگتا ہے پس اوقات شماری کا دوسرا اندازہ بھی اسے معلوم ہو گیا، اور اس نے چاند کے چھپنے اور نکلنے کی مدت کو مہینہ ٹھہرا دیا۔ یہی مطالعہ جب آگے بڑھا، تو معلوم ہوا ہر رات چاند آسمان کے کسی نہ کسی ستارے کے پاس دکھائی دیتا ہے اور یہ نظام ایسا ہے جس میں کبھی فرق نہیں پڑتا۔ پس ان ستاروں سے اس کی روزانہ منزلیں بن گئیں۔ اور ہر منزل کے لئے کسی خاص ستارہ یا مجموعہ سے ایک نام تجویز کر دیا گیا۔

معلوم ہوتا ہے مطالعہ اور ضرورت کی یکسانی حالت نے مختلف قوموں کو اس نتیجہ تک پہنچا دیا تھا۔ چنانچہ ہندوستان میں ان منازل کے لئے "نچھتر" کا لفظ اختیار کیا گیا، اور "اشونی" پچھتر قرار دیا گیا جو اشونی سے شروع ہوتے اور ریوتی پر ختم ہوتے ہیں۔ چینیوں نے بھی اٹھائیس منزلیں بنائی تھیں اور انہیں "سیئو"[لہ] کہتے تھے۔ بابل و اشور کے باشندوں نے شاید سب سے پہلے اس کا سراغ لگایا۔ اور مجوسیوں کی ایک مذہبی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی بھی اس سے بے خبر

لہ لاطینی حروف میں اسے یوں ادا کیا ہے: Siu

فیھا و مساکن طیبة فی جنات عدن و رضوان من اللہ اکبر۔ ذٰلک ھو الفوز العظیم (۹: ۷۲)
"رضوان سے مقصود اللہ کی خوشنودی کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے وہ کوئی ایسی نعمت ہے جس کے لئے بجز اس کے اور کوئی تعبیر نہیں ہوسکتی تھی کہ اللہ کی کامل ترین رضامندی کی بخشش و نوال کہی جائے۔

تناسخ

(۳) ہندوستان میں آخرت کی زندگی اور جزا کے لئے آواگون (تناسخ) کا عقیدہ پیدا ہوا۔ قدیم ہندو مذہب اور پیروان بودھ اور جینی، تینوں اس میں متفق ہیں۔ قدیم مصریوں کے عقائد میں بھی اس کا سراغ ملتا ہے اور بعض حکماء یونان بھی اسی طرف گئے ہیں۔ چونکہ قرآن نے آخرت کے معاملہ کے لئے "رجوع" کی تعبیر اختیار کی ہے یعنی وہ ہر جگہ کہتا ہے "والیہ ترجعون" تم اسی طرف لوٹائے جاؤ گے" اس لئے حال میں ایک تھیاسوفسٹ مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کا عقیدۂ آخرت بھی تناسخ کے مبدء پر مبنی ہے۔ وہ کہتے ہیں قرآن نے لوٹنے کی تعبیر اختیار کرکے اس طرف اشارہ کردیا ہے کہ زندگی بار بار ظہور میں آتی اور بار بار اصل مرکز کی طرف لوٹتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کا استنباط کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔ بلاشبہ قرآن نے آخرت کی زندگی کو لوٹنے سے تعبیر کیا ہے۔ اور وہ اس معاملہ کو یوں قرار دیتا ہے "گویا ہستی انسانی کہیں سے آئی ہے، اور پھر اسی کی طرف لوٹے گی" لیکن صرف اتنی ہی بات سے تناسخ ثابت نہیں ہوجاتا۔ فلسفیانہ تناسخ کی بنیاد روح کے رجوع پر نہیں بلکہ زندگی کے بار بار اعادہ و گردش پر ہے اور مذہبی تناسخ کی بنیاد یہ ہے کہ جزائے عمل کا معاملہ اسی اعادہ و گردش سے مرتب ہوتا ہے" اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن میں ان دونوں عقیدوں کے لئے کوئی تصریح نہیں ملتی۔

ہدایت حواس و عقل اور اس سے استدلال

(۹) آیت (۳۵) فرمایا: قل ھل من شرکآئکم من یھدی الی الحق؟ قل اللہ یھدی للحق۔ افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع، امن لا یھدی الا ان یھدیٰ؟ فما لکم کیف تحکمون!
یعنی جن لوگوں کو تم نے خدا کا شریک ٹھہرا لیا ہے ان میں کوئی ہے جو "حق" کی طرف "ہدایت" کرتا ہو؟ یہ تو اللہ ہی کی ذات ہے جو حق کی راہ چلاتی ہے۔ اچھا تو پھر بتلاؤ جو ہستی حق کی طرف رہنمائی کرتی ہے وہ اس کی حقدار ہے کہ اس کے پیچھے چلیں یا اس کے پیچھے چلنا چاہئے جو خود اس کی محتاج ہے کہ کوئی راہ بتلائے؟

یہ مقام قرآن کے مہمات دلائل میں سے ہے اور ضروری ہے کہ اسے اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ چونکہ اس آیت میں "ہدایت" اور "حق" کے الفاظ آئے ہیں، اس لئے مفسرین نے خیال کیا، ہدایت سے مقصود وحی ہے اور حق سے مقصود دین حق، اور فارسی و اردو کے تمام مترجموں نے بھی انہی کی پیروی کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کے استدلال کی ساری حقیقت مفقود ہوگئی، اور آیت کا مطلب بھی کچھ سے کچھ ہوگیا۔ اس طرح کے تمام مقامات دیکھ کر سخت حیرانی ہوتی ہے۔ کہ متاخرین کا معیار نظر و مطالعہ کیوں اس درجہ پست ہوگیا تھا کہ قرآن کے صاف و صریح مطالب بھی آشنا نہ ہوسکے؟ علاوہ بریں یہ ظاہر ہے کہ یہاں خطاب مشرکوں سے ہے جو سرے سے وحی و دین کے منکر تھے اور مقام استدلال کا ہے۔ پھر اگر ہدایت سے مقصود ہدایت وحی و دین ہو، تو اس میں ان کے لئے دلیل کی بات کیا ہوئی؟ جب وہ وحی و دین کی ہدایت مانتے ہی نہ تھے، تو پھر اسی ہدایت سے ان پر دلیل کیونکر لائی جاسکتی ہے؟ کم از کم اتنی ہی بات پر ان بزرگوں نے غور کرلیا ہوتا!

آیت کا اسلوب کہہ رہا ہے کہ یہاں پہلے ایک بات بطور ایک مسلّمہ عقیدہ کے بیان کی گئی ہے جس سے مخاطب انکار نہیں کرتا یا نہیں کرسکتا۔ پھر جب اس کا مسلّم ہونا واضح ہوگیا، تو اسی کو بنا راستدلال ٹھہرایا گیا۔ یعنی پہلے کہا گیا: ھل من شرکآئکم من یھدی الی الحق؟ تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو حق کی رہنمائی کرتا ہو؟ پھر کہا گیا: قل اللہ یھدی للحق۔ یعنی تم اس سے انکار نہیں کرسکتے کہ وہ ہستی جو رہنمائے حق ہے، وہ اللہ ہی کی ہستی ہے۔ پھر جب مسلّمہ واضح ہوگیا تو اس سے استدلال کیا گیا کہ افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع پس ضروری ہے کہ یہاں ہدایت سے مقصود کوئی ایسی بات ہو جس سے مخاطبوں کو انکار کی مجال نہ تھی۔ اب اگر ہدایت کا مطلب وحی و دین قرار دیا جاتا ہے تو سارا مطلب خبط ہوجاتا ہے۔ کیونکہ معلوم ہے مخاطبوں کے لئے یہ بات نہیں

مسلّم ہوچکی

کہ عالم آخرت کی باتوں کو اس دنیا کی باتوں کی طرح نہیں سمجھنا چاہیے۔ مثلاً جب ہم سنتے ہیں کہ جہنم میں آگ ہوگی اور بہشت سے مقصود باغ ہے' تو ہمارے سامنے آگ کی وہی شکل آجاتی ہے جو ہمارے چولہوں میں جلا کرتی ہے' اور باغ کا وہی نقشہ کھنچ جاتا ہے جو اپنے مکان کے صحنوں میں اگایا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ عالم آخرت کی آگ اس دنیا کی آگ کی طرح نہیں ہو سکتی اور نہ وہاں کے باغ و چمن ہمارے لگائے ہوئے باغوں کی طرح ہوں گے۔ سورۂ سجدہ کی آیت (۱۷) میں ہے: فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعين جزاء بما كانوا يعملون۔ کوئی جان نہیں جانتی کہ اس کی نیک عملیوں کی جزا میں نگاہ کا کیسا سرور پردۂ غیب میں پوشیدہ ہے! اس سے معلوم ہوا کہ جنت کی راحت و سرور کی حقیقت کا ہم اس دنیا میں تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ایک حدیث میں پیغمبر اسلامؐ نے جنت کی حقیقت یہ بتلائی ہے۔ لا عين رأت' ولا اذن سمعت' ولا خطر ببال احد بشر (مسلم) نہ تو کسی آنکھ نے دیکھی' نہ کسی کان نے سنی' نہ کسی فرد بشر کے خیال میں گزری۔ حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ جنت کی نعمتیں دنیا سے کوئی مشابہت نہیں رکھتیں۔ بجز اس کے کہ نام میں مشارکت ہے (ابن کثیر) باقی رہی یہ بات کہ اگر عالم آخرت کے یہ معاملات دنیا کے معاملات کے مثل نہیں ہونگے' تو پھر ان کی حقیقت کیسی ہوگی؟ تو اس بارے میں ہماری عقلی کاوش کچھ معلوم نہیں کر سکتی۔

اصل یہ ہے کہ مادی زندگی کے احساسات و مفہومات کی زنجیروں میں ہم کچھ اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ ان سے آزاد ہو کر جمال حقیقت کا تصور ہی نہیں کر سکتے۔ پس اس کے سوا چارہ نہیں کہ جو کچھ بتلا دیا گیا ہے' اس پر یقین کریں اور جو کچھ نہیں پا سکتے، اس کی کاوش میں سرگرداں نہ ہوں۔ اگر سرگرداں ہوں گے' تو حقیقت کا سراغ تو نہیں ملے گا۔ البتہ نئے نئے وہموں اور گمانوں میں مبتلا ہو جائیں گے:

اے بروں از وہم و قیل و قالِ من
خاک بر فرقِ من و تمثیلِ من!

قرآن نے اسی لیے مطالبِ وحی کی دو قسمیں ٹھہرا دی ہیں۔ محکمات اور متشابہات۔ متشابہات کی نسبت فرما دیا ہے کہ اس کی حقیقت انسان نہیں پا سکتا: لا يعلم تاويله الا الله (۳:۷) یہ اور اس طرح کے تمام معاملات جو عالم غیب سے تعلق رکھتے ہیں' یعنی ماورائے محسوسات ہیں' متشابہات کی قسم میں داخل ہیں' اور قرآن کہتا ہے جو علم میں کامل ہیں وہ ان کی کاوش میں نہیں پڑتے' بلکہ کہتے ہیں کہ امنا به، كل من عند ربنا، وما يذكر الا اولوا الالباب (۳:۷)

اس سلسلہ میں چند اور امور ہیں جو سمجھ لینے چاہئیں۔

لقاء الٰہی

(۱) قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے آخرت کے معاملہ کو ہر جگہ "لقاء الٰہی" سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی اللہ کے دیدار سے۔ چنانچہ تم جابجا اس طرح کی تعبیرات پاؤ گے "جو لوگ لقاء الٰہی کی توقع رکھتے ہیں" یا "جن لوگوں نے لقاء الٰہی سے انکار کیا" یعنی آخرت سے انکار کیا۔ وہ کہتا ہے' مومن وہ ہے جو لقاء الٰہی کی طلب رکھتا ہے۔ کافر وہ ہے جو دنیوی زندگی ہی پر قانع ہو گیا اور لقاء الٰہی کی اس میں کوئی طلب نہیں۔ چنانچہ اس سورت کی آیت (۷) میں فرمایا "جو لوگ ہماری ملاقات کے متوقع نہیں اور صرف دنیوی زندگی ہی پر راضی ہو گئے ہیں' اور اس کے خلاف ان کے دل میں کوئی خلش نہیں اٹھتی اور وہ کہ ہماری نشانیوں سے یک قلم غافل ہو گئے ہیں!"

پھر جابجا مومنوں کی نسبت فرمایا ہے کہ ان کی نگاہیں جمال الٰہی کا نظارہ کریں گی: وجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظرة (۷۵: ۲۳) اور کافروں کی نسبت فرماتا ہے کہ وہ اس نعمت سے محروم رہیں گے: كلا انهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون (۸۳: ۱۵) پس ان تمام تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے آخرت کی زندگی اور اس کے نعائم کی جو حقیقت قرار دی ہے' وہ کوئی ایسی بات ہے جس کا ماحصل لقاء الٰہی ہے' اور عذاب آخرت کا معاملہ کوئی ایسا معاملہ ہے' جسے وہ محجوب رہنے سے تعبیر کرتا ہے۔

(۲) بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کی نعمتوں میں ایک نعمت وہ ہے جسے وہ جنت کی زندگی سے تعبیر کرتا ہے اور ایک اس کے علاوہ بھی ہے۔ اس دوسری نعمت کو اس نے جابجا "رضوان" سے تعبیر کیا ہے اور کہا ہے یہ جنتی زندگی کی نعمت سے بھی بڑی نعمت ہوگی: وعد الله المؤمنين والمؤمنات جنات تجري من تحتها الانهار خالدين

آیت (۲۶) میں یہی بات کہی جا چکی ہے کہ ان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ ظن کی بنا پر یقین کی دعوت جھٹلاتے ہو۔ حالانکہ ظن کا بھروسہ انسان کو یقین سے مستغنی نہیں کر دے سکتا!

اگر تم غور کروگے، تو معلوم ہو جائے گا کہ انسان کی ساری فکری گمراہیوں کا اصلی سرچشمہ یہی بات ہے۔ یا تو وہ عقل و بینش سے اس قدر کورا ہو جاتا ہے کہ ہر بات بے سمجھے بوجھے مان لیتا ہے۔ اور ہر راہ میں آنکھیں بند کئے چلتا رہتا ہے۔ یا پھر سمجھ بوجھ کا اس طرح غلط استعمال کرتا ہے کہ جہاں کوئی حقیقت اسکی شخصی سمجھ سے بالاتر ہوئی، اس نے فوراً جھٹلا دی۔ گویا حقیقت کے اثبات و وجود کا سارا دار و مدار صرف اسی بات پر ہے کہ ایک خاص فرد کی سمجھ ادراک کر سکتی ہے یا نہیں۔ دونوں حالتیں علم و بصیرت کے خلاف ہیں، اور دونوں کا نتیجہ عقل و بینش سے محرومی اور عقلی ترقی کا فقدان ہے۔ جس عقل و بصیرت کا تقاضا یہ ہوا کہ حقیقت اور وہم میں امتیاز کریں وہی متقاضی ہوئی کہ کوئی بات محض اس لئے نہ جھٹلا دیں کہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ عقل کا پہلا تقاضا ہمیں وہم پرستی و جہل سے روکتا ہے۔ دوسرا شک و الحاد سے۔ قرآن کہتا ہے، دونوں حالتیں یکساں طور پر جہل و کوری کی حالتیں ہیں، اور اہل علم و عرفان وہ ہیں، جو نہ تو جہل و وہم کی راہ چلتے ہیں نہ شک و الحاد کی۔

یہاں سے ایک بات بھی معلوم ہو گئی کہ دو صورتیں ہیں، اور دونوں کا حکم ایک نہیں۔ ایک یہ کہ کوئی بات عقل کے خلاف ہو۔ ایک یہ کہ تمہاری عقل سے بالاتر ہو۔ بہت سی باتیں ایسی ہو سکتی ہیں جن کا تمہاری سمجھ احاطہ نہیں کر سکتی لیکن تم یہ فیصلہ نہیں کر دے سکتے کہ وہ سب سے خلاف عقل ہیں۔ اول تو تمام افراد کی عقلی قوت یکساں نہیں۔ ایک آدمی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتا۔ دوسرا باریک سے باریک نکتے حل کر لیتا ہے۔ ثانیاً عقل انسانی برابر نشو و نما کی حالت میں ہے۔ ایک عہد کی عقل جن باتوں کا ادراک نہیں کر سکتی۔ دوسرے عہد کے لئے وہ عقلی مسلمات بن جاتی ہیں ثالثاً، انسانی عقل کا ادراک ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا، اور عقل ہی کا فیصلہ ہے کہ حقیقت اسی حد پر ختم نہیں ہو جاتی۔

اچھا اب مذہب کے میدان سے باہر قدم نکالو، اور غور کرو، قرآن نے ان چند لفظوں کے اندر جو بات کہدی ہے وہ انسانی علم و عقل کی تمام ترقیوں کے لئے کس طرح اصل و اساس ثابت ہو رہی ہے؟ کونسی بات ہے جس نے علمی ترقی کے غیر محدود اور لانہایت امکانات کا دروازہ نوع انسانی کے سامنے کھول دیا، اور علم و ادراک کی سینکڑوں ناممکن باتوں کو نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ بنا دیا؟ کیا یہی بات نہیں ہے کہ کسی بات کے احاطہ نہ کر سکنے سے اس کا انکار لازم نہیں آ جاتا؟ اگر اصحاب علم و انکشاف نے اس بات سے انکار کر دیا ہوتا، تو کیا ممکن تھا کہ عقلی ترقیات کے قدم یہاں تک پہنچ سکتے۔ اور آئندہ کے لئے اس قدر ممکنات سامنے آ جاتے؟ بلاشبہ علم و انکشاف کے ہر عہد میں ایسی جلد باز طبیعتیں بھی ہوئیں، جنہوں نے محض عدم ادراک کی بنا پر انکار کر دیا، لیکن علم نے کچھ پروا نہ کی۔ اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اس کا سفر برابر جاری رہا۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کب تک اور کہاں تک جاری رہے گا۔

ایک اور بات بھی یہاں سمجھ لینی چاہئے۔ جہاں تک عقل اور ماوراء عقل کی نزاع کا تعلق ہے، قرآن کے بعد تین دور بحث و نظر کے گزر چکے ہیں۔ ایک دور حکمائے و متکلمین اسلام کا جنہوں نے عقلی طریقہ پر مذہبی عقاید کا اثبات کرنا چاہا۔ دوسرا یورپ کے نشأۃ ثانیہ کا جب اسی طرح مسیحی علم کلام مرتب کیا گیا۔ تیسرا علوم عصریہ کا، جس نے بحث و نظر کے تمام گوشوں میں ایک نئی روح پیدا کر دی۔ تاہم یہ واقعہ ہے کہ قرآن نے یہاں سیدھے سادے لفظوں میں جو بات کہدی ہے اس پر کوئی اضافہ نہ ہو سکا۔ بلاشبہ بحث و نظر کی کاوشیں دور دور تک گئیں، لیکن ہمیشہ ناکامیاب ہوئیں، اور ہمیشہ اصحاب عرفان و تحقیق کو اقرار کرنا پڑا کہ اس سے بہتر اور فیصلہ کن بات اور کوئی نہیں کہی جا سکتی۔

یہ مقام مہمات معارف میں سے ہے اور تفصیل اسکی مقدمہ میں ملے گی۔

حقیقتِ تاویل مستعملۂ قرآن

(۲) عربی میں تاویل کے معنی کسی بات کے نتیجہ اور مآل کے ہیں، اور چونکہ الفاظ کے معانی بھی ان کی دلالت کا مآل و مصداق ہوتے ہیں، اس لئے مطالب و معانی پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا۔ لیکن قرآن نے یہ لفظ ہر جگہ لغوی معنی میں

ہوسکتی تھی۔ یا دوسرے سے وحی ہی کے منکر تھے۔

اصل یہ ہے کہ ان بزرگوں نے یہ معلوم کرنے کی زحمت ہی گوارا نہ کی کہ قرآن میں ہدایت کا لفظ کن کن معنوں میں استعمال ہوا ہے اور اس کے مختلف مراتب و اشکال کیا کیا ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں ہدایت کا لفظ دیکھتے ہیں اسے ہدایت دین ہی پر محمول کر لیتے ہیں، اگرچہ مطلب ٹھیک نہ بیٹھتا ہو۔

بہرحال یہاں ہدایت سے مقصود ہدایت وحی نہیں ہے، بلکہ وجدان و حواس اور عقل کی ہدایت ہے اور "حق" سے مقصود دین حق نہیں ہے بلکہ لغوی حق ہے یعنی سچا راستہ۔ درست راستہ۔ قرآن نے جابجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ جس طرح اللہ کی ربوبیت نے مخلوقات کو ان کے مناسب حال وجود عطا فرمایا ہے، اسی طرح زندگی و معیشت کی راہ میں ان کی ہدایت کا قدرتی سامان بھی کر دیا ہے۔ یہ ہدایت کیونکر ظہور میں آئی؟ اس طرح کہ ان میں وجدان و حواس کی قوتیں رکھ دی گئیں، اور انسان کو وجدان و حواس کے ساتھ جوہر عقل سے بھی ممتاز کیا۔ چنانچہ اس مقام کی پوری تشریح تفسیر سورۂ فاتحہ کے مبحث ہدایت میں گزر چکی ہے، اور ربنا الذی اعطیٰ کل شیء خلقہ ثم ھدیٰ (۲۰: ۵۰) اور الذی خلقنی فھو یھدین (۲۶: ۷۸) اور الذی خلق فسوّیٰ، والذی قدّر فھدیٰ وغیرہا آیات میں ہدایت سے مقصود یہی ہدایت ہے۔

پس یہاں فرمایا، تم نے جن ہستیوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا لیا ہے، ان میں کوئی ہے جو زندگی و معیشت کے ٹھیک راستہ پر انسان کو چلاتا ہو؟ یعنی جو دیکھنے، سننے، سمجھنے، بوجھنے کی توفیق بخشتا ہو؟ پھر فرمایا تم جانتے ہو کہ یہ کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ صرف اللہ ہی کی کارفرمائی ہے۔ کیونکہ مشرکوں کو اللہ ہی کی ہستی اور اس کے خالق کل ہونے سے انکار نہیں تھا۔ البتہ وہ سمجھتے تھے کہ ہمیں ان ہستیوں کی بھی پرستش کرنی چاہیے جو اللہ کے حضور مقرب ہیں، اور جنہیں دنیا میں حکم و تصرف کی قوتیں حاصل ہو گئی ہیں۔ پھر جب یہ بات واضح ہو گئی تو فرمایا۔ جب تمہیں اس بات سے انکار نہیں تو غور کرو، انسان کو پیروی اس کی کرنی چاہیے جو ہدایت کرنے والا ہے یا اس کی جو خود کسی دوسرے کی ہدایت کا محتاج ہے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟

عدم احاطہ علم اور تکذیب حقائق

(۵) آیت (۳۹) میں منکرین قرآن کی نسبت فرمایا: بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولما یأتھم تاویلہ آیت کا مطلب ترجمہ میں واضح ہو چکا ہے۔ یہاں دو باتوں کی مزید تشریح کر دی جاتی ہے:

اولاً قرآن نے بیک وقت دونوں باتوں کی مذمت کی ہے۔ اس کی بھی کہ بغیر علم و بصیرت کے کوئی بات مان لی جائے اور اس کی بھی کہ محض عدم ادراک کی بنا پر کوئی بات جھٹلا دی جائے۔ چنانچہ اسی سورت کی آیت (۳۶) میں گزر چکا ہے کہ منکرین حق علم و یقین کی روشنی سے محروم ہیں۔ ان کا سرمایۂ اعتقاد محض ظن و گمان ہے۔ اور پھر اس آیت میں فرمایا کہ جس بات کا وہ اپنے علم سے احاطہ نہ کر سکے اس کے جھٹلانے پر آمادہ ہو گئے۔ اگرچہ بظاہر یہ دو باتیں الگ الگ معلوم ہوتی ہیں لیکن فی الحقیقت ایک ہی بات ہے، اور دونوں کی بنیاد اسی ایک اصل عظیم پر ہے کہ نہ تو ظن و گمان کی بنا پر تصدیق کرنی چاہیے نہ ظن و گمان کی بنا پر تکذیب کرنی چاہیے۔ جو کچھ کرنا چاہیے، علم و بصیرت کی بنا پر کرنا چاہیے۔ منکرین قرآن نے کونسی بات جھٹلائی تھی؟ یہ کہ انہی میں سے ایک آدمی پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہو۔ یہ بات انہیں عجیب معلوم ہوئی۔ اس لیے فوراً تکذیب پر آمادہ ہو گئے۔ قرآن کہتا ہے، تمہارے ماننے اور تمہارے جھٹلانے دونوں کا مدار ظن و گمان پر ہے۔ تم جو باتیں مان رہے ہو۔ ان کے لیے بھی تمہارے پاس کوئی علم نہیں، اور جس بات کے جھٹلانے میں اس قدر جلدی کی، اس کے لیے بھی تمہارے پاس کوئی یقین نہیں۔ حالانکہ سچائی کی راہ یہ ہے کہ جو کچھ کرو، علم و بصیرت کے ساتھ کرو۔ محض اٹکل پر نہ چلو۔ اگر ایک شخص علم و یقین کے ساتھ ایک بات پیش کر رہا ہے اور جتنی باتیں کسی بات کی درستگی اور معقولیت کی ہو سکتی ہیں سب اس کے ساتھ ہیں۔ اور تمہارے پاس اس کے خلاف ظن و گمان کے سوا کچھ نہیں، تو تمہارے لیے کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ جھٹ جھٹلانے پر آمادہ ہو جاؤ؟ اس سے پہلے

سُورَةُ هُودٍ

مکی - ۱۲۳ - آیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

١ الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ
۲ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۙ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ
مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ
۳ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ
۴

الف - لام - را

یہ کتاب ہے، جس کی آیتیں (اپنے مطالب و دلائل میں) مضبوط کی گئیں پھر کھول کھول کر واضح کر دی گئیں۔ یہ اس کی طرف سے ہے جو حکمت والا (اور ساتھ ہی) ساری باتوں کی خبر رکھنے والا ہے!

١ (اس کا اعلان کیا ہے؟) یہ کہ اللہ کے سوا کسی بندگی نہ کرو، یقین کرو، میں اسی کی طرف سے تمہیں خبردار کرنے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں!

۲ اور یہ کہ اپنے پروردگار سے معافی کے طلبگار ہو، اور اس کی طرف لوٹ جاؤ۔ (ایسا کرو گے تو وہ) تمہیں ایک وقت مقررہ تک زندگی کے فوائد سے بہت اچھی طرح بہرہ مند کرے گا۔ اور (اپنے قانون کے مطابق) ہر زیادہ عمل کرنے والے کو اس کی سعی فزید کا اجر بھی دے گا۔ لیکن اگر تم نے روگردانی کی تو میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایک بڑا دن نمودار نہ ہو جائے۔

۳ تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اور اس کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں!

۴ (اے پیغمبر!) تو سن رکھ کہ یہ لوگ اپنے سینوں کو لپیٹے ہیں کہ اللہ سے چھپیں (یعنی اپنے دل کی باتیں

(۱) یہ سورت بھی مکی ہے اور گو خطاب عامہ منکرین سے ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ مشرکین عرب مخاطب ہیں۔

(۲) قرآن نے گزشتہ دعوتوں، گزشتہ قوموں اور گزشتہ ایام و وقائع کا جابجا ذکر کیا ہے اور ہر جگہ حسب مقام ایک خاص موعظت اور ایک خاص استدلال ہے ازانجملہ یہ سورت ہے جس میں حضرت نوح سے لے کر حضرت موسیٰ (علیہما السلام) تک تمام پچھلی دعوتوں کی سرگزشتیں بیان کی گئی ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب بیان تاریخی ہے یعنی جس دعوت کا ذکر جس دعوت کے بعد کیا گیا ہے، وہی اس کی تاریخی جگہ ہے۔ اس موعظت میں سورۂ اعراف کے بعد سب سے بڑی سورت یہی ہے۔

(۳) سب سے پہلے اس بات کا اعلان کیا ہے جو اول دن سے تمام دعوتوں کا عالمگیر اعلان رہا ہے۔ یعنی:
(ا) اللہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو۔
(ب) میں اسی کی طرف سے مامور ہوں، اور اس نے مامور ہوں کہ تبشیر اور تنذیر کا فرض رسالت ادا کروں یعنی انکار و سرکشی کے نتائج سے خبردار کروں، ایمان و نیک عملی کی کامرانیوں کی خوشخبری سنا دوں۔
(ج) پس سرکشی سے باز آجاؤ اور توبہ و استغفار کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو مجھے اندیشہ ہے تم عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

(۴) اس کے بعد فرمایا انسانی اعمال کا ذرہ ذرہ اللہ کے سامنے ہے اس کے علم سے جب ایک چیونٹی کا سوراخ بھی پوشیدہ نہیں تو انسان کے افکار و اعمال کیونکر پوشیدہ رہ سکتے ہیں؟

استعمال کیا ہے۔ چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت (۷) اور اعراف کی (۵۳) میں بھی یہ لفظ گزر چکا ہے اور اس آیت میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

لیکن بعد کو جب تفسیر و کلام کے مختلف مذاہب پیدا ہوئے، تو "تاویل" کا لفظ ایک خاص مصطلحہ معنی میں بولا جانے لگا یعنی کسی لفظ کا ایسا مطلب ٹھہرانا جو اس کے ظاہری مدلول سے ہٹا ہوا ہو۔ مثلاً قرآن میں ید اللہ کا لفظ آیا ہے یعنی خدا کا ہاتھ۔ اور یہ تنزیہہ کے خلاف ہے کہ خدا کا ہاتھ ہو، اس لئے ہاتھ کی جگہ اس کا کوئی دوسرا مطلب لینا پھر اس کے مختلف مراتب و اقسام ٹھہرائے گئے، اور مذہب تاویل و تفویض کی نزاعیں برپا ہوئیں۔ چونکہ متاخرین کے دماغوں میں یہ مصطلحات بسی ہوئی ہیں، اس لئے قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے بھی وہ ان کے اثر سے باہر نہیں جا سکتے۔ چنانچہ قرآن کے لغوی "تاویل" کو بھی انہوں نے مصطلحات کلامیہ کا مصطلحہ "تاویل" سمجھ لیا، اور اس بحث و استدلال کی عمارتیں اٹھانے لگے۔ تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر پڑھو اور پھر غور کرو۔ کہ تفسیر قرآن کی راہ میں کیسے کیسے الجھاؤ ڈال دیئے گئے ہیں، اور اصل حقیقت کس طرح مستور ہو گئی ہے۔

نزاعیں ہوئیں

تفسیر لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون۔

(۹) قرآن نے ایمان اور اہل ایمان کی نسبت جو کچھ کہا ہے اس میں کوئی بات بھی اس قدر نمایاں نہیں ہے جس قدر یہ کہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ خوف اور غم، دونوں سے وہ محفوظ ہو جائینگے۔ چنانچہ اس سورت کی آیت (۶۲) میں بھی یہی بات فرمائی ہے غور کرنا چاہئے کہ قرآن نے اس قدر زور دیا؟

حقیقت یہی ہے کہ انسانی زندگی کی سعادت کے لئے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اسکی شقاوت کی ساری سرگذشت انہی دو لفظوں میں سمٹی ہوئی ہے: خوف اور دکھ جونہی ان دو باتوں سے اُسے رہائی مل گئی، اس کی ساری سعادتیں اس کے قبضے میں آگئیں۔ زندگی کے جتنے بھی کانٹے ہو سکتے ہیں، سب کو ایک ایک کرکے چنو اور دیکھو خواہ جسم میں چبھتے ہوں، خواہ دماغ میں؛ خواہ موجودہ زندگی کی عافیت میں خلل ڈالتے ہوں، خواہ آخرت کی، تم دیکھو گے کہ ان دو باتوں سے باہر نہیں ہیں۔ یا خوف کا کانٹا ہے یا غم کا۔ قرآن کہتا ہے ایمان کی راہ سعادت کی راہ ہے جس کے قدم اس راہ میں جم گئے، اس کے لئے دونوں کانٹے بے اثر ہو جاتے ہیں۔ اس کے لئے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہوگا، نہ کسی طرح کی غمگینی۔

قرآن نے یہی حقیقت دوسرے پیرایوں میں بھی بیان کی ہے۔ مثلاً آخری پارہ میں سورۂ عصر اسی حقیقت کا اعلان ہے۔

۸-۹ ع بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَ
۱۰ لَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝
۱۱ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ
مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَاۗىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَاۗءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ۭ
اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ

۸ تھے (تم دیکھو گے کہ) وہی انہیں آ لگی!

اور اگر ہم انسان کو اپنی طرف سے رحمت کا مزہ چکھائیں (یعنی اسے ایک نعمت بخشیں) اور پھر اس سے
۹ وہ ہٹا لیں تو (وہ ذرا بھی صبر نہیں کر سکتا) یک قلم مایوس اور ناشکرا ہو جاتا ہے؛ اور اگر اسے دکھ پہنچا ہو،
اور اس کے بعد راحت کا مزہ چکھا دیں، تو پھر ایک قلم غافل ہو جاتا ہے، اور) کہتا ہے، اب تو برائیاں مجھ سے دور ہو گئیں (اب کیا غم ہے) حقیقت یہ ہے کہ انسان (ذرا سی بات میں) خوش ہو جانے والا
۱۰ اور ڈینگیں مارنے والا ہے!

مگر ہاں! جو صبر کرتے ہیں اور نیک عملی کی راہ چلتے ہیں، تو ان کا حال ایسا نہیں ہوتا۔ ایسے ہی
۱۱ لوگ ہیں جن کے لئے بخشش ہے اور بہت بڑا اجر!

پھر اے پیغمبر!) کیا تو ایسا کرے گا کہ جو کچھ تجھ پر وحی کیا جاتا ہے، اس میں سے کچھ باتیں چھوڑ دے گا، اور اس کی وجہ سے دل تنگ ہوگا؟ اور یہ اس لئے کہ لوگ کہہ اٹھیں گے "اس آدمی پر کوئی خزانہ (آسمان سے) کیوں نہیں اتر آیا" یا "ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس کے ساتھ ایک فرشتہ آ کر کھڑا ہو جاتا"؟ نہیں تجھے تو دل تنگ نہیں ہونا چاہئے، تیرا مقام اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کر دینے والا ہے (تجھ پر اس کی ذمہ داری نہیں کہ لوگ تیری

(۷) آیت ۹ میں فطرت انسانی کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر مصیبت پیش آتی ہے تو فوراً مایوس ہو جاتا ہے، راحت پیش آتی ہے تو بے پروا ہو کر ڈینگیں مارنے لگتا ہے۔ پھر آیت (۱۱) میں فرمایا، اس عام حالت سے وہ مستثنیٰ ہیں جن کے اندر صبر و ثبات کی روح پیدا ہو گئی ہے اور جنہوں نے نیک عملی کی راہ اختیار کر لی ہے وہ نہ تو مصیبت میں مایوس ہونے والے ہیں، اور نہ عیش و راحت میں غافل و ناشکرگزار۔

یہاں یہ بات اس لئے بیان کی گئی کہ منکرین حق عذاب کی خبر سنکر ہنسی اڑاتے تھے اور مومنوں پر مصیبت کی گھڑیاں شاق گزرتی تھیں۔ پس فرمایا، منکروں کی یہ حالت کوئی غیر معمولی حالت نہیں ہے انسان خوش حالیوں میں پڑ کر اسی طرح غافل ہو جاتا ہے، اور ڈینگیں مارنے لگتا ہے، لیکن مومنوں کو چاہئے، وقت کی مصیبتوں سے تنگ ہو کر مایوس نہ ہو جائیں۔

(۸) دنیا میں ایک انسان کی زبان سے جتنی باتیں نکل سکتی ہیں ان میں کوئی بات بھی اس سے بڑھ کر بوجھل اور تھکا دینے والی نہیں کہ ایک آدمی ایک مطمئن اور خوش خرم قوم کے سامنے آ کھڑا ہو، اور اچانک اعلان کر دے کہ "تمہاری ہلاکت کی گھڑی سر پر آ گئی۔ اگر سرکشی سے باز نہ آؤ گے تو نیست و نابود کر دیئے جاؤ گے" کتنا بڑا اور عجیب اعلان ہے؟ کتنی عظیم اس کی ذمہ داری ہے؟ اور کس درجہ مافوق انسانیت صبر و تحمل کی ضرورت ہے کہ وہ سب کچھ جھیل لیا جائے، جو یہ اعلان سنکر لوگوں کی زبان سے نکلے گا؟

لیکن خدا کے رسولوں کو یہ بوجھ اٹھانا پڑا۔ کیونکہ وہ اس کے

الجزء الثاني عشر ۱۲

٥ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝
وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ
فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ
لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَلَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ
٧ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ
مَا يَحْبِسُهٗ ۭ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا

چھپا کر رکھتے ہیں) مگر یاد رکھو (انسان کی کوئی بات بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں) یہ جب اپنے سارے کپڑے
اپنے اوپر ڈال لیتے ہیں تو اس وقت بھی چھپ نہیں سکتے۔ جو کچھ یہ چھپا کر کریں اور جو کچھ کھلم کھلا کریں
٥ سب اللہ کو معلوم ہے۔ وہ تو سینوں کے اندر کا بھید جاننے والا ہے!

اور زمین میں چلنے والا کوئی جانور نہیں ہے
جس کی روزی کا انتظام اللہ پر نہ ہو اور وہ نہ
جانتا ہو کہ اس کا ٹھکانا کہاں ہے اور وہ جگہ کہاں
ہے جہاں بالآخر اس کا وجود سونپ دیا جائے گا؟
یہ سب کچھ (علم الٰہی کی) کتاب میں مندرج ہے۔
اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو
چھ ایام میں پیدا کیا، اور اس کے تخت (حکومت)
کی فرمانروائی پانی پر تھی۔ اور اس لئے پیدا کیا کہ تمہیں
آزمائش میں ڈالے اور یہ بات ظاہر ہو جائے کہ
کون عمل میں بہتر ہے۔ اور (اے پیغمبر!) اگر تو ان
لوگوں سے کہے "تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے"
تو جو لوگ منکر ہیں وہ ضرور بول اٹھیں "یہ تو
صریح جادو کی سی باتیں ہیں!"

(٥) غور کرو۔ قرآن کے ایک ایک لفظ میں کیسی دقیق مناسبتیں
پوشیدہ ہوتی ہیں؟ سورت کی تمام موعظت کا مرکزی نقطہ جزاء
عمل کا معاملہ ہے کیونکہ تمام دعوتوں نے اس کا اعلان کیا، اور
تمام جماعتوں پر یہ طاری ہوا بس پہلی آیت میں قرآن کا صرف
یہی وصف بیان کیا کہ "احکمت آیاتہ" اس کے مطالب
مضبوط اور ثابت ہیں یعنی اس کی کوئی بات ایسی نہیں جو
٦ کمزور اور کچھ نکلے۔ پھر فرمایا "من لدن حکیم خبیر" اس کی
طرف سے جو حکیم اور خبیر ہے۔ یعنی چونکہ وہ حکیم ہے اس لئے
ضروری تھا کہ جزائے عمل کا قانون ظہور میں آئے۔ ساتھ ہی
وہ خبیر بھی ہے، اس لئے ممکن نہیں کہ کوئی عمل اس سے پوشیدہ
رہ جائے اور جزاء عمل کا نفاذ ٹھیک ٹھیک نہ ہو۔
چنانچہ آیت (٥) میں فرمایا، یہ اپنے سینوں کے بھید
چھپاتے ہیں لا علم نہیں جانتے کہ اس کے علم سے کوئی بات
پوشیدہ نہیں۔
(٦) آیت (٧) میں فرمایا "اللہ کی حکومت پانی پر نافذ تھی"
دوسری جگہ فرمایا "کہ ہم نے تمام زندہ اجسام پانی سے پیدا کئے"
(٣ : ٢١) اس سے معلوم ہوا کہ زمین پر ایک ابتدائی دور گزر چکا
ہے جب کہ پانی تھا۔ یا ایسی چیز تھی جسے پانی سے تعبیر کیا گیا ہے
اور قوانین الٰہی اس میں کام کر رہے تھے۔

اور اگر ان پر عذاب کا نازل کرنا ایک مقررہ مدت تک ہم تاخیر میں ڈال دیں تو یہ ضرور کہنے لگیں کونسی بات ہے جو اسے روک رہی ہے؟
٧ سو سن رکھو، جس دن عذاب ان پر آ گیا تو پھر کسی کے ٹالے ٹلنے والا نہیں! اور جس بات کی یہ ہنسی اڑایا کرتے

رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ
وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِىْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ ١٧
عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ ١٨
الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ لَمْ ١٩

طرف سے آگیا ہو (یعنی اللہ کی وحی) اور اس سے پہلے
موسیٰ کی کتاب بھی پیشوائی کرتی ہوئی اور سرتا پا رحمت
آچکی ہو (اور تصدیق کر رہی ہو) تو کیا ایسے لوگ
انکار کر سکتے ہیں؟ نہیں) یہ لوگ اس پر ایمان
رکھتے ہیں اور ملک کے مختلف گروہوں میں سے
جو کوئی اس سے منکر ہوا، تو یقین کرو (دوزخ کی)
آگ ہی وہ ٹھکانا ہے جس کا اس سے وعدہ کیا گیا
ہے پس اے پیغمبر! تو اس کی نسبت کسی طرح کے شک
میں نہ پڑیو (یعنی دعوتِ قرآن کی کامیابی کے بارے میں
کسی طرح کا شک نہ کیجیو) وہ تیرے پروردگار کی جانب
سے امرِ حق ہے لیکن (ایسا ہی ہوتا ہے کہ) اکثر آدمی
(سچائی پر) ایمان نہیں لاتے۔ ١٧

اس کے بعد یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اگر انکار و سرکشی پر بھی انہیں دنیوی فوائد مل رہے ہیں تو صرف اتنی ہی بات دیکھ کر یہ مغرور نہ ہو جاویں اور نہ مومنوں کو چاہئے کہ اس پر متعجب ہوں۔ اللہ نے دنیا کے لئے ایسا ہی قانون ٹھہرا دیا ہے کہ انسان کا ہر عمل ایک نتیجہ رکھتا ہے اور جیسا کچھ عمل ہوتا ہے اسی کے مطابق نتیجہ بھی نکلتا ہے۔ اگر ایک انسان آخرت کی طرف سے غافل ہے اور صرف دنیوی زندگی ہی کا خواہشمند ہے جب بھی ایسا نہ ہوگا کہ اس کی سعی و طلب بے اثر ہو جائے۔ جیسی کچھ کوشش کریگا۔ اس کے مطابق نتیجہ حاصل کرے گا۔ اگر اچھی طرح ہل جوتے گا اور تخم ریزی کرے گا، تو اچھی فصل پیدا ہو جائے گی۔ ادھورا کام کرے گا۔ تو ادھورا نتیجہ نکلے گا البتہ ایسے آدمی کے لئے آخرت میں کچھ نہ ہوگا۔ ہاں اسے نظر آجائے گا کہ اس کے سارے کام اکارت گئے آخرت کے لئے کچھ سود مند نہ ہوئے۔

اور اس سے بڑھکر ظالم کون ہو سکتا ہے جو جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان باندھے؟ جو ایسا کر رہے
ہیں، وہ اپنے پروردگار کے حضور پیش کئے جائیں گے، اور اس وقت گواہ گواہی دینگے کہ "یہ ہیں
جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ بولا"۔ تو سن رکھو ان ظالموں پر اللہ کی پھٹکار! جو اللہ کی راہ
سے اس کے بندوں کو روکتے ہیں اور چاہتے ہیں ١٨
اس میں کجی پیدا کر دیں اور جو آخرت سے بھی منکر ہوئے ١٩
یہ لوگ نہ تو زمین میں (اللہ کو) عاجز کر دینے والے
تھے، نہ اللہ کے سوا ان کا کوئی کارساز تھا۔ انہیں
دوگنا عذاب ہوگا (کیونکہ ان کی سرکشی اور ہٹ دھرمی ایسی

(١٠) پھر آیت ١٧ میں فرمایا جو لوگ اللہ کی طرف سے دلیل و حجت پر ہیں اور انہوں نے راہِ حقیقت پالی ہے، وہ ان مغرورین دنیا کی طرح نہیں ہو سکتے۔ ان کی راہ ہدایت الٰہی کی راہ ہے اور ہدایت الٰہی کی کامیابی شک و شبہ سے بالا تر ہے۔
پھر آیت (١٠) میں فرمایا اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر افترا کرے؟ یعنی مومن تو اللہ کی دلیل و حجت پر چلتے ہیں اور منکر اللہ پر افترا کر رہے ہیں۔ پس دونوں کی راہ ایک سی

۱۲ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ
۱۳ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ
۱۴ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
۱۵ وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ
۱۶ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ

۱۲ لئے مامور من اللہ تھے -
یہی مرحلہ پیغمبر اسلام کو بھی درپیش تھا - اسی لئے وحی الٰہی جابجا اس بات پر زور دیتی ہے کہ لوگوں کی باتوں سے دل تنگ ہو اور اعلان امر میں ذرہ بھی تامل نہ کرو۔ چنانچہ آیت (۱۲) میں بھی یہی بات کہی گئی ہے -
منکرین حق کہتے تھے - اگر خدا کے یہاں اپنی ہی تمہاری رسائی ہے تو کیوں نہیں کہتے، ایک خزانہ تم پر اتار دے' یا فرشتے بھیج
۱۳ دے کہ تمہاری باتوں کی سب کے سامنے تصدیق کردیں؟ فرمایا ان کے اس انکار و استہزاء سے دل تنگ ہو - کیونکہ تم تو صرف "نذیر" ہو کچھ ان پر نگہبان بناکر نہیں بھیجے گئے ہو کہ ان کے مان لینے کے بھی ذمہ دار ہو -
"نذیر" کی حیثیت پر زور دے کر یہ بات بھی واضح کر دی کہ پیغمبر اس لئے نہیں آتے کہ خزانے بانٹتے پھریں یا طرح طرح کے اچنبھے دکھائیں - ان کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ انکار
۱۴ و بدفعلی کے نتائج سے خبردار کردیں اور سچائی کی راہ دکھا دیں -

بائیں مان بھی لیں) اور ہر چیز پر اللہ ہی نگہبان ہے -
پھر کیا یہ لوگ ایسا کہتے ہیں کہ اس آدمی نے قرآن اپنے جی سے گڑھ لیا ہے؟ (اے پیغمبر!) تو کہدے "اگر تم اپنی اس بات میں سچے ہو تو اس طرح کی دس سورتیں گڑھی ہوئی بناکر پیش کردو اور اللہ کے سوا جس کسی کو (اپنی مدد کے لئے) پکار سکتے ہو پکار لو"
"پھر اگر (تمہارے ٹھہرائے ہوئے معبود) تمہاری پکار کا جواب نہ دیں (اور تم اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو) تو سمجھ لو کہ قرآن اللہ ہی کے علم سے اترا ہے اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اب بتلاؤ کیا تم یہ بات تسلیم کرتے ہو؟"

جو کوئی (صرف) دنیا کی زندگی اور اس کی دلفریبیاں ہی چاہتا ہے تو (ہمارا ٹھہرایا ہوا قانون یہ ہے کہ) اس کی کوشش و عمل کے نتائج یہاں پورے پورے دیدیتے ہیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ دنیا میں اس کے
۱۵ ساتھ کمی کی جائے لیکن (یاد رکھو) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت (کی زندگی) میں (دوزخ کی) آگ کے سوا کچھ نہ ہوگا - جو کچھ انہوں نے یہاں بنایا ہے سب اکارت جائے گا - اور جو کچھ کرتے رہے ہیں سب نابود ہونے والا ہے -
پھر دیکھو جو لوگ اپنے پروردگار کی جانب سے ایک روشن دلیل رکھتے ہوں (یعنی وجدان و عقل کا فیصلہ) اور اس کے ساتھ ہی ایک گواہ بھی اس کی

۱۶ رہے (۹) کفار پیغمبر اسلام کے مطالبات حق کی ہنسی اڑاتے تھے اور جب قرآن سنایا جاتا تھا تو کہتے تھے یہ تو تم نے اپنے جی سے گڑھ لیا ہے - آیت (۱۳) میں فرمایا اگر یہ گڑھی ہوئی بات ہے تو تم بھی ایسی ہی بات گڑھ کر بنا لاؤ اور اپنے ٹھہرائے ہوئے معبودوں سے دعائیں کرو کہ اس کام میں تمہاری مدد کریں۔

لے یہ بات سورۂ بقرہ اور یونس میں بھی گذر چکی ہے اور آئندہ سورتوں میں بھی آئے گی، اس کی تشریح سورۂ اسریٰ آیت (۶۰) کے نوٹ میں ملیگی

كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ
الرَّأْيِ وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ ۝ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ ٢٧
بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَانِي رَحْمَةً مِّنْ عِندِهِ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ أَنُلْزِمُكُمُوهَا وَأَنتُمْ لَهَا كَارِهُونَ ۝ ٢٨
وَيَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُم
مُّلَاقُو رَبِّهِمْ وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ۝ ٢٩

ہے۔

(١٢) حضرت نوح نے کہا:۔

(ا) اللہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو۔

(ب) اگر تم سرکشی سے باز نہ آئے تو عذاب کا ایک بڑا ہی دردناک دن آنے والا ہے

(ج) لیکن قوم کے سرداروں اور اونچے درجہ کی جماعتوں نے انکار و سرکشی کی۔ صرف وہ ایمان لائے جو قوم میں ذلیل سمجھے جاتے تھے۔

(د) منکروں نے کہا تم بھی ہماری ہی طرح ایک آدمی ہو پھر تمہاری بات کیوں مانیں یعنی اگر تم میں کوئی ایسا انوکھا پن پایا جاتا جو اور آدمیوں میں نہیں پایا جاتا۔ یا دیوتاؤں کی طرح اتر آئے ہوتے، تو تمہاری تصدیق کرتے

(ہ) منکرین نے کہا، جو ہم میں کمینے ہیں، وہی بے سمجھے بوجھے تمہیں مان رہے ہیں۔ پھر کیا ان بے وقوفوں کی طرح ہم بھی مان لیں؟ علاوہ بریں ہم ایسی جماعت میں کیونکر شریک ہو سکتے ہیں جہاں رذیل و شریف میں کوئی امتیاز نہیں؟

(و) حضرت نوح نے کہا انسان کی ہدایت تو انسان ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے، اور وہ اتنا ہی کر سکتا ہے جو اس کے اختیار میں ہے تم کہتے ہو میں جھوٹا ہوں، لیکن بتلاؤ، اگر تم مجھے سچا سمجھتے تو کیا اس بات کی توقع کرتے کہ جبراً تمہیں سچائی کی راہ دکھا دوں؟ خدا کی طرف سے کتنی ہی واضح دلیل حق مجھے مل گئی ہو، لیکن تم سمجھنے سے انکار کر دو، تو میں کیا کر سکتا ہوں؟

(ز) انہوں نے کہا، تم جن لوگوں کو ذلیل سمجھتے ہو میں کبھی نہیں کہوں گا کہ وہ ذلیل ہیں اور انہیں خوبی و سعادت نہیں مل سکتی۔ اگر میں ایسا کروں تو خدا کے مواخذہ میں گرفتار ہو جاؤں

(ح) انہوں نے کہا، میرا دعویٰ صرف یہ ہے کہ سچائی کا پیغامبر ہوں۔ مجھے ملائکت و تعرف کا دعویٰ نہیں۔ نہ میں انسانیت سے کوئی بالاتر ہستی ہوں۔

ہو، اور جو لوگ تمہارے پیچھے چلے ہیں ان میں بھی ان
لوگوں کے سوا کوئی دکھائی نہیں دیتا جو ہم میں کمینے ہیں
اور بے سوچے سمجھے تمہارے پیچھے ہو لئے ہیں۔ ہم تو
تم لوگوں میں اپنے سے کوئی برتری نہیں پاتے۔ بلکہ
سمجھتے ہیں تم جھوٹے ہو۔ ٢٧
نوح نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! تم نے اس بات
پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک
دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنے حضور سے ایک
رحمت بھی مجھے بخش دی ہو (یعنی راہ حق دکھا دی ہو)
مگر وہ تمہیں دکھائی نہ دے تو (میں اس کے سوا کیا کر
سکتا ہوں جو کر رہا ہوں؟) کیا ہم جبراً تمہیں راہ دکھا
دیں، حالانکہ تم اس سے بیزار ہو؟" ٢٨
"لوگو! یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں تو اس پر مال و دولت
کا تم سے طالب نہیں میری خدمت کی مزدوری جو کچھ ہے
صرف اللہ پر ہے۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ جو لوگ ایمان لائے
ہیں (وہ تمہاری نگاہوں میں کتنے ہی ذلیل ہوں مگر)
میں کرنے والا نہیں کہ اپنے پاس سے انہیں ہنکا
دوں۔ انہیں بھی اپنے پروردگار سے (ایک دن)
ملنا ہے! لیکن (میں تمہیں سمجھاؤں تو کس طرح سمجھاؤں)
میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک جماعت ہو (حقیقت سے) جاہل" ٢٩

يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ۘ يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا
٢٠ يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم
٢١-٢٢ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
٢٣ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ
ع ٢٤ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ
٢٥+٢٦ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَن لَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ ۝ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ

سے متضاد ہوئی، اور نتائج بھی متضاد ہونگے۔ پہلے نے خدا کی بخشی ہوئی عقل سے کام لیا اور اس کی وحی پر ایمان لایا۔ دوسرے نے عقل وبصیرت سے انکار کیا اور خدا کی وحی جھٹلائی۔

(۱۱) اس کے بعد آیت (۲۳) تک اسی حقیقت کی وضاحت کی ہے۔ (۲۰) میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ دنیا میں کلمۂ حق کی راہ نہ روک سکیں گے۔ کیونکہ انسان کتنا ہی زور و اقتدار میں بڑھ جائے، لیکن قوانین حق پر غالب نہیں آسکتا۔ اسے مغلوب ہی ہونا پڑتا ہے۔

٢٠ تھی کہ نہ تو حق بات سن سکتے تھے نہ (حقیقت کی روشنی پر) نظر تھی!

٢١ یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانیں تباہی میں ڈالیں اور زندگی میں جو کچھ (حق کے خلاف) افترا پردازیاں کرتے رہے وہ سب (آخرت میں) ان سے کھوئی گئیں!

٢٢ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی لوگ ہیں کہ آخرت میں سب سے زیادہ تباہ حال ہونگے!

٢٣ لیکن جو لوگ ایمان لائے، نیک کام کئے، اور اپنے پروردگار کی طرف قرار پکڑ لیا، تو وہ جنت والے ہیں جنت کی (کامرانیوں) میں ہمیشہ رہنے والے!

٢٤ ان دو فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا بہرا، اور ایک دیکھنے سننے والا۔ پھر تبلاؤ۔ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟

(۱۲) آیت (۲۴) کو تمام پچھلی موعظت کا خلاصہ سمجھو۔ فرمایا دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا بہرا ہو۔ دوسرا دیکھنے سننے والا۔ پھر کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا روشنی اور اندھیاری میں کوئی فرق نہیں؟ کیا بصارت اور کوری کا ایک ہی حکم ہے؟ اگر نہیں ہے، تو ضروری ہے کہ دونوں کے احوال و نتائج ایک دوسرے سے متضاد ہوں اور دنیا میں ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہو جیسا کہ اب ہو رہا ہے۔

(۱۳) چنانچہ اس کے بعد ہی گزشتہ ایام و وقائع کا بیان شروع ہوگیا ہے جو فی الحقیقت دلایل و حجج کا ایک پورا سلسلہ ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی حضرت نوح (علیہ السلام) کی دعوت

٢٥ اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا۔ اس نے کہا (لوگو!) میں تمہیں (انکار و بدعملی کے نتائج سے) آشکارا خبردار کرنے والا ہوں۔

٢٦ اللہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو۔ میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایک دردناک دن نہ آجائے"۔

اس پر قوم کے ان سرداروں نے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی کہا "ہم تو تم میں اس کے سوا کوئی بات نہیں دیکھتے کہ ہماری ہی طرح کے ایک آدمی

قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۝ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ ٣٥ ع ٣
مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا ٣٦
وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۣ وَكُلَّمَا مَرَّ ٣٧
عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝ ٣٨
فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ ٣٩
اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَ

گھڑ لی ہے؟ تو کہہ دے "اگر میں نے یہ بات گھڑ لی ہے تو میرا جرم مجھ پر، اور تم جو جرم کر رہے ہو اس کی
پاداش تمہارے لئے) میں اس سے بری الذمہ ہوں"! ٣٥

اور نوح پر وحی کی گئی کہ "تیری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں، ان کے سوا اب کوئی ایمان
لانے والا نہیں۔ پس جو کچھ یہ کر رہے ہیں، اس پر (بیکار کو) غم نہ کھا"! ٣٦

اور (کہا گیا کہ) ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم کے مطابق ایک کشتی بنانا شروع کر دے، اور ان
ظالموں کے بارے میں اب ہم سے کچھ عرض معروض نہ کر۔ یقیناً یہ لوگ غرق ہو جانے والے ہیں"۔ ٣٧
چنانچہ نوح کشتی بنانے لگا۔

اور جب کبھی ایسا ہوتا کہ اس کی قوم کا کوئی گروہ اس پر سے گزرتا، تو (اسے کشتی بنانے میں
مشغول دیکھ کر) تمسخر کرنے لگتا۔ نوح انہیں جواب دیتا کہ "اگر تم ہماری ہنسی اڑاتے ہو (تو اڑا لو) اسی طرح
ہم بھی (تمہاری بے وقوفیوں پر ایک دن) ہنسیں گے۔ وہ وقت دور نہیں جب تمہیں معلوم ہو جائیگا ٣٨
کون ہے جس پر ایسا عذاب آتا ہے کہ اُسے رسوا کرے، اور پھر دائمی عذاب بھی اس پر نازل ہو"! ٣٩

(ن) طوفان کا ظہور اور حضرت نوح کا کشتی میں سوار ہونا
اور ان سب کو ساتھ لے لینا جن کے ساتھ لینے کا حکم ہوا۔
(س) سیلاب نے اتنا گہرا پانی جمع کر دیا تھا، اور طوفانی ہوا نے
... موجیں اٹھنے لگی تھیں۔
... کا یہ عالم تھا کہ ...
(ع) حضرت نوح کے ... نہ دیا اور غرق
ہو گیا۔ حضرت نوح نے کہا "خدایا! وہ میرے اہل میں سے
ہے۔ فرمایا نہیں، وہ ... اور بد عمل تیرے اہل میں
داخل نہیں۔
یہ آیت اس باب میں قطعی ہے کہ جسمانی رشتہ نجات
کے لئے کچھ سود مند نہیں۔ جو کچھ ہے ایمان و عمل ہے۔
حضرت نوح کو اپنے لڑکے کے کفر کی خبر نہ تھی ...

(یہ سب کچھ ہوتا رہا) یہاں تک کہ جب وہ
وقت آ گیا کہ ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات ظہور میں آئے
اور (فطرت کے) تنور نے جوش مارا، تو ہم نے (نوح
کو) حکم دیا "ہر قسم (کے جانوروں) کے دو دو جوڑے
کشتی میں ... اور اپنے اہل و عیال کو بھی ساتھ لو
مگر اہل و عیال میں سے وہ لوگ داخل نہیں جن کے لئے
پہلے بات کہی جا چکی ہے (یعنی) کہا جا چکا ہے، کہ
انہیں غرق ہونا ہے) نیز ان لوگوں کو بھی ... لو جو

۳۰ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ
اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ
۳۱ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ
۳۲ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَاۗءَ وَمَآ
۳۳ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ
۳۴ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ

(ط) منکروں نے ان دلائل و مواعظ پر غور کرنے سے انکار کر دیا وہ ان باتوں کو "جدال" سے تعبیر کرنے لگے، اور یہاں تک سرکشی کی کہ خود عذاب کے ظہور کا مطالبہ کرنے لگے۔
(ی) اس پر ارشادِ الٰہی ہوا کہ کہہ دے تم کہتے ہو کہ میں مفتری ہوں، اچھا اگر میں مفتری ہوں تو میرا گناہ مجھ پر، اور اگر تم سچائی کو جھٹلا رہے ہو، تو اس کی پاداش تمہیں جھیلنی ہے۔ میں اس سے بری ہوں۔ اب فیصلہ کا انتظار کرو۔
۳۰ (ک) حضرت نوح کا وحیِ الٰہی سے مطلع ہونا کہ جو ایمان لا چکے ہیں، ان کے سوا کوئی ایمان لانے والا نہیں، اور یہ کہ ملک غرق ہونے والا ہے، پس ایک کشتی بنا لو۔
(ل) منکروں کا اس پر تمسخر کرنا۔

"اے میری قوم کے لوگو! مجھے بتلاؤ، اگر میں ان لوگوں کو اپنے پاس سے نکال باہر کروں (اور اللہ کی طرف سے مواخذہ ہو جس کے نزدیک معیارِ قبولیت ایمان و عمل ہے نہ کہ تمہاری گڑھی ہوئی شرافت و رذالت) تو اللہ کے مقابلہ میں کون ہے جو میری مدد کرے گا؟ (افسوس تم پر!) کیا تم غور نہیں کرتے؟

"اور دیکھو، میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں نہ میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں فرشتہ ہوں میں یہ بھی نہیں کہتا کہ جن لوگوں کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو، اللہ انہیں کوئی بھلائی نہیں دے گا (جیسا کہ تمہارا اعتقاد ہے) اللہ ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں ہے۔ اگر میں (تمہاری
۳۱ خواہش کے مطابق) ایسا کہوں، تو جونہی ایسی بات کہی، میں ظالموں میں سے ہو گیا!"
اس پر ان لوگوں نے کہا "اے نوح! تو نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑ چکا۔ (اب ان باتوں سے
۳۲ کچھ بننے والا نہیں) اگر تو سچا ہے تو جس بات کا وعدہ کیا ہے، وہ ہمیں لا دکھا۔"
نوح نے کہا "اگر اللہ کو منظور ہو گا تو بلاشبہ تم پر وہ بات لے آئے گا، اور تمہیں یہ قدرت نہیں کہ
۳۳ اسے (کسی بات سے) عاجز کر دو۔"
اور اگر اللہ کی مشیت یہی ہے کہ تمہیں ہلاک کرے، تو میں کتنا ہی نصیحت کرنا چاہوں، میری نصیحت
۳۴ کچھ سودمند نہ ہو گی۔ وہی تمہارا پروردگار ہے۔ اسی کی طرف تمہیں لوٹنا ہے"
(حکمِ الٰہی ہوا۔ اے نوح!) کیا یہ لوگ کہتے ہیں۔ اس آدمی نے (یعنی نوح نے) اپنے جی سے یہ بات

۴۵ الحكمين ۝ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ
۴۶ عِلْمٌ ؕ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ
۴۷ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ
۴۸ بَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ
۴۹ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ ع ۴ معا المواقفة الحسن

کرنے والا کوئی نہیں"۔

(خدا نے) فرمایا "اے نوح! وہ تیرے گھر کے لوگوں میں سے نہیں ہے۔ وہ تو (سراپا) عمل بد ہے[1] پس جس حقیقت کا تجھے علم نہیں اس بارے میں سوال نہ کر۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ نا واقفوں
۴۶ میں سے نہ ہو جانا"۔

(نوح نے) عرض کیا "خدایا! میں اس بات سے تیرے حضور پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی بات کا سوال کروں، جس کی حقیقت کا مجھے علم نہیں اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور رحم نہ فرمایا، تو میں ان لوگوں میں
۴۷ سے ہو جاؤں گا جو تباہ حال ہوئے!"

حکم ہوا "اے نوح! اب کشتی سے اتر۔ ہماری جانب سے تجھ پر سلامتی اور برکتیں ہوں۔ نیز ان جماعتوں پر جو تیرے ساتھ ہیں۔ اور دوسری کتنی ہی جماعتیں ہیں (بعد کو آنے والی) جنہیں ہم (زندگی کے فائدوں
۴۸ سے) بہرہ مند کرینگے۔ لیکن پھر انہیں (پاداش عمل میں) ہماری طرف سے عذاب دردناک پہنچے گا"۔

(اے پیغمبر!) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے وحی کے ذریعہ تجھے بتلا رہے ہیں۔ اس سے پہلے نہ تو یہ باتیں تو جانتا تھا، نہ تیری قوم۔ پس صبر کر (اور منکروں کے حیل و شرارت سے دلگیر نہ ہو) انجام کار
۴۹ متقیوں ہی کے لئے ہے!

نے انہیں تورات میں "ارارات کا پہاڑ" کہا ہے۔ لیکن قرآن نے خاص اس پہاڑ کا ذکر کیا جس پر کشتی ٹھہری تھی۔ وہ جودی تھا۔

زمانہ حال کے بعض شارحین تورات کے خیال میں "جودی" اس سلسلہ کوہ کا نام ہے جس نے ارارات اور جارجیا کے سلسلہ کوہ کو ملا دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں، سکندر کے زمانے کی یونانی تحریرات سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے کم ازکم یہ واقعہ تاریخی ہے کہ آٹھویں صدی مسیحی تک وہاں ایک معبد موجود تھا، اور لوگوں نے اس کا نام "کشتی کا معبد" رکھ دیا تھا۔

(۴۸) ایک ایسے طوفان و سیلاب کے بعد ملک کی جو حالت ہو گئی ہوگی اس کی ہولناکی محتاج بیان نہیں قدرتی طور پر حضرت نوح اور ان کے ساتھیوں کو خیال گذرا ہوگا کہ یہ سرزمین زندگی اور زندگی کے تمام سامانوں سے خالی ہو گئی ہے اب اس وحشت کدہ میں ہم کیونکر زندگی بسر کرینگے؟ پس اللہ نے وحی کی سلامتی اور برکتوں کے ساتھ زمین پر قدم رکھو یعنی تمہارے لئے اب خوف کی کوئی بات نہ ہوگی۔ اور سامان زندگی کی تمام برکتیں پھر ظہور میں آجائیں گی۔ چنانچہ آیت (۴۸) میں کہ خاتمہ سرگذشت ہے اسی طرف اشارہ کیا ہے" وامم سنمتعھم" کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے بعد جو امتیں آئیں گی انہیں اگرچہ زندگی کی ساری کامرانیاں ملیں گی۔ لیکن پھر پاداش عمل سے تباہی میں پڑیں گی۔

[1] یعنی جب وہ تیری راہ نہ چلا اور بد عملیوں کا ساتھی ہوا، تو فی الحقیقت تیرے حلقہ قرابت سے باہر ہو گیا۔ اب اسے اپنا نہ سمجھ۔

۴۰ مَنْ اٰمَنَ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ○ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّيْ (قوم حفص بفتح الميم امالة الواء)
۴۱ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادٰى نُوْحُ ۨابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ
۴۲ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ○ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ قَالَ لَا عَاصِمَ
۴۳ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ○ وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ
ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ
۴۴ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ (الربع ۴۴)

ایمان لا چکے ہیں" اور نوح کے ساتھ ایمان نہیں لائے تھے مگر بہت تھوڑے آدمی۔

۴۱ اور نوح نے ساتھیوں سے کہا "کشتی میں سوار ہوجاؤ۔ اللہ کے نام سے اسے چلنا ہے اور اللہ ہی کے نام سے ٹھہرنا! بلاشبہ میرا پروردگار بخشنے والا رحمت والا ہے!"

اور (دیکھو) ایسی موجوں میں کہ پہاڑ کی طرح اٹھتی ہیں، کشتی انہیں سے جا رہی ہے۔ اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا۔ وہ کنارہ پر (کھڑا) تھا: "اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہوجا۔ کافروں کے
۴۲ ساتھ نہ رہ" اس نے کہا "میں کسی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا وہ مجھے پانی کی زد سے بچالے گا" نوح نے کہا "(تو کس خیال خام میں پڑا ہے؟) آج اللہ کی (ٹھہرائی ہوئی) بات سے بچانے والا کوئی نہیں مگر ہاں، وہی جس پر رحم کرے" اور (دیکھو) دونوں کے درمیان ایک موج حائل ہوگئی، پس وہ انہی میں ہوا جو ڈوبنے والے تھے!

۴۳ اور (پھر اللہ کا حکم ہوا "اے زمین! اپنا پانی پی لے! اور اے آسمان! تھم جا!" اور پانی کا چڑھاؤ اتر گیا، اور معاملہ انجام پا گیا، اور کشتی جودی پر ٹھہری اور کہا گیا "نامرادی اس گروہ کے لئے ہے کہ ظلم کرنے والا گروہ تھا!"

۴۴ اور نوح نے اپنے پروردگار سے دعا کی اس نے کہا "خدایا! میرا بیٹا تو میرے گھر کے لوگوں میں سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے۔ تجھ سے بہتر فیصلہ

۴۰ عرض کیا کہ وہ میری اہل میں سے ہے اور میرے اہل وعیال کی حفاظت کا تو نے وعدہ کیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ حقیقت حال دوسری ہے اور تمہیں اس کی خبر نہیں۔ وہ تو ان میں سے ہے جن کے لئے کہا جا چکا ہے کہ "لا تخاطبنی فی الذین ظلموا" اور "الا من سبق علیہ القول" جیسا کہ آیت (۳۷) اور (۴۰) میں گزر چکا۔

(ف) طوفان اور سیلاب کا تھمنا، حادثہ کا ختم ہونا، اور کشتی کا جودی پہاڑ پر قرار پانا۔

سورۂ قمر کی آیت (۱۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے لگاتار بارش ہوئی تھی اور زمین کی تمام نہروں میں سیلاب آگیا تھا۔ تورات میں بھی ایسا ہی ہے لیکن اس میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ بڑے سمندر کی تمام سوتیں پھوٹ نکلی تھیں (پیدائش ۷: ۱۲)

حضرت نوح کا ظہور اس سرزمین میں ہوا تھا جو دجلہ اور فرات کی وادیوں میں واقع ہے۔ دجلہ اور فرات آرمینیا کے پہاڑوں سے نکلی ہیں اور بہت دور الگ الگ بہہ کر [illegible] زیریں میں باہم مل گئی ہیں اور پھر خلیج فارس میں سمندر سے ہم کنار ہوتی ہیں آرمینیا کے یہ پہاڑ "ارارات" کے علاقہ میں واقع ہیں۔ اسی

قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝ مِن دُونِهِ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا ٥٤
تُنظِرُونِ ۝ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم مَّا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ ٥٥
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا ٥٦
غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ۝ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا ٥٧
وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۝ وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا ٥٨

اس طرح باتیں کرنے لگا ہے)
ہود نے کہا "میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن ہستیوں کو تم نے اس کا شریک
بنا رکھا ہے مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔ تم سب مل کر میرے خلاف جو کچھ تدبیر کر سکتے ہو ضرور کر ڈالو ٥٤
مجھے (ذرا بھی) مہلت نہ دو (پھر دیکھ لو نتیجہ کیا نکلتا ہے؟)" ٥٥
"میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی کوئی حرکت کرنے والی ہستی نہیں کہ اس کے
قبضہ سے باہر ہو۔ میرا پروردگار (حق و عدل کی)
سیدھی راہ پر ہے (یعنی اس کی راہ ظلم کی راہ نہیں
ہو سکتی) ٥٦
"پھر اگر (اس پر بھی) تم نے روگردانی کی تو جس
بات کے لئے میں بھیجا گیا تھا، وہ میں نے پہنچا دی
(اس سے زیادہ میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے)
اور (مجھے تو نظر آرہا ہے کہ) میرا پروردگار کسی دوسرے
گروہ کو تمہاری جگہ دے دیگا اور تم اس کا کچھ بگاڑ نہ
سکو گے۔ یقیناً میرا پروردگار ہر چیز کا نگران حال ہے" ٥٧
اور (دیکھو) جب ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات
کا وقت آپہنچا تو ہم نے اپنی رحمت سے ہود کو بچا
لیا، اور ان لوگوں کو بھی بچا لیا جو اس کے ساتھ
(سچائی پر) ایمان لائے تھے، اور ایسے عذاب سے بچایا
کہ بڑا ہی سخت عذاب تھا! ٥٨

(ط) آیت ٥٦ میں "ربی و ربکم" کا زور جس بات پر ہے اسے سمجھ لینا چاہئے۔ ان تمام مشرک قوموں کو اس بات سے انکار نہ تھا کہ ایک خالق و پروردگار ہستی موجود ہے اور اصلی طاقت اسی کی طاقت ہے یعنی وہ توحید ربوبیت سے بے خبر نہ تھے لیکن ساری گمراہی تھی کہ توحید الوہیت میں کھوئے گئے تھے یعنی سمجھتے تھے، اس پروردگار ہستی کے ماتحت دوسری ہستیاں بھی ہیں جنہیں تصرف کا اختیار مل گیا ہے اور اس لئے ہمیں ان کی پوجا کرنی چاہئے۔ پس "ربی و ربکم" کا مطلب یہ ہوا کہ میرا بھروسہ تو اس پر ہے، جسے میں بھی رب یقین کرتا اور تم بھی رب مانتے ہو۔

(ی) آیت ٥٩ سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد پر ظالم و سرکش بادشاہ حکمران تھے، اور فراعنہ مصر کی طرح اپنے آپ کو بجا سمجھتے تھے۔ فرمایا انہوں نے خدا کے رسولوں سے نافرمانی کی اور سرکش و ظالم حکمرانوں کا کہا مانا۔ یعنی جو حق و عدالت کی طرف بلاتے تھے، ان سے تو منکر ہوئے، اور جو ظلم و سرکشی کرتے تھے ان کے پیچھے چلے! ایسے گروہ کے لئے بجز ہلاکت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

"رسلہ" اس لئے کہا کہ گو انہوں نے انکار ایک رسول کا کیا تھا لیکن اس کی تعلیم تمام رسولوں ہی کی تعلیم تھی۔ پس ایک

له آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ کوئی چلنے والا وجود نہیں ہے مگر یہ کہ اللہ نے اسے اس کی پیشانی کے بالوں سے پکڑ رکھا ہے
یہ عربی کا محاورہ ہے، اور اسی معنی میں بولا جاتا ہے جو متن میں اختیار کئے گئے ہیں۔ ١٢

۵۰ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝
۵۱ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا
رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا
۵۲ مُجْرِمِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ
۵۳ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْۗءٍ ۭ

۵۰ اور ہم نے (قوم) عاد کی طرف اس کے بھائی بندوں میں سے ہود کو بھیجا۔ ہود نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں یقین کرو تم اس کے سوا کچھ نہیں ہو کہ (حقیقت کے خلاف) افترا پردازیاں کر رہے ہو۔"

۵۱ "اے میری قوم کے لوگو! میں اس بات کے لئے تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ تو اسی پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ پھر کیا تم (اتنی صاف بات بھی) نہیں سمجھتے؟"

"اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے پروردگار سے (اپنے قصوروں کی) مغفرت مانگو۔ اور (آئندہ کے لئے) اس کی جناب میں توبہ کرو۔ وہ تم پر برستے ہوئے بادل بھیجتا ہے (جس سے تمہارے کھیت اور باغ شاداب ہو جاتے ہیں) اور تمہاری قوتوں پر نئی نئی قوتیں بڑھاتا ہے (کہ روز بروز گھٹنے کی جگہ اور زیادہ بڑھتے جاتے
۵۲ ہو) اور (دیکھو) جرم کرتے ہوئے اس سے منہ نہ موڑو۔"

(ان لوگوں نے) کہا "اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی دلیل لے کر تو آیا نہیں (جسے ہم دلیل سمجھیں)
۵۳ اور ہم ایسا کرنے والے نہیں کہ تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں، ہم تجھ پر ایمان لانے والے نہیں۔"
ہم جو کچھ کہہ سکتے ہیں وہ تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی معبود کی تجھ پر مار پڑ گئی ہے" (اسی لئے

(۱۵) قوم عاد میں حضرت ہود علیہ السلام کا ظہور ہوا۔

(ا) انہوں نے کہا اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے عقاید و اعمال حقیقت کے خلاف محض افترا ہیں میں کسی معاوضے کا طالب نہیں یہ محض ادائے فرض کا تقاضا ہے جو مجھے دعوت الی الحق پر مجبور کر رہا ہے۔

(ب) لیکن ان کی قوم نے ان مواعظ پر کان دھرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا۔ تمہارے پاس کوئی ایسی بات نہیں جو ہمارے نزدیک دلیل ہو، ہم تو اپنے معبودوں کی پرستش چھوڑنے والے نہیں۔

ہمارے خیال میں جو بات آتی ہے وہ تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار تمہیں لگ گئی ہے۔ اسی لئے ایسے خیالات آنے لگے ہیں۔

(ج) حضرت ہود نے کہا تم کہتے ہو، تمہارے معبودوں کی مجھ پر مار ہے میں اعلان کرتا ہوں کہ مجھے تمہارے تمام معبودوں سے کوئی سروکار نہیں۔ اب تم اور تمہارے معبود جو کچھ میرے خلاف کر سکتے ہیں کر دیکھیں۔ تمہارا بھروسہ ان معبودوں پر ہے میرا اللہ پر ہے جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے!

میرا کام تبلیغ حق تھا میں نے کر دیا۔ اب اگر سچائی کی طرف سے تم نے رخ پھیر ہی لیا ہے تو جان لو کہ قانون الٰہی کے مطابق تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو مل جائے گی اور تم ہلاکت سے دوچار ہوگے۔

(د) چنانچہ ایسا ہی ہوا مومنوں نے نجات پائی سرکش ہلاک ہوئے۔

تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً ٦٢
فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ ٦٣
لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۝ فَعَقَرُوْهَا ٦٤
فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ ٦٥
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِىِٕذٍ

خاک میں ملا دیں۔ گویا بزرگی ۔ پیشوائی کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ جو بات حق معلوم ہو' اس کی لوگوں کو دعوت دی جائے۔ بلکہ یہ ہے کہ لوگ جسے حق سمجھتے ہیں اُسکی پیروی کی جائے اور اُسیکی طرف لوگوں کو بھی دعوت دی جائے!

قرآن نے یہاں قوم ثمود کا جو جواب نقل کیا ہے اس کا مطلب یہی ہے۔

(ج) حضرت صالح نے کہا۔ تم غور نہیں کرتے کہ اگر ایک شخص پر اللہ نے علم و بصیرت کی راہ کھول دی ہو' اور وہ دیکھ رہا ہو کہ سچائی وہ نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہے' تو پھر کیا محض لوگوں کے پاس خاطر سے اس کا اظہار نہ کرے؟ اچھا بتلاؤ' اگر وہ حکم حق سے سرتابی کرے تو کوئی ہے جو خدا کے مواخذہ سے اُسے بچالے گا؟ اگر میں محض اس خیال سے کہ تمہاری مدد یا کو ٹھیس نہ لگے، سچائی کا اعلان نہ کروں' تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اپنے آپ کو تباہی میں ڈال دوں۔

(د) بہرحال انھوں نے سرکشی کی نتیجہ یہ نکلا کہ مومنوں نے نجات پائی۔ سرکش ہلاک ہوئے۔

اونٹنی کے معاملہ کی تشریح اعراف (٧٣) کے نوٹ میں گزر چکی ہے۔

حضرت ہود اور حضرت صالح کی سرگزشتوں میں اختصار ملحوظ رہا۔ کیونکہ ان دونوں کا ظہور عرب ہی میں ہوا تھا۔ اور مخاطبین ان سے نا آشنا نہ تھے۔

ہمیں تو اس بات میں بڑا ہی شک ہے جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو کہ ہمارے دل میں اترتی نہیں"۔

صالح نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنی رحمت مجھے عطا فرمائی ہو' تو پھر کون ہے جو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کرے گا اگر میں اس کے حکم سے سرتابی کروں؟ (تم اپنی توقع کے مطابق دعوتِ کار رکے کر) مجھے کوئی فائدہ
نہیں پہنچاتے' تباہی کی طرف لیجانا چاہتے ہو"۔ ٦٣
"اور اے میری قوم کے لوگو: دیکھو' یہ اللہ کی اونٹنی (یعنی اس کے نام پر چھوڑی ہوئی اونٹنی) تمہارے لئے ایک (فیصلہ کن) نشانی ہے۔ پس اُسے چھوڑ دو اللہ کی زمین میں چرتی رہے اسے کسی طرح کی اذیت نہ
پہنچانا' ورنہ فوراً عذاب تمہیں آپکڑے گا"۔ ٦٤
لیکن لوگوں نے (اور زیادہ ضد میں آکر) اسے ہلاک کر ڈالا۔ تب صالح نے کہا "(اب تمہیں صرف) تین دن کی مہلت ہے) اپنے گھروں میں کھاپی لو
یہ وعدہ ہے جھوٹا نہ نکلے گا"۔ ٦٥

پھر جب ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات کا وقت آپہنچا' تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں کو جو اُس کے ساتھ ایمان لائے تھے' اپنی رحمت سے بچا لیا۔ اور اس دن کی رسوائی سے نجات دے دی (اے پیغمبر!)

٥٩ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً
٦٠ وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۝ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا
قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا
٦١ فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا
قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا

کو جھٹلانا سب کو جھٹلانا ہوا۔ نیز ان کے انکار کو "جحود" سے تعبیر کیا۔ جحدوا بایٰت ربھم تاکہ واضح ہو جائے ان کے انکار کی نوعیت کیا تھی؟ جحود کے معنی یہ ہیں کہ جان بوجھ کر محض ہٹ اور شرارت سے انکار کرنا۔ چنانچہ تفصیل تفسیر فاتحہ میں گزر چکی ہے۔

یہ سرگزشت عاد کی! انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیاں (ہٹ دھرمی اور سرکشی کرتے ہوئے) جھٹلائیں اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی، اور ہر متکبر و سرکش کے حکم کی پیروی کی!

٥٩ اور ایسا ہوا کہ دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت پڑی (یعنی رحمت الٰہی کی برکتوں سے محرومی ہوئی) اور قیامت کے دن بھی۔ تو سن رکھو کہ قوم عاد نے اپنے پروردگار کی ناشکری کی! اور سن رکھو کہ قوم عاد نے اپنے پروردگار کی ناشکری کی!
٦٠ اور سن رکھو کہ عاد کے لئے محرومی کا اعلان ہوا جو ہود کی قوم تھی!

(۱۶) قوم ثمود میں حضرت صالح علیہ السلام کا ظہور ہوا۔

(۱) انہوں نے کہا۔ اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

دیکھو کون ہے جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا۔ یعنی ایسی چیز سے پیدا کیا جو زمین کی مٹی کا خمیر تھی (جیسا کہ دوسری جگہ صراحت کی ہے) اور پھر تم سے اسکی آبادی و رونق کر دی؟ کیا پروردگار عالم کے سوا کوئی ہو سکتا ہے؟ پھر کیا وہی اس کا مستحق نہیں کہ اسکی بندگی کی؟ سرکشی سے باز آجاؤ اور اسکی طرف رجوع ہو۔

(ب) قوم نے کہا۔ ہمیں تو تمہاری ذات سے بڑی بڑی امیدیں تھیں کہ ہماری سرداری اور پیشوائی کروگے، یہ تمہیں کیا ہو گیا کہ ہمارے بزرگوں کے طریقہ کو برا کہتے ہو، اور اس سے ہمیں ہٹانا چاہتے ہو؟

٦١ ہمیشہ یہ بات دیکھی گئی ہے، اور اب بھی دیکھی جا سکتی ہے کہ جب کبھی ایک غیر معمولی قابلیت کا آدمی قوم میں پیدا ہوتا ہے، تو لوگ اس کی قابلیت سراہتے ہیں، اور اس سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کرتے ہیں کہ یہ ہمارا پیشوا ہوگا۔ باپ دادے کا نام روشن کرے گا۔ لیکن جب وہ کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے جو ان کے طور طریقہ کے خلاف ہوتی ہے، تو گردن موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ یہ تو نکما نکلا۔ ہماری ساری امیدیں

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف اس کے بھائی بندوں میں سے صالح کو بھیجا۔

اس نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ وہی ہے جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا، اور پھر اسی میں تمہیں بسا دیا۔ پس چاہئے کہ اس سے بخشش مانگو اور اس کی طرف رجوع ہو کر رہو۔ یقین کرو۔ میرا پروردگار (ہر ایک کے) پاس ہے اور (ہر ایک کی) دعاؤں کا جواب دینے والا ہے!"

لوگوں نے کہا "اے صالح! پہلے تو تو ایک ایسا آدمی تھا کہ ہم سب کی امیدیں تجھ سے وابستہ تھیں۔ پھر کیا تو ہمیں روکتا ہے کہ ان معبودوں کی پوجا نہ کریں جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں؟ یہ کیسی بات ہے؟!"

۷۲ قَالَتْ يَا وَيْلَتَىٰ أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ۝ قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ
۷۳ أَمْرِ اللَّهِ ۖ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ ۚ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ۝ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ
۷۴-۷۵ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَىٰ يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ۝ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ ۝ يَا إِبْرَاهِيمُ
۷۶ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۖ إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَإِنَّهُمْ آتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ۝ وَلَمَّا جَاءَتْ

وہ بولی: افسوس مجھ پر! کیا ایسا ہو سکتا ہے
کہ میرے اولاد ہو حالانکہ میں بڑھیا ہو گئی ہوں اور یہ
۷۲ میرا شوہر بھی بوڑھا ہو چکا ہے؟ یہ تو بڑی ہی عجیب بات
ہے" انہوں نے کہا: کیا تو اللہ کے کاموں پر تعجب کرتی ہے؟
اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں تجھ پر ہوں اے اہل خانہ
ابراہیم! (اس کے فضل و کرم سے یہ بات کچھ بعید نہیں ہے)
بلاشبہ اسی کی ذات ہے جس کی ستائشیں کی جاتی ہیں
۷۳ اور وہی ہے جس کے لئے ہر طرح کی بڑائیاں ہیں"
پھر جب ابراہیم کے دل سے اندیشہ دور ہو گیا
اور اسے خوشخبری ملی تو قوم لوط کے بارے میں ہم سے
۷۴ جھگڑنے لگا (یعنی ہمارے فرستادوں سے بار بار سوال
و جواب کرنے لگا کہ آنے والی بلا ٹل جائے) حقیقت یہ
ہے کہ ابراہیم بڑا ہی بردبار، بڑا ہی نرم دل اور ہر حال
۷۵ میں اللہ کی طرف رجوع ہونے والا تھا!
(ہمارے فرستادوں نے کہا) "اے ابراہیم!
اب اس بات کا خیال چھوڑ دے تیرے پروردگار کی (ٹھہرائی ہوئی) بات جو تھی، وہ آپہنچی، اور ان
۷۶ لوگوں پر عذاب آ رہا ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا"
اور پھر جب ایسا ہوا کہ ہمارے فرستادے
لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان کے آنے سے خوش
نہیں ہوا۔ ان کی موجودگی نے اسے پریشان کر
دیا۔ وہ بولا آج کا دن تو بڑی مصیبت کا دن

نے بیک وقت دو باتوں کی خبر دی۔ ایک میں ایمان و نیک عملی کی کامرانیوں کا اعلان تھا۔ دوسری میں انکار و بدعملی کی ہلاکتوں کا۔ یعنی جس دن اس بات کی خبر دی گئی کہ سدوم اور عمورہ کا علاقہ بدعملیوں کی پاداش میں ہلاک ہونے والا ہے اسی دن اس کی بھی بشارت دیدی گئی کہ نیک عملی کے نتائج ایک نئی نسل تیار کر رہے ہیں، اور وہ عنقریب اس تمام ملک پر حکمرانی کرنے والی ہے!

پھر معاملہ کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے، سدوم اور عمورہ کا علاقہ فلسطین کا سب سے زیادہ شاداب علاقہ تھا۔ اور معلوم ہے کہ سارہ تمام عمر اولاد کی تمنائیں کرتے کرتے بالآخر مایوس ہو چکی تھیں۔ پس قدرت الٰہی نے بیک وقت دونوں کرشمے دکھلائے۔ جو زمین سب سے زیادہ شاداب ہے وہ بدعملیوں کی پاداش میں ایسی اجڑے گی کہ پھر کبھی سرسبز و شاداب نہ ہو سکے گی۔ جو شجر امید بالکل سوکھ چکا ہے، وہ اچانک اس طرح سرسبز ہو جائے گا کہ صدیوں تک اس کی شاخیں بارآور رہیں گی!

چنانچہ سدوم اور عمورہ کا علاقہ آتش فشاں مادہ کے انفجار سے ایسا بنجر ہوا کہ آج تک بنجر ہے اور بشارت پر پورا سال بھی نہیں گزرا تھا کہ حضرت اسحاق کی پیدائش ظہور میں آ گئی، اور پھر ان کی نسل روز بروز بڑھتی اور پھیلتی گئی۔

(۸) حضرت ابراہیم کی ایک بیوی سارہ تھی ایک ہاجرہ۔ ہاجرہ سے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے، لیکن سارہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ وہ مایوس ہو گئیں۔ پھر مایوسی کے بعد یہ بشارت ملی اور حضرت اسحٰق پیدا ہوئے۔

(۹) تورات (پیدائش ۱۹ : ۲۳) میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے بار بار التجائیں کیں کہ عذاب ٹل جائے۔ کیوں کہ ہو سکتا ہے

۶۶ - ۶۷ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝ وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝
ع ۶ ۶۸ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا إِنَّ ثَمُودَا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ۝ وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا
۶۹ إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ ۖ فَمَا لَبِثَ أَن جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ۝ فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ
۷۰ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ۝ وَ
۷۱ امْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِن وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ۝

۶۶ بلاشبہ تیرا پروردگار ہی ہے جو قوت والا اور سب پر غالب ہے!
اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا، ان کا یہ حال ہوا کہ ایک زور کی کڑک نے آ لیا۔ جب صبح ہوئی تو
۶۷ سب اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے۔ (وہ اس طرح اچانک مر گئے) گویا ان گھروں میں کبھی بسے ہی
۶۸ نہ تھے! تو سن رکھو کہ ثمود نے اپنے پروردگار کی ناشکری کی، اور ہاں سن رکھو کہ ثمود کے لئے محرومی ہوئی!

(۷) حضرت لوط (علیہ السلام) کی دعوت اور باشندگانِ سدوم کی ہلاکت۔

توراۃ میں ہے کہ حضرت لوط حضرت ابراہیم کے بھتیجے اور ہاران کے بیٹے تھے۔ یہ حضرت ابراہیم کے ساتھ شہر اُور سے آئے اور سدوم میں مقیم ہو گئے جو دریائے یردن کی ترائی میں واقع تھا۔ چونکہ سدوم کی ہلاکت کی خبر پہلے حضرت ابراہیم کو دی گئی تھی، اس لئے سرگذشت کی ابتدا انہی کے ذکر سے ہوئی۔

۶۹ (۱) فرشتوں نے دو باتوں کی خبر دی۔ ایک یہ کہ قوم لوط کی ہلاکت کا وقت آ گیا۔ دوسری یہ کہ سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق کی پیدائش ہوگی، اور ان سے حضرت یعقوب پیدا ہونگے۔ ان دونوں باتوں میں بظاہر کوئی علاقہ نظر نہیں آتا اس لئے خیال ہوتا ہے کہ کیوں دونوں کی خبر بیک وقت دی گئی، کیوں دونوں کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا؟ لیکن
۷۰ فی الحقیقت ایسا نہیں ہے، دونوں باتیں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔

حضرت ابراہیم اور حضرت لوط (علیہما السلام) جب کسدیوں کے ملک سے آکر فلسطین میں مقیم ہوئے، تو یہ ملک ان کے لئے اجنبیوں کا ملک تھا، لیکن مشیتِ الٰہی کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ ایک دن اسی سرزمین پر ان کی نسل حکمرانی کریگی۔ اس نسل کا ظہور کس سے ہوا؟ اسرائیل سے یعنی حضرت یعقوب
۷۱ سے وہ کس کے لڑکے تھے؟ حضرت اسحٰق کے۔ پس فرشتوں

اور یہ واقعہ ہے کہ ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے تھے۔
انہوں نے کہا "تم پر سلامتی ہو"
ابراہیم نے کہا "تم پر بھی سلامتی"۔
پھر ابراہیم فوراً ایک بُھنا ہوا بچھڑا لے آیا (اور ان کے سامنے رکھ دیا کہ یہ میرے مہمان ہیں)
پھر جب اس نے دیکھا، ان کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے نہیں، تو ان سے بدگمان ہوا، اور جی میں ڈرا (کہ یہ کیا بات ہے؟) انہوں نے کہا "خوف نہ کر۔ ہم تو (اللہ کی طرف سے) قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں"۔
اور اس کی بیوی (سارہ) بھی (خیمہ میں) کھڑی سن رہی تھی۔ وہ ہنس پڑی (یعنی اندیشہ کے دور ہو جانے سے خوش ہو گئی) پس ہم نے اسے (اپنے فرستادوں کے ذریعہ) اسحاق (کے پیدا ہونے) کی خوشخبری دی، اور اس کی کہ اسحاق کے بعد یعقوب کا ظہور ہوگا

۸۲ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً
۸۳ عِنْدَ رَبِّكَ ۭ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا
اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ
۸۴ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا
النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

پھر جب ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات کا وقت آپہنچا، تو (اے پیغمبر!) ہم نے اس (بستی) کی تمام بلندیاں
پستی میں بدل دیں (یعنی تمام بلند عمارتیں گرا کر زمین کے برابر کر دیں) اور اس پر آگ میں پکے ہوئے پتھر
۸۲ لگاتار برسائے کہ تیرے پروردگار کے حضور (اس غرض سے) نشانی کئے ہوئے تھے[۱]۔ (یہ بستی) ان ظالموں
سے (یعنی اشرارِ مکہ سے) کچھ دور نہیں ہے (یہ اپنی سیر و سیاحت میں وہاں سے گزرتے رہتے ہیں، اور اگر
۸۳ چاہیں تو اس سے عبرت پکڑ سکتے ہیں)

اور ہم نے (قبیلہ) مدین کی طرف اس کے بھائی شعیب کو بھیجا۔

اس نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ماپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم خوشحال ہو (یعنی خدا نے تمہیں بہت کچھ دے رکھا ہے۔ پس کفرانِ نعمت سے بچو) میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایسا دن نہ آجائے جو سب پر چھا
۸۴ جائے گا"۔

اور اے میری قوم کے لوگو! ماپ تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو۔ لوگوں کو ان کی چیزیں (ان کے حق سے) کم نہ دو۔ ملک میں شر و فساد پھیلاتے
۸۵ نہ پھرو۔ اگر تم میری کہا مانو تو جو کچھ اللہ کا دیا (کاروبار میں) بچ رہے اسی میں تمہارے لئے بہتری ہے، اور دیکھو (میرا کام تو صرف نصیحت کر دینا ہے) میں کچھ تم پر

(۱۸) قبیلۂ مدین میں حضرت شعیب (علیہ السلام) کی دعوت کا ظہور ہوا۔

تورات میں ہے کہ قطورا کے بطن سے حضرت ابراہیم کے چار لڑکے ہوئے جن میں سے ایک کا نام مدیان تھا (پیدائش ۲۵: ۱)۔ یہی "مدیان" عربی میں مدین ہو گیا۔ اسکی اولاد بحرِ قلزم کے کنارے آباد ہو گئی تھی۔ جن میں حضرت شعیب کا ظہور ہوا۔ بنی اسرائیل انہیں بنی قطورہ کہتے تھے۔

(ا) حضرت شعیبؑ نے کہا۔ اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

ماپ تول میں خیانت نہ کرو۔ نہ تو حق سے زیادہ لو، نہ حق سے کم دو۔

ملک میں شر و فساد پھیلاتے نہ پھرو۔ یعنی لوٹ مار نہ کرو۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم خوشحال ہو، لیکن میں ڈرتا ہوں کہ عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔

(ب) لوگوں نے کہا۔ تم اپنے خدا کی جتنی عبادت کرنی چاہو شوق سے کرو۔ لیکن کیا تمہاری نمازیں یہ بھی کہتی ہیں کہ دوسروں کو ان کی راہ سے ہٹاؤ! اور اس راہ سے ہٹاؤ جس پر ان کے باپ دادا چلتے آئے ہیں؟ ہم اپنے مال کے مالک مختار ہیں جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ تم اپنے مالیے کی باتیں رہنے دو۔ معلوم ہوتا ہے ساری دنیا میں صرف تم ہی ایک نیک

[۱] دیکھو اعراف آیت ۸۰ کا نوٹ۔

۷۷ رُسُلُنَا لُوطًا سِيٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ۝ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُونَ
إِلَيْهِ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّاٰتِ ۚ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
۷۸ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي ۖ أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ ۝ قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ
۷۹-۸۰ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ۝ قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ اٰوِيٓ إِلٰى رُكْنٍ شَدِيدٍ ۝ قَالُوا يٰلُوطُ إِنَّا
رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوٓا إِلَيْكَ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا
۸۱ امْرَأَتَكَ ۖ إِنَّهٗ مُصِيبُهَا مَآ أَصَابَهُمْ ۚ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ۝

۷۷ سدوم میں چند آدمی ہی نیک کردار باقی رہ گئے ہوں لیکن اللہ
نے فرمایا۔ وہاں دس آدمی بھی ایسے نہ رہے جو نیک کردار ہوں
ہو سکتا ہے کہ آیت (۷۴) میں مجادلہ سے مقصود یہی بات
ہو۔ یا اسی طرح کی کوئی بات۔ بہرحال اللہ نے ان کی اس سعی
کی مدح کی کہ یہ ان کے حلم اور رحم و شفقت کا نتیجہ تھی پھر
واضح کر دیا کہ بات ٹلنے والی نہیں تھی، وقت آپہنچا تھا۔
(۱) حضرت لوط کو مہمانوں کے آنے سے اس لیے پریشانی
ہوئی کہ وہ جانتے تھے، شہر کے باشندے فوراً حملہ آور ہونگے
کیونکہ ان کا قاعدہ تھا، جب کبھی کوئی اجنبی مسافر آ پھنستا
تو اس پر حملہ کر بیٹھتے اور سمجھتے ہمارے خبیثانہ افعال کے
لیے ایک شکار ہاتھ آگیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔
(۲) اعراف میں حضرت لوط کے وعظ و نصیحت اور
قوم کی سرکشی کا حال گزر چکا ہے (آیت ۸۰) یہاں اس میں
تفصیل کی کہ عذاب کا ظہور کن حالات میں ہوا تھا۔ بہرحال
۷۹ نتیجہ یہی نکلا کہ قوم ہلاک ہوئی اور حضرت لوط اور ان کے ساتھیوں
پر کوئی آنچ نہ آئی۔

ہے!"
اور اس کی قوم کے لوگ (اجنبیوں کے آنے کی
خبر سن کر) دوڑتے ہوئے آئے۔ وہ پہلے سے بُرے
کاموں کے عادی ہو رہے تھے، لوط نے ان سے کہا
"لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں (یعنی بستی کی عورتیں جنہیں
وہ اپنی بیٹیوں کی جگہ سمجھتا تھا۔ اور جنہیں لوگوں
نے چھوڑ رکھا تھا) یہ تمہارے لئے جائز اور پاک
ہیں۔ پس (ان کی طرف ملتفت ہو، دوسری بات
کا قصد نہ کرو اور) اللہ سے ڈرو۔ میرے مہمانوں
کے معاملہ میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی بھلا
آدمی نہیں؟"
ان لوگوں نے کہا "تجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تیری
۷۹ ان بیٹیوں سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ اور تو اچھی طرح جانتا ہے ہم کیا کرنا چاہتے ہیں"
۸۰ لوط نے کہا "کاش تمہارے مقابلہ کی مجھے طاقت ہوتی یا کوئی سہارا ہوتا جس کا آسرا پکڑ سکتا"۔
(تب) مہمانوں نے کہا "اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ (گھبرانے کی کوئی
بات نہیں) یہ لوگ کبھی تجھ پر قابو نہ پا سکیں گے۔ تو یوں کر کہ جب رات کا ایک حصہ گزر جائے تو اپنے
گھر کے آدمیوں کو ساتھ لے کر نکل چل اور تم میں سے کوئی اِدھر اُدھر نہ دیکھے (یعنی اور کسی بات کی فکر نہ
کرے) مگر ہاں تیری بیوی (ساتھ دینے والی نہیں وہ پیچھے رہ جائے گی اور) جو کچھ ان لوگوں پر گزرنا ہے
۸۱ وہ اس پر بھی گزرے گا۔ ان لوگوں کے لئے عذاب کا مقررہ وقت صبح کا ہے اور صبح کے آنے میں کچھ دیر نہیں

۸۹-۹۰ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنكُم بِبَعِيدٍ ۝ وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ ۝
قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا ۖ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ ۖ
۹۱ وَمَا أَنتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ۝ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَهْطِي أَعَزُّ عَلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَاتَّخَذْتُمُوهُ وَرَاءَكُمْ
۹۲ ظِهْرِيًّا ۖ إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ وَيَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ سَوْفَ
تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۖ وَارْتَقِبُوا إِنِّي مَعَكُمْ

۸۹ قوم لوط (کا معاملہ) تم سے کچھ دور نہیں[۱]"
"اور دیکھو اللہ سے (اپنے گناہوں کی) معافی
مانگو۔ اور اس کی طرف لوٹ جاؤ۔ میرا پروردگار
۹۰ بڑا ہی رحمت والا، بڑا ہی محبت والا ہے!"
لوگوں نے کہا "اے شعیب! تم جو کچھ کہتے ہو
اس میں سے اکثر باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں
آتیں اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہم لوگوں میں ایک
کمزور آدمی ہو۔ اگر (تمہارے ساتھ) تمہاری برادری
کے آدمی نہ ہوتے تو ہم ضرور تمہیں سنگسار کر دیتے
۹۱ تمہاری ہمارے سامنے کوئی ہستی نہیں"۔
شعیب نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! کیا اللہ سے
بڑھ کر تم پر میری برادری کا دباؤ ہوا؟ اور اللہ تمہارے
لئے کچھ نہ ہوا کہ اسے پیچھے ڈال دیا؟ (اچھا) جو کچھ
تم کرتے ہو میرے پروردگار کے احاطہ (علم) سے باہر
۹۲ نہیں"۔
اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی جگہ کام کئے جاؤ،
میں بھی (اپنی جگہ) سرگرم عمل ہوں۔ بہت جلد معلوم کر
لوگے کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کریگا اور
کون فی الحقیقت جھوٹا ہے، انتظار کرو، میں بھی تمہارے

اسی لیے حضرت شعیب نے کہا: انی ارٰکم بخیر (۸۴) میں تمہیں خوش حال پاتا ہوں۔

لیکن جب لوگوں کے اخلاق فاسد ہو گئے تو کاروبار میں خیانت کرنے لگے، اور ماپ تول کے انصاف سے ناآشنا ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شعیب نے خصوصیت کے ساتھ اس معصیت سے روکا۔

(ہ) جو مکالمہ گزر چکا ہے اس پر اچھی طرح غور کرو۔ لوگوں نے کہا تم نماز پڑھتے ہو، لیکن تمہارے نماز پڑھنے کا نتیجہ یہ کیوں نکلے کہ ہم لوگوں کو بھی اپنی راہ چلنے کی دعوت دو؟ یعنی تبار نزاع خود تمہارا عمل نہیں ہے، یہ ہے کہ دوسروں کو کیوں دعوت دیتے ہو؟ حضرت شعیب نے کہا یہی تو میرا اصلی کام ہے اسے کیسے چھوڑ دوں؟ سچائی کی روشنی میرے سامنے آگئی ہے، اور جب آگئی ہے تو اس کے اعلان سے باز نہیں رہ سکتا۔ البتہ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے مجھے حق نہیں کہ کسی پر جبر کروں۔ اس سے معلوم ہوا۔ اتباع حق کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ آدمی خود متبع ہو جائے، بلکہ ضروری ہے کہ دوسروں کو بھی اسکی دعوت دے۔

(و) اتباع حق کی راہ میں ذاتی خصومت اور شخصی حسد سے بڑھ کر کوئی روک نہیں۔ مکالمہ سے یہ بات ٹپکتی ہے کہ قبیلہ کے سرداروں کو حضرت شعیب سے ذاتی خصومت ہو گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایسا نہ کرو کہ میری ضد میں آکر پیام حق کے مخالف ہو جاؤ، اور خدا کے مواخذہ میں گرفتار ہو۔

(ز) انسان انسانوں کا پاس کرتا ہے لیکن سچائی کا پاس نہیں کرتا۔ وہ انسانوں کے خیال سے ایک بات چھوڑ دیگا لیکن خدا کے خیال سے نہیں چھوڑے گا۔ چنانچہ منکروں نے کہا ہم تجھے سنگسار کر دیتے لیکن تیرے کنبہ کے خیال سے ایسا

[۱] یعنی ان کا معاملہ کچھ بہت پرانے زمانے کی بات نہیں۔ قریبی زمانہ کی بات ہے۔

٨٦ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ○ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ
٨٧ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ○ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ
عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰي مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ
٨٨ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ○ وَ
يٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ

پر نگہبان نہیں" (کہ جبراً اپنی راہ پر چلا
٨٦ دوں)
لوگوں نے کہا "اے شعیب! کیا تیری یہ نماز
(جو تو اپنے خدا کے لئے پڑھتا ہے) تجھے یہ حکم دیتی ہیں
کہ ہمیں آکر کہے: ان معبودوں کو چھوڑ دو جنہیں تمہارے
باپ دادا پوجتے رہے ہیں. یا یہ کہ تمہیں اختیار نہیں کہ
اپنے مال میں جس طرح کا تصرف کرنا چاہو کرو؟
٨٧ بس تم ہی ایک نرم دل اور راست باز آدمی رہ
گئے ہو!"
شعیب نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! کیا تم نے
اس بات پر غور نہیں کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل روشن رکھتا ہوں، اور اس
کے فضل و کرم کا یہ حال ہو کہ) اچھی (سے اچھی روزی عطا فرما رہا ہو (تو پھر بھی میں چپ رہوں اور
تمہیں راہِ حق کی طرف نہ بلاؤں؟) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جس بات سے تمہیں روکتا ہوں اس
سے تمہیں تو روکوں اور خود اس کے خلاف چلوں۔ (میں تمہیں جو کچھ کہتا ہوں، اسی پر عمل بھی کرتا ہوں)
میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ جہاں تک میرے بس میں ہے، اصلاح حال کی کوشش کروں۔ میرا کام بنتا
٨٨ ہے تو اللہ ہی کی مدد سے بنتا ہے. میں نے اسی پر بھروسہ کیا، اور اسی کی طرف رجوع ہوں!"

"اور اے میری قوم کے لوگو! میری ضد میں
آ کر کہیں ایسی بات نہ کر بیٹھنا کہ تمہیں بھی ویسا
ہی معاملہ پیش آجائے جیسا قوم نوح کو یا
قوم ہود کو یا قوم صالح کو پیش آچکا ہے، اور

اور خوش معاملہ آدمی رہ گئے ہو!

(ج۱) حضرت شعیب نے کہا اگر اللہ نے مجھ پر علم و بصیرت کی راہ کھول دی ہو اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ہلاکت کی طرف جا رہے ہو تو بتلاؤ، کیا میرا فرض نہیں ہے کہ تمہیں سلامتی کی راہ دکھاؤں؟ اس نے اپنے فضل و کرم سے مجھے رزق و دولت کی فراوانی عطا فرمائی ہے، پھر کیا یہ کفران نعمت نہ ہوگا کہ ادائے فرض میں کوتاہی کروں؟

اور پھر تم میری ضد میں آکر کیوں حق سے منہ موڑو؟ میں ایسا تو نہیں کرتا کہ تمہیں ایک بات سے روکوں اور پھر خود ہی کرنے لگوں. میں وہی بات کہتا ہوں جس پر خود عامل ہوں۔

اور تم میری تبلیغ سے بگڑتے کیوں ہو؟ میں کچھ تم پر نگہبان بن کر تو نہیں کھڑا ہو گیا ہوں کہ مجبور کر دوں۔ میں تو صرف اصلاح چاہتا ہوں۔ جہاں تک میرے بس میں ہے اور میرے کاموں کو بننا ہے تو اللہ ہی کی مدد سے بننا ہے۔ میرا بھروسہ صرف اسی پر ہے!

(د) بحر قلزم کی جو شاخ عرب اور جزیرہ نمائے سینا کے درمیان گزری ہے، اسی کے کنارے مدین کا قبیلہ آباد تھا چونکہ یہ جگہ شام، افریقہ اور عرب کے تجارتی قافلوں کا نقطۂ اتصال تھی، اس لئے اشیاء تجارت کے مبادلہ کی بڑی منڈی بن گئی تھی اور لوگ خوش حال ہو گئے تھے

۱۰۰ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ۝ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ
۱۰۱-۱۰۲ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ
تَتْبِيْبٍ ۝ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝
۱۰۳-۱۰۴ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ
۱۰۵ مَّشْهُوْدٌ ۝ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ؕ ۝ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ
شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ۝

علم و بصیرت کی۔ ایک اندھے پن کی' اور ضروری ہے کہ دونوں کے چلنے والے اپنی حالت اور اپنے نتیجہ میں ایک ہی طرح کے نہ ہوں۔ پھر اس حقیقت پر دلیل پیش کی تھی۔ یہ گذشتہ ایام و وقائع کا بیان تھا جو حضرت نوح کے تذکرہ سے شروع ہوا' اور حضرت موسیٰ کے تذکرہ پر ختم ہو گیا اب آیت (۱۰۰) سے لے کر آخر سورت تک ان نتیجوں اور عبرتوں کی طرف توجہ دلائی ہے جو اس سلسلہ استدلال سے واضح ہوتی ہیں:

(ا) ان قوموں کو جو کچھ پیش آیا تو اس لئے نہیں پیش آیا کہ اللہ نے ان پر زیادتی کی ہو۔ اس کا قانونِ جزا' تو سر تا سر عدل و رحمت ہے۔ بلکہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کرنا چاہا' اور نجات کی راہ سے منہ موڑ کر ہلاکت کی طرف چلنے لگے۔

(ب) اس باب میں اللہ کا قانون ایسا ہی ہے اس کی رحمت نے مہلتوں پر مہلتیں دی ہیں' اور روشنی کو تاریکی سے بالکل الگ کر دیا ہے' لیکن اگر ایک قوم روشنی سے یکسر منہ موڑ لے' پھر نتائج و عواقب کا ظہور کبھی نہیں رک سکتا۔ ان کے ظہور کی دردناکی و شدت کبھی دور نہیں ہو سکتی۔

(ج) ہر اس انسان کے لئے جو آخرت کے خیال سے بے خوف نہ ہو' اس بات میں حقیقت کی بڑی ہی نشانی ہے۔ کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جزاءِ عمل کا قانون یہاں نافذ ہے' اور خدا کے رسولوں کا پیام جھوٹا نہیں۔

(د) اللہ کے یہاں ہر بات کے لئے ایک حساب ہے' اور ہر معاملہ کے لئے ایک مقررہ میعاد جب تک وہ وقت نہ آئے اس بات کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ آخرت کا دن بھی اسی لئے پیچھے ڈال دیا گیا کہ اپنے مقررہ وقت پر ظاہر ہو۔

(ہ) اس دن جو شقی نکلیں گے' ان کے لئے شقاوت ہوگی۔

نے ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔ تو دیکھ جب تیرے پروردگار کی (ٹھہرائی ہوئی بات) آ پہنچی' تو ان کے وہ معبود کچھ بھی کام نہ آئے جنہیں اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے' انہوں نے کچھ فائدہ نہ پہنچایا بجز اس کے کہ
۱۰۱ ہلاکی کا باعث ہوئے!

اور تیرے پروردگار کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے جب وہ انسانی آبادیوں کو ظلم کرتے ہوئے پکڑتا ہے
۱۰۲ یقیناً اس کی پکڑ بڑی ہی دردناک' بڑی ہی سخت ہے!

(اور) اس بات میں اس کے لئے بڑی ہی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب کا خوف رکھتا ہو!

یہ (آخرت کا دن) وہ دن ہے جب تمام انسان اکٹھے کئے جائینگے' اور یہ وہ دن ہے جس کا نظارہ
۱۰۳ کیا جائے گا!۔

اور ہم نے اس دن کو پیچھے نہیں ڈالا ہے'
۱۰۴ مگر صرف اس لئے کہ ایک مقررہ وقت پر اس کا ظہور ہو۔

جب وہ دن آ پہنچے گا تو کسی جان کی مجال نہ ہوگی کہ بغیر اللہ کی اجازت کے زبان کھولے۔ پھر اس دن انسانوں کی دو قسمیں ہونگی' کچھ ایسے ہونگے جن
۱۰۵ کے لئے محرومی ہے' اور کچھ ایسے جن کے لئے سعادت

۹۳ رَقِیْبٌ ۝ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ
۹۴ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا
۹۵-۹۶ ع ۸ بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا
۹۷ اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ ۝ یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ
۹۸-۹۹ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۝ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ

۹۳ ساتھ انتظار کرتا ہوں۔"

نہیں کرتے، حضرت شعیب نے کہا، افسوس تم پر تمہیں میرے کنبہ کا تو پاس ہوا لیکن خدا کا نہ ہوا۔ خدا کی بات تو تمہارے خیال میں کوئی بات ہی نہیں ہے۔
(۳) حضرت شعیب نے کہا اچھا تم اپنی راہ چلو۔ میں اپنی راہ چل رہا ہوں۔ اور نتیجہ کا انتظار کرو۔ چنانچہ نتیجہ ظاہر ہو گیا۔ اہل ایمان محفوظ رہے سرکش ہلاک ہو گئے!

اور پھر جب ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات کا وقت آ پہنچا، تو ایسا ہوا کہ ہم نے شعیب کو اور ان کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بچا لیا، اور جو لوگ ظالم تھے انہیں ایک سخت آواز نے آ
۹۴ پکڑا۔ پس جب صبح ہوئی تو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے!
۹۵ (وہ اس طرح اچانک ہلاک ہو گئے) گویا ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہیں تھے!
تو سن رکھو کہ قبیلۂ مدین کے لئے بھی محرومی ہوئی، جس طرح قوم ثمود کے لئے محرومی ہوئی تھی!
۹۶ اور یہ بھی ہو چکا ہے کہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح سند کے ساتھ بھیجا تھا فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف مگر وہ فرعون کی بات پر چلے اور فرعون کی بات راست بازی کی بات نہ تھی۔

(۱۹) حضرت موسیٰ کی دعوت اور اس کے نتائج کی طرف اشارہ اور سلسلۂ استدلال کی موعظت کا اختتام۔

۹۷ قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا (جس طرح دنیا میں گمراہی کے لئے ہوا) اور انہیں
۹۸ دوزخ میں پہنچائے گا۔ تو دیکھو، کیا ہی پہنچنے کی بری جگہ ہے جہاں وہ پہنچ کر رہے!
اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگی (کہ ان کا ذکر کبھی پسندیدگی کے ساتھ نہیں کیا جاتا) اور
۹۹ قیامت میں بھی، (کہ عذاب آخرت کے مستحق ہوئے) تو دیکھو کیا ہی برا صلہ ہے جو ان کے حصے میں آیا!
(اے پیغمبر!) یہ (پچھلی) آبادیوں کی خبروں میں سے چند کا بیان ہے جو ہم تجھے سنا رہے ہیں، ان میں
۱۰۰ سے کچھ تو اس وقت تک قائم ہیں۔ کچھ بالکل اجڑ گئیں۔
اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ بلکہ خود انہوں

(۲۰) سورت کی ابتدا میں قوم کو اتباع حق کی دعوت دی تھی اور سرکشی و فساد کے نتیجہ سے خبردار کیا تھا۔ نیز واضح کیا تھا کہ اس باب میں بنیادی امور کیا کیا ہیں۔ پھر آیت (۲۴) میں ان سب کا خلاصہ بیان کیا تھا کہ یہاں راہیں دو ہیں - ایک

۱۱۱ لَیُوَفِّیَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا یَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ
۱۱۲ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ
۱۱۳ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِیَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ۭ
۱۱۴ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ ۝ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا
۱۱۵ یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝

(۲۱) جو آیت ۱۱۲ میں پیغمبر اسلام کو اور ان کے ان ساتھیوں
کو جو ابتدائے عہد کی بے سروسامانیوں اور مظلومیوں میں ایمان
لائے تھے مخاطب کیا ہے اور حسب ذیل امور کی تلقین کی ہے۔ یہ
ان کے لئے اس سورت کی موعظت کا خلاصہ ہے۔
(ا) جو راہ بتلا دی گئی ہے اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم
رہو اور اپنا کام کئے جاؤ۔
(ب) اپنی حد سے تجاوز نہ کرو یعنی استقامت کا نتیجہ
یہ نہیں ہونا چاہئے کہ مخالفوں پر کسی طرح کی زیادتی کرنے کا
خیال کرنے لگو۔ یا لڑنے جھگڑنے لگو۔ اپنے دائرہ کے اندر رہو
مگر اپنے طریقہ پر قائم رہو۔
(ج) لیکن یہ بھی نہیں ہونا چاہئے کہ مخالفوں کی طرف جھک
پڑو، اور نتیجہ یہ نکلے کہ ان کی گمراہی کی چھینٹ تم پر بھی پڑ جائے
نہ تو اپنی حد سے تجاوز کرنا چاہئے، نہ ان کی طرف جھکنا چاہئے
(د) نماز کو اس کی ساری حقیقتوں کے ساتھ اس کے تمام
وقتوں میں ادا کرو۔ تمہاری طاقت کا اصلی سرچشمہ یہی ہے۔ یہ
بڑی نیک عملی ہے، اور نیک عملی برائیاں دور کر دیتی ہے۔
(ہ) صبر کرو۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ نیک کرداروں
کا اجر ضائع نہیں کرتا یعنی ضروری ہے کہ آخر کار کامیابی
انہی کے حصہ میں آئے۔
(و) یہ پچھلی قومیں جو یک سر ہلاک ہوگئیں تو اس لئے
ہوئیں کہ ان میں اہل خیر و صلاح معدوم ہوگئے تھے۔ کوئی
نہیں رہا تھا جو شر و فساد سے روکے۔ اگر ان میں امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر کرنے والے موجود ہوتے تو کبھی اس نتیجہ سے
دوچار نہ ہوتے۔ کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک بستی پر
عذاب آئے اور اس کے باشندے صالح ہوں۔
اس بات میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر تم اپنی راہ میں
مستقیم رہے اور ایک گروہ داعیانِ حق کا پیدا ہوگیا، تو یہ

وقت آئے گا تو تیرا پروردگار ان کے عمل انہیں پورے
پورے دیدیگا (یعنی جیسے ان کے عمل ہونگے، ویسے
ہی ان کے نتائج بھی پورے پورے مل جائیں گے)
جو کچھ لوگ کر رہے ہیں، وہ اس کی پوری خبر رکھنے
۱۱۱ والا ہے!
پس چاہئے کہ جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے تم
اور وہ سب جو توبہ کر کے تمہارے ساتھ ہوئے
ہیں (اپنی راہ میں) استوار ہو جاؤ، اور حد سے ~~بڑھو~~ باہر نہ ہو
۱۱۲ یقین کرو تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے!
اور ایسا بھی نہ کرنا کہ ظالموں کی طرف جھک پڑو
اور (قریب ہونے کی وجہ سے) آگ تمہیں بھی چھو جائے
اللہ کے سوا تمہارا کوئی رفیق نہیں پھر اگر اس سے
۱۱۳ بچھڑے تو کہیں مدد نہ پاؤ گے۔
اور نماز قائم کرو۔ اس وقت جب دن شروع
ہونے کو ہو اور اس وقت جب ختم ہونے کو ہو۔ نیز اس
وقت جب رات کا ابتدائی حصہ گزر رہا ہو، یاد
رکھو نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں یہ نصیحت
۱۱۴ ہے ان لوگوں کے لئے جو نصیحت پذیر ہیں!
اور صبر کرو (یعنی راہ حق کی تمام مشکلیں جھیلتے
رہو) کیونکہ اللہ نیک عملوں کا اجر ضائع نہیں کرتا!

۱۰۶ فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ ۙ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ
۱۰۷ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ۝ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ
۱۰۸ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ۝ فَلَا
تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّمَّا یَعْبُدُ هٰۤؤُلَآءِ ؕ مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَ اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ
۱۰۹ ع نَصِیْبَهُمْ غَیْرَ مَنْقُوْصٍ ۝ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْهِ ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ
۱۱۰ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ۝ وَ اِنَّ كُلًّا لَّمَّا

جو سعید نکلیں گے ان کے لئے سعادت ۔

تو جو لوگ محروم ہوئے وہ دوزخ میں ہونگے
۱۰۶ ان کے لئے وہاں چیخنا چلانا ہوگا۔ وہ اسی میں رہیں گے، جب تک آسمان و زمین قائم ہیں (اور اس کے
خلاف کچھ نہ ہوگا) مگر ہاں، اس صورت میں کہ تیرا پروردگار چاہے (اور) بلاشبہ تیرا پروردگار اپنے کاموں
۱۰۷ میں مختار ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے!
اور جن لوگوں نے سعادت پائی، تو وہ بہشت میں ہونگے۔ اور اسی میں رہینگے، جب تک آسمان
و زمین قائم ہیں (اس کے خلاف کچھ ہونے والا نہیں) مگر ہاں، اس صورت میں کہ تیرا پروردگار
۱۰۸ چاہے یہ (سعیدوں کے لئے) بخشش ہے، ہمیشہ جاری رہنے والی!
پس (اے پیغمبر!) یہ لوگ جو (خدا کے سوا دوسری ہستیوں کی) پرستش کرتے ہیں، تو اس بارے
میں تجھے کوئی شبہ نہ ہو (یعنی اس بارے میں کہ ان کا کیا حشر ہونے والا ہے؟) یہ اسی طرح پرستش کر
رہے ہیں جس طرح ان سے پہلے ان کے باپ دادا کرتے رہے ہیں۔ ایسا ضرور ہونے والا ہے کہ ہم ان کے
۱۰۹ اعمال کے نتائج کا حصہ انہیں پورا پورا دیدیں۔ بغیر کسی کمی کے۔
اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی۔ پھر اس میں اختلاف کیا گیا، اور اگر تیرے پروردگار نے پہلے سے
ایک بات نہ ٹھہرا دی ہوتی (یعنی یہ کہ دنیا میں ہر انسان کو اس کی مرضی کے مطابق مہلت عمل ملنی ہے) تو البتہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور ان لوگوں کو اس کی نسبت شبہ ہے کہ حیرانی میں پڑے ہیں۔
اور (یقین کر) سب کے لئے یہی ہونا ہے کہ جب

(۵) آیت (۱۰۹) میں پیغمبر اسلام سے خطاب ہے، تمہیں خیال نہ ہو کہ مشرکین عرب کیوں شرک سے باز نہیں آتے؟ اور کیوں انہیں مہلت مل رہی ہے؟ وہ تو اسی راہ پر چل رہے ہیں جس پر ان کے باپ دادا چلے، اور انہیں ان کی سرکشیوں کا نتیجہ پورا پورا ملنے والا ہے۔
۱۱۰ پھر فرمایا، تم سے پہلے حضرت موسیٰ کو بھی کتاب دی گئی تھی لیکن لوگ اختلاف میں پڑ گئے، اور حکمت الٰہی کا فیصلہ یہی ہے کہ یہاں اختلاف عمل دور نہیں ہو سکتا۔

۱۲۰ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ وَقُل لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا
۱۲۱-۱۲۲ عَامِلُونَ ۝ وَانتَظِرُوا إِنَّا مُنتَظِرُونَ ۝ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ
۱۲۳ ع ۱۰/۱۰ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

تجھے امر حق مل گیا (یعنی سچائی کی دلیلیں مل گئیں) اور موعظت (کہ نصیحت پکڑنے والے نصیحت پکڑینگے)
۱۲۰ اور یاد دہانی ہوئی مومنوں کے لئے!
اور (اے پیغمبر!) جو لوگ ایمان نہیں لاتے (اور دعوتِ حق کا مقابلہ کر رہے ہیں) ان سے کہدے
۱۲۱ "تم اپنی جگہ کام کئے جاؤ۔ ہم بھی (اپنی جگہ) سرگرم عمل
۱۲۲ ہیں اور نتیجے کے منتظر رہو۔ ہم بھی منتظر ہیں"
اور (یاد رکھ) اللہ ہی کے لئے آسمان و زمین کی چھپی باتوں کا علم ہے اور سارے کام اسی کے آگے رجوع ہوتے ہیں پس اسکی بندگی میں لگا رہ اور اس پر بھروسہ کر تیرا پروردگار اس سے غافل
۱۲۳ نہیں ہے جو کچھ لوگ کر رہے ہیں!

اصلاح کا عشق تجھے مضطرب کئے ہوئے ہے: لعلك باخع نفسك الا یکونوا مومنین (۳۰۲۶) تو ان سرگزشتوں کا تفکر موجب تسکین ہوگا کہ تجھ سے پہلے بھی ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے بلکہ اعراض و سرکشی کے اس سے بھی زیادہ سخت مظاہرے ہو چکے ہیں۔

(ب) یہ سرگزشتیں حق کو واضح کر دیتی ہیں یعنی ان میں حقیقت کی دلیلیں اور روشنیاں ہیں۔ یہ بتلاتی ہیں کہ اس بارے میں اللہ کا ایک مقررہ قانون ہے اور اس میں کبھی تبدیلی ہونے والی نہیں۔

(ج) ان میں موعظت ہے یعنی ایسی باتیں ہیں جو سننے والوں کو عبرت دلاتی ہیں، نصیحت و پند کرتی ہیں غرور و ناتوانی سے بیدار کر دیتی ہیں۔

(د) مومنوں کے لئے تذکیر ہے۔ یعنی سچائی کی یاد دلاتی ہیں، غفلت سے روکتی ہیں۔

اوائل حال کی ایک غفلت یہ بھی تھی کہ کمزور و بے سرو سامان تھے اور تمام ملک دشمنی پر تل گیا تھا۔ اس لئے کبھی کبھی مایوسی کے خیال آنے لگتے تھے۔

اب یہ چار باتیں سامنے رکھ کر قرآن کے قصص و وقائع کا مطالعہ کرو وہ تمام قفل کھل جائیں گے جنہیں ہمارے منطقی مفسروں کی دس دس جلدیں بھی نہ کھول سکیں۔

(۲۳) سورت کی ابتدا جس اعلان حق سے ہوئی تھی اور پھر واضح کیا تھا کہ تمام پچھلی دعوتوں کا بھی یہی اعلان رہ چکا ہے اسی پر اب سورت ختم ہوتی ہے۔ چنانچہ آخر کی تین آیتیں خاتمۂ موعظت ہیں۔

(ا) منکروں سے وہی بات کہہ دو جو ہمیشہ کہی گئی ہے یعنی تم اپنی جگہ کام کئے جاؤ۔ ہم اپنی جگہ کر رہے ہیں۔ تم بھی نتیجہ کا انتظار کرو۔ ہم بھی منتظر ہیں۔ نتیجہ فیصلہ کر دے گا۔ جس طرح ہمیشہ کر چکا ہے۔

(ب) اللہ ہی جانتا ہے کہ پردۂ غیب میں کیا چھپا ہے اور سارے کام اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

(ج) اور تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو کیا کرنا چاہئے؟ فاعبدہ وتوکل علیہ! اس کی عبادت میں لگے رہو اور اس پر بھروسہ رکھو!

قرآن کے قصص اور ان کا عجیب و برہان ہونا۔

(۲۴) یہ سورت بھی من جملہ ان سورتوں کے ہے جن میں گزشتہ دعوتوں کے وقائع سے استشہاد کیا گیا ہے اور گو سورۂ اعراف کے ایک نوٹ میں اس طرف اشارات کئے جا چکے ہیں لیکن ضروری ہے کہ یہاں مزید وضاحت کر دی جائے۔ تاکہ آئندہ جہاں کہیں یہ آیات آئیں، ذہن فہم و تدبر کے لئے مستعد رہے!

(۱) قرآن نے تذکیرو موعظت کے لئے جو باتیں بطور دلایل کے اختیار کی ہیں اور جنہیں وہ جابجا حجج، براہین، بینات اور بصائر سے تعبیر کرتا ہے، ان میں ایک نمایاں استدلال ایام و وقائع کا استدلال ہے۔ اس نے جہاں کہیں گزشتہ قوموں کے حالات بیان کئے ہیں، وہاں یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ اس بیان سے اس کا مقصود کیا ہے؟ جیسا کہ اسی سورت کی آیت ۱۲۰ میں

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا
مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ رَبُّكَ
لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۝ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً
وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۚ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ
لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ
مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ

قوموں کے وجود

سرزمین عذاب استیصال سے محفوظ رہیگی یعنی ایسے عذاب سے جو یک قلم نابود کر دینے والا ہو جیسا کہ پچھلی قوموں پر آ چکا ہے
(ذ) یاد رکھو دنیا میں اختلاف فکر و عمل ناگزیر ہے، ایسا نہیں ہو سکتا کہ سب ایک ہی راہ چلنے والے ہو جائیں اور حق و باطل کی کشمکش باقی نہ رہے پس اس بات سے مایوس نہ ہو کہ تمام آدمی کیوں دعوت حق قبول نہیں کر لیتے؟ نہ تو پہلے ایسا ہوا، نہ اب اسکی توقع رکھنی چاہئے۔ بہت سے مانیں گے، بہت سے نہیں مانیں گے۔ تم اپنے کام میں سرگرم رہو۔

پھر (دیکھو) ایسا کیوں نہیں ہوا کہ [redacted] تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان میں اہل خیر باقی رہے ہوتے اور لوگوں کو ملک میں شر و فساد کرنے سے روکتے؟ ایسا نہیں ہوا۔ مگر بہت تھوڑے عہدوں میں، جنہیں ہم نے نجات دی۔ ظلم کرنے والے تو اسی راہ پر چلے جس میں انہوں نے (اپنی نفس پرستیوں
۱۱۶ کی) آسودگی پائی تھی اور وہ سب [redacted]) مجرم تھے
اور (یاد رکھو) ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ تمہارا پروردگار آبادیوں کو ناحق ہلاک کر دے اور اس کے
۱۱۷ باشندے سنوارنے والے ہوں۔
اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک امت بنا دیتا (یعنی سب ایک ہی راہ چلتے۔ لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے ایسا نہیں چاہا، اور یہاں الگ الگ گروہ اور الگ الگ راہیں ہوئیں)
۱۱۸ اور لوگ ایسے ہی رہیں گے کہ مختلف ہوں۔ مگر ہاں جس پر تیرے پروردگار نے رحم فرمایا (تو وہ حقیقت پالے گا اور اس بارے میں اختلاف نہیں کرے گا) اور اسی لئے انہیں پیدا کیا ہے اور (پھر دیکھو اسی اختلافِ فکر و عمل کا نتیجہ ہے کہ) تمہارے پروردگار کی (ٹھہرائی ہوئی) بات پوری ہو کر رہی کہ
۱۱۹ البتہ ایسا ہوگا کہ میں جہنم کو کیا جن اور کیا انسان، سب سے بھرپور کر دوں!

(۲۲) یہاں آیت ۱۲۰ میں واضح کر دیا کہ گذشتہ رسولوں کی سرگزشتیں جو مختلف مقامات میں اور مختلف اسلوبوں میں بیان کی گئی ہیں ان سے قرآن کا مقصد کیا ہے۔
(۱) تاکہ تیرے دل کو تسکین ہو، یعنی قوم کو اعراض و سرکشی کی حالت میں دیکھ کر تیرا دل بیقرار ہے دعوت کا ولولہ اور

اور (اے پیغمبر!) رسولوں کی سرگزشتوں میں سے جو جو قصے ہم تجھے سناتے ہیں (یعنی جن جن اسلوبوں سے ہم سناتے ہیں) تو ان سب میں یہی بات ہے کہ تیرے دل کو تسکین دیدیں اور پھر ان کے اندر

فهل ينظرون الا سنة الاولين؟ فلن تجد لسنة الله تبديلا۔ ولن تجد لسنة الله تحويلا — (۳۵: ۴۳)

پھر یہ لوگ کس بات کی راہ تک رہے ہیں؟ کیا اس بات کی کہ جو کچھ اگلے لوگوں کے لیے سنت رہ چکی ہے ان کے لئے بھی ظہور میں آ جائے؟ تو یاد رکھو اللہ کی سنت کو کبھی [illegible] نہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کی سنت کے احکام پھیر دیے جائیں۔

سنة من قد ارسلنا قبلك من رسلنا ولا تجد لسنتنا تحويلا: (۱۷: ۷۷)

(اے پیغمبر!) تجھ سے پہلے جن رسولوں کو ہم نے بھیجا ہے، ان کے لئے ہماری سنت یہی رہی ہے، اور ہماری سنت کبھی ٹلنے والی نہیں!

استقرار کا یقین فطری ہے

قرآن کا یہ استدلال فی الحقیقت طبیعت انسانی کا وجدانی اذعان ہے، انسان کی ذہنی فطرت کا مطالعہ کرو۔ تم دیکھو گے کہ وہ حوادث سے بالطبع متاثر ہوتی ہے، اور اس کے اندر کوئی چیز ہے جو اسے بتلا دیتی ہے کہ یہاں ایک مرتبہ کا حادثہ ایک ہی مرتبہ کا حادثہ نہیں ہے، خواص و نتائج دائمی ہیں یعنی جو بات یہاں ایک مرتبہ ظہور میں آتی ہے وہ ہمیشہ ظہور میں آئے گی، یا ہمیشہ ظہور میں آسکتی ہے، اور جس چیز کا جو خاصہ ایک مرتبہ ظاہر ہوا، وہی خاصہ ہمیشہ ظہور میں آئے گا چنانچہ بچوں کو دیکھو، کس طرح یہ وجدانی علم ان کے اندر بول رہا ہے؟ ایک بچہ پہلی مرتبہ آگ میں انگلی ڈالتا ہے اور انگلی جلنے لگتی ہے۔ پھر جب کبھی آگ اس کے سامنے آتی ہے خود بخود ہاتھ کھینچ لیتا ہے کیوں؟ اسی لئے کہ اس کے اندر کوئی چیز ہے جو اسے تبلا دیتی ہے کہ جس چیز نے ایک مرتبہ جلایا، وہ ہمیشہ جلائیگی، یہ اعتقاد کہ "آگ ہمیشہ جلاتی ہے" اسے صرف اتنی بات سے حاصل ہو گیا کہ "آگ نے ایک مرتبہ جلا یا تھا!"

طبیعت انسانی کا یہی وجدانی تاثر ہے جس نے ہمارے ذہن میں استقرار کا اعتقاد پیدا کیا یعنی جزئیات کا تجربہ کرنا، اور اس کے ذریعہ سے کلیات تک پہنچنا اب ہمارے تمام علوم و معارف کا سنگ بنیاد یہی ہے۔

بہر حال قرآن کہتا ہے اگر تم وجدانی طور پر یہ بات محسوس کرتے ہو کہ خواص و نتائج کا تسلسل و اجرا ایک حقیقت ہے یعنی اگر ایک چیز سے بار بار ایک ہی طرح کا نتیجہ نکلا ہے تو یہ اس کا خاصہ ہے، اور اس میں تبدیلی ممکن نہیں تو پھر تم کیسے انکار کر دیتے ہو کہ اعمال انسانی کے لئے یہ حقیقت معطل ہو گئی، اور یہاں ایسا ہونا ضروری نہیں؟ اگر تم کہتے ہو کہ فلاں بات سے ایسا نتیجہ ضرور نکلے گا کیونکہ بار بار ایسا ہی ہو چکا ہے، تو پھر اس بات سے کیوں انکار کر دیتے ہو کہ فلاں قسم کے اعمال کا نتیجہ یقیناً ہلاکت ہے، کیونکہ بار بار ایسا ہی ہو چکا ہے؟ چنانچہ یہی بات ہے کہ وہ جا بجا کہتا ہے تم ہی دنیا میں پہلی قوم نہیں ہو تم سے پہلے بھی بے شمار قومیں اسی زمین میں گزر چکی ہیں، ان کی بھی آبادیاں تھیں، قوتیں اور شوکتیں تھیں، سربفلک عمارتیں تھیں، فکر و عمل کی سرگرمیاں تھیں۔ پس دنیا کی سیر کرو۔ گذری ہوئی سرگزشتیں سنو، مٹی ہوئی نشانیوں کا کھوج لگاؤ، اور پھر دیکھو سعادت و شقاوت کے قانون کا کیا ئل درآمد رہ چکا ہے؟ اور اگر ہمیشہ ہی ایسا ہو چکا ہے تو کیا تم سمجھتے ہو خدا تمہارے لئے اپنا قانون ہستی معطل کر دے گا؟ یا اس طرح بدل دے گا کہ جو چیز کل تک سنکھیا رہ چکی ہے، تمہارے لئے شہد ہو جائے؟

قد خلت من قبلكم سنن فسيروا فى الارض، فانظروا كيف كان عاقبة المكذبين؟ (۳: ۱۳۷)

تم سے پہلے بھی (دنیا میں خدا کے) احکام و قوانین کے نتائج گزر چکے ہیں پس ملکوں کی سیر کرو۔ پھر دیکھو، ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جنہوں نے خدا کی نشانیاں جھٹلائی تھیں؟

اولم يسيروا فى الارض، فينظروا كيف كان عاقبة الذين من قبلهم وكانوا اشد منهم قوة؟ (۳۵: ۴۴)

کیا یہ لوگ ملکوں میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے، ان لوگوں کا کیسا انجام ہو چکا ہے جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں، اور جو ان لوگوں سے قوت میں کہیں زیادہ تھے؟

قرآن کی موعظت کا ایک خاص دائرہ ہے، اور وہ جو کچھ کہتا ہے اسی کے اندر رہ کر کہتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ اس استدلال کو بھی اسی کے اندر رہ کر دیکھیں۔ اس سے باہر جانے کی کوشش نہ کریں۔ تاہم ایک بات ایسی ہے جو بغیر کسی تکلف کے خود بخود سامنے آ جاتی ہے، اور ہم اپنے ذہن کو اس طرف جانے سے روک نہیں سکتے یعنی قرآن کے اس طرز استدلال نے

گزر چکا ہے اور جب ہم اس پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ مقصود یہ نہیں ہے کہ تورات کی طرح دنیا کی تاریخ بیان کی جائے بلکہ کچھ باتیں ہیں جن کا دعوتوں میں اذعان پیدا کرنا چاہتا ہے اور سرگزشتیں اس کے لئے دلیلیں ہیں جنہیں بینہ براہین ہیں پس سمجھ لینا چاہئے کہ کیونکر یہ سرگزشتیں دلیلیں ہوئیں۔ بات بالکل صاف تھی کیونکہ خود قرآن نے کھول کھول کر ہر جگہ بتلا دی ہے لیکن منطقی استدلال کے انہماک نے مفسروں کو سمجھنے کی مہلت نہ دی

(ب) اس سلسلے میں سب سے پہلے دو باتیں ذہن نشین کر لینی چاہئیں:-

وحدتِ قوانینِ فطرت

اولاً قرآن کہتا ہے کہ کائنات ہستی کے جس گوشہ پر بھی نظر ڈالو گے تمہیں ایک حقیقت ابھری ہوئی دکھائی دے گی بشرطیکہ دیکھنے سے انکار نہ کرو وہ کیا ہے؟ قوانین فطرت کی وحدت یعنی یہاں ہر جگہ ایک ہی قانون ایک ہی طرح پر کام کر رہا ہے کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو اپنے قانون خلقت و فعل میں دوسروں سے ذرا بھی الگ ہو۔ بلاشبہ بھیس بہت سے ہو گئے ہیں اور نام بھی یکساں نہیں۔ مگر حقیقت ایک ہی ہے اور جونہی سامنے کے پردے ہٹاتے ہو اصلیت کی بے لاگ وحدت آکھڑی ہوتی ہے۔ مثلاً تم کہتے ہو کہ حیوان کے لئے موت و حیات ہے پھولوں کے لئے کھلنا اور مرجھانا ہے پتھروں کے لئے بننا اور پامال ہونا ہے اجزا کے لئے ملنا اور بکھر جانا ہے بھیس بہت سے ہو گئے مگر کیا صورتیں بھی بہت ہو گئیں؟ نام کئی ہو گئے۔ مگر کیا حقیقت بھی متعدد ہوئی؟ وہی قانون جو حیوانات میں موت و حیات تھا، نباتات میں کھلنا اور مرجھانا ہوا، جمادات میں بننا اور پامال ہونا۔ اجزا میں ملنا اور بکھرنا۔ الفاظ بدلتے جاؤ۔ معنی نہیں بدل سکتے!

عباراتنا شتی وحسنک واحد

وکل الی ذاک الجمال یشیر!

وہ کہتا ہے جب کائنات ہستی کے ہر گوشہ میں وحدت قانون کی بنیادی اصل کام کر رہی ہے تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ اعمال انسانی کا گوشہ اس سے باہر ہو؟ اور وہاں بھی کوئی قانون کام نہ کر رہا ہو؟ اور وہ وہی اور ویسا ہی نہ ہو جیسا تمام گوشوں میں ہے؟ وہ کہتا ہے کہ یہ گوشہ بھی دوسرے گوشوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ ٹھیک اسی طرح، جس طرح یہاں کا ہر گوشہ دوسرے گوشے سے مربوط ہے یہاں بھی وہی قانون کام کر رہا ہے جو عالم مادی کے تمام گوشوں میں کارفرما ہے اور یہاں کے بھی وہی احکام و نتائج ہیں جو دوسرے گوشوں میں نظر آتے ہیں۔ مثلاً اگر عالم مادی میں تم دیکھتے ہو کہ آگ کا خاصہ جلانا ہے اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ آگ روشن ہو اور اس کے شعلوں سے ٹھنڈک نکلے، تو تمہیں اس سے انکار نہیں کرنا چاہئے کہ یہاں بھی کوئی بات آگ کی طرح ہو سکتی ہے اور جب وہ ظہور میں آ جائے تو اس سے گرمی ہی نکلے گی۔ ٹھنڈک نہیں نکل سکتی۔ یعنی مادیات کے خواص کی طرح معنویات کے بھی خواص ہیں اور خواص و نتائج کا ایک ہی عالمگیر قانون یکساں طور پر دونوں جگہ کام کر رہا ہے۔ (مزید تشریح کے لئے تفسیر سورۂ فاتحہ اور مقدمہ دیکھنا چاہئے)

ثانیاً وہ کہتا ہے جس طرح یہاں ہر بات کے لئے فطرت کے مقررہ قوانین ہیں اسی طرح قوموں اور جماعتوں کی سعادت و شقاوت اور حیات و ممات کا بھی ایک قانون ہوا اور جس طرح فطرت کے تمام قوانین یکساں ہیں عالمگیر ہیں غیر متبدل ہیں اسی طرح یہ قانون بھی ہمیشہ ایک ہی طرح رہا ہے اور ہمیشہ ایک ہی طرح کے احکام و نتائج ظاہر ہوتے ہیں، زمانوں اور قوموں کے اختلاف سے اس کی تاثیر مختلف نہیں ہو سکتی۔ جس طرح سنکھیا کا خاصہ ہلاکت ہی ہے خواہ کسی ملک اور کسی عہد میں کھائی جائے، اسی طرح اس قانون کے احکام و نتائج بھی یکساں ہی ہوں گے خواہ کسی ملک اور کسی عہد میں پیش آئیں یہ نہیں ہو سکتا کہ اب سے ہزار برس پہلے تو سنکھیا کا خاصہ ہلاکت رہا ہو اور اب زندگی ہو جائے، پس جو کچھ ماضی میں پیش آ چکا ہے ضروری ہے کہ مستقبل میں بھی پیش آئے۔ اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی کیونکہ فطرت کے قوانین میں تبدیلی نہیں۔

سنۃ اللہ

اس نے جا بجا اس قانون کو "سنۃ اللہ" سے تعبیر کیا ہے:

سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (۳۳: ۶۲)

جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کے لئے اللہ کی سنت یہی رہی ہے (یعنی اللہ کے قانون کا دستور یہی رہا ہے) اور اللہ کی سنت میں تم کبھی ردو بدل نہیں پاؤ گے!

وہ کس قسم کے تھے؟ اور ان معاملات میں ان کا جو قول و فعل رہا، وہ کس قسم کا تھا؟ تم دیکھوگے کہ ان ساری باتوں میں ہر رسول دوسرے رسول کی تصویر تھا، اور ہر دعوت دوسری دعوت کا عکس تھی۔ کسی بات میں بھی تم ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کر سکتے۔ سب اسی حال میں پیدا ہوئے کہ دنیوی عزتوں اور بڑائیوں میں سے کچھ نہیں رکھتے تھے۔ سب کا ظہور ایسے ہی وقتوں میں ہوا جب خدا پرستی اور نیک عملی کی روشنی بجھ چکی تھی۔ سب انہی قوموں میں پیدا ہوئے جن قوموں کو انہوں نے مخاطب کیا تھا۔ سب کی زبانوں سے ایک ہی پکار نکلی، سب نے ایک ہی طرح پر لوگوں کو بلایا۔ سب نے کہا۔ اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سب نے کہا ظلم و بد عملی سے باز آجاؤ۔ اس کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ سب نے کہا۔ ہماری جد و جہد اور ازخود ہے، مزدوری کی طلب نہیں۔ سب نے کہا ہمارے پاس علم و یقین ہے۔ ہم تمہیں ظن و جہل سے نجات دلانا چاہتے ہیں۔ سب نے کہا۔ ہمارا دعویٰ اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ ایمان و نیک عملی کے نتائج کی بشارت دینے والے ہیں۔ انکار و بد عملی کے نتائج سے متنبہ کر دینے والے۔ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ سب نے کہا تمہارا بھروسہ اپنی طاقتوں پر ہے۔ ہمارا پروردگار عالم پر۔ تم جو کچھ کر سکتے ہو کر دیکھو۔ ہم اپنے کام سے باز آنے والے نہیں۔ سب نے کہا۔ اگر مانتے نہیں تو کم از کم حق کے مقابلے میں سرکشی کرنا چھوڑ دو۔ کیونکہ سرکشی کا نتیجہ عذاب ہے اور پھر سب نے کہا کہ تمہاری راہ تمہارے لئے ہے۔ ہماری راہ ہمارے لئے فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے۔ ہم بھی انتظار کرتے ہیں تم بھی انتظار کرو۔

پھر ان قوموں کی طرف نظر اٹھاؤ جن میں ان تمام دعوتوں کا ظہور ہوا تھا۔ کس طرح۔ یہاں بھی ہر قوم اپنے طرز عمل میں ٹھیک ٹھیک دوسری قوم کی شبیہ ہے؟ اور کس طرح گمراہی کا چہرہ ہمیشہ ایک ہی طرح کا رہا، جس طرح ہدایت کا چہرہ ایک ہی طرح کا رہا ہے؟ غور کرو۔ کوئی بات بھی ایسی دکھائی دیتی ہے جس میں ظلم و فساد کی دوسری نمود سے ہم رنگ نہ رہی ہو؟ سب نے اپنی اپنی باری وہی سب کچھ کیا، جو ان میں سے کسی ایک نے کیا تھا۔ سب نے دعوت سے انکار کیا۔ سب نے دعوت کی ہنسی اڑائی۔ سب نے دلیلوں سے منہ موڑا۔ سب نے روشنیوں سے آنکھیں بند کر لیں۔ سب سرکشی اور گھمنڈ کی چال چلے۔ سب نے جبر و تشدد سے راہ روکنی چاہی۔ سب نے موعظت و دلایل کا جواب ظلم و تعدی سے دیا۔ سب کی زبانوں سے ایک ہی طرح کی صدائیں نکلیں۔ سب کے اعراض و انکار کا مزاج ایک ہی طرح کا مزاج رہا۔ اور پھر سب کو غرور و طغیان نے آخر وقت تک اس کی مہلت نہ دی کہ روشنی و تاریکی میں امتیاز کرتے!

پھر اگر انہیں مانا تو کن لوگوں نے مانا اور کتنوں نے مانا؟ تو یہاں بھی ہر دعوت کا معاملہ دوسری دعوت کے معاملہ سے بالکل ہم آہنگ رہا ہے۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے کہ بے نواؤں نے قبول کیا۔ اور سرداروں اور رئیسوں نے مخالفت کی۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوا کہ جنہوں نے مانا، وہ تھوڑے تھے، جنہوں نے انکار کیا وہ بہت تھے۔

پھر دیکھو۔ نتیجہ بھی کس طرح ہمیشہ ایک سا ہی رہا، اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس ایک کے خلاف ہوا ہو؟ ہمیشہ خدا کے فیصلہ کا انتظار کیا گیا، اور ہمیشہ فیصلہ یہی ہوا کہ مومنوں نے نجات پائی۔ سرکشوں کے لئے ہلاکت ہوئی یہ گویا اس معاملہ کا ایک قدرتی خاصہ تھا، اور خاصہ کبھی بدل نہیں سکتا۔ یہ آگ کے لئے گرمی تھی۔ برف کے لئے ٹھنڈک تھی۔ سنکھیا کے لئے ہلاکت تھی اور آگ جب کبھی سلگے گی، گرمی ہی نکلے گی، برف جب کبھی جمے گی، ٹھنڈک ہی ہوگی۔ سنکھیا جب کبھی کھائی جائے گی ہلاکت ہی لائے گی: سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل، ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا!

(ز) قرآن کے اس استدلال کی ہم نے جو کچھ تشریح کی ہے، یہ کوئی دور کا مفسرانہ استنباط نہیں ہے بلکہ خود قرآن نے صاف صاف لفظوں میں یہ ساری باتیں واضح کر دی ہیں۔ ضرورت صرف تدبر و بصیرت کی ہے۔ قرآن کے ان بے شمار مقامات کا مطالعہ کرو جہاں گذشتہ رسولوں یا گزشتہ قوموں کی الگ الگ سرگزشتیں نہیں بیان کی ہیں بلکہ محض اجمالی اشارہ کر دیا ہے اور پھر یکے بعد دیگرے ان عبرتوں پر توجہ دلائی ہے جو ان سب کی سرگزشتوں سے مجموعی طور پر نکلتی ہیں۔ مثلاً سورہ ابراہیم کی آیت ۹ میں فرمایا! کیا ان قوموں کی خبریں تم تک نہیں پہنچیں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں؟ پھر ان قوموں کی طرف اشارہ کیا ہے "قوم نوح" قوم عاد، قوم ثمود، اور وہ قومیں، جو ان کے بعد ظہور میں آئیں اور جن کا

ایک زیادہ عام حقیقت کی طرف بھی اشارہ ضرور کردیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تاریخ کا صحیح استعمال کیا ہونا چاہئے؟ قرآن کی ان تصریحات سے معلوم ہو گیا کہ گزشتہ کا مطالعہ اس لئے کرنا چاہئے کہ آئندہ کے لئے عبرت حاصل کی جائے یعنی جو کچھ گزر چکا ہے وہ آئندہ کے لئے ذخیرہ بصیرت ہے اور ماضی کے آئینہ میں مستقبل کی صورت دیکھ لی جا سکتی ہے۔ یہ کہنا ضروری نہیں کہ اس باب میں علم و نظر کی کاوشیں جس قدر بھی سراغ لگا سکی ہیں وہ زیادہ سے زیادہ یہی ہے۔ تاریخ میں ابن خلدون پہلا شخص تھا جس نے تاریخ کو اسی روشنی میں دیکھنا چاہا، اور اب فلسفۂ تاریخ کی ساری بنیادیں اصل پر چنی گئی ہیں۔ البتہ اس وقت تک معاملہ ابتدائی حالت سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ اگر بڑھتا تو ہم تاریخ کی ہر داستان میں مستقبل کی ایک نئی داستان پڑھ لیا کرتے۔

(ج) اب یہ دو اصل سامنے رکھ کر قرآن کے ان تمام مقامات کا مطالعہ کرو۔ جہاں گزشتہ ایام و وقائع کا ذکر کیا گیا ہے تم دیکھو گے کہ ہر جگہ یہی استدلال کام کر رہا ہے، اور جونہی یہ بات سامنے رکھ لی جائے، تمام وجوہ و روابط واضح ہو جاتے ہیں البتہ ہر مقام پر ایک ہی طرح کا بیان نہیں ہے، اور نہ ہی ایک پہلو پر زور دیا گیا ہے۔ کسی مقام پر شخصیتوں کا ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ وہاں اسی کی ضرورت تھی، کہیں قوموں کا ذکر کیا ہے، کیونکہ وہاں کا مقتضا یہی تھا، کہیں وقائع کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ وہاں کے لئے اسی قدر کافی تھا۔ اور پھر کہیں ایسا ہے کہ تمام سرگزشتیں ایک ہی مقام پر جمع کر دی ہیں، اور ان سب سے بہ حیثیت مجموعی استدلال کیا ہے تاکہ استدلال کے تمام پہلو آشکارا ہو جائیں۔

(د) چنانچہ یہ سورت بھی من جملہ ان سورتوں کے ہے جن میں آخری صورت اختیار کی گئی ہے، اور اس لئے اس استدلال کے جامع و مفصل مقامات میں سے ہے وہ کہتا ہے گزرے ہوئے عہدوں کی طرف مڑکے دیکھو تم دیکھو گے کہ دنیا کی کوئی آبادی ایسی نہیں ہے جہاں ایک خاص طرح کا معاملہ پیش نہ آیا ہو، اور خاص طرح کے نتائج پیدا نہ ہوئے ہوں۔ ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ قوموں میں ایک خاص طرح کی شخصیتیں پیدا ہوئیں، ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ انہوں نے خاص طرح کی صدائیں بلند کیں ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ ان کے اور ان کی قوم کے درمیان خاص طرح کے معاملات پیش آئے، اور پھر ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ ان کا خاتمہ ایک خاص طرح کے نتیجہ پر ضرور ہوا۔ اور اس نتیجہ نے تمام قضیہ کا فیصلہ کر دیا۔ تم یہ بھی دیکھو گے کہ یہ سارا معاملہ اپنی ساری باتوں میں کچھ اس طرح کا یکساں اور ہم رنگ واقع ہوا ہے کہ معلوم ہوتا ہے ایک ہی حقیقت ہے جو بار بار ابھرتی اور اپنے آپ کو دہراتی رہی ہے، یا ایک ہی زنجیر ہے جس کی مختلف کڑیاں یکے بعد دیگرے نمایاں ہوتی ہیں، اور اس کی کوئی کڑی دوسری کڑی سے الگ نہیں۔ پھر کیا یہ بات کہ ہمیشہ اور ہر جگہ ایک ہی طرح کی بات پیش آئی، اور ایک ہی طرح کا نتیجہ نکلا اس یقین کے لئے کافی نہیں کہ یہ ملکوں اور قوموں کی سعادت و شقاوت کا ایک الٰہی قانون ہے اور چونکہ ہمیشہ کام کرتا رہا ہے اس لئے اب بھی کام کرے گا؟

(ہ) اب ان تمام سرگزشتوں پر نظر ڈالو جو اس سورت میں بیان کی گئی ہیں، اور اعراف میں گزر چکی ہے، اور آئندہ سورتوں میں بھی آئیں گی۔ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت سے شروع ہوتی ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر ختم کر دی جاتی ہیں۔ غور کرو کس طرح ان تمام دعوتوں کے ظہور میں، اعلانات میں، تذکیر و موعظت میں، احوال و ظروف میں، رد و قبول میں، نوعیت و حیثیت میں، اور پھر آخری نتیجہ میں کامل یکسانیت پائی جاتی ہے؟ اور کس طرح ان کی ہم آہنگی کے تمام نقطے صاف صاف ابھرے ہوئے ہیں؟ ساتھ ہی کس طرح ہم پر کھلا جا رہا ہے کہ ہدایت وحی کے ظہور کے عام قوانین کیا کیا ہیں؟ اور کس طرح دعوت وحی کا ہر چہرہ اپنے خال و خط میں قطعی اور آشکارا نظر آ رہا ہے کہ شک و اشتباہ کی پرچھائیں بھی اسے چھونے کی جرات نہیں کر سکتی؟

(و) سورہ اعراف کے ایک نوٹ میں اشارات گزر چکے ہیں، اور اس سورت میں ہر دعوت کے وقائع کا خلاصہ بالمقابل نوٹوں میں پڑھ چکے ہو۔ ان سب پر مکرر نظر ڈالو اور غور کرو جتنے رسول پیدا ہوئے وہ کیسے وقتوں میں پیدا ہوئے؟ اور کن لوگوں میں پیدا ہوئے؟ ان کی پکار کیا تھی؟ اور پکار کی نوعیت کیا تھی؟ ان کی دلیلیں کیا تھیں جن پر انہوں نے زور دیا؟ ان کا طریق کار کیا تھا جس پر وہ برابر کاربند رہے؟ انہوں نے اپنے قدم جہاں ٹکائے تھے وہ جگہ کونسی تھی؟ اور سہارے کے لئے جس کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا، وہ کون تھا؟ پھر ان میں اور ان کی قوموں میں جو معاملات پیش آئے

سورۂ ہود اور استقرار تاریخی

مالکم کیف تحکمون ؟

پس معلوم ہوا ایمان کی تمام فطری اور عالمگیر حقیقتوں کی طرح ہدایت وحی کی بھی ایک حقیقت ہے۔ جو ہمیشہ ظہور میں آئی ایمان اور عمل صالح کے قانون کی بھی ایک حقیقت ہے جس کی ہمیشہ تعلیم دی گئی۔ ہدایت اور ضلالت کی کشمکش کی بھی ایک حقیقت ہے جو ہمیشہ نمودار ہوئی۔ تصدیق رسل کے نتائج کی بھی ایک حقیقت ہے جو ہمیشہ ظہور میں آئے اور انکار و سرکشی کے نتائج بھی دنیا کی ایک ثابت شدہ حقیقت ہیں، کیونکہ ان میں کبھی تغیر نہیں ہوا؟

قرآن نے صرف چند دعوتوں کا کیوں ذکر کیا؟

(ی) اس سلسلہ میں یہ بات پیش نظر رہے کہ قرآن نے اگرچہ یہاں اور دیگر مقامات میں چند خاص خاص دعوتوں اور قوموں ہی کا ذکر کیا ہے لیکن اس کا دعویٰ عام ہے اور اسی پر یہ استدلال مبنی ہے اس نے جا بجا یہ بات واضح کر دی ہے کہ ہدایت وحی کا ظہور جمعیت بشری کا عالمگیر واقعہ ہے اور کوئی قوم نہیں جس میں اللہ کے کسی رسول کا ظہور نہ ہوا ہو نیز یہ کہ بے شمار قومیں دنیا میں گزر چکی ہیں جن کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے، چنانچہ سورۂ یونس کی آیت (۴۷) میں گزر چکا ہے:

ولکل امۃ رسول فاذا جآء رسولھم قضی بینھم بالقسط وھم لا یظلمون۔ اور دوسرے مقامات میں فرمایا: انما انت منذر ولکل قوم ھاد (۱۳: ۷) ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت (۱۶: ۳۶) انا ارسلنک بالحق بشیرا و نذیرا، وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر (۳۵: ۲۴) الم یاتکم نبؤا الذین من قبلکم قوم نوح وعاد و ثمود والذین من بعدھم لا یعلمھم الا اللہ؟ (۱۴: ۹)

لیکن ساتھ ہی اس نے یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ قرآن میں تمام رسولوں کا ذکر نہیں کیا گیا، صرف چند کا ذکر کیا گیا ہے۔

ولقد ارسلنا رسلا من قبلک منھم من قصصنا علیک ومنھم من لم نقصص علیک (۴۰: ۷۸)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے کتنے ہی رسول مبعوث کئے۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کے حالات تمہیں سنائے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات نہیں سنائے۔

یہ ظاہر ہے کہ قومیں بے شمار گزر چکی ہیں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حسب تصریح قرآن، ہر قوم میں دعوت حق کا ظہور ہوا ہے پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ بے شمار قومیں اور بے شمار دعوتیں ہوئیں جن میں سے صرف چند ہی کا قرآن نے ذکر کیا باقی کا نہیں کیا

قرآن نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس کا سبب بالکل واضح ہے قرآن کا مقصود ان سرگزشتوں کے بیان سے یہ نہیں تھا کہ تاریخ کی طرح تمام واقعات کا استقصا کیا جائے۔ بلکہ صرف تذکیر و موعظت تھا، اور تذکیر و موعظت کے لئے اس قدر کافی تھا کہ چند دعوتوں اور قوموں کی سرگزشتیں بیان کر دی جائیں اور باقی کے لئے کہہ دیا جائے کہ ان کا حال بھی انہی پر قیاس کر لو۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس بارے میں اس کا اسلوب بیان ہر جگہ عام ہے جا بجا اس طرح کی تعبیرات پائی جاتی ہیں کہ پچھلے قرنوں میں ایسا ہوا پچھلی قوموں میں ایسا ہوا۔ پچھلی آبادیوں میں ایسا ہوا۔ پچھلے رسولوں کے ساتھ اس طرح کے معاملات پیش آئے۔ البتہ جہاں تعیین و تخصیص کے ساتھ ذکر کیا ہے، وہاں صرف چند قوموں ہی کی سرگزشتیں بیان کی ہیں، جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ یہ چند سرگزشتیں پچھلی قوموں کے ایام و وقائع کا نمونہ سمجھی جائیں، اور ان سے اندازہ کر لیا جائے کہ اس بارہ میں تمام اقوام عالم کی روئدادیں کیسی رہ چکی ہیں:

البتہ کہا جا سکتا ہے کہ کیوں خصوصیت کے ساتھ ان چند قوموں ہی کا ذکر کیا گیا جو ایک خاص خطہ ارضی میں گذر چکی تھیں۔ دوسرے خطوں کی اقوام میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا؟

تو اس کے وجوہ بھی بالکل واضح ہیں اگر تھوڑی سی دقت نظر کام میں لائی جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ ایام و وقائع کے ذکر سے مقصود بعض مقاصد کے لئے استشہاد تھا۔ اور یہ استشہاد جب ہی موثر ہو سکتا تھا کہ جن ایام و وقائع کا ذکر کیا جائے

[1] مطالب قرآنی کا یہ مقام نہایت وسیع ہے، اور اس قدر تفصیل کے بعد بھی بے شمار اطراف بحث تشنہ رہ گئے ہیں لیکن اس کے سوا چارہ نہیں کہ تکمیل بحث کے لئے مقدمہ کا انتظار کیا جائے۔

حال اللہ ہی کو معلوم ہے" پھر اس کے بعد ان سب کے ایام و وقائع کی متفقہ اور مشترکہ خبر تبیین بیان کی ہیں اور صاف طور پر واضح کر دیا ہے کہ تمام رسولوں کی صدائیں ایک ہی طرح کی رہیں، اور تمام قوموں کے انکار و سرکشی کا عنوان بھی ایک ہی رہا۔ پھر نتیجہ پیش آیا وہ بھی سب کے لئے یکساں تھا اور ایک ہی تھا: فاوحی الیھم ربھم لنھلکن الظالمین

ولنسکننکم الارض من بعدھم ذلک لمن خاف مقامی وخاف وعید (۱۴:۱۴)

ایام اللہ

(ح) عربی میں ایسے واقعات کو جو بڑے اہم اور فیصلہ کن ہوتے ہیں اور قومی روایات کی حیثیت حاصل کر لیتے ہیں، یوں تعبیر کیا جاتا ہے کہ فلاں واقعہ کا دن۔ مثلاً یوم بدر، یوم احد، یوم قادسیہ، اور اسی سے قومی معرکوں کے لئے "ایام" کی تعبیر پیدا ہوگئی ہے۔ چونکہ فیصلہ نتائج کے یہ دن جو تمام قوموں کو پیش آئے اللہ کے قانون حق کے نفاذ کے دن تھے، اور حق و باطل کی معرکہ آرائی تھی، اس لئے قرآن نے انہیں "ایام اللہ" سے تعبیر کیا ہے۔

و لقد ارسلنا موسی بایتنا ان اخرج قومک من الظلمات الی النور، و ذکرھم بایام اللہ ان فی ذلک لایات لکل صبار شکور! (۱۴:۵)

قصصِ قرآن

(ط) اس سورت میں بیان قصص کے بعد فرمایا ہے: وجاءک فی ھذہ الحق وموعظۃ وذکری للمومنین (۱۲۰) ان سرگزشتوں نے تم پر حقیقت کھول دی اور وہ سرتا پا موعظت و تذکیر ہیں۔ نیز بے شمار مقامات میں تصریح کی کہ ان سرگزشتوں میں حقیقت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں بڑی بڑی دلیلیں ہیں، تو اب غور کرو "ایام اللہ" کے اس استدلال سے کس طرح حقائق وحی کی تمام مہمات واضح ہو جاتی ہیں؟ اور کس طرح ہر حقیقت کے لئے موعظت و تذکیر مل جاتی ہے؟ تشریح کا یہ محل نہیں، مقصود اشارات ہیں۔ تاکہ تمہارے سامنے تدبر کی راہیں خود بخود کھل جائیں مثلاً بنا ر استدلال معاملات کی وحدت اور ان کا عالمگیر تسلسل ہے، تو اب غور کرو۔ یہ وحدت کس طرح ہر گوشہ میں علم و یقین کا اجالا پیدا کر رہی ہے؟

اولاً وحدت انبعاث۔ یعنی معلوم ہو گیا۔ ایک خاص معاملہ کے لحاظ تمام ملکوں اور قوموں کی حالت یکساں رہی ہے کوئی ملک و قوم ہو، لیکن سراغ ملتا ہے کہ وہاں کچھ لوگ ایسے ضرور پیدا ہوئے جنہوں نے ابنائے جنس کو ایک خاص طرح کی تعلیم دی۔

ثانیاً وحدت دعوت۔ یعنی یہ تعلیم اگرچہ مختلف زمانوں، مختلف ملکوں، مختلف پیرایوں، مختلف زبانوں میں دی گئی لیکن ان اختلافات سے تعلیم مختلف نہیں ہوگئی۔ وہ ہمیشہ ایک ہی رہی۔ گویا ایک ہی پیام تھا جو کسی نے بہت سے پیامبروں کو دے کر بھیج دیا ہو۔ اور زبانیں بہت سی ہوگئی ہوں مگر بات ایک ہی رہی ہو۔

ثالثاً، وحدت تذکیر و موعظت۔ یعنی تمام دعوتوں کی صرف تعلیم ہی یکساں نہ رہی۔ بلکہ تذکیر و موعظت کے اصول بھی ایک ہی رہے۔

رابعاً، وحدت شئون و وقائع۔ یعنی اگرچہ زمانے مختلف ہوئے، ملک مختلف ہوئے، قومیں مختلف ہوئیں احوال و ظروف مختلف ہوئے، مگر جو معاملات پیش آئے، وہ اپنی نوعیت میں ہمیشہ ایک ہی طرح کے ہوتے۔

خامساً، وحدت تصدیق و انکار۔ یعنی دعوت کے ماننے نہ ماننے کے لحاظ سے بھی حالت ہمیشہ یکساں رہی۔

سادساً، وحدت ہدایت و ضلالت فکر۔ یعنی ہمیشہ ماننے والوں کی فکری حالت بھی ایک ہی طرح کی رہی اور نہ ماننے والوں کی فکری حالت بھی ایک ہی طرح کی رہی۔ جنہوں نے مانا، ہمیشہ ایک ہی طرح پر مانا۔ جنہوں نے نہ مانا، ایک ہی طرح پر نہ مانا حتی کہ تصدیق و یقین کی جتنی صدائیں اٹھیں، ہمیشہ ایک ہی طرح کی اٹھیں، اور انکار و شک کی جتنی باتیں کہی گئیں ہمیشہ ایک ہی طرح کی کہی گئیں۔

سابعاً، وحدت ظہور نتائج۔ یعنی پھر نتیجہ بھی ہمیشہ ایک ہی نکلا۔ ایک سے دو نہ ہوا۔

قرآن کہتا ہے۔ جب صورت حال یہ ہے تو کیا ایسی باتیں اصلیت سے خالی ہو سکتی ہیں؟ کیا ان کی قدامت، ان کی عالمگیری، ان کا دائمی تسلسل، ان کا غیر منقطع اعادہ، ان کی بے داغ وحدت ان کی فطری صداقت کا اعلان نہیں کر رہی؟

ناآشنا تھے، یعنی نام تو سن لیا تھا۔ لیکن اس کی یہ تفصیلات اور جزئیات کسی کو معلوم نہ تھیں۔ مثلاً اسی صورت میں حضرت نوح علیہ السلام کی سرگزشت بیان کرکے آیت ۴۹ میں تصریح کردی کہ یہ باتیں نہ تو تجھے معلوم تھیں نہ تیری قوم کو۔

جدید اثری تحقیقات اور اقوام مذکرۂ قرآن

پھر فہم و تدبر کا ایک اور نقطہ بھی ہے، اور اس طرف بھی اشارہ کردینا ضروری ہے۔ قرآن نے جن خطوں کی اقوام کا ذکر کیا ہے، دنیا کو ان کی قدیم تاریخ بہت کم معلوم تھی۔ اور خود عرب اور عربی نسل کی ابتدائی سرگزشتیں بھی پردۂ خفا میں مستور تھیں۔ لیکن اٹھارھویں صدی سے آثار قدیمہ کی تحقیقات کا نیا سلسلہ شروع ہوا، اور پھر انیسویں صدی میں نئے نئے پردے اُٹھے، اور اب بیسویں صدی کے اثری انکشافات روز بروز ایک خاص رخ پر جا رہے ہیں۔ ان سب سے عرب، عراق، فلسطین، شام اور مصر کی قدیم قوموں اور تمدنوں کے جو حالات منکشف ہوئے ہیں، انہوں نے ان خطوں کی قدیم تاریخ کو بالکل ایک نئی شکل دے دی ہے، اور روز بروز نئی نئی حقیقتیں ابھرتی جاتی ہیں۔ سب سے زیادہ عجیب بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ عربی نسل اور عربی زبان کے صرف اتنے ہی معنی نہیں ہیں جتنے آج تک سمجھے گئے ہیں، بلکہ یہ قوموں اور نسلوں کی ایک نہایت قدیم اور وسیع داستان ہے، اور دنیا کے ابتدائی تمدنوں میں عظیم الشان حصہ لے چکی ہیں۔

ان تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عربی زبان اور اس کی ابتدائی شکلوں کے بولنے والوں کو ایک خاص نسل تسلیم کر لیا جائے، تو یہ دراصل بہت سے گروہوں اور قبیلوں کا ایک مجموعہ تھا اور عرب، فلسطین، شام، مصر، اور عراق کے خطوں میں پھیلا ہوا تھا۔ اس نے دنیا کے ابتدائی تمدن کی تعمیر میں بڑے بڑے حصے لیے۔ ان ملکوں کی وہ تمام قدیم قومیں جو آج تک ایک دوسرے سے بالکل الگ سمجھی جاتی تھیں، مثلاً اشوری، سریانی، فینیقی، مصری، آرامی وغیرہم، فی الحقیقت الگ نہ تھیں اور عربی زبان کا ابتدائی مواد اور عربی رسم الخط کے ابتدائی نقوش ان سب میں مشترک تھے۔ حتیٰ کہ انہی گروہوں نے مصر کے تخت عظمت پر عرصہ تک شہنشاہی کی، اور اپنی زبان وقت کی تمام متمدن قوموں کو مستعار دے دی۔ چنانچہ دارا کے کتبوں اور مصر کے ہیرو غلیفی نقوش میں عربی الفاظ آج تک پڑھے جا سکتے ہیں، اور یہ بات تو ایک تاریخی حقیقت کی طرح مان لی گئی ہے کہ یونانیوں نے فن کتابت کا پہلا سبق انہی اقوام سے حاصل کیا تھا۔

کون کہہ سکتا ہے کہ آئندہ اس سلسلے میں کیا کیا انکشافات ہونے والے ہیں؟ تاہم جس قدر انکشافات ہو چکے ہیں ان سے ایک بات واضح ہو گئی ہے۔ یعنی ایک زمانہ میں یہ تمام خطے ایک خاص نسل کے عروج و انشعاب کے مختلف میدان تھے۔ اور یہی نسل عربی قبائل کی ابتدائی نسل تھی۔ پس اگر قرآن نے صرف انہی خطوں کی اقوام کا ذکر کیا ہے، کوئی دوسری قوم اس دائرہ میں داخل نہیں ہو سکی ہے، تو بہت ممکن ہے اس کی علت اس سے کہیں زیادہ گہری ہو، جس قدر اس وقت تک ہم سمجھتے رہے ہیں، اس سلسلے میں تین باتیں نمایاں طور پر سامنے آ جاتی ہیں:

اولاً جن اقوام کا ذکر کیا گیا ہے، ان کی خصوصیت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ بعض سرزمین حجاز کے قرب و جوار میں گزری تھیں اور بعض سے اہل کتاب واقف تھے، بلکہ اس سے بھی کوئی زیادہ گہری بات ہے، کیونکہ معلوم ہوتا ہے، یہ تمام قومیں اصلاً ایک ہی نسلی حلقہ کی ہیں، حتیٰ کہ اگر مصریوں کا ذکر کیا گیا ہے، تو مصری بھی اسی میں داخل ہیں۔

ثانیاً ان انکشافات کی روشنی میں ایک اور مسئلہ بھی بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ قرآن نے جہاں کہیں ترتیب ظہور کے ساتھ دعوتوں کا ذکر کیا ہے، وہاں قوم نوح کے بعد قوم عاد، اور عاد کے بعد قوم ثمود نمایاں ہوئی ہے، اور ان تینوں قوموں کو ایک دوسرے کا جانشین کہا ہے۔ چنانچہ سورہ اعراف کی آیت ۶۹ میں ہے کہ حضرت ہود نے اپنی قوم سے کہا، خدا کی یہ نعمت یاد کرو کہ اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد اس کا جانشین بنایا۔ اور آیت ۷۴ میں ہے کہ اسی طرح حضرت صالح نے فرمایا تم قوم عاد کے بعد اس کے جانشین بنائے گئے، چونکہ ان تینوں قوموں کا جغرافیائی محل ایک دوسرے سے الگ تھا، اس لئے یہ بات واضح نہیں ہوتی تھی کہ اس خطاب کا صحیح مطلب کیا ہے؟ لیکن اب بالکل واضح ہوگئی، اور ان توجیہوں کی ضرورت نہ رہی جو مفسرین نے اختیار کی تھیں۔

ثالثاً اس سوال پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ قرآن نے ہر جگہ یہ تذکرہ حضرت نوح علیہ السلام ہی سے کیوں شروع کیا ہے؟ اس کے متعدد وجوہ سامنے آئے تھے، لیکن ان انکشافات کی روشنی نے ایک نیا پہلو واضح کر دیا ہے۔ یعنی حضرت نوح کی دعوت غالباً اس قدیم نسل میں پہلی دعوت تھی، اور چونکہ پہلی دعوت تھی اس لئے ناگزیر تھا کہ اگلی دعوتوں کا تذکرہ اسی سے شروع ہو۔

ان کے وقوع سے مخاطب بےخبر نہ ہوں۔ کم از کم ان کی بھنک کانوں میں پڑ چکی ہو یا نہ پڑی ہو تو اپنے پاس کے آدمیوں سے حال پوچھ سکتے ہوں، وجہ ظاہر ہے کہ لوگ کہہ دیتے پہلے ان وقائع کا وقوع ثابت کر دو پھر ان سے ہمیں عبرت دلانا۔ اور اس طرح عبرت و تذکیر کا سارا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ اب دیکھو قرآن نے جن ایام و وقائع کا ذکر کیا ہے، وہ تمام تر کن خطوں میں واقع ہوئے تھے؟ یعنی ان کی جغرافیائی حدود کیا ہیں؟ یہ تمام وقائع یا تو خود عرب میں ہوئے ہیں، یا سرزمین دجلہ و فرات میں یا پھر فلسطین اور مصر میں، اور یہ تمام خطے ایک دوسرے سے متصل تھے، تجارتی قافلوں کی شاہراہوں سے باہمدگر پیوستہ تھے، آمد و رفت کے علائق کا قدیمی سلسلہ رکھتے تھے، اور نسلی و لسانی تعلقات کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے، جیسا کہ آگے چل کر تمہیں معلوم ہوگا۔ پس قرآن نے انہی خطوں کا ذکر کیا جو فی الحقیقت تاریخ اقوام کا ایک ہی وسیع خطہ رہ چکا ہے۔ دوسرے خطوں سے تعرض نہیں کیا۔ کیونکہ مخاطبین کے لئے ان خطوں کا ذکر ان کی شب و روز کی باتوں کا ذکر تھا، اور وہ جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ عرب خود ان کا ملک تھا۔ عراق سے ان کے تعلقات تھے۔ فلسطین کے کھنڈروں پر ہر سال گزرتے رہتے، مصر ان کے تجارتی قافلوں کی منڈی تھی۔ ان ملکوں کا نام سننا گویا اپنے چاروں طرف نظر اٹھا کر دیکھ لینا تھا۔

پھر جن قوموں کا ذکر کیا گیا، ان کے ناموں سے بھی وہ ناآشنا نہ تھے، قوم تبع اور اصحاب الحجر و مدین سے تعلق رکھتے تھے اور یمن عرب میں ہے۔ عاد اور ثمود کی بستیاں بھی عرب ہی کے حدود میں تھیں۔ قبیلہ مدین بالکل عرب کے پڑوس میں تھا۔ قوم لوط کے کھنڈرات ان میں سے سینکڑوں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ سرزمین دجلہ و فرات کی قوموں اور ان کی آبادی سے بھی ناآشنا نہیں ہو سکتے تھے۔ مصر میں گو مصر کے فرعون اب نہیں رہے تھے لیکن مصر میں برابر آتے جاتے رہتے تھے فراعنہ کے نام ان کے لئے اجنبی نام نہیں ہو سکتے تھے۔

علاوہ بریں یہودی اور عیسائی خود ان کے اندر بسے ہوئے تھے۔ انبیاء بنی اسرائیل کے نام ان لوگوں کی زبانوں پر تھے، تفصیلات ربیوں اور راہبوں کو معلوم تھیں۔ یہ ان سے پوچھ سکتے تھے، اور پوچھا کرتے تھے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ایام و وقائع کے بیان و استدلال میں جا بجا اس طرح کا اسلوب اختیار کیا ہے جیسے ایک جانی بوجھی ہوئی بات کی طرف اشارہ کیا جائے۔ مثلاً جا بجا فرمایا ”الم یأتکم نبؤا الذین من قبلکم؟“ (١٤: ٩) جو قومیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں، کیا تم تک ان کی خبریں نہیں پہنچ چکی ہیں؟ یا مثلاً جا بجا اس طرح کی تعبیرات پاؤ گے: ”اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلھم؟“ (٣٥: ٤٤) کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے پچھلی قوموں کا کیسا انجام ہو چکا ہے؟ کیونکہ واقعہ یہ تھا کہ وہ برابر چلتے پھرتے رہتے تھے، یعنی ہر موسم میں تجارت کے لئے نکلتے تھے، اور اثنائے سفر میں کتنی ہی اجڑی ہوئی بستیاں، مٹتے ہوئے نشان اور سنسان کھنڈر ان کی نظروں سے گزرتے تھے، بلکہ بسا اوقات انہی میں منزل کرتے اور انہی کے سایوں میں دوپہر کاٹتے تھے، اور پھر جا بجا اس کی طرح کی بھی تصریحات ہیں کہ یہ مقامات تم سے کچھ دور نہیں کہ تم، کسی وجہ سے بالکل بےخبر رہے ہو۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ کیا علماء بنی اسرائیل سے یہ سرگزشتیں تم نے نہیں سنیں؟ اور اگر بےخبر ہو تو علم والوں سے یعنی علماء اہل کتاب سے دریافت کر لو جو تم ہی میں بسے ہوئے ہیں۔

اور پھر بعض مقامات میں عرب کے حوالی و اطراف کی تصریح بھی کر دی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیان وقائع میں قصداً یہ بات ملحوظ رکھی گئی ہے کہ سرزمین عرب اور اس کے اطراف و جوانب ہی کے وقائع ہوں۔ مثلاً سورہ احقاف کی آیت (٢٧) میں قوم عاد کے ذکر کے بعد فرمایا ”ولقد اھلکنا ما حولکم من القرٰی وصرفنا الاٰیات لعلھم یرجعون“

البتہ یہ ظاہر و معلوم ہے کہ ان واقعات کی تفصیلات سے لوگ ناآشنا تھے۔ اور بعض وقائع ایسے تھے جن کی صرف کانوں میں بھنک پڑ چکی تھی، لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ معاملہ کس طرح پیش آیا اور صحیح سرگذشت کیا ہے؟ نہ صرف عرب میں بلکہ ان خطوں میں بھی جہاں وہ پیش آئے تھے۔ جن وقائع کا ذکر تورات میں موجود تھا ان کی بھی بعض حقیقتیں محرف ہو گئی تھیں، یا بھلا دی گئی تھیں، اور خود اہل کتاب کو بھی خبر نہ تھی کہ اصلیت کیا رہ چکی ہے۔ پس قرآن نے ان کی حقیقت ٹھیک ٹھیک واضح کر دی۔ ہر معاملہ اپنی اصلی صورت میں نمایاں ہو گیا۔ بعض وقائع کی نسبت تصریح کر دی کہ اس سے باشندگان عرب بالکل

سُوْرَةُ يُوْسُف (١٢)

مکی - ١١١ - آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

١-٢ الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۟ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۟ نَحْنُ نَقُصُّ
عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ
٣ الْغٰفِلِیْنَ ۟ اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
٤ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ۟ قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰۤی اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ
٥ كَیْدًا ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۟

الف - لام - را -
1 یہ آیتیں ہیں روشن واضح کتاب کی!
ہم نے اسے اس شکل میں اتارا کہ عربی زبان کا
2 (قرآن ہے) تاکہ تم سمجھو بوجھو۔
(اے پیغمبر!) اس قرآن کی وحی کر کے ہم تجھے بہتر
طریقہ پر (پچھلی) سرگزشتیں سناتے ہیں اور یقیناً
قرآن کے نازل ہونے سے پہلے تو انہی لوگوں میں سے
3 تھا جو (ان سرگزشتوں سے) بے خبر تھے۔
اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ یوسف نے
اپنے باپ سے کہا "اے میرے باپ! میں نے (خواب
میں) دیکھا کہ گیارہ ستارے ہیں اور سورج اور چاند
4 اور دیکھا کہ یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں!"
(باپ نے) کہا "اے میرے بیٹے! اپنے اس خواب
کا حال اپنے بھائیوں سے نہ کہیو کہ وہ تیرے
خلاف کسی منصوبہ کی تدبیریں کرنے لگیں۔ یاد رکھ
5 شیطان انسان کا صریح دشمن ہے"۔

(١) یہ سورت بھی اُن سورتوں میں سے ہے جو اوائل دعوت میں نازل ہوئیں۔ اس میں اوّل سے لیکر آخر تک ایک ہی سرگزشت بیان کی گئی ہے اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سرگزشت ہے۔

(٢) گزشتہ سورت میں گزر چکا ہے کہ حضرت ابراہیم کو بشارت دی گئی تھی کہ ایک لڑکا پیدا ہوگا، اور پھر اس سے ایک لڑکا ہوگا، اور اسکی اولاد میں خدا برکت دے گا (آیت ۱)، چنانچہ حضرت اسحاق پیدا ہوئے اور ان کی اولاد میں حضرت یعقوب ہوئے حضرت یعقوب کے بارہ لڑکے تھے:

چھ لیاہ سے: روبن۔ شمعون۔ لاوی۔ یہوداہ۔ اشکار۔ زبلون۔

دو ملہات: دان۔ نفتالی۔

دو زلفہ سے: جد، آشر۔

دو راخل سے: یوسف۔ بن یمین۔

یوسف اور بن یمین سب سے چھوٹے تھے اور بن یمین کی پیدائش کے بعد ماں کا انتقال ہوگیا۔ پس گھرانے میں چودہ آدمی رہ گئے تھے۔ بارہ لڑکے، باپ اور ان کی ایک بیوی

(٣) تورات میں ہے کہ لیاہ اور راخل میں سخت رقابت تھی اور اسکا اثر ان کی اولاد میں بھی پوری طرح نمایاں تھا۔ حضرت یعقوب یوسف کو سب سے زیادہ چاہتے تھے، اور یہ بات سوتیلے بھائیوں پر بہت شاق تھی (پیدائش ۳۷: ۴) اسی لئے حضرت یعقوب نے روکا تھا کہ اپنا خواب بھائیوں سے نہ کہیو۔

رابعاً تورات کی بنا پر سامی نسلوں اور زبانوں کی جو تقسیم کی گئی تھی اور جو اٹھارھویں اور انیسویں صدی کے علمائے انساب و السنہ کے نزدیک بنیادی تقسیم رہی ہے اب متزلزل ہو رہی ہے اور معلوم ہوتا ہے از سر نو نئی تقسیمیں کرنی پڑینگی ولتعلمن نباہ بعد حین! (۳۸: ۸۸)

(۲۵) اس سورت کی تصریحات میں ایک معاملہ و تشریح طلب رہ گیا ہے اور ضروری ہے کہ اس طرف بھی اشارہ کر دیا جائے۔ قرآن نے جس طرح دوسری قوموں کے عذاب کا ذکر کیا ہے اسی طرح قوم نوح کے عذاب کا بھی ذکر کیا ہے اور اگر دوسری قوموں کا عذاب صرف انہی قوموں کے لئے تھا، تو کوئی وجہ نہیں کہ قوم نوح کا عذاب یعنی طوفان عالمگیر تصور کیا جائے لیکن چونکہ تورات کی کتاب پیدائش میں اس طرح کی تصریحات موجود ہیں کہ طوفان عام تھا، اور یہودیوں اور عیسائیوں کا ایسا ہی اعتقاد رہا ہے اس لئے مسلمانوں میں بھی یہ خیال پھیل گیا اور اس طرح کی تفسیر کی جانے لگی جو طوفان کے عموم پر مبنی تھی۔ بہرحال دو باتیں یاد رکھنی چاہئیں ایک یہ کہ قرآن میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے طوفان نوح عام ثابت ہوتا ہو۔ دوسری یہ کہ تورات کے بقیہ اجزا کے بارے میں کچھ ہی کہا جائے، لیکن موجودہ زمانہ میں علم و تحقیق کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے کہ کتاب پیدائش لائق اعتماد نہیں خصوصاً اس کا ابتدائی حصہ۔ بتفصیل اس کی مقدمہ میں ملے گی

(۲۶) انیسویں صدی کی اثری تحقیقات نے ایک نیا سوال بھی پیدا کر دیا ہے یعنی تورات اور قرآن میں حضرت یوسف اور حضرت موسٰی (علیہم السلام) کی جو سرگزشتیں بیان کی گئی ہیں مصر کے تاریخی آثار میں ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ حتی کہ بنی اسرائیل کے توطن مصر اور خروج کا پورا واقعہ اثریات مصر کی تاریخ میں ایک غیر معلوم واقعہ ہے۔ انیسویں صدی کی اثری تحقیقات اور وقائع بنی اسرائیل

دنیا کی کسی پرانی قوم نے اپنی تاریخ کی کتابت و حفاظت کا انتظام نہیں کیا جیسا کہ قدیم مصریوں نے کیا تھا۔ جس وقت تک پیپرس (قدیم مصری کاغذ) ایجاد نہیں ہوا تھا، شاہی محلوں، مندروں، اور مقبروں کی دیواروں پر ہر عہد کے حالات مسلسل نقش کیے جاتے رہے اور جب پیپرس رائج ہو گیا، تو باقاعدہ دفاتر مدون ہونے لگے۔ علاوہ بریں ہر بادشاہ اور امیر کی وفات کے بعد اس کی نعش حنوط (ممی) کر کے اس کے خاص مقبرہ میں رکھی جاتی تھی اور نعش کے ساتھ اس کی زندگی کے وقائع بھی رکھ دیے جاتے تھے اب یہ تمام آثار روشنی میں آ گئے ہیں اور ان کی معلومات نے ایک مرمت تاریخ کی شکل اختیار کر لی

ان معلومات نے ہمیں پانچہزار برس پیشتر کے واقعات تک پہنچا دیا ہے بعد کے واقعات کے لئے یونانی نوشتے موجود ہیں دونوں یکجا کر دیے جائیں، تو یہ تین ہزار سال قبل از مسیح سے لے کر عہد سکندر تک کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ اس مدت میں اکتیس شاہی خاندانوں نے مصر پر حکومت کی۔ آخری خاندان فارس کی شہنشاہی کا تھا، جس کے بعد ۳۳۲ء قبل از مسیح میں سکندر اعظم کا تسلط قائم ہوا۔ ان اکتیس خاندانوں کے اکثر افراد روشنی میں آ گئے ہیں اور ان کے ناموں کی فہرستیں مرتب کر لی گئی ہیں۔

علمائے آثار کہتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کا معاملہ ایک نہایت غیر معمولی نوعیت کا معاملہ تھا۔ پھر ان کے خاندان کا مصر آنا اور بس جانا اور حضرت موسٰی کا ظہور اور فرعون سے مقابلہ تمام تر ایسے واقعات ہیں جو نہایت اہمیت رکھتے ہیں ضروری تھا کہ آثار مصر میں ان کا ذکر آتا لیکن کسی طرح کا بھی تذکرہ نہیں ملتا۔ تورات کی سنین کے مطابق حضرت کا یوسف کا زمانہ مصر کے ہیکسس (عمالقہ) فرمانرواؤں کا زمانہ ہے اور حضرت موسٰی کا زمانہ بیسویں حکمران خاندان کا زمانہ ہونا چاہئے جس میں رمیسیس سوم سے لیکر رمیسیس یازدہم تک کے فراعنہ گزرے ہیں لیکن ان تمام بادشاہوں کے جس قدر حالات معلوم ہوئے ہیں ان میں کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا جو حضرت یوسف اور حضرت موسٰی (علیہما السلام) کی سرگزشتوں کی خبر دیتا ہو۔

اسی بنا پر بیسویں صدی کے علمائے تاریخ کا عام رجحان اس طرف ہے کہ دونوں واقعوں کی تاریخی حیثیت قابل تسلیم نہیں لیکن کیا آثار مصر کا سکوت اس کے لئے کافی ہے کہ اسے تاریخ کی منفی شہادت تسلیم کر لیا جائے؟ اور کیا فی الحقیقت آثار مصر میں ان واقعات کے لئے کوئی روشنی نہیں؟ یہ ضروری سوالات ہیں جنہیں حل کرنا چاہئے لیکن اس کا محل البیان ہے۔ ترجمان القرآن نہیں۔

إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ۝ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَىٰ يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِحُونَ ۝ أَرْسِلْهُ مَعَنَا ۱۰-۱۱
غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَن تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَن ۱۲
يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنتُمْ عَنْهُ غَافِلُونَ ۝ قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذًا ۱۳
لَّخَاسِرُونَ ۝ فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا أَن يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ ۱۴
لَتُنَبِّئَنَّهُم بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ۝ قَالُوا ۱۵
يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِندَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُؤْمِنٍ

کو قتل مت کرو۔ اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دو (گزرنے والے قافلوں میں)
کوئی قافلہ (اس پر گر پڑے گا اور) اسے نکال لے گا۔" ۱۰
(تب سب مل کر باپ کے پاس آئے اور) انہوں نے کہا "اے ہمارے باپ! کیوں آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے؟ (اور ہمارے ساتھ کہیں جانے نہیں دیتے؟) حالانکہ ہم تو اس کے
دل سے خیر خواہ ہیں۔ کل ہمارے ساتھ اسے (جنگل میں) جانے دیجیے کہ کھائے پئے کھیلے کودے ہم اس کی ۱۱
حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔" ۱۲

(۷) حضرت یعقوب کا اندیشہ ظاہر کرنا اور پھر اجازت دے دینی۔

اُس زمانہ میں قبائل کی دولت و ثروت کا بڑا مدار مویشی پر تھا۔ مرد دن بھر چراتے تھے۔ شام کو خیموں میں آ کر آرام کرتے تھے۔ ایسی ہی زندگی حضرت یعقوب کے گھرانے کی بھی تھی۔ بھیڑیے مویشی کے دشمن ہوتے ہیں۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی حادثہ ہوتا رہتا تھا اس لیے بے اختیار حضرت یعقوب کی زبان سے نکل گیا، کہیں ایسا ہی حادثہ یوسف کو پیش نہ آجائے۔ یوسف کے بھائیوں نے یہی بات پکڑ لی، اور اسی کا جھوٹا قصہ بنا کر سنا دیا۔

(باپ نے) کہا "یہ بات مجھے غم میں ڈالتی ہے کہ تم اسے اپنے ہمراہ لے جاؤ۔ اور میں ڈرتا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو، بھیڑیا کھالے اور تم اس سے
غافل ہو۔" ۱۳
انہوں نے کہا "بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بھیڑیا اسے کھالے اور ہمارا ایک پورا جتھا موجود ہو۔ اگر
ایسا ہو تو پھر ہم نرے نکمے ہی نکلے!" ۱۴
پھر جب یہ لوگ (باپ سے رخصت لے کر) یوسف کو ساتھ لے گئے، اور سب نے اس پر اتفاق کر لیا کہ اندھے کنوئیں میں ڈال دیں (اور ایسا ہی کر گزرے) تو ہم نے یوسف پر وحی بھیجی کہ (مایوس نہ ہو) ایک
دن ضرور آنے والا ہے جب ان کا یہ معاملہ تو انہیں جتائے گا اور وہ نہیں جانتے (کہ کیا کچھ ہونے والا ہے)۔ ۱۵
اور وہ اپنے باپ کے پاس شام کو روتے پیٹتے آئے۔ انہوں نے کہا "اے ہمارے باپ! ہم ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کے لیے دوڑ میں لگ گئے تھے، اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ پس ایسا

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى
اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ۶ ع
لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى ۷
اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۭ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۚ ۝ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ ۸
اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ ۹
لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ

"اور (اے میرے بیٹے! جس طرح تو نے دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج چاند تیرے آگے جھکے تو) اسی طرح تیرا پروردگار تجھے برگزیدہ کرنے والا ہے اور [redacted] نیز جس طرح وہ اب سے پہلے تیرے بزرگوں ابراہیم اور اسحاق پر اپنی نعمت
پوری کر چکا ہے اسی طرح تجھ پر اور یعقوب کے گھرانے پر بھی پوری کرنے گا۔ بلاشبہ تیرا پروردگار
(سب کچھ) جاننے والا اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت والا ہے!" ۶

اور تجھے باتوں کا نتیجہ و مطلب نکالنے کا علم سکھلانے والا ہے

جو لوگ [redacted] والے ہیں (اگر وہ سمجھیں تو) ان کے لیے یوسف اور اس کے
بھائیوں کے معاملہ میں (موعظت و عبرت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں! ۷

اس بارے میں سوال کرنے

اور جب ایسا ہوا تھا کہ (یوسف کے سوتیلے بھائی آپس میں) کہنے لگے "ہمارے باپ کو یوسف اور
اس کا بھائی (بن یمین) ہم سب سے [redacted] زیادہ پیارا ہے حالانکہ [redacted] (یعنی ہماری
اتنی بڑی تعداد ہے) اور یقیناً ہمارا باپ صریح غلطی پر ہے" ۸

(۴) تورات میں ہے کہ یوسف کی عمر سترہ برس کی تھی، جب خواب کا معاملہ پیش آیا (پیدائش ۳۷: ۲)

(۵) خواب میں گیارہ ستاروں سے مقصود یوسف کے گیارہ بھائی تھے، اور سورج چاند سے باپ اور (سوتیلی) ماں۔ تورات میں ہے کہ یوسف نے بھائیوں سے خواب کہہ دیا تھا، اور انہیں یہ بات بھی معلوم ہو گئی تھی کہ اس کی تعبیر کیا ہے (پیدائش ۳۷: ۱۱) غالباً حضرت یوسف باپ کی نصیحت سے پہلے یہ بات ظاہر کر چکے تھے۔

"پس (بہتر یہ ہے کہ) یوسف کو مار ڈالیں یا کسی جگہ پھینک آئیں تاکہ ہمارے باپ کی توجہ ہماری ہی طرف رہے، اور اس کے نکل جانے کے بعد ہمارے
سارے کام سدھر جائیں" ۹

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا "نہیں یوسف

(۶) بھائیوں کا یوسف کے بارے میں مشورہ کرنا، اور اس پر متفق ہونا کہ اسے ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دیا جائے، اور باپ سے اجازت مانگنی کہ یوسف کو اپنے ساتھ جنگل میں لے جائیں جہاں وہ روز مویشی چرانے جایا کرتے تھے۔
تورات میں ہے کہ جب بھائیوں نے مشورہ کیا تو روبن نے کہا قتل نہ کرو کنوئیں میں ڈال دو (پیدائش ۳۷: ۲۲)

ع ۲ ۲۰ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ
عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ
۲۱ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَ
۲۲ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَرَاوَدَتْهُ
الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا

یعنی ان کا حسد کرنا، سازش کرنی، معاملہ کی ایک جھوٹی صورت بنا لینی، اور پھر سمجھنا، اس طرح ہم کامیاب بھی ہو جائیں گے اور ہمارا جھوٹ بھی نہیں کھلے گا۔ سب کی طرف اس میں اشارے ہو گئے۔

(۹) ایک عرب قافلہ کا کنوئیں پر سے گزرنا، حضرت یوسف کا ڈول میں بیٹھ کر نکل آنا اور فروخت ہونا۔

تورات میں ہے کہ قافلہ اسماعیلیوں کا تھا جو گرم مسالحہ، بلسان اور مُر مصر لے جا رہا تھا، وہ اس وقت پہنچا تھا جب یوسف کے بھائی اپنا کام پورا کر کے روٹی کھانے بیٹھے تھے۔ تب یہودا نے کہا، "بہتر ہے ہم یوسف کو ان لوگوں کے ہاتھ بیچ ڈالیں۔ اس کے مار ڈالنے سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا" چنانچہ انہوں نے بیس سکوں پر بیچ ڈالا (پیدائش ۳۷: ۲۵) اسماعیلی یعنی حجاز کے عرب جو حضرت اسمٰعیل کی نسل سے تھے۔

اگر یہ معاملہ واقعی پیش آیا تھا، تو قرآن نے اسے حذف کر دیا۔ کیونکہ ضروری نہ تھا۔ اور آیت (۲۰) میں وہ واقعہ بیان کر دیا جو مصر پہنچنے کا ذریعہ ہوا۔

ڈول کھینچنے والے نے اظہار تعجب کی جگہ اظہار مسرت اس لئے کیا کہ غلامی کا رواج عام تھا، اور کم سن اور خوبصورت لڑکا ہاتھ لگ جاتا تو ایک قیمتی متاع سمجھی جاتی اور معقول قیمت وصول ہو جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ فرمایا: واسروہ بضاعۃ۔

تورات میں ہے کہ یہ کنواں بیابان میں تھا اور اس میں ایک بوند پانی نہ تھا (پیدائش ۳۷: ۲۲ و ۲۴) پس حضرت یوسف کنوئیں میں پڑے رہے۔ جب قافلہ کے آدمی نے ڈول لٹکایا۔ تو سمجھے، شاید کوئی آدمی مجھے نکالنے آیا ہے اور ڈول میں بیٹھ گئے۔ اس طرح ان کی رہائی کا خود بخود سامان ہو گیا۔

کر دیا۔ اور وہ اس معاملہ میں (اچھی قیمت لینے کے چنداں) خواہشمند بھی نہ تھے (یعنی چونکہ لڑکا مفت مل گیا تھا، یا بہت کم داموں خریدا تھا، اس لئے بڑی قیمت کے چنداں
۲۰ خواہشمند نہ تھے)

اور اہل مصر میں سے جس شخص نے یوسفؑ قافلہ والوں سے مول لیا تھا، وہ (اسے لیکر اپنے گھر آیا اور) اپنی بیوی سے بولا "اسے عزت کے ساتھ رکھو عجب نہیں یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں"۔

اور (دیکھو) اس طرح ہم نے یوسف کو سرزمین مصر میں قدم جما دیا۔ اور مقصود یہ تھا کہ اسے باتوں کا نتیجہ و مطلب نکالنا سکھا دیں اور اللہ کو جو معاملہ کرنا ہوتا ہے وہ کر کے رہتا ہے لیکن اکثر آدمی ایسے ہیں
۲۱ جو نہیں مانتے!

اور پھر جب ایسا ہوا کہ یوسف اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے کارفرمائی کی قوت اور علم کی فراوانی بخشی ہم نیک عملوں کو ایسا ہی (ان کی نیک عملی کا) بدلہ
۲۲ عطا فرماتے ہیں!

اور (پھر ایسا ہوا کہ) جس عورت کے گھر میں یوسف رہتا تھا (یعنی عزیز کی بیوی) وہ اس پر (ریجھ گئی، اور) ڈورے ڈالنے لگی کہ بے قابو ہو کر

۱۷ لَنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ○ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ
۱۸ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ○ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ
فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۭ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ۭ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۭ وَاللّٰهُ
۱۹ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ○ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ

ہوا کہ بھیڑیا آنکلا اور یوسف کو (مار کر) کھالیا۔ اور ہم جانتے ہیں کہ آپ ہماری بات کا یقین کرنے والے
۱۷ نہیں۔ اگرچہ ہم کتنے ہی سچے ہوں"!

اور وہ یوسف کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون لگالائے تھے، باپ نے (اسے دیکھتے ہی) کہا "نہیں (میں یہ نہیں مان سکتا) یہ تو ایک بات ہے جو تمہارے نفس نے گڑھ کر تمہیں خوشنما دکھادی ہے (اور تم سمجھتے ہو چل جائیگی) خیر میرے لئے اب صبر کرنا ہے (اور صبر بھی ایسا کہ) پسندیدہ (ہو) اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگنی ہے"!

اور (دیکھو) ایک قافلہ کا اس پر گزر ہوا (یعنی اس کنوئیں پر جس میں یوسف کو ڈالا تھا) اور قافلہ والوں نے پانی کے لئے اپنا سقہ بھیجا۔ پھر جونہی اس نے اپنا ڈول لٹکایا (اور یہ سمجھ کر کہ پانی سے بوجھل ہو چکا ہے اوپر کھینچا) تو (کیا دیکھتا ہے ایک جیتا جاگتا لڑکا اس میں بیٹھا ہے! وہ) پکار اٹھا "کیا خوشی کی بات ہے! یہ تو ایک لڑکا ہے"! اور پھر (قافلہ والوں نے اسے اپنا سرمایہ تجارت سمجھ کر چھپا رکھا (کہ کوئی دعویدار نہ نکل آئے) اور وہ جو کچھ کر رہے تھے، اللہ کے علم سے پوشیدہ نہ تھا!

اور (پھر) انہوں نے یوسف کو بہت کم مول پر کہ گنتی کے چند درہم تھے (بازار مصر میں) فروخت

(۱) یوسف کے بھائیوں کا یوسف کو کنوئیں میں ڈال دینا، بھیڑیے کے حملے کا جھوٹا قصہ بنانا، حضرت یعقوب کا ان کے کذب پر مطلع ہو جانا، مگر صبر جمیل کا شیوہ اختیار کرنا۔
"صبر" کے معنی شدائد جھیلنے کے ہیں "جمیل" ایسی بات جو پسندیدہ ہو یعنی نہ صرف یہ کہ شدائد جھیل لیے جائیں، بلکہ بڑی خوبی کے ساتھ جھیلے جائیں۔ شدائد کا شکوہ نہ ہو، درد والم کی شکایت زبان پر نہ آئے۔ چونکہ حضرت یعقوب کو فراست نبوت سے یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ پچھلی بشارتیں یوسف ہی
۱۸ کے ذریعہ پوری ہونے والی ہیں، اس لئے وہ کبھی باور نہیں کر سکتے تھے کہ اس طرح اس کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پس فرمایا فصبر جمیل یعنی اس معاملہ میں حکمت الٰہی کا ہاتھ صاف نظر آرہا ہے۔ پس میرے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ بغیر شکوہ و شکایت کے درد فراق جھیلتا رہوں، اور اس کی کارفرمائیوں کے ظہور کا انتظار کروں۔ واللہ المستعان علی ما تصفون!
آیت ۱۸ میں خون آلود کرتے کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا، کیونکہ اسی سے ان کا سارا جھوٹ کھل گیا تھا۔ انہوں نے اپنے خیال میں یہ بڑی ہوشیاری کی بات کی تھی کہ یوسف کے کرتے پر بکری کا خون لگا کر بطور شہادت کے لے آئے لیکن یہ سمجھے کہ اگر بھیڑیے نے حملہ کیا تھا تو کرتا کیسے بچ رہا؟ اس کے تو پرزے پرزے ہو جانے تھے۔ حضرت یعقوب نے جب کرتا دیکھا تو انہیں پورا یقین ہو گیا کہ ساری کہانی من گھڑت
۱۹ ہے۔
قرآن کی معجزانہ بلاغت دیکھو۔ حضرت یعقوب نے صرف اتنا کہہ کر "سولت لکم انفسکم امرا" کس طرح ساری باتیں کہہ دیں جو اس معاملہ کے لئے کہی جا سکتی تھیں؟

اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ قَالَ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ ۲۵
قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ○ وَاِنْ كَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ ۲۶
فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ○ فَلَمَّا رَاٰ قَمِیْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ ۲۷
كَیْدِكُنَّ ؕ اِنَّ

نکل بھاگنے سے روکے) اور عورت نے یوسف کا کرتہ پیچھے سے کھینچا اور دو ٹکڑے کر دیا۔ اور (پھر اچانک) دونوں نے دیکھا کہ عورت کا خاوند دروازے کے پاس کھڑا ہے۔ تب عورت نے (اپنا جرم چھپانے کے لئے فوراً بات بنا لی اور) کہا "جو آدمی تیرے اہل خانہ کے ساتھ بری بات کا ارادہ کرے اس کی سزا کیا ہونی چاہئے؟ کیا یہی نہیں ہونی چاہیے کہ اسے قید میں ڈالا جائے (یا کوئی اور) دردناک سزا دی جائے؟"

۲۵
(اس پر) یوسف نے کہا "خود اسی نے مجھ پر ڈورے ڈالے اور مجبور کیا کہ پھسل پڑوں" (میں نے ہرگز ایسا نہیں کیا)

اور (پھر ایسا ہوا کہ) اس عورت کے کنبہ والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی "اس [illegible] کا کرتہ (دیکھا جائے) اگر آگے سے دو ٹکڑے ہوا ہے تو عورت سچی ہے یوسف جھوٹا

۲۶ ہے۔ اگر پیچھے سے دو ٹکڑے ہوا ہے تو عورت نے جھوٹ بولا، یوسف سچا ہے" پس جب عورت کے

۲۷ خاوند نے دیکھا کہ یوسف کا کرتا پیچھے [illegible] ہوا ہے تو اصلیت پا گیا (اور) عورت سے کہا "کچھ شک نہیں یہ تم عورتوں کی مکاریوں میں سے

پھر فرمایا: واللہ غالب علیٰ امرہٖ! دیکھو خدا جو چاہتا ہے کس طرح کر کے رہتا ہے؟ بھائیوں نے یوسف کو نامراد کرنا چاہا تھا، لیکن انہوں نے جو کچھ کیا، وہی اس کی فتح و فیروزی کا ذریعہ بن گیا!

(۱۲) حضرت یوسف کا بلوغ کو پہنچنا، اور دانش حکومت اور فضیلت علم کی تکمیل۔

اوپر تورات کی تصریح گذر چکی ہے کہ باپ سے علیحدگی کے وقت ان کی عمر سترہ برس کی تھی۔ پس آیت (۲۲) میں فرمایا عزیز کے یہاں کئی سال بیتنے کے بعد جب وہ جوان ہو گئے تو حکمرانی کی دانش اور علم کی فضیلت مرتبہ کمال کو پہنچ گئی اور قانون الٰہی یہ ہے کہ نیک کرداروں کو اسی طرح ان کے حسن عمل کے نتائج ملا کرتے ہیں!

(۱۳) عزیز کی بیوی کا حضرت یوسف پر فریفتہ ہونا، اور ایک سخت ترین آزمائشی حالت میں ڈالنا، پھر ناکام رہ کر جھوٹا الزام لگانا، مگر ان کا معصیت سے بچے رہنا، اور حیرت انگیز طریقہ پر الزام کا بھی جھوٹا ثابت ہونا۔

آیت (۲۳) سے اس واقعہ کا بیان شروع ہوتا ہے جو حضرت یوسف کی زندگی کا سب سے زیادہ عظیم واقعہ ہے۔ تشریح اس کی آخری نوٹ میں ملے گی۔

تورات میں ہے کہ یوسف خوب صورت اور خوش پیکر تھے (پیدائش ۳۹: ۶) پس جب جوانی کو پہنچے، تو اس کی بیوی ان پر فریفتہ ہو گئی، اور جب دیکھا، دوسری طرف سے جواب نہیں ملتا، تو جیسا کہ قاعدہ ہے، ملتفت کرنے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کام میں لائیں۔ پھر جب اس پر بھی وہ نہ پھسلے، تو ایک دن جوش فریفتگی میں وہ [illegible] کر بیٹھی جو اس معاملہ کی انتہائی حد ہے یعنی ہر طرح کے موانع جو کسی انسان کو ضبط نفس پر مجبور کر سکتے ہیں یا [illegible] سے دور کر دئے اور [illegible]

عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ
۲۳ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ
۲۴ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ۝ وَاسْتَبَقَا
الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِیْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ
اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ یُّسْجَنَ

(۱۰) مصر کے ایک سردار کا حضرت یوسف کو خریدنا، اور اُن کے اخلاق و خصائل سے اس درجہ متاثر ہونا کہ اپنا سب کچھ ان کے سپرد کر دینا۔

تورات میں ہے کہ جس مصری نے خریدا تھا، اس کا نام فوطی فار تھا، اور وہ فرعون کا ایک امیر اور سردار فوج تھا۔ پیدائش ۳۷: ۳۶) قرآن نے بھی آگے چل کر اسے "عزیز" کہا ہے یعنی ایسا آدمی جو ملک میں بڑی جگہ رکھتا تھا۔

عزیز مصر نے پہلے تو خوبصورت غلام دیکھ کر خرید لیا تھا
۲۳ لیکن جب تھوڑے ہی دنوں کے اندر اس پر حضرت یوسف کے جوہر کھل گئے، تو ان کی راست بازی، نیک عملی اور پاکی نفس سے اس درجہ متاثر ہوا کہ اپنے سارے گھر بار اور علاقہ کا مختار کل بنا دیا۔ تورات میں ہے کہ یوسف کے حسن انتظام سے فوطی فار کی آمدنی دوگنی ہو گئی تھی (پیدائش ۳۹: ۴)

غور کرو قرآن نے یہ سارا معاملہ ایک چھوٹی سی آیت میں بیان کر دیا۔ یعنی آیت ۲۱ میں عزیز کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ اسے عزت کے ساتھ گھر میں رکھو، اسی طرف اشارہ ہے۔

(۱۱) حضرت یوسف کی مصری زندگی اور مصری کامرانیوں کی ابتدا۔

جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا، تو گویا حضرت یوسف کی مصری کامرانیوں کی بنیاد پڑ گئی، اور وہ میدان پیدا ہو گیا جہاں ان
۲۴ کے جوہر کھلنے والے اور بتدریج تخت مصر تک پہنچانے والے تھے۔ پس فرمایا: کذلک مکنا لیوسف فی الارض اس طرح ہم نے یوسف کے مصر میں قدم جما دیے کہ غلام ہو کر بکا تھا۔ لیکن معزز و محترم ہو کر زندگی بسر کرنے لگا۔ نیز اس میں یہ مصلحت بھی تھی کہ اس پر "تاویل الاحادیث" کے علم کی راہ کھول دیں۔ جس کی خبر ستاروں والے خواب میں دی جا چکی تھی (تاویل الاحادیث کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی)

بات مان جائے۔ اس نے (ایک دن) دروازے بند کر دیے، اور بولی "لو آؤ"۔ یوسف نے کہا "معاذ اللہ! (مجھ سے ایسی بات کبھی نہیں ہو سکتی) تیرا شوہر میرا آقا ہے۔ اُس نے مجھے عزت کے ساتھ (گھر میں) جگہ دی ہے (میں اس کی امانت میں خیانت نہیں کروں گا) اور حد سے گزرنے والے کبھی فلاح نہیں پا سکتے"!

اور حقیقت یہ ہے کہ عورت یوسف کے پیچھے پڑ چکی تھی اور (حالت ایسی ہو گئی تھی کہ بے قابو ہو کر) یوسف بھی اس کی طرف متوجہ ہو جاتا اگر اس کے پروردگار کی دلیل اس کے سامنے نہ آ گئی ہوتی۔ (تو دیکھو) اس طرح (ہم نے نفس انسانی کی اس سخت آزمائش میں بھی اسے دلیل حق کے ذریعہ ہشیار رکھا) تاکہ برائی اور بے حیائی کی باتیں اس سے دور رکھیں۔ بلاشبہ وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جو برگزیدگی کے لیے چن لیے گئے!

اور (ایسا ہوا کہ) دونوں دروازہ کی طرف دوڑے، اس طرح کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتا تھا (یوسف اس لیے کہ عورت سے بھاگ نکلے۔ عورت اس لیے کہ اُسے

۳۱ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِىْ لُمْتُنَّنِىْ
فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا
۳۲ مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَىَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِىْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّىْ
۳۳ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ
۳۴ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ

"سبحان اللہ! یہ تو انسان نہیں ہے، ضرور ایک
۳۱ فرشتہ ہے، بڑے مرتبہ والا فرشتہ!"
تب (عزیز کی بیوی) بولی "تم نے دیکھا؟
یہ ہے وہ آدمی جس کے بارے میں تم نے مجھے طعنے
دیئے تھے۔ ہاں بیشک میں نے اس کا دل اپنے قابو میں لینا چاہا تھا۔ مگر وہ بے قابو نہ ہوا۔ اور (اب
اسے سنا کے کہے دیتی ہوں کہ) اگر اس نے میرا کہا نہ مانا۔ اور اپنی ضد پر اڑا رہا) تو ضرور ایسا ہوگا کہ
۳۲ قید کیا جائے، اور بے عزتی میں پڑے"
یوسف نے (یہ سن کر) اللہ کے حضور دعا کی:
خدایا! مجھے قید میں رہنا اس بات سے کہیں زیادہ
پسند ہے جس کی طرف یہ عورتیں بلا رہی ہیں۔
اگر تو نے (میری مدد نہ کی اور) ان کی مکاریوں کے
دام سے نہ بچایا، تو عجب نہیں میں ان کی طرف جھک
پڑوں، اور ان لوگوں میں سے ہو جاؤں جو نا
۳۳ شناس ہیں!"
تو (دیکھو) اس کے پروردگار نے اس کی دعا
قبول کرلی، اور اس سے عورتوں کی مکاریاں دفع
کردیں۔ بلاشبہ وہی ہے (دعاؤں کا) سننے
۳۴ والا (سب کچھ) جاننے والا!
پھر (ایسا ہوا کہ اگرچہ وہ لوگ (یعنی عزیز
اور اس کے خاندان کے آدمی) نشانیاں دیکھ چکے تھے

مورخوں کی شہادت سے جو حالات روشنی میں آئے ہیں ان سے بھی اس متمدن معاشرت کی تصدیق ہوتی ہے خصوصاً ان نقوش سے جن میں امرا کی مجلسوں کا مرقع دکھایا گیا ہے اور جو قرآن کے ان اشارات کی پوری تفسیر ہیں۔

(۱۵) عزیز کی بیوی کا دھمکی دینا کہ اگر کہا نہ مانوگے تو قید میں ڈلوا دی جاؤگے، اور حضرت یوسف کا معصیت پر قید کو ترجیح دینا، اور قید خانہ میں بھی تبلیغ حق سے غافل نہ ہونا۔

عزیز پر حضرت یوسف کی سچائی ظاہر ہوگئی تھی اس لئے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی تھی، لیکن اس کی بیوی کا عشق ایسا نہ تھا جو اس ناکامی سے سرد پڑ جاتا۔ وہ اور زیادہ بڑھ گیا۔ اور جب دیکھا کہ طلب و الحاح سے کسی طرح کام نہیں بنتا تو سختی پر اتر آئی، اور یوسف سے کہا یا تو میرا کہا مانو۔ نہیں تو قیدی ہونے کی ذلت و رسوائی گوارا کرو۔ حضرت یوسف نے کہا، قید خانہ مجھے پسند ہے، لیکن راستی سے منحرف ہونا پسند نہیں!

توراۃ میں ہے کہ "جب یوسف قید خانے میں ڈالا گیا، تو قید خانہ کا داروغہ اس پر مہربان ہوگیا، اور تمام قیدیوں کا انتظام اس کے سپرد کر دیا۔ وہ قید خانہ کا بالکل مختار ہوگیا تھا، اور خداوند نے وہاں بھی اسے اس کے تمام کاموں میں اقبالمند کیا" (پیدائش ۳۹: ۲۲)

قرآن کی آیت (۳۶) میں بھی اس کے اشارات موجود ہیں، اول تو دو قیدیوں کا خواب کی تعبیر پوچھنا ہی اسکی دلیل ہے کہ انہیں غیر معمولی علم و فضیلت کا آدمی سمجھا جاتا تھا۔

۲۸ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ۝ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۜ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنتِ
۲۹ مِنَ الْخَاطِئِينَ ۝ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَن نَّفْسِهِ ۖ قَدْ ع ۳ ۹ ۱۳
۳۰ شَغَفَهَا حُبًّا ۖ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ
لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۖ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ
وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ

غور کرو آیت کے ابتدائی جملے نے ان ساری باتوں کی طرف کس طرح صاف صاف اشارات کر دئے ہیں؟

۲۸ جس شخص نے انکشاف حقیقت کا طریقہ بتلایا، اسے "شاہد" کہا۔ کیونکہ اس نے کرتا دیکھ کر اصلیت پالی تھی اور حضرت کی پاکی کی شہادت دی تھی، اور پھر ثبوت میں کہا تھا کہ تم خود بھی دیکھ لو، ان کے کرتے کا کیا حال ہے؟

یہ کون شخص تھا؟ خود اس عورت کے عزیزوں میں سے
۲۹ تھا۔ اس سے زیادہ قرآن نے تصریح نہیں کی۔ کیونکہ جو بات واضح کرنی تھی وہ صرف یہ تھی کہ حضرت یوسف کی پاکی اور راست بازی نے گھر کے تمام آدمیوں کو ان کا معتقد بنا دیا تھا۔ حتیٰ کہ خود عورت کے ایک رشتہ دار نے اپنے رشتہ داری کا لحاظ نہیں کیا، یوسف کی حمایت میں سچائی ظاہر کر دی۔

۳۰ (۱۴) شہر کی ہم درجہ عورتوں میں اس بات کا چرچا ہونا عورتوں کا بناوٹ اور ریاکاری سے طعن تشنیع کرنا، عزیز کی بیوی کا سننا اور ضیافت کی محفل کا سامان کرنا، اور حضرت یوسف کی عصمت و پاکی کا اس آزمائش میں بھی بے داغ نکلنا۔

آیت (۳۰) میں جس واقعہ کا ذکر کیا ہے، یہ حضرت یوسف کے جمال سیرت کا ایک دوسرا مظاہرہ ہے، اور پہلے سے بھی زیادہ عظیم ہے۔ ضروری تشریح آخری نوٹ میں ملے گی۔

ضمناً یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ اس زمانہ کی مصری معاشرت کس درجہ شائستہ ہو چکی تھی؟ ضیافت کی مجلسیں خاص طور پر آراستہ کی جاتی تھیں۔ نشست کے لئے مسندیں لگائی جاتی تھیں کھانے کے لئے ہر شخص کے سامنے چھری رکھی جاتی تھی۔ مسندوں کے اہتمام کا حال اسی سے معلوم ہو گیا کہ واعتدت لھن متکاً۔ مصر کے آثار قدیمہ اور یونانی

ایک مکاری ہے اور تم لوگوں کی مکاریاں بڑی ہی سخت مکاریاں ہیں!"

(پھر اس نے کہا) اے یوسف! اس (معاملہ) سے درگزر کر (یعنی جو کچھ ہوا، اسے بھلا دے) اور (بیوی سے کہا) "اپنے گناہ کی معافی مانگ بلاشبہ تو ہی خطاوار ہے"۔

اور (پھر جب اس معاملہ کا چرچا پھیلا) تو شہر کی بعض عورتیں کہنے لگیں "دیکھو عزیز کی بیوی اپنے غلام پر ڈورے ڈالنے لگی کہ اسے رجھالے۔ وہ اس کی چاہت میں دل ہار گئی۔ ہمارے خیال میں تو وہ صریح بدچلنی میں پڑ گئی ہے"۔

جب عزیز کی بیوی نے مکاری کی یہ باتیں سنیں تو انہیں بلوا بھیجا، اور ان کے لئے مسندیں آراستہ کیں اور (دستور کے مطابق) ہر ایک کو ایک ایک چھری پیش کر دی (کہ کھانے میں کام آئے) پھر (جب یہ سب کچھ ہو چکا تو) یوسف سے کہا، ان سب کے سامنے نکل آؤ۔ جب یوسف (نکل آیا اور) ان عورتوں نے اسے دیکھا، تو (ایسا پایا کہ) اس کی بڑائی کی قائل ہو گئیں۔ انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور (بے اختیار) پکار اٹھیں

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ؕ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ ٣٩
دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ
اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ٤٠
يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ
مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ ٤١
عِنْدَ رَبِّكَ ؗ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْۤ اَرٰى ٤٢ ع

"اے یارانِ مجلس! (تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ) جدا جدا معبودوں کا ہونا بہتر ہے یا
اللہ کا جو یگانہ اور سب پر غالب ہے؟ تم اس کے سوا جن ہستیوں کی بندگی کرتے ہو ان کی حقیقت ٣٩
اس سے زیادہ کیا ہے کہ محض چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں اللہ
نے ان کے لئے کوئی سند نہیں اتاری حکومت تو اللہ ہی کے لئے ہے اس کا فرمان یہ ہے کہ صرف
اسی کی بندگی کرو۔ اور کسی کی نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے مگر اکثر آدمی ایسے ہیں جو نہیں جانتے! ٤٠
"اے یارانِ مجلس! (اب اپنے اپنے خوابوں کا مطلب سن لو) تم میں ایک آدمی (وہ ہے جس نے
دیکھا کہ انگور نچوڑ رہا ہے) تو وہ (قید سے چھوٹ جائے گا، اور بدستور سابق) اپنے آقا کو شراب پلائیگا۔ اور
دوسرا آدمی (وہ ہے جس نے دیکھا، اس کے سر پر روٹی ہے اور پرند روٹی کھا رہے ہیں) تو وہ سولی پر چڑھا
جائے گا، اور پرند اس کا سر (نوچ نوچ کر) کھائینگے جس بات کے بارے میں تم سوال کرتے ہو وہ فیصل
ہو چکی۔ اور فیصلہ یہی ہے"۔ ٤١
اور یوسف نے جس آدمی کی نسبت سمجھا تھا کہ نجات پائے گا، اس سے کہا "اپنے آقا کے پاس جب
جاؤ تو مجھے یاد رکھنا" (یعنی میرا حال اس سے ضرور کہہ دینا) لیکن (جب تعبیر کے مطابق اس نے نجات
پائی، تو) شیطان نے یہ بات بھلا دی کہ اپنے
آقا کے حضور پہنچکر اسے یاد کرتا۔ پس یوسف کئی
برس تک قید خانہ میں رہا۔ ٤٢
اور پھر ایسا ہوا کہ (ایک دن) بادشاہ نے
(اپنے تمام درباریوں کو جمع کر کے) کہا "میں (خواب
میں) کیا دیکھتا ہوں کہ سات گائیں ہیں موٹی
تازی انہیں سات دبلی پتلی گائیں نگل رہی ہیں اور

(١٦١) حضرت یوسف کا دو قیدیوں کو ان کے خواب کی تعبیر
بتلانا اور اسی کے مطابق ظہور میں آنا۔ پھر بادشاہ مصر کا ایک
عجیب غریب خواب دیکھنا اور مصر کے تمام دانشمندوں اور جادو
گروں کا تعبیر سے عاجز ہونا، اور بالآخر حضرت یوسف کو قید
خانہ سے طلب کرنا۔
تورات میں ہے کہ حضرت یوسف نے ساقیوں کے سردار
کو اس کے خواب کی تعبیر یہ بتلائی تھی کہ تین دن کے اندر
فرعون تجھے تیرے منصب پر بحال کرے گا۔ اور آگے کی طرح
تو اس کے ہاتھ میں شراب کا جام دے گا اور کہا تھا جب تو خوش حال ہو

ع ۱۴

۲۵ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ
وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ
۳۶ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ
ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ
۳۰ كٰفِرُوْنَ ۝ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ
نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ
۴۰ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝

(یعنی یوسف کی پاکدامنی کی نشانیاں) دیکھ بھی انہیں یہی بات ٹھیک دکھائی دی کہ ایک خاص وقت تک کے لئے یوسف کو قید میں ڈال دیں۔

اور (دیکھو) ایسا ہوا کہ یوسف کے ساتھ دو۲ جوان آدمی اور بھی قید خانے داخل ہوئے ان میں سے ایک نے (یوسف سے) کہا۔ مجھے (خواب میں) ایسا دکھائی دیا ہے کہ شراب (بنانے) کے لئے (انگور کا عرق) نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا مجھے ایسا دکھائی دیا ہے کہ سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے اسے کھا رہے ہیں۔ ان دونوں نے درخواست کی کہ "ہمیں بتلا دو اس بات کا نتیجہ کیا نکلنے والا ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ
۴۶ تم بڑے نیک آدمی ہو"۔

یوسف نے کہا (گھبراؤ نہیں) قبل اس کے کہ تمہارا مقررہ کھانا تم تک پہنچے، میں تمہارے خوابوں کا مآل تمہیں بتلا دوں گا۔ اس بات کا علم بھی من جملہ اُن باتوں کے ہے جو مجھے میرے پروردگار نے تعلیم فرمائی ہیں۔ میں نے ان لوگوں کی ملت ترک کی جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور
۴۷ آخرت سے بھی منکر ہیں۔ میں نے اپنے باپ دادوں یعنی ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کی ملت کی پیروی کی ہم (اولاد ابراہیم) ایسا نہیں کر سکتے کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک ٹھہرائیں یہ (ملت) اللہ کا ایک فضل ہے جو اس نے ہم پر اور لوگوں پر کیا ہے لیکن اکثر آدمی ہیں جو
۵۰ اس نعمت کا شکر نہیں بجا لاتے!"

۱؎ دونوں کا یہ کہنا "کہ ہم دیکھتے ہیں تم بڑے نیک آدمی ہو" صاف طور پر واضح کر دیتا ہے کہ قید خانے میں ان کا تقدس عام طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔

۲؎ توراۃ میں ہے کہ ان دو قیدیوں میں ایک بادشاہ
۳۵ کے ساقیوں کا سردار تھا۔ دوسرا روٹی پکانے والوں کا۔ بادشاہ ان پر ناراض ہوا اور قید خانے میں بھیج دیا۔ یوسف ہر روز قیدیوں کا معائنہ کیا کرتا تھا۔ ایک دن انہیں دیکھا کہ بہت اداس بیٹھے ہیں۔ سبب پوچھا تو انہوں نے کہا۔ ہم نے آج رات کو ایسی ایسی باتیں خواب میں دیکھی ہیں (پیدائش ۴۰:۱)

قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا
تَأْكُلُونَ ○ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا ۴۷
تُحْصِنُونَ ○ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ○ وَقَالَ ۴۸ ۴۹ ع ۲
الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ
اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ○ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ ۵۰

بہت اچھی فصلیں ہونگی یہ گویا سات موٹی گابیں ہونگی اس کے بعد سات برس تک متواتر قحط رہے گا۔ یہ سات دبلی گائیں ہونگیں انہوں نے موٹی گائیں نگل لیں یعنی فراوانی کو قحط نے نابود کر دیا۔ سات ہری بالوں اور سات سوکھی بالوں میں بھی یہی بات واضح کی گئی ہے پھر فرمایا۔ اس آنے والی مصیبت سے ملک کو کیونکر بچایا جاسکتا ہے؟ اس کی تدبیر یہ ہے کہ بڑھتی کے سات برسوں میں قحط کے لئے اناج ذخیرہ کیا جائے اور اسے اس طرح محفوظ رکھا جائے کہ آنے والے سات برسوں میں ملک کے لئے کفایت کرے۔

یہ قرآن کے ایجاز بلاغت میں سے ہے کہ تعبیر اور تدبیر کو الگ الگ بیان نہیں کیا۔ ایک ساتھ ہی بیان کر دیا۔ تاکہ تکرار بیان کی حاجت نہ رہے۔

جب سردار ساقی نے حضرت یوسف کا جواب پادشاہ کو سنایا، تو تعبیر اس درجہ واضح اور چسپاں تھی کہ اس نے سنتے ہی اسکی تصدیق کی، اور ان کی ملاقات کا مشتاق ہوگیا چنانچہ حکم دیا۔ فوراً انہیں قید خانے سے نکالا جائے اور دربار میں لایا جائے۔

یوسف نے کہا "(اس خواب کی تعبیر اور اس کی بنا پر تمہیں جو کچھ کرنا چاہیئے، وہ یہ ہے کہ) سات برس تک تم لگاتار کھیتی کرتے رہو گے (ان برسوں میں خوب بڑھتی ہوگی) پس (جب فصل کاٹنے کا وقت آیا کرے تو) جو کچھ کاٹو، اسے اس کی بالوں ہی میں رہنے دو (تاکہ اناج سڑنے گلنے نہیں) اور صرف اتنی مقدار الگ کر لیا کرو جو تمہارے کھانے کے لئے (ضروری) ہو۔ پھر اس کے بعد سات بڑے سخت ۴۷
مصیبت کے برس آئینگے جو وہ سب ذخیرہ کھا جائینگے جو تم نے (اس طرح) پہلے سے جمع کر رکھا ہوگا مگر ہاں تھوڑا سا جو تم روک رکھو گے بچ رہے گا۔ پھر ۴۸
اس کے بعد ایک برس ایسا آئے گا لوگوں پر خوب بارش بھیجی جائے گی۔ لوگ اس میں (پھلوں اور
دانوں سے) عرق اور تیل خوب نکالیں گے"۔ ۴۹

(جب اس آدمی نے یہ بات بادشاہ تک پہنچائی تو) بادشاہ نے کہا "یوسف کو (فوراً) میرے پاس لاؤ" لیکن جب (بادشاہ) کا پیام بر یوسف کے پاس پہنچا، تو اس نے کہا "(میں یوں نہیں جاؤنگا) تم اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ، اور میری طرف سے دریافت کرو۔ ان عورتوں کا معاملہ کیا تھا، جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟ (میں چاہتا ہوں پہلے اس کا فیصلہ ہو جائے) جیسی کچھ مکاریاں انہوں نے کی تھیں، میرا پروردگار اسے خوب جانتا ہے"۔ ۵۰

(اس پر) بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلایا اور) کہا "صاف صاف بتلا دو۔ تمہیں کیا معاملہ پیش

سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰۤاَيُّهَا
الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ۝ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ ۴۳
بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ ۴۴
فَاَرْسِلُوْنِ ۝ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ ۴۵
وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ ۴۶

تو مجھے یاد رکھیو اور فرعون سے میرا ذکر کیجیو کہ لوگ عبرانیوں کے
ملک سے مجھے چرا لائے" اور یہاں بھی بغیر کسی قصور کے قید خانے میں
ڈال دیا۔ اور نان پزوں کے سردار سے کہا تھا کہ تین دن کے ۴۳
اندر تیری موت کا فیصلہ ہو جائے گا، اور تیری لاش درخت
پر لٹکائی جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا تیسرے دن فرعون کی
سالگرہ کا دن تھا۔ اس دن سردار ساقی بحال کر دیا گیا۔ مگر نان
پزوں کے سردار کو سزا ہوئی لیکن سردار ساقی نے بحال ہو کر یوسف
کو یاد نہ رکھا۔ وہ یہ معاملہ بھول گیا (پیدائش ۴۰: ۱۲ و ۲۰)
چنانچہ حضرت یوسف کے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں
ہوئی وہ کئی سال تک قید خانہ میں پڑے رہے۔ ۴۴
اس کے بعد وہ معاملہ پیش آیا جس کی طرف آیت (۴۳)
میں اشارہ کیا ہے یعنی بادشاہِ مصر نے ایک عجیب طرح کا خواب
دیکھا، اور جب دربار کے دانشمندوں سے تعبیر دریافت کی تو کوئی
تشفی بخش جواب نہ دے سکے۔ توراۃ میں ہے کہ بادشاہ نے
مصر کے تمام حکیموں اور جادوگروں کو جمع کیا تھا۔ مگر کوئی اس
کی تعبیر بتلا نہ سکا (پیدائش ۴۱: ۸)
یہاں قرآن نے درباریوں کا جو جواب نقل کیا ہے اس ۴۵
کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی تشفی بخش بات معلوم
نہ کر سکے تو کوشش کی کہ بادشاہ کے دل سے اس خواب کی
اہمیت کا خیال نکال دیں پس انہوں نے کہا یہ کوئی روحانی
بات نہیں ہے، ویسے ہی پریشان خیالی سے طرح طرح کی باتیں
سوتے میں نظر آگئی ہیں لیکن سردار ساقی کو خواب کی بات
سن کر اپنے خواب کا معاملہ یاد آگیا، اور ساتھ ہی یہ بات
بھی یاد آگئی کہ حضرت یوسف نے کیا کہا تھا؛ تب اس نے
اپنا واقعہ بادشاہ کے گوش گزار کیا، اور قید خانہ میں جا کر حضرت
یوسف سے ملا حضرت یوسف نے فرمایا۔ سات گایوں سے
مقصود زراعت کے سات برس ہیں آئندہ سات برس تک ۴۶

سات بالیں ہری ہیں، اور سات دوسری سوکھی
اے اہل دربار اگر تم خواب کا مطلب حل کر لیا کرتے
ہو تو بتلاؤ میرے خواب کا حل کیا ہے؟"
درباریوں نے (غور و فکر کے بعد) کہا "یہ پریشان
خواب و خیالات ہیں (کوئی ایسی بات نہیں جس
کا کوئی خاص مطلب ہو) ہم سچے خوابوں کا مطلب
تو حل کر سکتے ہیں لیکن) پریشان خوابوں کا حل
نہیں جانتے"۔
اور جس آدمی نے (ان) دو قیدیوں میں سے
نجات پائی تھی اور جسے عرصہ کے بعد (یوسف کی)
بات یاد آئی، وہ (خواب کا معاملہ سن کر) بول اٹھا
"میں اس خواب کا نتیجہ تمہیں بتلا دوں گا۔ تم
مجھے (ایک جگہ) جانے دو"۔
(چنانچہ وہ قید خانے میں آیا اور کہا:) "اے
یوسف اے کہ مجسم سچائی ہے! اس (خواب) کا میرا
حل بتا کہ سات موٹی تازی گایوں کو سات دبلی
پتلی گائیں نگل رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں
سات سوکھی: تاکہ (ان) لوگوں کے پاس واپس جا
سکوں (جنہوں نے مجھے بھیجا ہے) کیا عجب ہے
وہ (تمہاری قدر و منزلت) معلوم کر لیں۔

۵۴ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۖ فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ۝ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ
۵۵ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ۝ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا
۵۶ حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ
ع ۵۷ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝ وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ
۵۸ مُنْكِرُونَ ۝ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَكُمْ مِنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي

ہاتھ ڈالے، اور ایسی حالت میں ہاتھ ڈالے وہ متنفر اور گریزاں ہو؟

اس معاملہ میں ایک اور دقیق نکتہ بھی ہے آیت ۲۹ میں گزر چکا ہے کہ جب عزیز پر اپنی بیوی کا قصور ثابت ہو گیا تھا تو اس نے کہا تھا یوسف اعرض عن ھذا! یوسف! اس بات سے درگذر کر یعنی جو ہوا سو ہوا۔ اب اس کا چرچا نہ کیجیو کہ اس میں میری بدنامی ہے۔ بعد کو اگرچہ عزیز اپنی بات پر نہ رہا اور حضرت یوسف کو قید میں ڈال دیا، لیکن حضرت یوسف کا اخلاق ایسا نہ تھا کہ یہ بات بھول جاتے۔ عزیز نے انہیں غلام کی حیثیت سے خریدا تھا اور پھر اپنے عزیزوں کی طرح عزت و آرام کے ساتھ رکھا تھا۔ وہ اس کا یہ احسان نہیں بھول سکتے تھے، پس ان کی طبیعت نے گوارا نہیں کیا کہ اس موقعہ پر اس کی بیوی کا ذکر کر کے اس کی رسوائی کا باعث ہوں۔ صرف ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کا ذکر کر دیا کہ ان میں کوئی نہ کوئی ضرور نکل آئے گی جو سچائی کے اظہار سے باز نہیں رہے گی۔

لیکن عزیز کی بیوی اب وہ عورت نہیں رہی تھی جو چند سال پہلے تھی۔ اب وہ ہوس کی خام کاریوں سے نکل کر عشق کی پختگی و کمال تک پہنچ چکی تھی۔ اب ممکن نہ تھا کہ اپنی رسوائی کے خیال سے اپنے محبوب کے سر الٹا الزام لگائے۔ جب عورتوں نے یوسف کی پاکی کا اقرار کیا۔ تو اس نے بھی خود بخود اعلان کر دیا کہ سارا قصور میرا تھا۔ وہ بے جرم اور راست باز ہے!

کے دن تو ہماری نگاہوں میں بڑا صاحب اقتدار
۵۴ اور امانت دار انسان ہے!"

یوسف نے کہا "مملکت کے خزانوں پر مجھے مختار کر دیجئے۔ میں حفاظت کر سکتا ہوں، اور میں اس کام کا جاننے والا ہوں" (چنانچہ بادشاہ نے
۵۵ اسے مملکت کا مختار کر دیا۔)

اور (دیکھو) اس طرح ہم نے سرزمین مصر میں یوسف کے قدم جما دیئے کہ جس جگہ سے چاہتے، حسب مرضی رہنے سہنے کا کام لے۔ ہم جسے چاہتے ہیں (اسی طرح) اپنی رحمت سے فیض یاب کر دیتے ہیں، اور
۵۶ نیک عملوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتے!

اور جو لوگ (اللہ پر) ایمان لائے اور (بد عملیوں سے) بچتے رہے ان کے لئے تو آخرت کا اجر
۵۷ اس سے کہیں بہتر ہے۔

اور (پھر قحط کے سالوں میں) ایسا ہوا کہ یوسف کے بھائی (کنعان سے غلہ خریدنے مصر)
۵۸ آئے۔ یوسف نے انہیں (دیکھتے ہی) پہچان لیا۔ لیکن انہوں نے نہیں پہچانا۔
اور جب یوسف نے ان کا سامان مہیا کر دیا، تو (جاتے وقت) کہا "اب کے آنا تو اپنے سوتیلے
بھائی (بن یمین) کو بھی ساتھ لانا۔ تم نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ میں تمہیں پوری تول (غلہ) دیتا
۹ ہوں اور (باہر سے آنے والوں کے لئے) [redacted] ہوں۔ لیکن اگر تم (اسے میرے پاس نہ لائے

بہت اچھا میزبان

اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ
۵۱ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ٘ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ
۵۲ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ۝ وَ مَاۤ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ
۵۳ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ

(۶۷) حضرت یوسف کا مژدہ رہائی سننا مگر قید خانہ چھوڑنے سے انکار کر دینا اور بادشاہ کو کہلانا کہ پہلے میرے قضیہ کی تحقیقات کرلی جائے، بادشاہ کا تحقیق کرنا، اور ان کی پاکی و راستی کا آشکارا ہوجانا، اور عزیز کی بیوی کا اعلان کرنا کہ وہ سچا ہے، سارا قصور میرا تھا!

تعبیر سنکر بادشاہ کے دل میں حضرت یوسف کا اس درجہ احترام پیدا ہوگیا کہ اس نے ایک خاص پیام بر ان کے لانے کے لئے بھیجا جسے آیت (۵۰) میں رسول سے تعبیر کیا ہے لیکن
۵۱ حضرت یوسف نے تعمیل حکم سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا۔ میں اس طرح رہا ہونا پسند نہیں کرتا۔ پہلے میرے معاملہ کی تحقیقات کرلی جائے کہ مجھے قید میں کیوں ڈالا گیا؟ اگر میں مجرم ہوں تو رہائی کا مستحق نہیں۔ اگر مجرم نہیں ہوں تو بلا شبہ مجھے رہا ہونا چاہئے۔

اس سلسلہ میں انہوں نے عزیز کی بیوی کی جگہ ان عورتوں کا ذکر کیوں کیا جنہوں نے مکاری سے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟ اس لئے کہ:

(ا) قید کے معاملہ میں ان عورتوں کا بھی ہاتھ تھا انہوں نے اپنی ناکامیابی کی ذلت مٹانے کے لئے جھوٹے الزام اس
۵۲ لئے ہونگے۔ یہی وجہ ہے کہ قید کا معاملہ ان کے معاملہ کے بعد ظہور میں آیا۔

(ب) عزیز کی بیوی تو [illegible] بے گناہی اور اپنی طلب و سعی کا اعتراف کیا تھا جیسا کہ آیت (۳۲) میں گزر چکا ہے۔ پس یہ سب اس بات کی گواہ تھیں کہ عزیز کی بیوی کے معاملہ میں ان کا دامن بے داغ ہے
۵۳ (ج) ان کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا تھا، خود اس سے بھی عزیز کی بیوی کا الزام بے اصل ثابت ہو جاتا تھا۔ کیونکہ جس شخص کی پاکی طبع کا یہ حال ہو کہ ان تمام فتنہ گران شہر اور خوب رویان عہد کا متفقہ اظہار عشق بھی اسے مسخر نہ کر سکا، کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ ایسا آدمی اپنے آقا کی جورو

آیا تھا جب تم نے یوسف پر ڈورے ڈالے تھے کہ اسے اپنی طرف مائل کرلو؟" وہ بولیں "حاشا للہ! ہم نے اس میں برائی کی کوئی بات نہیں پائی" (یہ سنکر) عزیز کی بیوی بھی (بے اختیار) بول اٹھی "جو حقیقت تھی وہ اب ظاہر ہوگئی، ہاں وہ میں ہی تھی جس نے یوسف پر ڈورے ڈالے کہ اپنا دل ہار بیٹھے بلاشبہ وہ (اپنے بیان میں) بالکل سچا ہے"۔

"یہ میں نے اس لئے کہا کہ اسے معلوم ہو جائے (یعنی یوسف کو معلوم ہو جائے) میں نے اس کے پیٹھ پیچھے اس کے معاملہ میں خیانت نہیں کی نیز اس لئے کہ (واضح ہو جائے) اللہ خیانت کرنے والوں کی تدبیروں پر کبھی (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا۔ میں اپنے نفس کی پاکی کا دعوٰی نہیں کرتی آدمی کا نفس تو برائی کے لئے بڑا ہی ابھارنے والا ہے (اس کے غلبہ سے بچنا آسان نہیں) مگر ہاں اسی حال میں کہ میرا پروردگار رحم کرے۔ بلاشبہ میرا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحم کرنے والا ہے!"

اور پھر، بادشاہ نے حکم دیا "یوسف کو میرے پاس لاؤ کہ اسے خاص اپنے (کاموں کے) لئے مقرر کروں" ~~پھر جب (وہ آیا تو بادشاہ نے) کہا آج~~

اور اس سے بات چیت کی تو کہا

٦٤ أَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا
نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ
٦٥ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۝ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ
٦٦ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝ وَقَالَ يٰبَنِيَّ

رتھ سواری کو دی کہ شاہی رتھوں میں دوسری رتھ تھی پھر جب وہ نکلا تو اس کے آگے آگے نقیب پکارتے تھے "سب ادب سے رہو" اور فرعون نے حکم دیا یوسف کو صاحب مملکت کے لقب سے پکارا جائے (پیدائش ۴۱: ۳۷)

(د) حضرت یوسف کی مصری زندگی کے دو انقلاب انگیز نقطے تھے۔ ایک وہ جب غلام ہو کر گئے، اور پھر عزیز کی نظروں میں ایسے معزز ہوئے کہ اس کے علاقہ کے مختار ہو گئے۔ دوسرا یہ کہ قید خانہ سے نکلے، اور نکلتے ہی وہاں پہنچ گئے کہ حکمرانی کی مسند اجلال پر جلوہ آرا نظر آئے! پس جب پہلے انقلاب تک سرگذشت پہنچی تھی، تو آیت (۲۱) میں حکمت الٰہی کی کرشمہ سنجیوں پر توجہ دلائی تھی کہ كذلك مكنا ليوسف فی الارض۔ اور اب کہ دوسرا انقلاب پیش آیا، تو اسی طرح آیت (۵۶) میں فرمایا: كذالك مكنا ليوسف فی الارض: وہاں چونکہ معاملہ مصر کی ابتدا ہوئی تھی، اور ابھی حضرت یوسف کو حکمرانی کی دانش سیکھنی باقی تھی، اس لئے فرمایا تھا۔ ولنعلمه من تاويل الاحاديث و الله غالب علىٰ امره یہاں چونکہ تکمیل کار کے بعد اس کا نتیجہ ظاہر ہو گیا تھا، اس لئے فرمایا: لا نضيع اجر المحسنين یہ اس لئے ہوا کہ ہمارا قانون ہے نیک عملی کا بیج کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ ضروری ہے کہ پھل لائے!

(ہ) تورات میں ہے کہ یوسف جب بادشاہ کے پاس آیا تو اس کی عمر تیس برس کی تھی (پیدائش ۴۱: ۴۶)

(و) اس کے بعد جو حالات پیش آئے، قرآن نے ان کی تصریح نہیں کی۔ کیونکہ خواب کی تعبیر میں ان کا بیان آچکا تھا اور چونکہ تعبیر سچی تھی، اس لئے ظاہر تھا کہ ویسے ہی حالات پیش آئے ہوں گے، اور یہ ایجاز بلاغت کی انتہا ہے۔

چنانچہ پہلے سات برس بڑھنے کے گذرے، اور جو تدبیر تجویز کی تھی۔ اسی کے مطابق انہوں نے غلہ کے ذخیرے

٦٤ بڑھ کر رحم کرنے والا کوئی نہیں!"

اور جب ان لوگوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کی پونجی انہی کو لوٹا دی گئی ہے۔ تب انہوں نے (اپنے باپ سے کہا) "اے ہمارے باپ! اس سے زیادہ ہمیں اور کیا چاہئے؟ دیکھ، یہ ہماری پونجی ہے جو ہمیں لوٹا دی گئی ہے (ہمیں غلہ بھی اس نے دے دیا اور قیمت بھی واپس کر دی پس ہمیں اجازت دے کہ بن یمین کو ساتھ لے کر پھر جائیں) اور اپنے گھرانے کے لئے رسد لے آئیں ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے، اور ایک اونٹ کا بوجھ اور زیادہ لے لیں گے۔ یہ غلہ (جو اس

٦٥ مرتبہ لائے ہیں) بہت تھوڑا ہے"۔

باپ نے کہا "میں کبھی اُسے تمہارے ساتھ بھیجنے والا نہیں جب تک کہ اللہ کے نام پر مجھ سے عہد نہ کرو۔ (تم عہد کرو کہ) بجز اس صورت کے ہم خود گھیر لئے جائیں (اور بے بس ہو جائیں) ہم ضرور اُسے تیرے پاس واپس لے آئیں گے" جب انہوں نے باپ کو (اس کے کہنے کے مطابق) اپنا پکا قول دے دیا، تو اس نے کہا "ہم نے جو قول و قرار کیا اس پر اللہ نگہبان ہو"۔

٦٦ اور باپ نے انہیں (چلتے وقت) کہا "اے

۵۹-۶۰ الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونِ ۝
۶۱ قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ۝ وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ
۶۲ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَى أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَى أَبِيهِمْ قَالُوا
۶۳ يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ
عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنْتُكُمْ عَلَى أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ

(۶۸) حضرت یوسف کا بادشاہ سے ملنا، تمام مملکت کے انتظام
کا ذمہ دار قرار پانا، پھر تعبیر کے مطابق قحط کے سالوں کا نمودار ہونا،
۶۰ بھائیوں کا غلہ کی طلب میں مصر آنا، اور بن یمین کا حضرت یوسف
کے پاس پہنچ جانا۔

(۱) جب تحقیقات کا نتیجہ آشکارا ہو گیا تو حضرت یوسف
۶۱ بادشاہ کو ملنے کے لئے تیار ہو گئے کیونکہ اب ان کی رہائی
بادشاہ کی بخشش نہ رہی ان کا حق ہو گئی۔

(۲) اس معاملہ نے بادشاہ کا اشتیاق اور زیادہ کر
دیا۔ اس نے خیال کیا، جس شخص کی راست بازی، امانت داری
اور وفائے عہد کا یہ حال ہے اس سے بڑھ کر مملکت کے کاموں
کے لئے کون موزوں ہو سکتا ہے؟ پس کہا فوراً میرے پاس لاؤ
میں اسے اپنے کاموں کے لئے خاص کر لوں گا۔ چنانچہ حضرت
یوسف آئے اور پہلی ہی ملاقات میں اس درجہ مسخر ہوا کہ بول
اٹھا۔ مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے۔ تم میری نگاہ میں بڑا مقام
۶۲ رکھتے ہو۔ مجھے بتاؤ اس آنے والی مصیبت سے جس کی خبر
خواب میں دی گئی ہے، مملکت کیونکر بچائی جا سکتی ہے؟ حضرت
یوسف نے کہا۔ اس طرح کہ ملک کی آمدنی کے تمام وسایل میرے
ماتحت کر دئے جائیں۔ میں علم و بصیرت کے ساتھ اس کی حفاظت
کر سکتا ہوں۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا؛ اور جب وہ
دربار سے نکلے، تو تمام مملکت مصر کے حکمران و مختار تھے!

۶۳ (۷۰) تورات میں ہے کہ فرعون نے یوسف کی باتیں
سن کر درباریوں سے کہا ہم ایسا آدمی کہاں پا سکتے ہیں جیسا
یہ ہے اور جس میں خدا کی روح بول رہی ہے، پھر یوسف
سے کہا۔ دیکھ میں نے ساری زمین مصر پر تجھے حکومت
بخشی فقط ایک تخت نشینی ہی میں تجھ سے اوپر رہوں گا۔
اور اس نے اپنی انگوٹھی اتار کر یوسف کو پہنا دی، اور گلے
میں سونے کا طوق ڈالا، اور کتان کا لباس عطا کیا، اور اپنی

تو پھر یاد رکھو نہ تو تمہارے لئے میرے پاس کچھ
خرید و فروخت ہوگی نہ تم میرے نزدیک جگہ
پاؤ گے"۔

انہوں نے کہا "ہم اس کے باپ کو اس بات
کی ترغیب دینگے اور ہم ضرور ایسا کرینگے"۔

اور یوسف نے اپنے خدمتگاروں کو حکم
دیا "ان لوگوں کی پونجی (جس کے بدلے میں انہوں
نے غلہ مول لیا ہے) انہی کی بوریوں میں رکھ دو۔
جب یہ لوگ اپنے گھر کی طرف لوٹینگے، تو بہت
ممکن ہے اپنی پونجی دیکھ کر پہچان لیں (کہ لوٹا
دی گئی) اور پھر عجب نہیں کہ دوبارہ آئیں"۔

پھر جب یہ لوگ اپنے باپ کے پاس لوٹ
کر گئے، تو کہا "اے ہمارے باپ! آئندہ کو غلہ کی
فروخت ہم پر بند کر دی گئی ہے پس ہمارے بھائی
(بن یمین) کو ہمارے ساتھ بھیج دے کہ غلہ خرید
لائیں اور ہم اس کے نگہبان ہیں"۔

باپ نے (یہ سنکر) کہا "کیا میں اس کے
لئے اسی طرح تمہارا اعتبار کروں جس طرح پہلے اس
کے بھائی (یوسف) کے بارے میں کر چکا ہوں؟ سو
خدا ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے، اور اس سے

اِلَیۡهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیۡۤ اَنَا اَخُوۡكَ فَلَا تَبۡتَئِسۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝ فَلَمَّا جَهَّزَهُمۡ بِجَهَازِهِمۡ ۶۹
جَعَلَ السِّقَايَةَ فِیۡ رَحۡلِ اَخِيۡهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الۡعِيۡرُ اِنَّكُمۡ لَسَارِقُوۡنَ ۝ قَالُوۡا ۷۰
وَاَقۡبَلُوۡا عَلَيۡهِمۡ مَّاذَا تَفۡقِدُوۡنَ ۝ قَالُوۡا نَفۡقِدُ صُوَاعَ الۡمَلِكِ وَلِمَنۡ جَآءَ بِهٖ حِمۡلُ بَعِيۡرٍ وَّ ۷۱
اَنَا بِهٖ زَعِيۡمٌ ۝ قَالُوۡا تَاللّٰهِ لَقَدۡ عَلِمۡتُمۡ مَّا جِئۡنَا لِنُفۡسِدَ فِی الۡاَرۡضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِيۡنَ ۝ ۷۲-۷۳

اچھا، اسے بھی اپنے ساتھ لاؤ" تاکہ تمہارے بیان کی تصدیق ہو جائے اور اس وقت تک کے لئے ایک آدمی یہاں چھوڑ جاؤ (پیدائش ۴۲ : ۱۰)

معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں پر جاسوسی کا شبہ ضرور کیا گیا تھا اگرچہ خود حضرت یوسف کی طرف سے نہ ہوا ہو اسی لئے حضرت یعقوب جب مجبور ہوئے کہ بن یمین کو ان کے ساتھ بھیج دیں تو نصیحت کی کہ ایک دروازہ سے شہر میں داخل نہ ہونا کہ کنعانیوں کا ایک پورا جتھا دیکھ کر مصریوں کو شبہ ہوگا۔ الگ الگ دروازوں سے ایک ایک دو دو کر کے داخل ہونا۔ نیز فرمایا: ان الحکم الا للہ۔ اصلی فرمانروائی تو اللہ ہی کے لئے ہے وہ نہ چاہے تو مصر کا حکمران کیا کر سکتا ہے؟ پس جو کچھ بھروسہ ہے اسی پر ہے۔ البتہ اپنی طرف سے تدبیر و احتیاط ضرور کرنی چاہیے۔

لیکن جو کچھ پیش آنے والا تھا، وہ دوسرا ہی معاملہ تھا۔ جاسوسی کی بنا پر نہیں بلکہ ایک دوسری مصلحت کی بنا پر بن یمین کو روک لیا گیا، اور جس بات کی احتیاط کی تھی وہی پیش آگئی۔ یہی وجہ ہے کہ آیت (۶۸) میں فرمایا۔ یہ احتیاط کچھ کام نہ دے سکی۔ ہاں حضرت یعقوب نے ایک خطرہ محسوس کیا تھا۔ سو اپنی جگہ اس کی پیش بندی کر لی۔ پھر ان کے علم و دانش مندی کا بھی اظہار کر دیا "تاکہ واضح ہو جائے انہوں نے جو احتیاط کی تھی وہ گو کام نہ دے سکی لیکن یہ قصور علم کی وجہ سے نہیں ہوا۔ علم کا مقتضا تو یہی تھا کہ تدبیر و احتیاط میں کمی نہ کرتے، اور پھر سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیتے جیسا کہ فی الحقیقت انہوں نے کیا۔

(ی) بہرحال بن یمین کو لے کر جب دوبارہ گئے تو حضرت

(بد سلوکی یہ لوگ تیرے ساتھ) کرتے آئے ہیں، اس پر غمگین نہ ہو" (اور خوش ہو جا کہ اب زمانہ پلٹ گیا) ۶۹

پھر جب یوسف نے ان لوگوں کا سامان ان کی روانگی کے لئے مہیا کیا، تو اپنے بھائی (بن یمین) کی بوری میں اپنا کٹورا رکھ دیا (تاکہ بطور نشانی کے اس کے پاس رہے) پھر ایسا ہوا کہ جب یہ لوگ روانہ ہوگئے اور شاہی کارندوں نے پیالہ ڈھونڈھا اور نہ پایا، تو ان پر شبہ ہوا، اور ایک پکارنے والے نے (ان کے پیچھے) پکارا "اے قافلہ والو (ٹھہرو) ہو نہ ہو تم ہی چور ہو!" ۷۰

وہ پکارنے والے کی طرف پھرے اور پوچھا "تمہاری کونسی چیز کھو گئی ہے"؟ ۷۱

(شاہی کارندوں نے) کہا "ہمیں شاہی پیمانہ نہیں ملتا جو شخص اسے لادے اس کے لئے ایک بار شتر (غلہ) انعام ہے" اور (کارندوں کے سردار نے کہا) میں اس بات کا ضامن ہوں"۔ ۷۲

انہوں نے کہا "اللہ جانتا ہے ہم اس لئے یہاں نہیں آئے کہ ملک میں شرارت کریں، اور یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو (کہ پہلے بھی ایک مرتبہ آچکے ہیں) اور ہمارا کبھی یہ شیوہ نہیں رہا کہ چوری کریں"! ۷۳

لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ
۶۷ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ
اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ
ع ۶۸ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ع وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى

جمع کر لئے۔ پھر جب قحط کے سال شروع ہوئے تو وہی ذخیرے کام میں لائے گئے، اور حکومت کی جانب سے غلہ تقسیم ہونے لگا۔

تورات میں ہے کہ تمام روئے زمین پر کال تھا۔ (پیدائش ۴۱: ۵۶) تمام روئے زمین کا مطلب یہ ہوگا کہ مصر کے اطراف وجوانب میں بھی کال تھا، اور وہاں کے باشندے بھی مصر آکر حضرت یوسف کی بخشش سے فائدہ اٹھاتے تھے کیونکہ یقیناً اس بات کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا ہوگا کہ مصر میں غلہ کے وافر ذخیرے موجود ہیں۔

(ز) اسی زمانے کی بات ہے کہ کنعان سے یوسف کے بھائی بھی غلہ مول لینے مصر آئے، اور اس طرح اس سرگزشت کا آخری باب اپنی عجیب وغریب موعظتوں اور عبرتوں کے
۶۷ ساتھ ظہور میں آنا شروع ہوگیا۔ آیت (۵۸) سے اسی کا بیان شروع ہوتا ہے۔

(ح) حضرت یوسف انہیں دیکھتے ہی پہچان گئے۔ لیکن وہ کیونکر پہچان سکتے تھے؟ اول تو یوسف جب گھر سے جدا ہوئے سترہ برس کے لڑکے تھے، اور اب چالیس کے لگ بھگ عمر تھی۔ پھر اس بات کا کسے گمان ہوسکتا تھا کہ چند سکوں کا بکا ہوا غلام مصر کا حکمراں ہوگا۔

حضرت یوسف نے جب انہیں دیکھا تو باپ کی اور اپنے ماں جائے بھائی بن یمین کی صورتیں سامنے آگئیں۔ ان سے کھود کھود کر گھر کے حالات پوچھے، اور چلتے وقت کہا۔
۶۸ تمہارے یہاں قحط چھایا ہوا ہے۔ تم غلہ لینے پھر آؤ گے۔ لیکن یاد رکھو۔ اب کے میں غلہ جبھی دوں گا کہ اپنے بھائی بن یمین کو بھی ساتھ لاؤ۔

(ط) تورات میں ہے کہ یہ صورت اس طرح پیش آئی کہ یوسف نے انہیں جاسوس کہا تھا جب انہوں نے اپنی بریت میں اپنے گھرانے کے حالات سنائے تو ان کی بات پکڑ لی اور کہا تم کہتے ہو تمہارا ایک بھائی اور بھی ہے؟

میرے بیٹو! دیکھو (جب مصر پہنچو تو شہر کے) ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا۔ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا۔ میں تمہیں کسی ایسی بات سے نہیں بچا سکتا جو اللہ کے حکم سے ہونے والی ہو۔ لیکن اپنی طرف سے حتی المقدور احتیاط کی ساری تدبیریں کرنی چاہئیں) فرماں روائی کسی کے لئے نہیں ہے مگر اللہ کے لئے۔ (دنیا کے سارے حکمرانوں کی طاقت اس کے آگے ہیچ ہے) میں نے اسی پر بھروسہ کیا۔ اور وہی ہے جس پر تمام بھروسہ کرنے والوں کو بھروسا کرنا چاہئے!"

(پھر) جب یہ لوگ (مصر میں) داخل ہوئے اسی طرح جس طرح باپ نے حکم دیا تھا، تو (دیکھو) یہ بات (اللہ کی مشیت) کے مقابلہ میں کچھ بھی کام آنے والی نہ تھی، مگر ہاں، یعقوب کے دل میں ایک خیالی پیدا ہوا تھا جسے اس نے پورا کر دیا۔ بلاشبہ وہ صاحب علم تھا کہ ہم نے اس پر علم کی راہ کھول دی تھی لیکن اکثر آدمی (اس بات کی حقیقت) نہیں جانتے!

اور جب ایسا ہوا کہ یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے، تو اس نے اپنے بھائی (بن یمین) کو اپنے پاس بٹھا لیا، اور اسے (پوشیدگی میں) اشارہ کر دیا کہ میں تیرا بھائی (یوسف) ہوں۔ پس جو

يَّسۡرِقۡ فَقَدۡ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ‌ۚ فَاَسَرَّهَا يُوۡسُفُ فِىۡ نَفۡسِهٖ وَلَمۡ يُبۡدِهَا لَهُمۡ‌ۚ قَالَ
اَنۡتُمۡ شَرٌّ مَّكَانًا‌ ۚ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا تَصِفُوۡنَ ۝ قَالُوۡا يٰۤاَيُّهَا الۡعَزِيۡزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيۡخًا كَبِيۡرًا ۷۷
فَخُذۡ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ‌ ۚ اِنَّا نَرٰٮكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنۡ نَّاۡخُذَ اِلَّا مَنۡ وَّجَدۡنَا ۷۸
مَتَاعَنَا عِنۡدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوۡنَ ۝ فَلَمَّا اسۡتَيۡــَٔسُوۡا مِنۡهُ خَلَصُوۡا نَجِيًّا‌ ؕ قَالَ ۷۹ ع ۹/۱۱ ۳

کہ اس کے چور ہونے میں انہیں شبہ ہوتا۔ وہ ان سب کو لے کر حضرت یوسف کے پاس پہنچے۔

جب حضرت یوسف نے یہ معاملہ سنا تو سمجھ گئے کہ اس حادثہ میں خدا کا ہاتھ کام کر رہا ہے، اور اس نے بن یمین کو روک لینے کا خود بخود سامان پیدا کر دیا ہے۔ وہ خاموش ہو رہے اور کہا، تو صرف یہی کہا کہ ہم اور کسی کو روک نہیں سکتے اسی کو روکیں گے جس کے پاس ہماری چیز نکلی۔ یہ دراصل وہی بات تھی جو خود ان لوگوں کی زبان سے نکل چکی تھی۔ ان سے جب کارندوں نے پوچھا تھا۔ اگر مال نکل آیا تو چور کی کیا سزا؟ تو انہوں نے کہا تھا جس کے پاس سے نکلے، وہ خود اپنی سزا ہو۔ یعنی بطور قیدی کے یا غلام کے اسے صاحب مال رکھ لے۔

یہی وجہ ہے کہ آیت ۷۶ میں اس معاملہ کے ذکر کے بعد ہی فرمایا۔ کذلک کدنا لیوسف۔ یوسف ملک کے قانون کے مطابق بن یمین کو نہیں روک سکتا تھا، اور اس نے روکنا چاہا بھی نہیں، اگرچہ دل اس کے لئے بیقرار تھا، لیکن حکمت الٰہی نے ایک مخفی اور دقیق تدبیر پیدا کر دی۔ جو انسان کے لئے نہیں ہو سکتی تھی۔ اور "کید" کے معنی مخفی اور دقیق تدبیر ہی کے ہیں۔

(ک) جھوٹوں کا قاعدہ ہے کوئی موقعہ کوئی بات ہو جھوٹ بولنے سے نہیں رکتے۔ اگر مدح کا موقعہ ہو، تو جھوٹی مدح کر دینگے۔ مذمت کا موقع ہو، تو کوئی جھوٹا الزام لگا دینگے

جب بن یمین کی خرجی میں سے پیالہ نکل آیا، تو بھائیوں کا سوتیلے پن کا حسد جوش میں آ گیا۔ جھٹ بول اٹھے اگر اس نے چوری کی تو کوئی عجیب بات نہیں۔ اس کا بھائی یوسف بھی چور تھا۔ پس یہ بغض و حسد کی ایک بات تھی اس کا مطلب یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ واقعی کوئی ایسی بات ہوئی بھی تھی قرآن نے خصوصیت کے ساتھ ان کی یہ بات اس لئے نقل کی کہ واضح ہو جائے بغض و حسد انسان کو کیسی

بھائیوں نے کہا "اگر اس نے چوری کی تو یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ اس سے پہلے اس کا (حقیقی) بھائی بھی چوری کر چکا ہے" تب یوسف نے (جس کے سامنے اب معاملہ پیش ہوا تھا) یہ بات اپنے دل میں رکھ لی ان پر ظاہر نہ کی (کہ میرے منہ پر مجھے چور بنا رہے ہو) اور (صرف اتنا) کہا کہ "سب سے بری جگہ تمہاری ہوئی (کہ اپنے بھائی پر جھوٹا الزام لگا رہے ہو) اور جو کچھ تم
بیان کرتے ہو، اللہ اسے بہتر جاننے والا ہے"۔ ۷۷

انہوں نے کہا "اے عزیز! اس کا باپ بہت بوڑھا آدمی ہے (اور اس سے بہت محبت رکھتا ہے) پس اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے (مگر اسے نہ روکئے) ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ان لوگوں میں سے
ہیں جو احسان کرنے والے ہیں"۔ ۷۸

یوسف نے کہا "اس بات سے اللہ کی پناہ کہ ہم اس آدمی کو چھوڑ کر جس کے پاس ہمارا سامان نکلا کسی دوسرے کو پکڑ لیں۔ اگر ایسا کریں تو ہم ظالم ٹھہریں"۔

پھر جب وہ یوسف سے مایوس ہو گئے (کہ یہ ماننے والا نہیں) تو مشورہ کے لئے (ایک جگہ اکیلے) میں بیٹھ گئے۔ جو ان میں بڑا تھا اس نے کہا "تم جانتے ہو کہ باپ نے (بن یمین کے بارے میں)

۷۴ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ۝ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ

۷۵ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ

اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ

۷۶ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝ قَالُوْٓا اِنْ

(کارندوں نے) کہا "اچھا، اگر تم جھوٹے نکلے تو بتلاؤ، چور کی سزا کیا ہونی چاہیے؟" انہوں نے کہا "چور کی سزا یہ کہ جس کی بوری میں چوری کا مال نکلے، وہ آپ اپنی سزا

۷۴ یوسف نے اس پر اپنی حقیقت ظاہر کر دی، اور چونکہ جانتے تھے، سوتیلے بھائی ضرور اس کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہوں گے اس لئے کہا۔ اب دن پھرنے والے ہیں، اس لئے آزردہ خاطر نہ ہو۔

۷۵ (یعنی اپنے جرم کی پاداش میں پکڑا جائے) ہم زیادتی کرنے والوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔"

پس (کارندوں کے سردار نے) ان کی بوریوں کی تلاشی شروع کی قبل اس کے کہ یوسف کے بھائی (بن یمین) کی بوری کی تلاشی لیتے اور کچھ نہ پایا) پھر یوسف کے بھائی کی بوری (دیکھی اور اس میں) سے پیالہ نکال لیا۔ (تو دیکھو) اس طرح ہم نے یوسف کے لئے (بن یمین کو پاس رکھنے کی) تدبیر کر دی۔ وہ بادشاہ (مصر) کے قانون کی رو سے ایسا نہیں کر سکتا تھا کہ اپنے بھائی کو روک لے (اگرچہ ایسا کرنے کے لئے اس کا دل بیقرار تھا) مگر ہاں اسی صورت میں کہ اللہ کو (اس کی راہ نکال دینا منظور ہوتا (سو اس نے غیبی سامان کر کے راہ نکال دی) ہم جسے چاہتے ہیں مرتبوں میں بلند کر دیتے ہیں اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والی ہستی ہے (جس کا علم سب کو احاطہ کئے ہوئے ہے یعنی اللہ کی ہستی)

(جب بن یمین کی بوری سے کٹورا نکل آیا تو

(۱۹) حضرت یوسف کا چاہنا کہ بن یمین کو اپنے پاس رکھ لیں لیکن اس کی کوئی راہ نہ پانا اور رخصت کر دینا۔ لیکن حکمت الہٰی سے ایک عجیب و غریب حادثہ کا پیش آجانا، اور بن یمین کا ان کے پاس رہ جانا۔

(۱) بن یمین حضرت یوسف کا حقیقی بھائی تھا۔ اتنی مدت کے بعد دیکھا تو کسی طرح دل نہیں مانتا تھا کہ اُسے جدا ہونے دیں۔ لیکن مشکل یہ آپڑی کہ روک بھی نہیں سکتے تھے۔ اس بارے میں مصر کا قانون بہت سخت تھا۔ بلا وجہ کسی آدمی کو خصوصاً اجنبی کو روک لینا جائز نہ تھا۔ اور ابھی اس کا وقت بھی نہیں آیا تھا۔ کہ اپنی شخصیت بھائیوں پر ظاہر کریں۔ مجبور ہو کر رخصت کر دیا۔ اور اس غرض سے کہ اپنی ایک نشانی اسے دیدیں اس کے سامان میں اپنا چاندی کا کٹورا رکھ دیا۔ چونکہ بھائیوں پر اس بات کا اظہار خلاف مصلحت تھا، اس لئے یہ بات پوری پوشیدگی کے ساتھ عمل میں آئی۔

لیکن جب یہ لوگ روانہ ہو گئے، تو حضرت یوسف کے محل کے کارندوں نے پیالہ ڈھونڈا، اور جب نہ ملا تو ان لوگوں کے تعاقب میں نکلے۔ انہیں پیالہ کا حال معلوم نہ تھا۔ اور چونکہ ان لوگوں کے سوا کوئی اور آدمی محل میں ٹھیرا نہیں تھا۔ اس لئے سمجھے ہو نہ ہو انہی اجنبیوں کی کارستانی ہے۔ پھر جب

۷۶ کارندوں کے سردار نے "تلاشی لی (جس کی موجودگی کا پتہ آیت ۷۲ کے اس جملہ سے ملتا ہے کہ" انا بہ زعیم") تو بن یمین کی خرجی سے پیالہ نکل آیا۔ اب کوئی وجہ نہ تھی

۸۴ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ۝ قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوسُفَ حَتّٰى تَكُونَ حَرَضًا اَوْ تَكُونَ مِنَ
۸۵-۸۶ الْهَالِكِينَ ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝
يٰبَنِيَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُوسُفَ وَاَخِيهِ وَلَا تَايْـَٔسُوا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهُ لَا يَايْـَٔسُ
۸۷ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُونَ ۝ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يٰاَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا
الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي

۸۴ آنکھیں سفید پڑ گیئں، اور اس کا سینہ غم سے لبریز تھا!
(باپ کا یہ حال دیکھ کر بیٹے) کہنے لگے "بخدا! تم تو ہمیشہ ایسے ہی رہو گے کہ یوسف کی یاد میں لگے
۸۵ رہو یہاں تک کہ (اسی غم میں) گھل جاؤ، یا اپنے کو ہلاک کر دو"
باپ نے کہا "میں تو اپنی حاجت اور اپنا غم اللہ کی جناب میں عرض کرتا ہوں (کچھ تمہارا شکوہ
۸۶ نہیں کرتا) میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں"

(پھر انہوں نے کہا) "اے میرے بیٹو! (ایک بار پھر مصر) جاؤ، اور یوسف اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے مگر وہی
۸۷ لوگ جو منکر ہیں،
پھر جب (باپ کے حکم کی تعمیل میں یہ لوگ مصر پہنچے اور) یوسف کے پاس گئے، (تو اپنے پھر آنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے) کہا "اے عزیز! ہم پر اور ہمارے گھر کے آدمیوں پر بڑی سختی کے دن گذر رہے ہیں (پس مجبور ہو کر غلہ کی طلب میں ہمیں پھر نکلنا پڑا) ہم تھوڑی سی پونجی لے کر آئے ہیں۔ اسے قبول کر لیجیے۔ اور غلہ کی پوری تول عنایت کیجیے۔ اور (اسے خرید و فروخت کا معاملہ نہ سمجھیے بلکہ ہمیں محتاج سمجھ کر) خیرات دیجیے۔ اللہ خیرات کرنے والوں

(۴۰) حضرت یعقوب کا بن یمین کی گمشدگی میں بازیافتگی کی ایک نئی امید محسوس کرنا، اور بیٹوں کو جستجو کے مقصود میں روانہ کرنا، بالآخر پردۂ راز کا ہٹنا، اور کرشمۂ حقیقت کا سامنے آجانا!

(ا) اب یہ سرگزشت عبرت اپنی آخری منزل سے قریب ہو رہی ہے۔ جب یوسف کے بھائی بن یمین کے معاملہ میں مایوس ہو گئے، تو آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ تورات میں ہے کہ جب حضرت یعقوب راضی نہیں ہوتے تھے کہ بن یمین کو جدا کریں، تو روبن نے خصوصیت کے ساتھ اس کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا (پیدائش ۴۲: ۳۸) اور روبن ہی ان سب میں بڑا تھا۔ پس اس نے کہا۔ یوسف کے معاملہ میں ہم سے جو بدعہدی ہو چکی ہے، اس کا داغ اب تک باپ کے دل سے مٹا نہیں۔ اب بن یمین کے لئے ہم نے قول و قرار کیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا۔ میری ہمت تو پڑتی نہیں کہ باپ کو جا کر منہ دکھاؤں، تم جاؤ، اور جو کچھ گزرا ہے، بے کم و کاست سنا دو۔ چنانچہ بھائیوں نے ایسا ہی کیا، اور گھر آ کر تمام سرگزشت باپ کو سنا دی

(ب) غور کرو قرآن واقعہ کی جزئیات نقل کرتے ہوئے کس طرح دقیق سے دقیق پہلو فطرت انسانی کے ملحوظ رکھتا ہے۔

كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُم مَّوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ وَمِن قَبْلُ مَا فَرَّطتُمْ فِي
۸۰ يُوسُفَ ۖ فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ○
ارْجِعُوا إِلَىٰ أَبِيكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا
۸۱-۸۲ لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ ○ وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ○
قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ عَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ
۸۳ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ○ وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ

اللہ کو شاہد ٹھہرا کر تم سے عہد لیا ہے، اور اس

کیسی غلط بیانیوں کا عادی بنا دیتا ہے۔

سے پہلے یوسف کے معاملہ میں بڑی تقصیر ہو چکی ہے۔ پس میں تو اب اس ملک سے ٹلنے والا نہیں، جب تک خود باپ مجھے حکم نہ دے، یا پھر اللہ میرے لئے کوئی دوسرا فیصلہ کر دے
۸۰ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے"۔

"تم لوگ (اپنے) باپ کی طرف لوٹ جاؤ اور اس سے جا کر کہو "اے ہمارے باپ! (ہم کیا کریں) تیرے بیٹے نے (پرائے ملک میں) چوری کی۔ جو بات ہمارے جاننے میں آئی، وہی ہم نے ٹھیک ٹھیک کہہ دی، اور ہم غیب کی باتوں کی خبر رکھنے والے نہ تھے" (کہ پہلے سے جان لیتے، بن یمین
۸۱ سے ایسی بات سرزد ہونے والی ہے)

(اور یہ بھی کہہ دینا کہ) آپ اس بستی سے دریافت کر لیں جہاں ہم ٹھہرے تھے، اور اس قافلہ کے آدمیوں سے پوچھ لیں جس میں ہم آئے ہیں۔ ہم (اپنے بیان میں) بالکل سچے
۸۲ ہیں"۔

(چنانچہ بھائیوں نے ایسا ہی کیا، اور کنعان آکر یہ ساری باتیں باپ سے کہہ دیں) اس نے (سن کر) کہا "نہیں، یہ تو ایک بات ہے جو تمہارے جی نے تمہیں سجھا دی ہے، یعنی بن یمین کا چوری کرنا، خیر! میرے لئے صبر کے سوا چارہ نہیں۔ ایسا صبر کہ خوبی کا صبر ہو۔ اللہ (کے فضل) سے کچھ بعید نہیں ہے کہ وہ (ایک دن) ان سب کو میرے پاس جمع کر دے۔ وہی ہے جو (سب کچھ) جاننے والا (اور اپنے
۸۳ تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے"!

اور اس نے ان لوگوں کی طرف سے رخ پھیر لیا، اور (چونکہ اس نئے زخم کی خلش نے پچھلا زخم تازہ کر دیا تھا، اس لئے) پکار اٹھا "آہ یوسف کا دردِ فراق!" اور شدتِ غم سے (روتے روتے) اس کی

أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ اِذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا ۚ وَأْتُونِي ۹۲
بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ ۖ لَوْلَا أَنْ ۹۳ ع۱۰
تُفَنِّدُونِ ۝ قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ۝ فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَىٰ ۹۴-۹۵ الربع
وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ۖ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ ۹۶

وہ تمام رحم کرنیوالوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے!" ۹۲
اب تم یوں کرو کہ میرا یہ کرتا (بطور علامت کے)
اپنے ساتھ لے جاؤ، اور میرے باپ کے چہرے پر
ڈال دو کہ اس کی آنکھیں روشن ہو جائیں۔ اور پھر
اپنے گھرانے کے تمام آدمیوں کو لے کر میرے پاس
آجاؤ"! ۹۳
اور پھر جب (یہ لوگ یوسف کے حکم کے مطابق
کرتہ لے کر روانہ ہوئے اور) قافلے نے مصر کی سرزمین
چھوڑی، تو (ادھر کنعان میں) اُن کا باپ کہنے لگا۔
"اگر تم لوگ یہ نہ کہنے لگو کہ بڑھاپے سے اس کی
عقل ماری گئی تو میں کہوں گا مجھے یوسف کی مہک
آرہی ہے، (اور مجھے اس کا یقین ہے) سننے والوں ۹۴
نے کہا، بخدا تم تو اب تک اپنے (اسی) پرانے خبط
میں پڑے ہو، (یعنی یوسف کا تو نام و نشان بھی نہیں
اور تمہیں اس کی واپسی کے خواب آرہے ہیں!) ۹۵
لیکن پھر جب (قافلہ کنعان پہنچ گیا اور) خوش
خبری سنانے والا (دوڑتا ہوا) آیا تو اس نے آتے
ہی یوسف کا کرتہ یعقوب کے چہرے پر ڈال دیا اور اُس کی آنکھیں پھر سے روشن ہو گئیں۔ تب اُس نے
کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں ہے؟" ۹۶
وہ (شرم و ندامت میں ڈوب کر) بولے اے ہمارے باپ! ہمارے گناہوں کی مغفرت کے لئے

کا بہانہ نہ تھا، بلکہ واقعی مصیبت کی سچی داستان تھی۔ جب حضرت یوسف نے یہ حالات سنے اور دیکھا کہ ان کے بھائی ان کے سامنے کھڑے خیرات کی بھیک مانگ رہے ہیں تو جوش رحم و محبت سے بے اختیار ہو گئے، اور اب اپنے آپ کو ظاہر کر دیا۔ جب انہوں نے کہا "تمہیں یاد ہے، تم نے یوسف کے ساتھ کیا کیا تھا؟" تو بھائی چونک اٹھے کہ عزیز مصر یوسف کا ذکر کس طرح کیوں کر رہا ہے؟ اور اب جو اس کی صورت اور آواز پر غور کیا تو صاف نظر آ گیا کہ یہ تو بالکل یوسف کی سی ہے۔ پس حیران ہو کر بول اٹھے: "أئنك لأنت يوسف؟"

قرآن نے اس موقعہ کا سارا مکالمہ صرف دو جملوں میں بیان کر دیا ہے۔ ایک حضرت یوسف کا ہے۔ دوسرا بھائیوں کا، لیکن غور کرو، موقعہ کی طبیعت حال کا کونسا پہلو ہے جو ان دو جملوں کے اسلوب بیان اور لب و لہجہ میں نہیں آ گیا؟ بھائیوں نے یہ نہیں کہا "کیا تم یوسف ہو؟" بلکہ کہا "أئنك لأنت يوسف" یعنی کیا فی الحقیقت تم ہی یوسف ہو؟ اس اسلوب استفہام نے وہ ساری حالتیں واضح کر دیں جو ان کے ذہن و فکر پر اس وقت طاری ہو گئی تھیں، اور اس طرح کے موقع میں قدرتی طور پر طاری ہوا کرتی ہیں۔

(د) جب بھائیوں نے یوسف کی ہلاکت کی خبر باپ کو سنائی تھی، تو خون آلود کرتا جا کر دکھایا تھا۔ اب وقت آیا کہ زندگی و اقبال کی خوش خبری سنائی جائے تو اس کے لئے بھی کرتے ہی نے نشانی کا کام دیا۔ وہی چیز جو کبھی فراق کا پیام لائی تھی، اب وصال کی بشارت بن گئی۔

۸۸ - ۸۹ الْمُتَصَدِّقِيْنَ ○ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ○ قَالُوْٓا
ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ؗ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ
۹۰ - ۹۱ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ○
قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ؗ وَهُوَ

۸۸ بن یمین ان سب کا بھائی تھا۔ ماں ایک نہ سہی، مگر باپ تو ایک ہی تھا۔ لیکن انھوں نے یہ نہیں کہا کہ ہمارے بھائی نے چوری کی۔ بلکہ کہا۔ تیرے لڑکے نے چوری کی۔ اس ایک بات میں کتنی باتیں چھپی ہوئی ہیں! اس میں طعن ہے، تحقیر ہے، ملامت ہے اپی بڑائی ہے، سرد مہری ہے، بے تعلقی ہے۔ اور پھر سعادت کو سنگ دلی ہے کہ ایسے موقع پر بھی جب کہ بوڑھے باپ کے دل پر ایک نیا زخم لگنے والا تھا، طعن و تشنیع سے باز نہ رہ سکے، اور کہا، یہ
۸۹ ہے تیرا چہیتا بیٹا جس نے چوری کا ارتکاب کیا اور ہم سب کو مصیبت میں ڈالا۔

(ج) معلوم ہوتا ہے، حضرت یعقوب نے ابن یمین کی گم گشتگی میں یوسف کی بازگشت کی جھلک دیکھ لی تھی۔ اور یہ ان کی فراست نبوت کا کرشمہ تھا۔ اسی لئے فرمایا عسی اللہ ان یاتینی بھم جمیعا۔ اور یہ قرب وصال کے تصور کا نتیجہ تھا کہ درد فراق کی شدتیں بڑھ گئیں اور بے اختیار یا اسفی علی یوسف کی صدا نکل گئی۔ اور اسی لئے آخر میں ارشاد کیا کہ انی اعلم من اللہ ما لا تعلمون!

(د) اس کے بعد حضرت یعقوب کا کہنا کہ مایوس ہو کر نہ بیٹھ جاؤ۔ جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ۔ واضح کر دیتا ہے کہ وحی الٰہی کا اشارہ ہو چکا تھا، اور وہ سمجھ چکے تھے کہ شمیم یوسف اسی رخ سے آنے والی ہے
۹۰ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ یوسف کا نام ان کی زبان سے نکلتا۔ کیونکہ جو معاملہ پیش آیا تھا، بن یمین کا تھا۔ یوسف کا نہ تھا۔ چنانچہ آگے چل کر آیت (۹۶) سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ جب حضرت یوسف کا کرتہ اور پیام پہنچا تو انھوں نے کہا۔ الم اقل لکم انی اعلم من اللہ ما لا تعلمون۔

(ہ) ایک طرف تو یہ حالات پیش آ رہے تھے، دوسری
۹۱ طرف قحط کی شدتیں بھی روز بروز بڑھتی جاتی تھیں۔ پس بھائیوں نے مصر آ کر جو کچھ حضرت یوسف سے کہا، وہ اپنے دوبارہ آنے

کو اُن کا اجر دیتا ہے۔"

(یہ حال سن کر، یوسف (کا دل بھر آیا۔ اس) نے کہا، تمہیں یاد ہے، تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جب کہ تمہیں سمجھ بوجھ نہ تھی!"

(یہ سن کر بھائی چونک اٹھے، اور اب جو عزیز کی صورت اور آواز پر غور کیا، تو ایک نیا خیال ان کے اندر پیدا ہو گیا) انہوں نے کہا، کیا فی الحقیقت تم ہی یوسف ہو!

یوسف نے کہا، ہاں میں یوسف ہوں، اور یہ (بن یمین) میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان کیا اور حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی (برائیوں سے) بچتا اور (مصیبتوں میں) ثابت قدم رہتا ہے، تو اللہ (کا قانون یہ ہے کہ وہ) نیک عملوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا!

(یہ سن کر بھائیوں کے سر شرم و ندامت سے جھک گئے) انہوں نے کہا، بخدا، اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ نے تجھے ہم پر برتری دی اور بلاشبہ ہم سزاوار قصور وار تھے۔ یوسف نے کہا آج کے دن (میری جانب سے) تم پر کوئی سرزنش نہیں (جو ہونا تھا وہ ہو چکا) اللہ تمہارا قصور بخشے

الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ
۱۰۰ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ
فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ
۱۰۱ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا
۱۰۲ اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ

انہیں تسلی دی اور کہا اپنے دلوں میں پریشان نہ ہو یہ خدا کی مصلحت تھی کہ اس نے مجھے تم لوگوں سے پہلے اس سرزمین میں بھیج دیا دو برس سے زمین پر کال ہے اور ابھی پانچ برس اور کال رہے گا بس خدا نے مجھے اس لئے مصر کا حاکم بنا دیا کہ تمہاری اولاد باقی رہے اور تمہیں غموں سے نجات ملے تم اب فوراً میرے باپ کے پاس جاؤ اور اسے مع اپنے پورے گھرانے کے میرے پاس لے آؤ میں اسے جشن کی زمین میں رکھوں گا۔ پیدائش (۴۵:۴)

توراة سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب فرعون کو معلوم ہوا۔ یوسف کے بھائی آئے ہیں تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے یوسف کو کہا اپنے بھائیوں سے کہہ اپنے باپ اور اپنے گھرانے کو میرے پاس لے آئیں۔ میں انہیں مصر کی ساری اچھی چیزیں دوں گا۔ نیز حکم دیا کہ ان کے لانے کے لئے مصر کے رتھ اپنے ساتھ لے جائیں اور جو اسباب وہاں چھوٹ جائے اس کا افسوس نہ کریں مصر کی ساری خوشیاں ان کے لئے ہوں گی (۴۵:۱۶)

(د) چنانچہ کنعان سے حضرت یعقوب کا گھرانا روانہ ہو گیا۔ توراة میں ہے کہ وہ سب ۶۶ تھے اور اگر یوسف اور اس کے لڑکوں کو جو مصر میں پیدا ہوئے تھے ملا لیا جائے تو خاندان کی پوری تعداد ستر ہو جاتی ہے (پیدائش ۴۶: ۲۷)

(ہ) جب قافلہ مصر کے قریب پہنچا، تو حضرت یوسف نے ان کا استقبال کیا۔ اس زمانہ میں مصر کا دارالحکومت رعمسیس تھا، اور اسے جشن کا شہر کہتے تھے۔ کیونکہ سالانہ جشن وہیں ہوا کرتا تھا۔ پس یہ لوگ دارالحکومت میں آئے جہاں حضرت یوسف نے دربار منعقد کیا، اور اپنے والدین کے لئے بلند مسند بچھائی۔ اب وہ وقت آ گیا تھا جس کا مرقع سالہا سال پہلے حضرت یوسف نے خواب میں دیکھا تھا جونہی حضرت

پہنچا دیا اور یہ سب کچھ اس واقعہ کے بعد ہوا کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف ڈال دیا تھا! بلاشبہ میرا پروردگار ان باتوں کے لئے جو کرنی چاہے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ بلاشبہ وہی ہے کہ (سب کچھ) جاننے والا (اور اپنے سارے
۱۰۰ کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے!"

(پھر یوسف نے دعا کی) "پروردگار! تو نے مجھے حکومت عطا فرمائی اور باتوں کا مطلب اور نتیجہ نکالنا تعلیم فرمایا۔ اے آسمان و زمین کے بنانے والے تو ہی میرا کارساز ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ (تو اپنے فضل و کرم سے) ایسا کیجیو کہ دنیا سے جاؤں تو تیری فرمانبرداری کی حالت میں جاؤں اور ان لوگوں میں داخل ہو جاؤں جو تیرے نیک
۱۰۱ بندے ہیں!"

(اے پیغمبر!) یہ غیب کی خبروں میں سے ہیں کہ تجھ پر وحی کر رہے ہیں۔ ورنہ (ظاہر ہے کہ) جس وقت یوسف کے بھائی سازش میں مصمم ہو گئے تھے اور پوشیدہ تدبیریں کر رہے تھے، تو تم اس وقت کچھ
۱۰۲ ان کے پاس کھڑے نہ تھے (کہ سب کچھ دیکھ سن لیا ہو)
اور (اس پر بھی یاد رکھو) اکثر آدمیوں کا حال یہ

۹۷-۹۸ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ۝ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝
۹۹ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ ۝ وَرَفَعَ
أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا ۖ وَقَالَ يَا أَبَتِ هَٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا
رَبِّي حَقًّا ۖ وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ

۹۷ (اللہ کے حضور) دعا کر، فی الحقیقت ہم سے سراسر قصور ہی ہوتے رہے"!

باپ نے کہا "وہ وقت دور نہیں کہ میں اپنے پروردگار سے تمہارے لئے دعائے مغفرت کروں وہ بڑا بخشنے والا بڑی ہی رحمت والا ہے"!

پھر جب (ایسا ہوا کہ یوسف کی خواہش کے مطابق) یہ لوگ (کنعان سے روانہ ہوگئے، اور شہر کے باہر) یوسف سے ملے تو اُس نے اپنے ماں باپ کو (عزت و احترام سے) اپنے پاس جگہ دی اور کہا۔ اب شہر میں چلو۔ خدا نے چاہا تو تمہارے لئے ہر طرح کی سلامتی ہے"!

اور جب شہر میں داخل ہوئے تو اس نے اپنے والدین کو تخت پر اونچا بٹھایا (باقی سب کے لئے نیچے نشستیں رکھیں) اور (دیکھو) اس وقت ایسا ہوا کہ سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑے (اور مصر کے دستور کے مطابق اس کے منصب حکومت کی تعظیم بجا لائے) اس وقت (اسے اپنے بچپنے کا خواب یاد آگیا، اور بے اختیار) پکار اٹھا "اے باپ! یہ ہے تعبیر اس خواب کی جو مدت ہوئی میں نے دیکھا تھا۔ میرے پروردگار نے اسے سچا ثابت کر دیا۔ یہ اسی کا احسان ہے کہ مجھے قید سے رہائی دی، تم سب کو صحرا سے نکال کر میرے پاس

(۲۱) حضرت یعقوب کے خاندان کا مصر پہنچنا، خواب کی تعبیر کا ظہور میں آنا، اور سرگذشت کا خاتمہ۔

(ا) ادھر کاروان بشارت نے کوچ کیا اور ادھر کنعان
۹۸ میں حضرت یعقوب نے کہنا شروع کر دیا۔ انی لاجد ریح
یوسف: مجھے یوسف کی مہک آرہی ہے!

ولقد تهب لی الصبا من ارضها
فیلذ مس هبوبها و یطیب!

اس سے معلوم ہوا کہ وحی الٰہی نے انہیں مطلع کر دیا تھا کہ اب ایام فراق قریب الاختتام ہیں اور مژدۂ وصال جلد پہنچنے والا ہے۔

۹۹ (ب) جب بھائیوں نے حضرت یوسف کے آگے عجز و اعتراف کا سر جھکایا۔ تو انہوں نے بلا تامل کہہ دیا۔ لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین لیکن جب حضرت یعقوب سے دعائے مغفرت کے طالب ہوئے تو کہا: سوف استغفر لکم ربی۔ میں عنقریب تمہارے لئے دعائے مغفرت کروں گا یعنی طلب مغفرت کی دعا کو کسی آئندہ وقت پر ملتوی کر دیا۔ یہ اختلاف حال غالباً اس بات کا نتیجہ ہے کہ بھائیوں نے جو کچھ ظلم کیا تھا وہ حضرت یوسف کی ذات خاص پر کیا تھا۔ اس لئے انہیں عفو و درگزر میں تامل نہیں ہوا کیونکہ معاملہ خود ان کا معاملہ تھا لیکن حضرت یعقوب کو تامل ہوا۔ کیونکہ معاملہ صرف انہی کا نہیں بلکہ حضرت یوسف کا بھی تھا۔ پس فرمایا میں عنقریب ایسا کروں گا۔ یعنی عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ سب یکجا ہوں گے، اور عفو و بخشش کا آخری فیصلہ ہو جائے گا۔ پھر میری دعائیں ہونگی اور تم ہوگے۔

(ج) تورات میں ہے کہ جب یوسف نے اپنے بھائیوں پر اپنے آپ کو ظاہر کر دیا، تو وہ گھبرا گئے۔ لیکن یوسف نے

١٠٨ مَنِ اتَّبَعَنِیْ ؕ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا
نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی ؕ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ
١٠٩ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ حَتّٰٓی اِذَا اسْتَایْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا
١١٠ اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ لَقَدْ كَانَ

گذشتہ واقعہ کی حکایت ہے۔ اسلامی احکام کی تشریح نہیں ہے۔

(ذ) اس طرح یہ سرگذشت جس خواب کے ذکر سے شروع ہوئی تھی، اس کی تعبیر کے ظہور پر ختم ہوگئی۔

(ح) حضرت یوسف نے اس موقعہ پر جو کچھ فرمایا، اور اس کے بعد جو دعا فرمائی وہ ان کی سیرت مطہرہ کا سب سے زیادہ اہم مقام ہے، اور اس کی مختصر تشریح آگے آئے گی۔

(۲۲) سورت کا خاتمہ۔

سرگذشت ختم ہوگئی۔ اب آیت (۱۰۲) سے خطاب پیغمبر اسلام کی جانب ہے، اور دعوتِ حق کی بعض مہمات واضح کی ہیں۔

(ا) اس سرگذشت میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ سرتاسر غیب کی باتیں ہیں۔ اگر وحی الٰہی کا فیضان نہ ہوتا، تو ممکن نہ تھا کہ اس واقعہ کی ایک ایک جزئیات پر تم مطلع ہوتے اور دنیا کے آگے اس طرح پیش کر دیتے۔ یہ ظاہر ہے کہ واقعہ تم سے دو ہزار سال پہلے کا ہے، اور دنیا میں گذشتہ واقعات کے علم و سماعت کے جتنے وسائل ہو سکتے ہیں، ان میں سے کوئی وسیلہ بھی تمہارے لئے موجود نہیں، اور اگر موجود بھی ہو تو یہ قطعی ہے کہ اس باب میں کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔

(ب) لیکن کیا منکرینِ حق تمہاری سچائی کی یہ دلیل واضح دیکھ کر ایمان لے آئیں گے؟ نہیں تم کتنا ہی چاہو جو ماننے والے نہیں ہیں وہ کبھی ماننے والے نہیں۔

(ج) خدا کی کائنات تو سرتاسر حقیقت کی نشانی ہے۔ آسمان و زمین کا کون گوشہ ہے جو اس کی نشانیوں سے خالی ہے، اور شب و روز انسان کو دعوتِ فکر و عبرت نہیں دے رہا ہے؟ بااین ہمہ بندگانِ غفلت کا کیا حال ہے؟ یہ ہے کہ ان پر سے گذر جاتے ہیں، اور نگاہ اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں۔ قرآن نے یہاں اور دوسرے مقامات میں آسمان و زمین کی نشانیوں پر توجہ دلائی ہے، اور ان کے مطالعہ و تفکر کو معرفتِ حق کا سرچشمہ ٹھہرایا ہے، اور یہی بات اس کے تمام استدلال کا مبدأ و اساس ہے چنانچہ پچھلی سورتوں کے نوٹوں

١٠٨ میں نہیں ہوں!"
اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے کسی رسول کو
نہیں بھیجا ہے مگر اسی طرح کہ وہ باشندگانِ شہر
ہی میں سے ایک آدمی تھا اور ہم نے اس پر وحی
اُتاری تھی (ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آسمان سے فرشتے
اترے ہوں) پھر کیا یہ لوگ (جو تمہارے اعلانِ
رسالت پر متعجب ہو رہے ہیں) زمین میں چلے پھرے
نہیں کہ دیکھتے، ان لوگوں کا انجام کیسا کچھ ہو چکا
ہے جو پہلے گزر چکے ہیں؟ اور جو لوگ (برائیوں سے)
بچتے ہیں، تو یقیناً آخرت کا گھر ان کے لئے کہیں
بہتر ہے۔ پھر (اے گروہ مخاطب!) کیا تم سمجھتے بوجھتے
١٠٩ نہیں؟
(اور ان گزری ہوئی قوموں پر فوراً عذاب
نہیں آ گیا تھا۔ انہیں مہلت ملتی رہی) یہاں
تک کہ جب اللہ کے رسول (ان کے ایمان لانے
سے) مایوس ہو گئے، اور لوگوں نے خیال کیا، ان
سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا، تو (پھر اچانک) ہماری
مدد ان کے پاس آ پہنچی، پس ہم نے جسے بچانا چاہا
بچا لیا، اور (جو مجرم تھے، تو) ایسا کبھی نہیں ہو سکتا
١١٠ کہ مجرموں سے ہمارا عذاب ٹل جائے!
یقیناً ان لوگوں کے قصہ میں دانشمندوں

ع ۳ ۱۰۳ ۱۰۴ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ۧ وَكَاَيِّنْ

۱۰۵ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ

۱۰۶ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ

۱۰۷ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ

وقف النبی علیہ السلام

یوسف دربار میں نمودار ہوئے تمام درباریوں نے مصر کے
دستور کے مطابق تعظیم دی، اور تعظیم یہ تھی کہ سجدے میں گر
۱۰۳ پڑے۔ جب حضرت یوسف کے والدین اور بھائیوں نے یہ
دیکھا تو وہ بھی سجدے میں جھک گئے، اور درباریوں کا ساتھ
دیا۔ تب حضرت یوسف کو اپنے خواب کی بات یاد آگئی۔ وہ بے
اختیار پکار اٹھے! ھذا تاویل رءیای من قبل۔ قد
۱۰۴ جعلھا ربی حقا۔ انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ سورج
چاند، اور گیارہ ستارے ان کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔ تو سورج
اور چاند ان کے والدین تھے اور گیارہ ستارے گیارہ بھائی آج
یہ سب ان کی عظمت و اجلال کے آگے جھک گئے، اور وقت
کی سب سے بڑی مملکت کے اوج و اقبال نے اپنا تخت
۱۰۵ ان کے لئے خالی کر دیا!۔

(ق) حضرت یعقوب اور انکے بیٹوں کا یہ سجدہ تعظیم کا سجدہ تھا۔
دنیا میں قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ حکمرانوں اور پیشواؤں
کے آگے سجدے کرتے ہیں اور اسے تعظیم و احترام کی خاص علامت
۱۰۶ سمجھتے ہیں مصر، بابل، ایران، ہندوستان، اور سلاطین بنی
اسرائیل، سب کے یہاں تعظیم و احترام کا یہی طریقہ رائج تھا۔
اور ہندوستان میں اب تک رائج ہے۔ لیکن قرآن نے توحید
کے اعتقاد و عمل کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا، وہ اس طرح کے رسوم
و اشکال کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے سجدہ کی ہر قسم اور
ہر صورت صرف اللہ ہی کی عبادت کے لئے مخصوص کر دی
۱۰۷ اور کسی حال میں جائز نہ رکھا کہ کسی دوسری ہستی کے لئے سر نیاز
جھکایا جائے۔ اس نے صرف سجدہ ہی کو نہیں روکا جو پیشانی
کے زمین پر رکھنے کا نام ہے، بلکہ یہ بھی جائز نہ رکھا کہ کوئی
انسان کسی دوسری ہستی کے آگے اپنا جسم دہرا کرے۔ ہر جھکاؤ،
ہر خمیدگی، ہر رکوع، جو کسی قامت پر طاری ہو سکتا ہے، وہ کتنا
ہے، صرف اللہ ہی کے لئے ہے، اور کوئی دوسری ہستی اس میں
شریک نہیں ہو سکتی!
پس یاد رہے کہ یہاں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ وہ محض ایک

ہے کہ تم کتنا ہی چاہو (اور کتنی ہی دلیلیں پیش کرو)
کبھی ایمان لانے والے نہیں!
حالانکہ تم ان سے اس بات کے لئے کوئی
مزدوری نہیں مانگتے۔ یہ تو اس کے سوا کچھ نہیں
ہے کہ تمام جہان کے لئے پند و وعظ ہے!
اور (دیکھو!) آسمانوں میں اور زمین میں
(اللہ کی قدرت و حکمت کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں
جن پر سے لوگ گزر جاتے ہیں اور نظر اٹھا کر
دیکھتے بھی نہیں۔
اور ان میں سے اکثروں کا حال یہ ہے کہ
اللہ پر یقین لاتے ہیں، تو اس حال میں لاتے
ہیں کہ اس کے ساتھ شریک بھی ٹھہرائے جاتے ہیں
پھر کیا یہ لوگ اس بات سے مطمئن ہو گئے
ہیں کہ اللہ کے عذاب میں سے کوئی آفت ان پر آپڑے
اور چھا جائے؟ یا اچانک قیامت آجائے اور
وہ بے خبری میں پڑے ہوں؟
(اے پیغمبر!) تم کہدو "میری راہ تو یہ ہے۔ میں
اس روشنی کی بنا پر جو میرے سامنے ہے اللہ کی طرف
بلاتا ہوں، اور (اس راہ میں) جن لوگوں نے میرے
پیچھے قدم اٹھایا ہے وہ بھی (اسی طرح) بلاتے ہیں
اللہ کے لئے پاکی ہو۔ میں شرک کرنے والوں

پاس بھی علم و یقین ہے سے کچھ ہے؟ اگر نہیں ہے تو اتباع یقین و عرفان کا کرنا چاہئے یا جہل و کوری اور شک و گمان کا؟ اس مقام کی تشریح پچھلی سورتوں کی تشریحات میں بار بار گزر چکی ہے۔

(۵) آخری آیت میں فرمایا۔ قرآن انسان کی بناوٹ نہیں ہے، بلکہ وحی الٰہی کی سچائی ہے اور پھر اس کے چار وصف بیان کئے ہیں جو کبھی کذب و افترا کے اوصاف نہیں ہوسکتے:

قرآن کے اوصاف اربعہ

اولاً، وہ پچھلی صداقتوں کی تصدیق ہے، اگر بناوٹ ہوتی تو پچھلی کڑیوں کے ساتھ اس طرح نہ جڑ جاتی گویا ایک زنجیر کی مختلف قدرتی کڑیاں ہیں، اور ہر کڑی دوسری کڑی کو سہارا دے رہی ہے۔

ثانیاً، ارباب یقین کے لئے اس میں دین کی ساری باتوں کی تفصیل ہے یعنی ہر بات اس طرح الگ الگ کرکے بیان کردی گئی ہے کہ شبہ والتباس کی کوئی گنجائش نہیں رہی ہے۔

ثالثاً، ارباب یقین کے لئے سرتاسر رہنمائی ہے یعنی انسان کو کامیابی و سعادت کی منزلوں تک پہنچاتی اور ہر طرح کی گمراہیوں سے بچاتی ہے۔

رابعاً، ارباب یقین کے لئے رحمت ہے یعنی ہر طرح کی شقاوتوں اور نامرادیوں سے نجات دلانے والی ہے۔

سورۂ یوسف کے مواعظ و حکم

(۲۳) سورت کی ضروری تشریحات ختم ہوچکیں، لیکن ضروری ہے کہ اب حضرت یوسف کی سرگذشت پر بہ حیثیت مجموعی ایک نظر ڈال لی جائے، تاکہ اسکی موعظتیں اور عبرتیں پوری وضاحت کے ساتھ واضح ہوجائیں۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل امور قابل غور ہیں:

مصری تمدن کا عروج

(۱) حضرت مسیح (علیہ السلام) سے تقریباً دو ہزار سال پہلے دنیا کے نقشہ کا یہ حال تھا کہ سرزمین مصر وقت کے تہذیب و تمدن کا مرکز بن چکی تھی، لیکن اس کے اطراف و جوانب کی قومیں ابھی تمدن و حضارت سے آشنا نہیں ہوئی تھیں اور صحرانشینی و بدویت کی زندگی بسر کر رہی تھیں۔ مصر سے ایک قریب تر علاقہ وہ تھا جو آگے چل کر فلسطین کے نام سے مشہور ہوا، اور جسے خاک سینا نے سرزمین افریقہ سے ملا دیا ہے۔ اس علاقہ کی تمام پچھلی آبادیاں مٹ چکی تھیں اب محض ایک صحرائی علاقہ تھا۔ جو مویشی کے لئے چراگاہوں کا کام دیتا تھا، اور مختلف بدوی قبائل وہاں بود و باش رکھتے تھے۔ انہی قبایل میں ایک چھوٹا سا قبیلہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے خاندان کا بھی تھا۔

حضرت ابراہیم کا قبیلہ اور عہد الٰہی

حضرت ابراہیم کا ظہور تمدن قدیم کے ایک دوسرے مرکز یعنی سرزمین دجلہ و فرات میں ہوا تھا۔ انہوں نے وہاں سے ہجرت کی اور کنعان میں مقیم ہوگئے۔ کنعان سے مقصود وہ علاقہ ہے جو بحر میت کی مغربی جانب واقع ہے اور دریائے یردن سے سیراب ہوتا ہے۔ تورات میں ہے کہ انہوں نے یہ علاقہ وحی الٰہی سے منتخب کیا تھا، اور اللہ نے فرمایا تھا: "تو جس جگہ کھڑا ہے اس کے چاروں طرف دیکھ۔ یہ تمام ملک میں تجھے اور تیری نسل کو دوں گا، اور تیری نسل کو میں خاک کے ذروں کی مانند بنا دوں گا۔ اگر کوئی خاک کے ذروں کو گن سکتا ہے تو تیری نسل بھی گن لی جائے گی۔" پیدائش: (۱۳: ۱۵) قرآن نے بھی جا بجا اس بشارت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جب حضرت ابراہیم یہاں مقیم ہوگئے، تو وقتاً فوقتاً انہیں اور بشارتیں بھی ملتی رہیں۔ ان تمام بشارتوں کا ماحصل یہ تھا کہ اللہ نے انہیں امتوں کا پیشوا، نسلوں کا مورث، اور بادشاہوں کا جد بنایا ہے، اور ان کی نسل کو اپنی برکتوں کے لئے چن لیا ہے۔ جب تک ان کی نسل ظلم و ضلالت سے آلودہ نہ ہوگی، وعدہ کی برکتوں کی مستحق رہے گی۔ یہ بشارتیں اس خاندان میں اللہ کا "عہد" سمجھی جاتی تھیں۔ یعنی اللہ کا وعدہ جو کبھی ٹل نہیں سکتا۔ خاندان کا ہر بزرگ اسے محفوظ رکھتا اور پھر اپنے وارث کو اس کی وصیت کرتا۔ یہ "عہد" دو باتوں پر مشتمل تھا۔ ایک یہ کہ نسل ابراہیمی اللہ کے دین پر قائم رہیگی اور اسکی دعوت دے گی۔ دوسری یہ کہ اللہ اسے برکت دے گا، اور اس کی دعوت کامیاب ہوگی۔ قرآن نے ان تمام بشارتوں کا جا بجا ذکر کیا ہے، چنانچہ سورۂ بقرہ کی آیت (۱۲۴) اور ہود کی آیت (۷۱) میں دو بشارتیں گزر چکی ہیں۔

تورات سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ ایک موقعہ پر حضرت ابراہیم کو ایک خاص واقعہ کی خبر دی گئی تھی۔ یعنی یہ کہ

فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ
يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١١١﴾

ع ١٢ / ٦

کے لیے بڑی ہی عبرت ہے۔ یہ کوئی جی سے گڑھی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ اس کتاب کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے آچکی ہے نیز ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں (ہدایت کی) ساری باتوں کی تفصیل ہے (یعنی الگ الگ کرکے واضح کر دیا ہے) اور رہنمائی ہے اور رحمت ہے!

میں اس طرف اشارات گزر چکے ہیں، اور تفصیل کے لئے تفسیر فاتحہ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

(د) آیت (۱۰۶) کے پانچ چھ لفظوں میں وہ سب کچھ بیان کر دیا جو بات توحید میں دعوت قرآنی کا ماحصل ہے۔ فرمایا اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ خدا کی ہستی پر یقین بھی رکھتے ہیں اور ساتھ ہی دوسروں کو اس کا شریک بھی ٹھہرا لیتے ہیں۔ یعنی ان کا خدا کو ماننا ایسا ماننا نہیں ہے جو شرک سے انہیں باز رکھے۔

دنیا کی تمام قوموں کی دینی ذہنیت کی یہ کیسی مکمل تعبیر ہے جو چند لفظوں کے اندر بیان کر دی گئی ہے؟ نزول قرآن کے وقت دنیا کی تمام خدا پرست جماعتوں کی خدا پرستی کا یہی حال تھا۔ اور اب بھی دیکھو تو یہی حال ہے۔ وہ خدا پر ایمان رکھتے تھے لیکن ان کا ایمان طرح طرح کے مشرکانہ عقاید و اعمال سے آلودہ ہو گیا تھا۔ وہ نہیں سمجھتے تھے کہ ایمان صحیح کے ساتھ شرک جمع نہیں ہو سکتا۔ عرب کے بت پرستوں کو بھی اس سے انکار نہ تھا کہ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں ولئن سألتهم من خلق السموت والارض، وسخر الشمس والقمر ليقولن الله! فانى يؤفكون (۲۹: ۶۱) لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ کہ کیوں صرف اسی کی ایک ہستی ہر طرح کی بندگیوں کی مستحق سمجھ لی جائے؟ کیوں دوسری ہستیوں کی بھی بندگی نہ کی جائے؟ کیوں خدا اور بندے کے درمیان کوئی درمیانی قوت وسیلۂ تقرب و تزلف نہ ہو؟

قرآن کی دعوتِ توحید

لیکن قرآن کی دعوت توحید یہ تھی کہ اس طرح کی خدا پرستی سچی خدا پرستی نہیں ہے سچی خدا پرستی یہ ہے کہ نہ صرف اسے مانا جائے بلکہ جو کچھ اس کے لئے مانا جائے، اس میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کیا جائے۔ اس نے کہا ہر طرح کی بندگی و نیاز کی مستحق صرف اسی کی ذات ہے۔ پس اگر تم نے عابدانہ عجز و نیاز کے ساتھ کسی دوسری ہستی کے سامنے سر جھکایا، تو سچی خدا پرستی باقی نہ رہی، اس نے کہا۔ دعا، استعانت، رکوع و سجود، عجز و نیاز، اعتماد و توکل اور اسی طرح کے تمام عبادت گزارانہ اور نیازمندانہ اعمال، وہ اعمال ہیں جو خدا اور اس کے بندوں کا باہمی رشتہ قائم کرتے ہیں۔ پس اگر ان اعمال میں دوسروں کو بھی شریک کر لیا، تو خدا کے رشتۂ عبودیت کی یگانگت باقی نہ رہی۔ اور جب یگانگت باقی نہ رہی، تو سچی خدا پرستی بھی نہ ہوئی۔ اسی طرح عظمتوں، کبریائیوں، کارسازیوں، اور بے نیازیوں کا جو تصور تمہارے اندر خدا کا اعتقاد پیدا کرتا ہے، وہ صرف خدا ہی کے لئے مخصوص ہونا چاہئے، اگر تم نے ویسا ہی اعتقاد کسی دوسری ہستی کے لئے پیدا کر لیا، تو تم نے اسے خدا کا شریک بنا دیا، اور جب شریک بنا دیا تو صرف اسی کو نہیں مانا۔ دوسروں کو بھی مان لیا، حالانکہ اس کے ماننے کے معنی تو یہ تھے کہ صرف اسی کو مانا جائے!

دعوتِ وحی علم و بصیرت ہے

(ہ) آیت (۱۰۸) میں جو بات کہی گئی ہے، قرآن کے مہاتِ معارف میں سے ہے۔ فرمایا۔ تم اعلان کر دو میری راہ یہ ہے کہ علم و یقین کی بنا پر خدا پرستی کی دعوت دیتا ہوں، اور کہتا ہوں میری راہ شرک کرنے والوں کی راہ نہیں ہے بر خلاف اس کے تمہارا حال یہ ہے کہ شرک کے داعی ہو، اور تمہاری دعوت علم و یقین نہیں ہے۔ جہل و ظن ہے۔ اب فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے، اور ایسے ہی فیصلے پچھلی قوموں کے لئے بھی ہو چکے ہیں۔

یہاں "بصیرۃ" کا لفظ فرمایا۔ بصیرۃ کے معنی علم، معرفت اور یقین کے ہیں، اور اسی لئے دلیل و حجت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ پس قرآن کہتا ہے، میں جس راہ کی طرف بلاتا ہوں اس کے لئے میرے سامنے علم و یقین ہے، پھر کیا تمہارے

امتحانِ حکمت

معاملہ وہ تھا جب اس زرخرید غلام کے سامنے بہ یک وقت دو باتیں پیش کی گئیں کہ دونوں میں سے جسے چاہے، اپنے لئے پسند کرلے: ولئن لم یفعل ما آمرہ لیسجنن ولیکونا من الصاغرین (۳۲) نفسانی زندگی کی سب سے بڑی عشرت و کامرانی، اور انسانی زندگی کی سب سے بڑی محرومی و نامرادی۔ پہلی میں نفس کی عشرت مگر حق کی معصیت تھی۔ دوسری میں نفس کی محرومی مگر حق کی اطاعت تھی۔ وہ پہلی سے بھاگتا ہے، اور دوسری کے لئے آرزوئیں کرتا ہے۔ پہلی سے اس طرح بھاگتا ہے گویا اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں، دوسری کے لئے اس طرح التجائیں کرتا ہے گویا اس سے بڑھ کر کوئی محبوب شے نہیں: رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ! (۳۳)

تمنت سلیمی ان نموت بحبہا ؛ و اھون شیء عندنا ما تمنت

مصر میں کسی انسان کی ذلت و نامرادی کے جتنے سامان ہو سکتے تھے، اب وہ سب جمع ہو گئے۔ اول تو عبرانی قبیلہ کا ایک فرد۔ پھر کیسا فرد؟ زرخرید غلام۔ کیسا غلام؟ جسے اس کے آقا نے ایک بڑے جرم کا مرتکب پایا اور سزا کا مستحق تصور کیا۔ کیسی سزا؟ قید خانے میں ڈالے جانے کی سزا، جو ذلت و خواری اور تعذیب و عقوبت کی بڑی سے بڑی سزا سمجھی جاتی تھی۔ اب وہ مصریوں کی نگاہ میں قابلِ نفرت عبرانی بھی ہے۔ غلام بھی ہے۔ مجرم بھی ہے۔ اور قیدی بھی!

قیدخانہ اور تختِ مصر!

لیکن پھر غور کرو دنیا کی کونسی بات اس سے زیادہ عجیب ہو سکتی ہے کہ اسی قیدی کے لئے اچانک قید خانے کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، اور کھولنے والا کون ہوتا ہے؟ خود مصر کا بادشاہ۔ اور پھر کیوں کھولتا ہے؟ اس لئے کہ ایک عبرانی قیدی کو قید خانہ سے نکالے اور مصر کے تخت فرمانروائی پر بٹھا دے۔ گویا مصر کے قید خانے اور مصر کے تخت حکومت کا درمیانی فاصلہ ایک قدم سے زیادہ نہ تھا۔ اس نے قید خانہ سے قدم اٹھایا، اور اس نے تخت فرمانروائی پر قدم رکھ دیا۔

طے می شود ایں رہ بہ درخشیدن برقے ؛ ما بے خبراں منتظر شمع و چراغیم!

پھر اس عجیب و غریب انقلاب کا نتیجہ کیا نکلا؟ ایسا، کہ ان ساری باتوں سے بھی زیادہ عجیب ہے، اور جسے قرآن کی ایجاز بلاغت نے صرف ایک جملہ میں واضح کر دیا ہے: وکذلک مکنا لیوسف فی الارض، یتبوأ منہا حیث یشاء (۵۶) اللہ نے سرزمین مصر میں اس کے قدم اس طرح جما دئے کہ اس کے جس حصے کو چاہے اپنے کام میں لائے۔ چنانچہ اس نے اپنے تمام خاندان کو کنعان سے مصر بلا لیا، اور عین دارالحکومت میں کہ جشن کی سرزمین تھی، عزت و احترام کے ساتھ وہ بسائے گئے۔ اب وہی صحرا کے بدوی جو مصریوں میں قابلِ نفرت سمجھے جاتے تھے، مصری دارالحکومت کے معزز باشندے ہو گئے اور وہاں ان کی نسل میں اس درجہ برکت ہوئی کہ جب چار سو برس کے بعد مصر سے نکلے تو کئی لاکھ تک تعداد پہنچ چکی تھی!

کئی لاکھ انسانوں کی یہ قوم جو مصر سے نکلی، کن لوگوں کی نسل سے بنی تھی؟ اسی لڑکے کی نسل سے جو غلام بن کر آیا تھا، اور فرمانروا بن کر چمکا تھا، اور اس کے گیارہ بھائیوں کی نسل سے جنہوں نے اسے ہلاک کرنا چاہا تھا، لیکن اس نے انہیں زندگی اور زندگی کی کامرانیاں بخشدیں۔

[illegible] کا ظہور شروع ہو گیا، جس کی بنا [illegible] حضرت ابراہیم علیہ السلام [illegible] اور پھر حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب سے بھی ان کی تجدید ہوئی تھی۔

روحانی صداقت اور مادی ترقیات کا مقابلہ!

اور سب سے پہلی بات جو اس سلسلہ میں سامنے آتی ہے، وہ روحانی صداقت اور مادی ترقیات کا مقابلہ ہے۔ حضرت یعقوب کا گھرانا دین حق کی امانت رکھتا تھا۔ وحی الٰہی کی برکتوں سے فیض یاب تھا، لیکن مادی ترقیوں اور دنیوی شوکتوں میں سے کوئی بات بھی اسے میسر نہ تھی۔ حتیٰ کہ شہری زندگی کی ابتدائی خصوصیات سے بھی آشنا نہیں ہوا تھا۔ اس کے تمام افراد صحرا میں رہتے تھے، مویشی چراتے تھے، اور قدرتی زندگی کی سادگی پر قانع تھے!

لیکن مصر کی حالت بالکل اس سے مختلف تھی وہ دین حق کے علم و عمل اور وحی الٰہی کے فیضان سے محروم تھا، لیکن وقت کی تمام مادی ترقیوں کا سرمایہ دار تھا۔ اس کے دارالحکومت کے لوگ لکھنے پڑھنے میں ماہر تھے۔ اس کے امراء و اشراف حکمرانی و دانشوری میں ترقی یافتہ تھے۔ اس کے مندروں کے کاہن حقائق اشیاء کے بھید جاننے والے تھے، اور اس کے حکیم علوم و صنائع کے عجائب و غرائب سکھلانے والے تھے۔ آج اثریاتِ مصر نے ایک مدون علم کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اس کے مطالعہ

تیری اولاد ایک ایسے ملک میں جائے گی جو ان کا ملک نہ ہوگا۔ وہاں لوگ اسے غلام بنا لیں گے، وہ چار سو برس تک وہاں رہیگی (پیدائش ۱۵: ۱۳)

حضرت ابراہیم سے حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق پیدا ہوئے۔ حضرت اسماعیل حجاز میں بس گئے اور حضرت اسحٰق کنعان میں خاندان کے جانشین ہوئے۔ حضرت اسحاق سے یعقوب پیدا ہوئے۔ یہ پہلے حاران گئے۔ تاکہ اپنی خالہ زاد بہن سے نکاح کریں پھر بیس برس کے بعد کنعان واپس آئے اور وہیں مقیم ہوگئے۔ تورات میں ہے کہ اللہ نے نسل ابراہیمی کا عہد ان سے تازہ کیا تھا، اور قرآن اسکی تصدیق کرتا ہے۔

فلسطین کے تمام علاقہ کی طرح حضرت یعقوب کے خاندان کی زندگی بھی بالکل بدویانہ زندگی تھی۔ مویشی چراتے تھے اور ان کے گوشت، اون اور دودھ پر گزران کرتے تھے۔

معریوں کا غرور تمدن — لیکن اس علاقہ سے تھوڑے فاصلہ پر مصر کی سرزمین تمدن وحضارۃ میں شہرۂ آفاق ہو رہی تھی اور ایک بڑی مملکت کی پائے گاہ تھی۔ اس کا دارالحکومت رعمسیس وقت کے علوم وصنائع کا مرکز تھا، اور وہاں کے باشندوں میں شہریت وامارت کی خصوصیتیں نشو ونما پاچکی تھیں جیسا کہ قاعدہ ہے مصر کے لوگ اپنے آپ کو متمدن اور ترقی یافتہ سمجھتے اور اطراف وجوانب کے بدویوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے۔ خصوصًا کنعانی اور عبرانی ان کی نگاہوں میں بڑے ہی ذلیل تھے۔ وہ انہیں "چرواہا" کہہ کر پکارتے، اور اس قابل نہ سمجھتے کہ اپنی مجلسوں میں جگہ دیں۔ یہ بات بھی ان میں عام تھی کہ کوئی مصری کنعانی کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا نہ کھاتا (پیدائش ۴۳: ۳۲) اور مصر کے دیہاتی بھی انہیں اس درجہ برا سمجھتے کہ اپنی آبادیوں میں ان کا بسنا گوارا نہ کرتے (پیدائش ۴۶: ۳۴)

قدرت الٰہی کی کرشمہ سازی — (ب) لیکن قدرت الٰہی سے ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا۔ کنعان کے اس بدوی قبیلہ کا ایک کمسن لڑکا بغیر اپنی خواہش اور مرضی کے مصر پہنچ گیا، اور کچھ عرصہ کے بعد دنیا نے دیکھا کہ اس عظیم الشان مملکت کی حکومت کی باگ ڈور اسی کنعانی کے ہاتھوں میں ہے، اور بادشاہ سے لے کر مصر کی ادنیٰ رعایا تک سب اسکی عظمت وفضیلت کے آگے جھکے ہوئے ہیں! گویا وقت کی سب سے بڑی پرشوکت، سب سے بڑی متمدن، سب سے بڑی مغرور مملکت کے تخت حکمرانی پر اچانک کون پہنچ گیا؟ اسی بدوی قبیلہ کا ایک چرواہا، جسے اس متمدن آبادی کا ہر فرد نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتا تھا!

اور پھر یہ عجیب وغریب معاملہ کن حالات میں ظہور پذیر ہوا؟ ایسے حالات میں جو اصل معاملہ سے بھی کہیں زیادہ عجیب وغریب تھے اسے سوتیلے بھائیوں نے ہلاک کرنے کے لئے کنوئیں میں ڈال دیا۔ کنواں خشک تھا۔ اور شاہراہ سے الگ اس لئے انہیں یقین تھا کہ کوئی انسان وہاں نہیں پہنچ سکے گا۔ لیکن اتفاق سے ایک قافلہ راہ بھول کر وہاں آنکلتا ہے اور پانی کے لئے ڈول ڈالتا ہے۔ لڑکا سمجھتا ہے۔ میرے بھائیوں کو رحم آگیا۔ اب مجھے نکالنے کے لئے ڈول ڈال رہے ہیں۔ وہ اس میں بیٹھ جاتا ہے اور اس طرح اسکی رہائی کا سامان ہوجاتا ہے!

کنعانی غلام — لیکن کیسی رہائی؟ ایسی رہائی جس میں ایک ہلاکت سے جو تھوڑی دیر کی تھی نجات مل گئی۔ لیکن دوسری ہلاکت جو عمر بھر جاری رہنے والی ہلاکت تھی نمودار ہوگئی یعنی بھائیوں نے اسے اپنا بھاگا ہوا غلام ظاہر کر کے قافلہ والوں کے ہاتھ بیچ ڈالا وہ اسے کسی دوسرے گاہک کے ہاتھ بیچنے کے لئے مصر لے آئے۔

اس طرح مصر میں اس کا داخلہ، ایک غلام کا داخلہ تھا۔ اور غلام بھی ایسا جو کم سے کم قیمت میں خرید اگیا، اور اب کم سے کم قیمت پر فروخت کیا جارہا ہے نہ تو بیچنے والے اس کی قدر وقیمت بڑھانے کے خواہشمند تھے نہ اب بازار مصر میں اس جنس کی گرانی کا کوئی سامان ہے!

لے جائے دکھلانے اسے مصر کا بازار — خواہاں نہیں پر کوئی وہاں جنس گراں کا

غلامی کا خواجگی وآقائی ہوجانا — بہرحال ایک خریدار کی نظر پڑجاتی ہے۔ یہ اس کے گھر میں ایک نو خرید غلام کی حیثیت سے داخل ہوتا ہے لیکن اپنے حسن عمل سے خواجگی وآقائی کا درجہ حاصل کرلیتا ہے۔ یہ انقلاب حال بجائے خود عجیب وغریب تھا، لیکن اس سے بھی عجیب تر

لیکن پھر تھوڑے ہی عرصے کے اندر ایک عجیب وغریب انقلاب رونما ہوتا ہے۔ وہ لڑکا خواجگی [illegible] غلامی کی بیماری

کے کرشمے اور اچنبھے پیدا کر سکتے ہو، لیکن مشکل یہ ہے کہ تم چاہتے ہی نہیں اور اسی لئے قانونِ عمل کے کرشمے تم پر کھلتے بھی نہیں۔ دنیا میں یوسف کی سرگزشت ایک ہی مرتبہ گذری، لیکن یوسف کے حسنِ عمل کی سرگزشت ایک ہی مرتبہ کے لئے نہ تھی۔ بادشاہِ مصر کا بازار اب باقی نہیں رہا، لیکن دنیا کا بازار کس نے بند کیا ہے؟ آج بھی جس کا جی چاہے شانِ یوسفیت پیدا کر کے دنیا کے تختِ عظمت وجلال اس کا استقبال کرتے ہیں یا نہیں!

نیست در ہیچ نہرے خوانش نشود ورنہ
ایں زبان ہم بہ جہاں یوسف و بازارے ہست

~~ہر کس نہ شناسندۂ راز است وگرنہ ایں ہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است~~

یہی وجہ ہے کہ سورت میں جابجا اس حقیقت کی طرف اشارات کئے گئے کہ اربابِ دانش کے لئے اس میں عبرتیں ہیں، موعظتیں ہیں، نشانیاں ہیں۔ سرگزشت کی ابتدا ہی اس اعلان سے ہوتی ہے کہ لقد کان فی یوسف واخوتہ اٰیات للسائلین (۷) پھر خاتمہ بھی اسی پر ہوتا ہے کہ لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب (۱۱۱) نیز جابجا اہم واقعات کے ظہور کے بعد وضاحت کر دی ہے کہ کذلک نجزی المحسنین (۲۲) انہ لا یفلح الظالمون (۲۳) انہ من یتق ویصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین (۹۰) یعنی یہ سب کچھ جو ظہور میں آیا، عمل کا نتیجہ ہے، بدلہ ہے، مکافات ہے اور جب نتیجہ ہے تو ضروری ہے کہ ہمیشہ ظہور میں آئے، جب بدلہ ہے، تو ضروری ہے کہ ہمیشہ کام کرنے والوں کو ملے! حسد وبغض کا نتیجہ وہی ہے جو بھائیوں نے پایا۔ راست بازی اور نیک عملی کا نتیجہ وہی ہے جو حضرت یوسف کو ملا صبرِ جمیل کبھی اس نتیجہ سے محروم نہیں رہ سکتا۔ جو حضرت یعقوب کے حصے میں آیا تھا۔ معصیت کے بیج سے ہمیشہ وہی پھل پیدا ہوگا جو امراۃ العزیز کو نصیب ہوا تھا۔ جھوٹ کتنا ہی سوچ سمجھ کر بنایا گیا ہو سچ نہیں ہو جا سکتا۔ سچ کتنے ہی ناموافق حالات میں اپنے کو پائے لیکن جھوٹ نہیں ہو جا سکتا۔ علم وفضیلت ہر حال میں ایک حکمران قوت ہے۔ سب کو اس کے آگے جھکنا پڑے گا۔ حسنِ عمل ہر حال میں ایک فتحمند حقیقت ہے۔ سب کو اس کا لوہا ماننا پڑے گا۔

(د) سرگزشت کی اصلی عبرت اس کی خاص خاص شخصیتیں ہیں، اور ضروری ہے انہیں اچھی طرح پہچان لیا جائے۔ سب سے پہلے حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے۔ اس میں درد وغم کی انتہا ہے مگر ساتھ ہی صبر اور یقین کی روح بھی چھائی ہوئی ہے اور اس طرح چھائی ہوئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے، درد وغم کے طوفان اٹھ رہے ہیں، لیکن صبر ویقین سے ٹکرا کر رہ جاتے ہیں۔ اس پر غالب نہیں آسکتے۔ اور یہی صورتِ حال اس سیرتِ مقدس کا اسوۂ حسنہ ہے۔

قرآن کی معجزانہ بلاغت یہ ہے کہ وہ داستان سرائی نہیں کرتا۔ ایک دو لفظوں کے اندر سب کچھ کہہ دیا کرتا ہے پس غور کرو صورتِ حال کے یہ تینوں عنصر کس طرح اپنی انتہائی اور کامل صورتوں میں نمایاں ہوئے ہیں؟ درد وغم کی شدت جب نمایاں ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے، آتشِ فراق کے شعلوں کا دھواں آنکھوں سے بے اختیار بہہ رہا ہے اور [illegible] [illegible]: وتولی عنھم وقال یا اسفیٰ علیٰ یوسف! وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم! (۸۴) اور یہ حالت ایک دن کی حالت نہ تھی بلکہ اس مدتِ فراق کی ہر صبح اور ہر شام اسی عالم میں بسر ہوئی تھی: قالوا تاللہ تفتؤا تذکر یوسف، حتی تکون حرضا او تکون من الھالکین! (۸۵)

یذکرنی طلوع الشمس صخرا وا ذکرہ بکل غروب شمس

لیکن پھر یقین کی روشنی چمکتی ہے تو اس کی نمود کا یہ حال ہے کہ دنیا کے سارے سہارے جواب دے چکے ہیں، امید کے سارے رشتے یک قلم ٹوٹ چکے ہیں، ہر طرف سے صدا اٹھ رہی ہے کہ یوسف کا اب کوئی امید نہیں، لیکن ان کے دل کے ایک ایک ریشے کی صدا یہ ہے کہ انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ واعلم من اللہ ما لا تعلمون (۸۶) اور اذھبوا فتحسسوا من یوسف واخیہ، ولا تایئسوا من روح اللہ! (۸۷) حتی کہ ہر زبان جھٹلا رہی ہے۔ اور ہر نگاہ دیوانہ سمجھ رہی ہے، لیکن ان کی زبان سے بے اختیار نکل رہا ہے: انی لاجد ریح یوسف! (۹۴) مجھے یوسف کی مہک آرہی ہے!

تفاوت است میان شنیدن من وتو تو لبستن در و من فتح باب می شنوم!

پھر دیکھو، جب صبر کا مقام نمایاں ہوتا ہے، تو اس کی مضبوطی کیسی غیر متزلزل، کیسی اٹل ہے؟ جب یوسف کے فراق

سرگزشت کی شخصیتیں اور ان کی سیرت آسنو بن کر

حضرت یعقوب علیہ

درد وغم
آنکھوں کا یہ حال کہ شدت گریہ درا سے بے نور ہوگئی تھیں

یقین

معنی صبر جمیل

سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کا فرعون غالباً وہ شخص تھا جسے آثارِ مصریین "آبونی" کے نام سے پکارا گیا ہے اس کے عہد میں مصری تمدن پوری طرح ترقی کر چکا تھا۔

لیکن جب عجیب و غریب اتفاقات نے اس صحرائی گھرانے کے ایک فرد کو مصر پہنچا دیا، اور ایسی حالتوں میں پہنچایا جو کسی حال میں بھی عزت و کامرانی کا ذریعہ نہیں ہو سکتی تھیں، تو پھر کیا نتیجہ نکلا؟ یہ نکلا کہ دونوں قوتوں میں مقابلہ ہوا۔ اور بالآخر دینِ حق کے علم و عمل اور وحیِ الٰہی کے فیضان نے وقت کی تمام مادی فضیلتوں کو مسخر کر لیا!

حضرت یوسف کے پاس دینِ حق کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ مصریوں کے پاس دینِ حق کے سوا اور سب کچھ تھا۔ یہ صرف دینِ حق کی فضیلت سے آراستہ تھے۔ وہ ہر طرح کی مادی فضیلتوں میں تفوق رکھتے تھے۔ بایں ہمہ ہر مقابلہ میں فتحمندی حضرت یوسف ہی کی سیرت و عمل کو ہوئی اور قدم قدم پر مادی فضیلتوں کو اپنے تفوق کو اپنے تفوق سے دست بردار ہونا پڑا۔ حتیٰ کہ جب مملکت کی سلامتی خطرہ میں پڑ گئی تو اس کی نجات کے لئے مادی فضایل کی کوئی پیداوار بھی کام نہ دے سکی۔ اسی عبرانی نوجوان کے آگے مصر کو جھکنا پڑا کہ اسکی سلامتی کی راہ نکال دے!

جب حضرت یوسف نے بادشاہ مصر سے کہا تھا: اجعلني على خزائن الارض انی حفيظ عليم (۵۵) تو فی الحقیقت یہ دینِ حق اور فیضانِ وحی کا ایک اعلان تھا جو وقت کے سب سے بڑے مرکزی تمدن کے مقابلہ میں کیا گیا تھا۔ یعنی آج مملکت کی نجات کے لئے ایسے شخص کی ضرورت ہے جو علم و کاردانی کے ساتھ حفاظت کرنے والا ہو۔ لیکن ایسا شخص پیش کرنے سے مصر کی پوری مدنیت عاجز ہو گئی۔ اس کا عظیم الشان دارالحکومت جو کارفرماؤں، دانشمندوں اور کاہنوں سے بھرا ہوا ہے ایک فرد بھی پیش نہ کر سکا جو یہ بوجھ اٹھانے کا اہل ہو۔ لیکن میں تیار ہوں کہ یہ بوجھ اٹھا لوں۔ میں دنیا کی سب سے بڑی مملکت کو اس کی ہلاکت کی گھڑیوں میں بچا لوں گا۔ کیونکہ میں حفاظت کرنے والا، علم رکھنے والا ہوں۔

تمدنِ مصر نے کنعان کے صحرائی کا یہ اعلان سنا، اور اس کے آگے سرِ نیاز خم کر دیا! یہی معنی ہیں اس آیت کے کہ وكذلك مكنا ليوسف في الارض، يتبوا منها حيث يشاء. نصيب برحمتنا من نشاء ولا نضيع اجر المحسنين - ولاجر الآخرة خير للذين امنوا وكانوا يتقون! (۵۷)

(۱۵) لیکن یہ معاملہ کتنا ہی عجیب معلوم ہوتا ہو، اور کیسی ہی عجیب حالتوں میں پیش آیا ہو، قرآن کہتا ہے کہ قوانینِ الٰہی کے قدرتی نتائج کا ظہور تھا، اور حقیقت شناسوں کے لئے اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ یہ سب کچھ ٹھیک اسی طرح ہوا جس طرح آگ کے جلانے سے گرمی نکلے یا پانی پینے سے پیاس بجھ جائے۔ کیونکہ اللہ نے اشیاء کی طرح اعمال کے بھی خواص و نتائج ٹھہرا دیے ہیں، اور جب کبھی ایک خاص طرح کا عمل وجود میں آتا ہے ایک خاص طرح کا نتیجہ بھی ضرور ظہور میں آ جاتا ہے۔ یہاں ہر گوشے میں علت کے ساتھ معلول کا دامن باندھ دیا گیا ہے۔ بھائیوں نے جو کچھ یوسف کے ساتھ کیا وہ اس کے سوا کیا تھا کہ ایک خاص طرح کا انسانی عمل تھا۔ اور جب خاص طرح کا عمل تھا، تو خاص طرح کا نتیجہ نکلنا ہی تھا اور نتیجہ نکلا۔ حضرت یوسف زندگی کی مختلف آزمائشوں میں جو کچھ کرتے رہے اس کی حقیقت بھی اس کے سوا کیا تھی کہ ایک خاص سیرت کے خاص اعمال تھے، اور جب اعمال تھے، تو ضروری تھا کہ جیسے کچھ اعمال ہوں ویسے ہی نتیجے بھی نکلیں۔ اور ویسا ہی نتیجہ نکلتا رہا۔ اسی طرح سرگزشت کی تمام سیرتوں پر نظر ڈالو۔ ہر سیرت ایک خاص طرح کے عمل میں لگی ہوئی ہے، اور ہر عمل ایک خاص طرح کا نتیجہ تیار کر رہا ہے۔ سب اپنے اپنے بیج بو رہے تھے، اس لئے سب کو اپنے اپنے پھل ملنے تھے، اور سب نے اپنے پھل پا لئے۔ پس جہاں تک اعمال و نتائج کا تعلق ہے، یہ تاریخِ انسانیت کا کوئی مستثنیٰ حادثہ نہ تھا، بلکہ سنتِ الٰہی کی وہی کارفرمائی تھی جو ہمیشہ سے کارفرما ہے اور ہمیشہ کارفرما رہے گی۔ جب کبھی ایسے احوال و ظروف میں ایسے اعمال ظہور پذیر ہوں گے ضروری ہے کہ اسی طرح کے نتائج بھی ظہور میں آئیں: سنة الله في الذين خلوا من قبل ولن تجد لسنة الله تبديلا (۳۳: ۶۲)

بلاشبہ حوادث کی نوعیت عجیب تھی، اور نتائج بھی عجیب طرح کے نکلے، لیکن سنتِ الٰہی کی کرشمہ سازیوں کا تو ہمیشہ ایسا ہی حال رہتا ہے۔ وہ اپنی کس بات میں عجیب نہیں؟ وہ تو سرتاسر معجزہ ہے۔ تم جب پیدا ہوئے اپنے حسنِ عمل کی قوت سے ہر طرح

قوانین عمل و نتائج عمل

نہ ہوتا، بوجہ اس غم سے متاثر نہ ہونے کا مقام ہوتا۔ اور ایسی حالت یا تو فرشتوں کی سی مخلوق کی ہو سکتی ہے یا ایسے انسان کی جس کے احساسات معطل ہو چکے ہیں۔ لیکن حضرت یعقوب انسان تھے، فرشتہ نہ تھے، اور اسی حیثیت سے قرآن نے ان کا اسوۂ حسنہ پیش کیا ہے، ان کی روح صبر و یقین سے معمور تھی، وہ یوسف کے خواب میں اس کا مستقبل دیکھ چکے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ کسی نہ کسی دن یہ جدائی ختم ہونے والی ہے۔ تاہم دل کے ہاتھوں مجبور تھے۔ جس کی جدائی ایک گھڑی کے لئے شاق تھی، وہ برسوں کے لئے ان سے جدا ہو گیا تھا۔ یہ جاننے پر بھی کہ وہ زندہ و سلامت موجود ہے اس کے فراق کا زخم بھر نہیں سکتا تھا۔ بلکہ اس بات کے تصور نے کہ وہ زندہ موجود ہے مگر مجھ سے دور ہے درد فراق کی چبھن اور زیادہ کر دی تھی۔

بلائے ہجر دارد انتظار پیر کنعانی ! کسے داند کہ چوں یوسف عزیزے دُور دارد!

فی الحقیقت ایسی صورت حال کی ساری عظمت اسی میں ہے کہ یہ ایک ماورائے انسانیت سیرت [illegible] کی [illegible] دل آتش فراق میں پھنکا جا رہا ہے اور ہزار کوشش کی جائے، لیکن یہ آگ اس طرح بجھنے والی نہیں لیکن ساتھ ہی روح ایمان و یقین سے معمور ہے اور دماغ صبر جمیل کا عزم کر چکا ہے۔ پس غم کو دیکھا جائے تو وہ اپنی جگہ ہے صبر و یقین کو دیکھا جائے تو وہ اپنی جگہ ہے، اگر دل اپنی بیقراریوں میں کبھی کمی نہیں کرتا تو دماغ بھی اپنے شیوۂ صبر و رضا میں کبھی متزلزل نہیں ہو سکتا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دل کی بے تابیاں حد سے گزر جاتی ہیں اور "یا اسفیٰ علیٰ یوسف" بے اختیار زبان سے نکل جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی نکلتا ہے تو کس کے آگے نکلتا ہے؟ اس کے آگے جس کے آگے اپنا درد و غم پیش نہ کیجئے تو یہ بھی شان عبودیت کے خلاف ہے! انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ واعلم من اللہ ما لا تعلمون! (۸۶)

مکن تغافل ازیں بیشتر کہ می ترسم گماں برند کہ ایں بندہ بے خداوند است!

یوسف علیہ السلام

یہ حضرت یعقوب کے بعد حضرت یوسف (علیہما السلام) کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے، اور یہی سرگزشت کی اصلی شخصیت ہے یہاں پہنچتے ہی ایک خاص حقیقت کی جلوہ نمائی شروع ہو جاتی ہے، اور جس جس رخ سے دیکھیے، اور جہاں کہیں دیکھیے اسی کی نمود سامنے آتی رہتی ہے یعنی انسان کی سیرت (کیریکٹر) کی فضیلت، اور اس فضیلت کی اٹل کامرانیاں۔ ان کی سیرت کا مطالعہ ہمیں بتلاتا ہے کہ انسانی زندگی کی سب سے بڑی قوت اس کی سیرت کی فضیلت ہے اور اگر یہ فضیلت موجود ہو، تو پھر اس کے لئے فتح و کامرانی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا دنیا کی ساری رکاوٹیں اس کی راہ روک لیں، جب بھی وہ اپنی راہ نکال لے گا دنیا کے سارے سمندر اور پہاڑ اس کی راہ میں حائل ہو جائیں جب بھی اس کی رفتار نہیں رکے گی۔ حوادث و وقائع اس پر قابو نہیں پا سکتے احوال و ظروف اس پر غالب نہیں آ سکتے۔ افراد و جماعات کی کوشش اسے مسخر نہیں کر سکتیں۔ اس کے لئے ہر حالی میں کامرانی ہے، اس کے لئے ہر گوشہ میں فتحمندی ہے اس کے لئے ہر طاقت پر فرمانروائی ہے، وہ اعمال و نتائج کی اس امتحان گاہ میں صرف اسی لئے ہے کہ سربلند ہو عجز و درماندگی کی آلودگی کبھی اسے چھو نہیں سکتی!

سترہ برس کا ایک نَو عمر لڑکا باپ کی آغوش محبت سے جبراً چھین لیا جاتا ہے، اور اچانک اپنے آپ کو ان لوگوں میں پاتا ہے جو اس کا اب تک جو چند سکوں کے بدلے اسے غلام بنا کر بیچ رہے ہیں۔ دنیا کی [illegible] انسانی طبیعتیں ایسی حالت میں کیا کرتیں؟ مگر غور کرو اس نے کیا کیا؟ اچانک ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک تجربہ کار دانشمند کی طرح اس نے صورت حال کا پورا جائزہ لے لیا ہو اور پھر فیصلہ کر لیا ہو کہ جو حالت بھی پیش آ جائے اسے صبر و سکون کے ساتھ جھیل لینا چاہئے، اور اسی کے مطابق کام کئے جانا چاہئے۔ قافلہ والوں نے [illegible] غلام کی حیثیت میں پیش کیا۔ وہ ایک غلام کی طرح پیش ہو [illegible] عزیز مصر نے غلام کی طرح خرید کیا۔ انہوں نے غلام کی طرح اس کی خدمت شروع کر دی، اور اس کے ساتھ اسی طرح پیش [illegible] جس طرح ایک طاعت شعار اور وفادار غلام کو اپنے آقا کے ساتھ پیش آنا چاہئے کہیں سے بھی کوئی ایسی بات [illegible] کہ ایسا کرنے میں [illegible] کوئی تامل ہوا ہو۔ گویا یہ ناگہانی مصیبت جو ہزاروں لاکھوں انسانوں کے لئے پوری زندگی کی سوگواری بن جاتی، [illegible] کے لئے کوئی مصیبت ہی نہ تھی۔ باپ کی آغوش محبت سے نکل کر اچانک ایک اجنبی ملک میں ایک اجنبی غلام بن جانا [illegible] کے لئے ایسی ہی بات ہوئی جیسے اپنی مرضی سے زندگی کا ایک عیش چھوڑ کر دوسرا عیش اختیار کر لینا

کا داغ لگا، تو اس وقت بھی زبان سے یہی نکلا کہ بل سولت لکم انفسکم امرا، فصبر جمیل و اللہ المستعان علی ما تصفون! (۱۸) اور پھر جب بن یمین کی جدائی کی خبر سنی تو اس وقت بھی اس کے سوا کچھ زبان سے نہ نکلا کہ فصبر جمیل عسی اللہ ان یاتینی بھم جمیعا۔ انہ ھو العلیم الحکیم! (۸۳) پھر باوجودیکہ بے خبر نہ تھے۔ علم و یقین کے ساتھ سمجھ چکے تھے کہ یوسف کے خلاف سازش کی گئی ہے۔ لیکن پوری سرگزشت میں کہیں کوئی اشارہ اس کا نہیں ملتا کہ دو باتوں سے زیادہ اس باب میں کچھ زبان سے نکلا ہو۔ ایک تو یہ کہ بل سولت لکم انفسکم امرا۔ اور دوسرا وہ جو اس وقت زبان سے نکل گیا، جب بھائیوں نے بن یمین کو ساتھ لے جانا چاہا: ھل امنکم علیہ الا کما امنتکم علی اخیہ من قبل؟ (۶۴) اور ان دونوں جملوں میں بھی نہ تو ملامت کی سختی ہے نہ شکایت کی تیزی۔ بلکہ صورت حال کی ایسی تعبیر ہے جس سے زیادہ نرم اور دھیمی تعبیر ہو ہی نہیں سکتی۔ پہلے جملہ میں صرف اس کا اظہار تھا کہ جو بات کہتے ہو، اصلیت اس کے خلاف ہے۔ لیکن خیر، صبر کے سوا چارہ نہیں۔ دوسرے میں صرف پہلے واقعہ کا نتیجہ یاد دلایا ہے۔ کسی طرح کا الزام نہیں دیا ہے یعنی مجھے بھروسہ کرنے کے لئے کہتے ہو، لیکن اگر بھروسہ کروں تو کیا اسی طرح کروں جس طرح پہلے کر چکا ہوں اور اس کا جو نتیجہ نکل چکا ہے تمہیں معلوم ہے؟

اتنا ہی نہیں بلکہ اگر غور کیا جائے، تو پہلے جملہ کا اسلوب ایسا واقع ہوا ہے کہ سرزنش سے کہیں زیادہ رحم و تاسف پر مبنی ہے اور مخاطبوں کے لئے ایک طرح کی معذرت کا پہلو پیدا کر رہا ہے۔ یعنی یہ نہیں فرمایا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ یا تم نے یوسف کے خلاف سازش کی ہے۔ بلکہ کہا۔ تمہارے جی نے تمہارے لئے ایک بات بنا دی ہے اور اسے تمہارے خیال میں خوشنما دکھا دیا ہے۔ کیونکہ "تسویل" کے معنی یہ ہیں کہ کسی بات کا جما دینا، خوشنما بنا کر دکھا دینا، اور اس کے لئے طمع و خواہش کا پیدا ہو جانا۔ پس گویا یہ ایک ہمدرد دل کا تاسف تھا کہ افسوس! تم نفس کے دام میں پھنس گئے، اور اس کے دھوکے سے بچ نہ سکے۔ پھر ساتھ ہی ان کے اس طرز عمل کے لئے معذرت کے پہلو کا بھی اعتراف ہے کہ طمع نفس ہیں آکر ایسا کر بیٹھے ہو، اور انسان نفس کے ہاتھوں بے بس ہو جاتا ہے!

ایک ایسے صدمہ جانکاہ میں جیسا کہ حضرت یعقوب کو ناگہاں پہنچا تھا، اور کسی طرح کی بات کا زبان پر نہ آنا صرف اسی جملہ کا نکلنا، صبر کا کیا عظیم الشان مظاہرہ ہے؟ یہ ممکن ہے کہ صدمہ کے فوری تاثر کے بعد ایک ضابط اور متحمل آدمی اپنے دل و زبان کی نگرانی کرلے، لیکن عین اس وقت جب صدمہ کی پہلی چوٹ لگ رہی ہو، اور دل کی بے تابیاں بے اختیار زبان کی طرف اٹھنے لگی ہوں، یہ ممکن نہیں کہ دل و زبان کی نگہداشت کی جا سکے۔ ضابط سے ضابط دل بھی اس عالم میں چیخ اٹھتا ہے۔ مضبوط سے مضبوط طبیعتیں بھی بے اختیار متزلزل ہو جاتی ہیں۔ لیکن حضرت یعقوب کا مقام صبر ایسا نہ تھا جو کسی حال میں بھی متزلزل ہو سکے۔ اس عالم میں بھی زبان کھلتی ہے تو ایسا سنبھلا ہوا جملہ نکلتا ہے گویا بے حالی و جانکاہی کا کوئی معاملہ پیش ہی نہیں آیا ہے!

یہی وہ صبر ہے جسے "صبر جمیل" فرمایا۔

صبر، درد و غم؟

یقین ہستا

بظاہر خیال ہوتا ہے کہ یہ تینوں باتیں بہ یک وقت جمع نہیں ہو سکتیں۔ اگر صبر کامل ہے تو پھر درد و غم کی شدتیں کیوں ہوں؟ اور اگر یقین موجود تھا، تو درد و غم کو محو ہو جانا چاہئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین نے اس مقام میں مشکلات محسوس کیں اور طرح طرح کی توجیہوں کی جستجو میں نکلے۔ لیکن اگر وقت نظر سے کام لیا جائے تو معاملہ بالکل واضح ہے اور کسی ایسی توجیہہ کی ضرورت نہیں جو تکلف پیدا کی جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت یعقوب کا مقام صبر کا مقام تھا، اور صبر جبھی صبر ہو سکتا ہے، جب بے صبری کے اسباب موجود ہوں، اور زیادہ سے زیادہ موجود ہوں اگر درد و غم کی ٹیسیں نہیں اٹھ رہی ہیں، تو تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ جھیلنے اور اف نہ کرنے کی حالت موجود ہے؟ جھیلنا تو اسی کا جھیلنا ہوگا جو برابر آگ کی جلن محسوس کر رہا ہو، لیکن پھر بھی زبان سے اُف نہ نکالے۔ اگر حضرت یعقوب کا درد و غم اس طرح محو ہو جاتا کہ اس کی جلن باقی ہی نہ رہتی، یا رہتی تو بہت دبی دبائی رہتی۔ تو یہ مقام صبر کا مقام

حال میں بھی اپنی جگہ سے بے جگہ نہ ہوا۔ اس کو عصمت کے لئے ذرا سی بھی جنبش نہ تھی!

پھر دیکھو۔ امراۃ العزیز کی دعوت عیش کے جواب میں جو کچھ ان کی زبان سے نکلا، وہ کیا تھا؟ معاذ اللہ انہ ربی احسن مثوای (۲۳) تیرا شوہر میرا آقا ہے، اس نے مجھ پر احسان کیا، عزت و احترام کے ساتھ رکھا۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کے حسن سلوک کا بدلہ میں یہ دوں کہ اس کی امانت میں خیانت کرنے لگوں؟ غور کرو۔ یہ برائی ایسی برائی تھی کہ اسے برائی دکھلانے کے لئے کتنی ہی باتیں کہی جا سکتی تھیں۔ لیکن ان کا ذہن اسی بات کی طرف گیا، اور اسی کو قرآن نے بھی نمایاں کرکے دکھایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی سیرت کا اصلی جوہر ہمیں ڈھونڈنا چاہیے: امانت داری، راست بازی اور ادائے فرض کی روح اس طرح ان پر چھائی ہوئی تھی کہ ہر موقعہ پر سب سے پہلے وہی سامنے آتی تھی۔

پھر اس کے بعد الزامات کا معاملہ پیش آتا ہے۔ اب صرف ایک امراۃ العزیز ہی کا فتنہ نہ تھا۔ دار الحکومت مصر کے تمام فتنہ گرانِ حسن جمع ہو گئے تھے کہ ان کی متاعِ ضبط و تحمل کی غارتگریوں میں حصہ لیں:

وائے بر صیدے کہ یک باشد و صیادے چند!

مگر یہاں بھی کیا نتیجہ نکلا؟ قلن حاش للہ: ما ھذا بشرا۔ ان ھذا الا ملک کریم! (۳۱)

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں جسے غرور ہو، آئے! کرے شکار مجھے!

پھر دیکھو۔ راست بازی و حق پرستی کی آزمائش نے اچانک کیسی صورت اختیار کر لی؟ دنیا میں انسانوں کو سزائیں اس لئے بھگتنی پڑتی ہیں کہ جرم و معصیت سے اپنے کو نہیں روک سکتے۔ لیکن اب حضرت یوسف کے سامنے قید کی سزا اس لئے لائی جا رہی ہے کہ جرم و معصیت سے کیوں اپنے آپ کو روک رہے ہیں: لوگوں کو قید و بند کی مصیبت اس لئے برداشت کرنی پڑتی ہے کہ عیش حیات ڈھونڈھتے ہیں، اور جب نہیں ملتا تو جبرًا لینا چاہتے ہیں۔ لیکن حضرت یوسف کو اس لئے قید خانے کی دھمکی دی جا رہی ہے کہ عیش حیات نے اپنی ساری دلفریبیوں اور رعنائیوں کے ساتھ انہیں دعوت دی، انہوں نے اس سے منہ موڑ لیا!

یہ حضرت یوسف کی سیرت کا سب سے زیادہ عظیم الشان مظاہرہ ہے۔ یہ عشق حق کا نمونہ ہے۔ یہ پرستاری صدق کا دستور العمل ہے۔ یہ ایمان کامل کا معیار ہے۔ جب ان کے سامنے دو باتیں پیش کی گئیں: زندگی کا عیش، مگر معصیت حق کی راہ میں۔ زندگی کے شدائد، مگر راست بازی کی راہ میں۔ تو ان کا فیصلہ قطعی اور بغیر کسی تامل کے یہ تھا کہ السجن احب الی مما یدعوننی الیہ (۳۳) قید خانہ مجھے محبوب ہے۔ مگر وہ بات نہیں جس کی مجھے دعوت دی جا رہی ہے!

ہمارے مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ حضرت یوسف کی بدشگونی تھی کہ خود قید خانہ کی بات بول اٹھے۔ اگر جلدی میں آکر ایسا نہ کہہ دیتے تو یہ ابتلا پیش نہ آتی۔ افسوس کس درجہ حقیقت فراموشی ہے! حضرت یوسف کی جو بات ان کی پاکی و عظمت کا سب سے بڑا جوہر تھی، وہی ان حقیقت ناآشناؤں کی نظر میں ان کی لغزش ہو گئی۔ گویا حضرت یوسف کا قید خانہ کو معصیت پر ترجیح دینا، اور اسے خوشی خوشی اختیار کر لینا، کوئی ایسی بات تھی جو نہ ہونی چاہیے تھی اور صرف اس لئے ہو گئی کہ حضرت یوسف نے بدشگونی کی بات کہہ دی تھی! غور کرو۔ قرآن کہاں ہے اور اس کے شارح کہاں پہنچ گئے ہیں!

نزلوا بمکۃ فی قبائل ھاشم نزلت بالبیداء ابعد منزل!

پھر دیکھو۔ حضرت یوسف کی یہی سیرت ہے جو قید خانہ کی تنگ و تاریک کوٹھری کو بھی اسی طرح روشن کر دیتی ہے جس طرح عزیز مصر کے ایوان عزت و اقبال کو اس نے روشن کر دیا تھا، کیونکہ چراغ جہاں کہیں بھی رکھ دیا جائے روشنی ہی دے گا، اور ہیرے کی چمک اس سے کم نہیں ہو جائے گی کہ جواہر خانہ شاہی میں ... کی جگہ کوڑے کرکٹ میں ڈال دیا گیا۔ تورات کی تصریح پڑھ چکے ہو کہ قید خانہ کا افسر ان کا معتقد ہو گیا تھا، اور قید خانہ ... انہی کی افسری قائم ہو گئی تھی۔

نہ پچھلی حالت کا ماتم ہے، نہ موجودہ حالت سے جھجک نہ گذشتہ کی یاد میں سوگواری ہوئی۔ نہ آئندہ کے اندیشہ میں بدحالی! اس عازم اور بے پروا ملاح کی طرح، جسے نہ تو کنارہ چھوٹنے کا غم ستاتا ہے، نہ آنے والے طوفان کا اندیشہ، اس نے اپنی کشتی چلانی شروع کر دی اور دیکھو بالآخر ساحل مقصود تک پہنچ کر رہی۔ حوادث وانقلاب کے ترکش میں اس سے بڑھ کر اور کون تیر ہو سکتا ہے جو اس پر چلایا گیا تھا؟ لیکن اس کے صبر و عزم نے اسے پرکاہ کے برابر بھی نہ سمجھا، اور اس طرح بے داغ نکل گیا، گویا گردش حوادث کا ہاتھ اس کے خلاف اٹھا ہی نہ تھا:

چیں بر جبیں ز جنبش ہر خس نمی رسد دریا دلاں چو موج گہر آرمیدہ اند!

غور کرو، ہر اس انسان کے لیے جو دنیا کی مصیبتوں اور ناموافقتوں میں اپنی راہ نکالنا چاہتا ہو، اس معاملہ میں کیسی عظیم الشان عبرت ہے؟ اگر حضرت یوسف نے مصائب و محن کی پہلی ہی منزل میں صبر و عزم، اعتماد نفس اور توکل علی اللہ کی یہ روح عظیم اپنے اندر نہ پیدا کر لی ہوتی، تو کیا ممکن تھا کہ اس منزل مقصود تک پہنچ سکتے جو بالآخر ان کی منزل مقصود ثابت ہوئی؟

پھر دیکھو، زمانہ کی گردشیں کس طرح آزمائشوں پر آزمائشیں پیدا کرتی رہیں اور ان کی غیر متزلزل اور بے داغ سیرت کس طرح فتحمندیوں پر فتح مندیاں حاصل کرتی گئی؟

سب سے پہلے عزیز مصر کے ساتھ ان کا معاملہ سامنے آتا ہے، اس نے بہ حیثیت غلام کے انہیں خرید کیا تھا اور مصر کے آثار و نقوش ہمیں بتلاتے ہیں کہ مصریوں کا سلوک غلاموں کے ساتھ کیسا ہوا کرتا تھا۔ وہ غلاموں کے لیے اتنے ہی سنگدل تھے جتنی سنگدل دنیا کی تمام پرانی قومیں رہ چکی ہیں۔ تاہم انہوں نے تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اپنے حسن سیرت سے اس کا دل ایسا مسخر کر لیا کہ غلامی کی جگہ آقائی کرنے لگے، اور اس نے اپنی بیوی سے کہا۔

اکرمی مثوٰہ عسٰی ان ینفعنا او نتخذہ ولدًا (۲۱)

غور کرو۔ یہ انقلاب حال کیونکر پیدا ہوا ہوگا؟ وہ کیسی وفاداری و دیانت اور راست بازی و امانت شعاری ہوگی جس نے ایک مصری امیر کو اس درجہ متاثر کر دیا کہ ایک عبرانی غلام کو اپنے فرزند کی طرح چاہنے لگا، اور اپنے تمام گھر بار اور علاقہ کا مختار کل بنا دیا؟

پھر امرأۃ العزیز کا معاملہ رونما ہوتا ہے۔ پچھلی آزمائش ذہن و دماغ کی آزمائش تھی۔ یہ جذبات کی تھی، اور انسان کے لیے سب سے بڑی آزمائش جذبات ہی کی آزمائش ہوتی ہے، وہ سمندر کی موجوں سے ہراساں نہیں ہوتا، پہاڑ کی چٹانوں سے نہیں گھبراتا، آسمان کی بجلیوں سے نہیں لرزتا، درندوں کے مقابلہ سے منہ نہیں موڑتا۔ تلواروں کے سائے میں کھیلنے لگتا ہے، لیکن نفس کی ایک چھوٹی سی ترغیب اور جذبات کی ایک ادنیٰ سی کشش کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن حضرت یوسف کی سیرت کی چٹان یہاں بھی متزلزل نہ ہو سکی۔ ان کی بے داغ فضیلت پر نفس انسانی کا سب سے بڑا فتنہ بھی دھبہ نہ لگا سکا۔

قرآن کی معجزانہ بلاغت نے چند لفظوں کے اندر صورت حال کی پوری تصویر کھینچ دی ہے اور اگر ان اشاروں کو تشریح و بیان کا پورا جامہ پہنایا جائے تو کئی صفحوں کی داستان بن جائے۔ تم چشم تصور سے کام لو، اور دیکھو، ترغیبات کی قہر و سلطانی کا کیا حال تھا، اور خواہش نفس کی یہ دعوت کیسے شکیب آزما سامانوں اور صبر ربا حالتوں کے ساتھ پیش آئی تھی، عین عروج شباب کی عمر، اور معاملہ محبت کا نہیں محبوبیت کا، طلب کا نہیں مطلوبیت کا۔ پھر طلب بھی ہوئی تو کیسی طلب؟ دیوانگی کی طلب اور دل باختگی کا تعاقب! پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ موانع یکلی مرتفع ہو گئے۔ کوئی انسانی آنکھ دیکھنے والی نہیں کوئی پردہ حجاب حائل [redacted] نہیں۔ کون ہے جو ایسی حالت میں بھی اپنے آپ کو قابو میں رکھ سکتا ہے؟ عفت و پاکی کا کونسا پہاڑ ہے جو ان بجلیوں کی تاب لا سکتا ہے؟ لیکن ایک پہاڑ تھا جسے یہ بجلیاں بھی ~~جنبش میں نہ لا سکیں~~ میں ہلا سکیں یہ حضرت یوسف کی سیرت تھی جو کسی حال میں بھی متزلزل نہیں ہو سکتی تھی۔ خود امرأۃ العزیز کے لفظوں میں (اور اس سے بڑھ کر اس معاملہ کا کون شاہد ہو سکتا ہے) انا راودتہ عن نفسہ فاستعصم (۳۲) سیں

ذلکما مما علمنی ربی۔ انی ترکت ملة قوم لا یومنون باللہ وھم بالآخرة ھم کافرون (۳۷) یعنی خواب کی تعبیر میں بہت جلد بتلا دوں گا۔ کیونکہ میرے پروردگار نے مجھے اس کا علم دیا ہے۔ لیکن میرے علم کو اس طرح کا علم نہ سمجھنا جس طرح اپنے کاہنوں اور جادوگروں کا سمجھا کرتے ہو۔ میری راہ دوسری ہے۔ میں تمہارے طریقہ پر کاربند نہیں۔ پھر اس طرح بات میں سے بات نکالتے ہوئے دین حق کی دعوت شروع کر دی کہ:
یا صاحبی السجن! أأرباب متفرقون۔ خیر ام اللہ الواحد القہار؟ (۳۹)

پھر دیکھو۔ اس سیرت کی فضیلت کا کیسا عجیب منظر سامنے آجاتا ہے جب بادشاہ مصر خواب دیکھتا ہے، اور سرد ارساقی آکر یہ معاملہ انہیں سناتا ہے۔ دنیا کا ہر انسان ایسے موقعہ پر کیا کرتا؟ دنیا کا ہر وہ قیدی کیا کرتا جسے بغیر کسی جرم و گناہ کے قید خانے میں ڈال دیا گیا ہو اور سالہا سال سے اس حالت میں بے یار و مددگار پڑا ہو؟ یقیناً اسے تائید غیبی سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا۔ اور کہتا۔ میں یہ مشکل حل کر دے سکتا ہوں۔ مجھے یہاں سے نکلنے اور بادشاہ کے حضور حاضر ہونے کا موقعہ دیا جائے، مگر ہم دیکھتے ہیں، حضرت یوسف کی جانب سے کوئی اس طرح کی خواہش ظاہر نہیں ہوئی۔ انہوں نے خواب سنتے ہی اسکی تعبیر بیان کر دی۔ اس کا خیال بھی انہیں نہیں گزرا کہ اپنی مطلب براری کی۔ نہایت قیمتی بات تھوڑی دیر کے لئے بھی روک لوں۔ پھر صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ جتنی بات پوچھی گئی تھی، بتلا دی، بلکہ اس سے بھی زیادہ علم و فضل کی بخشش سائل کے دامن میں ڈال دی۔ یعنی خواب میں ایک آنیوالی ہولناکی کی خبر دی گئی تھی۔ انہوں نے تعبیر کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا کہ اس ہولناک مصیبت سے بچنے کی سبیل کیا ہو سکتی ہے۔ سوال بادشاہ کی طرف سے تھا۔ لیکن دیکھو، جس نے جواب دیا، وہ قید خانہ کی کوٹھری میں بیٹھا ہوا، اپنے علم و فضیلت کی بخشش میں بادشاہوں سے بھی زیادہ فیاض تھا:

عدیل ہمت ساقی است فطرت عرفی کہ حاتم دگران و گدائے خویشتن است!

حضرت یوسف نے ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ دنیا نے ان کے ساتھ کچھ ہی کیا ہو، وہ دنیا کی خدمت و ہدایت کے سوا اور کوئی شے اپنے سامنے نہیں رکھ سکتے تھے۔ جب انہوں نے خواب سنا، اور خواب کا حل ان کے علم و بصیرت نے معلوم کر لیا تھا، تو وہ ایک لمحہ کے لئے بھی علم و ہدایت کا فیضان انسانوں پر نہیں روک سکتے تھے۔ ان کا فرض تھا کہ جب کبھی طلب اعانت کا ہاتھ ان کے آگے بڑھے وہ اسکی دستگیری کریں۔ اور انہوں نے دستگیری کی۔ اگر نہ کرتے تو داعی حق نہ ہوتے۔ ان کا بے لوث جذبۂ خدمت اس خود غرضانہ مطلب براری کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک انسان کی مشکل اور احتیاج کو اپنی رہائی کا ذریعہ بنائیں۔

پھر جب بادشاہ ملاقات کا مشتاق ہوا اور اپنا پیام بھیجا، تو چاہئے تھا کہ جوش مسرت سے اس پیام کا استقبال کرتے کیونکہ اب خود بخود رہائی سامنے آگئی تھی، اور ایسی حالت میں آئی تھی کہ بادشاہ وقت مشتاق زیارت ہو رہا تھا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسف کی نگاہوں میں معاملہ نے دوسری ہی شکل اختیار کی۔ انہوں نے قید خانہ چھوٹنے اور بادشاہ کی ملاقات سے انکار کر دیا، اور کہلایا کہ پہلے میرے معاملہ کی تحقیقات کر لی جائے۔

اب یہاں پھر بے اختیار یہی سوال سامنے آجاتا ہے کہ دنیا کا ہر مظلوم قیدی ایسی حالت میں کیا کرتا اور اس پیکر صدق وصفا نے کیا کیا؟ غور کرو۔ ان کی سیرت کیسے جوہروں سے گوندھی گئی تھی اور کس طرح صبر و ضبط کی عدیم النظیر قوتوں کے ساتھ خودداری اور عزت نفس کی روح اس کے ایک ایک ذرہ میں رچی ہوئی تھی؟ حضرت یوسف کے اس انکار و انتظار میں ان کی اخلاقی ذہنیت کی ایک پوری دنیا پوشیدہ ہے گویا وہ زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ قید سے رہائی بلاشبہ ایک خوشخبری ہے، لیکن ایسی رہائی مجھے کیا خوش کر سکتی ہے جو میری بے جرمی کی وجہ سے ظہور میں نہ آرہی ہو، بلکہ محض بادشاہ کا ایک عطیہ اور بخشش ہو؟ میں تھا تو مجرم، لیکن چونکہ بادشاہ نے خواب دیکھا، کسی سے تعبیر بن نہ آئی، میں نے بتلا دی، اس لئے خوش ہو کر بادشاہ نے رہا کر دیا۔ پس یہ بادشاہ کا احسان ہوا۔ حق و انصاف کا فیصلہ نہ ہوا۔ نہیں، میں اپنی رہائی بطور ایک احسان کے قبول نہیں کر سکتا۔ اگر میں مجرم ہوں تو سزا کا سزاوار ہوں

پھر دیکھو، عین قید خانہ کی زندگی میں دعوت حق کا داعیہ آن کے قلب مبارک میں اٹھتا ہے، اس وقت تک انہوں نے مصر میں دین حق کی تبلیغ نہیں کی تھی اگرچہ خود اسی پر قائم تھے لیکن اب وقت آگیا تھا کہ خاندانی نبوت کا ان میں ظہور ہو، چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اب یکایک اپنے قلب کو ولولہ تبلیغ سے معمور پایا۔ لیکن یہاں کون تھا جو اس تبلیغ کا مخاطب ہوتا؟ صرف قید خانہ کے چند ساتھی تھے جو طرح طرح کے جرموں کی پاداش میں یہاں پہنچائے گئے تھے، مگر غور کرو انہوں نے رہائی کا انتظار نہیں کیا انہی قیدیوں میں تبلیغ حق شروع کر دی، اور اب مصر کا قید خانہ دعوت حق کی تعلیم و تربیت کی ایک درس گاہ بن گیا۔

پھر دیکھو۔ تبلیغ حق کے جوش و طلب کا کیا حال ہے؟ دو نئے قیدی آتے ہیں جو بادشاہ کے خاص پیش خدمتوں میں سے تھے، اور اپنا اپنا خواب بیان کرتے ہیں، خواب سن کر حضرت یوسف معلوم کر لیتے ہیں کہ ایک کی رہائی قریب ہے دوسرے کی موت قریب ہے بس چاہتے ہیں کہ فرصت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کریں، اور تعلیم حق سے انہیں آشنا کر دیں ممکن ہے کہ سچائی قبول کر لے اور دنیا سے جائے تو راہ حق پر جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں، انہوں نے خواب سنتے ہی اس کی تعبیر نہیں بتلا دی، بلکہ ان کی توجہ و رجوع سے فائدہ اٹھا کر ایک دوسرا ہی بیان شروع کر دیا: انی ترکت ملۃ قوم لا یومنون باللہ وھم بالاخرۃ ھم کافرون (۳۷)

ان کی سیرت کے اس مقام سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ دعوت حق کا فریضہ کیونکر ادا کرنا چاہئے اور داعی حق کے جوش و طلب دعوت کا کیا حال ہوتا ہے؟ قید خانے کی زندگی بھی ادائے فرض دعوت سے مانع نہ ہوئی۔ اس حالت میں بھی فکر اس کی نہ تھی کہ میں کیونکر قید سے رہائی پاؤں۔ بلکہ تمام تر اس کی تھی کہ خدا کے بندے جہل و گمراہی سے کیونکر نجات پائیں؟ مہلت جب کبھی ملی اور جس حال میں ملی، معاً اسی مقصد کے لئے کام میں لائی گئی، اور جس طرح اس آدمی کی ہدایت میں جلدی کی جو ابھی مدتوں زندہ رہنے والا تھا، اسی طرح اس کی ہدایت کے لئے بھی صبر نہ کر سکے جس کے سر پر اجل کی تلوار لٹک رہی تھی۔ کیونکہ ہدایت پانا ہر انسان کا قدرتی حق ہے، اور زندہ رہنے والا ہو یا مر رہا ہو اسے اس کا حق فوراً ملنا چاہئے!

پھر دیکھو۔ معاملہ صرف اتنے ہی پر ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ حتی الوسع کوشش کرتے ہیں کہ جہاں تک پہنچا سکتے ہیں پہنچا دیں، جونہی یہ بات معلوم ہوئی کہ ان میں ایک آدمی بادشاہ کے ساقیوں کا سردار ہے اور پھر اسی منصب پر مامور ہونے والا ہے، معاً ان کا ذہن اس طرف چلا گیا کہ ایسے آدمی کو جو خلوت و جلوت میں بادشاہ کے حضور رہنے والا ہے کتنا اچھا موقعہ حاصل ہوگا کہ پیام حق بادشاہ کے کانوں تک پہنچا دے؟ چنانچہ تعبیر بیان کرنے کے بعد اس سے فرمایا: اذکرنی عند ربک (۴۲) اپنے آقا کے پاس جائیو تو مجھے یاد رکھیو، یعنی میری یہ تعلیم و دعوت یاد رکھیو اور اپنے آقا سے بعنوان مناسب اس کا تذکرہ کر دیجیو۔ ممکن ہے کہ پیام حق کام کر جائے۔

عام طور پر حضرت یوسف کے اس قول کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی رہائی کے لئے کہا تھا۔ یعنی اپنے آقا سے میری سفارش کیجیو۔ لیکن جس محل میں یہ بات کہی گئی ہے، اس سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ قیدیوں سے جو کچھ بھی ان کی گفتگو ہوئی ہے، یا تو تعبیر کے بارے میں ہے یا دین حق کے بارے میں ہے۔ اس کا کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا کہ انہوں نے اپنے قید و محن کے مصائب کا کوئی ذکر کیا ہو۔ پس اس بات کا وہی مطلب موزون معلوم ہوتا ہے۔ جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔

یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ قیدیوں کا خواب سن کر آپ نے تعبیر فوراً کیوں بیان نہیں کر دی تھی۔ مفسرین کہتے ہیں، تاخیر اس لئے کی کہ وحی کا انتظار تھا۔ لیکن اگر آپ انتظار کی حالت میں ہوتے تو اس وثوق کے ساتھ کیونکر وعدہ کر لیتے کہ لا یاتیکما طعام ترزقانہ، الا نبأتکما بتاویلہ (۳۷)؟ اور فیضان وحی سے تو آپ کا قلب معمور ہو رہا تھا۔ تعبیر کے لئے انتظار کرنے کی کیوں ضرورت پیش آتی؟ صاف بات یہی ہے کہ تاخیر قصداً کی تھی اور اس خیال سے کی تھی کہ تعبیر کی احتیاج نے ان دونوں کو میری طرف متوجہ کر دیا ہے، چاہئے کہ اس توجہ سے فوراً فائدہ اٹھایا جائے اور دین حق کی دعوت چھیڑ دی جائے۔ چنانچہ اس کا ذکر اس مناسبت سے شروع کر دیا کہ:

اخوتی (۱۰۰) جب ایسا ہوا تھا کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف ڈال دیا تھا یعنی اول تو اس معاملہ کو شیطان کی طرف منسوب کر دیا کہ بھائیوں پر اس کا بوجھ نہ پڑے۔ گویا یہ شیطان کا ایک فتنہ تھا، ورنہ میرے بھائی ایسا کیوں کرتے، پھر سارے معاملہ کو محض ایک طرح کے اختلاف سے تعبیر کیا تاکہ اصل واقعہ کی شناعت کم ہو جائے پھر جتنا کچھ بھی ہونا ظاہر کیا، وہ اس طریقہ پر کیا "کہ مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف پڑ گیا تھا" گویا یہ بھائیوں کا بلاوجہ جور و ستم نہ تھا۔ کوئی ایسی بات تھی جیسے بھائیوں میں باہمدگر پیش آجایا کرتی ہے اور دونوں جانبوں کو اختلاف کے وجوہ میں دخل ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کسی ایک ہی جانب کا قصور تھا۔

غور کرو عفو و بخشش کا وہ کیسا مقام ہے، ہمت کا وہ کیسا علو ہے، ظرف کی وہ کیسی پہنائی ہے، خلق کی وہ کیسی عظمت ہے، جو دشمنی کرنے والوں کے ساتھ ایسا سلوک کر سکتی ہے؟ اور جس سیرت کا یہ حال ہو اس کے لئے فضیلت کی اور کونسی بات باقی رہ گئی؟

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا ⁂ دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام ⁂ کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

مظلومی و بیچارگی کی حالت میں صبر کر لینا بلاشبہ ایک بڑائی ہے، لیکن طاقت و اختیار کی حالت میں بدلہ نہ لینا اور بخش دینا سب سے بڑی بڑائی ہے۔ ولمن صبر وغفر ان ذلک لمن عزم الامور (۴۲: ۴۳) اور اس سیرت کی عظمت میں دونوں مقام جمع ہو گئے۔ جب بیچارگی تھی، تو اف تک نہ کی۔ جب طاقت ملی تو انتقام کا وہم و گمان بھی نہ گذرا! اور بلاشبہ یہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا اسوۂ حسنہ ہے!

سب کے آخر میں ان کی وہ دعا نمایاں ہوتی ہے اور یہ فی الحقیقت ایک مرقع ہے جس میں ان کی سیرت کا ایک ایک خال و خط دیکھ لیا جا سکتا ہے۔ عظمت و کامرانی کے اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد بھی جو صدا ان کے دل و دماغ سے نکل سکتی تھی وہ یہی تھی کہ فاطر السموت والارض! انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین (۱۰۱)۔ یعنی زندگی کی ساری کامرانیوں کا آخری حصل جس کی طلب و آرزو سے کبھی دل خالی نہیں ہو سکتا، یہی ہے کہ اطاعت حق پر خاتمہ ہو اور الحاق ان کے ساتھ ہو جو تیرے صالح بندے ہیں!

امراۃ العزیز

حضرت یوسف کے بعد سرگزشت کی نمایاں شخصیت امراۃ العزیز کی شخصیت ہے کیونکہ حضرت یوسف کی مصری زندگی کے حوادث میں بڑا حصہ اسی کا ہے۔ اس شخصیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ عشق و ہوس کے مختلف مراتب یکے بعد دیگرے نمایاں ہوئے ہیں، اور قرآن حکیم نے ایک عجیب اسلوب بلاغت کے ساتھ انہیں ہر جگہ ابھارا ہے اور ہر مرتبہ کی خصوصیت واضح کر دی ہے۔

سب سے پہلے وہ موقعہ سامنے آتا ہے جب اس نے حضرت یوسف کو دعوت عیش دی اور ناکام رہی۔ و لقد ھمت بہ وھم بھا لولا ان را برھان ربہ (۲۴) اور جب پردہ فاش ہو گیا اور شوہر سامنے کھڑا نظر آیا، تو یہی ذلت و رسوائی برداشت نہ کر سکی۔ جھٹ اپنا جرم دوسرے کے سر ڈال دیا، اور پھر کس دوسرے کے سر؟ اسی کے سر جس کی محبت و شیفتگی کی مدعی بنی تھی: قالت ما جزاء من اراد باھلک سوءا الا ان یسجن او عذاب الیم (۲۵) اس سے معلوم ہوا کہ محبت میں ابھی کچی تھی اور ہوس سے معاملہ آگے نہیں بڑھا تھا۔ کیونکہ اگر محبت کامل ہوتی تو محبت کی راہ میں ذلت و رسوائی سے نہ ڈرتی، اور خود اپنے محبوب کے سر جھوٹا الزام نہ لگاتی۔

لیکن پھر جب کچھ دن گزر گئے تو معلوم ہوتا ہے اس حالت نے دوسرا رنگ اختیار کیا۔ اب اس نے اعلانیہ کہا

اب بھی اسے دنیا کے آگے اقرار محبت کرنے میں تو عار تھا۔ لیکن لائمات کے سامنے صاف صاف اقرار کر لیا۔

[redacted] انا راودتہ عن نفسہ فاستعصم (۳۲) تاہم ہی محبت ابھی اس درجہ تک نہیں پہنچی تھی کہ اپنے نفس کی کامجوئیوں پر محبوب کی مرضی کو ترجیح دیتی:

قبول خاطرِ معشوق شرطِ دیدار است ⁂ بحکمِ شوق تماشا مکن کہ بے ادبی است

(۳۳) اس لئے دھمکیاں دے کر رام کرنا چاہا: ولئن لم یفعل ما امرہ لیسجنن ولیکونا من الصاغرین

کیوں مجھے کوئی بخشے؟ اگر مجرم نہیں ہوں، تو میری بے جرمی کا اعتراف کرنا چاہئے۔ اور اس لئے رہا کرنا چاہئے کہ سزا کا مستحق نہ تھا۔ اس لئے نہیں کہ کسی نے بخش دیا۔

عزت نفس اور استقامت حق کا کیسا بلند مقام ہے؟ اور اخلاقی سیرت کی کیسی عجیب مضبوطی ہے جس میں کہیں سے بھی کوئی لچک پڑتی دکھائی نہیں دیتی؟ جس رخ سے دیکھو اور جہاں کہیں دیکھو، اس کی بے داغ خصوصیتیں یکساں طور پر نمایاں ہیں، اور اس سورج کی روشنی کبھی مدہم نہیں پڑ سکتی!

کانہ علم فی راسہ نار!

فی الحقیقت جمال یوسف کی یہی رعنائیاں تھیں جنہوں نے ایک ہی نظارہ میں بادشاہ کا دل مسخر کر لیا تھا، انک الیوم لدینا مکین امین: (۵۴)

پھر سب سے آخر اس موقعہ کا مطالعہ کرو۔ جب حضرت یوسف کے بھائی ان کے سامنے آ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ کون بھائی؟ جنہوں نے قتل کا سامان کیا اور پھر غلام بنا کر اجنبیوں کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ کس کے سامنے؟ اسی مظلوم کے سامنے جو آج مظلوم نہیں ہے بلکہ وقت کی سب سے بڑی مملکت کا مالک اور قحط سالی کی سب سے بڑی مصیبت میں سامان زندگی کا بخشنے والا ہے۔ کیسا عجیب موقعہ تھا، اور نفس انسانی کے لئے ولولہ انتقام کی کیسی صبر آزما آزمائش؟ تاہم غور کرو، اول سے لے کر آخر تک حضرت یوسف کا طرز عمل کیسا رہتا ہے؟ کہیں بھی کوئی بات ایسی دکھائی دیتی ہے کہ کہہ سکو بغض و انتقام کے جذبہ کی کوئی ہلکی سی بھی پرچھائیں پڑ رہی ہے؟ اتنا ہی نہیں، بلکہ وہ تو ان کے لئے سرتاپا شفقت و رحمت ہو گئے تھے۔ انتقام و سرزنش کا کیا ذکر ہے۔ ان کی زبان سے تو ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکلا جس سے بھائیوں کے دلوں کو ذرا سی بھی ٹھیس لگتی۔ صاف نظر آ رہا ہے کہ ان کی شرمندگی و پشیمانی کا زخم ان سے کہیں زیادہ خود ان کے دل کو لگ رہا ہے، اور اب فکر ہے تو اس بات کی کہ کس طرح ان کے دلوں کے لئے تسکین خاطر کے سامان پیدا کر دیں:

جب تیسری مرتبہ بھائی آئے اور اپنی مصیبتوں کی داستان سنائی: مسنا و اھلنا الضر، اور پھر دست سوال بڑھایا کہ فتصدق علینا ان اللہ یجزی المتصدقین: (۸۸) تو جوش محبت سے بیقرار ہو گئے۔ اس وقت ان کے سامنے اور کوئی بات نہ تھی صرف یہ تھی کہ میرے بھائی فقر و فاقہ میں مبتلا ہیں، میں مسند عزت پر بیٹھا ہوں اور وہ دریوزہ گروں کی طرح دست سوال دراز کئے ہوئے ہیں بے اختیار ان کا جی چاہا کہ اپنے آپ کو ظاہر کر دیں ھل علمتم ما فعلتم بیوسف واخیہ؟ تمہیں وہ بات بھی یاد ہے جو یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کی تھی؟ کہنے کو تو یہ کہہ گئے، اور یہ کہے بغیر چارہ بھی نہ تھا، کیونکہ یاد دلانا تھا کہ میں مصر کیونکر پہنچا لیکن معاً خیال ہوا کہ اس معاملہ کی یاد میں ان کے لئے سرتاسر سرزنش و خجالت ہے اس لئے فوراً ایک ایسی بات بھی کہہ دی کہ ان کے لئے ایک معذرت کا پہلو نکل آئے اور شرمندگی کا بوجھ محسوس نہ کریں: اذ انتم جاھلون (۸۹) یہ اس وقت کی بات ہے جب تمہاری نادانیوں کا زمانہ تھا، یعنی اس معاملہ پر شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ نادانیوں کے زمانے کی ایک بات ہے، اور دنیا میں کون ہے جس پر کوئی نہ کوئی زمانہ نادانیوں کا نہ گزرا ہو؟

یہ سنتے ہی جب انہوں نے پہچان لیا اور عجز و ندامت کا سر جھکا کر بولے۔ تاللہ لقد اثرک اللہ علینا وان کنا لخاطئین، (۹۱) تو بلا تامل جواب ملا۔ لا تثریب علیکم الیوم۔ یغفر اللہ لکم و ھو ارحم الراحمین: (۹۲) نہیں آج کا دن بچھڑے ہوؤں کے ملنے اور ٹوٹے ہوئے رشتوں کے جڑنے کا دن ہے۔ ملامت و الزام کی باتوں کا یہاں گزر نہیں، میرا دل تو ہر طرح کی رنجشوں سے صاف ہے۔ باقی رہا خدا کا معاملہ، تو اس کے لئے بھی میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ وہ تمہارے سارے قصور بخش دے اور وہ ضرور بخش دیگا، کیونکہ اس سے بڑھ کر رحم کرنے والا اور کون ہے!

پھر آگے چل کر جب وقت آیا کہ اللہ کے فضل و کرم کا شکر ادا کرتے ہوئے گزرے ہوئے واقعات کی طرف اشارہ کریں تو دیکھو، اس معاملہ کی طرف کیونکر اشارہ کرتے ہیں؟ من بعد ان نزغ الشیطان بینی و بین

کا اعتراف کرنا پڑا۔ ایک ایسے شخص میں جو ابھی چند سال ہوئے، صحرا کے ویرانوں سے نکل کر آیا تھا۔ یہ قوت علمی کیسے پیدا ہوگئی کہ تمام باتوں کا نبض شناس اور تمام معاملات و مہمات کی کل بٹھانے والا ہوگیا؟ یقیناً مبدأ فیاض کے کرشمۂ فیضان سے۔ لیکن اس کرشمۂ فیضان کا نام کیا ہے؟ علم "تاویل الاحادیث" کا سکھا دینا۔ اب جبکہ صناعی علوم کی تدوین اور فنی مصطلحات کی بناوٹوں نے ہمیں طرح طرح کی تعبیرات سکھا دی ہیں، ہم اس طرح کے علم وبصیرت کے لئے بہت سے مصطلحہ الفاظ بولیں گے۔ لیکن قرآن کی زبان صناعی مصطلحات کی زبان نہیں ہے، نہ علمی مصطلحات سے اس وقت عربی زبان آشنا ہوئی تھی۔ اس نے ان ساری باتوں کے لئے ایک ایسی ترکیب استعمال کی جو ادائے مطلب کا قدرتی اور سیدھا سادھا اسلوب ہو سکتا ہے۔ یعنی باتوں کے مطلب اور مآل پا لینے کا علم۔ تعلیم کی ساری کاوشیں، تربیت ذہنی کی ساری محنتیں، تجربہ و اختیار کی ساری کوششیں کس غرض سے ہوتی ہیں؟ اسی لئے کہ باتوں کا مطلب و مآل بوجھ لینے کی استعداد پیدا ہو جائے۔ علم و دانش کا تمام تر حاصل و مقصود کیا ہے؟ یہی کہ باتوں کی کل بٹھانی آجائے۔ جس مطلب کے لئے ہم نے بے شمار علمی اصطلاحیں بنا لی ہیں، قرآن نے اسی کو بغیر کسی پیچ و خم کے اس طرح کہہ دیا، جو ادائے مطلب کا ایک صاف اور قدرتی طریقہ ہو سکتا ہے، اور یہ اس کی بلاغت کی معجزانہ خصوصیت ہے۔

چونکہ حضرت یوسف نے خواب کی تعبیریں بتلائی تھیں، اس لئے عامۃ مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہ خواب کی سچی تعبیر معلوم کر لینے کا علم تھا۔ بلا شبہ خواب کی بات بھی احادیث میں داخل ہے، اور اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ ایک گوشہ اس کا یہ بھی تھا۔ لیکن یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی کہ براہ راست علم تعبیر منام پر اس کا اطلاق ہوا ہو، یہ ظاہر ہے کہ خواب کی سچی تعبیر معلوم کر لینا نبوت کے تمام خصائص میں سے ہے، اور ہر نبی وحی الٰہی سے مطلع ہو کر خواب کی حقیقت معلوم کر لیتا ہے۔ خود حضرت یعقوب نے حضرت یوسف کا خواب سنتے ہی حقیقت معلوم کر لی تھی، اور حضرت دانیال اور عزرا وغیرہما کی سرگزشتیں ہمیں معلوم ہیں۔ پس اگر یہی بات مقصود ہوتی، تو اس کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ خصوصیت کے ساتھ تاویل الاحادیث کا ذکر کیا جاتا۔ یہ نبوت کے اعمال و خصائص میں سے تھی، اور جب نبوت کا مقام مل رہا تھا، تو لازمی طور پر اس طرح کی تمام باتوں کی قابلیت بھی مل رہی تھی۔ لیکن حضرت یعقوب نے خواب سن کر کہا: وكذلك يجتبيك ربك ويعلمك من تاويل الاحاديث، ويتم نعمته عليك وعلىٰ اٰل يعقوب كما اتمها علىٰ ابويك من قبل (۶) یعنی اللہ تجھے برگزیدگی عطا فرمائے گا، تاویل الاحادیث کا علم سکھائے گا، اور جس طرح تیرے بزرگوں پر اپنی نعمتیں پوری کر چکا ہے، اسی طرح تجھ پر اور آل یعقوب پر بھی کرے گا۔ اس بیان میں برگزیدگی سے مقصود امتیاز اور تفوق ہے اور اتمام نعمت سے مقصود نبوت ہے، پس تاویل الاحادیث کی تعلیم سے مقصود کوئی تیسری چیز ہونی چاہئے۔ اگر تعبیر خواب خواب ہی کی بات ہوتی، تو وہ حصول نبوت کی بشارت میں آگئی تھی۔ خصوصیت کے ساتھ الگ کر کے نہ دکھائی جاتی۔

علاوہ بریں ایک نبی کے لئے تعبیر خواب کا ملکہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں کہ خصوصیت کے ساتھ اسے اللہ کا ایک خاص عطیہ قرار دیا جاتا۔

پھر اگر ان تینوں مقامات پر غور کیا جائے جہاں تاویل احادیث کا ذکر کیا گیا ہے تو یہ حقیقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے لیکن اس کی تفصیل البیان میں ملے گی۔

عزیز مصر کا اپنی بیوی کے ساتھ معاملہ

(۴) عزیز مصر کا اپنی بیوی کے ساتھ معاملہ مفسرین کے لئے ایک حیرت انگیز معاملہ رہا ہے، اور بعض مجبور ہوئے ہیں کہ طرح طرح کی دور از کار توجیہیں کریں، وہ کہتے ہیں اس پر اپنی بیوی کی بدچلنی بالکل واضح ہوگئی تھی۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ انه من كيدكن، ان كيدكن عظيم (۲۸) لیکن پھر بھی ہم دیکھتے ہیں، اس نے اس معاملہ کو اس سے زیادہ اہمیت نہ دی کہ بیوی سے کہا: استغفري لذنبك۔ انك كنت من

لیکن پھر جب وہ وقت آیا کہ عشق کی خامیاں پختگی و کمال تک پہنچ گئیں، تو اب نہ تو ننگ و ناموس کی جھجک باقی رہی تھی، نہ زور و طاقت سے کام نکالنے کا گھمنڈ۔ جونہی سنا کہ یوسف کے معاملہ کی پوچھ گچھ ہو رہی ہے، بے پردہ اور صریح اعلان کر دیا: الآن حصحص الحق، انا راودتہ عن نفسہ، و انہ لمن الصادقین! (۵۱) وہ تو سرتاسر سچا ہے جو کچھ بھی قصور تھا، میرا تھا:

ہاں بانگ بلند ست ایں، پوشیدہ نمی گویم!

اب اقرار محبت میں نہ تو کسی طرح کا عار محسوس ہوتا تھا نہ عشق کی ذلت و رسوائی رہی تھی۔ اب تو ہر بات جو محبوب کی راہ میں پیش آئے، محبوب ہی کی طرح محبوب ہو گئی تھی:

اجد الملامۃ فی ھواک لذیذۃ   حبا لذکرک فلیلمنی اللوم!

محبت کی خامی و پختگی کے یہ مراتب قدرتی ہیں، اور عام ہیں جب کبھی اور جہاں کہیں بھی آئے گی، ان تین حالتوں میں سے کوئی حالت ضرور ہو گی۔

خام بودم، پختہ شدم، سوختم!

تاویل الاحادیث

(ل) حضرت یوسف کے حالات میں جا بجا "تاویل الاحادیث" کا لفظ آیا ہے، اور اس طرح آیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے، یہ ایک علم تھا جو اللہ نے انہیں سکھا دیا تھا۔ پس معلوم ہونا چاہئے کہ اس علم سے مقصود کونسا علم ہے؟ عربی میں تاویل کے معنی کسی بات کے نتیجہ اور مآل کار کے ہیں، اور باتوں کے مطلب و مقصد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ سورۂ یونس کی آیت (۳۹) کے نوٹ میں اس کی تشریح گزر چکی ہے "احادیث" یعنی باتیں۔ پس تاویل الاحادیث کا مطلب یہ ہوا کہ باتوں کا مطلب، نتیجہ، اور مآل بوجھ لینے کا علم یعنی انسان میں علم و بصیرت کی ایسی قوت کا پیدا ہو جانا کہ ہر بات کے مطلب اور کمال کا شناسا ہو جائے، معاملات کی تہ تک پہنچ جانا، امور و مہمات کے بھیدوں کا رمز شناس ہو جانا، ہر بات کی نبض پہچان لینی، ہر واقعہ کا مطلب پا لینا، کوئی بات کتنی ہی الجھی ہوئی ہو، لیکن اس طرح سلجھا لینا کہ ساری باتوں کی کل ٹھیک بیٹھ جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا ظہور کنعان کے صحرا میں ہوا تھا اور ایک ایسے خاندان میں جو پشتہا پشت سے صحرا کی بدویانہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ پیدائش سے لے کر عنفوان شباب تک اسی عالم میں زندگی بسر ہوئی نہ تو کسی طرح کی خارجی تعلیم و تربیت کا موقعہ ملا۔ نہ شہری زندگی کے رسم و راہ سے آشنا ہو سکے۔ جب شہری زندگی ہی سے آشنا نہ تھے، تو ظاہر ہے، اجتماعی زندگی کی تمدنی خصوصیات سے کیونکر باخبر ہو سکتے تھے؟ ملکی معاملات اور انتظامی مہمات کی تو ان کے کانوں میں بھنک بھی نہ پڑی ہو گی۔

بسا اوقات خاندان کے موروثی اثرات خارجی اثرات سے بے نیاز کر دیتے ہیں، لیکن حضرت یوسف کا خاندانی ورثہ نبوت تھا۔ شہریاری و ملک داری نہ تھی اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے توطن کنعان کے بعد سے تو شہری زندگی کا علاقہ بھی یک قلم مفقود ہو گیا تھا۔

با ایں ہمہ جب گردش حوادث نے انہیں مصر جیسی متمدن سرزمین میں پہنچا دیا، تو وہ نہ صرف اس کے نظم و نسق کے لئے سب سے بہتر حکمران ثابت ہوئے، بلکہ ان کی کاردانی و حقائق فہمی نے مملکت کو اس کی سب سے بڑی ہولناک بربادی سے بچا لیا اور ان کے فضل و کمال کے آگے سب نے سر جھکایا۔ خود بادشاہ وقت کو اپنے عجز و درماندگی

لہ اس آیت کے بعد کی آیت ذلک لیعلم انی لم اخنہ بالغیب الخ اور وما ابرئ نفسی الخ امراۃ العزیز کے قول کا بقیہ حصہ بھی ہو سکتا ہے، اور حضرت یوسف کا قول بھی ہو سکتا ہے۔ سیاق بیان پہلی بات کے حق میں ہے، اور بعض وجوہ قرائن دوسری کے حق میں۔ عام طور پر مفسرین نے دوسری صورت اختیار کی ہے۔ لیکن ہم نے پہلی کو ترجیح دی کیونکہ ظاہر سیاق یہی ہے۔

کرنا بھی ہو سکتا ہے جب کہ لکھنؤ کی اصطلاح میں "شوقینی" وقت کا فیشن ہو گئی ہو اور شوقین عورتیں پوری طرح آزاد
قدیم مصری زندگی کی خصوصیت یونانی مؤرخوں میں بار بار ابھری ہے ۔ کہ مرد تو گھر میں بیٹھے کاتتے اور سنتے ہیں ۔
ہوں ۔ اور عورتیں باہر کا کام کرتی ہیں ۔ چنانچہ ہیروڈوٹس ایک موقع پر اس کا حوالہ دیتا ہے ۔
پس عزیز کے طرز عمل کے لئے اس کے سوا اور کسی توجیہ کی ضرورت نہیں کہ مصر کے ایک امیر کا طرز عمل تھا، اور اسے ایسا ہی ہونا تھا۔ اس نے بیوی کو ملامت کر دی کہ قصور تیرا ہی ہے ۔ یوسف سے کہا اس بات کو درگزر کر، آگے نہ بڑھانا، اور معاملہ ختم ہو گیا۔ اس سے زیادہ نہ تو وہ کچھ کر سکتا تھا، اور نہ وقت کے احساسات مقتضی تھے کہ کرے ۔

تفسیر "ان کیدکن عظیم"

(ن) عزیز کے اس قول میں کہ "ان کیدکن عظیم" (۲۸) جو رائے ظاہر کی گئی ہے، وہ ظاہر ہے کہ اپنے وقت اور اپنے شہر کی عورتوں کی نسبت ہے نہ کہ دنیا جہان کی تمام عورتوں کے لئے ۔ اور پھر جو کچھ بھی ہے عزیز کا قول ہے خود قرآن کا حکم نہیں ہے لیکن افسوس ہے کہ لوگوں نے اس مقولہ کا اس طرح استعمال شروع کر دیا گویا عورتوں کے جنسی اخلاق کے لئے یہ قرآن کا فیصلہ ہے اور اس کے نزدیک عورتوں کی جنس مردوں کے مقابلہ میں زیادہ مکار اور بے عصمتی کی گھاتیں نکالنے میں زیادہ ہشیار ہے ۔ چنانچہ عام طور پر ہمارے مفسروں نے اس کا ایسا ہی مطلب قرار دیا ہے اور پھر حسب عادت وجوہ و مباحث کی دور دراز وادیوں میں گم ہو گئے ہیں ۔ پہلے اسے عورتوں کی جنس کی نسبت قرآن کا عام و مطلق حکم قرار دیتے ہیں ۔ پھر حیرانی میں پڑتے ہیں کہ شیطان کے کید کو تو ضعیف کہا ہے: ان کید الشیطان کان ضعیفا ۔ عورتوں کا کید کیسے "عظیم" ہو گیا؟ پھر توجیہوں کی وادیوں میں قدم اٹھاتے ہیں اور جہاں تک نکل جا سکتے ہیں نکل جاتے ہیں ۔ بعضوں کو ماننا پڑتا ہے کہ شیطان کے کید سے بھی عورتوں کا کید بڑا ہے ۔ کیونکہ آیت اس بارے میں نص قطعی ہے ۔ بعضوں کی دقیقہ سنجی اس پر مطمئن نہیں ہوتی وہ کہتے ہیں نہیں علی الاطلاق نہیں ہو سکتا ۔ صرف جنسی تعلقات کے معاملہ میں ہے اس میدان میں مردان سے بازی نہیں لے جا سکتے! حالانکہ نہ تو قرآن کا یہ حکم ہے نہ عزیز کا قول ایسے محل میں ہے کہ اطلاق و عموم کے یہ سوالات پیدا ہوں ۔ بحث و تفسیر کی پوری عمارت بنیاد سے لے کر چوٹی تک، بالکل بے اصل ہے ۔

بلاشبہ مردوں نے اپنی ظالمانہ خود غرضیوں سے عورتوں کے بارے میں ہمیشہ ایسے ہی فیصلے کئے ہیں لیکن قرآن کا یہ فیصلہ نہیں ہے ۔ اس نے ہر جگہ مرد اور عورت دونوں کا مساویانہ حیثیت سے ذکر کیا ہے اور فضائل و خصائل کے لحاظ سے وہ دونوں میں کسی طرح کی بھی تفریق نہیں کرتا ۔ سورۂ نساء میں جہاں ازدواجی زندگی کے احکام کی تشریح ہے، وہاں صاف صاف تصریح کر دی ہے کہ فضائل و محاسن کے لحاظ سے دونوں یکساں طور پر اپنی اپنی راہیں رکھتے ہیں اور دونوں کے لئے ایک ہی طرح پر فضیلتوں کا دروازہ کھول دیا گیا ہے: للرجال نصیب مما اکتسبوا، و للنساء نصیب مما اکتسبن، واسئلوا اللہ من فضلہ ۔ ان اللہ کان بکل شیء علیما (۴: ۳۲) چنانچہ جس طرح وہ نیک مردوں کے فضائل و مدارج بتلاتا ہے اسی طرح نیک عورتوں کے بھی بتلاتا ہے، اور جس طرح بدعمل مردوں کی برائیاں بتلائی ہیں اسی طرح بدعمل عورتوں کی بھی بتلائی ہیں ۔ کہیں بھی دونوں میں کسی طرح کا امتیاز اس نے جائز نہیں رکھا ہے ۔ مردوں کے لئے اگر فرمایا: التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف و الناھون عن المنکر، والحافظون لحدود اللہ (۹: ۱۲) تو عورتوں کے لئے بھی فرمایا: مسلمات مؤمنات، قانتات، تائبات، عابدات، سائحات (۶۶: ۵) منافقوں کا ذکر کیا، تو صرف مردوں ہی کا نہیں کیا، دونوں جنسوں کا کیا: المنافقون والمنافقات بعضھم من بعض یامرون بالمنکر و ینھون عن المعروف (۹: ۶۷) مومنوں کا ذکر کیا، تو صرف مردوں ہی کا نہیں کیا، دونوں کا کیا: والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض، یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر (۹: ۷۱) مردوں اور عورتوں کی یہ اخلاقی مساوات اس کا عام اسلوب ہے ۔ ہر جگہ تم دیکھو گے کہ وہ دونوں کو ایک ہی صف میں کھڑا کرتا، ایک ہی درجہ میں رکھتا، اور ایک ہی طرح پر ذکر و خطاب کرتا ہے:

الخاطئین ۔ (۲۹) اور پھر اسی طرح مختار و آزاد چھوڑ دیا جس طرح پہلے تھی۔ چنانچہ شہر کی عورتوں کی دعوت، مجلس طرب کی آراستگی، اور حضرت یوسف کی طلبی سب بعد کے واقعات ہیں نیز اس کا اختیار و تصرف اس سے ظاہر ہے کہ قید کرنے کی دھمکی دیتی ہے، اور اسے پورا کر کے دکھا دیتی ہے، گویا بیوی کی بدچلنی کوئی ایسی بات نہ تھی جو عزیز کو استغفری لذنبک کہنے سے زیادہ کسی سرزنش اور مخالفانہ اقدام پر آمادہ کرتی کیونکر ممکن ہے کہ ایک شریف اور معزز آدمی اس بارے میں اس قدر بے حس اور بے پروا واقع ہو؟

لیکن اگر معترضین کے سامنے اس عہد کی مصری معاشرت کی تفصیلات ہوتیں تو اس معاملہ پر انہیں ذرا بھی استغراب نہ ہوتا۔ انہوں نے دو ڈھائی ہزار برس پیشتر کی مصری معاشرت اور اس کے اخلاقی احساسات کو اپنے وقتوں کی معاشرت و احساسات پر قیاس کیا، اور اسی کے مطابق توجیہات کے جامے تراشنے لگے۔

اس بارے میں ہمارے پاس معلومات حاصل کرنے کے دو ذریعے ہیں، ایک براہ راست اسی زمانے سے تعلق رکھتا ہے دوسرا بعد کے عہدوں سے پہلا آثار باقیہ مصر (اجپٹیالوجی) ہے اخوذ ہے۔ دوسرا بعض یونانی تحریرات سے جو سنہ مسیحی سے کچھ عرصہ پیشتر لکھی گئی ہے۔ اور یہ دونوں ذریعے اس بارے میں متفق ہیں کہ اس عہد کی مصری معاشرت کی حالت ٹھیک ٹھیک ویسی ہی تھی جس کی تصویر اس موقعہ پر قرآن نے کھینچ دی ہے یعنی امراء کے طبقہ کی معاشرتی اور ازدواجی حالت عامۃ الناس سے بالکل مختلف تھی۔ ان کی عورتیں اپنے اعمال و تصرفات میں بالکل آزاد تھیں۔ مردوں کے دباؤ میں رہنا پسند نہیں کرتی تھیں ازدواجی زندگی میں بلکہ انہی کا بھاری رہتا اخلاقی حیثیت سے معاملہ نے ایسی صورت اختیار کر لی تھی کہ عصمت و بے عصمتی کا معاملہ عملاً غیر اہم ہو گیا تھا۔ لوگ سب کچھ جانتے تھے اور پھر اسے ناگزیر حالت سمجھ کر برداشت کر لیا کرتے تھے۔ گویا اس اعتبار سے پندرہ سو سال قبل مسیح، مصری سوسائٹی کا حال ٹھیک ٹھیک ویسا ہی تھا، جیسا ایک ہزار سال بعد رومۃ الکبریٰ کے دار الحکومت میں نہیں دکھائی دیتا ہے، اور جس کا نمونہ خود جولیس سیزر کی بیویوں کی زندگی میں ہم دیکھ لے سکتے ہیں انہیں شک و شبہ سے اس لئے بالاتر کہا گیا تھا کہ شک و شبہ کا سب سے بڑا محل انہی کی زندگی تھی! دراصل یونان اور روم کا تمدن اور بہت سی باتوں کی طرح اس بات میں بھی، بابل اور مصر ہی کے نقش قدم پر چلا تھا۔

مصر کی یہ حالت برابر رہی۔ امراۃ العزیز کے عہد سے لے کر کلیوپیٹرا تک وہ صرف نسوانی حسن و جمال ہی میں نہیں بلکہ ازدواجی زندگی کی بے باکیوں اور مطلق العنانیوں میں بھی شہرہ آفاق رہا۔

خود اس سرگذشت میں بھی اس کی اندرونی شہادت موجود ہے۔ عزیز پر جب معاملہ کھل گیا، تو جو بات اس کی زبان پر بے اختیار آ گئی، غور کرو وہ کیا تھی؟ انہ من کیدکن۔ ان کیدکن عظیم (۲۸) ہاں معلوم ہو گیا یہ تم عورتوں کا چرتر ہے۔ تم لوگوں کے چرتر بڑے ہی چرتر ہوتے ہیں! اس سے معلوم ہو گیا کہ اس وقت عورتوں کی نسبت سوسائٹی کے عام خیالات کیا تھے، اور کس طرح یہ بات دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی کہ مکر و فریب میں طاق ہیں ان کے فریب سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا، تو ممکن نہ تھا کہ اس موقعہ پر اس طرح کی بات بے اختیار عزیز کی زبان سے نکل جاتی۔ چرتر جو کچھ بھی کیا تھا اس کی بیوی نے کیا تھا تمام عورتوں نے نہیں کیا تھا۔ لیکن چونکہ وقت کی معاشرتی زندگی عام طور پر ایسی ہی ہو رہی تھی، اس لئے جب ایک عورت کا معاملہ سامنے آیا، تو بے اختیار زبان سے نکل گیا: "تم سب کا یہی حال ہے۔ تمہارے مکر و فریب سے خدا کی پناہ!"

پھر بعد کو جو معاملہ پیش آیا اس سے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس بارے میں وقت کے نسوانی اخلاق کا معیار کیا تھا شہر کی امیرزادیوں نے جونہی یہ خبر سنی کہ ایک عبرانی غلام ایسا طرحدار ہے کہ امراۃ العزیز جان دینے لگی ہے اور وہ قابو میں نہیں آتا، تو بے اختیار اس سے ملنے کی مشتاق ہو گئیں، اور پھر جب مجلس ضیافت آراستہ ہوئی اور یوسف بلائے گئے، تو کوئی نہ تھا جس نے اپنی دلربائیوں اور شیوہ طرازیوں کے بے باکانہ تیروں سے انہیں چھلنی نہ کر دینا چاہا ہو۔ ظاہر ہے کہ سوسائٹی کی عورتوں کا اس طرح بے حجابانہ کھل کھیلنا، اور بغیر کسی جھجک کے ایک پورے مجمع کا اظہار عشق

آج بھی اس کا نمونہ لنڈن اور پیرس کے امراء کی زندگی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ دونوں فریق ایک دوسرے کی حالت جانتے ہیں لیکن اس سے اغماض کرتے ہیں۔ اور اپنی اپنی راہ چلتے رہتے ہیں

دوسرے سے زیادہ ذمہ داری ہو۔

بہرحال یہ بات یاد رہے کہ سورۂ یوسف کی اس آیت سے جو استدلال کیا جا رہا ہے، وہ قطعاً بے اصل ہے، اور جہاں تک عورتوں کے جنسی اخلاق کا تعلق ہے، قرآن میں کہیں کوئی ایسی بات موجود نہیں جس سے مترشح ہوتا ہو گا کہ عورت کی جنس مرد سے فروتر ہے، یا بے عصمتی کی راہوں میں زیادہ مکار اور شاطر ہے۔

امراۃ العزیز کہ

(ن) تورات میں ہے کہ مصر کے جس امیر نے حضرت یوسف کو خریدا تھا، اس کا نام فوطی فار تھا (پیدائش ۳۷: ۳۶) لیکن اس کی بیوی کا نام نہیں لکھا ہے۔ نہیں معلوم ہمارے مفسرین نے کہاں سے یہ بات معلوم کر لی ہے کہ اس کا نام زلیخا تھا؟ بہرحال اس کی کوئی قابل اعتنا اصلیت پائی نہیں جاتی۔ البتہ مفسرین کا یہ بیان بالکل صحیح ہے کہ اس وقت مصر کا حکمران خاندان عمالقہ میں سے تھا۔ یہ عمالقہ وہی ہیں جنہیں مصر کی تاریخ میں ہیکسوس کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے، اور جن کی اصلیت یہ بتائی گئی ہے کہ چرواہوں کی ایک قوم تھی۔ یہ چرواہوں کی قوم مصر میں کہاں سے آئی تھی؟ جدید تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب سے آئی تھی، اور یہ دراصل عربی قبایل عاربہ ہی کی ایک شاخ تھی۔ قدیم قبطی اور عربی زبان کی مشابہت ان کے عرب ہونے کی ایک مزید دلیل ہے۔

حضرت یوسف انتقال

(س) تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف زندگی بھر مصر کے حکمران و مختار رہے، اور جب ان کا آخری وقت آیا تو اپنے بھائیوں اور اپنی اولاد سے کہا: "ایک وقت آئے گا جب خدا تمہیں پھر اسی سرزمین کنعان میں لے جائے گا، جس کا ابراہیم، اسحاق، اور یعقوب سے اس نے وعدہ کیا ہے، تو جب وہ وقت آئے تم میری ہڈیاں اپنے ساتھ لے جانا، اور میرے بزرگوں کے پاس دفن کر دینا۔ چنانچہ ان کے خاندان کے لوگوں نے ان کی نعش میں خوشبو بھری اور ایک صندوق میں محفوظ کر دی (پیدائش ۵۰: ۲۴)

خوشبو بھرنے کا غالباً مطلب یہ ہے کہ مصریوں کے طریقہ کے مطابق ممی کر کے رکھی گئی تھی جب چار سو برس بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا، اور وہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے نکلے، تو انہوں نے حضرت یوسف کی نعش بھی اپنے ساتھ لے لی تھی۔ اس طرح حضرت یوسف کی وصیت کی تعمیل ظہور میں آگئی۔

(ع) سورہ یوسف کے بصائر و حکم کی طرح اس کے مباحث و مسایل کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے لیکن مزید تفصیل کی یہاں گنجایش نہیں۔

ان المسلمین والمسلمات، والمؤمنین والمؤمنات، والقانتین والقانتات والصادقین والصادقات، والصابرین والصابرات، والخاشعین والخاشعات، والمتصدقین والمتصدقات، والصائمین والصائمات، والحافظین فروجھم والحافظات، والذاکرین اللہ کثیرًا والذاکرات، اعد اللہ لھم مغفرۃ واجرًا عظیمًا (۳۳ : ۳۵) یعنی جس طرح مردوں میں مسلم ومومن ہیں، اسی طرح عورتوں میں بھی مسلمہ ومومنہ ہیں، جس طرح مردوں میں قانت مرد ہیں، اسی طرح عورتوں میں بھی قانتہ عورتیں ہیں۔ جس طرح مردوں میں صادق مرد ہیں، اسی طرح عورتوں میں بھی صادقہ عورتیں ہیں، جس طرح مردوں میں اللہ کا خوف رکھنے والے اور بکثرت اس کا ذکر کرنے والے ہیں، اسی طرح عورتوں میں بھی اللہ کا خوف رکھنے والیاں اور بکثرت ذکر کرنے والیاں ہیں، اور پھر جس طرح مردوں میں ایسے پاکباز ہیں کہ نفسانی خواہشوں کے غلبہ سے اپنی حفاظت کرتے ہیں، اسی طرح عورتوں میں بھی ایسی پاکباز ہستیاں ہیں جو اپنی حفاظت سے کبھی غافل نہیں ہوتیں۔ غور کرو، کسی وصف میں بھی تفریق نہیں، کسی فضیلت میں بھی امتیاز نہیں، کسی بڑائی میں بھی عدم مساوات نہیں، پھر کیا ممکن ہے کہ جس قرآن نے مردوں اور عورتوں کی اخلاقی مساوات اس درجہ ملحوظ رکھی ہو، اسی قرآن کا یہ فیصلہ ہو کہ عورتوں کی جنس مردوں کے مقابلہ میں زیادہ بداخلاق ہے؟ اور مرد بڑے پاکباز ہوتے ہیں۔ مگر بدبخت عورتیں جو نفس پرست اور مکار ہیں؟ تفسیر قرآن کی تاریخ کی یہ کیسی بوالعجبی ہے کہ ایک مصری بت پرست کے قول کو اللہ کا فرمان سمجھ لیا گیا، اور اس سے اس طرح استدلال کیا جا رہا ہے۔ گویا عورتوں کی جنسی پستی و بداخلاقی کے لئے کتاب اللہ کا قطعی فیصلہ موجود ہے!

حقیقت یہ ہے کہ اگر پاکبازی وعصمت کے لحاظ سے دونوں جنسوں میں تفریق ہی کرنی ہو تو ہر طرح کی نفس پرستیوں اور مکاریوں کی حیوانیت مرد کے حصہ میں آئے گی، اور ہر طرح کی پاکیوں اور عفتوں کی فرشتگی عورت کے لئے ثابت ہوگی۔ یہ مرد ہی ہے جس کی حیوانیت پر عورت کی فرشتگی شاق گزرتی ہے۔ وہ چاہتا ہے، اسے بھی اپنی ہی طرح کا حیوان بنائے اس لئے اپنے کید عظیم کے سارے فتنے کام میں لاتا اور برائیوں کی ایک ایک راہ سے اسے آشنا کر کے چھوڑتا ہے پھر جب وہ اس کے پیچھے قدم اٹھا دیتی ہے تو اس سے گردن موڑ لیتا ہے، اور کہنے لگتا ہے اس کا کید تو سب سے بڑا کید اور اس کی برائی سب سے بڑی برائی ہے! فی الحقیقت سب سے بڑا کید تو مرد ہی کا کید ہے جو پہلے اسے اپنی کامجوئیوں کا آلہ بناتا ہے، اور جب بن جاتی ہے، تو خود پاک بنتا اور ساری ناپاکیوں کا بوجھ اس معصوم کے سر ڈال دیتا ہے۔

دنیا میں کوئی عورت بری نہ ہوتی اگر مرد اسے برا بننے پر مجبور نہ کرتا۔ عورت کی برائی کتنی ہی سخت اور مکروہ صورت میں نمایاں ہوتی ہو، لیکن اگر جستجو کرو گے تو تہہ میں ہمیشہ مرد ہی کا ہاتھ دکھائی دے گا، اور اگر اس کا ہاتھ نظر نہ آئے تو ان برائیوں کا ہاتھ ضرور نظر آئے گا جو کسی نہ کسی شکل میں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔

تورات میں ہے کہ شجر ممنوعہ کے پھل کھانے کی ترغیب آدم کو حوا نے دی تھی، اس لئے نافرمانی کا پہلا قدم جو انسان نے اٹھایا وہ عورت کا تھا۔ اسی بنا پر یہودیوں اور عیسائیوں میں یہ اعتقاد پیدا ہو گیا کہ عورت کی خلقت میں مرد سے زیادہ برائی اور نافرمانی ہے اور وہی مرد کو سیدھی راہ سے بھٹکانے والی ہے۔ لیکن قرآن نے اس قصہ کی کہیں بھی تصدیق نہیں کی، بلکہ ہر جگہ اس معاملہ کو آدم اور حوا دونوں کی طرف منسوب کیا۔ انہیں جو حکم دیا گیا تھا وہ بھی یکساں طور پر دونوں کے لئے تھا: ولا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظلمین (۲ : ۳۵) اور لغزش بھی ہوئی تو ایک ہی طرح پر دونوں سے ہوئی: فازلھما الشیطن عنھا، فاخرجھما مما کانا فیہ (۲ : ۳۶) شیطان نے دونوں کے قدم ڈگمگائے، اور دونوں کے نکلنے کا باعث ہوا۔ یعنی جو لغزش ہوئی، اس میں یکساں طور پر دونوں کا حصہ تھا۔ یہ بات نہ تھی کہ کسی ایک پر

اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ ٣
مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَاۗءٍ وَّاحِدٍ ۣ
وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰي بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ ٤
قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ڛ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ
الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ٥

کے پھلوں کے جوڑے دو دو قسموں کے اُگا دئے۔ اس نے رات اور دن (کے بتدریج ظاہر ہونے) کا

ایسا قاعدہ بنا دیا کہ دن کی روشنی کو رات کی تاریکی ڈھانپ لیا کرتی ہے، یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لئے کتنی ہی نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرنے والے ہیں! ٣

اور دیکھو زمین میں (طرح طرح کے) ٹکڑے ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے۔ ان میں انگور کے باغ ہیں (غلہ کی) کھیتیاں ہیں کھجور کے درخت ہیں (باہم دگر ملتے جلتے ہوئے اور بعض ایسے کہ ملتے جلتے ہوئے نہیں ہیں) سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں مگر ہم بعض پھلوں کو بعض پر مزہ میں برتری دیتے ہیں یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لئے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں! ٤

اور (اے مخاطب!) اگر تو عجیب بات دیکھنی چاہتا ہے تو (سب سے زیادہ) عجیب بات ان منکروں کا یہ قول ہے کہ "جب ہم (مرنے کے بعد گل سڑ کر) مٹی ہوگئے تو پھر کیا ہم ایک نئی پیدائش لے رہے ہوں گے؟" (یہ بات تو سمجھ میں آتی نہیں!) تو یقین کرو یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار سے انکار کیا اور یہی ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑے ہونگے اور یہی ہیں کہ

اور امر حق ہے لیکن مخاطبین دعوت میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اسے نہیں مانتے، پس ضروری ہے کہ ان کے مقابلہ میں اس کی حقانیت آشکارا ہو جائے۔

پھر اللہ کی ہستی اور آخرت کی زندگی پر برہان حکمت و ربوبیت کا استدلال کیا ہے۔ اور یہ حقیقت واضح کی ہے کہ آسمان و زمین کی ہر چیز کسی ایسی ہستی کی موجودگی کی شہادت دے رہی ہے جس نے جو کچھ بنایا ہے مصلحتوں اور حکمتوں کے ساتھ بنایا ہے اور یہاں کا ذرہ ذرہ اسی کی تدبیر و انتظام سے چل رہا ہے۔

پھر فرمایا ان نشانیوں کا تفکر دلوں میں یقین پیدا کر دیتا ہے کہ انسانی زندگی صرف اتنے ہی کے لئے نہیں ہو سکتی جتنی حیات دنیوی میں نظر آ رہی ہے ضروری ہے کہ کوئی دوسرا مرحلہ بھی پیش آنے والا ہو، اور وہ ایسا ہو کہ مخلوق کو خالق کے حضور میں پیش کر دے

اس آیت میں قدرت و حکمت الٰہی کے تین رتبے بیان کئے ہیں

(ا) سب سے پہلے یہ کہ اجرام سماویہ کو پیدا کیا اور فضا میں پھیلا دیا۔ وہ بلند ہیں لیکن کوئی سہارا نہیں جو انہیں تھامے ہوئے ہو، محض جذب و انجذاب کا قانون ہے، جس کے توازن نے انہیں اپنی اپنی جگہ معلق و قائم رکھا ہے

(ب) یہ ان کی پیدائش تھی لیکن اب ان کے قیام و اجرا کے لئے ضروری تھا کہ احکام و قوانین ہوں اور نافذ ہو جائیں پس اس تمام کائنات ہستی پر اللہ کی فرمانروائی نافذ ہو گئی یعنی اس کا تخت حکومت بچھ گیا، اس کے احکام کے آگے سب جھک گئے:

(ج) یہ احکام و قوانین کس طرح نافذ ہوئے؟ اس طرح کہ سورج اور چاند کو دیکھو احکام الٰہی نے کس طرح انہیں مسخر کر رکھا ہے؟ بال برابر ان کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے ان کی سیر و گردش کے لئے جو میعادیں ٹھہرا دی گئی ہیں ٹھیک

سُورَةُ الرَّعْدِ

مکی - ۴۳ آیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱ الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○
اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
۲ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ○ وَهُوَ
الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ

الف - لام میم را -
(اے پیغمبر) یہ الکتاب (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں اور جو کچھ تیرے پروردگار کی جانب سے تجھ پر نازل ہوا ہے، وہ امر حق ہے (اس کے سوا کچھ نہیں) مگر اکثر آدمی ایسے ہیں کہ (اس پر) ایمان نہیں لاتے
یہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو بلند کر دیا اور تم دیکھ رہے ہو کہ کوئی ستون انہیں تھامے ہوئے نہیں ہے، پھر وہ اپنے تخت (حکومت) پر متمکن ہوا (یعنی مخلوقات میں اس کے احکام جاری ہو گئے) اور سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا کہ ہر ایک اپنی ٹھہرائی ہوئی میعاد تک (اپنی اپنی راہ) چلا جا رہا ہے، وہی (اس تمام کارخانہ خلقت کا) انتظام کر رہا ہے اور (اپنی قدرت و حکمت کی)
نشانیاں الگ الگ کر کے بیان کر دیتا ہے تاکہ تمہیں یقین ہو جائے کہ (ایک دن) اپنے
۲ پروردگار سے ملنا ہے!

اور (دیکھو) وہی ہے جس نے زمین کی سطح پھیلا دی اس میں پہاڑ بنا دیئے، نہریں جاری کر دیں اور ہر طرح

یہ سورت بھی مکی ہے اور خطاب مشرکین مکہ سے ہے -
(۱) تمام مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی دین حق کے بنیادی عقاید کا بیان ہے یعنی توحید، رسالت، وحی، اور جزاء عمل، لیکن خصوصیت کے ساتھ جس بات پر زور دیا گیا ہے اور جو سورت کی تمام موعظت و تذکیر کے لئے مرکز بیان و خطاب ہے، وہ
۱ "حق" اور "باطل" کی حقیقت اور ان کی باہمی آویزش کا قانون ہے چنانچہ سورت کی ابتدا بھی اسی اعلان سے ہوئی ہے کہ والذی انزل الیک من ربک الحق (۱) اور خاتمہ بھی اسی پر ہوا ہے کہ فانما علیک البلاغ و علینا الحساب (۴۰) حق و باطل کے امتیاز کا یہی عالمگیر اور فیصلہ کن قانون ہے۔ جو دعوت قرآنی کی حقانیت اور عدم حقانیت کا فیصلہ کر دے گا۔ اگر پیغمبر اسلام کا اعلان رسالت "حق" ہے تو "حق" کا خاصہ یہی ہے کہ باقی رہے اور فتح مند ہو - اگر باطل ہے تو بلاشبہ باطل کے لئے مٹ جانا اور نامراد ہونا ہے، یہی اللہ کی شہادت ہے جس سے بڑھ کر کوئی فیصلہ کن شہادت نہیں ہو سکتی، اور اب اس شہادت کے ظہور کا انتظار کرنا چاہیے -

(۲) سورت کی ابتدا اس اعلان سے ہوئی ہے کہ قرآن کسی انسانی کی بناوٹ نہیں ہے، اللہ کی جانب سے نازل ہوا ہے،

9 الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ
10 بِالَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۝ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ
اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا
11 فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ
12 السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ

درخت کے پھل دو قسموں کے ضرور ہوتے ہیں مثلاً کھٹے اور میٹھے خوش ذائقہ اور بد ذائقہ۔ اچھی قسم کے اور گری ہوئی قسم کے۔
پھر اس کی حکمت فرمائی کا یہ کرشمہ دیکھو کہ رات دن کا دائمی انقلاب طاری ہوتا رہتا ہے جو نباتات کی روئیدگی اور پختگی کے لئے ضروری تھا۔ جب دن کی تپش انہیں خوب اچھی طرح گرم کر دیتی ہے، تو رات آتی ہے اور زمین کو ڈھانپ لیتی ہے اور اس کی چادر کے تلے وہ خنکی و برودت کی مطلوبہ مقدار حاصل کر لیتے ہیں!
پھر ربوبیت الٰہی کی یہ کار فرمائی دیکھو کہ زمین کی سطح ایک ہے، مگر اس کے مختلف قطعات یکساں نہیں۔ سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، لیکن اپنی روئیدگی اور پیداوار کی مختلف خدمتیں انجام دے رہے ہیں۔ ایک قطعہ میں باغ ہیں، ایک میں کھیت ہیں، ایک میں نخلستان ہیں پھر اگرچہ زمین ایک ہے اور ایک ہی پانی سے ہر قطعہ سیراب ہوتا ہے لیکن ہر درخت کا پھل یکساں نہیں کسی جگہ ایک ہی پھل اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے، کسی جگہ کا ادنیٰ درجہ کا کسی کا مزہ کچھ ہوتا ہے کسی کا کچھ۔
کائنات ہستی کے ان تمام کارخانوں کا اس نگرانی اور دقیقہ سنجی کے ساتھ نافع و کار آمد ہونا، اور مخلوقات کی ضروریات زندگی کا اس عجیب و غریب کار فرمائی کے ساتھ انتظام پانا کیا اس حقیقت کا اعلان نہیں ہے کہ ایک پرورش کنندہ اور مدبر ہستی موجود ہے، اور یہاں جو کچھ ہو رہا ہے کسی مقصد اور منتہیٰ کے لئے ہو رہا ہے؟

9 بڑا بلند مرتبہ!
تم میں کوئی چپکے سے کوئی بات کہے، یا پکار کے کہے رات کی تاریکی میں چھپا ہو، یا دن کی روشنی میں راہ چل رہا ہو، ساری حالتیں اس کے لئے یکساں
10 ہیں (اس کے علم سے کوئی بات مخفی نہیں)
انسان کے آگے اور پیچھے ایک کے بعد ایک آنے والی (قوتیں) ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتی ہیں۔ اللہ کبھی اس حالت کو نہیں بدلتا جو کسی گروہ کو حاصل ہوتی ہے جب تک کہ وہ خود ہی اپنی صلاحیت نہ بدل ڈالے، اور (پھر) جب اللہ چاہتا ہے کسی گروہ کو (اس کی تغیر صلاحیت کی پاداش میں) مصیبت پہنچے، تو (مصیبت پہنچ ہی کر رہتی ہے۔ وہ) کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتی، اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اس کا کارساز
11 ہو۔
وہی ہے جو تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے وہ دلوں میں ہراس بھی پیدا کر دیتی ہے اور امید بھی اور وہی ہے جو بادلوں کو (پانی سے) بوجھل کر دیتا ہے
اور بادلوں کی گرج اس کی ستائش کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کی دہشت سے سرگرم ستائش رہتے

۵ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ
۶ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝
ع ۱ ۷ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝
اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ
۸ بِمِقْدَارٍ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

دوزخی ہوئے، ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے!
اور (اے پیغمبر) یہ تم سے برائی کے لئے جلدی مچاتے ہیں قبل اس کے کہ بھلائی کے لئے خواستگار ہوں۔ حالانکہ ان سے پہلے ایسی سرگزشتیں گزر چکی ہیں جن کی (دنیا میں) کہاوتیں بن گئیں۔ (مگر یہ ہیں کہ عبرت نہیں پکڑتے) تو اس میں شک نہیں کہ تیرا پروردگار لوگوں کے ظلم سے بڑا ہی

۶ درگزر کرنے والا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ تیرا پروردگار سزا دینے میں بڑا ہی سخت ہے!
اور جن لوگوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں "اس آدمی پر اس کے پروردگار کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری؟" حالانکہ تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کر دینے والا ایک رہنما ہے، اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما ہوا ہے۔
(اللہ کے علم کا تو یہ حال ہے کہ وہ) جانتا ہے ہر مادہ کے پیٹ میں کیا ہے (یعنی کیسا بچہ ہے) اور کیوں پیٹ گھٹتے ہیں اور کیوں بڑھتے ہیں (یعنی درجہ بدرجہ شکم مادر میں کیسی کیسی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں) اس کے یہاں ہر چیز کا ایک اندازہ ٹھہرایا ہوا ہے۔ وہ غیب اور شہادت (یعنی غیر محسوس اور محسوس) دونوں کا جاننے والا ہے۔ سب سے

۵ ٹھیک اس کے مطابق چل رہے ہیں۔
پھر اس کے بعد اس معاملہ کی وضاحت کر دی کہ "یدبر الامر" اور یہاں یہی بات بنا استدلال ہے، یعنی یہ سب کچھ جو ہوا اور ہو رہا ہے اس حقیقت کی شہادت ہے کہ یہاں "تدبیر امور کرنے والا ایک ہاتھ موجود ہے" ورنہ ممکن نہ تھا کہ یہ سب کچھ ظہور میں آجاتا اور قائم و جاری رہتا۔ اور اگر تدبیر امور کی قوت کام کر رہی ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ اعمال انسانی کے لئے اس نے کوئی انتظام نہ کیا ہو، اور انسانی زندگی ایک فعل عبث کی طرح رائیگاں جائے؟

۷ (۳) آیت (۲) میں عالم سماویہ کا ذکر کیا تھا۔ آیت (۳) میں فرمایا، زمین کو دیکھو۔ وہ ایک گیند کی طرح مدور اور گول ہے لیکن اسکی سطح کا ہر حصہ ایسا واقع ہوا ہے کہ گولائی محسوس ہی نہیں ہوتی۔ ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے ایک مسطح فرش بچھا ہوا ہو۔ پھر اس میں پہاڑ پیدا کر دیے گئے جن کی چوٹیوں پر برف جمتی اور پگھلتی رہتی ہے، اور اس طرح ان نہروں کی روانی کا سامان ہوتا رہتا ہے جو میدانی زمینوں سے گزرتی ہیں اور انہیں سیراب کرتی رہتی ہیں۔
پھر زمین میں روئیدگی کی کیسی عجیب غریب قوت پیدا کر دی کہ اسکی تمام سطح طرح طرح کی خوش ذائقہ غذاؤں کا خوان نعمت بن گئی ہے؟ ہر طرح کے پھلوں کے درخت ہیں ہر طرح کے دانوں کی فصلیں ہیں۔ سب میں دو دو قسموں اور جوڑوں کا قانون کام کر رہا ہے اس اعتبار سے بھی کہ نباتات کی کوئی قسم نہیں جس میں حیوانات کی طرح نر اور مادہ کی جنسی تقسیم نہ ہو اور اس اعتبار سے بھی کہ ہر

غیر

قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلۡ اَفَاتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ لَا يَمۡلِكُوۡنَ لِاَنۡفُسِهِمۡ نَفۡعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلۡ
هَلۡ يَسۡتَوِى الۡاَعۡمٰى وَالۡبَصِيۡرُ ۙ اَمۡ هَلۡ تَسۡتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوۡرُ ۚ اَمۡ جَعَلُوۡا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوۡا
۱۶ كَخَلۡقِهٖ فَتَشَابَهَ الۡخَلۡقُ عَلَيۡهِمۡ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّهُوَ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ○ اَنۡزَلَ
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌ ۢ بِقَدَرِهَا فَاحۡتَمَلَ السَّيۡلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا

پ۱۵ - ادھر ہو جایا کرتے ہیں) اور اُسی کے آگے جھکے ہوئے

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے پوچھو آسمانوں کا اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ تم کہو "اللہ ہے اس کے سوا کوئی نہیں" پھر ان سے کہو "جب وہی پروردگار ہے تو پھر یہ کیا ہے کہ تم نے اس کے سوا دوسروں کو اپنا کارساز بنا رکھا ہے جو خود اپنی جانوں کا نفع نقصان بھی اپنے اختیار میں نہیں رکھتے؟" نیز ان سے کہو کیا اندھا اور دیکھنے والا، دونوں برابر ہیں؟ یا ایسا ہو سکتا ہے کہ اندھیرا اور اجالا برابر ہو جائے؟ یا پھر یہ بات ہے کہ ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے بھی اسی طرح مخلوقات پیدا کی جس طرح اللہ نے پیدا کی ہے، اور اس لئے پیدا کرنے کا معاملہ ان پر مشتبہ ہو گیا (کہ صرف اللہ ہی کے لئے نہیں ہے۔ دوسروں کے لئے بھی ہو سکتا ہے؟) تم ان سے کہو "اللہ ہی ہے جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے" اور وہ (اپنی ساری باتوں میں) یگانہ ہے سب کو مغلوب رکھنے والا!"

۱۶ اس نے آسمان سے پانی برسایا تو اپنی سمائی کے مطابق وادیاں بہہ نکلیں اور میل کچیل سے جھاگ بن کر پانی کی سطح پر اٹھا، تو سیلاب کی رو اسے بہا لے گئی۔ اور دیکھو اسی طرح کا جھاگ (میل کچیل سے) اس وقت بھی اٹھتا ہے جب لوگ زیور یا

ہے، لیکن منکرین حشر کی عقل و بینش کا یہ حال ہے کہ انہیں کہا جا رہا ہے، زندگی صرف اتنی ہی نہیں ہے، اور وہ ہیں کہ حیران ہو کر کہتے ہیں جب مر گئے اور گل سڑ کر مٹی ہو گئے تو کیا پھر زندگی کا ایک نیا جامہ مل جائے گا۔؟

(۵) آیت ۶ میں انکار وجحود کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انسان بھلائی کی جگہ برائی کے لئے جلدی مچانے لگتا ہے یعنی کہنے لگتا ہے، اگر انکار و بدعملی کا برا نتیجہ نکلنے والا ہے تو وہ نتیجہ کہاں ہے؟ کیوں پیش نہیں آجاتا؟ فرمایا اس لئے کہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور درگزر کرنے والا ہے پس فوراً نتیجہ بد پیش نہیں آجاتا۔ مہلتوں پر مہلتیں دی جاتی ہیں لیکن جب وقت آجائے، تو وہ شدید العقاب بھی ہے کیونکہ پاداشِ عمل کبھی ٹلنے والی نہیں اور نہ کسی طرح کی نرمی کرنے والی ہے۔

(۶) انسان کی ایک عالمگیر گمراہی یہ رہی ہے کہ وہ سچائی کو سچائی میں نہیں ڈھونڈھتا بلکہ دوسری چیزوں میں تلاش کرتا ہے، انا نجملہ یہ کہ اچنبھوں اور عجائب کاریوں کو سچائی کی دلیل سمجھتا ہے اور خیال کرتا ہے سب سے زیادہ سچا انسان وہ ہے جو سب سے زیادہ عجیب وغریب ہو!

قرآن نے جن بنیادی گمراہیوں کا ازالہ کیا من جملہ ان کے ایک گمراہی یہ ہے اس نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ دعوتِ حق شناخت خود دعوت ہے، نہ کہ عجائب غرائب کا ظہور جسے لوگوں نے دلیل صداقت سمجھ رکھا تھا۔

آیت (۷) میں فرمایا۔ یہ لوگ کہتے ہیں، عجیب غریب قسم کی نشانیاں اس شخص کے لئے کیوں ظاہر نہیں ہوتیں؟ لیکن وہ نہیں جانتے کہ انبیاء کا ظہور عجائب نمائیوں کے لئے نہیں ہوتا۔ ہدایت خلق کے لئے ہوتا ہے جس طرح دنیا کی ہر قوم میں ایک ہدایت کرنے والا انسان پیدا ہو چکا ہے اسی

۱۳ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۭ
وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ
۱۴ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۭ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ
السجدة ۱۵ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

ہیں۔ وہ بجلیاں گراتا ہے اور جسے چاہتا ہے ان کی زد میں لے آتا ہے لیکن یہ منکر ہیں کہ (اللہ کی قدرت و حکمت کی ان ساری نشانیوں سے آنکھیں بند کئے ہوئے) اس (کی ہستی و یگانگت) کے بارے

۱۳ میں جھگڑ رہے ہیں۔ حالانکہ وہ (اپنی قدرت میں) بڑا ہی سخت اور اٹل ہے!

اسی کو پکارنا سچا پکارنا ہے جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں، وہ پکارنے والوں کی کچھ نہیں سنتے۔ ان کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک آدمی (پیاس کی شدت میں) دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے کہ بس (اس طرح کرنے سے) پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے گا، حالانکہ وہ اس تک پہنچنے والا نہیں (اور یقین کرو) منکرین حق کی پکار اس کے سوا کچھ نہیں کہ ٹیڑھے رستوں میں بھٹکتے پھرنا!

اور آسمانوں میں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے اللہ ہی کے آگے سجدہ میں گرا ہوا ہے (یعنی اللہ کے احکام و قوانین کے آگے جھکے بغیر اسے چارہ نہیں) خوشی سے ہو یا مجبوری سے۔ اور ان کے سائے صبح و شام (کس طرح گھٹتے بڑھتے اور کبھی ادھر کبھی

(۱۴) آیت (۵) میں فرمایا کائنات ہستی کی ہر بات یقین دلا رہی ہے کہ یہ کارخانہ تدبیر و حکمت، بغیر کسی مصلحت و مقصد کے نہیں ہو سکتا، اور ضروری ہے کہ انسان کی زندگی صرف اتنی ہی نہ ہو کہ پیدا ہوا، کھایا پیا، اور فنا ہو گیا، بلکہ اس کے بعد بھی کچھ نہ ہونے والا ہو۔ ورنہ تدبیر و مصلحت کا سارا کارخانہ باطل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر اس پر بھی لوگوں کی غفلت کا یہ حال ہے کہ حیات آخرت کی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی، تو اس سے زیادہ کونسی بات عجیب ہو سکتی ہے؟ عجب بات یہ نہیں ہے کہ مرنے کے بعد پھر انسان پر ایک دوسری زندگی طاری

۱۴ ہو گی، کیونکہ اس کی شہادت تو دنیا کی ہر چیز دے رہی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ انسان صرف حیات دنیوی پر قانع و مطمئن ہو جائے، اور سمجھ لے، اس کی پیدائش سے جو کچھ مقصود تھا، وہ صرف اتنا ہی تھا کہ ایک مرتبہ پیدا ہوا اور کچھ دنوں کھا پی کر مر گیا!

عقل و بینش کا مقتضا تو یہ تھا کہ اگر کہا جاتا یہ زندگی صرف دنیا ہی کی زندگی ہے، تو طبیعتیں کسی طرح مطمئن نہ ہو سکتیں، اور شک و شبہ میں پڑ جاتیں کہ کیا ایسا ہو

ﻟﻪ پانی کو مٹھی میں لینا چاہو تو وہ کسی جمی ہوئی چیز کی طرح کبھی مٹھی میں نہیں آئے گا اس لئے عربی میں کہتے ہیں فلاں آدمی قبض علی الماء کی کوشش کرتا ہے یعنی ایسی بات کے درپے ہے جو ملنے والی نہیں۔ اردو میں بھی کہتے ہیں پانی مٹھی میں بند کرنا چاہتا ہے۔ یہیں یہاں فرمایا۔ جو لوگ اپنے بنائے ہوئے معبودوں کو پکارتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پیاسا مٹھی میں پانی بند کرنا چاہے، حالانکہ یہ بات ہونے والی نہیں۔ وہ کتنی ہی مرتبہ پانی کو مٹھی میں لے گا پانی ٹکے گا نہیں، اور اس کے لب تشنہ کے تشنہ ہی رہ جائیں گے۔

۱۹ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنقُضُونَ
۲۰ الْمِيثَاقَ ۝ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ
۲۱ سُوءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا
۲۲ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝
جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَن صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ

یعنی اصل اس بارے میں خود انسان کا عمل ہے، وہ جیسی حالت چاہے اپنے عمل اور صلاحیت عمل سے حاصل کر لے سکتا ہے۔ اگر ایک قوم بدحال ہے اور وہ اپنے اندر ایسی تبدیلی پیدا کر لیتی ہے جس سے خوش حالی پیدا ہو سکتی ہے تو خدا کا قانون یہ ہے کہ یہ تبدیلی فوراً اس کی حالت بدل دے گی اور بدحالی کی جگہ خوش حالی میں آجائے گی اسی طرح خوشحالی سے بدحالی کا تغیر بھی سمجھ لو۔

پھر فرمایا جب ایک قوم نے اپنی عملی صلاحیت کھو دی اور اس طرح تبدیلی حالت کی مستحق ہو گئی، تو ضروری ہے کہ اسے برائی پہنچے، یہ برائی کبھی ٹل سکتی نہیں۔ کیونکہ یہ خود خدا کی جانب سے ہوتی ہے جیسی اس کے ٹھہرائے ہوئے قانون کا نفاذ ہوتا ہے، اور خدا کے قانون کا نفاذ کون ہے جو روک سکے، اور کون ہے جو کسی کو اس کی زد سے بچا سکے؟

(۸) لیکن یہ برائی جو پہنچتی ہے، تو کیا اس لئے پہنچتی ہے کہ اس نے برائیوں کا سامان کر دیا ہے؟ آیت ۱۲ میں فرمایا کہ نہیں اس نے تو جو کچھ بھی کیا ہے وہ سراسر اچھائی اور خوبی کے اور کچھ نہیں ہے لیکن اچھائی اور خوبی کی بڑی سے بڑی بات بھی تمہاری عاجزی اور درماندہ نگاہوں کے لئے خوف و دہشت کی ہولناکی بن جاتی ہے تم اپنی حالت اور اضافت کے لحاظ سے سمجھنے لگتے ہو کہ برائی ہے، اور تمہارے لئے برائی ہو بھی جاتی ہے لیکن اس لئے نہیں کہ وہ فی نفسہ برائی ہے بلکہ اس لئے کہ تمہاری حالت اور اضافت کے لحاظ سے برائی ہو گئی:

کفر ہم نسبت بہ خالق حکمت است
چوں بما نسبت کنی، کفر آفت است

یہ مقام تشریح طلب ہے، اور تشریح کے لئے تفسیر فاتحہ کا مبحث "برہان رحمت" دیکھنا چاہئے۔

چنانچہ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے ایک ایسی مثال بیان کی جو ہر انسان کے علم و مشاہدہ میں ہمیشہ آتی رہتی

اتری ہے حق ہے اور وہ جو (اس حقیقت کے
مشاہدہ سے) اندھا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ وہی
۱۹ لوگ سمجھتے بوجھتے ہیں جو دانشمند ہیں!
یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ کے ساتھ اپنا عہد
(عبودیت) پورا کرتے ہیں اپنا قول و قرار توڑنے
۲۰ والے نہیں!
یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے جن رشتوں کے جوڑنے
کا حکم دیا، انہیں جوڑے رکھتے ہیں اپنے پروردگار سے
ڈرتے ہیں حساب کی سختی کے خیال سے اندیشہ ناک
۲۱ رہتے ہیں!
اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے محبت
کرتے ہوئے (ہر طرح کی ناگواریوں اور سختیوں
میں) صبر کیا، نماز قائم کی جو کچھ روزی انہیں
دے رکھی ہے اس میں سے خرچ کرتے رہے پوشیدگی
میں بھی اور کھلے طور پر بھی انہوں نے برائی کے
۲۲ مقابلہ میں برائی نہیں کی جب پیش آئے اچھائی
ہی سے پیش آئے۔ تو بلاشبہ یہی لوگ ہیں کہ ان کے
لئے عاقبت کا گھر ہے ہمیشگی کے باغ جن میں وہ خود
بھی داخل ہونگے اور ان کے آباؤ اجداد، بیویوں
اور اولاد میں سے جو نیک کردار ہونگے وہ بھی جگہ

يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَ
الْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ
يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۝ؕ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؔ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا ۱۷ وقف النبی علیہ السلام
لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ
وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ؑ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۱۰ ع ۱۱/۲ ۸ النصف

کوئی اور چیز بنانے کے لئے (دھاتوں کو) آگ میں تپاتے ہیں۔ حق اور باطل کے معاملہ کی مثال ایسی ہی سمجھو جو اللہ بیان کر دیتا ہے۔ پس (میل کچیل کا) جھاگ (جو کسی کام کا نہ تھا) رائیگاں گیا، اور جس چیز میں انسان کے لئے نفع تھا وہ زمین میں رہ گئی۔ اسی طرح اللہ (لوگوں کی سمجھ بوجھ کے لئے) مثالیں بیان کر دیتا ہے!

جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا حکم قبول کیا تو ان کے لئے سرتاسر خوبی ہے۔ جنہوں نے قبول نہیں کیا، (ان کے تمام اعمال رائیگان جائینگے۔ وہ نامرادی و بدحالی سے کسی طرح بچ نہیں سکتے) اگر کرۂ ارضی کی تمام دولت ان کے اختیار میں آ جائے اور اسے دوگنا کر دیا جائے، تو یہ لوگ اپنے بدلہ میں ضرور اسے بطور فدیہ کے دیدیں (کہ کسی طرح عذاب نامرادی سے بچاؤ ملجائے، مگر انہیں ملنے والا نہیں) یہی لوگ ہیں جن کے لئے حساب کی سختی ہے اور ٹھکانا جہنم، اور (جس کا ٹھکانا جہنم ہو تو) کیا ہی برا ٹھکانا ہے!

(اے پیغمبر!) کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ دونوں آدمی برابر ہو جائیں؟ وہ جو یہ بات جان گیا ہے کہ جو بات تجھ پر تیرے پروردگار کی جانب سے اتری

طرح تم بھی ہدایت کے لئے ظاہر ہوئے ہو۔ تمہارا دعوی یہ نہیں ہے کہ میں اچنبھے دکھانے کے لئے آیا ہوں۔ دعوی یہ ہے کہ ہدایت کی راہ دکھانے آیا ہوں۔ پس طالب حق کو دیکھنا چاہئے کہ تمہاری زندگی تمہاری تعلیم تمہارا طور طریقہ واقعی ہدایت کا ہے یا نہیں ہے؟

یہی بات آگے چل کر آیت (۲۸) میں بھی فرمائی ہے اور وہاں زیادہ وضاحت ہوگئی ہے۔ فرمایا۔ الذین آمنوا و تطمئن قلوبهم بذکر الله۔ جو ایمان لائے ہیں وہ تو اس طرح پائے ہیں کہ ذکر الٰہی سے ان کے دلوں کو قرار مل گیا۔ تمام شکوک دور
ہوگئے۔ انہیں اسکی ضرورت نہ ہوئی کہ اچنبھوں کی فرمائش ۱۷
کرتے۔

پھر آیت ۸ میں فرمایا اللہ کے علم سے کوئی بات اور کوئی حالت پوشیدہ نہیں، اور اس نے ہر بات کے لئے ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے۔ اس سے باہر کوئی بات نہیں جا سکتی۔ پس وہ تمہاری نیتوں اور خیالوں سے بے خبر نہیں۔ اس نے ہدایت و شقاوت کے معاملہ کے لئے بھی اندازے ٹھہرائے ہیں۔ جو ہدایت پائیگا اسی کے مطابق پائے گا، جو نہیں پائے گا، اسی کے مطابق نہیں پائے گا۔

(۷) ہدایت و شقاوت کا یہ اندازہ یعنی مقررہ قانون کیا ہے؟ آیت (۱۱) میں فرمایا عمل اور صلاحیت عمل کا قانون ہے۔ یہی ایک کے بعد ایک آنے والی قوتیں ہیں جو حکم الٰہی سے
انسان کی حفاظت کرتی ہیں۔ یہ اس کے گزشتہ اعمال ۱۸
ہیں۔ جن سے اس کا حال پیدا ہوتا ہے، اور حال کے اعمال ہیں جو اس کا مستقبل بناتے ہیں۔

پھر اسکی تشریح کرتے ہوئے فرمایا، خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا، جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدل ڈالے۔

٢٨ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝ الَّذِينَ
٢٩ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ ۝ كَذَٰلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ
قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهَا أُمَمٌ لِّتَتْلُوَ عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ
٣٠ بِالرَّحْمَٰنِ ۚ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ ۝ وَلَوْ أَنَّ
قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْأَرْضُ

(جو اس کی طرف رجوع ہوئے تو یہ) وہ لوگ (ہیں) کہ ایمان لائے، اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوگئے اور یاد رکھو یہ اللہ کا ذکر ہی ہے جس سے دلوں کو چین اور قرار ملتا ہے (اور شک و شبہ اور خوف و غم کے سارے کانٹے نکل جاتے
٢٨ ہیں!)
جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے تو ان کے لئے خوش حالیاں ہیں، اور (بالآخر) بہت
٢٩ اچھا ٹھکانا!
اور (اے پیغمبر!) اسی طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے تجھے ایک امت کی طرف بھیجا جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں (اور ان سب میں سچائی کے پیغام پر اپنے اپنے وقتوں میں ظاہر ہو چکے ہیں) اور اس لئے بھیجا کہ جو بات تجھ پر اتاری ہے وہ ان لوگوں کو پڑھ کر سنائے اور ان کا حال یہ ہے کہ سرے سے خدائے رحمٰن ہی کے قائل نہیں تم (ان سے) کہدو وہی میرا پروردگار ہے کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا۔
٣٠ اور اسی کی طرف میں رجوع ہوتا ہوں!
اور (دیکھو) اگر ایسا ہو سکتا کہ کسی قرآن سے پہاڑ چلنے لگتے، یا زمین کی (بڑی بڑی) مسافتیں طے

(۹) قرآن کا عام اسلوب بیان یہ ہے کہ توحید ربوبیت و خالقیت سے توحید الوہیت پر استدلال کرتا ہے چنانچہ یہاں بھی آیت ۱۴ سے سلسلۂ بیان اسی طرف پھر گیا ہے۔ فرمایا عبودیت کی سچی پکار وہی ہے جس کا خطاب اللہ سے ہو۔ جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مٹھی میں پانی بند کرنا چاہے اور اسے اپنے تشنہ لبوں تک لے جانا چاہے۔ معلوم ہے کہ وہ اپنی کوشش میں کبھی کامیاب ہوگا۔ اسکی کوششیں بھٹک بھٹک کر رہ جائیں گی!

آیت ۱۵ میں فرمایا۔ تمام مخلوقات اسی کے آگے چار و ناچار جھکی ہوئی ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے، لیکن ہر آنکھ دیکھ لے سکتی ہے کہ حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں۔ تم جو احکام الٰہی سے سرتابی کرنی چاہتے ہو خود اپنے سائے ہی کو دیکھ لو۔ جو انداز اس بارے میں بنا دیا گیا ہے اس سے کبھی وہ باہر نہیں جا سکتا صبح کو چڑھتی دھوپ میں اس کا ایک خاص ڈھنگ ہوتا ہے۔ شام کو ڈھلتی دھوپ میں ایک خاص ڈھنگ اگر غور کرو تو قدرت الٰہی کے احکام و قوانین کے آگے ٹھیک اسی طرح تمہاری ہستیاں بھی مسخر ہیں خواہ تمہیں اقرار ہو خواہ انکار۔

(۱۰) آیت ۱۷ امہات معارف میں سے ہے، اور سورت کے تمام مواعظ کے لئے مرکزی موعظت ہے۔ فرمایا۔ یہ جو کچھ بھی ہے "حق" اور "باطل" کی آویزش ہے، لیکن "حق" اور "باطل" کی حقیقت کیا ہے؟ کونسا قانون الٰہی ہے جو اس کے اندر کام کر رہا ہے؟ یہاں واضح کیا ہے کہ یہ "بقاء انفع" کا قانون ہے یعنی اللہ نے کائنات ہستی کے قیام و اصلاح کے لئے یہ قانون ٹھہرا دیا ہے کہ یہاں وہی چیز باقی رہ سکتی ہے جس میں نفع ہو جس میں نفع نہیں وہ ٹھیر نہیں سکتی، اسے نابود ہو جانا ہے

۲۱ ۲۴ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ
عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ
۲۵ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوْا
۲۶ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ
عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝

۲۴ ہے فرمایا. بجلی کا چمکنا مایوسیوں کے لئے پیام امید ہوتا ہے
اگر نہ چمکے تو بارانِ رحمت کے ظہور کا پیغام بھی نہ ملے لیکن
تمہارے لئے یہ معاملہ خوف و امید کا معاملہ بن گیا. بارش کی
۲۴ امید سے خوش ہوتے ہو لیکن ساتھ ہی بجلی کی تیزی سے ڈرنے
بھی لگتے ہو، پھر وہی بجلی جو زمین کے لئے زندگیوں کا پیام ہے
جب کسی انسان پر گرتی ہے تو اس کے لئے موت کا پیام بن
جاتی ہے، اسی طرح بادل کا گرجنا تمہارے لئے سرتاسر وحشت
و ہولناکی ہے، حالانکہ وہ فی الحقیقت ہولناکی نہیں ہے
سرتاسر خدا کی محمودیت کا اعلان ہے وہ گرج گرج کر اسکی
ستائشوں کا اعلان کرتا، اس کی تقدیس و تسبیح میں رطب
۲۵ اللسان ہوتا ہے. فرشتے اس کے خوف سے نہیں ڈرتے
خدا کے خوف سے ترساں رہتے ہیں مگر تمہارے لئے وہ کائنات
جو کی سب سے بڑی ہولناکی ہو گئی ہے!

"وھم یجادلون فی اللہ" یعنی اللہ کی قدرت و
حکمت کی یہ نشانیاں ہمیشہ انسان کے علم و مشاہدہ میں
آتی رہتی ہیں، اس پر بھی اسکی غفلت کا یہ حال ہے کہ
اللہ کی ہستی اور اس کی یگانگت کے بارے میں ہمیشہ جھگڑتا
رہتا ہے. گویا یہ حقیقتیں ثابت نہیں، یہ نشانیاں کبھی ظہور
۲۰ ہی میں نہیں آئیں!۔

پائینگے اور (وہاں کی زندگی ایسی ہوگی کہ) ہر دروازے سے فرشتے اتر آئینگے اور کہینگے "یہ جو تم نے (دنیا کی زندگی میں) صبر کیا، تو اس کی وجہ سے (آج) تم پر سلامتی ہو" پھر کیا ہی اچھا عاقبت کا ٹھکانا ہے جو ان لوگوں کے حصہ میں آیا!

اور جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کا عہد مضبوط کرنے کے بعد پھر اسے توڑ دیتے ہیں اور جن رشتوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں قطع کر ڈالتے ہیں اور ملک میں شر و فساد برپا کرتے ہیں تو ایسے ہی لوگ ہیں کہ ان کے لئے لعنت ہے اور ان کے لئے بُرا ٹھکانا ہے

اللہ جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے (جس کی چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے، لوگ دنیا کی (چندروزہ) زندگی (اور اس کے عارضی فواید) پر شادمانیاں کرتے ہیں. حالانکہ دنیا کی زندگی تو آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے، محض تھوڑا سا برت لینا ہے!

جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے، وہ کہتے ہیں "ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس شخص پر اس کے
پروردگار کی طرف سے کوئی (عجیب و غریب) نشانی اترتی؟" (اے پیغمبر!) تم کہدو، اللہ جسے
چاہتا ہے (کامیابی و سعادت کی) راہ میں گم کر دیتا ہے، اور جو اس کی طرف رجوع ہوتا ہے تو
۲۷ اسے اپنی طرف بڑھنے کی راہ دکھا دیتا ہے"

۳۲ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ
قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ
۳۳ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ لَهُمْ عَذَابٌ
۳۴ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِىْ وُعِدَ

مقررہ قانون کے مطابق) پہلے انہیں ڈھیل دی پھر گرفتار
کر لیا تو دیکھو ہمارا ٹھہرایا ہوا بدلہ کیسا تھا اور کس طرح
۳۲ ظہور میں آیا؟
پھر جس ہستی کے علم و احاطہ کا یہ حال ہے کہ ہر
جان پر نگاہ رکھتی ہے کہ اس نے اپنے عملوں سے
کیسی کمائی کی؟ (وہ کیا ان ہستیوں کی طرح سمجھ لی جا
سکتی ہے جنہیں ان لوگوں نے معبود بنا رکھا ہے؟) اور
انہوں نے اللہ کے لئے شریک ٹھہرا رکھے ہیں (اے پیغمبر!)
ان سے پوچھو وہ کون ہے؟ ان کے اوصاف بیان کرو
یا پھر تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دینی چاہتے ہو جو خود
اسے بھی معلوم نہیں کہ زمین میں کہاں ہے؟ یا پھر
محض ایک کھوٹے کی بات ہے جس کی تہ میں
کوئی اصلیت نہیں"؟ اصل یہ ہے کہ منکروں کی
نگاہوں میں ان کی مکاریاں خوشنما بن گئیں اور
راہ حق میں قدم اٹھانے سے رک گئے اور جس پر
(اللہ کامیابی کی) راہ بند کر دے تو کون ہے جو اسے
۳۳ راہ دکھانے والا ہو سکتا ہے؟
ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے اور آخرت
میں بھی اور آخرت کا عذاب یقیناً بہت زیادہ سخت ہوگا
۳۴ اور کوئی نہیں جو انہیں اللہ کے قوانین کی پکڑ سے بچا سکے!
متقی انسانوں کے لئے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے

کہا کیونکہ صالح وہی ہے جو نافع ہو۔ کارخانہ ہستی کی فطرت میں بناؤ
اور تکمیل ہے' اور تکمیل جبھی ہو سکتی ہے جبکہ صرف نافع اشیاء
ہی باقی رکھی جائیں غیر نافع چھانٹ دی جائیں۔
یہی حقیقت ہے جسے قرآن نے جا بجا "قضا بالحق" سے بھی
تعبیر کیا ہے یعنی حق کا فیصلہ مزید تشریح کے لئے تفسیر فاتحہ
کا مطالعہ کرنا چاہئے۔
پھر آیت ۱۸ میں وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔ اسی قانون
کا یہ نتیجہ ہے کہ جو لوگ احکام حق قبول کرتے ہیں ان کے لئے
خوبی ہوتی ہے' جو نہیں کرتے ان کے لئے محرومی ہوتی ہے
کیونکہ جنہوں نے قبول کیا' ان کے اعمال نافع ہو گئے۔ اب
نافع عمل مٹ نہیں سکتا۔ جنہوں نے انکار کیا وہ غیر نافع ہو گئے
غیر نافع باقی نہیں رہ سکتا۔
(۱۱) آیت ۱۹ میں فرمایا: جسے حق کا علم و عرفان حاصل ہو
گیا اور جس نے جان لیا کہ یہ بات سچائی ہے۔ یہ سچائی نہیں
کیا اس کا اور جس آدمی کا ایک ہی حکم ہو سکتا ہے۔ جو تاریکی میں
ہے اور حق کے مشاہدے سے اندھا ہو رہا ہے؟ یعنی پہلا تو علم و
بصیرت پیش کر رہا ہے دوسرے کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں
کہ کہتا ہے کہ مجھے دکھائی نہیں دیتا۔ پہلے کی جگہ علم کی ہوئی
دوسرے کی جہل و کوری کی ہوئی۔ دونوں کیسے برابر ہو سکتے
ہیں؟ انما یتذکر اولوا الالباب نصیحت پذیر وہی ہو سکتے ہیں جو
اصحاب دانش ہیں جنہوں نے دانش و فہم سے منہ موڑ لیا' ان سے کوئی توقع نہیں۔
(۱۲) اس کے بعد ان لوگوں کے اعمال گنائے ہیں جنہوں
نے احکام حق قبول کئے' اور دنیا کے لئے نافع ہو گئے یہ اعمال
کیا کیا ہیں؟
(ا) اللہ کی بندگی کا عہد پورا کرتے ہیں اپنی عبودیت
میں سچے اور کامل ہیں۔
(ب) اللہ نے جو رشتے جوڑے ہیں' انہیں ظلم و ناانصافی
سے توڑتے نہیں' بلکہ ہر رشتہ کا پاس کرتے' اور ہر علاقہ
کا حق ادا کرتے ہیں۔ اس عمل میں تمام حقوق العباد آگئے'

اَوْ کُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا ؕ اَفَلَمْ یَایْـَٔسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ
لَهَدَى النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ لَا یَزَالُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا تُصِیْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا
۳۱ ع مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۠ وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ
مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَیْتُ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ

اس نازک اور دقیق حقیقت کے لئے کیسی صاف اور عامۃ الورود مثال بیان کردی جس کے معائنہ سے کوئی انسانی نگاہ بھی محروم نہیں ہوسکتی؟ فرمایا جب پانی برستا ہے اور زمین کے لئے شادابی و گل ریزی کا سامان مہیا ہونے لگتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ تمام وادیاں نہروں کی طرح رواں ہوجاتی ہیں لیکن پھر کیا تمام پانی رک جاتا ہے؟ کیا میل کچیل اور کوڑا کرکٹ اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہتے ہیں؟ کیا زمین کی گود ان کی حفاظت کرتی رہتی ہے؟ نہیں زمین کو اپنی نشو ونما کے لئے جس قدر پانی کی ضرورت ہوتی ہے وہ جذب کرلیتی ہے، ندی نالوں میں جس قدر سمائی ہوتی ہے اتنا پانی وہ روک لیتے ہیں باقی پانی جس تیزی کے ساتھ گرا تھا، ویسی ہی تیزی سے بہہ بھی جاتا ہے میل کچیل کوڑا کرکٹ جھاگ بن بن کر سمٹتا اور ابھرتا ہے پھر پانی کی روانی اُسے اس طرح اٹھا لے جاتی ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد وادی کا ایک ایک گوشہ دیکھ جاؤ۔ کہیں اس کا نام و نشان بھی نہیں ملے گا!

اسی طرح جب چاندی سونا یا اور کسی طرح کی دھات آگ پر تپاتے ہو تو کھوٹ الگ ہوجاتا ہے خالص دھات الگ نکل آتی ہے۔ کھوٹ کے لئے نابود ہوجانا ہے، خالص دھات کے لئے باقی رہنا۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس لئے کہ یہاں بقاء انفع کا قانون کام کر رہا ہے یہاں باقی رہنا اسی کے لئے ہے جو نافع ہو، جو نافع نہیں وہ چھانٹ دیا جائے گا۔ یہی حقیقت "حق" اور "باطل" کی ہے "حق" وہ بات ہے جس میں نفع ہے پس وہ کبھی مٹنے والی نہیں۔ ٹکنا، ثابت ہونا، باقی رہنا، اس کا قدرتی خاصہ ہے اور "حق" کے معنی ہی قیام و ثبات کے ہیں۔ لیکن "باطل" وہ ہے جو نافع نہیں اس لئے اس کا قدرتی
۳۱ خاصہ ہی یہ ہوا کہ مٹ جائے، محو ہوجائے، ٹل جائے۔ ان الباطل کان زھوقا!

اسی حقیقت کا ایک گوشہ ہے جسے ہم نے "بقاء اصلح" کی شکل میں دیکھا ہے، لیکن قرآن نے "اصلح" نہیں کہا "انفع"

ہوجاتیں یا مُردے بول اُٹھتے (تو ضرور اس قرآن سے بھی ایسا ہی ہوتا) مگر نہیں ساری باتوں کا اختیار اللہ ہی کو ہے (اور اس کی یہ سنت نہیں کہ ایسا کرے وہ اپنا کلام ارشاد و ہدایت کے لئے نازل کرتا ہے۔ نہ کہ عجائب آفرینیوں کے لئے) پھر جو لوگ ایمان لائے ہیں کیا وہ (اس بات سے) مایوس نہیں ہوگئے کہ (نہ ماننے والے کبھی ماننے والے نہیں؟ کیا انہوں نے یہ بات نہیں پالی کہ) اگر اللہ چاہتا تو تمام انسانوں کو (ایک ہی) راہ حق دکھا دیتا؟ (مگر اس نے ایسا نہیں چاہا۔ اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ یہاں استعداد و عمل کی آزمائشیں ہوں) اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے (وہ یوں ماننے والے نہیں) انہیں ان کے کرتوتوں کی پاداش میں کوئی نہ کوئی سخت عقوبت پہنچتی ہی رہے گی، یا ایسا ہوگا کہ ان کے ٹھکانے کے قریب ہی آنازل ہوگی یہاں تک کہ وہ وقت آجائے جب اللہ کا وعدہ ظہور میں آنے والا ہے۔ بلاشبہ (اس کا وعدہ سچا ہے) وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا!

اور (اے پیغمبر!) تجھ سے پہلے بھی ایسا ہی ہوچکا ہے کہ پیغمبروں کی ہنسی اڑائی گئی، اور ہم نے (اپنے

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً ۚ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن
۳۸ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ۝ يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِندَهُ أُمُّ
۳۹ الْكِتَابِ ۝ وَإِن مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا
۴۰ الْحِسَابُ ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ
۴۱ لِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے تجھ سے پہلے بھی (بے شمار) پیغمبر قوموں میں پیدا کئے، اور (وہ تیری ہی طرح
انسان تھے) ہم نے انہیں بیویاں بھی دی تھیں اور اولاد بھی اور کسی پیغمبر کے لئے یہ بات نہ ہوئی کہ وہ
۳۸ (خود) کوئی نشانی لا دکھاتا، مگر اسی وقت کہ اللہ کا حکم ہوا ہو۔ ہر وقت کے لئے ایک کتاب ہے۔
اللہ جو بات چاہتا ہے مٹا دیتا ہے جو چاہتا ہے
نقش کر دیتا ہے اور کتاب کی اصل و بنیاد اسی
۳۹ کے پاس ہے۔
اور ہم نے ان لوگوں سے (یعنی کفارِ مکہ سے
ظہورِ نتائج کے) جو وعدے کئے ہیں (کچھ ضرور نہیں کہ
یہ یک دفعہ سب ظہور میں آجائیں) ہو سکتا ہے کہ
ان میں سے بعض باتیں ہم تجھے تیری زندگی ہی میں
دکھا دیں ہو سکتا ہے کہ ان سے پہلے تیرا وقت پورا
کر دیں۔ بہرحال جو کچھ تیرے ذمہ ہے وہ یہی ہے کہ
پیامِ حق پہنچا دینا۔ ان سے (ان کے کاموں کا) حساب
۴۰ لینا ہمارا کام ہے تیرا کام نہیں۔
پھر کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم اس سرزمین
کا قصد کر رہے ہیں؟ اسے اطراف سے گھٹاتے
ہوئے (اور ظالموں پر عرصۂ حیات تنگ کرتے
ہوئے؟) اور اللہ ہے جو فیصلہ کرتا ہے۔ کوئی نہیں
جو اس کا فیصلہ ٹال سکے وہ حساب لینے میں
۴۱ بہت تیز ہے!

(۱۴) آیت ۳۸ میں فرمایا لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ اس کا ایک مطلب تو وہ ہے جو ہم نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے دوسرا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر بات کے مقررہ وقت کے لئے ایک نوشتہ ہے یعنی طے شدہ میعاد ہے، اور وہ اس سے پہلے ظہور میں نہیں آسکتی۔

(۱۵) آیت (۴۰) سے آخر سورت تک سورت کے تمام مواعظ کا خلاصہ ہے فرمایا تمہارے ذمے جو کچھ ہے وہ تو یہ ہے کہ پیامِ حق پہنچا دو۔ محاسبہ اللہ کا کام ہے، اور وہ حساب لے کر رہے گا۔ ہو سکتا ہے کہ جن جن باتوں کا وعدہ کیا گیا ہے تمہاری زندگی ہی میں ظاہر ہو جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے بعد ظہور میں آئیں۔ یہ بات کہ ان نتائج و عواقب کا ظہور تمہارے سامنے نہ ہوا، مواعیدِ الٰہی کی صداقت پر کچھ اثر نہیں ڈال سکتی۔

یہ بات مختلف صورتوں میں بار بار کہی گئی ہے معلوم ہوتا ہے اس سے مقصود صرف یہی نہیں تھا کہ مستقبل کی خبر دے دی جائے بلکہ یہ حقیقت بھی واضح کرنی تھی کہ کوئی شخصیت کتنی ہی اہم ہو لیکن پھر شخصیت ہے اور کاروبارِ حق کا معاملہ اس کی موجودگی و عدم موجودگی پر موقوف نہیں۔ جو کچھ ہونا چاہیے اور جو کچھ ہونے والا ہے بہرحال ہو کر رہے گا۔ خواہ پیغمبر اپنی زندگی میں اس کا ظہور دیکھ لے، یا نہ دیکھ سکے۔

پھر غور کرو نتائج کا ظہور بھی ٹھیک اسی طرح ہوا جن باتوں کی خبر دی گئی تھی، ان کا بڑا حصہ تو خود پیغمبرِ اسلام کی زندگی ہی میں ظاہر ہو گیا، یعنی انہوں نے دنیا چھوڑنے سے پہلے تمام

اَلْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۖۗ وَّ

۳۵ عُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ النَّارُ ○ وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ

مَنْ یُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَاۤ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَیْهِ اَدْعُوْا وَاِلَیْهِ

۳۶ مَاٰبِ ○ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِیًّا ؕ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ

۳۷ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا وَاقٍ ○ ع

اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک باغ ہے اور اس کے تلے نہریں رواں ہیں (جن کی آبیاری اسے ہمیشہ سرسبز و شاداب رکھتی ہے) اس کے پھل دائمی ہیں (کبھی ختم ہونے والے نہیں) اس کے درختوں کی چھاؤں بھی ہمیشگی کی (کبھی ڈھلنے والی نہیں) یہ ہے ان لوگوں کا انجام جنھوں نے تقویٰ کی راہ اختیار کی اور کافروں کا انجام آگ ہے!

۳۵ اور (اے پیغمبر!) جن لوگوں کو ہم نے کتاب (ہدایت) دی ہے (یعنی یہود و نصاریٰ) وہ اس بات سے خوش ہوتے ہیں جو تجھ پر اتاری گئی ہے اور ان جماعتوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں اس کی بعض باتوں سے انکار ہے تو تم کہہ دو مجھے تو بس یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی بندگی کروں اور کسی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤں۔ اسی کی طرف میں بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے

۳۶ اور اسی طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے اُسے (یعنی قرآن کو) ایک عربی زبان کی شکل میں اتارا

جس طرح پہلی بات میں حقوق اللہ آگئے ہیں۔

(ح) آخرت کی فکر سے بے پرواہ نہیں ہوتے۔ جو کچھ کرتے ہیں اس میں خوف آخرت کی کھٹک موجود ہوتی ہے وہ یقین رکھتے ہیں کہ کسی کے آگے ایک دن حساب دینا ہے اور حساب کی سختی پیش آنے والی ہے۔

(ط) اللہ کی محبت میں ہر طرح کی ناگوار حالتیں صبر و ثبات کے ساتھ جھیل لیتے ہیں۔ شدتوں اور محنتوں سے منہ نہیں موڑتے، آزمائشوں کو پیٹھ نہیں دکھاتے۔

(ی) نماز اس کی ساری شرطوں کے ساتھ قائم رکھتے ہیں۔

(ک) جو کچھ کماتے ہیں، اسے صرف اپنے نفس ہی پر خرچ نہیں کرتے۔ دوسروں پر بھی خرچ کرتے ہیں۔ اور ہر حال میں خرچ کرتے ہیں کھلے طور پر بھی۔ پوشیدہ طور پر بھی۔

(ل) بدی کے بدلے بدی کرنا ان کا شیوہ نہیں کوئی ان کے ساتھ کتنی ہی برائی کرے، یہ بھلائی ہی سے پیش آئیں گے۔

(۳۱) آیت (۳۱) میں یہ حقیقت واضح کی کہ اللہ کی کتاب ہدایت خلق کے لئے نازل ہوتی ہے عجائب آفرینیوں کے لئے نازل نہیں ہوتی۔ اگر کوئی کتاب اس لئے نازل ہوئی ہوتی کہ پہاڑوں کو چلائے اور مردوں سے صدائیں نکال دے تو تم پر بھی ایسی ہی چیز اترتی لیکن نہ ایسا ہوا ہے نہ اب ہوگا۔ اس طرح کی عجائب آفرینیوں کی فرمائش اس بات کی دلیل ہے کہ دلوں میں سچائی کی طلب نہیں۔ اگر طلب ہوتی تو پہاڑوں کے چلنے کا انتظار نہ کرتے، یہ دیکھتے کہ انسانوں کے دلوں کو کس راہ چلاتی ہے اور مردہ جسموں کی جگہ مردہ روحوں کو کس طرح زندہ کر دیتی ہے؟

۳۷ (یعنی عربی زبان میں اتارا) اگر حصول علم کے بعد تو نے ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کی، تو سمجھ لے کہ پھر اللہ کے مقابلہ میں نہ تو تیرا کوئی کارساز ہوگا نہ بچانے والا!

سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ

مکی ٥٢ - آیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ
الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ ١
شَدِيْدِ ۙ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ٢
يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ ٣
لَهُمْ ۭ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا ٤

(١) اس سورت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انبیاء کے ظہور اور اس کے احوال و ظروف اور نتائج کو مجموعی طور پر پیش کیا گیا ہے بیان حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی ہے یعنی اس باب میں ان کی موعظت نقل کی گئی ہے پھر سلسلہ بیان دعوت قرآن کے ظہور پر متوجہ ہو گیا ہے اور واضح کیا ہے کہ جو نتائج ہمیشہ نکل چکے ہیں، ویسے ہی نتائج اب بھی نکلیں گے۔

آخر میں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ دعوت قرآن در اصل دعوت ابراہیمی کی تجدید ہے اور اسی عہد الٰہی کا ظہور ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا گیا تھا۔

لیکن خاص بات یہ بھی نمایاں ہے کہ خطاب کا رخ زیادہ تر رؤسائے قریش کی طرف ہے جن کے ہاتھ میں ملک کی ریاست و پیشوائی کی باگ تھی۔

(٢) ہدایت روشنی ہے اور ضلالت تاریکی۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ جب تاریکی پھیل جاتی ہے تو وہ ہدایت وحی کے ذریعے انسانوں کو تاریکی سے نکالتی اور روشنی میں لاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کا ظہور بھی روشنی کا پیام ہے اور ایسا ہی پیام حضرت موسیٰ نے بھی دیا تھا۔

الف۔ لام۔ را

یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تجھ پر اتاری ہے
تاکہ لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم کی تعمیل میں
تاریکیوں سے نکالے اور روشنی میں لائے کہ غالب
اور ستودہ خدا کی راہ ہے۔ وہ اللہ کہ جو کچھ آسمانوں ١
میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اسی کا ہے
(اور سب اسی کے احکام کے آگے جھکے ہوئے ہیں)
اور عذاب سخت کی خرابی ہے ان منکروں
کے لئے جنھوں نے آخرت چھوڑ کر دنیا کی زندگی ٢
پسند کر لی۔ جو اللہ کی راہ سے انسانوں کو روکتے ہیں
اور چاہتے ہیں اس میں کجی ڈالیں یہی لوگ ہیں
کہ بڑی گہری گمراہی میں جا پڑے۔ ٣
اور ہم نے کوئی پیغمبر دنیا میں نہیں بھیجا مگر
اس طرح، کہ اپنی قوم ہی کی زبان میں پیام حق پہنچانے والا تھا تاکہ لوگوں پر مطلب واضح کر دے پس
اللہ جس پر چاہتا ہے (کامیابی کی) راہ گم کر دیتا ہے، جس پر چاہتا ہے کھول دیتا ہے، وہ غالب ہے
حکمت والا!

اور دیکھو، یہ واقعہ ہے کہ ہم نے اپنی نشانیوں کے ساتھ موسیٰ کو بھیجا تھا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۚ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۚ وَسَيَعْلَمُ
الْكُفَّارُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۴۲
بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝ ۴۳

جزیرہ عرب کو حلقہ بگوش اسلام پایا۔ البتہ بعض باتوں کا ظہور آپ کے بعد ہوا۔ مثلاً منافقوں کا استیصال، بیرونی فتوحات کا حصول، اور خلافت ارضی کے وعدہ کی تکمیل۔

آیت (۴۱) میں خبر دی گئی ہے کہ وہ سریع الحساب ہے، اس لئے ظہور نتائج کا وقت دور نہیں۔ نیز یہ کہ دعوت حق کی فتحمندی اس طرح ظہور میں آئے گی کہ بتدریج مکہ کے اطراف وجوانب، قریش مکہ کے تسلط سے کٹتے جائیں گے، اور بالآخر
مکہ بھی فتح ہو جائے گا۔ ۴۲

آخری آیت میں واضح کر دیا کہ حق و باطل کی موجودہ آویزش کا نقطہ نزاع کیا ہے؟ فرمایا تمہارا دعویٰ ہے کہ اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہو، منکر کہتے ہیں، نہیں تم بھیجے ہوئے نہیں۔ اب قانون قضا بالحق کے مطابق فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے، اور اسکی شہادت بس کرتی ہے۔
اللہ کی شہادت سے مقصود بھی قضا بالحق اور بقاء النفع ۴۱
کے قانون کا نفاذ ہے جو ظاہر ہو کر بتلا دیتا ہے کہ حق کس کے ساتھ تھا، اور باطل کا کون پرستار تھا۔ مزید تشریح کے لئے تفسیر سورۂ فاتحہ کا مطالعہ کرو۔

اور جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں، انہوں نے بھی (دعوت حق کے مقابلہ میں) مخفی تدبیریں کی تھیں، سو (یاد رکھو) ہر طرح کی تدبیریں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ ہر انسان کیا کمائی کر رہا ہے۔ اور وہ وقت دور نہیں کہ کافروں کو معلوم ہو جائے گا، کس کا انجام بہ خیر ہونے والا ہے!

(اے پیغمبر!) منکر ین حق کہتے ہیں۔ تو خدا کا بھیجا ہوا نہیں۔ تو کہہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی بس کرتی ہے اور اس کی جس کے پاس کتاب کا علم ہے!

8 وَقَالَ مُوسَىٰ إِن تَكْفُرُوا أَنتُمْ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝ أَلَمْ يَأْتِكُمْ
ع نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا
اللَّهُ ۚ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا
الثلثة أُرْسِلْتُم بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ۝ قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ
فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ
قَالُوا إِنْ أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيدُونَ أَن تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأْتُونَا
10 بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

گزرنا ہو جاتی ہے اور یہ اللہ کا سخت عذاب ہے۔ جو کسی انسانی گروہ کے حصے میں آتا ہے۔
غور کرو حقیقت حال کی کتنی سچی تعبیر ہے؟ جو فرد یا جو گروہ خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کی قدر کرتا ہے۔ مثلاً خدا نے اسے فتحمندی و کامرانی عطا فرمائی ہے وہ اس نعمت کو پہچانتا ہے ٹھیک طور پر کام میں لاتا اور اس کی حفاظت سے غافل نہیں ہوتا وہ اور زیادہ نعمتوں کے حصول کا مستحق ہو جاتا ہے یا نہیں؟ جو ایسا نہیں کرتا کیا اس کی نامرادی و تباہی میں کوئی شک ہو سکتا ہے؟

7 سخت عذاب ہے!"
اور موسیٰ نے کہا "اگر تم اور وہ سب جو زمین
میں بستے ہیں کفرانِ نعمت کریں تو اللہ کو اس
کی کیا پروا ہو سکتی ہے؟ اللہ کی ذات تو بے نیاز
اور ستودہ ہے لیکن محرومی و ہلاکت خود تمہارے
8 لئے ہوگی")
پھر کیا تم تک ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو
تم سے پہلے گزر چکے ہیں؟ قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود اور وہ قومیں جو ان کے بعد ہوئیں اور
جن کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے؟ ان تمام قوموں کے پاس ان کے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ
آئے تھے لیکن انہوں نے ان کی باتیں انہی پر لوٹا دیں اور کان دھرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں
نے کہا جو بات لے کر تم آئے ہو ہمیں اس سے انکار ہے اور جس بات کی طرف تم بلاتے ہو ہمیں اس
9 پر یقین نہیں ہم شک و شبہ میں پڑ گئے ہیں۔"
ان کے رسولوں نے کہا "کیا تمہیں اللہ کے بارے میں شک ہے؟ وہ اللہ کہ آسمان و زمین کا
بنانے والا ہے؟ وہ تمہیں بلا رہا ہے کہ تمہارے گناہ بخش دے اور ایک مقررہ وقت تک (زندگی و
کامرانی کی) مہلتیں دے۔"
اس پر قوموں نے کہا "تم اس کے سوا کیا ہو کہ ہماری ہی طرح کے ایک آدمی ہو۔ اور پھر چاہتے ہو جن معبودوں کو
ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ان کی پوجا کرنے سے ہمیں روک دو۔ اچھا (اگر ایسا ہی ہے تو) کوئی واضح دلیل پیش کرو"
10 ان کے رسولوں نے جواب میں کہا "ہاں ہم اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ تمہاری ہی طرح آدمی ہیں،

مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِیْ
ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ۵
اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَیُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ
نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ۝ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ ۶ ع ۱۴
وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ ۝ ۷

(۴) سورۂ ہود کے آخری نوٹ میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ کیوں گذشتہ اقوام کے وقائع و ایام کو "ایام اللہ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں فرمایا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی الٰہی سے ایسا ہوا تھا کہ اپنی قوم کو "ایام اللہ" کی عبرتیں اور بصیرتیں یاد دلائیں۔ کیونکہ ان میں صبر و شکر کرنے والوں کے لئے فتح و کامرانی کی بڑی بڑی نشانیاں
پوشیدہ ہیں۔ ۵
بنی اسرائیل مصر میں عرصہ تک مظلومی و مقہوری کی زندگی بسر کر چکے تھے۔ اس لئے طبیعتوں میں مایوسی و بے ہمتی سرایت کر گئی تھی۔ مستقبل کے فتح و اقبال کی بشارتیں سنتے مگر اپنے دل میں عزم و ثبات کے ولولے نہیں پاتے تھے۔ پس حضرت موسیٰ کو حکم ہوا کہ انہیں "ایام اللہ" کے تذکرے سناؤ۔ ان تذکروں میں قوانین حق کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں یعنی بڑی بڑی دلیلیں ہیں، یہ دلیلیں واضح کر دیں گی کہ جو لوگ مصائب و محن کے مقابلہ میں ہمت نہیں ہار دیتے سچائی کی راہ میں جمے رہتے ہیں اور سعی و عمل سے گھبراتے نہیں ان کی کامیابی قطعی اور اٹل ہوتی ہے، اور ہمیشہ ایسے ہی لوگ فتح و مراد سے ہم آغوش ہوئے ہیں:
یہی وجہ ہے کہ آیت (۵) میں فرمایا۔ اس تذکرہ میں صبر شکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔
(۴) "صبر" کے معنی یہ ہیں کہ مشکلوں مصیبتوں کے مقابلہ
میں جمے رہنا۔ "شکر" کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی بخشی ہوئی ۶
نعمتوں کی قدر کرنا، اور انہیں ٹھیک ٹھیک کام میں لانا
آیت (۷) میں فرمایا خدا کا یہ مقررہ قانون ہے کہ جو قوم شکر کرتی ہے یعنی خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کی قدر بجا لاتی ہے اور انہیں ٹھیک طور پر کام میں لاتی ہے خدا اسے اور زیادہ نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ لیکن جو کفرانِ نعمت کرتی ہے یعنی قدر شناسی نہیں کرتی، وہ محرومی و نامرادی کے عذاب میں

سے نکالے اور روشنی میں لائے نیز یہ اللہ کے (فیصلہ کن) واقعات کا تذکرہ کر کے وعظ و نصیحت کرے کیونکہ ہر اس انسان کے لئے جو صبر و شکر کرنے والا ہے اس تذکرہ میں (عبرت و موعظت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!

اور پھر جب ایسا ہوا تھا کہ موسیٰ نے اپنی قوم کو (وعظ و نصیحت کرتے ہوئے) کہا تھا: "اللہ نے تم پر جو احسان کئے ہیں، انہیں نہ بھولو۔ اس نے تمہیں خاندانِ فرعون (کی غلامی) سے نجات دی (اور یہ اس کا کتنا بڑا احسان ہے؟) وہ تمہیں کیسے جانکاہ عذابوں میں ڈالتے تھے؟ تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے (تاکہ تمہاری تعداد بڑھنے نہ پائے) تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتے۔ (کہ ان کی باندیاں بن کر زندگی بسر کریں) دیکھو اس صورت حال میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لئے کیسی سخت آزمائش تھی؟"

"اور کیا وہ وقت بھول گئے جب تمہارے پروردگار نے (اپنے اس قانون کا) اعلان کیا تھا، اگر تم نے شکر کیا، تو میں تمہیں اور زیادہ نعمتیں بخشوں گا، اور اگر ناشکری کی تو پھر یاد رکھو میرا عذاب بھی بڑا

۱۶ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۝ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ
۱۷ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ
اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى
۱۸ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ
۱۹-۲۰ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ

سرکش ضدی (جس نے حق کا مقابلہ کیا تھا) نامراد ہوا۔ اس کے پیچھے دوزخ ہے (یعنی دنیا کی نا
مرادی کے بعد آخرت کی نامرادی پیش آنیوالی
۱۶ ہے) وہاں خون اور پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔
وہ ایک ایک گھونٹ کر کے منہ میں لے گا اور گلے
سے اتار نہ سکے گا۔ ہر طرف سے اس پر موت
آئے گی مگر مرے گا نہیں۔ اس کے پیچھے ایک سخت
۱۷ عذاب لگا ہوا ہے!

جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا،
تو ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے راکھ کا
ڈھیر کہ آندھی کے دن ہولے اڑے، جو کچھ انہوں
نے (اپنے اعمال کے ذریعہ) کمایا ہے اس میں سے
کچھ بھی ان کے ہاتھ نہ آئے گا۔ یہی گمراہی کی حالت
۱۸ ہے جو بڑی ہی گہری گمراہی ہے!

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمانوں کو اور
۱۹ زمین کو ایک فعل عبث کی طرح نہیں بنا دیا
ہے کسی مصلحت سے بنایا ہے؟ اگر وہ چاہے تو تم سب
۲۰ کو ہٹا دے اور ایک نئی پیدائش نمودار کر دے۔ ایسا کرنا اس پر کچھ دشوار نہیں!

اور (دیکھو قیامت کے دن) سب لوگ اللہ کے
روبرو حاضر ہو گئے۔ پس ناتوانوں نے سرکشوں سے
کہا: ہم (دنیا میں) تمہارے پیچھے چلنے والے تھے،
پھر کیا آج تم ایسا کر سکتے ہو کہ اللہ کے عذاب سے کچھ

سی قومیں تھیں جن کا شمار اللہ ہی کو معلوم ہے تم ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

(۷) آیت (۱۰) پر غور کرو۔ قوموں کا ہمیشہ یہی جواب رہا کہ ہمیں تمہاری دعوت کی سچائی میں شک ہے۔ ہم نہیں مانتے لیکن پیغمبروں کی پکار بھی یہی رہی کہ افی اللہ شک فاطر السموٰت والارض؟ کس بارے میں تمہیں شک ہو رہا ہے؟ اللہ کے بارے میں جو آسمان و زمین کا بنانے والا ہے؟ یعنی اس ہستی کے بارے میں جس کا اعتقاد تمہاری فطرت کے خمیر میں موجود ہے اور تمہارے دل کا ایک ایک ریشہ کہہ رہا ہے کہ ایک فاطر السموٰت والارض ہستی موجود ہے! دنیا کی ہر بات میں تم شک کر سکتے ہو، لیکن اس بارے میں تم شک نہیں کر سکتے کیونکہ جرأت کر سکتے ہو کہ اپنے دل کے یقین سے انکار کر دو؟ اپنی روح کے اعتقاد سے منکر ہو جاؤ۔ خود اپنی نسبت شک کرنے لگو؟

یہ قرآن کی معجزانہ بلاغت ہے کہ صرف ایک چھوٹے سے جملۂ استفہام تقریری میں وہ سب کچھ بیان کر دیا، جو زیادہ سے زیادہ اس بارہ میں کہا جا سکتا ہے، اور جو استدلال کی انتہا، اثبات کی تکمیل اور سارے برہانوں اور حجتوں کا جامع و مانع خلاصہ ہے یعنی افی اللہ شک فاطر السموٰت والارض؟ (تفصیل کے لئے دیکھو تفسیر سورۂ فاتحہ)

(۸) آیت ۱۲ میں پیغمبروں کا قول نقل کیا ہے کہ وما لنا الا نتوکل علی اللہ وقد ھدانا سبلنا؟ اس آیت میں "ہدایت" اور "سبیل" سے مقصود ہدایت وحی اور سبیل دین نہیں ہے جیسا کہ مفسروں اور مترجموں نے سمجھا ہے بلکہ ہدایت ربوبیت کا فیضان ہے اور اسی میں اسلوب خطاب کا استدلال پوشیدہ

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَ ۱۱
لَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ع ۱۲
لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ
الظّٰلِمِيْنَ ۝ۙ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ ۱۳
وَعِيْدِ ۝ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝

لیکن اللہ جس بندہ کو چاہتا ہے' اپنے فضل و احسان کے لئے چن لیتا ہے۔ اور یہ بات ہمارے اختیار
میں نہیں کہ تمہیں کوئی سند لا دکھائیں مگر ہاں یہ اللہ کے حکم سے ہو' اور اللہ ہی ہے جس پر ایمان ۱۴-۱۵
رکھنے والوں کا بھروسہ ہے"! ۱۱

اور ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ پر بھروسہ
نہ کریں؟ حالانکہ اسی نے ہماری (زندگی و معیشت
کی) راہوں میں ہماری رہنمائی کی ہے۔ ہم ان
ایذاؤں پر صبر کریں گے جو تم ہمیں دے رہے ہو' بس
اللہ ہی ہے جس پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ
کرنا چاہیے"!
اور منکروں نے اپنے رسولوں سے کہا "ہم ۱۲
تمہیں اپنے ملک سے ضرور نکال باہر کریں گے' یا
پھر تم ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ"!
(جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا) تو ہم نے ۱۳
رسولوں پر وحی بھیجی: "اب ایسا ضرور ہو گا کہ ہم
ان ظالموں کو ہلاک کر ڈالیں' اور ان کے بعد تمہیں
اس سرزمین میں جگہ دیں" یہ ہے نتیجہ اس کے لئے ۱۴
جو ہماری (حکومت و عدالت کی) جگہ سے ڈرا' نیز
(پاداش عمل کی) تنبیہ سے!
غرضکہ پیغمبروں نے فتح مندی طلب کی' اور ہر ۱۵

(۵) سورہ ہود کے آخری نوٹ میں ایام و وقائع کا مبحث
گذر چکا ہے۔ اسے پیش نظر رکھو' اور دیکھو یہاں تمام ایام
و وقائع کے مجموعی نتائج و سنن کس طرح بیان کئے جا رہے
ہیں' اور کس طرح ان کے جزئیات کو ایک کلی حقیقت کی صورت
میں پیش کیا جا رہا ہے یعنی سب کا ظہور ایک ہی طرح ہوا تھا
سب کے ساتھ ان کی قوموں نے ایک ہی طرح کا سلوک کیا
تھا' سب کی دعوت ایک ہی تھی' سب کو جوابات ایک
ہی طرح کے ملے تھے' اور پھر نتیجہ بھی ہر واقعہ میں ایک ہی
طرح کا نکلا۔ ہر رسول اور اس کے ساتھی کامیاب ہوئے'
ہر سرکش اور مقابل نامراد ہوا۔
قرآن کے یہی مقامات ہیں جنہوں نے ایام و وقائع
کے سنن و بصائر صاف صاف واضح کر دیئے ہیں' اور اس
باب میں ہم نے جو مبادی و اصول مرتب کئے ہیں' وہ تمام تر
انہی تصریحات سے ماخوذ ہیں۔
(۶) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا۔ کیا پچھلی قوموں
کے ایام و وقائع تم تک نہیں پہنچے؟ یعنی تم نہیں سن چکے ہو؟
پھر تین قوموں کا ذکر کیا جن کے حالات سے نہ تو بنی اسرائیل
بے خبر تھے' نہ مصر کے باشندے بے خبر ہو سکتے تھے۔ یہاں
ان کی نشو و نما ہوئی تھی۔ بقیہ قوموں کا حال چونکہ اس درجہ
مشہور نہ تھا' اس لئے صرف اشارہ کر کے چھوڑ دیا۔
والذین من بعدھم لا یعلمھم الا اللہ۔ لا
یعلمھم الا اللہ میں یہ پہلو بھی موجود ہے کہ بہت

الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ ۲۲
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ○ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ ۲۳
اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاۗءِ ○ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا ۲۴
كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ○ وَمَثَلُ ۲۵
كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ○ يُثَبِّتُ اللّٰهُ ۲۶
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۣ

نیک کام کئے تھے، وہ (نعیم ابدی کے) باغوں میں داخل ہوگئے، ان کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں، اپنے
پروردگار کے حکم سے ہمیشہ انہی میں رہیں گے (ان کی
راحتوں کے لئے کبھی زوال نہیں) وہاں ان کے
لئے (ہر طرف سے) دعاؤں کی پکار یہی ہے کہ "تم پر
سلامتی ہو!" ۲۳
کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے کس طرح ایک
مثال بیان کی؟ ایک اچھی بات کی مثال ایسی ہے
جیسے ایک اچھا درخت۔ جڑ اس کی جمی ہوئی اور
ٹہنیاں آسمان میں پھیلی ہوئیں۔ اپنے پروردگار ۲۴
کے حکم سے ہر وقت پھل پیدا کرتا رہتا ہے (اس کی
ٹہنیاں کبھی بغیر پھل کے نہیں رہ سکتیں) اللہ
لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ سوچیں
سمجھیں! ۲۵
اور نکمی بات کی مثال کیا ہے؟ جیسے ایک
نکما درخت۔ زمین کی سطح پر اس کی جڑ کھوکھلی جب
چاہا اکھاڑ پھینکا۔ اس کے لئے جماؤ نہیں۔ ۲۶

اللہ ایمان والوں کو جمے اور مضبوط رہنے والی بات کے ذریعہ جماؤ اور مضبوطی دیتا ہے۔ دنیا کی
زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی اور
نافرمانوں پر (جماؤ اور مضبوطی کی) راہ گم کر دیتا ہے

(۱۰) آیت (۲۱) میں جماعتوں کی گمراہی کی ایک سب سے بڑی علت کی طرف اشارہ کیا ہے، یعنی اپنے گمراہ سرداروں، امیروں، بادشاہوں اور پیشواؤں کی اندھی تقلید و اطاعت کرنا، اور خود اپنی عقل و بصیرت سے کام نہ لینا۔ فرمایا: کیا تمہارے یہ پیشوا تمہیں نتائج اعمال کی گرفت سے بچا سکتے ہیں؟ قیامت کے دن جماعتوں کے کمزور افراد یعنی عوام اپنے اپنے پیشواؤں اور سرداروں سے کہیں گے: دنیا میں ہم نے تمہاری پیروی کی تھی، آج عذاب الٰہی کی پکڑ سے ہمیں بچاؤ کر دو۔ وہ کہیں گے، ہم خود اپنے کو نہیں بچا سکتے، تمہیں کس طرح بچائیں؟

آیت میں قریش مکہ کی طرف اشارہ ہے جو قوم کے سردار و پیشوا تھے، اور نہ صرف قبائل حجاز بلکہ تمام باشندگان عرب ان کے طور طریقہ کی پیروی کرتے تھے۔ جب انہوں نے دعوت اسلام کی مخالفت میں قدم اٹھایا، تو تمام قبائل عرب نے ان کی پیروی کی۔

(۱۱) قرآن نے ہر جگہ ایمان کی خصوصیت یہ بتلائی ہے کہ سرتاسر سلامتی ہے۔ اور کفر کی پہچان یہ بتلائی ہے کہ سرتاسر اضطراب و محرومی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنت کی زندگی کے مرقع میں بھی سب سے زیادہ نمایاں بات یہی نظر آتی ہے، وہ سلامتی کی زندگی ہوگی، اور وہاں ہر طرف سے سلامتی ہی کی پکاریں سنائی دیں گی!

(۱۲) آیت (۲۴) قرآن کے مہمات معارف میں سے ہے لیکن افسوس ہے ہمارے مفسروں کو اس کی مہلت نہ ملی کہ

الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ
مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۠ وَ ۲۱ ع ۳ ۱۵
قَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ
لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ
مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ

ہے یعنی ہم تمہارے ظلم و تشدد سے کیوں ہراساں ہوں؟ کیوں اللہ کی تائید و نصرت پر بھروسہ نہ کریں؟ جس ہستی نے زندگی و معیشت کی تمام راہوں میں ہماری رہنمائی کا سامان کر دیا ہے، کیا حق و باطل کی اس آویزش میں ہم پر راہ نجات نہ کھول دے گی؟ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد کہا ولنصبرن علی ما آذیتمونا ہم ضرور صبر کرینگے، اور ضرور ایسا ہوگا کہ صبر کا نتیجہ ہمارے حصہ میں آئے۔

۲۱ اگر بیان "ہدایت" کو "ہدایت وحی" سمجھا جائے تو خطاب کا سارا زور اور استدلال مفقود ہو جاتا ہے۔

(۹۱) آیت ۱۸ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وعظ اور ایام اللہ کا تذکرہ ختم ہو گیا۔ آیت (۱۹) سے نیا خطاب شروع ہوتا ہے۔ البتہ یہ خطاب بھی پچھلے بیان ہی کا تتمہ ہے۔ فرمایا: کیا تم تخلیق بالحق کی حقیقت پر غور نہیں کرتے؟ یعنی اس بات پر غور نہیں کرتے کہ کائنات ہستی کی ہر چیز اس طرح واقع ہوئی ہے کہ صاف نظر آتا ہے کہ یہ سب کچھ کسی خاص مصلحت و مقصد سے بنایا گیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ بغیر کسی سوچے ہو مقصد اور ٹھہرائی ہوئی مصلحت کے ویسے ہی ظہور میں آ گیا ہو پھر اگر تم دیکھ رہے ہو کہ آسمان و زمین کی ہر چیز کسی مصلحت کے ساتھ بنائی گئی ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ خود تمہاری ہستی کی پیدائش میں کوئی خاص مصلحت پوشیدہ نہ ہو، اور کرۂ ارضی کی یہ سب سے بڑی اور اشرف مخلوق محض بیکار و عبث بنا دی گئی ہو۔

اگر وہ چاہے تو تمہیں چھانٹ دے، اور ایک نئی قوم کی تخلیق کا سامان کر دے، کیونکہ اس کا ٹھہرایا ہوا قانون یہی ہے کہ جو جماعت غیر نافع ہو جائے، اُسے
۲۲ مٹ جاتا ہے، اور اسکی جگہ نافع و صالح جماعت کو ظہور میں آتا ہے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز!

بچاؤ کر دو؟" انہوں نے کہا "اگر اللہ ہم پر بچاؤ کی کوئی راہ کھولتا تو ہم بھی تمہیں کوئی راہ دکھاتے (ہم تو خود ہی عذاب میں پڑے ہوئے ہیں) خواہ جھیل لیں خواہ روئیں پیٹیں، ہمارے لئے دونوں حالتیں برابر ہو گئیں۔ ہمارے لئے آج کسی طرح چھٹکارا نہیں"

اور (دیکھو) جب فیصلہ ہو چکا تو شیطان بولا "بلاشبہ اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا سچا وعدہ (اور وہ پورا ہو کر رہا) اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا مگر اسے پورا نہ کیا مجھے تم پر کسی طرح کا تسلط نہ تھا (کہ تم میری پیروی پر مجبور ہو گئے ہو) جو کچھ پیش آیا، وہ صرف یہ ہے کہ میں نے تمہیں بلایا، اور تم نے میرا بلاوا قبول کر لیا۔ پس اب مجھے ملامت نہ کرو۔ خود اپنے آپ کو ملامت کرو۔ آج کے دن نہ تو میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو۔ تم نے اس سے پہلے (دنیا میں) جو مجھے (اللہ کا) شریک ٹھہرا لیا تھا (کہ اس کے احکام کی طرح میرے حکموں کی بھی اطاعت کرنے لگے تھے) تو میں اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ بلاشبہ ظلم کرنے والوں کے لئے بڑا ہی دردناک عذاب ہے!"

اور (دیکھو) جو لوگ ایمان لائے تھے اور جنہوں نے

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا
۳۲ لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ
۳۳ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا
۳۴ ع نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا
۳۵ الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ؕ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ

یہ اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور (زمین پر) اوپر سے پانی برسایا، جس کی آبیاری سے طرح طرح کے پھل پیدا ہوتے ہیں کہ تمہارے لئے غذا کا سامان ہیں اور جہاز تمہارے
۳۲ لئے مسخر کر دیے کہ اس کے حکم سے (یعنی اس کے ٹھہرائے ہوئے قانون کے ماتحت) سمندر میں چلنے لگیں۔ نیز دریا بھی تمہارے لئے مسخر کر دیے۔ اسی طرح سورج اور چاند بھی مسخر کر دیے ہیں کہ ایک خاص دستور
۳۳ پر برابر چلے جا رہے ہیں اور رات اور دن کا ظہور بھی مسخر ہے۔ غرضکہ تمہیں (اپنی زندگی کی کاربرآریوں اور کامرانیوں کے لئے) جو کچھ مطلوب تھا، سب اس نے عطا فرما دیا۔ اگر تم اللہ کی نعمتیں گننی چاہو تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی ان کا احاطہ نہ کر سکو۔ حقیقت
۳۴ یہ ہے کہ انسان بڑا ہی نا انصاف بڑا ہی ناشکرا ہے۔
اور (یاد کرو) جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیم نے دعا مانگی تھی "اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن
۳۵ کی جگہ بنا دیجیو، اور مجھے اور میری نسل کو اس بات سے دور رکھیو کہ بتوں کی پوجا کرنے لگیں"۔
پروردگار! ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو راہِ حق سے بھٹکا دیا ہے۔ تو جو میرے پیچھے چلا، (اور بت پرستی کی گمراہی میں نہ پڑا) وہ میرا ہوا۔ جس

ما لها من قرار۔

(۱۳۱) اس کے بعد آیت (۲۸) میں قریشِ مکہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ملک کی ریاست و پیشوائی کی باگ انہی کے ہاتھ میں تھی، اور عامۃ الناس انہی کے پیچھے چلتے تھے۔ فرمایا ان کی محرومی دیکھو کہ کس طرح اللہ کی نعمت کی ناشکری کر رہے ہیں اور کلمۂ طیبہ کی جگہ کلمۂ خبیثہ کو اپنا شعار بنا لیا ہے! اللہ نے انہیں قوم کی پیشوائی دی تھی۔ پس ان کا فرض تھا کہ دعوتِ حق کی قبولیت میں سب سے آگے ہوتے، اور قوم کی سچی رہنمائی کرتے، مگر انہوں نے استبدالِ نعمت کی راہ پسند کی۔ خود بھی گمراہ ہوئے اور اپنی قوم کو بھی گمراہی میں دھکیل دیا۔

قریشِ مکہ کے کفرانِ نعمت کے ذکر کے بعد ہی روئے سخن مومنوں کی طرف متوجہ ہو گیا ہے۔ آیت (۳۱) میں فرمایا۔ انہیں چاہئے نعمتِ الٰہی کی قدر بجا لائیں اور ناشکری سے بچیں۔ اس شکرگذاریِ نعمت کے سب سے بڑے اعمال کونسے ہیں؟ فرمایا۔ قیامِ صلوٰۃ، اور انفاق فی سبیل اللہ۔ ان دو عملوں میں سرگرم رہیں۔

(۱۳۲) آیت ۳۲ میں برہانِ ربوبیت کا استدلال ہے۔ فرمایا۔ اپنی زندگی کی احتیاجوں کو دیکھو، اور پھر ربوبیتِ الٰہی کی بخششوں اور کارفرمائیوں پر نظر ڈالو۔ زندگی کی کوئی قدرتی احتیاج ایسی نہیں ہے، جس کا قدرتی انتظام نہ کر دیا گیا

ع ۴/۱۴ ۲۷ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ
۲۸-۲۹ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ؕ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ
۳۰ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا
۳۱ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝ اَللّٰهُ

کہ اس کے حقایق کی وسعت کا مشاہدہ کر سکتے۔

۲۷ فرمایا عجائب آباد ہستی کا کوئی گوشہ دیکھو تمہیں دو طرح کی باتیں نظر آئیں گی۔ ایک کو قرار ہے۔ دوسری کو قرار نہیں ایک میں جماؤ ہے۔ دوسری میں جماؤ نہیں۔ ایک اس لئے ہے کہ پھلے پھولے۔ دوسری اس لئے ہے کہ پامال ہو۔ پہلی کلمہ طیبہ ہے۔ دوسری کلمہ خبیثہ ہے۔ یعنی پہلی اچھائی ہے، پاکیزگی ہے، نفع و فیضان ہے۔ دوسری برائی ہے، گندگی ہے، ضرر و نقصان ہے۔

۲۸ پہلی کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھا درخت۔ اچھے درخت کی خصوصیات کیا ہوتی ہیں؟ جڑ کی مضبوطی کہ اکھڑنے والی نہیں۔
۲۹ شاخوں کی بلندی کہ جھکنے والی نہیں

دوسری کی مثال ایسی ہے جیسے ایک نکما درخت۔ زمین میں جگہ پکڑ نہیں سکتا۔ ٹہنیاں معدوم، پھل نابود، جب چاہو پکڑ کے کھینچ لو۔ جڑ سمیت اکھڑ آئے۔

اس کے بعد فرمایا۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو ایمان لاتے ہیں، وہ انہیں جمنے والی اور مضبوط باتوں کے ساتھ جماؤ دیدیتا
۳۰ ہے۔ ان کی یہ خصوصیت دنیا کی زندگی میں بھی نمایاں ہوتی ہے، اور آخرت میں بھی نمایاں ہوگی۔ لیکن جو لوگ ظلم و نافرمانی کی راہ اختیار کرتے ہیں انہیں یہ بات نہیں مل سکتی۔ ان پر جماؤ اور استقرار کی راہ بند ہو جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی ساری باتیں جماؤ اور مضبوطی کی باتیں ہوتی ہیں۔ ٹلنے والی، اکھڑ جانے والی، اور اپنی جگہ سے ہل جانے والی نہیں ہوتیں ان کا اعتقاد، ان کا عمل، ان کا طور طریقہ، ان کے دلائل و شواہد، ان کے تمام کام، القول الثابت ہوتے ہیں اور ان کی مثال شجرۂ طیبہ کی ہوتی ہے۔ لیکن جو لوگ ایمان حق سے محروم ہیں ان کی کوئی بات بھی القول الثابت کی بات
۳۱ نہیں ہو سکتی۔ ان کی مثال شجرہ خبیثہ کی ہوتی ہے کہ

اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے (اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ ایسا کرے!)

(اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جنہیں اللہ نے نعمت عطا فرمائی تھی مگر انہوں نے کفران نعمت سے اسے بدل ڈالا، اور اپنے گروہ کو ہلاکت کے گھر میں جا اتارا؟ یعنی دوزخ میں جا اتارا جس میں وہ داخل ہونگے؟ (پھر جس کا ٹھکانا دوزخ ہوا، تو) کیا ہی برا ٹھکانا ہے!

اور انہوں نے اللہ کے لئے اس کے ہم درجہ بنائے کہ لوگوں کو اس کی راہ سے بھٹکائیں۔

(اے پیغمبر!) تم کہدو "اچھا، (زندگی کے چند روزہ) فائدے برت لو۔ پھر بالآخر تمہاری راہ آتش دوزخ ہی کی طرف ہے!"

(اے پیغمبر!) میرے بندوں کو جو ایمان لائے ہیں، یہ پیام پہنچا دو "اس سے پہلے کہ وہ (ہولناک) دن آ نمودار ہو جبکہ (نجات کے لئے) نہ تو کسی طرح کا لین دین کام دے گا نہ کسی طرح کی دوستی (اپنے لئے نجات کا سامان کرلیں یعنی) نماز قائم کریں اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ظاہر و پوشیدہ خرچ کرتے رہیں"

۳۹-۴۰ لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ۝ رَبَّنَا
۴۱ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۝ ع ۶ ۱۸ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا
۴۲ يَعْمَلُ الظّٰلِمُونَ ۚ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ۝ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي
۴۳ رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۖ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ۝ وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ
الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ نُجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ
۴۴ الرُّسُلَ ۗ أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ ۝

پروردگار (اپنے بندوں کی) دعائیں سننا اور قبول کرتا ہے"!

۳۹ "خدایا! مجھے توفیق دے کہ میں نماز قائم کروں اور میری نسل کو بھی اس کی توفیق ملے! پروردگار! میری یہ دعا تیرے حضور قبول ہو!

۴۰ "پروردگار! جس دن اعمال کا حساب لیا جائے گا تو مجھے اور میرے ماں باپ کو، اور ان سب کو جو ایمان لائے (اپنے فضل و کرم سے) بخش دیجیو (اور حساب کی سختی میں نہ ڈالیو!)"

۴۱ اور (اے پیغمبر!) ایسا خیال نہ کرنا کہ اللہ ان ظالموں کے کاموں سے غافل ہے (یعنی رؤساء مکہ کے کاموں سے) دراصل اللہ نے ان کا معاملہ اس دن تک کے لئے پیچھے ڈال دیا ہے جب نتائج عمل کی ہلاکتیں ظہور میں آئیں گی۔ اس دن ان کو لوگوں کا یہ حال ہوگا کہ شدت خوف و حیرت سے) آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ حیران، سراسیمہ نظریں

۴۲ اٹھائے ہوئے، دوڑ رہے ہوں گے۔ نگاہیں ہیں کہ لوٹ کر آنے والی نہیں، اور دل ہیں کہ (خوف و حیرانگی

۴۳ کے سوا ہر خیال سے) خالی ہو رہے ہیں!

اور (اے پیغمبر!) لوگوں کو اس دن کی آمد سے خبردار کر دو جبکہ ان پر عذاب نمودار ہو جائے گا۔ اس دن ظلم کرنے والے کہیں گے "پروردگار! تھوڑی سی مدت کے لئے ہمیں مہلت دے دے ہم (اب ہرگز انکار و سرکشی

۴۴ نہیں کریں گے اور) تیری پکار کا جواب دیں گے اور پیغمبروں کی پیروی کریں گے" (لیکن انہیں جواب ملے گا) "کیا تم

کسی سرسبز و شاداب ملک میں مل سکتی ہیں، اس بنجر سرزمین میں مہیا ہوگئیں، یہ انقلاب حال کیونکر ظہور میں آیا؟ اس طرح کہ حضرت ابراہیم نے یہاں دین حق کی عبادت گاہ بنائی، اور اس کی پاسبانی اپنی اولاد کے سپرد کی، انہوں نے دعا مانگی تھی کہ خدایا، اس ویرانے کو آباد کر دیجیو، چنانچہ ان کی دعا مقبول ہوئی اور یہ ویرانہ اس طرح آباد ہوگیا کہ تمام عرب اطراف عرب کے سالانہ اجتماع کا مرکز بن گیا۔

روساء قریش انہی ہی کی نسل سے ہیں، اور انہی کی برکتوں کا ظہور ہیں، لیکن انہوں نے اس نعمت کا حق کس طرح ادا کیا؟ یوں ادا کیا کہ ملت ابراہیمی سے منحرف ہوگئے، ظلم و گمراہی کو اپنا شیوہ بنا لیا، وہ دین حق جس کے قیام کے لئے یہ عبادت گاہ بنائی گئی تھی اصنام پرستی سے بدل گیا۔ اور اب اپنی تمام طاقتیں اس دعوت کی مخالفت میں خرچ کر رہے ہیں، جو اسی ملت ابراہیمی کی تجدید ہے۔

۳۶ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ
ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً
۳۷ مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ○ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا
۳۸ نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ
الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ

اور کارخانہ عالم کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے، جو
تمہارے لئے افادہ و فیضان نہ رکھتا ہو حتیٰ کہ معلوم ہوتا ہے
۴۰ دنیا کی ہر چیز صرف اسی لئے بنی ہے کہ تمہاری کوئی نہ کوئی
ضرورت پوری کر دے اور کسی نہ کسی شکل میں خدمت و نفع
رسانی کا ذریعہ ہو۔ پھر کیا ممکن ہے کہ یہ سب کچھ بغیر کسی
ارادہ کے ظہور میں آگیا ہو، اور کوئی ربوبیت رکھنے والی
ہستی موجود نہ ہو؟ اور اگر ایک ایسی ہستی موجود ہے تو
ہر طرح کی عبادتوں کی مستحق اس کی ذات ہی، یا ان کی
جو اپنی احتیاجوں میں خود کسی پروردگار کی پروردگاریوں
کے محتاج ہیں؟
اس مقام میں اتاکم من کل ما سألتموہ و
ان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا کہہ کر جس
حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ نہایت اہم اور تشریح
طلب ہے۔ تشریح اس کی سورۂ فاتحہ میں ملے گی۔
(۱۵) پچھلی آیت میں انسان کی اس غفلت کا ذکر
کیا تھا کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکرگزار نہیں۔ اور یہی
۳۷ گمراہی اس کی تمام محرومیوں کا سرچشمہ ہے: ان الانسان
لظلوم کفار۔ اب آیت (۳۵) میں اس ناشکری کی
ایک مناسب مقام مثال بیان کر دی، فرمایا اس سے بڑھ
کر ناشکری اور کیا ہو سکتی ہے جو قریش کرنے لگے ہے؟
وہ دنیا کے ایک ایسے گوشہ میں سکونت رکھتے ہیں جو
انسانی آبادی کے لئے زیادہ سے زیادہ ناموزوں مقام
۳۸ تھا۔ کہ ایک بے آب و گیاہ ریگستان جہاں درندے
بھی بھٹ نہ بنائیں اور پرندے بھی ہوائیں اڑنا پسند نہ کریں
لیکن اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اسے ایسا دلچسپ اور
معمور مقام بنا دیا کہ انسانی گروہوں کے دل بے اختیار
اس کی طرف کھنچنے لگے۔ اور زمین کی ساری پیداواریں جو

نے میرے طریقہ سے نافرمانی کی، (اس سے میرا کوئی رشتہ نہیں اور) تو بخشنے والا، رحمت فرمانے والا ہے! اے ہم سب کے پروردگار! (تو دیکھ رہا ہے کہ) ایک ایسے میدان میں جہاں کھیتی کا نام و نشان نہیں میں نے اپنی بعض اولاد تیرے محترم گھر کے پاس لا کر بسائی ہے، اور خدایا! اس لئے بسائی ہے کہ نماز قائم رکھیں (تاکہ یہ محترم گھر عبادت گذاران توحید سے خالی نہ رہے) پس تو (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہو جائیں، اور ان کے لئے زمین کی پیداوار سے سامان رزق مہیا کر دے تاکہ (بے آب و گیاہ ریگستان میں رہ کر بھی ضروریات معیشت سے محروم نہ رہیں اور) تیرے شکرگزار ہوں،

"اے ہمارے پروردگار! ہم جو کچھ چھپاتے ہیں وہ بھی تو جانتا ہے جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، وہ بھی تیرے علم میں ہے، آسمان اور زمین کی کوئی چیز نہیں جو تجھ سے پوشیدہ ہو"

(اور ابراہیم نے کہا) "ساری ستائش اللہ کے لئے ہے جس نے باوجود بڑھاپے کے مجھے اسمٰعیل اور اسحٰق (دو فرزند) عطا فرمائے۔ بلاشبہ میرا

الجزء الرابع عشر

سُوْرَۃُ الْحِجْر ۱۵

مکی - ۹۹ - آیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ ۲-۱
ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ ۳
اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ ۵-۴

الف - لام - را -
یہ آیتیں ہیں الکتاب کی، اور قرآن کی جو
(اپنی ساری باتوں میں) واضح اور روشن ہے! ۱
جن لوگوں نے (اس کتاب کی سچائی سے)
انکار کیا ہے، ایک وقت آنے والا ہے کہ آرزوئیں
کرینگے، کاش ہم ماننے والوں میں ہوتے! ۲
(اے پیغمبر!) انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو،
کھائیں پئیں عیش و آرام کریں، (باطل) امیدوں
پر بھولے رہیں لیکن وہ وقت دور نہیں کہ انہیں
معلوم ہو جائے گا (وہ کیسے دھوکے میں پڑے ہوئے
تھے!) ۳
ہم نے کبھی کسی بستی کے باشندوں کو ہلاک
نہیں کیا، مگر اسی طرح کہ اس کے لئے ایک ٹھہرائی
ہوئی بات تھی (یعنی ایک مقررہ قانون تھا کہ جب
حالت اس طرح کی ہوگی، اور اس مقدار میں ہوگی ۴
تو ایسا نتیجہ ضرور نکلے گا) کوئی امت نہ تو اپنے وقت سے آگے بڑھ سکتی ہے، نہ پیچھے رہ سکتی ہے! ۵

(۱) قرآن نے جابجا اپنے اس وصف پر زور دیا ہے کہ وہ "مبین" ہے یعنی ظاہر ہے، نمایاں ہے، روشن ہے -
لیکن کس بات میں؟
اپنے مطالب میں، اپنی دعوت میں، اپنے دلائل و آیات میں یعنی اسکی کوئی بات نہیں جو الجھی ہوئی ہو، مشکل ہو، ناقابل فہم ہو۔ ہر ذہن اسے بوجھ لے سکتا ہے، ہر دل اسے قبول کر لے سکتا ہے، ہر روح اس پر مطمئن ہو جا سکتی ہے وہ زیادہ سے زیادہ سیدھی سادھی بات ہے جو انسان کے دل و دماغ کے لئے ہو سکتی ہے کیونکہ وہ سچائی ہے اور سچائی کی کوئی بات مشکل اور الجھی ہوئی نہیں ہو سکتی!
یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اپنے کو "النور" بھی کہا ہے یعنی روشنی۔ روشنی کا خاصہ ہے کہ ہر بات کو نمایاں کر دیتی ہے کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی - اگر وضاحت اور نمود نہیں ہے تو پھر اجالا بھی نہیں اجالا جب کبھی ہوگا نمود و وضاحت اپنے ساتھ لائے گا!
(۲) جن لوگوں نے اس کے خلاف انکار و سرکشی کی راہ اختیار کی ہے وہ اپنی ہلاکت کا اپنے ہاتھوں سامان کر رہے ہیں لیکن انہیں معلوم نہیں - ایک دن آنے والا ہے جب وہ حسرت و ندامت کے ساتھ کہیں گے - کاش ہم نے انکار نہ کیا ہوتا -

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶۴ (ج) ارباب فہم و دانش کے لئے سرمایہ نصیحت ہو -
اب سورت کے تمام مطالب پر از سر نو نظر ڈالو، اور دیکھو، ان تینوں مقاصد پر وہ مشتمل ہے یا نہیں؟

وَسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ
الْاَمْثَالَ ۝ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ ٤٥
الْجِبَالُ ۝ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ يَوْمَ تُبَدَّلُ ٤٦-٤٧
الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ ٤٨
مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۝ لِيَجْزِيَ ٤٩-٥٠
اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ ٥١
وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ٥٢ ع ١١/١٩

وہی نہیں ہو کہ اب سے پہلے قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے، ہمیں کسی طرح کا زوال نہ ہوگا ؟ تم انہی لوگوں
کی بستیوں میں بسے تھے جنہوں نے اپنی جانوں کے ساتھ نا انصافی کی تھی، اور تم پر اچھی طرح واضح
ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا، نیز تمہیں سمجھانے کے لئے طرح طرح کی مثالیں بھی ہم نے
بیان کردیں (پھر بھی تم سرکشی سے باز نہ آئے) ان لوگوں نے اپنی ساری تدبیریں کر ڈالی تھیں اور ٤٥
اگرچہ ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ پہاڑوں کو جگہ سے ہلا دیں، مگر اللہ کے پاس ان کی ساری
تدبیروں کا جواب تھا۔" (ان کی کوئی تدبیر بھی ظہورِ نتائج کو نہ روک سکی!) ٤٦
پس ایسا خیال نہ کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے جو وعدہ کر چکا ہے اس کے خلاف کرے گا۔
ایسا ہونا ممکن نہیں وہ (سب پر) غالب ہے، اور (اعمالِ بد کی) سزا دینے والا ہے! ٤٧

وہ دن، کہ جب یہ زمین بدل کر ایک دوسری ہی زمین ہو جائیگی اور آسمان بھی بدل جائیں گے اور سب لوگ خدائے یگانہ و غالب کے حضور حاضر ہوں گے! ٤٨

(١٦) آیت ٤٨ سے معلوم ہوا کہ جس حادثہ کو قرآن نے قیامت سے تعبیر کیا ہے، وہ اجرام سماویہ کا کوئی ایسا حادثہ ہوگا جو کرۂ ارضی کو بالکل بدل دے گا۔ نہ تو زمین وہ زمین رہیگی جیسی کہ اب ہے، نہ آسمان ویسا آسمان ہوگا جیسا اب نظر آ رہا ہے۔

تم اس دن مجرموں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ان کے کرتے گندھک کے ٤٩
ہونگے اور چہرے آگ کے شعلوں سے ڈھنپے ہوئے۔ یہ اس لئے ہوگا کہ اللہ ہر جان کو اس کی کمائی ٥٠
کے مطابق بدلہ دے دے۔ بلاشبہ وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے! ٥١
یہ انسانوں کے لئے ایک پیام ہے، اور اس لئے بھیجا گیا ہے کہ لوگوں کو خبردار کیا جائے، اور وہ
معلوم کرلیں کہ ان کا معبود ایک ہی معبود ہے، نیز اس لئے کہ سمجھ بوجھ والے اس سے نصیحت پکڑیں! ٥٢

(١٧) آخری آیت میں فرمایا۔ یہ سورت ایک پیامِ حق ہے، اور یہ پیام اس لئے بھیجا گیا ہے کہ:-
(ا) لوگ فساد و بدعملی کے نتائج سے متنبہ کئے جائیں۔
(ب) یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (بقیہ نوٹ بر صفحہ ٢٩٥)

وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۙ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۙ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ ۱۶-۱۷
شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ○ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۱۸
مَّوْزُوْنٍ ○ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ○ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا ۱۹-۲۰
عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ○ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ ۲۱

پھٹکارے ہوئے شیطان سے اس کی حفاظت کردی
الا یہ کہ کوئی گن سن لینا چاہے تو پھر ایک چمکتا
ہوا شعلہ ہے جو اس کا تعاقب کرتا ہے - ۱۸
اور (دیکھو) ہم نے زمین (کی سطح) پھیلادی
(یعنی ایسی بنادی کہ تمہارے لئے بچھے ہوئے فرش کی
طرح ہوگئی) اور اس میں پہاڑ گاڑ دیئے نیز جتنی
چیزیں اس میں اگائیں سب وزن کی ہوئی اگائیں ۱۹
اور تمہارے لئے معیشت کا سارا سامان مہیا کردیا
اور ان مخلوقات کے لئے بھی کردیا جن کے لئے تم
روزی مہیا کرنے والے نہیں ہو ! ۲۰
اور (دیکھو) کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ اس
کے ذخیرے ہمارے پاس نہ ہوں مگر ہم انہیں ایک
ٹھہرائے ہوئے اندازہ کے مطابق ہی بھیجتے ہیں ۲۱
اور (دیکھو) ہم نے ہوائیں چلائیں کہ (پانی
کے ذرّوں سے) باردار تھیں پھر آسمان سے پانی
برسادیا، اور وہ تمہارے پینے کے کام آیا، اور تم
نے اسے ذخیرہ کرکے نہیں رکھا تھا - ۲۲

کو عربی زبان میں برج" کا لفظ ستاروں کی ان بارہ فرضی آشکال کے لئے مستعمل ہوگیا جو قدما نے دورہ شمسی کے انضباط کے لئے قرار دی تھیں اس لئے سوال پیدا ہوا کہ آن میں بھی یہ لفظ اسی مصطلحہ معنی میں بولا گیا ہے' اور مقصود بارہ بُرج ہیں ؟ یا لغوی معنی میں مستعمل ہوا ہے' اور مقصود بڑے بڑے روشن ستارے ہیں جو بحر و بر کی ظلمتوں میں مسافروں کی رہنمائی کرتے ہیں -

بارہ برجوں کی تقسیم سب سے پہلے اہل بابل نے کی - پھر سریانی اقوام ان سے آشنا ہوئیں' اور بالآخر یونانیوں نے اختیار کرلیا - عربی زبان اپنی ابتدائی شکلوں میں عراق مصر اور شام کی حکمران زبان رہ چکی ہے' اور ان ملکوں کے ساتھ عربوں کے قدیم تجارتی تعلقات بھی معلوم و مسلم ہیں - پس اگر چاند کی منزلوں کی طرح سورج کے بارہ برجوں سے بھی عربی زبان آشنا ہوچکی ہو' تو یہ کوئی عجیب بات نہ ہوگی لیکن اس میں شک نہیں کہ عرب جاہلیت کے کلام سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا - عبدالرحمٰن بن عمر الصوفی نے الکواکب و الصوّر میں ان تمام کواکب کے نام جمع کرد‌ئے ہیں جو عرب جاہلیت میں مشہور تھے اور جن کی تعداد ڈھائی سو کے قریب ہے' لیکن ان میں بارہ برجوں کی صورتوں کا کوئی ذکر نہیں ہے' اور تبریزی نے ابوالعلا کا قول نقل کیا ہے "الم تکن العرب تعرفھا فی القدیم" [۱]

پس زیادہ صاف بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہاں بُرج سے مقصود روشن کواکب ہیں - چنانچہ حضرت ابن عباس سے

[۱] شرح التبریزی علی الحماسہ جلد ۴ صفحہ ۱۳۵ - طبع مصر - قس بن ساعدۃ الایادی کی طرف جو خطبہ منسوب ہے' اس میں بلاشبہ بُرج کا لفظ آیا ہے : لیل داج، وسماء ذات ابراج - لیکن اول تو اس کی صحت بہت مشکوک ہے' ثانیاً اس میں بھی بُرج کا استعمال لغوی معنی میں ہوسکتا ہے' ضروری نہیں کہ مصطلحۂ فلکیین ہو - عربی میں "برج" کے اصلی معنی ظہور و نمایش کے ہیں' اور اسی سے "تبرج" ہے' یعنی زینت کی نمایش کرنا - پھر اس کا اطلاق قصر، محل، منزل اور شاہراہ پر بھی ہونے لگا کہ یہ تمام چیزیں ظاہر و نمایاں ہوتی ہیں +

۶ وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ
۷-۸ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا
۹-۱۰ الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا يَاْتِيْهِمْ
۱۱-۱۲ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَا يُؤْمِنُوْنَ
۱۳-۱۴ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝
ع ۱۵ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي
السَّمَآءِ بُرُوْجًا

۶ اور (اے پیغمبر) ان لوگوں نے تم سے کہا "اے وہ آدمی کہ تجھ پر نصیحت اُتری ہے، تو (ہمارے خیال میں)
۷ یقیناً دیوانہ ہے۔ اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ایسا کیوں نہیں کرتا کہ فرشتے اتار کر ہمیں دکھا دے"؟
ہم فرشتے بیکار کو نہیں اتارا کرتے جبھی اتارتے ہیں کہ کوئی مصلحت ہوتی ہے اور (جب فرشتے
۸ اتر ینگے) تو اس وقت انہیں مہلت عمل نہیں ملے گی (وہ تو فیصلہ عمل کا دن ہوگا)
بلاشبہ خود ہم نے الذکر (یعنی قرآن کہ سرتاپا نصیحت ہے) اتارا ہے، اور بلاشبہ خود ہم ہی اس کے
۹ نگہبان ہیں۔
۱۰ اور (اے پیغمبر!) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے تم سے پہلے بھی پچھلے گروہوں میں پیغمبر بھیجے لیکن ایسا کبھی نہیں
ہوا کہ کسی گروہ میں کوئی پیغمبر آیا ہو اور لوگوں نے اس کی ہنسی نہ اڑائی ہو (یہ پہلے سے ہوتا آیا ہے اور
۱۱ اب بھی ہو رہا ہے)
تو دیکھو، اس طرح ہم مجرموں کے دلوں میں کلام حق کی مخالفت بٹھا دیتے ہیں (یعنی ہمارا ٹھیرایا ہوا
۱۲ قانون ایسا ہی ہے کہ جن دلوں میں جرم ہوتا ہے، ان میں حق کی مخالفت بھی جم جاتی ہے) وہ اس
۱۳ پر ایمان لانے والے نہیں، اور جو پہلے گزر چکے ہیں، ان کا بھی ایسا ہی دستور رہ چکا ہے۔
۱۴ اگر ہم ان پر آسمان کا ایک دروازہ کھول دیں اور یہ دن دہاڑے اس پر چڑھنے لگیں جب بھی
۱۵ نہیں مانیں گے۔ یہ کہنے لگیں گے "ضرور ہماری آنکھیں متوالی ہو گئی ہیں، یا ہم پر جادو کر دیا گیا ہے"
اور (دیکھو) یہ ہماری ہی کارفرمائی ہے کہ آسمان
میں برج بنا دیئے (یعنی روشن کواکب پیدا کر دیئے)
اور اسے دیکھنے والوں کے لئے خوشنما کر دیا۔ نیز ہم

(۳۱) یہاں آیت (۱۶) میں نیز دو اور مقامات میں بھی، قرآن نے "برج" کا لفظ استعمال کیا ہے: تبارک الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیھا سراجا و قمرا منیرا (۶۱:۲۵) والسماء ذات البروج (۱:۸۵) چونکہ عبد

۲۹-۳۰- لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝

۳۲ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ

۳۳-۳۴ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

۳۵-۳۶ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ

۳۷-۳۸ الْمَعْلُوْمِ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

۳۹ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ

۲۹-۳۰ ہو جاؤ" چنانچہ جتنے فرشتے تھے سب اس کے
۳۱ آگے سربسجود ہو گئے۔ مگر ابلیس اس پر یہ بات شاق
۳۲ گذری کہ سجدہ کرنے والوں میں سے ہوا۔
اللہ نے فرمایا: "اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟"
۳۳ کہا "مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے خمیر اٹھے ہوئے گارے سے بنایا ہے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے"
۳۴- حکم ہوا "اگر ایسا ہے تو یہاں سے نکل جا، کہ تو راندہ ہوا اور جزا کے دن تک تجھ پر لعنت ہوئی"
اس نے کہا "خدایا! مجھے اس دن تک
مہلت دے جب انسان (دوبارہ) اٹھائے
۳۶ جائیں گے"۔
فرمایا "اس مقررہ وقت کے دن تک
۳۷- مجھے مہلت دی گئی"۔
اس نے کہا "خدایا! چونکہ تو نے مجھ پر
(نجات و سعادت کی) راہ بند کر دی، تو اب میں
ضرور ایسا کرونگا کہ زمین میں ان کے لئے (جھوٹی)
خوشنمائیاں بنا دوں (اور راہ حق سے) گمراہ
کروں۔ ہاں ان میں جو تیرے مخلص بندے ہونگے،
(میں جانتا ہوں) میرے بہکانے میں آنے والے
۴۰ نہیں"۔
فرمایا "یہی سیدھی راہ ہے جو مجھ تک پہنچانے

سورج کی زرافشانی، غرض کہ آسمان کا کونسا منظر ہے جس میں نگاہوں کے لئے زینت نہیں؟ جس میں دلوں کے لئے راحت و سکون نہیں؟ یہ استدلال مہماتِ دلائل قرآنی میں سے ہے اور ضروری ہے کہ تفسیر سورۂ فاتحہ کے مبحث برہان فضل و رحمت کا مطالعہ کر لیا جائے۔

(۵) آیت (۱۷) سے معلوم ہوتا ہے کہ اجرام سماوی کی حفاظت کا سامان نہ کر دیا گیا ہوتا، تو ایسی شیطانی قوتیں تھیں جو ان کے اعمال میں خلل انداز ہوتیں۔ نیز یہ کہ جب کوئی ایسی قوت ٹوہ لگانا چاہتی ہے، تو شعلے بھڑکتے ہیں اور انہیں قریب نہیں آنے دیتے۔

آیت میں "شہاب مبین" کا لفظ آیا ہے۔ شہاب شعلہ کو کہتے ہیں، لیکن چونکہ اس کا اطلاق اس ستارے پر بھی ہوتا ہے جو راتوں کو ٹوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے، اس لئے مفسرین نے خیال کیا، یہاں شہاب سے مقصود وہی ستاروں کا ٹوٹنا ہے لیکن قرآن میں کوئی ایسی تفصیل نہیں جس سے یہ بات متعین کی جا سکے۔ صرف "شہاب" کا لفظ ہے، اور اس کے معنی شعلے کے ہیں۔ باقی رہی اس معاملہ کی حقیقت، تو یہ عالم غیب کے معاملات میں سے ہے جسے ہم اپنے وسائل علم و ادراک سے معلوم نہیں کر سکتے۔ وحی الٰہی نے جس قدر تصریح کر دی ہے اس پر یقین کرنا چاہئے اور مزید کاوش میں نہیں پڑنا چاہئے۔

(۶) زمین گیند کی طرح گول ہے، لیکن حکمت الٰہی نے اس

مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ ۲۳
وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ ۲۴
اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ وَالْجَآنَّ ۲۵ ۲۶
خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ ۲۷
صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا ۲۸

اور یہ ہم ہی ہیں کہ جلاتے ہیں اور موت طاری کرتے ہیں، اور ہمارے ہی قبضہ میں سب کی کمائی آتی ہے -

اور بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کو بھی جانا جو تم میں پہلے آنے والے تھے، اور انہیں بھی جو پیچھے آنے والے ہیں !

اور (اے پیغمبر!) یہ تیرا پروردگار ہی ہے جو ان سب کو (قیامت کے دن اپنے سامنے) جمع کرے گا۔ وہ حکمت والا علم والا ہے !

اور بلاشبہ یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو خمیر اٹھے ہوئے گارے سے بنایا، جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے، اور ہم جان کو اس سے پہلے جلتی ہوئی ہوا کی گرمی سے پیدا کر چکے تھے -

اور (اے پیغمبر!) جب ایسا ہوا تھا کہ تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا میں خمیر اٹھے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے، ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں (یعنی نوع انسانی پیدا کرنے والا ہوں) تو جب ایسا ہو کہ میں اسے درست کر دوں (یعنی وہ وجود تکمیل کو پہنچ جائے) اور اس میں اپنی رُوح پھونک دوں، تو چاہئے کہ تم سب اس کے آگے سربسجود

ایسی ہی تفسیر منقول ہے، اور ترجمہ میں ہم نے اسی کو ترجیح دی ہے -

(۴) اس آیت میں فرمایا وزینّٰها للنّٰظرین ہم نے اس
فضا کو جو تمہارے اوپر پھیلی ہوئی ہے، اس طرح بنا دیا کہ ۲۳
دیکھنے والوں کے لئے اس میں خوشنمائی پیدا ہو گئی یہ مقام
بھی من جملہ ان مقامات کے ہے جہاں قرآن نے جمال فطرت
سے استدلال کیا ہے یعنی اس بات سے استدلال کیا ہے کہ
کائنات ہستی کے تمام مظاہر اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ ان میں ۲۴
حسن و جمال کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے، اور یہ اس حقیقت کا
ثبوت ہے کہ رحمت و فیضان کا کوئی ارادہ یہاں ضرور کام
کر رہا ہے جو چاہتا ہے کہ جو کچھ بنے، حسن و خوبی کے ساتھ بنے
اور اس میں روحوں کے لئے سرور اور نگاہوں کے لئے عیش و ۲۵
نشاط ہو!

اگر ایک صاحب رحمت ہستی کی یہ کارفرمائی نہیں ہے
تو پھر کس کی ہے؟ نہیں تمہاری فطرت کہہ رہی ہے کہ یہ سب
کچھ کسی ایسی ہستی کی کاریگری ہے جو حسن و جمال کا فیضان ہو!
یہاں فرمایا کہ آسمان کو دیکھو۔ عربی میں سماء کے معنی ۲۶
بلندی کے ہیں۔ مکان کے لئے اس کی چھت اس کی سماء ۲۷
ہوتی ہے۔ پس یہ جو بلندی تمہیں نظر آ رہی ہے کس طرح
دیکھنے والوں کے لئے حسین و جمیل بنا دی گئی ہے! چاندنی
راتوں میں چاند کی شب افروزیاں دیکھو۔ اندھیری راتوں
میں ستاروں کی جلوہ ریزیوں کا نظارہ کرو، صبح جب اپنی
ساری دلفریبیوں کے ساتھ آتی ہے، شام جب اپنی ساری
رعنائیوں کے ساتھ چھپتی ہے، گرمیوں میں صاف و ۲۸
شفاف آسمان کا نکھرنا، بارش میں بادلوں کا ہر طرف
سے امنڈنا، شفق کی لالہ گونی، قوس قزح کی بوقلمونی

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ إِنَّا مِنكُمْ وَجِلُونَ ۝ قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ ۵۲
عَلِيمٍ ۝ قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰ أَن مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ ۝ قَالُوا بَشَّرْنَاكَ بِالْحَقِّ ۵۳ - ۵۴
فَلَا تَكُن مِّنَ الْقَانِطِينَ ۝ قَالَ وَمَن يَقْنَطُ مِن رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ۝ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ ۵۵ - ۵۶
أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۝ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۝ إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ ۵۷ - ۵۸
أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا امْرَأَتَهُ ۵۹

لیا کرتے ہیں کہ رتی بھر بھی ادھر ادھر نہ ہو جائے پس ہر چیز کے موزون ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ زمین میں جتنی نباتات اگتی ہیں، سب کے لئے حکمت الٰہی نے ایک خاص اندازہ ٹھہرا دیا ہے۔ ہر چیز اپنی نوعیت، اپنی کمیت، اپنی کیفیت میں ایک جچی تلی حالت رکھتی ہے جس سے کبھی باہر نہیں جا سکتی۔ ممکن نہیں کہ گھاس کی ایک شاخ بھی ایسی اگ آئے جو گھاس کے مقررہ اندازہ اور تناسب کے خلاف ہو۔

طرح طرح کے غلے، طرح طرح کے پھول، طرح طرح کے پھل، طرح طرح کی سبزیاں، طرح طرح کے درخت، طرح طرح کی گھانس ہر طرف اگ رہی ہیں، اور نہیں معلوم کب سے اگ رہی ہیں لیکن کوئی چیز بھی ان میں ایسی ہے جس کی شکل، ڈیل ڈول، رنگت، خوشبو، مزہ اور جملہ خاصہ ایک خاص مقررہ اندازہ پر نہ ہو، اور ٹھیک ٹھیک کانٹے کی تول نہ ہو! ایک دانہ اٹھاؤ، پھول کی ایک کلی توڑ لو، گھانس کی ایک پتی سامنے رکھ لو، اور دیکھو، ان کی ساری باتیں کس طرح تلی ہوئی اور کس دقیقہ سنجی کے ساتھ سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں۔ اگر حجم ہے تو اس کا ایک مقررہ اندازہ ہے۔ لاکھو مرتبہ بوؤ، کروڑ مرتبہ بوؤ۔ اس اندازہ میں فرق آنے والا نہیں۔ اگر شکل ہے تو اس کا ایک خاص اندازہ ہے۔ وہ چیز جب اگے گی اسی شکل میں اگے گی۔ اگر رنگت ہے، خوشبو ہے، مزہ ہے، خاصہ ہے، تو سب کا ایک مقررہ اندازہ ہے، اور یہ اندازہ قطعی ہے، دائمی ہے، اٹل ہے، امٹ ہے، اور ہمیشہ اس یکسانیت کے ساتھ ظہور میں آتا ہے، گویا مٹی کے ایک ایک ذرہ میں ایک ایک ترازو رکھ دیا گیا ہے، اور وہ ایک ایک دانے، ایک ایک پتے، ایک ایک پھل کو تول تول کر بانٹ رہا ہے۔ ممکن نہیں اس تول میں کبھی خرابی پڑے!

"موزون" میں تناسب و اعتدال کا مفہوم بھی داخل ہے، یعنی جتنی چیزیں اگتی ہیں، اپنی ساری باتوں میں تناسب و

جب یہ مہمان اس کے پاس آئے، تو کہا "تم پر
سلامتی ہو"
ابراہیم نے کہا "ہمیں تم سے اندیشہ ہے
(کہ تم کون لوگ ہو؟) ۵۲
انہوں نے کہا "ڈرو مت۔ ہم تو تمہیں ایک علم
والے فرزند کی پیدائش کی خوشخبری سناتے ہیں" ۵۳
ابراہیم نے کہا "تم مجھے اس بات کی خوشخبری دیتے
ہو حالانکہ مجھ پر بڑھاپا طاری ہوگیا ہے کونسی امید
اب رہ گئی ہے کہ یہ خوشخبری مجھے سناؤ" ۵۴
انہوں نے کہا "ہم نے تمہیں سچائی کے ساتھ
خوشخبری سنائی پس تمہیں ناامید نہ ہونا چاہئے" ۵۵
ابراہیم نے کہا "نہیں میں اللہ کی رحمت سے
ناامید نہیں ہوں۔ کیونکہ گمراہوں کے سوا کون ہے
جو اپنے پروردگار کی رحمت سے مایوس ہو سکتا ہے"! ۵۶
پھر اس نے پوچھا "تم لوگ جو بھیجے ہوئے آئے
ہو، تو تمہیں (اور) کونسی مہم درپیش ہے؟" ۵۷
انہوں نے کہا "ہم ایک مجرم گروہ کی طرف بھیجے
گئے ہیں (کہ ہلاک ہونے والا ہے) مگر ہاں ایک ۵۸
خاندان وہاں لوط کا ہے اس کے تمام افراد کو ہم
بچالیں گے۔ البتہ اس کی بیوی نہیں بچے گی اس کیلئے ۵۹

۴۱-۴۲ مُسْتَقِيْمٌ ○ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ وَاِنَّ
۴۳-۴۴ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ○ اِنَّ
۴۵-۴۶ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ○ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ○ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ
۴۷-۴۸ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ○ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ○ نَبِّئْ
۴۹-۵۰ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ○ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ
۵۱ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ

۴۱ کی کرویت کا نشیب و فراز اس طرح چھپا دیا ہے کہ کوئی آنکھ
اونچ نیچ محسوس نہیں کر سکتی، اور اس کا ہر گوشہ اپنی جگہ
ایک بچھے ہوئے فرش کی طرح سطح ہے۔ اگر سطحیت کی یہ حالت
۴۲ پیدا نہ ہوتی تو وہ تمام ارضی خصوصیات بھی ظہور میں نہ آتیں
جنہوں نے زمین کو زندگی و معیشت کے لئے خوشگوار بنا دیا
۴۳ ہے۔
یہی وجہ ہے کہ قرآن جا بجا اس کی سطح کے پھیلاؤ پر زور
دیتا ہے اور کہتا ہے "خدا نے اسے فرش کی طرح بچھا دیا۔"
۴۴ یہاں بھی آیت (۱۹) میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔
لیکن زمین کے قابلِ معیشت و سکون ہونے کے لئے صرف
اسی قدر کافی نہ تھا۔ اس کی بھی ضرورت تھی کہ اس میں جا بجا
۴۵ ایسی بلندیاں ہوتیں جو پانی کے خزانے جمع کریں اور پھر بلندی
سے اس طرح گرائیں کہ سینکڑوں کوسوں تک بہتا ہوا چلا
۴۶ جاتا۔ اور میدانی علاقوں کو سرسبز و شاداب کر دیتا۔ پس
فرمایا: والقینا فیھا رواسی ہم نے اس کی سطح پھیلا
دی۔ پھر اس میں پہاڑ پیدا کر دئے، جو اس لحاظ سے بھی کہ
طرح طرح کی معدنیات کا سرچشمہ ہیں اور اس لحاظ سے
بھی کہ دریاؤں کی روانی کا منبع ہیں زمین کی افادی نوعیت
۴۷ کے لئے ایک ضروری عنصر تھے۔

= =
۴۸

(۷) آیت (۱۹) میں زمین کی نسبت تین باتیں ہیں:
پہلی یہ کہ بچھی ہوئی ہے۔ دوسری یہ کہ پہاڑوں کی بلندیاں
۴۹ ہیں۔ تیسری یہ کہ جتنی چیزیں اس میں اگتی ہیں، سب
۵۰ موزون ہیں۔
موزون یعنی وزن کی ہوئی۔ اگر کسی چیز کو ٹھیک ٹھیک
۵۱ کسی خاص اندازہ پر رکھنا ہوتا ہے تو اسے کانٹے میں تول

والی ہے۔ جو میرے (مخلصین) بندے ہیں ان پر
تیرا کچھ زور نہیں چلے گا۔ صرف انہی پر چلے گا۔ جو
(تیری بندگی کی) راہ سے بھٹک گئے، اور ان سب کے لئے
جہنم کے عذاب کا وعدہ ہے (جو کبھی ٹلنے والا
نہیں) اس کے سات دروازے ہیں۔ ان کی
ہر ٹولی کے حصہ میں ایک دروازہ آئے گا جس سے
جہنم میں داخل ہونگے۔"
بلاشبہ متقی انسان (اس دن) باغوں اور
چشموں (کے عیش و راحت) میں ہونگے (انہیں
کہا جائے گا) سلامتی کے ساتھ بہ اطمینان ان باغوں
میں داخل ہو جاؤ۔ ان کے دلوں میں جو کچھ (باہمی)
رنجشیں تھیں سب ہم نے نکال دیں۔ وہ
بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے سامنے تختوں
پر بیٹھے ہوں گے۔ وہاں کسی طرح کا صدمہ انہیں
چھو نہیں سکے گا۔ نہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے۔
(اے پیغمبر) میرے بندوں کو آگاہ کر دے کہ بلا
شبہ میں ہی ہوں کہ بخشنے والا، رحمت والا ہوں
اور بلاشبہ میرا عذاب بڑا دردناک عذاب ہوتا ہے
اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں کا معاملہ بھی سنا دو

أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ○ قَالَ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِي فَلَا تَفْضَحُونِ ○ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ ۶۷ - ۶۸
لَا تُخْزُونِ ○ قَالُوٓا أَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِينَ ○ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيٓ إِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِينَ ○ ۶۹ - ۷۰ - ۷۱
لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ○ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ ○ فَجَعَلْنَا عٰلِيَهَا ۷۲ - ۷۳
سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ ○ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ ○ ۷۴ - ۷۵

یہ بات کہ پانی کے جمع ہونے اور ایک خاص ترتیب اور اندازہ کے ساتھ برستے رہنے کا ایک پورا کارخانہ بنا ہوا ہے اور وہ زمین کی احتیاج کے ٹھیک ٹھیک مطابق ہے، یہاں استدلال کا اصلی نقطہ ہے۔ کیونکہ تقدیر و تنظم کی یہ حالت بغیر اس کے نہیں ہوسکتی کہ ربوبیت کا کوئی ارادہ پس پردہ کام کر رہا ہو۔ اسی حقیقت کو ہم نے تفسیر سورۂ فاتحہ میں "نظام ربوبیت" سے تعبیر کیا ہے اور ضروری ہے کہ اس پر نظر ڈال لی جائے۔

اس کے بعد فرمایا: ہم ہی ہیں کہ جلاتے ہیں اور موت طاری کرتے ہیں اور اس کا علم رکھتے ہیں کہ کون پہلے آنے والوں میں ہوئے، کون پیچھے آنے والوں میں۔ یعنی جس طرح ہم نے تمام چیزوں کی تقدیر کر دی ہے یعنی مقررہ اندازہ ٹھہرا دیا ہے اسی طرح موت و حیات کا بھی ایک خاص اندازہ ٹھہرا دیا ہے اور قوموں کے تقدم و تاخر کے لئے بھی مقررہ اندازہ ہے۔ ہر ہستی جو پیدا ہوتی ہے اپنے مقررہ اندازہ کے مطابق پیدا ہوتی ہے اور ہر ہستی جو مرتی ہے مقررہ اندازہ کے مطابق مرتی ہے۔ تقدیر اشیاء و اجسام کا قانون عالمگیر قانون ہے۔ ہستی کا کوئی گوشہ نہیں جو اس سے باہر ہو۔

یہاں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ قرآن میں "قدر" اور "تقدیر" کا مطلب کیا ہے؟ نیز ان تمام غلط فہمیوں کا ازالہ ہو گیا جو اس بارہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔

(۹) اس کے بعد آیت (۲۵) میں فرمایا: وان ربك هو يحشرهم، انه حكيم عليم۔ یعنی ایسا ضرور ہونے والا ہے کہ تمہارا پروردگار جزائے عمل کے لئے انہیں اپنے حضور جمع کرے کیونکہ تمام باتوں کی طرح اس بات کے لئے بھی اس نے ایک اندازہ ٹھہرا دیا ہے۔ وہ حکیم و علیم ہے، اور جب وہ حکیم ہے، تو ممکن نہیں کہ اس نے انسان کے اعمال کے لئے کوئی اندازہ نہ ٹھہرایا ہو، اور جب وہ علیم ہے تو ممکن نہیں کہ انسان کے اعمال اس کی نظر سے پوشیدہ رہ سکیں۔

(۱۰) اس کے بعد یہ حقیقت واضح کی کہ قدرت الٰہی نے کس طرح

(اور اس اثنا میں ایسا ہوا کہ) شہر کے لوگ
خوشیاں مناتے ہوئے آ پہنچے۔ ۶۷
لوط نے کہا "دیکھو یہ (نئے آدمی) میرے
مہمان ہیں تو میری فضیحت نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو۔ تم ۶۸
میری رسوائی کے کیوں درپے ہو گئے ہو؟" ۶۹
انہوں نے کہا "کیا ہم نے تجھے اس بات سے
نہیں روک دیا تھا کہ کسی قوم کا آدمی ہو، لیکن
اپنے یہاں نہ ٹھہراؤ" (اگر ٹھہراؤ گے تو پھر جو کچھ
ہمارے جی میں آئے گا کر گذریں گے) ۷۰
لوط نے کہا "اگر ایسا ہی ہے تو دیکھو یہ میری
بیٹیاں کھڑی ہیں (یعنی باشندگان شہر کی بیویاں
جن کی طرف وہ ملتفت نہیں ہوتے تھے) ان کی
طرف ملتفت ہو"۔ ۷۱
(تب فرشتوں نے لوط سے کہا) "تمہاری
زندگی کی قسم، یہ لوگ تو اپنی بدمستیوں میں کھوئے
گئے ہیں" (تمہاری باتیں ماننے والے نہیں) ۷۲
غرض کہ سورج نکلتے نکلتے ایک ہولناک
آواز نے انہیں آ لیا۔ پس ہم نے وہ بستی زیر و زبر کر ۷۳
ڈالی اور پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی ان پر بارش کی ۷۴
بلاشبہ اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے بڑی ہی نشانیاں
ہیں جو حقیقت کی پہچان رکھنے والے ہیں۔ ۷۵

٦١ ٦٢ قَدَّرْنَآ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝
٦٣ ٦٤ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ فَاَسْرِ
٦٥ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۝
٦٦ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۝ وَجَآءَ

اعتدال کی حالت رکھتی ہیں. کوئی شے نہیں جو اپنی کمیت وکیفیت میں غیر متناسب اور غیر معتدل ہو۔

ہمارا اندازہ ہو چکا - وہ پیچھے رہ جانے والوں کا ساتھ دے گی۔"

پھر جب ایسا ہوا کہ بھیجے ہوئے (فرشتے) خاندان لوط کے پاس پہنچے، تو اُس نے کہا "تم
٦١+٦٢ لوگ اجنبی آدمی معلوم ہوتے ہو"

(۸) تفسیر سورۂ فاتحہ میں "نظام ربوبیت" کی بحث گزر چکی ہے،
آیت (۲۰) کا اسی روشنی میں مطالعہ کرو، اور دیکھو کتنے مختصر اور کیسے
سیدھے سادھے لفظوں میں کتنی بڑی حقیقت بیان کر دی
گئی ہے؟ فرمایا۔ جعلنا لکم فیہا معایش۔ ہم نے زمین
٦٣ میں تمہارے لئے زندگی و معیشت کے سارے سروسامان مہیا
٦٤ کر دیئے لیکن کس طرح مہیا کئے؟ اس طرح، کہ اگرچہ ہر چیز کے ہمارے
پاس ذخیرے ہیں، لیکن ان کی بخشش ایک مقررہ اندازے ہی
کے ساتھ ہوتی ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ بغیر کسی اندازہ اور نظام
کے تمام چیزیں بکھیر دی ہوں۔ اور یہ جو ایک مقررہ اندازہ کا
نظام ہے یعنی تقدیر اشیاء کا، تو یہی ہے جو بتلا رہا ہے کہ یہاں
کوئی اندازہ مقرر کرنے والی اور اسے قائم رکھنے والی ہستی ضرور
ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا، تو ممکن نہ تھا کہ اس اندازہ شناسی
٦٥ اور انضباط کے ساتھ ہر ضروری چیز کی بخشش کا نظام قائم ہو جاتا۔
پھر اس کے بعد بارش کی مثال دے کر مزید وضاحت فرما
دی۔ فرمایا۔ بارش زمین کی شادابی اور روئیدگی کا ذریعہ
ہے۔ اگر یہ نہ ہو، تو زمین کی روئیدگی بھی نہ ہو لیکن دیکھو
٦٦ کس طرح یہ معاملہ ظہور میں آتا ہے، اور کس طرح مقررہ
اندازوں اور پیمانوں کا ایک پورا نظام کام کر رہا ہے؟ پہلے
سمندر سے بھاپ اٹھتی ہے۔ وہ پانی کے ذروں سے باردار ہو کر (یعنی انہیں اپنے اندر لے کر) بلندی کی طرف چڑھتی ہے، پھر بلندی میں ابر کی چادریں بنتی ہیں، اور چادریں فضا میں پھیل جاتی ہیں۔ پھر وہی چادریں بارش کے قطرے بن کر گرنے لگتی ہیں، اور زمین کے ایک ایک ذرے کو شاداب کر دیتی ہیں۔ تم نے پانی کے ذخیرے جمع کر کے نہیں رکھے تھے لیکن آسمان جمع کرتا رہتا ہے، اور پھر ٹھیک ٹھیک تمہاری احتیاج کے مطابق مطلوبہ مقدار تمہیں بخش دیتا ہے!

انہوں نے کہا "نہیں، یہ بات نہیں ہے" بلکہ ہم تمہارے پاس وہ بات لے کر آئے ہیں، جس میں لوگ شک کیا کرتے تھے (یعنی ہلاکت کے ظہور کی خبر جس کا لوگوں کو یقین نہ تھا) ہمارا آنا ایک امر حق کے لئے ہے اور اپنے بیان میں سچے ہیں۔ پس چاہئے کہ کچھ رات رہے اپنے گھر کے لوگوں کو لے کر نکل جاؤ اور ان کے پیچھے قدم اٹھاؤ، اور اس بات کا خیال رکھو کہ کوئی پیچھے مڑ کے نہ دیکھے جہاں جانے کا حکم دے دیا گیا ہے (اسی طرف رخ کئے) چلے جائیں"۔

غرض کہ ہم نے لوط پر حقیقت حال واضح کر دی کہ ہلاکت کا ظہور ہونے والا ہے اور باشندگان شہر کی بیخ و بنیاد صبح ہوتے ہوتے اکھڑ جانے والی ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ
۸۵-۸۶ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ
۸۷ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ
۸۸-۸۹ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ۝

ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ اُن میں
ہے کسی مصلحت ہی سے بنایا ہے (بیکار کو نہیں بنایا
ہے) اور یقیناً مقررہ وقت آنے والا ہے پس
(اے پیغمبر!) چاہیے کہ حسن و خوبی کے ساتھ (مخالفوں
۸۵ کی مخالفتوں سے) درگزر کرو۔ تمہارا پروردگار ہی ہے
جو (سب کا) پیدا کرنے والا اور (سب کی حالت
۸۶ جاننے والا ہے!
اور بلاشبہ ہم نے تمہیں دُہرائی جانے والی آیتوں
میں سے سات آیتوں کی سورت عطا فرمائی ہے (یعنی
سورۂ فاتحہ) اور قرآنِ عظیم (اور اُس کا دُہرا دُہرا کر نماز
۸۷ میں پڑھنا تمہارے لیے کفایت کرتا ہے)
(اور) یہ جو ہم نے اُن میں سے کئی قسم کے لوگوں
کو (فوائد زندگی سے) بہرہ مند کر دیا ہے، تو تم (رشک
کی نظر سے) اُنہیں نہ دیکھو، اور نہ ایسا ہو کہ اُن کی
حالت پر بیکار کو غم کھانے لگو۔ تم مومنوں کے لیے
اپنے بازو پھیلا دو (یعنی اُنہی کی طرف ہمہ تن متوجہ
۸۸ ہو جاؤ) اور اعلان کر دو کہ میں (انکار و بدعملی کے نتائج
۸۹ سے) خبردار کرنے والا ہوں۔ آشکارا۔

حجاز سے فلسطین کی طرف جائیں خواہ مصر کی طرف، اُن کے کھنڈر راہ میں ضرور پڑتے تھے، شہر حجر میں بسنے والی قوم لیے قوم ثمود جس کا مقام بھی اسی شاہراہ پر واقع تھا۔ یعنے حجاز اور شام کی شاہراہ پر۔

(۱۲) قرآن میں "الساعۃ" کا لفظ کہیں تو روزِ قیامت کے لیے بولا گیا ہے کہیں ایک ایسے فیصلہ کن دن کے لیے جو دعوتِ حق اور اُس کے مخالفوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا آیت (۸۵) میں "الساعۃ" سے مقصود ایسا ہی دن ہے۔ قیامت کا دن نہیں ہے جیسا کہ اکثر مفسروں اور مترجموں نے قرار دیا ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح پچھلے رسولوں سے مقابلہ کرنے والے ناکام رہے اسی طرح اب بھی مخالف و سرکش ناکام رہیں گے، اور وہ دن دور نہیں جب حق و باطل کی اِس کشمکش کا فیصلہ ہو جائے گا۔

اِس کے بعد فرمایا: فاصفح الصفح الجمیل۔ ان ربک ھو الخلاق العلیم۔ یعنے جب صورت حال ایسی ہے تو چاہیے کہ لوگوں کی سرکشی و شرارت سے آزردہ خاطر نہ ہو، اور حسن و خوبی کے ساتھ درگزر کرتے رہو۔ اللہ سب کا پیدا کرنے والا اور سب کی حالت جاننے والا ہے۔ پس اُس کے بندوں کا معاملہ اُسی پر چھوڑ دینا چاہیے۔

کسی بات سے درگزر کرنے کی ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ آدمی بے بس ہوتا ہے، اِس لیے مجبور ہو کر بدلہ نہیں لیتا درگزر کر دیتا ہے، لیکن دل نفرت و انتقام سے لبریز رہتا ہے۔ یہ "صفح" ہے۔ مگر "صفح جمیل" نہیں ہے۔

"صفح جمیل" یہ ہے کہ مجبور ہو کر نہیں بلکہ خود اپنی مرضی اور خواہش سے درگزر کیا جائے، اور نفرت و انتقام کا کوئی جذبہ دل میں نہ اُٹھے۔ اگر اُٹھے، تو غالب نہ آسکے۔ مغلوب ہو کر رہ جائے۔ پس فرمایا، تمہیں مخالفوں کے ساتھ "صفح جمیل" کرنا چاہیے۔

(۱۳) آیت (۸۷) سے آخر تک سورت کا خاتمہ ہے اور اس کی تمام موعظت و ارشاد کا خلاصہ۔ خطاب اگرچہ پیغمبر اسلام سے ہے، مگر فی الحقیقت مومنوں کی وہ ابتدائی جماعت مخاطب ہے جو مکہ میں ایمان لائی تھی اور مظلومی و

۷۶-۷۷ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ○ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ

ع ۱۹ ۷۸ ۷۹ لَظٰلِمِيْنَ ○ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ○ۭ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ

۸۰-۸۱ الْمُرْسَلِيْنَ ○ۙ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ○ۙ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ

۸۲-۸۳-۸۴ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ○ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ○ۙ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ۭ

ایک حقیر ترین چیز ہے، جو ہمیشہ تمہارے قدموں سے پامال ہوتی
رہتی ہے تمہاری ہستی پیدا کی اور اسے اس درجہ تک بلند کیا کہ
ملائکہ کی مسجود ہوگئی، اور دنیا کی تمام قوتیں اس کے اختیار و
تصرف میں دیدی گئیں۔ البتہ ایک قوت تمہارے آگے نہیں
۷۶ نہیں جھکی وہ ابلیس کی تھی، یہ تمہارے آگے جھکتی نہیں، بلکہ
تمہیں اپنے آگے جھکانا چاہتی ہے فرمایا جو انسان اس سے
مغلوب ہوگیا، اس نے راہ سعادت گم کردی، جو مغلوب نہیں
۷۷ ہوا، بلکہ اسے اپنے سے مغلوب رکھا، وہ اللہ کا سچا بندہ ہوا،
یعنی اس نے انسانیت کا وہ بلند ترین مقام پالیا، جو حکمت
الٰہی نے اسے عطا فرمایا ہے۔
۷۸ نیز فرمایا۔ جو اللہ کے مخلص بندے ہیں، ان پر ابلیس کا
داؤ چلنے والا نہیں۔ مغلوب وہی ہوتے ہیں جو راہِ عبودیت
سے بھٹک گئے۔
قرآن حکیم نے مختلف سورتوں میں نوع انسانی کی پیدائش
۷۹ کا ذکر کیا ہے۔ ضروری ہے کہ ان تمام مقامات پر بحیثیت مجموعی
نظر ڈالی جائے، اور معلوم کیا جائے کہ اس بارے میں قرآن کی
تصریحات کیا کیا ہیں، چونکہ آگے چل کر سورہ صٓ میں یہ بیان
۸۰ پھر آنے والا ہے، اس لئے یہاں صرف ربط مطالب کی تشریح
۸۱ پر اکتفا کرتے ہیں۔ باقی تمام تشریحات سورہ مذکورہ کے تشریحی
نوٹ میں ملیں گی۔
۸۲ اس آیت میں "جان" کی پیدائش کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔
"جان" اور "جن" کے لئے سورہ جن کا نوٹ دیکھنا چاہئے۔
۸۳ (۱۱) پھر آیت (۴۹) میں واضح کر دیا کہ اس باب میں
قانون الٰہی کیا ہے؟ فرمایا۔ بخشش اور رحمت ہے، لیکن جو
۸۴ لوگ اس سے فائدہ نہ اٹھائیں تو ان کے لئے عذاب بھی ہے
اور یہ عذاب بڑا ہی دردناک عذاب ہوتا ہے۔

اور (قوم لوط کی) یہ بستی (کسی غیر معروف گوشہ میں
نہ تھی وہ) ایسی راہ پر واقع ہے جہاں آمد و رفت
کا (اب بھی) سلسلہ قائم ہے (اور تم اپنی آنکھوں سے
دیکھ سکتے ہو) بلاشبہ اس (بستی کی حالت) میں
ایمان رکھنے والوں کے لئے ایک بڑی نشانی ہے۔
اور (اسی طرح) گھنے جنگل کے باشندے بڑے
ظالم تھے (یعنی قبیلہ مدین کے لوگ) انہیں بھی
ہم نے (ظلم و سرکشی کی) سزا دی، اور یہ دونوں
بستیاں (یعنی قوم لوط کی اور قبیلہ مدین کی)
شارع عام پر سب کو دکھائی دیتی ہیں۔
اور (دیکھو) حجر کے لوگوں نے بھی رسولوں
کی بات جھٹلائی ہم نے اپنی نشانیاں انہیں
دکھائیں مگر وہ روگردانی ہی کرتے رہے۔ وہ
پہاڑ تراش کے گھر بناتے تھے کہ محفوظ رہیں لیکن
(یہ حفاظتیں کچھ بھی کام نہ آئیں) ایک دن صبح کو
اٹھے تو ایک ہولناک آواز نے آپکڑا تھا۔ اور
اور جو کچھ انہوں نے اپنی سعی و عمل سے کمایا تھا
وہ کچھ بھی ان کے کام نہ آیا۔

اس کے بعد گذشتہ قوموں کے ایام و وقائع کی طرف توجہ دلائی ہے کہ انکار و بدعملی اور شرارت و سرکشی کا نتیجہ کیسے دردناک عذابوں کی شکل میں ظاہر ہوا؟ اس سلسلہ میں صرف تین قوموں کا ذکر کیا ہے جن کی آبادیوں پر سے عرب کے قافلے گذرتے رہتے تھے، اور ان کی ہولناک ہلاکتوں کے مناظر ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ تھے۔ یعنی قوم لوط جس کی بستیاں عرب اور فلسطین کے درمیان شاہراہ عام پر واقع تھیں؟

؟ قبیلہ مدین کی بستی بحر قلزم کے کنارے تھی۔ اور

۹۷ - ۹۸ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ
۹۹ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝

ہم اِس سے بے خبر نہیں کہ اِن لوگوں کی باتوں
۹۷ سے تمہارا دل رُکنے لگتا ہے ۔ سو چاہیئے کہ اپنے
پروردگار کی ستائش کو (شب و روز) وردِ زبان
کرلو، اس کے حضور سجدے میں گرے رہو ۔ اُس
کی بندگی میں لگے رہو ۔ یہاں تک کہ یقین تمہارے
۹۸ سامنے آجائے !

کر بسم اللہ اس کی پہلی آیت ہے یہ مفصل بحث البیان میں ملے گی ۔

اور پھر یہی وجہ ہے کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے، آنحضرت (صلعم) سورۂ فاتحہ سات وقفوں کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، اور ہر آیت کا آخری لفظ کسی قدر کھینچ کر ختم کرتے تھے جو اختتامِ صورت کی قدرتی صورت ہے ۔ ایسا نہیں کرتے تھے کہ صرف تین وقفوں میں پوری صورت ختم کر دیں ۔ یعنے الحمد سے لے کر یوم الدین تک ایک سانس میں ۔ اور پھر اہدنا الصراط المستقیم سے لے کر ولا الضالین تک ایک سانس میں جیسا کہ آج کل قرات کا عام طریقہ اختیار کر لیا گیا ہے ۔ راوی نے صرف اتنی ہی تصریح پر قناعت نہیں کی ہے بلکہ آیتیں پڑھ کر تبلا بھی دیا ہے کہ آپ اس طرح ہر آیت الگ الگ کر کے پڑھتے تھے ۔ اور اس طرح ہر آیت پر وقفہ کرتے تھے ۔ یعنے الحمد للہ رب العلمین (وقف) الرحمٰن الرحیم (وقف) مالک یوم الدین (وقف) ایاک نعبد وایاک نستعین (وقف) اہدنا الصراط المستقیم (وقف)

اور فی الحقیقت سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کا قدرتی اور صحیح طریقہ یہی ہو سکتا ہے ۔ سورۂ فاتحہ ایک دعا ہے، اور اس کی ہر آیت سائل کی زبان سے نکلی ہوئی طلب والحاح کی ایک صدا کا حکم رکھتی ہے ۔ جب ایک سائل کسی کے آگے کھڑا ہوتا ہے، اور اس کی مدح و ثنا کر کے حرفِ مطلب زبان پر لاتا ہے، تو ایسا نہیں کرتا کہ ایک خطیب کی طرح مسلسل تقریر کرنا شروع کر دے ۔ اور ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ جائے ۔ بلکہ طلب و نیاز کے لہجہ میں ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک بات کہے گا ۔ طلب و نیاز اور عجز والحاح کی حالت اُسے مہلت ہی نہ دے گی کہ ایک مرتبہ میں سب کچھ کہہ جائے ۔ مثلاً کہیگا ۔ آپ فیاض ہیں ۔ آپ کریم ہیں ۔ آپ کی جود و سخا کی دھوم ہے ۔ اگر آپ سے نہ مانگوں تو کس سے مانگوں ؟ اور ان میں سے ہر بول دوسرے بول سے ملا کر نہیں کہے گا، الگ الگ کر کے اور ٹھہر ٹھہر کر کہے گا ۔ بلاشبہ ان میں سے ہر جملہ بہ اعتبار مطلب کے دوسرے سے ملا ہوا ہے ۔ بات ایک ہی جملہ میں پوری نہیں ہو جاتی لیکن وقف و اتصال کے لیے صرف اتنی ہی بات کافی نہیں ہے ۔ طریقِ خطاب و کلام کا اداشناس جانتا ہے کہ زورِ کلام اور حُسنِ خطاب کے لیے کہاں وقفہ کرنا چاہیے ۔ کہاں نہیں کرنا چاہیے ۔

یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جب قرآن کے اُن تمام مقامات پر نظر ڈالی جائے، جہاں آنحضرت (صلعم) کا وقف کرنا روایات سے ثابت ہوتا ہے ۔ ان میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں متاخرین قراء کے نزدیک وقف نہیں ہونا چاہیے لیکن آنحضرت کا وقف کرنا ثابت ہے ۔ اور اگر مقام کی نوعیت پر غور کرو گے تو واضح ہو جائے گا کہ طریق کا خطیبانہ اسلوب یہی چاہتا ہے کہ یہاں وقفہ ہو ۔ بغیر اس کے زورِ کلام اُبھرتا نہیں ۔ اور گو آیت میں بات پوری نہیں ہوئی ہے لیکن موقع کا قدرتی اسلوبِ خطاب یہی ہے کہ وقفہ کیا جائے ۔ اتصال ضرورت نہ ہو ۔

۹۰ - ۹۱ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ

۹۱-۹۳-۹۴ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

۹۵ - ۹۶ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝

(اے پیغمبر! ہم نے اُسی طرح یہ کلام تم پر نازل کیا ہے) جس طرح ان لوگوں پر نازل کیا تھا جنھوں نے (دین حق کے) ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں، اور (اپنے) قرآن کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ تو دیکھو، تمہارا پروردگار شاہد ہے کہ ان سب سے ضرور اُن کے کاموں کی بازپرس ہوگی۔ پس جو کچھ تمہیں حکم دیا گیا ہے، لوگوں پر آشکارا کرو، اور مشرکوں کی کچھ پروا نہ کرو۔ ان ہنسی اُڑانے والوں کے لیے ہم تمہاری طرف سے بس کرتے ہیں۔ (یہ ہنسی اُڑانے والے) جو اللہ کے ساتھ دوسری ہستیوں کو بھی کو معبود بنالتے ہیں عن قریب معلوم کرلیں گے کہ حقیقت حال کیا تھی؟

بے سروسامانی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ فرمایا تم دیکھتے
ہوکر مخالفوں کے پاس ہر طرح کی دنیوی آسائشیں
اور دنیوی طاقتیں ہیں۔ تمہارے پاس ان میں سے کوئی چیز
۹۰ بھی نہیں، لیکن تم بھولتے ہو۔ تمہارے پاس بھی ایک چیز
۹۱ ہے جس سے تمہارے مخالف یک قلم تہی دست ہیں۔ اور وہ
اللہ کا کلام ہے۔ ولقد اتینٰك سبعا من المثانی
والقراٰن العظیم۔ اور اگر یہ نعمت تمہارے پاس موجود
۹۲ ہے، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم مخالفوں کی موجودہ خوشحالیوں
۹۳ کو حسرت و رشک کی نظر سے دیکھو۔ یہی ایک نعمت تمہیں
۹۴ دین و دنیا کی تمام نعمتوں سے سرفراز کر دینے والی
ہے۔
احادیث سے ثابت ہے کہ یہاں سبعا من المثانی
۹۵ سے مقصود سورۂ فاتحہ ہے۔
یہاں خصوصیت کے ساتھ سورۂ فاتحہ کا اس لیے ذکر
کیا کہ وہ قرآن کی تمام تعلیم کا خلاصہ اور ایمان و عمل کی زندگی
۹۶ کا روزانہ دستور العمل ہے اور جس فرد اور جماعت کی زندگی
ان سات آیتوں کی ورد و ملازمت میں بسر ہو رہی ہو، ممکن
نہیں کہ وہ دینی و دنیوی سعادتوں سے محروم رہے۔

نیز اس کے اس وصف پر زور دیا کہ وہ دہرائی جانے والی چیز ہے۔ یعنے ایک مومن زندگی کے لیے شب و روز کا ورد اسی میں ہے وہ ہر روز اپنی نمازوں میں اور نماز کی ہر رکعت میں اسے دہراتا رہتا ہے۔ اُس پر صبح آتی ہے تو اسی کی صدائیں چھیڑتی ہے، شام ہوتی ہے تو اسی کی صدائیں اُٹھتی ہیں۔ اس کی دوپہر کا نغمہ بھی یہی ہوتا ہے، اور اُس کی راتوں کا ترانہ بھی اس کے سوا کوئی نہیں :

جز نغمۂ محبت سازم نوا نہ دارد

اس آیت سے سورۂ فاتحہ کی بڑی ہی خصوصیت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے لیکن تشریح کی یہاں ضرورت نہیں کیونکہ یہ مبحث تفسیر فاتحہ میں گزر چکا ہے۔

(۱۴) اس آیت سے یہ بات بھی محقق ہوگئی کہ سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں، اور اس کے کلمات کی کوئی ایسی تقسیم صحیح نہیں ہوسکتی جس سے آیتوں کی یہ تعداد گھٹ جائے یا بڑھ جائے۔ چنانچہ جب اس اعتبار سے دیکھا جاتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے، یا تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی اس میں شامل ہے۔ یعنے اس کی پہلی آیت ہے، یا پھر صراط الذین انعمت علیھم اور غیر المغضوب علیھم ولا الضالین دو آیتیں ہیں، ایک آیت نہیں ہیں۔ کیونکہ بغیر اس کے سات آیتوں کی تعداد صحیح نہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ و تابعین کی ایک بڑی جماعت اس طرف گئی ہے

رکوع

فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ○ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ○ ٥ - ٦
وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○ ٧
وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○ وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ ٨
السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ

ہیں (یعنے اُن کی کھال اور اون میں) تمہارے لیے گرم کرنے والی پوشش ہے۔ نیز طرح طرح کے فائدے اور انہی میں ایسے جانور بھی ہیں جن کا
تم گوشت کھاتے ہو۔ ٥
اور دیکھو (انہیں کس طرح پیدا کیا کہ) ان میں تمہاری نگاہوں کے لیے خوش نمائی پیدا ہوگئی ہے جب
تم شام کے وقت اُنہیں (میدانوں سے چرا کر) واپس لاتے ہو، اور جب صبح کو (میدانوں میں) چھوڑ دیتے
ہو (تو اُس وقت اُن کا منظر کیسا خوشنما ہوتا ہے؟) ٦
اور (پھر دیکھو) یہی جانور ہیں جو تمہارا بوجھ اُٹھا کر ایسے (دور دراز) شہروں تک لے جاتے ہیں کہ تم وہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے، مگر بڑی جانکاہی کے ساتھ بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑا ہی شفقت رکھنے والا،
بڑا ہی رحمت رکھنے والا ہے! ٧
اور (دیکھو) گھوڑے، خچر، اور گدھے پیدا کر دیے ہیں کہ تم اُن سے سواری کا کام لو اور ویسے اُن میں خوشنمائی اور رونق بھی ہے۔ وہ اور بہت سی چیزیں
بھی پیدا کرتا ہے، جن کی تمہیں خبر نہیں۔ ٨
اور یہ اللہ کا کام ہے کہ راہِ حق واضح کر دے اور راہوں میں ٹیڑھی راہیں بھی ہیں۔ وہ اگر چاہتا تو تم سب کو (ایک ہی) راہ دکھا دیتا (اور مختلف راہیں یہاں پیدا ہی نہ ہوتیں لیکن تم دیکھ رہے ہو

القدس" سے تعبیر کیا ہے۔ اور حواریوں نے بھی اِسی معنے میں اسے استعمال کیا ہے۔ اگرچہ بعد کو اس کی حقیقت عیسائیوں پر مشتبہ ہوگئی۔

(۳) آیت (۲) میں فرمایا تھا کہ یہ اللہ کی مقررہ سنت ہے کہ وہ ہدایت خلق کے لیے کسی بندہ کو چُن لیتا ہے اور اُسے وحی کی روح سے معمور کر دیتا ہے۔ اور اس ہدایت وحی کی دعوت کیا ہوتی ہے؟ توحید الٰہی کی تلقین۔ یعنے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں پس صرف اسی کی بندگی کرو۔

اب آیت (۳) سے توحیدِ الٰہی کے دلائل کا بیان شروع ہوتا ہے۔ مبدء استدلال "تخلیق بالحق" کی حقیقت ہے جس کی تشریح پہلے گزر چکی، اور مزید تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ دیکھنی چاہیے۔

(۴) آیت (۴) میں قدرتِ الٰہی کی اس کرشمہ سازی پر توجہ دلائی ہے کہ نطفہ کے ایک قطرۂ حقیر سے ایک ایسا متعقل و مفکر وجود پیدا ہو جاتا ہے جس میں بحث و نزاع کی قوت ہوتی ہے اور جو بال کی کھال نکالنے لگتا ہے۔ پس یہاں "فاذا ھو خصیم مبین" سے مقصود بیانِ واقعہ ہے نہ کہ مذمت و ملامت جیسا کہ بعض دوسرے مقامات میں ہے۔

(۵) پہلے تخلیق بالحق کی حقیقت پر توجہ دلائی کہ کارخانۂ ہستی کی ہر چیز کسی سوچی سمجھی ہوئی مصلحت سے بنائی گئی ہے بیکار و عبث نہیں بنی ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔ انسان خود اپنی ہستی کو دیکھے اور اپنے چاروں طرف نظر ڈالے کس طرح ہر شے بول رہی ہے کہ مجھے کسی رب و رحیم ہستی نے بنایا ہے جو پرورش کرنا چاہتی ہے، فائدہ پہنچانا چاہتی ہے، ساری احتیاجیں اور ضرورتیں پوری کر رہی ہے، اور سرتا سر بخشش، فضل، احسان، اور

سُورَةُ النَّحْلِ

مکی - ۱۲۸ - آیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

۱ اَتٰىٓ اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ
۲ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
۳ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ
۴ مُّبِيْنٌ ۝ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ

اللہ کا حکم آپہنچا - پس اُس کے لیے جلدی نہ مچاؤ - (اور انتظار کرو) (اے مخاطب!) اُس کی ذات ان باتوں سے پاک اور بلند ہے جو یہ لوگ شرک کی کر رہے ہیں!

وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اِس غرض سے چُن لیتا ہے کہ اپنے حکم سے فرشتے الروح کے ساتھ اس پر بھیجے (یعنی وحی کے ساتھ بھیجے) اور اُسے حکم دے کہ لوگوں کو اس حقیقت سے خبردار کردو "میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس مجھ سے ڈرو" (اور انکار و بدعملی سے باز آجاؤ)

اُس نے آسمان و زمین کا تمام کارخانہ تدبیر و مصلحت سے پیدا کیا ہے - (بیکار کو نہیں بنایا) اُس کی ذات اِس بات سے (پاک و) بلند ہے جو یہ لوگ شرک کی کر رہے ہیں!

اُس نے انسان کو نطفہ (کے ایک قطرہ) سے پیدا کیا پھر دیکھو، وہ ایک جھگڑنے والا اور ابھرنے والا وجود ہوگیا!

اور دیکھو - اُس نے چارپائے پیدا کیے - اُن

(۱) یہ سورت من جملہ اں سورتوں کے ہے جو مکی عہد
کے آخری ایام میں نازل ہوئیں -
"امراللہ" سے مقصود اللہ کی یہ ٹھہرائی ہوئی بات ہے کہ
۵ دعوتِ وحی کامیاب ہوتی ہے، اور اس کی مخالف قوتیں ناکام
۱ رہتی ہیں - اِسی حقیقت کو قرآن نے قضاء بالحق اور شہادت الٰہی
سے بھی تعبیر کیا ہے - منکر اس بات کی ہنسی اُڑاتے تھے -
اور کہتے تھے، اگر سچ مچ ایسا ہونے والا ہے تو کیوں نہیں
ہوچکتا؟ یعنے کیوں اللہ کا حکم ظہور میں نہیں آجاتا؟ ابتدائی
عہد کی سورتوں میں کہا گیا تھا کہ قانونِ حق نے ہر بات کے لیے
ایک وقت ٹھہرا دیا ہے اور وہ اپنے وقت ہی پر ظاہر
ہوتی ہے - اِس سورت میں فرمایا - وہ وقت آگیا ہے - یعنے
اب بالکل قریب ہے - کیونکہ اب مخالفوں کا ظلم و تشدد
انتہائی حد تک پہنچ چکا تھا، مومنوں پر زندگی دشوار ہوگئی تھی
۲ عنقریب ہجرت مدینہ کا معاملہ ظہور میں آنے والا تھا، اور
اس کا ظہور فیصلہ امر کا اعلان تھا -

(۲) قرآن نے جابجا وحیِ الٰہی کو "الروح" سے تعبیر
کیا ہے - یہاں آیت (۲) میں بھی "الروح" سے مقصود وحی ہے
اور ظاہر ہے کہ وحی کے لیے اس سے بہتر تعبیر نہیں ہوسکتی -
۳ وہ نظر نہیں آتی لیکن جس جسم پہ اُترتی ہے، وہ اُس سے معمور
ہوجاتا ہے، اور اُس کے اندر سے اس کی صدائیں اُٹھنے لگتی
ہیں - نیز اس اعتبار سے بھی وہ الروح ہے کہ انسانی سعادت
کی زندگی اسی سے قائم ہے - استجیبوا للہ و
۴ للرسول اذا دعاکم لما یحییکم
(۸ : ۲۴)
حضرت مسیح علیہ السلام نے اِسی حقیقت کو "روح

مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ ۱۴
تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ۝ أَفَمَنْ ۱۵-۱۶
يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ ۱۷
رَحِيمٌ ۝ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۝ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ ۱۸-۱۹
شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ۝ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ ۲۰-۲۱ ع ۲/۸
وَاحِدٌ ۚ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكِرَةٌ وَهُمْ

اور (دیکھو) اُسی نے زمین میں پہاڑ قائم کر دیے، کہ وہ تمہیں لے کر (کسی طرف کو) جھک نہ پڑے اور اس نے نہریں رواں کر دیں اور راستے نکال دیے تاکہ تم (تری اور خشکی کی راہیں قطع کر کے) اپنی منزلِ مقصود تک پہنچو۔ ۱۵

اور دیکھو، اُس نے (قطع مسافت کے لیے طرح طرح کی) علامتیں پیدا کر دیں، اور ستاروں سے لوگ رہنمائی پاتے ہیں! ۱۶

پھر بتلاؤ۔ کیا دونوں ہستیاں برابر ہو گئیں؟ وہ، جو پیدا کرتی ہے، (یعنے جس نے ربوبیت و فیضان کا یہ تمام کارخانہ بنا دیا ہے) اور وہ، جو کچھ پیدا نہیں کرتی (بلکہ خود اپنی ہستی کے لیے پروردگارِ عالم کی ربوبیت کی محتاج ہے؟) پھر کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟ ۱۷

اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گننی چاہو، تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی گن نہ سکو۔ بلاشبہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحمت والا ہے! ۱۸

اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ جو کچھ تم چھپاتے ہو، اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو، کوئی بات اُس سے پوشیدہ نہیں! ۱۹

اور اللہ کے سوا جن ہستیوں کو یہ پکارتے ہیں، اُن کا حال یہ ہے کہ وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے۔ خود کسی کے پیدا کیے ہوتے ہیں۔ ۲۰

وہ مردے ہیں نہ کہ زندگی رکھنے والے۔ انہیں اس کی بھی خبر نہیں کہ کب (موت سے) اٹھائے جائیں گے! ۲۱

تمہارا معبود تو ایک ہی معبود ہے اُس کے سوا کوئی نہیں! پھر جو لوگ آخرت کی زندگی پر یقین نہیں رکھتے، تو ضرور اُن کے دل انکار میں ڈوبے

(۹) آیت (۲۰) اور اس کے بعد کی آیتوں میں دلائل سے نتیجہ نکالا ہے۔ ایسا نتیجہ جو خود بخود ابھر رہا اور ہر نگاہ کے سامنے آ رہا تھا۔ یعنے جس پروردگار نے اپنی پروردگاریوں کا یہ تمام کارخانہ پیدا کر دیا ہے، کیا کوئی دوسری ہستی اُس کے

ع ٩ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ
١٠ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ
١١ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ
١٢ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ
١٣ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا
مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ

رحمت ہے؟
٩ پھر اگر ایک ایسی ربوبیت و رحمت رکھنے والی ہستی
موجود ہے، تو ہر طرح کی پرستاریوں کا مستحق اُسے ہونا چاہیے
یا انہیں جو خود اپنی پرورش کے لیے اس کی پروردگاری کے
محتاج ہیں؟ اور اگر وہ پروردگار ہستی تمہاری تمام جسمانی
ضرورتوں اور آسائشوں کا انتظام کر رہی ہے، تو کیا ضروری
نہ تھا کہ تمہاری روحانی سعادت و زندگی کا بھی سروسامان کر
١٠ دیتی؟ یہی سروسامان ہے جو ہدایت وحی اور نزول رسل
کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ پھر کیوں تمہیں اس پر انکار
و تعجب ہو؟

کہ مختلف راہیں ہوئیں، اور اس کی حکمت کا ایسا ہی فیصلہ ہوا)

وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا۔ اس میں سے کچھ تو تمہارے پینے کے کام آتا ہے کچھ زمین کو سیراب کرتا ہے۔ اس سے درختوں کے جنگل پیدا ہو جاتے ہیں: اور تم اپنے مویشی ان میں چراتے ہو!

اسی پانی سے وہ تمہارے لیے (ہر طرح کے غلوں کی) کھیتیاں بھی پیدا کر دیتا ہے۔ نیز زیتون کھجور
انگور اور ہر طرح کے پھل۔ یقیناً اس بات میں اُن لوگوں کے لیے ایک بڑی نشانی ہے جو غور و فکر کرنے
١١ والے ہیں!

اور (دیکھو) اُس نے تمہارے لیے رات اور دن اور سورج اور چاند مسخر کر دیے (کہ تمہاری کار
براریوں کے لیے کام کر رہے ہیں) اور اسی طرح ستارے بھی اُس کے حکم سے تمہارے لیے مسخر ہو گئے
١٢ ہیں۔ یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں!

اور زمین کی سطح پر طرح طرح کے رنگوں کی پیداوار جو تمہارے لیے پیدا کر دی ہیں (اُن پر غور کرو)۔ بلا
١٣ شبہ اس میں اُن لوگوں کے لیے ایک نشانی ہے جو سوچنے سمجھنے والے ہیں!

اور (دیکھو) وہی ہے جس نے سمندر تمہارے لیے مسخر کر دیا کہ اُس سے تر و تازہ گوشت نکالو اور کھاؤ اور
زیور کی (قیمتی اور خوشنما) چیزیں نکالو جنہیں آرائش کے لیے پہنتے ہو۔ نیز تم دیکھتے ہو کہ جہاز پانی
چیرتے ہوئے چلے جاتے ہیں) تاکہ اس کا فضل تلاش کرو (یعنی جہازوں کے ذریعہ تجارت کرو) اور (اس
١٤ کی نعمتوں کی قدر بجا لا کر شکرگزار ہو!

يَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تُشَاقُّونَ فِيهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ
الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ ۖ فَأَلْقَوُا السَّلَمَ ۲۷
مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِن سُوءٍ ۚ بَلَىٰ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ ۲۸
خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ۝ وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۚ ۲۹
قَالُوا خَيْرًا ۗ لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ
دَارُ الْمُتَّقِينَ ۝ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا ۳۰

پوچھے گا "بتلاؤ، آج وہ ہستیاں کہاں گئیں جنہیں تم نے میرا شریک بنایا تھا، اور جن کے بارے میں تم (اہلِ حق سے) لڑا کرتے تھے؟" اُس وقت وہ لوگ جنہیں (حقیقت کا) علم دیا گیا تھا، پکار اُٹھیں گے "بے شک، آج کے دن کی رسوائی اور خرابی سرتاسر کافروں کے لیے ہے۔ اُن کافروں کے لیے کہ فرشتوں نے جب اُن کی روحیں قبض کی تھیں تو اپنی جانوں پر خود اپنے ہاتھوں ظلم کر رہے تھے"! ۲۷

تب وہ اطاعت کا اظہار کریں گے اور کہیں گے "ہم نے تو (اپنی دانست میں) کوئی بُرائی کی بات نہیں کی تھی" (لیکن اہلِ علم جواب دیں گے) "ہاں، تم نے ضرور کی، اور تم جو کچھ کرتے رہے ہو، اللہ اس سے اچھی طرح واقف ہے!" ۲۸

"بس اب تمہارے لیے یہی ہے کہ جہنم کے دروازوں میں (گروہ گروہ ہو کر) داخل ہو جاؤ۔ تمہیں ہمیشہ کے لیے اسی میں رہنا ہے" تو دیکھو (حق کے مقابلہ میں) گھمنڈ کرنے والوں کا کیا ہی بُرا ٹھکانا ہوا! ۲۹

اور جب متقیوں سے پوچھا گیا "وہ کیا بات ہے جو تمہارے پروردگار نے نازل کی ہے؟" تو انہوں نے کہا "سرتاسر خیر و برکت کی بات" سو (دیکھو) جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھائی کی، اُن کے لیے اچھائی ہی ہے، اور یقیناً (اُن کے لیے) آخرت کا گھر بھی خیر و برکت ہی کا گھر ہے۔ پس متقیوں کا ٹھکانا کیا ہی اچھا ٹھکانا ہوا! ۳۰

دائمی راحت و سرور کے باغ جن میں وہ داخل

(۷) بُرائی اور معصیت کرنے کو ہر جگہ قرآن نے ظلموا انفسھم اور اسرفوا علیٰ انفسھم سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی انہوں نے اپنی جانوں کے ساتھ ناانصافی کی، اور اپنی جانوں پر زیادتی کی۔ یہاں بھی آیت (۲۸) میں ایسی ہی تعبیر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک کفر و بدعملی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ خود اپنے ہاتھوں اپنی جانوں کو نقصان و ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

اس بات کی مثال بالکل ایسی ہے، جیسے کسی آدمی کو ہم سنکھیا کھاتے دیکھتے ہیں، تو بے اختیار کہہ اُٹھتے ہیں کہ کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو؟ اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاک کر رہے ہو؟ قرآن کے نزدیک کفر و معصیت بھی ایسی ہی چیز ہے۔ یہ دودھ پینے کی جگہ سنکھیا کھانا ہے، اور جو کھاتا ہے، وہ خود ہی اپنی جان کے ساتھ ناانصافی کرتا ہے۔ اور خود اپنے اوپر زیادتی کرنے والا ہوتا ہے۔

(۸) آیت (۲۴) سے آیت (۳۲) تک دو گروہوں کی دو متضاد حالتیں اور متضاد نتیجے بیان کیے ہیں:

۲۲-۲۳ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ○ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ○
۲۴ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○ لِيَحْمِلُوْۤا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً
۲۵ ع ۳ يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ○ قَدْ مَكَرَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ
۲۶ اَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَ

برابر ہو سکتی ہے؟ کیا وہ ہستی جو سب کچھ پیدا کر رہی ہے، اور
۲۲ وہ جو پیدا نہیں کر سکتی، دونوں برابر ہو سکتی ہیں؟ اگر نہیں ہو
سکتیں، تو اس سے بڑھ کر عقل کی کوری اور روح کی موت کیا
ہو سکتی ہے کہ تم دوسری ہستیوں کو بھی پروردگار عالم کے ساتھ
معبودیت میں شریک کر رہے ہو؟
آیت (۱۸) میں فرمایا۔ ان چند اشیا کی پیدائش ہی پر
۲۳ موقوف نہیں۔ اس کی نعمتیں تو اتنی ہیں کہ اگر گننا چاہو تو تمہاری
طاقت سے باہر ہے کہ گن سکو۔ تمہاری زندگی کا ہر سانس
اُس کی کتنی ہی نعمت کا رہین منت ہے۔ کارخانہ ہستی کا ہر
ذرہ کسی نہ کسی بخشش و کرم کی نشانی ہے۔ درختوں کا ہر پھول،
دھوپ کی ہر کرن، ہوا کا ہر جھونکا، بارش کا ہر قطرہ، چاندنی کی ہر
نمود، ستاروں کی ہر چمک، پرندوں کی ہر چہچہاہٹ، اُس
۲۴ کی ربوبیت کی ایک پروردگاری اور اُس کی رحمت کی ایک چارہ
سازی ہے۔ تم اگر درختوں کے سبز پتے، پھولوں کے رنگین ورق
اور سورج کی سنہری کرنیں گن سکتے ہو، تو اُس کی نعمتیں بھی گن کر
تم درختوں کے ہر پتے سے پوچھو، بارش کے ہر قطرے سے
سوال کرو، سورج کی ہر کرن کا مُنہ دیکھو تمہیں یہی جواب
ملے گا کہ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ! جس نے یہ سب کچھ بنایا ہے
وہ بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحمت والا ہے!

ہوئے ہیں۔ وہ (سچائی کے مقابلہ میں) گھمنڈ کر رہے
ہیں۔
یقیناً (اللہ اُن کے حال سے بے خبر نہیں) یہ
جو کچھ (اپنے دل میں) چھپائے ہوئے ہیں اور جو کچھ (زبان
پر) ظاہر کرتے ہیں، سب اُس کے علم میں ہے وہ گھمنڈ
کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
اور جب ان لوگوں سے پوچھا جاتا ہے" وہ کیا
بات ہے جو تمہارے پروردگار نے اُتاری ہے؟" تو
کہتے ہیں "کچھ نہیں محض اگلے وقتوں کے افسانے ہیں"
(ان کے اس کہنے کا نتیجہ کیا ہے؟) یہ کہ قیامت کے دن
پورا پورا (اپنے گناہوں کا) بوجھ اُٹھائیں، اور اُن لوگوں
کے بوجھ کا بھی ایک حصّہ، جنہیں (اس طرح کی باتیں
کہہ کہہ کر) یہ بغیر علم و روشنی کے گمراہ کر رہے ہیں۔
تو دیکھو، کیا ہی بُرا بوجھ ہے جو یہ اپنے اوپر لادے چلے
۲۵ جا رہے ہیں!
اِن سے پہلے جو گزر چکے ہیں، انہوں نے بھی (دعوتِ حق کے خلاف) تدبیریں کی تھیں، لیکن (دیکھو کیا نتیجہ نکلا؟)
اُنہوں نے اپنی تدبیروں کی جو عمارت بنائی تھی، اللہ نے اس کی بنیاد کی اینٹیں تک ہلا دیں۔ پس
اُن کے اوپر (انہی کی بنائی ہوئی) چھت آ گری، اور ایسی راہ سے عذاب نمودار ہوا جس کا انہیں وہم
۲۶ و گمان بھی نہ تھا!
پھر (اس کے بعد) قیامت کا دن (پیش آنے والا) ہے، جب وہ انہیں رسوائی میں ڈالے گا، اور

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَ
لَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ
اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۳۵
فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ ۳۶

اور مشرکوں نے کہا "اگر اللہ چاہتا تو کبھی ایسا نہ ہوتا کہ ہم یا ہمارے باپ دادا اُس کے سوا دوسری ہستیوں کی پوجا کرتے، اور نہ ایسا ہوتا کہ بغیر اُس کے حکم کے کسی چیز کو (اپنے جی سے) حرام ٹھہرا لیتے"، ایسی ہی روش اُن لوگوں نے بھی اختیار کی تھی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ پھر (بتلاؤ) پیغمبروں کے ذمے اس کے سوا اور کیا ہے کہ صاف صاف پیغامِ حق
پہنچا دیں ؟ ۳۵

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے (دنیا کی) ہر امت میں کوئی نہ کوئی رسول ضرور پیدا کیا، (تاکہ اُس پیامِ حق کا اعلان کر دے) کہ اللہ کی بندگی کرو، اور سرکش قوتوں سے بچو۔ پھر ان امتوں میں سے بعض ایسی تھیں جن پر اللہ نے (کامیابی کی) راہ کھول دی بعض ایسی تھیں جن پر گمراہی ثابت ہو گئی پس ملکوں کی سیر کرو اور دیکھو، جو قومیں (سچائی کی) جھٹلانے والی تھیں، انہیں بالآخر کیسا انجام پیش
آیا! ۳۶

(اے پیغمبر!) تم ان لوگوں کے ہدایت پانے کے کتنے ہی خواہشمند ہو لیکن (یہ راہ پانے والے نہیں۔ کیونکہ) اللہ اس آدمی پر (کامیابی کی) راہ کبھی نہیں کھولتا جس پر (اُس کے انکار و سرکشی کی وجہ سے) راہ گم کر دیتا ہے، اور ایسے لوگوں کے

(۹) قرآن نے جا بجا مشرکوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "اگر شرک بُرائی ہے، تو خدا کیوں ہمیں بُرائی کرنے دیتا ہے؟ اگر وہ چاہتا کہ اُس کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کی جائے، تو کبھی ایسا نہ ہو سکتا کہ ہم اور ہمارے آباؤ اجداد ایسی بات کر سکتے۔ اگر وہ چاہے تو اب بھی ہمیں روک دے سکتا ہے۔ اِس شور و ہنگامہ کی جگہ جو تم نے بپا کر رکھا ہے، کیوں خدا سے نہیں کہتے کہ ہمیں روک دے؟" چنانچہ یہاں بھی آیت (۳۵) میں ان کا یہی قول نقل کیا ہے، اور پھر اس کا جواب دیا ہے۔

فرمایا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو انہوں نے کہہ دی۔ پہلے بھی لوگ ایسی ہی روش اختیار کر چکے ہیں لیکن یہ روش گمراہی اور ہٹ دھرمی کی روش ہے۔ اللہ کے رسول اس لیے نہیں آتے کہ لوگوں سے بُرائی کرنے کی طاقت سلب کر لیں اور انہیں ایسا بنا دیں کہ بُرائی کر ہی نہ سکیں۔ وہ تو پیامِ حق پہنچانے والے ہیں۔ اور پیام پہنچانے والے کا کام صرف یہ ہے کہ صاف صاف اور روشن طریقہ پر پیام پہنچا دے۔ اب اُسے ماننا یا نہ ماننا، یہ سننے والوں کا کام ہے۔ پیام پہنچانے والا اس کے لیے ذمہ دار نہیں۔

اور جب اللہ کی مشیت یہی ہوئی کہ انسان کو کسی ایک حالت پر مجبور نہ کر دیا جائے، بلکہ ہر طرح کی حالت اختیار کرنے کی قدرت دی جائے، تو اللہ کے رسولوں سے کیوں اس کی توقع کی جائے کہ لوگوں سے یہ قدرت سلب کر لیں ؟

پھر فرمایا دنیا کی کوئی اُمت نہیں جس میں اللہ کا رسول نہ آیا ہو۔ اور اُس نے توحید و خدا پرستی کی تعلیم نہ دی

۳۱ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ كَذٰلِكَ یَجْزِی اللّٰهُ الْمُتَّقِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ
۳۲ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝
هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّكَ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
۳۳ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝ فَاَصَابَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ
ع ۴ ۳۴ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

ہونگے، اُن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (اس لیے کبھی خشک ہونے والے نہیں) جو کچھ چاہیں گے وہاں اُن کے لیے مہیا ہو جائے گا۔ اسی طرح اللہ متقیوں کو (اُن کی نیک عملی کا) بدلہ دیتا ہے!

۳۲ وہ (متقی) جنہیں فرشتے اس حال میں وفات دیتے ہیں کہ (دل کے اطمینان اور ایمان کے یقین کی وجہ سے) خوش حال ہوتے ہیں۔ فرشتے انہیں کہتے ہیں۔ "تم پر سلامتی ہو! جنت میں داخل ہو جاؤ، یہ نتیجہ ہے اُن کاموں کا جو تم کرتے رہے ہو!"

۳۳ (اے پیغمبر!) یہ لوگ جو انتظار کر رہے ہیں، تو اس بات کے سوا اور کونسی بات اب باقی رہ گئی ہو کہ فرشتے اُن پر اُتر آئیں، یا تیرے پروردگار کا (مقررہ) حکم ظہور میں آ جائے؟ ایسا ہی ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں (کہ سرکشی و فساد سے باز نہ آئے یہاں تک کہ حکم الٰہی ظہور میں آ گیا) اور اللہ نے اُن پر ظلم نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود ہی اپنے

ایک گروہ منکروں کا ہے۔ ایک متقی انسانوں کا۔ منکروں کے نزدیک وحی کی حقیقت کیا ہے؟ قالوا: اساطیر الاولین۔ یہ تو وہی اگلوں کے افسانے ہیں۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن جو لوگ متقی ہیں، اُن کے نزدیک اس کی حقیقت کیا ہے؟ قالوا خیرا۔ سرتا سر خیر و برکت!
۳۱ پہلے گروہ پر جب موت آتی ہے تو اس حال میں آتی ہے کہ برائیوں میں سرگرم ہوتے ہیں: تتوفٰھم الملٰئکۃ ظالمی انفسھم۔ لیکن دوسرے گروہ پر جب آتی ہے تو وہ ایمان و یقین اور پاکی عمل کی روح سے خوش حال ہوتے ہیں تتوفٰھم الملٰئکۃ طیبین!
جزائے عمل کے لحاظ سے بھی دونوں کی حالتیں متضاد ہوئیں۔ پہلے گروہ کو کہا جائے گا: ادخلوا ابواب جھنم۔ دوسرے سے کہا جائے گا: ادخلوا الجنۃ۔
۳۲ پہلے کے لیے خواری و عذاب کا پیام ہوگا: ان الخزی الیوم والسوء علی الکٰفرین! دوسرے کے لیے سلامتی کا پیام: سلام علیکم ادخلوا الجنۃ!
پہلے نے گھمنڈ کیا تھا، تو گھمنڈ کرنے والوں کا کیا ہی برا ٹھکانا ہوا، فلبئس مثوی المتکبرین! دوسرے نے تقوٰی کی روش اختیار کی تھی، تو تقوٰی کی راہ چلنے والوں کا کیا ہی اچھا ٹھکانا ہوا! ولنعم دار المتقین!
پہلے کے لیے عذاب دائمی ہوا خٰلدین فیھا اور دوسرے کے لیے نعیم و سرور کی زندگی دائمی ہوئی: جنٰت عدن یدخلونھا!

۳۳ اوپر ظلم کرتے رہے!
اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ جیسے کچھ اُن کے کام تھے، ویسے ہی بُرے نتیجے بھی ملے، اور جس
۳۴ بات کی ہنسی اُڑایا کرتے تھے، وہی اُنہیں آ لگی!

يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ ۴۲
كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ ۴۳
اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ ۴۴
الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا ۴۵
هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ ۴۶

اور (اے پیغمبر!) تجھ سے پہلے ہم نے جتنے رسولوں کو بھیجا، تو اسی طرح بھیجا کہ آدمی تھے۔ اُن پر ہم وحی بھیجتے تھے۔ (ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آسمان کے فرشتے اُتر آئے ہوں) پس (اے منکرینِ حق!) اگر خود تمہیں (یہ بات) معلوم نہیں تو اُن لوگوں سے دریافت کرلو جو (آسمانی کتابوں کی) سمجھ بوجھ رکھتے ہیں (یعنی یہودیوں اور عیسائیوں سے) ۴۳

اور اختلافات پیدا ہوتے رہتے ہیں، ان کا فیصلہ ہو جائے اور حقیقت سب کے سامنے آجائے۔ نیز اس لیے کہ گمراہ اور بدعمل اپنی گمراہی و بدعملی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

جیسے دنیوی زندگی میں پردوں کا نہ اُٹھنا اور مشاہدۂ حقیقت کا نہ ہونا، بنلا رہا ہے کہ کوئی اور زندگی ضرور ہے جہاں بالآخر پردے اُٹھیں گے۔ پس یہ صورتِ حال گویا خالقِ ہستی کی طرف سے ایک وعدہ ہوئی کہ اب نہیں، لیکن آئندہ ایسا ہونے والا ہے، اور ضروری ہے کہ یہ وعدہ پورا ہو کر رہے۔

ہم نے ان رسولوں کو روشن دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ بھیجا تھا، اور (اسی طرح) تجھ پر بھی "الذکر" (یعنی قرآن) نازل کیا، تاکہ جو تعلیم لوگوں کی طرف بھیجی گئی ہے، وہ اُن پر واضح کر دے۔ نیز اس لیے کہ وہ غور و فکر کریں (اور ہدایت کی راہ پالیں) ۴۴

پھر جن لوگوں نے (اپنے بُرے مقصدوں کے) کے لیے تدبیریں کی ہیں، کیا وہ اس بات سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے؟ یا ایک ایسی راہ سے عذاب آ نازل ہو جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ ہو؟ ۴۵

یا ایسا ہو کہ عین اُس وقت جب وہ (اپنی کوششوں میں) تگ و دو کر رہے ہوں، عذابِ الٰہی اُنہیں آ پکڑے؟ کہ وہ اللہ کو (اپنی تدبیروں سے) عاجز نہیں

(۱۱) آیت (۴۰) میں فرمایا، تمہیں انسان کے دوبارہ زندہ ہونے پر اس لیے تعجب ہو رہا ہے کہ اللہ کی قدرت کا صحیح اندازہ نہیں۔ تم اسی ترازو سے اُس کے کام بھی تولنا چاہتے ہو، جس سے اپنے کام تولا کرتے ہو۔

وہ کسی چیز کے ظہور میں لانے کے لیے نہ تو کسی سر و سامان کا محتاج ہے نہ کسی دوسری ہستی کی موجودگی کا۔ صرف اُس کا ارادہ ہی ہر طرح کی علت ہے، ہر طرح کا سر و سامان ہے، ہر طرح کا مواد ہے۔ وہ جب چاہتا ہے کہ ایک چیز ظہور میں آجائے تو بس اُس کا چاہنا ہی سب کچھ ہے۔ جونہی اُس کی مشیت کا فیصلہ ہوا، ہر چیز ظہور میں آگئی!

یاد رہے کہ "ان یقول لہ کن" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عربی کا لفظ "کن" جو کاف اور نون سے مرکب ہے، بولنے میں آتا ہے۔ یا کلمۂ خطاب و امر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چیزیں وجود میں آجاتی ہیں، بلکہ صاف مطلب یہ ہے کہ صرف اُس کا ارادہ تخلیق کے لیے کافی ہے، اور اُس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ جس بات کا حکم دے دیتا ہے، وہ بمجرد حکم ظہور میں آجاتی ہے۔

۳۷ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ
۳۸ يَّمُوْتُ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ
۳۹ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ۝ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ
۴۰ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا
۴۱ حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ

ہو پھر کسی نے مانا، اور اللہ نے فلاح وسعادت کی راہ اس
۳۷ پر کھول دی۔ کسی نے نہیں مانا، اور گمراہی کی بات ثابت
ہوگئی۔ اور گمراہی کا نتیجہ پیش آگیا۔ پس اللہ کا قانون ہدایت
وشقاوت ایسا ہی چلا آیا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ لوگوں کو جبراً
ہدایت یافتہ بنا دیا گیا ہو۔

لیے کوئی مددگار بھی نہیں ہوتا (کہ انہیں نتائج عمل
سے بچالے)
اور (دیکھو) ان لوگوں نے اللہ کی سخت سے
سخت قسمیں کھائیں کہ "جو مرجاتا ہے، اُسے اللہ کبھی
دوبارہ نہیں اُٹھائے گا" ہاں ضرور اُٹھائے گا۔ یہ اُس کا وعدہ ہے، اور اُس کا پورا کرنا اُس پر لازم ہے
۳۸ لیکن اکثر آدمی ہیں جو اس بات کا علم نہیں رکھتے!

(۱۰) یہ اعتقاد کہ انسان کی زندگی صرف اتنی ہی نہیں
ہے جتنی دنیا میں بسر کرنا ہے۔ بلکہ اس کے بعد بھی ایک زندگی
ہے، اور اُس زندگی میں جزاء عمل کا معاملہ پیش آنے والا ہے
تمام مذاہب عالم کا عالمگیر اعتقاد ہے۔ لیکن مشرکینِ عرب
۳۹ اس سے بے خبر تھے۔ اس لیے جب قرآن نے آخرت کی
زندگی اور حشر اجساد کا اعلان کیا تو انہیں بڑی ہی عجیب بات
معلوم ہوئی۔ وہ کہتے تھے، جب آدمی مرگیا تو مرگیا پھر اس کے
بعد زندگی کیسے ہوسکتی ہے! چنانچہ قرآن نے جا بجا ان کے
۴۰ اقوال نقل کیے ہیں، اور جواب دیا ہے۔ یہاں آیت (۳۸) میں
فرمایا۔ یہ لوگ یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ اللہ مُردوں کو دوبارہ
زندہ نہیں کرے گا، لیکن نہیں جانتے کہ اللہ کے لیے
ایسا کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ اس کا وعدہ ہے۔ یعنے
اُس کی ٹھہرائی ہوئی بات ہے، اور ضروری ہے کہ
ظہور میں آئے۔
یہ اُس کا وعدہ کیونکر ہے؟ اس طرح کہ خود دنیوی
۴۱ زندگی کی ہر بات کہہ رہی ہے کہ اُسے ایسا کرنا ہے اور وہ
ضرور کرے گا۔ چنانچہ اس کے بعد فرمایا لیبین لھم الذی
یختلفون فیہ، ولیعلم الذین کفروا انھم کانوا کاذبین
۴۲ تاکہ حق حقیقتوں کا انسان دنیوی زندگی میں فیصلہ نہیں کرسکتا

(اور پھر کیوں اُٹھائے گا؟) اس لیے کہ جن باتوں
میں لوگ اختلاف کرتے ہیں، اُن کی حقیقت کھول دے
اور اس لیے کہ منکر جان لیں، وہ (اپنی روش میں)
جھوٹے تھے۔
جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کوئی چیز پیدا کردیں
تو اس کے سوا ہمیں اور کچھ کہنا نہیں ہوتا کہ کہہ دیتے
ہیں "ہوجا"، اور بس وہ ہوجاتا ہے!
اور (یاد رکھو) جن لوگوں پر (اُن کے ایمان لانے
کی وجہ سے) ظلم ہوا، اور ظلم سہنے کے بعد انہوں نے
اللہ کی راہ میں ہجرت کی، تو ہم ضرور انہیں دنیا میں
اچھا ٹھکانا دینگے اور آخرت کا بدلہ تو کہیں بڑھ کر ہے
اگر یہ لوگ جان لیتے!
یہ لوگ جو (ہر طرح کی مصیبتوں میں) ثابت قدم رہے
اور جو اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں!

۵۳ مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ۝ ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ إِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ
۵۵ - ۵۴ يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا
۵۶ يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ
۵۷ سُبْحٰنَهٗ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَإِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ

(۱۲) جب دشمن ظلم و تشدد اس حد تک پہنچ گیا کہ مسلمانوں پر زندہ رہنا دشوار ہوگیا، تو پیغمبر اسلام نے اجازت دے دی کہ حبش (ابی سینا) کی طرف ہجرت کر جائیں چنانچہ پہلے بارہ مرد اور چار عورتوں کا قافلہ مکہ سے نکلا، جس کے رئیس حضرت عثمان بن عفان تھے۔ اس کے بعد اور لوگ نکلے جن کی تعداد ۸۳ مردوں اور ۱۸ عورتوں تک پہنچ گئی۔

تاریخ اسلام کی یہ پہلی ہجرت ہے۔ دوسری ہجرت یثرب کی ہجرت تھی۔

آیت (۴۱) میں جن مہاجرین کا ذکر کیا ہے اُس سے مقصود ابی سینا کے مہاجرین ہیں۔ فرمایا۔ انھوں نے اللہ کی سچائی کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا ہے اور ہجرت کی مصیبتیں برداشت کی ہیں، تو ضروری ہے کہ اللہ اُن کا مددگار ہو، اور اُن کے لیے دنیا میں اچھا ٹھکانا پیدا کر دے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور ابی سینا کا دارِ غربت ان کے لیے امن و عزت کا مہمان سرا بن گیا۔ وہی ابی سینا ہے جس کے ایک سپہ سالار ابرہہ نے پچاس برس پہلے مکہ پر حملہ کیا تھا، لیکن اب اُسی مکہ کے مظلوموں کا اخلاص و محبت کے ساتھ استقبال کر رہا ہے!

اتنا ہی نہیں بلکہ مظلومیت کی یہ ہجرت تبلیغِ حق کی کامرانیوں کا ایک عجیب و غریب وسیلہ بن گئی یعنی ابی سینا کے بادشاہ کا دل قبولیتِ حق کے لیے کھل گیا اور دعوتِ اسلام پر ایمان لے آیا۔ چنانچہ سورۂ مائدہ کی آیۃ (۸۳) میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

(۱۳) قوانینِ الٰہی کی عجائب آفرینیوں میں سے ایک عجیب و غریب منظر "ظل" یعنے اجسام کے سائے کا ہے۔ نظام شمسی کے تمام کرشمے اس چیز میں ہم دیکھ لے سکتے ہیں۔ یہ ہمارے

۵۳ پہنچتا ہے، تو اُسی کے آگے زار نالی کرتے ہو!
پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ وہ تم سے دکھ دور کر دیتا ہے، تو دیکھو، تم میں سے ایک گروہ علانیہ اپنے پروردگار کے ساتھ دوسری ہستیوں کو شریک بنانے لگتا ہے
تاکہ جو نعمت ہم نے اُسے دی تھی، اُس کی (پوری طرح)
۵۴ ناشکری کرے!
اچھا، (زندگی کے چند روزہ) فائدے اُٹھا لو پھر ایک وقت آئے گا کہ (اپنی ان ناشکریوں کا نتیجہ)
۵۵ معلوم کر لیں گے!
اور پھر (دیکھو) ہم نے جو کچھ رزق انہیں عطا کیا ہے، اُس میں یہ ان ہستیوں کا بھی حصّہ ٹھہراتے ہیں جن کی حقیقت کی انہیں خبر نہیں۔ بخدا تم سے ضرور اِس بارے میں بازپرس ہوگی کہ (حقیقت کے خلاف)
۵۶ کیسی افترا پردازیاں کرتے رہتے ہو!
اور یہ اللہ کے لیے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں! اُس کے لیے پاکی ہو! (بھلا اللہ کے لیے بیٹیاں!) اور خود ان کے لیے کیا؟ وہ، جس کے یہ بڑے خواہشمند ہیں!
۵۷ (یعنے بیٹے)
جب ان لوگوں میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے، تو (مارے رنج کے) اُس کا

٤٧ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ
٤٨ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا
٤٩ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ
٥٠ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝۩ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ
٥١ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ
٥٢ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا

٤٦ وہ اپنے ارادہ اور حکم کے نفاذ میں کسی دوسری چیز کا محتاج
نہیں۔
پس ہمارے مفسرین نے یہاں جس قدر فلسفیانہ
کاوشیں کی ہیں اور خطاب بہ معدوم وغیرہ کے سوالات
٤٧ اُٹھائے ہیں، سب بے محل اور بے معنی ہیں۔ اور درخور
التفات نہیں۔
غور کرو کس طرح چند لفظوں کے اندر اللہ کی خالقیت و قدرت
کی کامل تصویر کھینچ دی ہے؟ ایسی تصویر کہ اس سے زیادہ انسانی
تصور نہ تو کچھ سوچ سکتا ہے، نہ سوچ سکنے کی قدرت رکھتا ہے۔
اُس نے تمام کارخانہ ہستی کیونکر پیدا کیا؟ وہ جو کچھ پیدا کرنا چاہتا
ہے کس طرح ظہور میں آجاتا ہے؟ اس طرح کہ اس کا حکم ہوتا ہے
اور اُس کا حکم ہی ساری علتوں کی علت اور سارے سببوں
٤٨ کا آخری سبب ہے!

کر دے سکتے۔
یا ایسا ہو کہ انہیں (پہلے) ڈرا دے، پھر پکڑ لے،
کیونکہ بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑا ہی شفقت والا بڑا
ہی رحمت والا ہے۔
کیا ان لوگوں نے اللہ کی مخلوقات میں سے
کسی چیز پر بھی غور نہیں کیا؟ (انہوں نے نہیں دیکھا)
کہ ہر چیز کا سایہ دہنی طرف سے اور بائیں طرف سے
ڈھلتا رہتا ہے، اور اللہ کے آگے سجدہ کرتے ہوئے
ڈھلتا رہتا ہے؟ اور یہ کہ سب اُس کے آگے
عاجز و درماندہ ہیں؟

اور آسمان میں جتنی چیزیں ہیں، اور زمین میں جتنے جانور ہیں، سب اللہ کے آگے سربسجود ہیں۔
٤٩ نیز فرشتے، اور وہ سرکشی نہیں کرتے۔
وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں جو اُن کے اوپر موجود ہے۔ اور جو کچھ حکم انہیں دیا جاتا ہے،
٥٠ اُس کی تعمیل کرتے ہیں!
اور اللہ نے فرمایا۔ "دو دو معبود اپنے لیے نہ بناؤ۔ حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہی ایک
٥١ معبود ہے۔ تو دیکھو، صرف میں ہی ہوں، لیس صرف مجھی سے ڈرو!
اُسی کے لیے ہے، جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے، اور اُسی کے لیے دین ہے دائمی۔ پھر کیا تم اللہ
٥٢ کے سوا دوسری ہستیوں سے ڈرتے ہو؟
اور نعمتوں میں سے جو کچھ تمہارے پاس ہے، سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ پھر جب تمہیں کوئی دکھ

تَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ۝ ۶۲
تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ
الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا ۶۳
فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ ۶۴
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ ۶۵ ع ۱۴ / ۸

وما فی الارض من دابۃ ۔

زبانیں جھوٹے دعوؤں میں بے باک ہیں (یہ کہتے
ہیں) کہ ان کے لئے (ہر حال میں) اچھائی ہی اچھائی ہے۔ ہاں البتہ ان کے لئے (دوزخ کی)
آگ ہے۔ البتہ یہ سب سے پہلے اس میں پہنچنے والے ہیں! ۶۲

(اے پیغمبر!) اس بات کی سچائی پر ہم شاہد
ہیں کہ ہم نے تجھ سے پہلے کتنی ہی امتوں کی طرف
رسول بھیجے۔ پھر ایسا ہوا کہ شیطان نے لوگوں کو
ان کی بدعملیاں اچھی کر دکھائیں (اور وہ سچائی
کی دعوت پر کاربند نہ ہوئے) سو وہی حال آج
بھی ہو رہا ہے، وہی شیطان ان منکروں کا رفیق
ہے اور (بالآخر) ان کے لئے عذاب دردناک ہے! ۶۳
اور ہم نے تجھ پر الکتاب نہیں اتاری ہے مگر
اس لئے کہ جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کر رہے
ہیں ان کی حقیقت ان پر واضح کر دے، اور ایمان
والوں کے لئے یہ ہدایت ہے اور رحمت:۔ ۶۴
اور (دیکھو) اللہ نے آسمان سے پانی برسایا
پھر اس کی آب پاشی سے زمین کو جو مردہ ہو چکی تھی
(از سر نو) زندہ کر دیا۔ بلاشبہ اس صورت حال میں
ان لوگوں کے لئے ایک نشانی ہے جو (صدائے حق
کو) جی لگا کر سنتے ہیں! ۶۵
اور بلاشبہ تمہارے لئے چارپایوں میں سوچنے

(۱۴۱) انسان میں مرد اور عورت کا امتیاز ہے۔ لوگوں نے خیال کیا کہ اسی طرح روحانی قوتوں میں بھی دونوں جنسیں ہونی چاہئیں۔ مرد دیوتا ہیں۔ عورتیں دیویاں ہیں۔ چنانچہ دنیا کی تمام اصنام پرست اقوام کی دیومالاؤں میں یہ خیال عام طور پر نمایاں رہا ہے۔

مشرکین عرب میں بھی یہ تخیل پیدا ہو گیا تھا۔ قبیلہ خزاعہ اور کنانہ کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ فرشتوں کا تصور دیویوں کی شکل میں کرتے تھے اور کہتے تھے یہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ قرآن نے جا بجا یہ خیال نقل کیا ہے اور اس کی سخافت پر توجہ دلائی ہے، یہاں (۵۷) میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے لیکن خود عورتوں کی جنس کے لئے ان کے تصورات کیا تھے؟ یہ کہ زیادہ سے زیادہ ذلیل و حقیر مخلوق ہے۔ جب کسی کے یہاں بیٹی پیدا ہوتی، تو اسے بڑی غمگینی اور بدنصیبی کی بات سمجھتا۔ بعض قبائل جنہیں اپنے نسلی شرف کا بڑا گھمنڈ تھا، بیٹی کے باپ بننے میں ایسی ذلت سمجھتے کہ اکثر حالتوں میں اسے خود اپنے ہاتھ سے زندہ گاڑ کر مار ڈالتے۔ جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر ملتی، تو مارے شرم کے لوگوں کے سامنے نہ آتا، اور سوچنے لگتا کہ ذلت گوارا کر کے بیٹی والا بن جائے یا ایک باعزت آدمی کی طرح اسے زمین میں زندہ دفن کر دے!

یہاں ایک طرف تو ان کے عقیدے کی سخافت دکھلائی ہے کہ جس بات کو خود اپنے لئے ذلت کی بات سمجھتے ہیں اسے خدا کے لئے تجویز کرتے ہیں انہیں باک نہیں۔ دوسری طرف

۵۸ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۚ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ
۵۹ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۞ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ
۶۰ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا
مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً
۶۱ وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۞ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَ

۵۸ جسم کے ساتھ ساتھ رہتا اور ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ لیکن لاکھوں میل فاصلہ کی خبر دے دیتا ہے۔ سورج کا طلوع، عروج زوال۔ غروب، ساری حالتیں ہم اس آئینہ میں دیکھ لے سکتے ہیں!

یہ کبھی بڑھتا ہے، کبھی گھٹتا ہے۔ کبھی اُبھرتا ہے، کبھی غائب ہو جاتا ہے کبھی کھڑا ہوتا ہے، کبھی جھکتا ہے۔ کبھی دہنے ہوتا ہے، کبھی بائیں۔ اُس کی ان تمام حالتوں کا قانون اس درجہ قطعی، اس درجہ یکساں، اس درجہ منظم ہے، کہ اس
۵۹ میں فتور پڑنے کا ہمیں وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ جب وقت تک گھڑیاں ایجاد نہیں ہوئی تھیں، یہی سایہ گھڑی کا کام دیتا تھا، اور اسی سے دھوپ گھڑی بنی تھی۔ آج کل بھی میدانوں اور دیہاتوں میں، جہاں گھڑیاں نہیں ہوتیں، دہقان سایہ دیکھ کر معلوم کر لیتا ہے کہ کتنا دن چڑھ چکا ہے، کتنا ڈھل چکا ہے۔ سایہ جب مساوی ہو جائے تو دوپہر کا وقت ہے۔ جب گھٹنے بڑھنے لگے تو اُس کی ہر
۶۰ مقدار گھڑی کی سوئی ہے!

یہی وجہ ہے کہ قرآن قوانین الٰہی کے احاطہ و نفاذ کا ذکر کرتے ہوئے سائے کی طرف توجہ دلاتا ہے، اور کہتا ہے یہ تم سے دور نہیں۔ ہر وقت تمہارے جسم کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے، ہمیشہ اس پر تمہاری نگاہیں رہتی ہیں۔ کیونکہ اسی سے وقت کا اندازہ لگایا کرتے ہو۔ پس غور کرو۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟ کس طرح یہ شہادت دے رہا ہے کہ یہاں کی ہر چیز کسی مدبر و حکیم ہستی کے احکام کے آگے سربسجود ہے
۶۱ اور اُس نے جس چیز کے لیے جو حکم نافذ کر دیا ہے، ممکن نہیں کہ اس کی تعمیل میں بال برابر بھی انحراف ہو! یہاں بھی آیت (۴۸) میں اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا: وللہ یسجد ما فی السماوات،

چہرہ کالا پڑ جاتا ہے، اور وہ غم میں ڈوب جاتا ہے۔

جس بات کی اُسے خوش خبری دی گئی ہے وہ ایسی بُرائی کی بات ہوئی کہ (شرم کے مارے) لوگوں سے چھپتا پھرے، (اور سوچ میں پڑ جائے کہ) ذلت قبول کر کے بیٹی کو لیے رہے، یا مٹی کے تلے گاڑ دے۔ افسوس ان پر! کیا ہی بُرا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں!

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، اُن کے لیے یہی [illegible] تصور [illegible]، حالانکہ اللہ کے لیے تو [illegible] [illegible]، وہ سب پر غالب ہے، حکمت والا ہے!

اور اگر ایسا ہوتا کہ اللہ لوگوں کو اُن کے ظلم پر (فوراً) پکڑتا، تو ممکن نہ تھا کہ زمین کی سطح پر ایک حرکت کرنے والی ہستی بھی باقی رہتی، لیکن وہ انہیں ایک خاص ٹھہرائے ہوئے وقت تک ڈھیل دے دیتا ہے۔ پھر جب وہ مقررہ وقت آ پہنچا، تو نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں، نہ ایک گھڑی آگے!

اور (دیکھو) یہ اللہ کے لیے ایسی باتیں ٹھہراتے ہیں، جنہیں خود اپنے لیے پسند نہیں کرتے، ان کی

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ ۷۰ ع ۱۰
رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ وَ ۷۱
اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّ
رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ

ہے جو غور و فکر کرنے والے ہیں!

اور (دیکھو) اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا، پھر وہی ہے کہ جو تمہاری زندگی پوری کر دیتا ہے اور تم میں سے کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو (بڑھاپے کی) بدترین عمر تک پہنچ جاتا ہے کہ (ذہن و عقل کی) سمجھ بوجھ رکھنے کے بعد پھر نادان ہو جائے۔ بے شک اللہ (سب کچھ جاننے والا، ہر بات کی قدرت رکھنے والا ہے! ۷۰

اور (دیکھو) اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر باعتبار روزی کے برتری دی ہے (کہ کوئی زیادہ کماتا ہے کوئی کم کماتا ہے) پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جس کسی کو زیادہ روزی دی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنے زیردستوں کو لوٹا دے حالانکہ سب اس میں برابر کے حقدار ہیں۔ پھر کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں سے صریح منکر ہو رہے ہیں؟ ۷۱

اور (دیکھو) اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کر دیے (یعنی مرد کے لئے عورت اور عورت کے لئے مرد) اور تمہارے جوڑوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کر دئے (کہ ان سے تمہاری زندگی ایک وسیع خاندان کی نوعیت اختیار کر لیتی ہے) نیز تمہاری روزی کے لئے اچھی اچھی چیزیں مہیا کر دیں۔ پھر کیا یہ لوگ جھوٹی باتیں تو مان لیتے ہیں

(۱۵) انسان کے لئے اس بات کے تصور سے بڑھ کر اور کوئی تصور فطرتی اور حقیقی نہیں ہو سکتا کہ ایک خالق و پروردگار کی ہستی موجود ہے لیکن وہ ہستی کیسی ہے؟ اس کی صفتوں کا بھی تصور کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کیا جا سکتا ہے تو وہ صفتیں کیا کیا ہیں اور کس نوعیت کی ہیں؟ یہاں سے انسانی عقل کی درماندگیاں شروع ہو جاتی ہیں اور پھر کوئی گمراہی ایسی نہیں ہے جس میں وہ گم ہو جانے کے لئے مستعد نہ ہو جاتا ہو حتیٰ کہ بعض اوقات بھٹکتے بھٹکتے اتنا دور چلا جاتا ہے کہ جس درجہ پر خود کھڑا ہے اس سے بھی خدا کا تصور نیچے گرا دیتا ہے: وجعلون لله ما يكرهون!

مشرکین عرب کی سخافت تصور کا ذکر کرنے کے بعد آیت (۶۰) میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۱۶) آیت ۶۱ میں قانون امہال کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تشریح پچھلی سورتوں کے نوٹوں میں گزر چکی ہے، اور مزید تشریح کے لئے تفسیر فاتحہ دیکھنی چاہئے۔

(۱۷) قرآن نے جا بجا کہا ہے کہ ہدایت وحی کا ظہور تبیین حقیقت اور رفع اختلاف کے لئے ہوتا ہے یعنی جن باتوں کو انسان اپنی عقل و ادراک سے نہیں پا سکتا، اور اس لئے طرح طرح کے اختلافات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کوئی کچھ سمجھنے لگتا ہے کوئی کچھ، وحی الٰہی نمودار ہوتی ہے، تاکہ ان اختلافات کو دور کر دے، اور بتلا دے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی آیت (۶۴) میں قرآن کے نزول کا ایک مقصد یہ بتلایا کہ لتبين لهم الذي اختلفوا فيه۔

٦٦ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝
وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
٦٧ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّ
٦٨ مِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ
ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
٦٩ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

اس گمراہی کا ابطال کیا ہے کہ عورت کی جنس کو جو مرد ہی کی طرح ایک انسانی جنس ہے، ذلیل و حقیر سمجھتے ہیں حتی کہ اپنی اولاد کو خود اپنے ہاتھوں قتل کر دینے کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں، چنانچہ آیت ۵۹ میں فرمایا: الا ساء ما
٦٤ یحکمون! دیکھو، کیا ہی برا فیصلہ ہے جو انہوں نے اس معاملہ میں کیا!

مردوں کا عورتوں کے ساتھ معاملہ ظلم و معصیت کی ایک مسلسل سرگذشت ہے اور اس سرگذشت کا ایک سب سے زیادہ وحشیانہ واقعہ دختر کشی کی رسم ہے۔ اسلام کا جب ظہور ہوا تو عرب کے اکثر قبیلوں میں یہ رسم اسی طرح جاری تھی جس طرح ہندوستان کی مختلف قوموں میں پچھلی صدی
٦٥ تک جاری رہ چکی ہے۔ لوگ اس پر فخر کرتے تھے اور کہتے ہمارے قبیلہ کے افراد بیٹی کے باپ ہونے کا ننگ گوارا نہیں کر سکتے۔ لیکن اسلام نے صرف یہ رسم مٹا دی بلکہ وہ ذہنیت بھی مٹا دی جو ان تمام وحشیانہ مظالم کے اندر کام کر رہی تھی اس نے اعلان کیا کہ مرد اور عورت کا جنسی اختلاف کسی فضیلت اور محرومی کی بنیاد نہیں ہو سکتا۔ دونوں کو اللہ
٦٨ نے بہ حیثیت انسان ہونے کے ایک درجہ میں رکھا ہے، اور دونوں کے آگے یکساں طریقہ پر ہر طرح کی فضیلتوں کی راہ کھول دی ہے: للرجال نصیب مما اکتسبوا، وللنساء نصیب مما اکتسبن و سئلوا اللہ من فضلہ (۴: ۳۲)

سورہ تکویر میں جہاں قیامت کے دن کی ہولناکیوں کا نقشہ کھینچا ہے، وہاں پرسش اعمال میں سب سے زیادہ نمایاں جگہ اسی ظلم کو دی ہے: واذا الموءدۃ سئلت بای ذنب قتلت؟ (۸۱: ۸)

سمجھنے کی بڑی عبرت ہے، ہم ان کے جسم سے خون اور کثافت کے درمیان، دودھ پیدا کر دیتے ہیں، جو پینے والوں کے لئے ایسی لذیذ چیز ہوتی ہے کہ بے غل و غش اٹھا کر پی لیتے ہیں۔

اسی طرح کھجور اور انگور کے درختوں کے پھل ہیں کہ ان سے نشہ آور عرق اور اچھی غذا، دونوں طرح کی چیزیں تم حاصل کرتے ہو، بلاشبہ اس بات میں ان لوگوں کے لئے (فہم و بصیرت کی) ایک نشانی ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

اور (دیکھو) تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں درختوں میں، اور ان ٹٹیوں میں جو اس غرض سے بلندی میں بنا دی جاتی ہیں، اپنا چھتہ بنائے پھر ہر طرح کے پھولوں سے رس چوستی پھرے پھر اپنے پروردگار کے ٹھہرائے ہوئے طریقہ پر پوری فرمانبرداری کے ساتھ گامزن ہو جائے (تو دیکھو) اس کے پیٹ سے مختلف رنگتوں کا رس نکلتا ہے اس میں انسان کے لئے شفا ہے۔ بلاشبہ اس صورت حال میں ان لوگوں کے لئے ایک نشانی

ع ۱۰

۷۶ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ
۷۷ وَالْأَرْضِ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَاللَّهُ
أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ
۷۸ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ
۷۹ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ

تمہاری غذا میں تین چیزیں سب سے زیادہ مفید اور لذیذ ہیں: دودھ، پھلوں کا عرق، اور شہد، تم میں سے کوئی نہیں جو ان تین نعمتوں سے آشنا نہ ہوا ہو۔ یہ تمہاری روزانہ غذا کا جوہر، لذت طعم کا ذریعہ اور جسمانی شفا کا نسخہ ہے۔

(ا) لیکن یہ دودھ جو طفولیت سے لے کر بڑھاپے تک تمہاری سب سے زیادہ دل پسند غذا ہوتی ہے کس طرح اور کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟ تم نے کبھی غور کیا؟ اگر غور کرتے تو تمہارے فہم و عبرت کے لئے صرف یہی ایک بات کافی تھی۔ یہ اسی جسم میں بنتا ہے جس جسم میں غلاظت بنتی ہے جو طرح طرح کی آلائشوں سے بھرا ہوا ہے۔ جس میں اگر کوئی سیال شے موجود ہوتی ہے تو خون ہے۔ جسے کبھی ہونٹوں سے لگانا پسند نہ کرو۔ پھر دیکھو جانوروں میں اس کے اترنے کا مخرج کہاں ہے؟ وہیں جس کے قریب ہی بول و براز کا مخرج ہے یعنی ایک ہی کارخانہ ہیں، ایک ہی مادہ سے اور ایک ہی طرح کے ظروف میں، ایک طرف تو غلاظت بنتی اور نکلتی رہتی ہے جسے تم دیکھنا بھی پسند نہ کرو۔ دوسری طرف ایک ایسا جوہر غذا و لذت بھی بنتا اور نکلتا ہے، جسے تم دیکھتے ہی اٹھا لو، اور بے غل و غش ایک ایک قطرہ پی جاؤ!

کون ہے جس کی حکمت نے یہ عجیب و غریب کارخانہ بنا دیا؟ کون ہے جو ایسے عجیب طریقوں سے زندگی کے تبریز وسایل بخش رہا ہے، اور پھر کیا ممکن ہے کہ قدرت کی یہ کارفرمائی حکمت کی یہ صنعت طرازی ربوبیت کی یہ چارہ سازی، بغیر کسی مدبر، حکیم، اور رب العالمین ہستی کے ظہور میں آگئی ہو؟

(ب) پھلوں میں طرح طرح کے خوش ذائقہ عرق پیدا ہوتے ہیں اور انہیں مختلف طریقوں سے تم کام میں لاتے ہو مثلاً کھجور اور انگور کے درخت ہیں۔ ان کے عرق سے نشہ کی چیز بناتے ہو، اور اچھی اور جائز غذائیں بھی اس

دوسرا ایسا ہے کہ (گونگے ہونے کی جگہ) لوگوں کو عدل و انصاف کی باتوں کا حکم دیتا ہے، اور خود بھی (عدل و راستی کے) سیدھے راستے پر ہے۔

۷۶ کیا پہلا آدمی اور یہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟

اور آسمانوں اور زمین کی جتنی مخفی باتیں ہیں سب کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ اور (آنے والے) مقررہ وقت کا معاملہ بس ایسا سمجھو جیسے آنکھ کا جھپکنا، بلکہ اس سے بھی جلد تر بے شک اللہ کی

۷۷ قدرت سے کوئی بات باہر نہیں!

اور (دیکھو) اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکم سے نکالا، اور اس حال میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے (یعنی علم و ادراک سے محروم تھے) پھر تمہارے لئے شنوائی، بینائی، اور عقل کی قوتیں

۷۸ پیدا کر دیں تاکہ تم شکرگزار ہو!

کیا پرندوں کو نہیں دیکھتے جو آسمان کی فضا میں مطیع و منقاد (اڑ رہے) ہیں؟ اللہ کے سوا کون ہے جو انہیں تھامے ہوئے ہے؟ بلاشبہ ایمان والوں کے لئے اس بات میں (قدرت

۷۹ حق کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!

اور (دیکھو) اللہ نے تمہارے گھروں کو

۷۲ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ
۷۳ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ
۷۴ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ
مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
۷۵ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ
عَلٰي مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ

اور اللہ کی نعمتوں کی حقیقت سے انکار کرتے ہیں؟

یہ اللہ کے سوا ان ہستیوں کی پوجا کرتے ہیں جو آسمان و زمین سے رزق دینے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے اور نہ انہیں کسی بات کا مقدور ہے۔

پس (دنیا کے پادشاہوں پر قیاس کر کے) اللہ کے لئے مثالیں نہ گڑھو۔ اللہ جانتا ہے اور تم کچھ نہیں جانتے!

اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے (اس پر غور کرو) ایک غلام ہے کسی دوسرے آدمی کی ملک، وہ خود کسی بات کی قدرت نہیں رکھتا، اور ایک دوسرا آدمی ہے (خود مختار) ہم نے اپنے فضل سے اسے اچھی روزی دے رکھی ہے، اور وہ ظاہر و پوشیدہ (جس طرح چاہتا ہے) اسے خرچ کرتا ہے۔ اب بتلاؤ کیا یہ دونوں آدمی برابر ہو سکتے ہیں؟ ساری ستائش اللہ کے لئے ہے (اس کے برابر کوئی نہیں) مگر اکثر آدمی ہیں جو نہیں جانتے!

اور (دیکھو) اللہ نے ایک (اور) مثال بیان فرمائی۔ دو آدمی ہیں۔ ایک گونگا ہے کسی بات کے کرنے کی قدرت نہیں اپنے آقا پر ایک بوجھ جہاں کہیں بھیجے کوئی خوبی کی بات اس سے بن نہ آئے

۷۲ یہ باتیں کونسی ہیں جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں،
اور جن کا اختلاف بغیر اس کے دور نہیں ہو سکتا کہ کتاب الٰہی
آئے اور پردہ اٹھا دے؟ وہ تمام باتیں جو انسان کے عقل و ادراک
کی سرحد سے ماوری ہیں۔ اللہ کی صفات، مرنے کے بعد کی زندگی
۷۳ عالم معاد کے احوال و واردات، جزائے عمل کا قانون، عالم غیب کے
حقایق، یعنی وہ ساری باتیں جن کے اعتقاد و عمل کی درستگی سے
روحانی سعادت کی زندگی پیدا ہو سکتی ہے۔ انسان جب کبھی
اس راہ میں وحی الٰہی کی روشنی سے الگ ہو کر قدم اٹھاتا ہے
۷۴ اختلافات کی تاریکیوں میں گم ہو جاتا ہے، لیکن جونہی اس
روشنی کی نمود میں آجاتا ہے، حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور
ہر طرح کے اختلافات و شکوک معدوم ہو جاتے ہیں؛

(۱۸) آیت ۶۴ میں فرمایا تھا کہ الکتاب کا نزول ہدایت
و رحمت ہے آیت ۶۵ میں فرمایا یہ معاملہ ایسا ہی ہے جیسے
باران رحمت کا نزول، وہ مردہ زمین کو زندہ کر دیتی ہے۔ یہ
۷۵ مردہ دلوں کو زندہ کر دیتا ہے۔ اس اسلوب موعظت کی تشریح
پچھلی سورتوں کے نوٹوں میں گزر چکی ہے نیز تفسیر فاتحہ
میں۔

(۱۹) آیت ۶۶ سے ۷۶ تک ربوبیت الٰہی کی بخششوں کا نقشہ کھینچا ہے۔ ساتھ ہی اس کی صنعت و حکمت کی کرشمہ سازیوں پر بھی توجہ دلائی ہے، اور بہ حیثیت مجموعی ربوبیت، رحمت، اور حکمت کا استدلال ہے۔ فرمایا۔

ٱلْبَلٰغُ ٱلْمُبِينُ ۝ يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ ٱللَّهِ ثُمَّ يُنكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ ٱلْكٰفِرُونَ ۝ وَيَوْمَ نَبْعَثُ ٨٢ ٨٣ ع
مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝ وَإِذَا رَءَا ٱلَّذِينَ ٨٤
ظَلَمُوا ٱلْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۝ وَإِذَا رَءَا ٱلَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَآءَهُمْ ٨٥
قَالُوا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا ٱلَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِن دُونِكَ ۚ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ ٱلْقَوْلَ إِنَّكُمْ ٨٦ الثلثۃ
لَكٰذِبُونَ ۝ وَأَلْقَوْا إِلَى ٱللَّهِ يَوْمَئِذٍ ٱلسَّلَمَ ۖ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ ٨٧ - ٨٨

پھر چونکہ اس بات پر توجہ دلانا مقصود تھا کہ جو راہ عمل ٹھہرا دی گئی ہے اس پر ٹھیک ٹھیک چلتی رہتی ہے کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ ذرا بھی ادھر ادھر ہو، اس لئے فرمایا "ذللا" حکم الٰہی کے آگے جھکی ہوئی کام کئے جا۔ چنانچہ اس کا ہر فرد اس طرح حکم الٰہی کے آگے جھک گیا ہے کہ ممکن نہیں کسی کو راہ عمل سے منحرف ہوتا ہوا پاؤ!

یاد رہے کہ جس وقت تک ہندوستان کا گنا دوسرے ملکوں میں نہیں پہنچا تھا میٹھی غذاؤں کے بنانے کا تمام تر دارو مدار شہد ہی پر تھا، یا پھر ایسے پھلوں پر جو بہت زیادہ میٹھے ہوتے ہیں، جیسے کھجور۔ سکندر اعظم جب ہندوستان آیا تھا اور یونانیوں نے یہاں کی قند کھائی تھی، تو خیال کیا تھا یہ بلور کی طرح کوئی معدنی چیز ہے جس کا مزہ شہد کی طرح میٹھا ہوتا ہے۔ غالباً سب سے پہلے عربوں نے ہندوستانی گنے کی کاشت مصر میں کی، اور پھر مصر سے "مصری" یورپ میں پہنچی۔ عربی کا لفظ شکر جو فارسی میں شکر ہو گیا دراصل سنسکرت کی تعریب ہے۔ (سوکرا) اور چین میں بھی گنا ہندوستان سے پہنچا ہے

پس شہد کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا گیا کہ دنیا کے اکثر حصوں میں مٹھاس کا مادہ اس کے سوا اور کچھ نہ تھا، نیز یہ محض لذیذ غذا ہی نہیں ہے بلکہ کتنی ہی بیماریوں کے لئے نسخۂ شفا بھی ہے۔

"وحی" مخفی اشارہ کو کہتے ہیں، اور یہاں لغوی معنوں میں مستعمل ہوا ہے، فرمایا۔ یہ ربوبیت الٰہی کی وحی ہے جو تمام مخلوقات کو ان کے کاموں پر لگاتی ہے اور جس نے ایک حقیر سے جانور میں سعی و عمل کی ایسی حیرت انگیز قوت پیدا کر دی ہے

یہ اللہ کی نعمتیں پہچانتے ہیں پھر بھی اس سے انکار کرتے ہیں، اور اکثر ایسے ہیں جنہیں سچائی سے (قطعاً) انکار ہے! ٨٣

اور جس دن ایسا ہوگا ہم ہر امت میں سے ایک گواہی دینے والا (یعنی پیغمبر) اٹھا کھڑا کرینگے، پھر کافروں کو اجازت نہ دی جائے گی (کہ زبان کھولیں) نہ ہی ان سے کہا جائے گا کہ توبہ کریں۔ ٨٤

جن لوگوں نے ظلم کیا ہے جب وہ عذاب اپنے سامنے دیکھیں گے تو ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ ان پر عذاب ہلکا کر دیا جائے۔ نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی؟ ٨٥

اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے ہیں، جب (قیامت کے دن) اپنے بنائے ہوئے شریکوں کو دیکھیں گے، تو پکار اٹھیں گے "اے پروردگار! یہ ہیں ہمارے (بنائے ہوئے) شریک جنہیں ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے اس پر وہ بنائے ہوئے شریک ان کی طرف اپنا جواب بھیجیں گے "نہیں تم سراسر جھوٹے ہو! ٨٦

اور اس دن سب اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دینگے وہ ساری افترا پردازیاں ان سے کھوئی جائینگی جو (دنیا میں) کیا کرتے تھے! ٨٧

لَكُم مِّن جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ أَصْوَافِهَا
وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ۝ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ ٨٠
لَكُم مِّنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُم بَأْسَكُمْ ۚ
كَذَٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ ۝ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ ٨١

سے بنتی ہیں۔ لیکن یہ پھل پیدا کس طرح ہوئے؟ کھجور اور انگور کا ہر دانہ شیرینی اور غذائیت کی ایک سربمہر شیشی ہے جو درختوں میں لٹکنے لگتی ہے، اور تم ہاتھ بڑھا کر لے لیتے ہو۔ لیکن یہ شیشی کس کارخانہ میں بنی ہے؟ زمین اور مٹی میں۔ یعنی اس مٹی میں جس کا ایک ذرہ بھی تمہارے منہ میں پڑ جاتا ہے، تو بے اختیار ہو کر تھوکنے لگتے ہو!

تم خشک گٹھلیاں مٹی میں پھینک دیتے ہو۔ مٹی وہی گٹھلی ان نعمتوں کی شکل میں تمہیں واپس دیدیتی ہے۔

کون ہے جس کی ربوبیت و حکمت مٹی کے ذروں سے یہ خزانے اگلوا رہی ہے؟ خوشبو، ذائقہ، اور غذائیت کے
خزانے؟ ٨٠

(ج) پھر شہد کے چھتوں کو۔ یہ کارخانے ہیں جن میں تمہارے لئے شب و روز شہد تیار ہوتا رہتا ہے۔ تم دنیا کے سارے پھول اور پھل جمع کر کے چاہو کہ شہد کا ایک قطرہ بنالو، تو کبھی نہ بنا سکو گے۔ لیکن ایک چھوٹی سی مکھی بناتی رہتی ہے، اور اس نظم و انضباط، محنت و استقلال، تخمین و تدقیق، ترتیب و تناسب، اجتماع و اشتراک، اور یکسانیت و ہم آہنگی کے ساتھ بناتی رہتی ہے کہ اس کی ہر بات ہماری عقلوں کو "درماندہ کر دینے والی" اور ہماری فکروں کی ساری توجیہوں اور تعلیلوں پر دروازہ بند کر دینے والی ہے۔

قرآن کے الفاظ پر غور کرو۔ کس طرح معاملہ کے ٨١
دقایق واضح کر دئے ہیں؟ چونکہ شہد کی مکھی کی یہ صنعت گری جد و جہد، نظم و انضباط، اور سرگرمی و باقاعدگی کا ایک پورا سلسلہ ہے جو عرصہ تک جاری رہتا ہے، اور یکے بعد دیگرے بہت سی منزلوں سے گزر کر مکمل ہوتا ہے اس لئے اس کے کاموں کو "سبل" سے تعبیر کیا یعنی عمل کی راہوں سے فاسلکی سبل ربک، اور

تمہارے لئے سکونت کی جگہ بنا دیا۔ نیز تمہارے لئے چارپایوں کی کھالوں سے گھر بنائے (یعنی خیمے جنہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنے ساتھ لئے پھرتے ہو) کوچ کر دیا اقامت کی حالت میں ہو، دونوں حالتوں میں نہایت سبک اور پھر چارپایوں کی اون سے اور روؤں سے اور بالوں سے کتنے ہی سامان اور مفید چیزیں بنا دیں کہ ایک خاص وقت تک کام دیتی ہیں۔

اور اللہ نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں سے تمہارے لئے سائے پیدا کر دئے (کہ جنہیں خیمے میسر نہیں ہوتے وہ درختوں، مکانوں، اور پہاڑوں کے سائے میں پناہ لیتے ہیں) اور پہاڑوں میں پنا لینے کی جگہیں بنا دیں، اور لباس پیدا کر دیا کہ (لوہ کی) گرمی سے بچاتا ہے۔ نیز آہنی لباس جو (ہتھیاروں کی) زد سے بچاتا ہے (دیکھو) اس طرح اللہ اپنی نعمتیں پوری طرح بخش رہا ہے تاکہ اس کے آگے (اطاعت میں) جھک جاؤ!

پھر (اے پیغمبر!) اگر اس پر بھی لوگ اعراض کریں (اور سمجھنے بوجھنے کے لئے تیار نہ ہوں) تو (ان کی فکر چھوڑ دو) تمہارے ذمے جو کچھ ہے، وہ صرف یہی ہے کہ صاف صاف پیغام حق پہنچا دینا۔

گویا ایک مسلسل راہ عمل ہے جسے وہ طے کرتی رہتی ہے۔

۹۰ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَ
اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ
۹۱ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ
قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۭ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ

قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرو۔ اور تمہیں
روکتا ہے (کن باتوں سے؟) بے حیائی کی
باتوں سے، ہر طرح کی برائیوں سے اور ظلم و زیادتی
کے کاموں سے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ
۹۰ (سمجھو اور) نصیحت پکڑو!
اور جب تم آپس میں قول و قرار کرو تو (سمجھ
لو کہ یہ اللہ کے نزدیک ایک عہد ہو گیا تو) چاہیے
کہ اللہ کا عہد پورا کرو، اور ایسا نہ کرو کہ قسمیں پکی
کر کے انہیں توڑ دو، حالانکہ تم اللہ کو اپنے اوپر
نگہبان ٹھہرا چکے ہو (یعنی اس کے نام کی قسم کھا
کر اسے شاہد قرار دے چکے ہو) یقین کرو، تم جو کچھ کرتے ہو اللہ
۹۱ سے پوشیدہ نہیں، اس کا علم ہر بات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔
اور دیکھو تمہاری مثال اس عورت کی سی نہ
ہو جائے جس نے بڑی محنت سے سوت کاتا، پھر
توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تم آپس کے معاملہ میں اپنی
قسموں کو مکر و فساد کا ذریعہ بناتے ہو۔ اس لئے کہ

ایک حصہ کمزوروں کو "لوٹا دیں"۔ "لوٹا دیں"۔ کیونکہ فی الحقیقت کمائی کی یہ زیادہ مقدار ان افراد کے لئے بھی جو کمزوری کی وجہ سے حاصل نہ کر سکے۔ اب چلی گئی ہے طاقت ور افراد کے پاس اس لئے چاہئے کہ حقداروں کو لوٹا دی جائے، یعنی جن کا حق ہے وہ انہیں مل جائے،

وہ کہتا ہے، یہ بات کہ تمہیں سامانِ معیشت کے زیادہ کمانے کا موقعہ مل گیا ہے، تمہیں اس بات کا حقدار نہیں بنا دیتی کہ اپنی ساری کمائی صرف اپنی انفرادی زندگی ہی کے لئے روک لو۔ کیونکہ دنیا کے وسایل زندگی کسی خاص انسان کی حقیقی ملکیت نہیں ہو جا سکتے۔ یہاں جو کچھ ہے تمام نوع کے لئے ہے۔ پس اگر ایک فرد نے زیادہ کما لیا، تو کما لے سکتا ہے، لیکن ایسا نہیں سمجھ سکتا کہ ساری کمائی اسی کی ہو گئی ہے، جو کچھ اس نے کمایا ہے، دراصل نوع انسانی کی ایک امانت ہے اور اس کے قبضہ میں آ گئی ہے۔ وہ اس پر قابض رہ سکتا ہے لیکن اسے صرف اپنے ہی لئے خاص نہیں کر لے سکتا۔ اس کا فرض ہے کہ خود بھی کھائے اور ان کمزوروں کو بھی کھلائے جو حصول معیشت سے محروم رہ گئے ہیں۔

دراصل قرآن کی اس تعلیم کی تہ میں یہ بنیادی اصل کام کر رہی ہے کہ وہ نوع انسانی کے مختلف افراد اور جماعتوں کو ایک دوسرے سے الگ اور منقطع تسلیم نہیں کرتا، بلکہ سب کو ایک ہی گھرانے کے مختلف افراد قرار دیتا ہے۔ ایسے افراد جو آپس میں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، ایک دوسرے کے شریک حال ہیں، اور ایک دوسرے سے تعاون کرنے والے ہیں۔ بلاشبہ ان میں کا ہر فرد اپنے اپنے طور پر اپنی اپنی استعداد کے مطابق جد و جہد معیشت میں لگا ہوا ہے، اور کوئی زیادہ کامیاب ہوتا ہے کوئی کم، لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک فرد دوسرے فرد کی حالت سے بے پروا ہو جائے۔ جو زیادہ کماتا ہے، وہ اپنی کمائی دوسرے کو اٹھا کر نہیں دے دیتا، لیکن ایسا بھی نہیں کر سکتا کہ دوسرے کی یک قلم محرومی برداشت کرے اور اس کے لئے اپنے کو ذمہ دار نہ سمجھے۔ جو زیادہ کماتا ہے، اس کے پاس زیادہ کمائی رہتی ہے، جو کم کماتا ہے، اس کے پاس کم رہتی ہے۔ لیکن کھانے پینے سب ہیں۔ بھوکا کوئی نہیں رہ سکتا۔ کمائی میں سب الگ الگ جد و جہد کریں گے کھانے میں سب

۸۸ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا
يُفْسِدُوْنَ ۝ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ
شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى
۸۹ ع ۱۲/۱۸ لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ

جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا، تو ان کی شرارتوں کی پاداش میں ہم نے ان کے عذاب پر ایک اور عذاب بڑھا دیا۔ (کہ ایک عذاب کفر کا ہوا۔ دوسرا راہ حق سے روکنے کا)

اور وہ (آنے والا) دن جب ہم ہر ایک امت میں ایک گواہ (یعنی پیغمبر) اٹھا کھڑا کرینگے جو انہی میں سے ہوگا۔ اور جو بتائے گا کہ کس طرح اس نے پیام حق پہنچایا، اور کس طرح لوگوں نے اس کا جواب دیا) اور (اے پیغمبر!) تجھے ان لوگوں کے لئے (جو آج تجھے جھٹلا رہے ہیں) گواہ بنائینگے (یہی بات ہے کہ) ہم نے تجھ پر الکتاب نازل کی (دین کی) تمام باتیں بیان کرنے کے لئے، اور اس لئے کہ مسلمانوں کے لئے رہنمائی ہو، اور رحمت، اور خوش خبری!

(مسلمانو!) اللہ حکم دیتا ہے کہ (ہر معاملہ میں) انصاف کرو، (سب کے ساتھ) بھلائی کرو، اور

(۱۹) دنیا میں انسانی معیشت کا کارخانہ اس طرح چل رہا ہے کہ ہر طرح کے فواید و وسایل کے حصول کا دروازہ ہر انسان اور ہر گروہ پر کھول دیا گیا ہے اگر کوئی چیز کسی کو خود نہیں مل جاتی۔ اسی کو ملتی ہے جو اس کے لئے جدوجہد کرے
۸۸ اور وہ تمام طریقے کام میں لائے جو حصول مقصد کے لئے ضروری ہیں۔

لیکن ہر انسان کی ذہنی و جسمانی استعداد یکساں نہیں ہوتی، اور چونکہ یکساں نہیں ہوتی اس لئے وسایل معیشت کے حصول کے اعتبار سے بھی سب کی حالت یکساں نہیں ہوتی کسی نے وسائل معیشت پر زیادہ قابو پالیا۔ کسی نے کم کمانے کے زیادہ مواقع حاصل ہو گئے کسی کو تھوڑے۔ پہلے جسمانی قوت میں مقابلہ ہوا اور طاقت ور نے کمزور کو مغلوب کر لیا۔ پھر ذہن رحیم کا مقابلہ شروع ہوا اور ذہنی قوت نے جسمانی قوت کو مقہور کر لیا۔

آیت ۷۱ بھی قرآن کی ان آیتوں میں سے ہے جن سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ اس بارے میں قرآن کی تعلیم کا رخ کس طرف ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن اس صورت حال سے تو تعرض نہیں کرتا کہ معیشت کے اعتبار سے تمام انسانوں
۸۹ کی حالت یکساں نہیں کسی کے پاس زیادہ سامان معیشت ہے کسی کے پاس کم لیکن وہ یہ صورت حال برداشت نہیں کر سکتا کہ حصول رزق کے اعتبار سے لوگوں کی حالت یکساں نہ ہو۔ کسی کو ملے کسی کو نہ ملے۔ وہ کہتا ہے ہر انسان جو دنیا میں پیدا ہوا، دنیا کے سامان رزق سے حصہ پانے کا یکساں طور پر حقدار ہے اور کسی فرد اور گروہ کو حق نہیں کہ اس سے اسے محروم کر دے خواہ وہ طاقت ور ہو یا کمزور، تندرست ہو یا بیمار، قابل ہو یا ناقابل، دولت مندوں کے گھر پیدا ہو یا فقیروں کے، لیکن اگر انسان ہے، تو ماں کے پیٹ سے وہ یہ حق لے کر آیا ہے کہ زندہ رہے اور زندگی کا سر و سامان پائے:

لیکن ہر فرد زندگی کا سر و سامان کیونکر پا سکتا ہے؟ جو کمزور ہے یا جو ایسے حالات میں پڑ گیا ہے کہ کمانے کا موقعہ نہیں پاتا یا جو معذور اور لاچار ہو گیا ہے، وہ سر و سامان معیشت کہاں سے پائے گا؟ قرآن کہتا ہے، اس طرح کہ جن لوگوں کو کمائی کا زیادہ موقعہ ملا ہے، ان کے ذمے خرچ کرنے کا فرض بھی زیادہ عائد ہو گیا ہے۔ وہ اپنی کمائی کا

وَلَا تَتَّخِذُوٓا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوتِهَا وَتَذُوقُوا السُّوٓءَ بِمَا
۹۴ صَدَدتُّمْ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ إِنَّمَا عِندَ

اور (دیکھو) آپس کے معاملات میں اپنی قسموں کو مکر و فریب کا ذریعہ نہ بناؤ کہ لوگوں کے پاؤں جمنے کے بعد اکھڑ جائیں اور اس بات کی پاداش میں کہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا، برے نتیجوں کا تمہیں مزہ چکھنا پڑے اور (بالآخر) ایک بڑے عذاب کے
۹۴ سزاوار ہو!

اور اللہ کے نام پر کئے ہوئے عہد (دنیا کے بہت تھوڑے فائدے کے بدلے نہ بیچو (راست بازی کا) جو اجر اللہ کے پاس ہے وہی تمہارے حق میں

میں سب کی راہیں الگ ہوں گی۔ قبضہ و تصرف میں بھی سب الگ الگ رہیں گے، لیکن کھانے میں الگ نہیں رہ سکتے۔ یہ خدا کے اس عالمگیر گھرانے کے ہر فرد کا قدرتی حق ہے۔ وہ کما سکے یا نہ کما سکے، لیکن اسے زندہ رہنے کا سامان ملنا چاہئے۔

وہ کہتا ہے کمائی کے حق کا دامن انفاق کی ذمہ داری سے بندھا ہوا ہے، یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ تم انہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کر سکتے۔ یہاں کمائی کرنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ خرچ کرنے کی ذمہ داری اٹھائی جائے۔ اگر تم کچھ نہیں کما سکتے، تم پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ جونہی تم کمانے لگے تم پر ذمہ داری عاید ہو گئی۔ اب یہ جتنی بڑھتی جائے گی، انفاق کی ذمہ داری بھی بڑھتی جائے گی۔ ہر پیسہ جو تمہاری جیب میں آئے گا انفاق کی ایک تازہ ذمہ داری اپنے ساتھ لائے گا۔ تمہاری کمائی کی راہ میں کوئی روک نہیں تم جس قدر کما سکتے ہو کماؤ۔ بلکہ چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ کماؤ لیکن یہ نہ بھولو کہ زیادہ سے زیادہ کمانا، زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کو کہتے ہیں!

وہ کہتا ہے، افراد کے ہاتھ کمائی کے لئے ہیں لیکن جماعت کا حق خرچ کرانا ہے، افراد جتنا کما سکتے ہیں کمائیں، لیکن ڈھیر لگانے کے لئے نہیں خرچ کرنے کے لئے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ "اکتناز" کو روکنا چاہتا ہے یعنی چاندی سونے کے ڈھیر لگانے کو، اور کہتا ہے ان کے لئے عذاب الیم کی بشارت ہے جو ڈھیر لگاتے ہیں اور خرچ نہیں کرتے: والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا (۹: ۳۴) شرح اس کی سورۂ توبہ میں گزر چکی۔

اس تمام تفصیل سے معلوم ہوا کہ جہاں تک نظام معیشت کا تعلق ہے قرآن نے اکتساب مال کا معاملہ انفاق مال کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔ وہ فرد کے حق اکتساب سے تعرض نہیں کرتا۔ لیکن اس حق کو انفاق کی ذمہ داری کے ساتھ باندھ دیتا ہے۔ جس قدر کما سکتے ہو، کماؤ۔ لیکن کوئی کمائی جائز تسلیم نہیں کی جا سکتی اگر انفاق سے انکار کرتی ہو۔ ہر وہ کمائی جو محض "اکتناز" کے لئے ہو، اور انفاق کے لئے دروازہ کھلا نہ رکھے، قرآن کے نزدیک ناجائز، ناپاک اور مستحق عقوبت ہے۔

چنانچہ یہاں آیت ۷۱ میں فرمایا والله فضل بعضکم علی بعض فی الرزق۔ سرو سامان رزق کے اعتبار سے سب کی حالت یکساں نہ ہوئی کسی کے پاس زیادہ ہے، کسی کے پاس کم ہے کوئی بالکل محروم ہے۔ فما الذین فضلوا برادی رزقھم علی ما ملکت ایمانھم پھر جن لوگوں کو رزق میں برتری دی گئی ہے، وہ ایسا کرنے والے نہیں کہ اپنے کمائے ہوئے رزق اپنے غلاموں اور زیر دستوں کو دیدیں۔ فھم فیہ سواء حالانکہ جو رزق انہوں نے کمائی ہے، وہ کچھ ان کی خلق کی ہوئی نہیں ہے۔ اللہ ہی کی دی ہوئی ہے، اور اس لئے رزق کے حقدار ہونے میں وہ سب برابر ہیں۔ خواہ کوئی زیر دست ہو کر محروم ہو گیا، خواہ کوئی زبردست ہو کر خوش حال ہو گیا ہو۔ افبنعمۃ الله یجحدون؟ پھر کیا یہ اللہ کی نعمت کے منکر ہیں؟ اللہ کی نعمت کے کیونکر منکر ہیں

أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا
كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ ٩٢
وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَلَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ ٩٣

ایک دوسرے کے شریک ہوجائیں گے!

دنیا میں نسل و توارث کے قریبی رشتوں نے خاندانوں کی بنیاد ڈال دی ہے۔ یہ خاندانی زندگی ٹھیک ٹھیک اس زندگی کا ایک نمونہ ہے جو قرآن چاہتا ہے کہ تمام نوع انسانی کی ہوجائے۔ ایک خاندان میں مختلف افراد ہوتے ہیں۔ اور استعداد کار کے لحاظ سے تمام افراد کی حالت یکساں نہیں ہوتی کوئی زور زیادہ کمائو ہوتا ہے، کوئی کم۔ کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ نہیں کماتا، یا کچھ نہیں کما سکتا۔ جو زیادہ کماتا ہے
وہ اپنی کمائی اپنے ہی پاس رکھتا ہے، ایسا نہیں کرتا کہ اٹھا ٩٢
کر دوسرے کو دیدے لیکن باہمی رشتہ داری نے باہمی فرائض و تعاون کا جو فرض عاید کردیا ہے، اسے خاندان کا کوئی فرد نظر انداز نہیں کرسکتا، ایسا نہیں ہوسکتا کہ خاندان کا ایک فرد خود تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرے لیکن دوسروں کو فقر و فاقہ کی حالت میں ہلاک ہونے کے لئے چھوڑ دے۔ کمانے میں سب کی راہیں الگ ہوتی ہیں، اور نتائج بھی سب کو ایک طرح کے پیش نہیں آتے، لیکن کھانے میں سب ایک دوسرے کے شریک رہتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی فکر سے غافل نہیں ہوسکتے۔ اگر خاندان کا ایک فرد زیادہ کماتا ہے، تو وہ محسوس کرتا ہے کہ خرچ کرنے کی ذمہ داری بھی اس پر
زیادہ عاید ہوگئی ہے، اور دوسرے بھی سمجھتے ہیں کہ یہ زیادہ ٩٣
کماتا ہے، تو اسے ہماری خبر گیری بھی دوسروں سے زیادہ کرنی چاہئے۔

ایک گروہ (کسی) دوسرے گروہ سے (طاقت میں) بڑھ چڑھ گیا ہے (یاد رکھو) اللہ اس معاملہ میں تمہاری (راست بازی و استقامت کی) آزمائش کرتا ہے (کہ تم طاقتور گروہ کا پاس کرنے لگتے ہو یا اپنے قول و قرار کا) جن جن باتوں میں تمہارے اختلافات ہیں ضرور ایسا ہوگا کہ وہ قیامت کے دن (حقیقت حال) تم پر آشکارا کردے۔

اور (دیکھو) اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا (یعنی مختلف گروہوں اور مختلف طریقوں کا اختلاف ظہور ہی میں نہ آتا) لیکن (تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے ایسا نہیں چاہا) وہ جس کسی پر چاہتا ہے (کامیابی کی) راہ گم کر دیتا ہے۔ جس کسی پر چاہتا ہے کھول دیتا ہے، اور (پھر) ضرور ایسا ہونا ہے کہ تم سے ان کاموں کی بازپرس ہو جو (دنیا میں) کرتے رہتے ہو!

ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی خاندان کے مختلف افراد ہوتے ہیں۔ مگر باہمی تعاون و اشتراک کا فرض بھلا دیتے ہیں۔ ایک بھائی لاکھوں کماتا ہے۔ دوسرا بھائی بھوکا مرتا ہے لیکن دنیا ایسے آدمی کو ملامت کرے گی، وہ کہیگی یہ ننگ خاندان ہے۔ اس نے یہ بات کیسے گوارا کرلی کہ خود تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرے اور اس کا بھائی ایک ایک دانہ کو ترسے۔

قرآن چاہتا ہے ایسا ہی اعتقاد نوع انسانی کے تمام افراد میں پیدا ہو جائے۔ وہ کہتا ہے۔ تمام افراد انسانی دراصل ایک ہی گھرانے کے مختلف افراد ہیں۔ انسانیت ان کی نسل ہے اور کرہ ارضی ان کا وطن ہے۔ بلاشبہ ان میں کا ہر فرد حق رکھتا ہے کہ اپنی اپنی حالت اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق معیشت کے وسائل حاصل کرے لیکن اس کا حق نہیں رکھتا کہ اپنی کمائی کو صرف اپنے ہی لئے سمجھے اور اپنے کمزور بھائی کے لئے کچھ نہ نکالے۔ کمانے

۹۸ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
۹۹ - ۱۰۰ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ○

۹۸ پس جب تم قرآن پڑھنے لگو، تو چاہیے کہ شیطان مردود (کے وسوسوں) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔

۹۹ جو لوگ ایمان والے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ ان پر اس کا زور چلے۔

۱۰۰ اس کا زور تو انہی پر چلتا ہے جو اسے اپنا رفیق بناتے ہیں، اور جو اس کی وجہ سے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

انسان کی ساری درماندگی اس راہ میں یہ ہے کہ اپنے معیارِ خیال سے اللہ کا تصور آراستہ کرنا چاہتا ہے، اور اس کے لئے مثالیں تراشتا ہے، حالانکہ اس کے سارے قصد، اس کے سارے قیاسات اس کی ساری تمثیلیں اس کے لئے ٹھوکروں پر ٹھوکریں اور گمراہیوں پر گمراہیاں ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنی سوچی ہوئی تمثیلوں میں جتنا بڑھتا جاتا ہے، اتنا ہی حقیقت سے دور ہوتا جاتا ہے، کیونکہ وہ جتنی بھی تمثیلیں بناتا ہے، اپنے ادراک واحساسات کے اندر رہ کر بناتا ہے، اور ذاتِ مطلق اس دائرہ کی رسائی سے ماوراء ہے۔

اے بروں از وہم و قال و قیل من
خاک بر فرقِ من و تمثیلِ من!

جہاں تک تصورِ الٰہی کی تنزیہہ کا تعلق ہے، قرآن کی دو چھوٹی چھوٹی آیتوں میں سب کچھ کہہ دیا گیا ہے، جن میں سے ایک آیت یہ ہے، دوسری لیس کمثلہ شیئٌ (۴۲ : ۱۱) تنزیہہ کے بارے میں تم جو کچھ بھی کہو، اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتے۔ اس کے لئے تمثیلیں نہ گڑھو، وہ ان ساری چیزوں میں سے کسی چیز کے بھی مثل نہیں ہے جس کا تم تصور کر سکتے ہو!

لیکن اگر قرآن نے تصورِ الٰہی کی تنزیہہ کا یہ حال ہے، تو پھر کیوں اس نے صفات کا اثبات کیا؟ صفات کے اثبات کا لازمی نتیجہ تشخص[1] ہے، اور تشخص پیدا ہوا، تو اطلاق باقی نہ رہا، اور اطلاق باقی نہیں رہا۔ تو تنزیہہ بھی اپنی بلندی سے نیچے اتر آئی۔

اس لئے کہ اگر تنزیہہ کا مطلب یہ سمجھا جائے، تو انسان کے تصور کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا۔ خدا کا تصور محض ایک سلبی تصور[2] ہو جاتا ہے اور سلبی تصور سے خداپرستی کی زندگی پیدا نہیں ہو سکتی۔ خدا کا ایسا تصور اس کی فطرت کے لئے ایک ناقابلِ برداشت بوجھ ہو جائے گا۔ وہ وجدانی طور پر ایک خالق و پروردگار ہستی کا یقین رکھتا ہے، اور جب یقین رکھتا ہے تو ناگزیر ہے کہ اس کا تصور بھی کرے، اور جب تصور کرے گا تو تشخص کے ساتھ ہی کرے گا۔ غیر متشخص اور سلبی حقیقت کا تصور اس کی فطری طاقت سے باہر ہے، اور اگر بہ تکلف وہ ایسا تصور پیدا بھی کرنا چاہے، تو یہ اس کے لئے کوئی زندہ اور عامل تصور نہیں ہو سکتا۔

یہ بات کہ اس کی فطرت میں ایک ایسی ہستی کا وجدانی اعتقاد موجود ہے اس بات کا بھی فطری ثبوت ہے کہ اُسے اس کا تصور کرنا چاہیے یعنی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ تصور کرے۔ وہ وجدانی طور پر مجبور ہے کہ تصور کرے، لیکن جب وہ تصور کرے گا تو یہ ایک انسان ہی کا ہی تصور ہوگا۔ ماورائے انسانیت تصور نہیں ہوگا، اور انسانی تصور تشخص کی پرچھائیں سے منزہ نہیں ہو سکتا۔

اس تصور کا ولولہ انسان کی فطرت میں کیوں ابل رہا ہے؟ اس لئے کہ اس کے معنوی ارتقاء کے لئے ایک نصب العین کی ضرورت تھی، اور یہ نصب العین اللہ کی ہستی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ مخلوقات میں جتنی چیزیں ہیں، سب

[1] "تشخص" سے یہاں مقصود تصور کی وہ نوعیت ہے جسے انگریزی میں "پرسنل گاڈ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
[2] سلبی تصور سے مقصود یہ ہے کہ صرف نفی کی جائے اثبات نہ ہو یعنی کہا جائے وہ ایسا نہیں ہے ایسا نہیں ہے ایسا نہیں ہے مگر یہ نہ کہا جائے کہ اس میں یہ یہ صفتیں ہیں۔ مثلاً وہ حکیم ہے، علیم ہے، پروردگار ہے۔

اللّٰہِ ھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِیَنَّ الَّذِیْنَ ۹۵
صَبَرُوْٓا اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ ۹۶
فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً ۚ وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ فَاِذَا قَرَاْتَ ۹۷

بہتر ہے۔ بشرطیکہ تم سمجھتے بوجھتے ہو!

جو کچھ تمہارے پاس ہے (ایک ایک دن) ختم ہو جائے گا، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ختم ہونے والا نہیں جن لوگوں نے صبر کیا (اور زندگی کی عارضی مشکلیں جھیل گئے) ہم ضرور انہیں ان کا اجر عطا فرمائیں گے۔ انہوں نے جیسے جیسے اچھے کام کئے ہیں اسی کے مطابق ہمارا اجر بھی ہوگا۔

جس کسی نے اچھا کام کیا خواہ مرد ہو خواہ عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہے تو (یاد رکھو) ہم ضرور اسے (دنیا میں) اچھی زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں بھی ضرور اسے اجر دینگے انہوں نے جیسے جیسے اچھے کام کئے ہیں اسی کے مطابق ہمارا اجر بھی ہوگا

۹۵ جس قدر سروسامانِ معیشت ہے وہ در اصل فطرت کی بخشی ہوئی ہے، وہ کسی فردِ انسانی کی پیدا کی ہوئی نہیں ہے، اور اگر ایک فرد کے قبضہ میں آجاتی ہے، تو یہ ایک اللہ کا فضل ہے۔ چاہیے کہ اس کی شکرگذاری بجا لائی جائے، نہ یہ کہ کفرانِ نعمت کیا جائے۔ اس کی شکرگذاری کیا ہے؟ ان افراد پر خرچ کرنا جو اس کے حصول سے محروم ہیں۔

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ سروسامانِ معیشت سب کے پاس یکساں نہیں، اور یہ اختلاف
۹۶ حال قدرتی ہے اسی لئے اسے اللہ نے براہ راست اپنی طرف منسوب کیا۔ دوسری یہ کہ رزق کے حقدار ہونے میں سب برابر ہوئے۔ خواہ کوئی آقا ہو، کوئی مملوک، کوئی طاقتور ہو، کوئی زیر دست، چونکہ یہ دونوں باتیں یک جا ہو کر اس سوال پر روشنی ڈالتی ہیں کہ نظامِ معیشت کے معاملہ میں قرآن کا رخ کس طرف ہے اس لئے ضروری تھا کہ مندرجہ صدر تشریحات اسی محل میں کر دی جائیں۔

اس آیت میں "فھم فیہ سوآء" کا مطلب قرار دیتے
۹۷ ہوئے بعض مفسرین نے اسے عدمِ تساویٔ حال پر محمول کیا ہے اور تقدیرِ عبارت یوں قرار دی ہے کہ "افھم فیہ سوآء"؟ بعضوں نے فھم کی فا کو حتی کے معنوں میں لیا ہے۔ لیکن جملہ صاف صاف مطلب وہی ہے جو ہم نے قرار دیا ہے، یعنی یہ صریح تساویٔ حال کی خبر ہے نہ کہ اس کی نفی، اور جب مطلب ٹھیک ٹھیک بیٹھ رہا ہے تو پھر کونسی وجہ ہے کہ جگہ سے ہٹنے کے لئے مضطرب ہوں۔

---

(۲۰) آیت ۷۲ میں ربوبیتِ الٰہی کی نعمتوں میں سے تین نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک یہ کہ اس نے انسان کی زندگی دو مختلف جنسوں مرد اور عورت میں تقسیم کر دی۔ اور پھر ایک کو دوسرے کا ساتھی بنا دیا۔ یعنی ازدواجی زندگی کا نظام قائم کر دیا۔ دوسری یہ کہ ازدواجی زندگی سے خاندانی زندگی پیدا ہو گئی۔ اولاد پیدا ہوتی ہے پھر ان کی اولاد ہوتی ہے اور اس طرح ایک دائرہ قریبی رشتہ داروں کا بن جاتا ہے، جس کا ہر فرد دوسرے فرد سے وابستہ ہوتا ہے اور اس وابستگی سے اجتماعی زندگی کی ساری برکتیں اور راحتیں حاصل ہوتی ہیں تیسری یہ کہ اس کی غذا کے لئے اچھی چیزیں پیدا کر دیں، جو نہ صرف مفید ہیں، بلکہ خوشگوار ہیں، خوش رنگ ہیں، خوشبو ہیں۔

اس مقام کی تشریح کے لئے تفسیر فاتحہ کا مبحث "تکمیلِ حیات" دیکھنا چاہئے۔

---

(۲۱) آیت ۷۴ میں فرمایا لا تضربوا للہ الامثال۔ اپنے جی سے اللہ کے لئے مثالیں نہ گھڑا کرو۔

۱۰۲ وَبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِىْ
۱۰۳ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِىٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيْنٌ ○

فرمانبردار بندوں کے لئے رہنمائی ہو، اور (نجات و
۱۰۲ سعادت کی) خوشخبری!
اور بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ (قرآن
کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ یہ) کہتے ہیں "اس شخص کو
تو ایک آدمی (یہ باتیں) سکھا دیتا ہے"۔ حالانکہ
اس آدمی کی زبان جس کی طرف اسے منسوب کرتے
۱۰۳ ہیں عجمی ہے، اور یہ صاف اور آشکارا عربی زبان ہے!

اسی سورت کی آیت ۶۰ میں گزر چکا ہے: للذین لا یومنون بالاخرۃ مثل السوء، وللہ المثل الاعلیٰ۔ افسوس ہے کہ اس آیت کا مطلب لوگوں نے نہیں سمجھا۔ اس میں بھی یہی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ قرآن اس سے نہیں روکتا کہ انسان خدا کے تصور کے لئے ایک بات دھیان میں لائے، لیکن وہ بات کیسی ہونی چاہئے؟ یہیں اسے ہمیشہ ٹھوکر لگی۔ وہ اسے نہیں پاسکا۔ وہ حسن و جمال، کبریائی و کمال اور علو و عظمت کی بات تھی، لیکن اس نے گمراہی فکر سے بُری باتیں، گری ہوئی باتیں، نا سزا باتیں گڑھ لیں۔ یعنی "مثل السوء" سے کام لیا۔ "المثل الاعلیٰ" نہ پاسکا۔ حالانکہ اللہ کے لئے جو بات ہوگی "المثل الاعلیٰ" ہی کی ہوگی "مثل السوء" کی نہیں ہوسکتی۔ قرآن نے اسی "المثل الاعلیٰ" کا جمال حقیقت نمایاں کردیا ہے، اور یہی "المثل الاعلیٰ" ہے جسے سورۂ اعراف میں "اسماء الحسنیٰ" سے تعبیر کیا، اور مثل السوء کے لئے الحاد فی الاسماء کی تعبیر اختیار کی۔ وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا و ذروا الذین یلحدون فی اسمائہ، سیجزون ما کانوا یعملون (۷: ۱۸۰)

ایک دوسری جگہ فرمایا: لہ الاسماء الحسنیٰ، یسبح لہ ما فی السمٰوٰت والارض، وھو العزیز الحکیم (۵۹: ۲۴) اس کے لئے حسن و خوبی کی صفتیں ہیں اور آسمانوں میں اور زمین میں جتنی مخلوقات ہیں، سب اسکی تسبیح کر رہی ہیں یعنی تمام کائنات ہستی ان صفتوں کی شہادت دے رہی ہے۔ آسمان و زمین کی ہر چیز ان صفتوں کا اعتراف ہے، ان صفتوں کی نمود ہے، اس کی پاکی و کبریائی کے اعلان میں تسبیح کی زبان ہے تقدیس کی پکار ہے۔

بہرحال اثبات صفات ایک ایسی حقیقت ہے جس کی وجدانی طلب فطرت انسان میں موجود ہے، اور اس سے اس تک شخص کا ہونا فطری مطالبہ پورا کرنا ہے۔ اگر اس سے اعراض کیا جائے گا، تو غیر فطری بات ہو جائے گی، اور انسان کی وجدانی پیاس کبھی نہیں بجھے گی۔ ہندوستان کے فلسفہ ویدانت نے ~~اور اس کے بعد بودھ مذہب کے فلاسفہ نے~~

~~۱ انیسویں صدی میں جن مستشرقین نے بودھ مذہب کی تحقیقات کی ان میں سے اکثر اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ گوتم بدھ کے عقیدہ میں خدا کے لئے کوئی جگہ نہ تھی لیکن اب عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ یہ بدھ مذہب کی زیادہ سے زیادہ غلط تعبیر ہے جہاں تک خدا کے اعتقاد و تصور کا تعلق ہے گوتم بدھ نے بھی وہی راہ اختیار کی جو اپنشد کی ہے لیکن اس پر حقیقت سے اطلاق کا استغراق اس درجہ طاری ہو گیا تھا کہ کوئی مثبت بات اس بارے میں نہ کہہ سکا۔ اس کا مسلک انکار ذات کا نہ تھا نفی صفات کا تھا۔~~

~~یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کہ اس نے زندگی میں رنج و عذاب کے سوا کچھ نہ دیکھا اور نجات کی راہ اس کے نزدیک ترک و فنا میں ہے۔ وہ زندگی کے رنج و عذاب کا یقین ضرور پیدا کرنا چاہتا ہے لیکن اس لئے کہ رنج و عذاب سے نکلنے اور طمانیت و سعادت حاصل کرنے کی طلب پیدا کرے۔ اس نے نجات کی راہ ترک خواہشات نہیں قرار دی ہے بلکہ "درمیانی راہ" پر زور دیا ہے۔ یعنی نہ تو نہ خواہشوں کا استغراق اور نہ ترک۔ بیچ کی راہ۔~~

~~میں خود بھی عرصہ تک اسی غلط فہمی میں مبتلا رہا لیکن اب مطالعہ و تحقیق کے بعد اس خیال کی غلطی واضح ہوگئی ہے۔~~

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ ۙ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مُفْتَرٍ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ ۝ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى ۱۰۱

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں' اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے کہ وہ کیا نازل کر رہا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں "تم تو بس اپنے جی سے گڑھ لیا کرتے ہو" حالانکہ ان میں سے اکثروں کو معلوم نہیں کہ حقیقت حال کیا ہے۔

(اے پیغمبر!) تم کہدو "(یہ میرے جی کی بناوٹ نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے) یہ تو فی الحقیقت تمہارے پروردگار کی طرف سے روح القدس نے اتاری ہے اور اس لئے اتاری ہے کہ ایمان والوں کے دل جما دے،

سب اس سے پست ہیں' وہ بلند ہونے کے لئے ان کی طرف نہیں دیکھ سکتا۔ اسے ایک ایسی ہستی کی ضرورت ہے جو سب سے بلند تر ہو' اور زیادہ سے زیادہ بلندیوں تک اسے کھینچنے والی ہو یہ صرف اللہ کا تصور ہے۔ یہی تصور ہے جو اس کے لئے اٹھنے ۱۰۱
اور اونچے ہونے کا ایک ایسا نصب العین بہم پہنچی دیتا ہے جس سے بلند تر کوئی نصب العین نہیں ہو سکتا۔ اور یہاں جو کچھ ہے سب اس سے فروتر ہے۔ یہ اس کے آگے مقام انسانیت کی غیر محدود ترقیوں کی شاہراہ کھول دیتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ وہ اپنے سامنے ایک تصور رکھے' اور تصور رکھے تو یہ ایک ایجابی تصور ہو' محض نفی و سلب نہ ہو۔ نفی و سلب اسے کچھ نہیں دے سکتا۔ اسے کھینچ نہیں سکتا' اسے اپنی آغوش میں لے نہیں سکتا۔ اور اس کا وجدان ایک ایسی ہستی کے لئے تشنہ ہے جو دینے والی ہو' بلانے والی ہو' کھینچنے والی ہو اپنے حسن و جمال کی صفتوں کے اندر سے جھانکنے والی ہو!

اس کی پیاس صرف اس سے نہیں بجھ سکتی کہ اسے تبلا دیا جائے' خدا کی ذات ایسی نہیں ہے' ایسی نہیں ہے' اس کی طلب و احتیاج تو کسی ایسے کو ڈھونڈ رہی ہے جو بتلائے میں ایسا ہوں' اور مجھ میں ایسی ایسی صفتیں ہیں!

پھر تمام کائنات ہستی کی پکار کیا ہے جو انسان کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے؟ اور خود اسکی ہستی کا ایک ایک لمحہ کیا کہہ رہا ہے؟ کیا ممکن ہے کہ انسان اسکی طرف سے کان بند کر لے؟ کیا ہو سکتا ہے کہ وہ آنکھیں کھولنے سے انکار کر دے؟ یہاں کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے کہ کسی کو بنانے والے ہیں بنانے اور سنوارنے کی صفتیں ہیں' اور اسکی صفتوں کے ہم نقش و نگار ہیں۔ انسان یہ سارے نقش و نگار دیکھتا ہے' اور ان میں حقیقتیں پاتا ہے' پس ان کا تصور اسے کرنا ہی پڑے گا وہ دیکھتا ہے کہ یہاں حسن و جمال ہے' اس لئے اسے تصور کرنا ہی پڑے گا کہ اس میں حسن و جمال ہے' وہ دیکھتا ہے کہ یہاں پروردگاری ہے' اس لئے اُسے تصور کرنا ہی پڑے گا کہ وہ پروردگار ہے۔

پس اس راہ کی ٹھوکر اثبات صفات میں نہ ہوئی۔ اس میں ہوئی کہ صفات کیسی ہونی چاہئیں؟ ذہن انسانی نے جب کبھی نقشہ کھینچنا چاہا تو اپنی رسائی فکر کے مطابق تمثیلیں بنائیں' اور اسی میں گمراہ ہوا۔ انبیاء کرام کی دعوت کا مقصد یہ رہا کہ اس گمراہی سے دنیا کو نجات دلائیں اور صفات الٰہی کا صحیح تصور پیدا کر دیں۔ قرآن کا تصور الٰہی اسی لئے تصور کی تکمیل ہے کہ اس نے تنزیہہ کا مقصد بھی پورا کر دیا' اور صفات الٰہی کا کامل نقشہ بھی کھینچ دیا۔ اس نے ایک طرف تو ہر طرح کے تمثل و تجسم کا دروازہ بند کر دیا کہ لا تضربوا للہ الامثال اور لیس کمثلہ شئی۔ اور دوسری طرف اس کی صفتوں سے بھی ہمیں آشنا کر دیا۔ جو تمام تر "حسنیٰ" ہیں یعنی حسن و خوبی کی صفتیں ہیں' اور جنہیں ہم کائنات ہستی کے ایک ایک ذرہ سے پوچھ لے سکتے ہیں اور ایک ایک ذرہ کے منہ سے سن لے سکتے ہیں! شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو' والملآئکۃ' و اولوا العلم' قآئما بالقسط' لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم! (۳:۱۸)

اس کی تنزیہہ بھی کامل ہے' کیونکہ تشبیہ اور تجسم کی پرچھائیں بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ اسکی تبلائی ہوئی صفتیں بھی اعلیٰ ہیں۔ کیونکہ سرتاسر حسن' سرتاسر کبریائی' سرتاسر عظمت و جلال ہیں۔

مَنۡ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ اِیۡمَانِہٖۤ اِلَّا مَنۡ اُکۡرِہَ وَ قَلۡبُہٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِیۡمَانِ وَ لٰکِنۡ مَّنۡ شَرَحَ
۱۰۶ بِالۡکُفۡرِ صَدۡرًا فَعَلَیۡہِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ ۚ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ۝

جو کوئی ایمان لانے کے بعد اللہ سے منکر ہوا، اور اس کا دل اس انکار پر رضامند ہوگیا، تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے، اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے، مگر ہاں جو کوئی کفر پر مجبور کیا جائے (اور بے بس ہو کر بخوف جان کوئی ایسی بات کہدے) اور اس کا دل اندر سے ایمان پر مطمئن ہو (تو ایسے لوگوں سے
۱۰۶ مواخذہ نہیں)

ساتھیوں کے لیے بوجھ۔ کوئی کام بھی اُس سے بن نہ پڑے دوسرا متکلم اور رہنما، فلاح و کامیابی کی راہ چلنے والا اور دوسروں کو بھی راہ دکھانے والا۔ تو کیا ان دونوں کی حالت میں تمہیں کوئی فرق نہیں دکھائی دے گا؟ تمہاری نگاہ میں دونوں کا حکم ایک ہی ہوگا؟ اگر نہیں ہوگا اور تم بے اختیار بول اُٹھوگے کہ کہاں ایک گونگا بہرا، اور کہاں ایک گویا اور کارفرما، تو پھر تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم ایمان کی زندگی پر کفر کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو؟ ایمان کی زندگی کیا ہے؟ عقل و بصیرت کی زندگی، جو خدا کے دیے ہوئے حاسّوں سے کام لیتی، خود بھی سیدھی راہ چلتی اور دوسروں کی بھی رہنمائی کرتی ہے۔ کفر کی زندگی کیا ہے؟ بہری گونگی زندگی، عقل و حواس تاراج کر دینے والی۔ جس راہ میں قدم اُٹھائے کوئی خوبی کی بات حاصل نہ کر سکے۔

قرآن ہر جگہ ایمان کو عقل و بصیرت اور ہدایت و رہنمائی کی راہ قرار دیتا ہے اور کفر کو جہل و کوری اور تعطل و ہیچ کاری سے تعبیر کرتا ہے۔

---

(۲۳) آیت (۸۷) میں فرمایا۔ وہ کون ہے جس نے عقل و حواس کا چراغ تمہارے نہاں خانۂ دماغ میں روشن کردیا ہے؟ جب تم پیدا ہوتے ہو، تو تمہاری تمام ذہنی قوتیں بظاہر معدوم ہوتی ہیں، لیکن پھر جوں جوں بڑھتے جاتے ہو حواس کی قوتیں اُبھرنے لگتی ہیں، ادراک کا جوہر اپلنے لگتا ہے، اور عقل کا چراغ روشن ہوجاتا ہے۔

اس آیت اور اس کی ہم معنی آیات میں ربوبیتِ الٰہی کی معنوی پروردگاریوں سے استدلال کیا ہے، اور یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اللہ کی ربوبیت نے انسان کے لیے عقلی ہدایت کا سروسامان کردیا، اور یہی ہدایت ہے جس نے اُسے تمام مخلوقاتِ ارضی میں سب سے بلند مقام پر پہنچا دیا ہے۔ تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ کے مبحث "برہانِ ربوبیت"، کا مطالعہ کرو۔

اس کے بعد کی آیات میں بھی ربوبیت الٰہی کی بخشائشوں پر توجہ دلائی ہے کہ کس طرح کرۂ ارضی کی ہر پیداوار میں تمہارے لیے افادہ و فیضان کی نوعیت پیدا ہوگئی ہے۔ اور کوئی شے نہیں جو تمہاری کسی نہ کسی کاربرآری کا ذریعہ نہ ہو۔ اس مقام کی تشریح تفسیر فاتحہ کے مبحث "افادہ و فیضانِ فطرت" میں ملے گی۔

---

(۲۴) آیت (۸۹) میں سلسلۂ بیان نے یہ رُخ اختیار کیا تھا کہ نزلنا علیك الکتاب ہم نے تجھ پر ایک کتاب نازل کی جو دین کی تمام باتیں واضح کرتی ہے، اور مسلمانوں کے لیے ہدایت و رحمت، اور بشارت ہے۔ لیکن وہ مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت، اور بشارت کیونکر ہوئی؟ اس طرح ہوئی کہ انہیں فلاح و سعادت کی راہ پر چلاتی ہے۔ بدعملیوں کی راہوں سے روکتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی سلسلۂ بیان مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوگیا، اور فرمایا۔ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان۔ اللہ کا تمہارے لیے فرمان یہ ہے کہ عدل کو اپنا شیوہ بنا ؤ، نیک کرداری میں سرگرم رہو، قرابت والوں کے ساتھ حسن سلوک کرو، فحش کاموں سے بچو۔ ہر طرح کی برائیوں سے

۱۰۴ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِنَّمَا يَفْتَرِي
۱۰۵ الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝

اصل یہ ہے کہ جو لوگ (دیدہ و دانستہ) اللہ کی آیتوں پر یقین نہیں کرتے، اللہ انہیں کامیابی کی) راہ کبھی نہیں دکھاتا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہونا ہے۔

اپنے جی سے جھوٹ گڑھنا تو انہی کا کام ہے جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے (اللہ پر ایمان رکھنے والا تو کبھی افترا پردازی نہیں کر سکتا) یہی ہیں کہ سرتاسر جھوٹے ہیں!

نفی صفات کا مسلک اختیار کیا اور تشخص کو مٹانا چاہا، لیکن
عملاً نتیجہ کیا نکلا؟ یہ نکلا کہ نہ صرف تشخص کی بلکہ تجسیم تک کی
لوگوں کو اجازت دیدینی پڑی، کیونکہ انہوں نے محسوس کیا
کہ غیر متشخص تصور سے خدا پرستی کی پیاس بجھ نہیں سکتی اور
۱۰۴ ضروری ہے کہ فکر انسانی کے سامنے ایک چیز لائی جائے اس
کا وجدان بغیر اس کے مطمئن نہیں ہو سکتا کہ کوئی نہ کوئی
صورت سامنے دیکھے اگر صفات کی صورت نہ ہوگی، تو پتھر
کی مورتی تراش لے گا۔

کرے کیا کعبہ میں جو سر بت خانہ سے آگہ ہے
یہاں تو کوئی صورت بھی ہے واں اللہ ہی اللہ ہے

۱۰۵ یا تو تنزیہ میں اس قدر بلند ہونا چاہا تھا کہ اثبات
صفات بھی ان پر شاق گزرا حتیٰ کہ اس کے بھی روادار نہ ہوئے کہ اس کی طرف "وہ" کہہ کے اشارہ کریں، کیونکہ ہمارا "وہ"
کہنا بھی تشخص کی آلودگی سے منزہ نہیں ہو سکتا۔ یا پھر تجسیم کی پستی میں گرے تو ایسے گرے کہ نہ صرف تشخص کو اس کی ساری
تمثیلوں اور جسمانیتوں کے ساتھ جائز کر دیا، بلکہ اس کے سب سے زیادہ ادنیٰ اور اسفل درجہ کی بھی اجازت دے دی یعنی
مورتی پوجا کی: چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ویدانت کی توحید وجودی کا مسلک اور ~~بوصف تعالیٰ کے سلب و نفی کا تقدس~~ [?]
فلسفہ کا ایک مذہب بن گیا، لیکن انسان کا عملی مذہب بن سکا، عملی مذہب کے لئے اصنام پرستی ہی اختیار کرنی پڑی
نفی صفات اور استغراق الاطلاق کا یہی مسلک ہے جسے اصحاب حدیث نے "تعطیل" سے تعبیر کیا ہے قرآن کی
توحید تنزیہہ پر مبنی ہے، تعطیل پر نہیں ہے۔

"تاریخ اسلام میں سب سے پہلے نفی صفات کی صدا جہم بن صفوان نے بلند کی، جس کی طرف جہمیہ منسوب ہیں
پھر متکلمین و فلاسفہ کے مختلف گروہ اس سے کم و بیش متاثر ہوئے، باطنیہ کا مذہب اثبات و نفی بھی اسی پر مبنی
تھا۔ یعنی وہ اثبات کے ساتھ نفی بھی کر دیتے تھے، اور کہتے تھے "النور لا نور" اور "الحکیم لا حکیم" توجیہہ
اس کی یہ کرتے تھے کہ اثبات حقیقتِ صفات کے لئے ہے۔ نفی تشبّہ کے لئے۔

(۲۲) اس آیت کے بعد دو مثالیں بیان کی ہیں۔ ضرب اللہ مثلاً عبداً مملوکاً اور وضرب اللہ مثلاً رجلین احدھما ابکم:

(ا) پہلی مثال میں فرمایا۔ اگر تمہیں احتیاج ہو تو تم کس کے پاس جاؤ گے؟ ایک غلام کے پاس جو کسی دوسرے کے اختیار میں ہے اور خود کوئی اختیار نہیں رکھتا، یا اس کے پاس جو مالک و مختار ہے اور جس طرح چاہے اپنا مال خرچ کر سکتا ہے؟ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ایک بے بس غلام اور ایک مالک مختار آقا؟ اگر نہیں ہو سکتے، تو اس سے بڑھ کر عقل کی ہلاکت اور کیا ہو سکتی ہے کہ تم اپنی حاجتوں اور مصیبتوں میں ان کے آگے جھکتے ہو جو خود اللہ کے بندے ہیں اور اپنی ساری احتیاجوں میں اسی کی بخشائش کے محتاج اور اسی کی طرف سے گردن موڑ لیتے ہو، جس کے اختیار میں سب کچھ ہے اور کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑنے والا ہو؟

(ب) دوسری مثال ایمان اور کفر کی مثال ہے۔ فرمایا فرض کرو۔ دو آدمی ہوں۔ ایک گونگا بہرا، اپنے ....

۱۰۹ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا
ع ۱۱۰ فُتِنُوْا ثُمَّ جَاهَدُوْا وَصَبَرُوْا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

لا محالہ یہی لوگ ہیں کہ آخرت میں تباہ
۱۰۹ حال ہونگے!
اور پھر جن لوگوں کا یہ حال ہوا کہ (کفر و ایمان کی آزمائشوں میں پڑنے کے بعد ہجرت کی، اور پھر (راہ حق میں) جہاد بھی کیا اور (ہر طرح کی مصیبتوں میں) صابر رہے، تو بلاشبہ تمہارا پروردگار ان اعمال کے بعد ضرور بخشنے والا، ضرور رحمت فرمانے
۱۱۰ والا ہے!

فستمندی کی ایک ہشیاری اور دانشمندی سمجھیں گے۔ خصوصًا اگر بد عہدی کسی ایسے گروہ کے ساتھ کرنی پڑے جس سے دشمنی اور لڑائی ہو۔ آج بیسویں صدی میں دنیا کی متمدن اقوام کا سیاسی اخلاق ہمارے سامنے ہے۔ ان کے جو افراد چھوٹی سی چھوٹی بات میں بھی یہ گوارا نہیں کرسکتے کہ وعدہ خلاف ثابت ہوں قومی اور سیاسی معاملات میں ہر طرح کی بدعہدیاں اور خلاف ورزیاں جائز سمجھتے ہیں۔ اور تاریخ کے اوراق کو آج تک اس کی مہلت نہیں ملی ہے کہ سیاسی معاہدوں کی شکست کی افسانہ سرائی سے فارغ ہو جائے!

ایک انگریز، ایک فرنچ، ایک جرمن کی انفرادی زندگی کی سیرت (کیرکٹر) دیکھو وہ اپنے وعدوں میں سچا اور اپنے قول و قرار میں بے داغ ہوگا۔ اس کے لیے اس سے بڑھ کر توہین کی کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ اس کے وعدہ میں شک کیا جائے، لیکن انہی افراد کا مجموعہ جب ایک جماعتی ذہنیت کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور قومی اور سیاسی معاہدوں کی پابندی اس کی خود غرضانہ کام جوئیوں کی راہ میں حائل ہونے لگتی ہے۔ تو پھر کیا ہوتا ہے؟ کیا ایک لمحہ کے لیے بھی یہ انفرادی سیرۃ جماعتی بد عہدی کی راہ روک سکتی ہے؟ نہیں بلکہ سب سے بڑا مدبر انسان وہی سمجھا جاتا ہے جو سب سے زیادہ عہد شکنیوں میں بے باک ہو!

جس جماعت کے افراد ایک فرد واحد کے ساتھ بدعہدی کرنا گوارا نہیں کرسکتے وہ لاکھوں کروڑوں افراد کے ساتھ بدعہدی کرنے میں کوئی بداخلاقی محسوس نہیں کرتے!

ہندوستان میں انگریزی اقتدار کی تخم ریزی اُس وقت شروع ہوئی، جب کہ انگریزی قوم کی قومی سیرت اپنے بہترین سانچوں میں ڈھل رہی تھی، اور ان کا اخلاقی پیمانہ روز بروز اُونچا ہو رہا تھا یعنی اٹھارھویں صدی کے اوائل میں۔ لیکن ہمیں دور جانے کی ضرورت نہیں، ہم صرف ہندوستان کی گزشتہ دو صدیوں کی تاریخ ہی میں دیکھ لے سکتے ہیں کہ اس بارے میں انگریزی قوم کے جماعتی اخلاق کا معیار کیا رہا ہے! ہر معاہدہ جو طاقتور فریق کے ساتھ کیا گیا اور وہ طاقتور رہا، معاہدہ تھا۔ ہر معاہدہ جو کمزور فریق کے ساتھ کیا گیا اور وہ کمزور ہی رہا، معاہدہ نہ تھا۔ امی چند، میر جعفر، میر قاسم، شاہ عالم، راجہ جیت سنگھ، نواب فیض اللہ، سعادت علی خاں، نظام علی خاں، برار، جے پور، میران سندھ کے لیے معاہدے کچھ مفید نہ ہو سکے لیکن حیدر علی، ہلکر اور رنجیت سنگھ کے معاہدوں کی اخلاقی قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا گیا۔ جماعتی معاہدے اگر پورے کیے جاتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ معاہدے ہیں، اور معاہدوں کا پورا کرنا ضروری ہے بلکہ اس لیے کہ طاقتور فریق سے کیے گئے ہیں، اور ان کی شکست مفید ہونے کی جگہ مضر ہوگی!

عہد جاہلیت میں عربوں کا بھی یہی حال تھا۔ وہ وفائے عہد کی اخلاقی قیمت سے بے خبر نہ تھے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے قبیلہ کے مفاخر میں سب سے زیادہ نمایاں جگہ وفاء عہد ہی کو دیتے تھے، لیکن جہاں تک جماعتی معاہدوں کا تعلق ہے، وفاء عہد کا عقیدہ کوئی عملی قدر و قیمت نہیں رکھتا تھا۔ آج ایک قبیلہ ایک قبیلہ سے معاہدہ کرتا تھا۔ کل: دیکھتا تھا کہ اس کے مخالف زیادہ طاقتور ہو گئے ہیں، تو بے دریغ اُن سے جا ملتا تھا، اور معاہد و حلیف پر حملہ کر دیتا تھا۔ اگر کسی دشمن فریق سے امن کا معاہدہ کرتے، اور پھر دیکھتے کہ اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۱۰۷

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ ۱۰۸

یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے آخرت چھوڑ کر دنیا کی زندگی سے محبت کی۔ نیز اس وجہ سے کہ اللہ کا قانون ہے، (وہ) منکروں پر (فلاح وسعادت کی) راہ نہیں کھولتا!

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر، کانوں پر، اور آنکھوں پر مُہر کر دی (کیونکہ اس کا مقرر قانون ہے کہ جو عقل وحواس سے کام نہیں لیتے وہ اس کی روشنی سے محروم ہو جاتے ہیں) اور یہی ہیں کہ غفلت میں ڈوب گئے ہیں!

اجتناب کرو، ظلم وزیادتی سے کبھی آلودہ نہ ہو۔

جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے، اُن کے لیے اب آزمائش عقائد میں نہ تھی، اعمال میں تھی، اس لیے اس آیت میں عملی زندگی کی تمام مہمات بیان کر دیں۔ یہ گویا قرآن کے
۱۰۷ اس وصف کی تفسیر ہے جو پچھلی آیت میں بیان کیا گیا تھا کہ تبیاناً لکل شیء۔ اس لیے مفسرین نے اسے جوامع آیات میں شمار کیا ہے۔

عدل تمام محاسن اعمال کی اصل ہے۔ جس انسان کے اندر یہ بات پیدا ہو گئی کہ جو بات کرنی چاہیے، انصاف کے ساتھ کرنی چاہیے، اس نے سب کچھ پا لیا۔ احسان سے یہاں
۱۰۸ مقصود حسنِ عمل ہے۔ جو بات کرو حسن وخوبی کی کرو، نیکی اور بھلائی کی کرو۔ یعنے بنیادِ عمل بھلائی ہو۔ برائی نہ ہو۔ جس نے یہ بات پالی، اس کے لیے اور کیا باقی رہا! پھر جو ہم سے قریب کا رشتہ رکھتے ہیں، وہ ہمارے حسنِ سلوک کے زیادہ حقدار ہیں، اس لیے ایتاء ذی القربیٰ کی رعایت بھی ضروری ہوئی، اور اس حکم کی پیدا وامر کا معاملہ پورا ہو گیا۔ پھر فحشاء، منکر، اور بغی سے روک کر نواہی کے سارے مقاصد پورے کر دیے۔ فحش سے مقصود وہ بُرائیاں ہیں جو حد درجہ کی برائیاں تسلیم کر لی گئی ہیں۔ مثلاً زنا، جھوٹی افترا پردازی۔ منکر میں ہر طرح اور ہر قسم ودرجہ کی بُرائیاں آگئیں۔ بغی میں ہر طرح کی زیادتی آ گئی۔ کسی گوشہ اور کسی شکل میں کی گئی ہو۔

جو کتاب ایسے سانچے لے کر آئی ہو، جس سے ایسے اعمال ڈھلتے ہوں، جو ایسی زندگیاں بناتی ہو، اگر وہ ہدایت، رحمت اور بشارت نہیں ہے، تو اور کس نام سے اُسے پکارا جا سکتا ہے!

---

(۴۵) اس کے بعد خصوصیت کے ساتھ ایک خاص معاملہ پر زور دیا جو عموماً طرح طرح کی لغزشوں کا باعث ہوتا ہے۔ اور مسلمانوں کو بحیثیت ایک جماعت کے سب سے زیادہ اس میں سرگرم و استوار ہونے کی ضرورت تھی۔ یعنی ایفائے عہد پر۔ جب تم نے کسی فرد سے یا جماعت سے کوئی قول و قرار لیا۔ تو اب یہ قرآن کے نزدیک "عھد اللہ" ہو گیا۔ یعنے ایسا عہد جس کے لیے تم اللہ کے آگے ذمہ دار ہو گئے۔ اگر تم نے اسے پورا نہیں کیا، تو اللہ کے آگے جواب دہ ہو گے۔ چنانچہ فرمایا: واوفوا بعھد اللہ اذا عاھدتم۔

عہد و میثاق کے معاملات میں سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ نازک معاملہ جماعتوں کے معاہدوں کا ہے۔ اور اسی میں اُس کی اصلی آزمائش ہے۔ افراد بحیثیت فرد کے بہت کم عہد شکنی کرتے ہیں۔ اور کریں تو اُس کے نتائج شخصی دائرہ سے باہر نہیں جاتے، لیکن جماعتیں بہ حیثیت جماعت کے اکثر عہد شکن ہوتی ہیں، اور اُس کے نتائج سینکڑوں ہزاروں افراد کے حصہ میں آتے ہیں۔ بسا اوقات ایک جماعت کے افراد کبھی گوارا نہیں کرینگے کہ اپنی انفرادی زندگی کے معاملات میں عہد شکنی کا عار گوارا کریں۔ لیکن اگر انہی لوگوں کو بہ حیثیت ایک جماعت، قوم اور حکومت کے بد عہدی کرنی پڑے تو ایک لمحہ کے لیے بھی اس میں تامل نہیں کرینگے، اور اسے جماعتی کام جوئی ذ

۱۱۲ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ
۱۱۳ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ
۱۱۴ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ
وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ
۱۱۵ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

کھاتا پیتا تھا۔ لیکن پھر ایسا ہوا کہ انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ تو اللہ نے بھی
اُن کے کاموں کی پاداش میں اُنہیں نعمتوں سے محروم کر دیا۔ (تنعم کی جگہ) فاقہ اور (اطمینان
۱۱۲ کی جگہ) خوف اُن پر چھا گیا!

اور پھر خود انہی میں سے ایک رسول بھی اُن کے سامنے آیا (اور کامیابی و سعادت کی راہ کی
دعوت دی) مگر اُنہوں نے اُسے جھٹلایا۔ پس عذاب میں گرفتار ہو گئے، اور وہ (خود اپنے اوپر) ظلم کرنے
۱۱۳ والے تھے!

پس چاہیے کہ اللہ نے جو رزق تمہیں عطا کیا ہے، اُسے شوق سے کھاؤ۔ حلال اور پاکیزہ چیزیں
ہیں۔ اور (ساتھ ہی) چاہیے کہ اللہ کی نعمت کا شکر بھی بجا لاؤ، اگر فی الحقیقت تم صرف اُسی
۱۱۴ کے پجاری ہو۔

جو کچھ تم پر حرام کیا گیا ہے، وہ صرف یہ ہے کہ مردار جانور، لہو، سور کا گوشت، اور وہ جانور
جسے خدا کے سوا کسی دوسری ہستی کے لیے پکارا جائے۔ پھر جو کوئی (حلال غذا نہ ملنے کی وجہ
سے) ناچار ہو جائے، اور نہ تو (حکم الٰہی سے) سرتابی کرنے والا ہو۔ نہ (حد ضرورت سے)
۱۱۵ گزر جانے والا (اور وہ جان بچانے کے لیے کچھ کھالے) تو اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے!

اور (دیکھو) ایسا نہ کرو کہ تمہاری زبانوں پر جو جھوٹی بات آجائے، بے دھڑک نکال دیا کرو
اور اپنے جی سے ٹھہرا کر حکم لگا دو۔ یہ چیز
حلال ہے۔ یہ چیز حرام ہے۔ اس طرح حکم لگانا
اللہ پر افترا پردازی کرنا ہے۔ (اور یاد رکھو)
جو لوگ اللہ پر افترا پردازیاں کرتے ہیں وہ کبھی

(۲۹) سورۂ انعام میں گزر چکا ہے کہ مشرکین عرب نے اپنے اوہام سے طرح طرح کی چیزیں حرام ٹھہرا دی تھیں۔ یہودیوں نے بھی کھانے پینے میں طرح طرح کی رکاوٹیں اختیار کر لی تھیں اور سمجھتے تھے، یہ شریعت کا حکم ہے۔

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۰ ۱۱۱
وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ

وہ (قیامت کا) آنے والا دن، جب ہر جان صرف اپنے ہی لیے سوال و جواب کرتی ہوئی آئے گی (یعنے کسی کو کسی کی فکر نہ ہوگی) اور جس دن ہر جان کو اس کے عمل کا پورا پورا نتیجہ مل جائے گا، کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہوگی!

۱۱۱ اور دیکھو اللہ نے ایک مثال بیان کی۔ ایک بستی تھی جہاں ہر طرح کا امن چین تھا۔ ہر جگہ سے سامانِ رزق آتا رہتا اور ہر شخص فراغت سے

کا موقعہ پیدا ہو گیا ہے، تو ایک لمحہ کے لیے بھی معاہدہ کا احترام انہیں حملہ کر دینے سے نہیں روکتا تھا اور بے خبر دشمن پر جا گرتے۔

لیکن قرآن راست بازی کی جو روح پیدا کرنی چاہتا تھا، وہ ایک لمحہ کے لیے بھی یہ بد اخلاقی گوارا نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے وفاء عہد اور احترام مواثیق کا جو معیار قائم کیا ہے، وہ اس درجہ بلند، قطعی، بے لچک اور عالمگیر ہے کہ انسانی اعمال کا کوئی گوشہ بھی اس سے باہر نہیں رہ سکتا۔ وہ کہتا ہے، فرد ہو یا جماعت، ذاتی معاملات ہوں یا سیاسی، عزیز ہو یا اجنبی، ہم قوم و مذہب ہو، یا غیر قوم و مذہب، دوست ہو یا دشمن، امن کی حالت ہو یا جنگ کی، لیکن کسی حال میں بھی عہد شکنی جائز نہیں۔ وہ ہر حال میں جرم ہے، معصیت ہے، اللہ کے ساتھ ایک بات کر کے اسے توڑ دینا ہے۔ عذاب عظیم کا اپنے کو مستحق ثابت کرنا ہے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جا بجا وفاء عہد پر زور دیا ہے، اور جہاں کہیں مومنوں کے ایمانی خصائل کی تصویر کھینچی ہے، یہ وصف سب سے زیادہ ابھرا ہوا نظر آتا ہے۔ والموفون بعهدهم اذا عاهدوا (۲:۱۷۷) و الذين هم لامانتهم وعهدهم راعون (۲۳:۸) اور احادیث میں ہر جگہ منافق کی یہ پہچان بتلائی گئی ہے کہ اذا وعد اخلف (صحیحین) جب وعدہ کرے گا، پورا نہیں کرے گا۔

یہاں خصوصیت کے ساتھ جماعتی عہد و قرار کے احترام پر زور دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا تتخذون ایمانکم دخلا بینکم ان تکون امة هي اربى من امة۔ اگر تم نے ایک گروہ سے معاہدہ کیا ہے، اور کل کو اس کا مخالف گروہ زیادہ طاقتور نظر آئے، تو محض اس لیے کہ طاقتور کا ساتھ دینا تمہارے لیے زیادہ مفید ہوگا، نہ کمزور کا، بدعہدی پر آمادہ نہ ہو جاؤ۔ جب تم نے ایک گروہ سے قول و قرار کر لیا تو ہر حال میں اس کا پورا کرنا لازمی ہوگا۔ خواہ وہ کمزور ہو گیا ہو، خواہ طاقتور۔ اگر اس کے مخالف طاقتور ہو گئے ہیں اور ان کے خلاف جانے میں تمہارے لیے خطرات ہیں، تو تمہارا فرض ہے کہ خطرات برداشت کرو۔ کیونکہ عہد کر چکے ہو۔

پھر اس طرح کی بدعہدی کی مثال کیا ہے؟ فرمایا كالتي نقضت غزلها من بعد قوة انكاثا۔ اس عورت کی سی ہے جس نے بڑی جانفشانی سے سوت کاتا، اور پھر خود ہی ٹکڑے ٹکڑے کر کے برباد کر دیا۔ یعنے جب ایک شخص یا ایک گروہ کوئی معاہدہ کرتا ہے، تو اس کی پختگی کے لیے بڑی بڑی باتیں کرتا ہے، اور ہر طرح دوسرے فریق کو یقین دلاتا ہے، پھر اگر ایک بات اتنی کوشش کے بعد پختہ کی گئی ہے، تو کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ جس نے کل پختہ کی تھی وہی آج اسے اپنے ہاتھوں سے توڑ کر رکھ دے؟

اس کے بعد آیت (۹۴) میں فرمایا۔ اپنی قسموں کو لوگوں کے لیے ٹھوکر نہ بناؤ۔ کیونکہ اگر تم نے بدعہدی کی تو لوگوں کا یقین تم سے اٹھ جائے گا۔ وہ کہیں گے ایسے لوگوں کا دین کیا جو اپنی بات کے پکے نہیں۔ اس طرح نہ صرف بدعہدی کے مجرم ہوگے۔ بلکہ راہِ حق سے لوگوں کو روکنے کا باعث ہوگے۔

وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ؕ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ ۱۲۲
اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ ۱۲۳
اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ اُدْعُ اِلٰى ۱۲۴
سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ
هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ ۱۲۵

پس کیوں قرآن اس سے نہیں روکتا؟ فرمایا یہودیوں کو جو اس سے روکا گیا تھا، تو اس لیے نہیں کہ سبت کے دن حلال جانور شکار کیا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ اُن کے اختلاف اور عدم اطاعت کی ایک سزا تھی یعنے جب اُنہوں نے احکامِ سبت کی تعمیل نہ کی اور حیلے بہانے نکال کر شکار کرنے لگے تو سدًّا للذریعہ سبت کے شکار کا گوشت ممنوع قرار دیا گیا۔

اسے دنیا میں بھی بہتری دی، اور بلاشبہ
آخرت میں اس کی جگہ صالح انسانوں میں ہوگی! ۱۲۲
اور پھر (اے پیغمبر!) ہم نے تمہاری طرف وحی
بھیجی کہ (اسی) ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کرو۔ ہر
طرف سے ہٹا ہوا (صرف دینِ حق ہی پر کاربند رہنے
والا) اور جو مشرکوں میں سے نہ تھا۔ ۱۲۳

"سبت" منانے کا حکم تو صرف انہی لوگوں کو دیا گیا تھا جو اس بارے میں اختلاف کرنے لگے تھے
اور بلاشبہ تمہارا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا کہ جن جن باتوں میں اختلافات
کرتے رہے، اُن کی اصل حقیقت کیا تھی۔ ۱۲۴

(۲۸) آیت (۱۲۵) میں واضح کیا ہے کہ دعوت الی الحق کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا سر تا سر حکمت اور موعظۂ حسنہ ہے "حکمت" یعنے دانائی کی باتیں "موعظۂ حسنہ" یعنی پند و نصیحت کی باتیں جو حسن خوبی کے ساتھ کی جائیں اس کے بعد فرمایا "وجادلهم بالتي هي احسن" ۔ اور اگر بحث و نزاع کرنی پڑے، تو کر سکتے ہو، لیکن ایسی ہی بحث و نزاع جو نہایت اچھے طریقہ پر ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعوتِ حق کا طریقہ حکمت اور موعظۂ حسنہ کا طریقہ ہے۔ اور بحث و نزاع کی اجازت صرف اس صورت میں ہے کہ احسن طریقہ پر ہو۔ پس ہر بحث و نزاع جو احسن طریقہ پر نہ ہو دعوت کا طریقہ نہیں ہوگی۔

(اے پیغمبر!) اپنے پروردگار کی راہ کی طرف
لوگوں کو بلاؤ۔ اس طرح، کہ حکمت کی باتیں بیان
کرو، اور اچھے طریقہ پر پند و نصیحت کرو، اور مخالفوں
سے بحث و نزاع کرو تو (وہ بھی) ایسے طریقہ پر کہ حُسن
و خوبی کا طریقہ ہو۔ تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے
کہ کون اُس کی راہ سے بھٹک گیا ہے، اور وہی
جانتا ہے کہ کون راہِ راست پر ہے۔ ۱۲۵

احسن طریقہ سے مقصود کیا ہے؟ یہ کہ مقصود طلب حق ہو، اپنی بات کی پچ نہ ہو۔ مخالف کے اندر یقین پیدا کرنا ہو، اُسے باتوں سے ہرانا نہ ہو۔ اگر وہ چپ ہو گیا اور دل کا کانٹا نہ نکلا، تو بحث سے کیا فائدہ ہُوا؟ ایسا اسلوب، ایسا طریقِ خطاب، ایسا لب و لہجہ، اس طرح کے الفاظ اختیار نہ کیے جائیں جو مخالف کے دل کو دُکھ پہنچانے والے ہوں، یا اُسے سننے والوں کی نظروں میں ذلیل و رسوا کرنے والے ہوں۔ کیونکہ اگر بحث سے مقصود دعوتِ حق ہے تو مخاطب کے دل کو نرمی و محبت سے حق کی طرف متوجہ کرنا چاہیے، نہ یہ کہ صدمہ پہنچانا، ضد میں لانا، اور جوشِ نفرت سے بھر دینا۔

لَا يُفْلِحُونَ ۝ مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا ۱۱۶ – ۱۱۷
عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ ۱۱۸
عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ
رَحِيمٌ ۝ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ شَاكِرًا ۱۱۹ ۱۲۰ ع ۱۰/۹/۲۱
لِأَنْعُمِهِ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ ۱۲۱

فلاح پانے والے نہیں ! ۱۱۶
(یہ دنیا کے) بہت تھوڑے فائدے ہیں جو
اُٹھالیں ۔ (آخر کار) اُنہیں عذاب دردناک
پیش آنے والا ہے ! ۱۱۷
اور (اے پیغمبر!) یہودیوں پر ہم نے وہ
چیزیں حرام کردی تھیں جن کی سرگزشت تجھے پہلے
سنا چکے ہیں، اور (یہ پابندیاں جو اُن پر لگائی
گئیں، تو خود انہی کی گمراہیوں کا نتیجہ تھیں) ہم نے
اُن پر زیادتی نہیں کی (کیونکہ یہ ہمارا شیوہ نہیں)
وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے اوپر ظلم کرتے رہے ۔ ۱۱۸
ہاں، جو لوگ نادانی سے برائیوں میں پڑ گئے،
لیکن اس کے بعد تائب ہوگئے، اور توبہ کے بعد
اپنی حالت بھی سنوار لی، تو تمہارا پروردگار، ہاں، بلاشبہ تمہارا پروردگار اس صورت حال کے بعد
ضرور بخشنے والا، رحمت فرمانے والا ہے ! ۱۱۹
بلاشبہ ابراہیم (اپنی شخصیت میں) ایک پوری اُمت تھا ۔ اللہ کے آگے جھکا ہوا، تمام (بناوٹی)
راہوں سے ہٹا ہوا، اور ہرگز مشرکوں میں سے
نہ تھا ۔ ۱۲۰
وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر بجالانے والا تھا ۔
اللہ نے اُسے برگزیدگی کے لیے چن لیا ۔ اور (سچائی
کے) سیدھے راستے پر لگا دیا ! ۱۲۱

آیت (۱۱۶) میں فرمایا ۔ اپنی زبانوں کو کذب سرائی کے لیے بے لگام نہ چھوڑ دو کہ جس چیز کو چاہا اپنی رائے اور قیاس سے حرام ٹھہرا دیا، جس کو چاہا حلال کہہ دیا ۔ حلال و حرام ٹھہرانے کا حق تو صرف وحی الٰہی کو ہے، اور تمہارے پاس اپنے اوہام و آرا کے سوا کوئی وحی کی روشنی نہیں جو قرآن کے خلاف پیش کر سکو ۔

یہ آیت اُن لوگوں کے خلاف حجت قاطع ہے جو محض اپنے گھڑے ہوئے قیاسوں کی بنا پر جس چیز کو چاہتے ہیں حرام ٹھہرا دیتے ہیں ۔ اگرچہ کوئی نص قطعی موجود نہ ہو ۔ اصل قرآنی اس بارے میں یہ ہے (جیسا کہ سورۂ اعراف کی آیت (۳۲) میں تصریح گزر چکی ہے) کہ خدا کی تمام پیدا کی ہوئی چیزیں انسان کے برتنے کے لیے ہیں ۔ الّا وہ جو مضر ہیں، اور وحی الٰہی نے اُن سے روک دیا ہے ۔ پس معلوم ہوا کہ ہر چیز مباح ہے جب تک کہ شریعت اُسے حرام نہ ٹھہرا دے ۔ اور شریعت کے معنی قرآن و سنت کے نصوص قطعیہ ہیں ۔ نہ کہ کسی فرد یا گروہ کی مجرد رائے اور قیاس

(۲۷) مشرکین عرب اپنے اوہام و خرافات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے ۔ آیت (۱۲۰) میں اس نسبت کی تغلیط کی ہے اور واضح کیا ہے کہ ان کی راہ ہی راہ تھی جس کی طرف پیغمبر اسلام دعوت دے رہے ہیں ۔

ایک اور شبہ جو حلت و حرمت کے بارے میں کیا گیا تھا یہ تھا کہ سبت کے دن کا شکار یہودیوں پر حرام کر دیا گیا تھا،

زیادہ سخت بُرائی ہو جائے۔ بہتری تو اس میں ہے کہ سختی کا جواب سختی سے نہ دو۔ جھیل جاؤ۔ پروا نہ کرو۔ بخش دو۔ اسی میں تمہاری اصل جیت ہے۔ لیکن اگر طبیعت پر قابو نہیں پاتے۔ اور سختی کا جواب سختی سے دینا چاہتے ہو، تو پھر انصاف کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ جتنی اور جیسی سختی تمہارے ساتھ کی گئی ہے، ویسی ہی اور اتنی ہی تم بھی کرلو۔ اس سے آگے نہ بڑھو۔ ذرا بھی بڑھے، تو یہ ظلم ہوگا، اور ظلم راستی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔

غور کرو۔ قرآن کا محض ایک لفظ یا محض ایک ترکیب کس طرح مقاصد و مسائل کے فیصلے کر دیا کرتی ہے؟ پہلے بصیغہ امر دعوت کا حکم دیا گیا تھا: ادع الی سبیل ربک پس چاہیے تھا کہ یہاں بھی بدلہ لینے کا حکم دیا جاتا اور کہا جاتا۔ اگر تمہارے ساتھ سختی کی گئی ہے، تو تم بھی ویسی ہی سختی کرو۔ مگر تمہیں ایسا نہیں فرمایا۔ بلکہ کہا: وان عاقبتم۔ اگر ایسا ہو کہ تم مخالف کی سختی کے جواب میں سختی کرنا چاہو، تو چاہیے کہ حد سے نہ بڑھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ سختی کے جواب میں سختی کا حکم نہیں ہے محض اجازت ہے۔ یعنی اگر ایک آدمی وہ مقام حاصل نہیں کر سکتا جو اس بارے میں بہتری اور خوبی کا اصلی مقام ہے: جھیل جانا اور بخش دینا، تو پھر اُسے بدلے کی اجازت دیدی گئی ہے، لیکن اجازت کو بمثل ما عوقبتم سے مقید کر دیا ہے تاکہ زیادتی کا دروازہ بکلی بند ہو جائے۔ اب دو ہی راہیں کھلی رہ گئیں: عزیمت تو اس میں ہوئی کہ جھیل جاؤ اور بخش دو۔ رخصت اس کی ہوئی کہ جتنی سختی کی گئی ہے، اُتنی ہی تم بھی کرلو۔ اس سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) کی ایک تقریر بہت مقبول ہوئی ہے، جو انہوں نے قسطاس المستقیم میں لکھی ہے، اور بعد کے مفسرین نے عموماً اسے اختیار کر لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں، استعداد و فہم کے لحاظ سے ہر انسان کی طبیعت یکساں نہیں، اور ہر ذہنی حالت ایک خاص طرح کا اسلوبِ خطاب چاہتی ہے۔ اربابِ دانش کے لیے استدلال کی ضرورت ہوتی ہے، عوام کے لیے موعظت کی، اور اصحابِ خصومت کے لیے جدل کی۔ پس اس آیت میں قرآن نے تینوں جماعتوں کے لیے یہ تینوں طریقے بتلا دیے ہیں۔ اربابِ دانش کو حکمت کے ساتھ مخاطب کرو۔ عوام کو موعظت کے ساتھ۔ اور اربابِ خصومت کے لیے جدل کی بھی اجازت ہے مگر بطریقِ احسن۔

---

(۲۹) آخر میں سورت ختم کرتے ہوئے پیغمبرِ اسلام کو مخاطب کیا ہے کہ:

(ا) صبر کر، اور تیرا صبر کرنا اللہ ہی کی مدد و توفیق سے ہے۔

(ب) منکروں کی محرومی پر غم نہ کھا۔ جو ماننے والے نہیں ہیں، وہ کبھی نہیں مانیں گے۔

(ج) دعوتِ حق کی مخالفت میں وہ جو کچھ مخفی تدبیریں اور سازشیں کر رہے ہیں، ان سے بھی دل تنگ نہ ہو۔

(د) یہ قانونِ الٰہی یاد رکھ کہ اللہ کی نصرت انہی کا ساتھ دیتی ہے، جو بُرائیوں سے بچتے ہیں اور جن کی زندگی نیک کرداروں کی زندگی ہوتی ہے!

۱۲۶ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ وَ
۱۲۷ اصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ
۱۲۸ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝ ع ۱۶ ۹ ۲۲

اور مخالفوں کی سختی کے جواب میں سختی کرو، تو چاہیے کہ ویسی ہی اور اتنی ہی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی ہے، اور اگر تم نے صبر کیا (یعنے جھیل گئے، اور سختی کا جواب سختی سے نہیں دیا) تو بلا شبہ صبر کرنے والوں کے لیے صبر ہی بہتر ہے!

(اے پیغمبر!) صبر کر، اور تیرا صبر کرنا نہیں ہے مگر اللہ کی مدد سے، اور ان لوگوں کے حال پر غم نہ کھا، نہ ہی اُن کی مخالفانہ تدبیروں سے دل تنگ ہو۔

یقیناً اللہ انہی کا ساتھی ہے جو متقی ہیں اور نیک عملی میں سر گرم رہتے ہیں!

بدقسمتی سے دنیا میں طلبِ حق کی راہ بھی محض جدل و نزاع کی
راہ بن گئی ہے، ہم اپنے دنیوی اغراض و مقاصد کے لیے
لڑنے جھگڑنے کے عادی ہیں۔ جب کبھی کوئی ایسا جھگڑا
پیش آ جاتا ہے، تو صرف اپنی جیت ہی کے لیے لڑتے
ہیں۔ اِس خیال سے نہیں لڑتے کہ حق و انصاف کیا ہے؛
۱۲۶ اکثر اوقات خود ہمارا ضمیر گواہی دیتا ہے کہ ہم برسرِ حق نہیں
ہیں اور انصاف مخالف کے ساتھ ہے لیکن چونکہ اپنا مطلب
کسی نہ کسی طرح حاصل کرنا ہوتا ہے، اِس لیے کبھی اعترافِ
حقیقت کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ حق اور انصاف ہم سے
جس قدر الگ ہوتا جاتا ہے، بحث و نزاع کی سرگرمی اتنی
ہی زیادہ بڑھتی جاتی ہے۔ اگر ہمارا مقدمہ سب سے زیادہ
۱۲۷ کمزور ہوگا، تو ہم خیال کرینگے کہ ہماری بحث و نزاع کی سر
۱۲۸ گرمی سب سے زیادہ ہونی چاہیے!

چاہیے تو یہ تھا کہ کم از کم دین کے معاملہ میں ہم ایسا نہ کرتے۔ دنیوی معاملات میں کچھ نہ کچھ لینا دینا ہوتا ہے اس لیے غرض پرست آدمی اپنی بات کی پچ کرتا ہی رہے گا لیکن دین کی راہ لین دین کی راہ نہیں ہے سچ کو سچ مان لینے کی راہ ہے۔ اور جونہی ہم نے کسی بات کو سچ نہ سمجھ کر بھی سچ ثابت کرنا چاہا، دین کی راہ نہ رہی۔ عین اُس کی ضد ہو گئی۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہم نے سچائی کے کام کو بھی جھوٹ کا کاروبار بنا دیا ہے۔ ہم دین کے بارے میں بھی ٹھیک اُسی طرح جھگڑتے ہیں جس طرح دنیا کے معاملات میں۔ ہم جب کبھی کسی سے بحث کرینگے، تو ہمارے وہم و گمان میں بھی یہ خیال نہیں گذرے گا کہ اس راہ میں اصل مقصود طلبِ حق ہے، اور جونہی حق سامنے آ جائے ہمارا فرض ہے کہ اعتراف کر لیں، بلکہ بحث کرینگے ہی اس لیے کہ اپنی اور اپنے فریق کی بات منوانی ہے، اور خواہ کچھ ہو، فریقِ مخالف کو ہرانا ہے۔ اگر دیکھیں گے کہ حق اور معقولیت ہمارے ساتھ نہیں ہے تو غیر متعلق باتوں پر زور دینے لگیں گے، بد زبانی پر اُتر آئیں گے، مارنے مرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے اور پھر کہیں گے کہ ہم جیت گئے!

قرآن کہتا ہے۔ یہ "جدل" کا طریقہ ہے۔ "دعوت" کا طریقہ نہیں ہے۔ اور دین کی راہ دعوت کی راہ ہے۔ جدل کی راہ نہیں ہے۔ اگر جدل کرنا ہی پڑے، تو صرف اُسی حالت میں کیا جا سکتا ہے کہ احسن طریقہ پر ہو یعنے راست بازی' دیانت شیریں زبانی، اور شائستگی کے ساتھ کیا جائے۔ آگے چل کر سورۂ عنکبوت میں بھی یہی حکم ملے گا: ولا تجادلوا اھل الکتاب، الا بالتی ھی احسن (۴۶)

اِس کے بعد فرمایا: وان عاقبتم، فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ، ولئن صبرتم، لھو خیر للصابرین! اگر مخالف ناحق کوشش میں سرگرم ہے اور سختی و زیادتی پر اُتر آیا ہے، تو ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ تم بھی آپے سے باہر ہو جاؤ۔ ایسا کرنا راست بازی کا طریقہ نہ ہوگا۔ ایک بُرائی کے جواب میں دوسری بُرائی کا ارتکاب ہوگا جو ممکن ہے پہلی سے بھی

۴ عُلُوًّا كَبِيرًا ۝ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ أُولٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا
۵ خِلٰلَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنٰكُم بِأَمْوَالٍ
۶ وَّبَنِينَ وَجَعَلْنٰكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۝ إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ
فَلَهَا ۚ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوٓءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ
۷ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ ۚ وَإِنْ عُدتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا
۸ جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِينَ حَصِيرًا ۝ إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ

۴ بڑی ہی سخت درجہ کی سرکشی کروگے۔ پھر جب
اُن دو وقتوں میں سے پہلا وقت آگیا، تو (اے
بنی اسرائیل!) ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے
بھیج دیے جو بڑے ہی خوفناک تھے۔ پس وہ تمہاری آبادیوں کے اندر پھیل گئے، اور اللہ کا وعدہ
۵ تو اسی لیے تھا کہ پورا ہو کر رہے!
پھر (دیکھو) ہم نے زمانہ کی گردش تمہارے دشمنوں کے خلاف اور تمہارے موافق کر دی، اور مال و
۶ دولت اور اولاد کی کثرت سے تمہاری مدد کی۔ اور تمہیں (پھر) ایسا بنا دیا کہ بڑے جتھے والے ہوگئے۔
اگر تم نے بھلائی کے کام کیئے، تو اپنے ہی لیے کیئے، اور اگر برائیاں کیں، تو بھی اپنے ہی لیے کیں۔ پھر
جب دوسرے وعدے کا وقت آیا (تو ہم نے اپنے دوسرے بندوں کو بھیج دیا) تاکہ تمہارے چہروں پہ
رسوائی پھیر دیں، اور اُسی طرح (ہیکل کی) مسجد میں داخل
ہو جائیں جس طرح پہلی مرتبہ حملہ آور گھسے تھے، اور
۷ جو کچھ پائیں، توڑ پھوڑ کر برباد کر ڈالیں۔
کچھ عجب نہیں کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم فرمائے
(اگر اب بھی باز آجاؤ) لیکن اگر تم پھر سرکشی و فساد
کی طرف لوٹے، تو (اللہ فرماتا ہے) ہماری طرف سے
بھی پاداش عمل لوٹ آئے گی۔ اور (یاد رکھو)
ہم نے منکرین حق کے لیے جہنم کا قید خانہ طیار کر
۸ رکھا ہے!
بلاشبہ یہ قرآن اُس راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے،

کی خبر دیدی گئی تھی۔ پہلی بربادی بابل کے بادشاہ نبوکد نضر (بخت نصر) کے حملہ سے ہوئی، دوسری رومیوں کے حملہ سے جو ٹیٹس کے زیر قیادت ہوئی تھی۔

(۳) بابل کے حملے نے صرف یہودیا کی آبادیوں ہی کو پامال نہیں کیا تھا، بلکہ بنی اسرائیل کی نسل و قومیت بھی ہلاک و منتشر ہوگئی تھی۔ لیکن ایک صدی کے بعد گردش زمانہ نے پھر پلٹا کھایا، اور کارساز قدرت نے وقت کی سب سے بڑی فاتح شہنشاہیت کو ان کی اعانت و دستگیری کے لیے کھڑا کر دیا۔ یعنے شہنشاہ فارس کو۔ اب یہودیا کی تمام اجڑی بستیاں پھر آباد ہوگئیں، اور یہودی جمعیت کا جسم مردہ پھر زندہ ہوگیا۔ آیت (۶) میں اسی عہد کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرمایا اگر تم نے اچھے کام کیے تھے تو اپنے ہی لیے کیے تھے یعنے اس کے نتائج تمہارے ہی حصہ میں آتے۔ اور بدعملیاں کی تھیں تو وہ بھی اپنے ہی لیے کی تھیں۔ اس کی پاداش بھی تمہارے ہی حصے میں آئی۔ چنانچہ جب ایسا ہوا کہ اس دوسری مہلت کی بھی تم نے قدر نہ کی، اور اپنی توبہ و انابت کے وہ تمام عہد بھلا دیے جو بابل کی اسیری کے زمانہ میں کیے تھے

المنزل ۴
الجزء ١٥

سورۃ بنی اسرآءیل ١٧

مکی - ١١١ - آیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ
1 لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ
٢-٣ اِسْرَاۗءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝
وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ

(1) ہجرت مدینہ سے تقریباً ایک سال پہلے پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اسریٰ کا معاملہ پیش آیا جو عام طور پر معراج کے نام سے مشہور ہے۔ اس سورت کی ابتدا اسی واقعہ کے ذکر سے کی گئی ہے، اور واضح کیا ہے کہ اس معاملہ سے مقصود کیا تھا۔ لنریہ من اٰیتنا - تاکہ اللہ کی نشانیاں ان کے مشاہدہ میں آجائیں یعنے دلائل حقیقت کا علمی مشاہدہ کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ معاملہ وحی کی
1 تکمیل تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا۔ واٰتینا موسی الکتب۔ اسی طرح حضرت موسیٰ کا معاملہ وحی بھی کوہ طور کے اعتکاف میں مکمل ہوا تھا کہ ولما جاء موسٰی لمیقاتنا وکلمہ ربہ (٧ : ١۴٧) اور انہیں کتاب
٢ شریعت دی گئی تھی۔

"انہ ھو السمیع البصیر" وہی ہے جو سننے والا دیکھنے والا ہے یعنی جیسے چاہے اس سے زیادہ سنا دے جتنا سب سن رہے ہیں، اور اس سے زیادہ دکھا دے جتنا سب دیکھ رہے ہیں!

یہاں مسجد حرام سے مقصود مکہ ہے، اور مسجد اقصیٰ سے بیت المقدس کا ہیکل۔ اسے اقصیٰ اس لیے فرمایا کہ عرب
٣ کے لیے قریب کی عبادت گاہ خانہ کعبہ تھی، اور دور کی عبادت گاہ ہیکل۔

(٢) آیت (۴) میں کتاب سے مقصود انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفے ہیں۔ چنانچہ یسعیاہ، یرمیاہ، اور حزقیل کی کتابوں میں بنی اسرائیل کے دو بڑے فسادوں اور دو بڑی بربادیوں

پاکی ہے اس ذات کے لیے جس نے اپنے بندے کو (یعنے پیغمبر اسلام کو) راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کہ اس کے اطراف کو ہم نے بڑی ہی برکت دی ہے، سیر کرائی اور اس لیے سیر کرائی کہ اپنی نشانیاں اسے دکھا دیں۔ بلاشبہ وہی ذات ہے جو سننے والی، دیکھنے والی ہے!

اور (اسی طرح) ہم نے موسیٰ کو کتاب (شریعت) دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کا ذریعہ ٹھہرایا (اور حکم دیا) کہ (دیکھو!) میرے سوا اور کسی کو اپنا کارساز نہ ٹھہراؤ!

تم ان لوگوں کی نسل ہو جنہیں ہم نے طوفان کی ہلاکت سے نجات دی تھی اور نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کرایا تھا۔ اور وہ ایک شکر گزار بندہ تھا!

اور (دیکھو) ہم نے کتاب میں (یعنے تورات میں) بنی اسرائیل کو اس فیصلہ کی خبر دیدی تھی کہ تم ضرور ملک میں دو مرتبہ خرابی پھیلاؤ گے اور

۱۲ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ○ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا
۱۳-۱۴ يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ○ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ○ مَنِ اهْتَدٰى
فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا
۱۵ مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ○ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا
۱۶ فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ○ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ
۱۷ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ○ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا
مَا نَشَاۗءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا

نہ اُٹھایا، اور محرومی و نامرادی کی مہر ہمیشہ کے لیے اُن کی قسمت پر لگ گئی!

ہے!

۱۲ اور ہم نے ہر انسان کی شامت خود اُس کی
گردن سے باندھ دی ہے (کہیں باہر سے اُس پر آکر نہیں گرتی) قیامت کے دن ہم اُس کے لیے (نامۂ
اعمال کی) ایک کتاب نکال کر پیش کر دینگے۔ وہ اُسے اپنے سامنے کھلا دیکھ لے گا۔ (ہم کہیں گے) "اپنا
۱۳ نامۂ اعمال پڑھ لے۔ آج کے دن خود تیرا وجود ہی تیرے احتساب کے لیے بس کرتا ہے!"
جو سیدھے رستے چلا، تو اپنے ہی لیے چلا، اور جو بھٹک گیا تو بھٹکنے کا خمیازہ بھی وہی اُٹھائیگا۔ کوئی
بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھاتا (ہر جان کو خود اپنے ہی اعمال کا بوجھ اُٹھانا ہے) اور
ہم کبھی ایسا نہیں کرتے کہ (کسی قوم کو) عذاب دیں، مگر اُسی وقت، جبکہ اُس میں ایک رسول پیدا کر دیتے ہیں
۱۵ (اور پھر بھی لوگ سرکشی و فساد سے باز نہیں آتے)
اور جب ہمیں منظور ہوتا ہے کہ کسی بستی کو ہلاک کریں، تو ایسا ہوتا ہے کہ اس کے خوشحال لوگوں کو حکم
دیتے ہیں (یعنے وحی کے ذریعہ احکامِ حق پہنچا دیتے ہیں) پھر وہ بجائے اس کے کہ اس کی تعمیل کریں
نافرمانی میں سرگرم ہو جاتے ہیں، پس اُن پر عذاب کی بات ثابت ہو جاتی ہے، اور (پاداشِ عمل
۱۶ میں) اُنہیں برباد و ہلاک کر ڈالتے ہیں!
اور (دیکھو) نوح کے بعد قوموں کے کتنے ہی دور گزر چکے ہیں، جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا، اور
(اے پیغمبر!) تیرے پروردگار کی خبرداری اور نگرانی اُس کے بندوں کے (گناہوں کے) لیے بس
۱۷ کرتی ہے!
جو کوئی فوری فائدہ (اسی دنیا میں) چاہتا ہے، تو جس کسی کو ہم دینا چاہیں، اور جتنا دینا چاہیں،
اسی دنیا میں دیدیتے ہیں۔ پھر آخر کار اس کے لیے جہنم بنا دی ہے۔ اُس میں داخل ہوگا۔ بدحال،

يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصّٰلِحٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۙ ۹
وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ ۱۰ ع ۱
دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ۝ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ ۱۱
وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ
وَكُلَّ شَيْءٍ

تو پھر دوسری ہلاکت کا وقت نمودار ہوگیا، یعنے رومی حملہ کا یہ بنی اسرائیل کی آخری ہلاکت تھی۔ اس کے بعد پھر نہ سنبھل سکے۔

(۴) آیت (۸) سے دو لفظوں کے اندر وہ سب کچھ ۹
کہہ دیا جو جزائے عمل کے بارے میں کہا جا سکتا ہے، اور اس سے قرآن کی معجزانہ بلاغت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے (و ان عدتم عدنا)۔ اگر تم پھر انہی شرارتوں کی طرف لوٹے، تو ہم
بھی لوٹیں گے۔ یعنے اگر تم بدعملیوں کی طرف لوٹوگے تو اللہ کا ۱۰
قانونِ مجازات بھی پاداش و عقوبت کی طرف لوٹے گا۔ جونہی تم نے برائی کا رُخ کیا، نتائجِ عمل کا قانون بھی پاداش و عقوبت میں سرگرم ہوگیا۔ "عمل" اور "نتیجہ" دو ایسی لازم و ملزوم حقیقتیں ہیں جو کسی حال میں ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہوسکتیں۔ نتیجہ عمل کا سایہ ہے۔ جہاں عمل آیا اُس کا سایہ بھی ساتھ آگیا۔ تم نے اچھے عمل کی طرف رُخ کیا، اور اچھے
نتائج بھی تمہاری طرف تکنے لگے۔ تم نے بُرے عمل کی طرف ۱۱
قدم اُٹھایا، بُرے نتائج کے بھی قدم اُٹھ گئے۔ اس راہ میں جتنے بڑھتے جاؤ، اور جس قدر بھی غور کرو حقیقت ہر جگہ یہی نظر آئے گی کہ (ان عدتم عدنا)۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ دو ہلاکتیں ہو چکیں۔ اب تیسری مہلت نہیں ملی ہے۔ یعنے دعوتِ حق کے ظہور نے رحمتِ الٰہی کی بخشائشوں کا دروازہ کھول دیا ہے، اگر انکار و سرکشی سے باز آجاؤ تو تمہارے لیے سعادت و کامرانی ہے۔ باز نہ آؤگے تو پھر جس طرح دو مرتبہ نتائجِ عمل کا قانون اپنی عقوبتیں دکھلا چکا ہے۔ تیسری مرتبہ بھی دکھلائے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہودیوں نے جس طرح اس مہلت سے فائدہ نہیں اُٹھایا تھا جو حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور نے اُنہیں دی تھی، اسی طرح دعوتِ اسلام سے بھی فائدہ

جو سب سے زیادہ سیدھی راہ ہے، اور ایمان والوں کو جو نیک عملی میں سرگرم رہتے ہیں، بشارت دیتا ہے کہ انہیں بہت بڑا اجر ملنے والا ہے!

اور (نیز اس بات کا بھی اعلان کرتا ہے کہ) جو لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے، اُن کے لیے ہم نے عذابِ دردناک طیار کر رکھا ہے!

اور (دیکھو) جس طرح انسان اپنے لیے بھلائی کی دعائیں مانگتا ہے، اُسی طرح (بسا اوقات) بُرائی بھی مانگنے لگتا ہے (اگرچہ نہیں جانتا کہ یہ اس کے لیے بُرائی ہے) اور حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی جلدباز ہے!

اور (دیکھو) ہم نے رات اور دن کو ایسا بنایا کہ (ہماری قدرت و حکمت کی) دو نشانیاں ہوگئیں۔ سو رات کی نشانی دھیمی کر دی (کہ راحت و سکون کا وقت بن جائے) اور دن کی نشانی روشن کر دی کہ (اس کے اجالے میں) اپنے پروردگار کا فضل ڈھونڈو۔ (یعنے معیشت کا سامان مہیا کرو) نیز (رات کے خلاف سے) برسوں کی گنتی اور (برسوں کی گنتی سے ہر طرح کا) حساب بھی معلوم کر لو۔ ہم نے (قرآن میں) ہر چیز کا بیان کھول کھول کر، الگ الگ، واضح کر دیا

إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا
قَوْلًا كَرِيمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي ۲۳
صَغِيرًا ۝ رَّبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ إِن تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا ۝ ۲۴-۲۵
وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ ۲۶
كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۝ وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ۲۷

سے اس کی حفاظت کرے۔ یہی رہنمائی ہدایت وحی کی رہنمائی ہوتی، اور اسی لیے انسان کسی ایسی رہنمائی کا بالطبع محتاج ہوا۔

(۷) اس کے بعد آیت (۱۲) میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ کس طرح ربوبیت الٰہی نے تمہاری ہدایت کا فطری سامان کر دیا ہے، اور کس طرح کارخانۂ ہستی کا ہر معاملہ تمہاری کاربرآریوں کا ذریعہ ہے۔ اور جب ربوبیتِ الٰہی کی یہ کارفرمائیاں شب و روز دیکھ رہے ہو تو اس سے تمہیں کیوں انکار ہو، اگر وہ وحی و نبوت کے قیام کے ذریعہ تمہاری ہدایت کا مزید سامان کر دے؟

اُس کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو، اور اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو، اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک، یا دونوں، تمہاری زندگی میں بڑھاپے کی عمر تک پہنچ جائیں (اور اُن کی خدمت کا بوجھ تم پر آ پڑے) تو اُن کی کسی بات پر اُف نہ کرو (یعنے کوئی بات کتنی ہی ناگوار گزرے مگر حرفِ شکایت زبان پر نہ لاؤ) اور نہ (تیزی میں آکر) جھڑکنے لگو، اُن سے
بات چیت ادب و عزت کے ساتھ کرو! ۲۳
اُن کے آگے محبت و مہربانی کے ساتھ عاجزی کا سر جھکائے رکھو۔ اُن کے حق میں (ہمیشہ) دعا کرو کہ پروردگار! جس طرح اُنھوں نے مجھے صغر سنی میں پالا
پوسا اور بڑا کیا، تو اسی طرح تو بھی اُن پر رحم کیجیو! ۲۴
تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے جی میں ہوتا ہے۔ اگر تم نیک کردار رہوئے (اور بغیر قصد کے تم سے کوئی فروگذاشت ہوگئی) تو (اس کی وجہ سے تمہیں مضطرب نہیں ہونا چاہیے) وہ بلاشبہ
توبہ کرنے والوں کے لیے بڑا ہی بخشنے والا ہے! ۲۵
اور (دیکھو) جو لوگ تمہارے قرابت دار ہیں، جو مسکین ہیں، جو بے یار و مددگار مسافر ہیں، ان سب کا تم پر حق ہے۔ ان کا حق ادا کرتے رہو، اور مال و دولت کو بے محل خرچ نہ کرو جیسا کہ بے محل
خرچ کرنا ہوتا ہے۔ ۲۶
بے محل خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی بند ہیں، اور شیطان اپنے پروردگار کی نعمتوں کا کفران
کرنے والا ہے۔ ۲۷
اور اگر ایسا ہو کہ تم اپنے پروردگار کی مہربانی کی راہ دیکھ رہے ہو (یعنے تنگ دستی کی حالت میں ہو

۱۸ مَّدْحُوْرًا ۝ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ
۱۹—۲۰ مَّشْكُوْرًا ۝ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ اُنْظُرْ
۲۱ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝ لَا تَجْعَلْ مَعَ
۲۲ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ع ۲/۲
وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ

ٹھکرایا ہوا!

لیکن جو کوئی آخرت کا طالب ہوا اور اس کے لیے جیسی کچھ کوشش کرنی چاہیے، ویسی کوشش کی، نیز ایمان بھی رکھتا ہے، تو (اُس کے لیے دائمی کامیابیاں ہیں اور) ایسے ہی لوگ ہیں جن کی کوشش مقبول ہوگی!

ہم ہر فریق کو اپنی پروردگاری کی بخشائشوں سے (دنیا میں) مدد دیتے ہیں۔ اُن کو بھی (کہ صرف دنیا ہی کے پیچھے پڑ گئے) اور اُن کو بھی (کہ آخرت کے طالب ہوئے اور راہِ حق پر چلے) اور (اے پیغمبر!) تیرے پروردگار کی بخشش عام کسی پر بند نہیں!

دیکھو! ہم نے کس طرح (یہاں) بعض لوگوں کو بعض لوگوں پر برتری دے دی ہے (کہ کوئی کسی حال میں نظر آتا ہے، کوئی کسی میں) اور حقیقت یہ ہے کہ آخرت کے درجے سب سے بڑھ کر ہیں، اور سب سے برتر!

اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ، ورنہ ایسے ہو رہو گے کہ ہر طرف سے نفرین کے مستحق اور ہر طرف سے درماندگی میں پڑے ہوئے!

اور تمہارے پروردگار نے یہ بات ٹھہرا دی کہ

۱۸ (۵) آیت (۸) میں فرمایا تھا۔ عجب نہیں کہ پروردگار
تم پر رحم فرمائے، اگر سرکشی و فساد سے باز آجاؤ، اور دعوت
حق پر لبیک کہو۔ پس آیت (۹) میں اس کی مزید تشریح کی
اور فرمایا: اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ قرآن
ہدایت کی ایسی راہ دکھاتا ہے، جو سب سے زیادہ سیدھی
راہ ہے، اور اُن لوگوں کے لیے جو اس راہ پر چلیں، ہر طرح
کی کامیابیوں کی بشارت ہے۔
۱۹ قرآن نے اپنے جس قدر اوصاف بیان کیے ہیں اُن
سب میں جامع ترین وصف یہی ہے۔ زندگی اور سعادت
کے ہر گوشہ میں اُس کی رہنمائی سیدھی سے سیدھی بات
کے لیے ہے۔ کسی طرح کی کجی، کسی طرح کا پیچ و خم، کسی طرح کا الجھاؤ،
کسی طرح کی افراط و تفریط اُس کی رہنمائی میں نہیں ہو سکتی۔
یہی حقیقت دوسری جگہ صراط مستقیم اور دین القیم سے تعبیر
کی گئی ہے۔
۲۰ (۶) آیت (۱۱) میں انسان کی اس کمزوری کی طرف
اشارہ کیا ہے کہ وہ خیر و شر میں امتیاز نہیں کرتا، اور بسا
اوقات شر کا اس طرح طالب ہو جاتا ہے جس طرح اُسے
خیر کا خواستگار ہونا چاہیے۔
یہ حالت اُسے کیوں پیش آتی ہے؟ اس لیے کہ اس کی
طبیعت میں جلد بازی ہے۔ یعنی ایسی خواہشیں ہیں جو فوراً
پورا ہونا چاہتی ہیں، اور جب چھا جاتی ہیں تو ایک لمحہ کے لیے
۲۱ بھی صبر و انتظار نہیں کر سکتیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ بھلائی
کی طلبگاری کرتے ہوئے برائیوں کا طلبگار ہو جاتا ہے اور
نہیں جانتا کہ اس کی طلبگاری اُسے برائیوں کی طرف لے
جا رہی ہے۔
۲۲ پس معلوم ہوا کہ اُسے ایک رہنمائی کی ضرورت
ہے جو خیر و شر کا امتیاز سکھلائے، اور خواہشوں کی ٹھوکروں

مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ
مَسْئُولًا ۝ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۳۴
وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۝ ۳۵
وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۝ كُلُّ ذَٰلِكَ ۳۶ - ۳۷
كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ۝ ذَٰلِكَ مِمَّا ۳۸

اُسے خرچ کرنے کا ارادہ بھی نہ کرنا مگر ہاں ایسے طریقہ پر جو بہتر ہو۔ یہاں تک کہ یتیم جوان ہو جائیں (اور تم اُن کی امانت اُن کے حوالہ کر دو) اور (دیکھو) اپنا عہد پورا کرو۔ عہد کے بارے میں تم سے باز پرس کی جائے گی! ۳۴

اور جب کوئی چیز ماپو، تو پیمانہ بھرپور رکھا کرو (اس میں کمی نہ کرو) اور جب تولو تو درست ترازو سے تولو (یعنے نہ تو ترازو غلط ہو، نہ تولنے میں ڈنڈی ماری جائے) یہ (معاملہ کا) بہتر طریقہ ہے اور اچھا انجام لانے والا ہے! ۳۵

آیت (۱۹) نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ سعادت اخروی کی شرائط کیا ہیں۔ فرمایا دو شرطیں ہیں اول یہ کہ سعادت اخروی کے لیے کوشش کرے لیکن کیسی کوشش؟ ویسی کوشش جو اس کے لیے صحیح کوشش ہو سکتی ہے۔ یعنے جو اللہ کی وحی نے تبلادی ہے۔ دوسری یہ کہ اللہ پر اور اُس کی صداقتوں پر ایمان ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کی سعادت کی کوئی سعی بغیر ان دو شرطوں کے مقبول نہیں ہو سکتی۔

اور دیکھو جس بات کا تمہیں علم نہیں اُس کے پیچھے نہ پڑو (اپنی حد کے اندر رہو) یاد رکھو، کان، آنکھ، عقل، ان سب کے بارے میں باز پرس ہونے والی ہے! ۳۶

اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔ یقیناً تم زمین میں شگاف نہیں ڈال سکتے۔ اور نہ پہاڑوں کی لمبائی تک پہنچ سکتے ہو! ۳۷

ان ساری باتوں کا یہ حال ہے کہ ان کی برائی تمہارے پروردگار کے نزدیک بڑی ہی ناپسندیدہ ہے! ۳۸

(اے پیغمبر!) یہ اُن دانائی کی باتوں میں سے

(۱۰) آیت (۲۲) سے سلسلہ بیان اوامر و نواہی کی طرف متوجہ ہوا ہے، اور واضح کیا ہے کہ طالب آخرت گروہ کے اعمال کیسے ہونے چاہئیں۔ طالبین آخرت کی کامیابی اس سعی پر مشروط کر دی تھی کہ و سعیٰ لہا سعیہا، اب اس کی تشریح کی ہے کہ سعادت اخروی کے لیے سعی اس طرح کرنی چاہیے۔

سب سے پہلے توحید فی العبادت کی تلقین کی کہ اللہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو۔ کیونکہ نفس توحید کا اعتقاد تو تمام پیروان مذاہب میں موجود تھا۔ لیکن توحید فی العبادت کی حقیقت مفقود ہو گئی تھی۔ پھر والدین کے حقوق پر توجہ دلائی۔ کیونکہ انسان کے لیے والدین کی ربوبیت، ربوبیت الٰہی کا پرتو ہے، اور اس لیے عبودیت الٰہی کے بعد جو عمل اس کے لیے مقدم ہو سکتا ہے وہ یہی ہے کہ والدین کے حقوق پرورش سے غافل نہ ہو۔

۲۸ ابتغآء رحمة من ربك ترجوها فقل لهم قولا ميسورا ○ ولا تجعل يدك مغلولة الى
۲۹ عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوما محسورا ○ ان ربك يبسط الرزق لمن
۳۰ يشآء ويقدر انه كان بعباده خبيرا بصيرا ○ ولا تقتلوا اولادكم خشية املاق نحن ع ۳ ۸
۳۱ نرزقهم واياكم ان قتلهم كان خطأ كبيرا ○ ولا تقربوا الزنى انه كان فاحشة و
۳۲ سآء سبيلا ○ ولا تقتلوا النفس التى حرم الله الا بالحق ومن قتل مظلوما فقد
۳۳ جعلنا لوليه سلطنا فلا يسرف فى القتل انه كان منصورا ○ ولا تقربوا

اور رزق کی جستجو کر رہے ہو) اور اس لیے تمہیں (ان حقداروں سے) منہ پھیرنا پڑے، تو چاہیے کہ نرمی
۲۸ سے انہیں سمجھا دو (سختی سے پیش نہ آؤ)

اور (دیکھو) نہ تو اپنا ہاتھ اتنا سکیڑ لو کہ گردن میں بندھ جائے، اور نہ بالکل ہی پھیلا دو۔ دونوں
۲۹ صورتوں کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہر طرف سے ملامت پڑے اور درماندہ ہو کر رہ جاؤ!

تمہارا پروردگار جس کسی کی روزی چاہتا ہے، فراخ کر دیتا ہے، اور جس کی چاہتا ہے نپی تلی۔ وہ اپنے
۳۰ بندوں (کی حالت) کی خبر رکھنے والا اور (سب کچھ) دیکھنے والا ہے!

اور دیکھو، افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو ہلاک
نہ کرو، ہم ہی ہیں کہ انہیں بھی اور تمہیں بھی روزی دیتے
ہیں۔ انہیں ہلاک کرنا بڑے ہی گناہ کی بات
۳۱ ہے!

اور زنا کاری کے قریب بھی نہ جاؤ یقین کرو وہ بڑی
۳۲ ہی بے حیائی کی بات اور بڑی برائی کا چلن ہے!

اور کسی جان کو ناحق قتل نہ کرو، جسے قتل کرنا
اللہ نے حرام ٹھہرا دیا ہے۔ جو کوئی ظلم سے مارا جائے
تو ہم نے اس کے وارث کو (قصاص کے مطالبہ کا) اختیار
دیدیا ہے۔ پس چاہیے کہ خونریزی میں زیادتی نہ کرے
(یعنے حق سے زیادہ بدلہ لینے کا قصد نہ کرے) وہ (حد
۳۳ کے اندر رہتے ہیں) فتح مند ہے۔

اور یتیموں کے مال کے قریب بھی نہ جانا (یعنے

(۸) آیت (۱۲) سے آیت (۱۷) تک یہ حقیقت واضح کی ہے کہ انسان اپنے اعمال کے نتائج سے بندھا ہوا ہے، اور جو برائی بھی اسے پیش آتی ہے، خود اسی کے اعمال کی پیدا وار ہے۔ یہ مقام تشریح طلب ہے اس کی تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی۔

(۹) آیت (۱۸) میں فرمایا کہ نتائج عمل کے لحاظ سے انسان کے دو گروہ ہو گئے ہیں۔ ایک وہ ہے جس کی ساری طلب دنیا کی چند روزہ زندگی ہی کے لیے ہے۔ دوسرا وہ ہے جو یقین رکھتا ہے کہ اس زندگی کے بعد بھی ایک زندگی ہے، اور اس لیے اس دوسری زندگی کی سعادت کا بھی طالب ہے۔ جہاں تک دنیا کی زندگی کا تعلق ہے، ہمارا قانون یہ ہے کہ دونوں کے آگے یکساں طریقہ پر دنیوی نتائج کا دروازہ کھول دیا جائے، اور سب کو کارخانۂ ربوبیت کا فیضان مل رہا ہے۔ انہیں بھی جو صرف دنیا کے ہو رہے۔ انہیں بھی جو آخرت کے بھی طالب ہوئے۔ لیکن جہاں تک آخرت کی سعادتوں کا تعلق ہے، پہلے کے لیے محرومیاں ہونگی۔ دوسرے کے لیے کامرانیاں.

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا ۝ ۴۵
وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ
وَحْدَهُ وَلَّوْا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ نُفُورًا ۝ نَّحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ ۴۶
نَجْوَىٰ إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ۝ انظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ ۴۷
فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝ ۴۸ الربع

(۱۱) ماں باپ کے بعد قرابت داروں کے حقوق ہیں، اور پھر اُن سب کے ہیں جو ہماری خبر گیری کے محتاج ہوں۔ پس آیت (۲۶) میں اس کا حکم دیا، اور فرمایا ولا تبذر تبذیرًا، تمہارے خرچ کرنے کا صحیح محل یہ ہے پس مال و دولت بے محل خرچ نہ کرو۔

پھر فرمایا جو لوگ تبذیر کرتے ہیں۔ یعنے خدا کی دی ہوئی دولت بے محل خرچ کر ڈالتے ہیں مثلاً محض اپنے نفس کی عیش پرستیوں میں اڑا دیں گے، تو وہ شیطان کے بھائی بندوں میں سے ہیں، کیونکہ شیطاں کی راہ کفران کی راہ ہے، اور انہوں نے بھی کفرانِ نعمت کی راہ اختیار کی۔

مال و دولت کے بے جا استعمال کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی نہ تو اپنے اوپر خرچ کرے نہ دوسروں پر محض جمع کر کے رکھے دوسری یہ کہ صرف اپنے اوپر خرچ کرے۔ دوسروں پر خرچ نہ کرے۔ قرآن نے دونوں صورتوں کو معصیت قرار دیا ہے۔ پہلی صورت "اکتناز" کی ہے والذین یکنزون الذھب والفضۃ (۹:۳۴) دوسری تبذیر کی یہاں تبذیر سے روکا ہے۔

(۱۲) آیت (۲۹) جوامع مواعظ میں سے ہے فرمایا، مال و دولت خرچ کرنے میں اور ہر بات میں اعتدال کی راہ اختیار کرو کسی ایک ہی طرف کو جھک نہ پڑو۔ مثلاً خرچ کرنے پر آئے تو سب کچھ اڑا دیا۔ احتیاط کرنی چاہی تو اتنی کی کہ کنجوسی پر اتر آئے۔

دراصل تمام محاسن و فضائل کی بنیادی حقیقت توسط و اعتدال ہے، اور جتنی برائیاں بھی پیدا ہوتی ہیں، افراط تفریط سے پیدا ہوتی ہیں۔

(اے پیغمبر!) جب تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تجھ میں اور اُن لوگوں میں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے، ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں (یعنے ہمارا ٹھہرایا ہوا قانون یہ ہے کہ ایسے لوگوں میں اور صدائے حق میں ایک پردہ سا حائل
ہو جاتا ہے) ۴۵

اور ہم نے اُن کے دلوں پر غلاف ڈال دیے کہ سمجھ کام نہیں دیتی اور کانوں میں گرانی کہ کچھ سنائی نہیں دیتا جب تو قرآن میں تن تنہا، صرف اپنے پروردگار ہی کا ذکر کرتا ہے (اور یہ اپنے ٹھہرائے شریکوں کا ذکر نہیں پاتے) تو
پیٹھ پھیر کے بھاگنے لگتے ہیں۔ نفرت میں بھرے ہوئے! ۴۶

جب یہ لوگ تمہاری طرف کان لگاتے ہیں تو جو کچھ اُن کا سننا ہوتا ہے، اُسے ہم اچھی طرح جانتے ہیں، اور جب یہ ظالم باہم سرگوشیاں کرتے ہیں، اور سرگوشیاں کرتے ہوئے کہتے ہیں "تم جس آدمی کے پیچھے پڑے ہو وہ اس کے سوا کیا ہے کہ جادو سے مارا ہوا ہے" تو
اس سے بھی ہم بے خبر نہیں ہیں! ۴۷

(اے پیغمبر!) غور کر! اِن لوگوں نے تیری نسبت کیسی کیسی باتیں بنائی ہیں جس کی وجہ سے گمراہی میں پڑ گئے
پس اب راہ نہیں پاسکتے۔ ۴۸

۳۹ اَوۡحٰۤى اِلَيۡكَ رَبُّكَ مِنَ الۡحِكۡمَةِ ؕ وَلَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلۡقٰى فِىۡ جَهَنَّمَ مَلُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ۝
۴۰ اَفَاَصۡفٰٮكُمۡ رَبُّكُمۡ بِالۡبَـنِيۡنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الۡمَلٰۤـئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمۡ لَتَقُوۡلُوۡنَ قَوۡلًا عَظِيۡمًا ۝ وَلَقَدۡ ع ۴
۴۱ صَرَّفۡنَا فِىۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِيَذَّكَّرُوۡا ؕ وَمَا يَزِيۡدُهُمۡ اِلَّا نُفُوۡرًا ۝ قُلْ لَّوۡ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا
۴۲ يَقُوۡلُوۡنَ اِذًا لَّابۡتَغَوۡا اِلٰى ذِى الۡعَرۡشِ سَبِيۡلًا ۝ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوۡلُوۡنَ عُلُوًّا كَبِيۡرًا ۝
۴۳ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ ؕ وَاِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰـكِنۡ
۴۴ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيۡمًا غَفُوۡرًا ۝

ہیں جو تیرے پروردگار کی جانب سے تجھ پر وحی کی گئی
ہیں۔ اور (تمام باتوں کی جڑ یہ ہے کہ) اللہ کے ساتھ
کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ کہ بالآخر دوزخ میں ڈالے جاؤ،
۳۹ ملامت کے مستوجب اور دھتکارے ہوئے!
کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے تمہیں
تو اس برگزیدگی کے لیے چن لیا ہو کہ بیٹے والے ہو اور خود
اپنے لیے یہ پسند کیا ہو کہ فرشتوں کو بیٹیاں بنائے؟! افسوس
۴۰ تم پر! کیسی سخت بات ہے جو تم کہہ رہے ہو!
اور (دیکھو) ہم نے اس قرآن میں طرح طرح
کے طریقوں سے (مطالب حق) بیان کیے تاکہ یہ لوگ
۴۱ نصیحت پکڑیں، لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ ہوا تو یہ ہوا کہ (سچائی سے) اور زیادہ نفرت بڑھ گئی!
(اے پیغمبر!) تم کہہ دو "اگر اللہ کے ساتھ اور بہت سے معبود ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں، تو اس صورت
میں ضروری تھا کہ وہ فوراً صاحب تخت ہستی تک (مقابلہ کی) راہ نکال لیتے" (اور کارخانۂ ہستی میں فساد
۴۲ پڑ جاتا)
۴۳ ان ساری باتوں سے جو یہ کہتے ہیں، اس کی ذات پاک اور بلند ہے۔ بے حد بلند ہے!
ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے، اس کی پاکیزگی و کبریائی کا زمزمہ بلند کر رہے ہیں۔ یہاں
کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد و ثنا میں زمزمہ سنج نہ ہو۔ مگر تم اُن کی زمزمہ سنجیاں سمجھتے نہیں۔ بلاشبہ
۴۴ بڑا ہی بُردبار ہے، بڑا ہی بخشنے والا!

والدین کی خدمت و اطاعت کی آزمائش کا اصلی وقت ان
کے بڑھاپے کا وقت ہوتا ہے۔ کیونکہ بڑھاپے کی کمزوریاں انہیں
دوسروں کی خدمت و اعانت کا محتاج بنا دیتی ہیں اور اولاد اپنی
جوانی کی امنگوں اور عیش پرستیوں میں اس کی بہت کم مہلت
باقی ہے کہ اپنے محتاج اور معذور ماں باپ کی خبرگیری کرے
پس یہاں سب سے زیادہ زور اسی بات پر دیا۔ کیونکہ جو اولاد
اپنے بوڑھے ماں باپ کی خدمت و اطاعت میں کوتاہی نہیں
کرے گی وہ دوسرے وقتوں میں کب کوتاہی گوارا کر
سکتی ہے
انسان کی احتیاج کے دو ہی وقت ہوتے ہیں۔ طفولیت
اور بڑھاپا۔ طفولیت میں ماں باپ نے خدمت کی تھی بڑھاپے
میں اولاد کو کرنی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ فرمایا رب ارحمھما
کما ربیانی صغیرا!

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ
لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَآ ۵۳
اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ ۵۴
النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ ۵۵
كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ ۵۶

عربی میں مَن ذوی العقول کے لیے آتا ہے اس لیے پہلے فرمایا، آسمان اور زمین میں جتنی ذوی العقول ہستیاں ہیں سب تسبیح الٰہی میں سرگرم ہیں۔ پھر فرمایا وان من شیٔ۔ اور کائنات ہستی میں کوئی شے نہیں جو اس تسبیح میں اُن کی شریک نہ ہو۔ عربی میں "شے" کا اطلاق نہ صرف اُن چیزوں پر ہوتا ہے جو جسم و حجم رکھتی ہوں، بلکہ ہر بات اور ہر حادثہ پر ہوتا ہے۔ حتی کہ دروازہ کھلنے کی آواز کو بھی شے کہیں گے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ کائنات ہستی کا ہر وجود، ہر ہستی، ہر چیز، ہر حالت، ہر حادثہ اپنے بنانے والے کی یکتائی اور صنعت گری کی تصویر ہے۔ اور خود تصویر سے بڑھ کر اور کس کی زبان ہو سکتی ہے جو مصور کے صنعت و کمال کا اعلان کرے؟

اگر ایک باکمال سنگ تراش موجود ہے، تو اس کی صناعی و کمال کی تعریف تم زبانوں سے نہیں کر سکتے۔ اُس کی مجسم تعریف و توصیف خود اُس کی بنائی ہوئی مورتی ہوتی ہے۔ اُس مورتی کا حسن، اُس کا تناسب، اُس کا انداز، اُس کی ساری باتیں اپنے سنگ تراش کے دستِ صناعی کی اُبھرتی ہوئی تعریف اور ابلتی ہوئی مدح و ثنا ہوتی ہے!

اس آیت نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ کارخانۂ ہستی میں جو کچھ ہے سرتاسر حُسن و خوبی ہی ہے۔ کیونکہ حمد کے معنی ثنائے جمیل کے ہیں اور تمام چیزوں کا صدائے حمد ہونا، اس امر کا ثبوت ہے کہ بنانے والے نے جتنی چیزیں بنائی ہیں حُسن و خوبی ہی کی بنائی ہیں۔ اگرچہ تمہاری کوتاہ بینی اُسے نہ پا سکے۔ اس مقام کی مزید تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ کا مبحث بربانِ رحمت دیکھنا چاہیے۔

لیکن کیا کائنات ہستی کی یہ تسبیح محض صدائے حال ہی کی تسبیح ہے، صدائے مقال کا اس میں کوئی حصہ نہیں؟ کون ہے

اور (اے پیغمبر!) میرے بندوں سے کہہ دو (یعنی
اُن سے جو دعوتِ حق پر ایمان لائے ہیں مخالفوں سے
گفتگو کرتے ہوئے) جو بات کہو، ایسی کہو کہ خوبی کی بات
ہو۔ شیطان لوگوں کے درمیان فساد ڈالتا ہے یقیناً
شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔ ۵۳
تمہارا پروردگار تمہارے حال سے خوب واقف
ہے۔ وہ چاہے تو تم پر رحم کرے، چاہے تو عذاب میں
ڈالے۔ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھے ان لوگوں پر پاسبان بنا
کر نہیں بھیجا ہے (کہ تو اُن کے ہدایت پانے نہ پانے
کے لیے جوابدہ ہو)! ۵۴
آسمان و زمین میں جو کوئی ہے، تیرا پروردگار سب
کا حال بہتر جاننے والا ہے۔ ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر
برتری دی، اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمایا۔ ۵۵
(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہہ دو "تم نے اپنے
خیال میں اللہ کے سوا جن ہستیوں کو معبود سمجھ رکھا ہے
(انہیں اپنی حاجتوں اور مشکلوں میں) پکار دیکھو۔ نہ تو وہ
اس کی طاقت رکھتے ہیں کہ تمہارا کوئی دُکھ دور کر دیں،
اور نہ تمہاری حالت بدل سکتے ہیں"۔ ۵۶
یہ لوگ جن ہستیوں کو پکارتے ہیں، (اور اللہ کے

۴۹ وَقَالُوٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ خَلۡقًا جَدِيۡدًا ۝ قُلۡ كُوۡنُوۡا حِجَارَةً اَوۡ
۵۰ حَدِيۡدًا ۝ اَوۡ خَلۡقًا مِّمَّا يَكۡبُرُ فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ‌ ۚ فَسَيَقُوۡلُوۡنَ مَنۡ يُّعِيۡدُنَا‌ ؕ قُلِ الَّذِىۡ فَطَرَكُمۡ
۵۱ اَوَّلَ مَرَّةٍ‌ ۚ فَسَيُنۡغِضُوۡنَ اِلَيۡكَ رُءُوۡسَهُمۡ وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هُوَ‌ ؕ قُلۡ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنَ قَرِيۡبًا ۝
۵۲ ع ۱۲ ۵ يَوۡمَ يَدۡعُوۡكُمۡ فَتَسۡتَجِيۡبُوۡنَ بِحَمۡدِهٖ وَتَظُنُّوۡنَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا ۝

(۱۳) قرآن نے قتلِ نفس کو انسان کی سب سے بڑی معصیت قرار دیا ہے۔ شرک کے بعد اگر کوئی بُرائی ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہے: والذین لا یدعون مع اللہ الٰہا اٰخر ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق (۲۵: ۶۸)
اس بارے میں طبیعتِ انسانی کے لیے اصلی آزمائش کا وقت وہ ہوتا ہے جب انتقام کا جوش اُبھر آتا ہے، اور بسا اوقات ایک قتل کے بدلے سینکڑوں جانوں کا خون بہا دیا جاتا ہے۔ پس یہاں آیت (۳۳) میں خصوصیت کے ساتھ اس فتنہ پر توجہ دلائی: فلا یسرف فی القتل جو شخص کسی ظلم سے مارا جائے تو اُس کے وارثوں کو قصاص کے مطالبہ کا حق دیا گیا ہے، لیکن اس حق کا بے جا استعمال نہیں ہونا چاہیے کہ ایک خونریزی کے بدلے بہت سی خونریزیاں ہو جائیں۔

(۱۴) آیت (۳۶) مہماتِ معارفِ قرآنی میں سے ہے اس کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی۔

(۱۵) آیت (۴۴) میں فرمایا۔ کائناتِ ہستی میں کوئی چیز نہیں جو اللہ کی حمد و تسبیح نہ کر رہی ہو لیکن تم ان کی تسبیح و تقدیس پر غور کرو۔
یہ تسبیح جو کائناتِ ہستی کی ہر چیز کر رہی ہے، کیا محض صداؤں کی تسبیح ہے؟ نہیں، وہ اپنی ہستی میں، اپنی بناوٹ میں، اپنی صورت میں، اپنے افعال و خواص میں مجسّم تسبیح و تقدیس ہیں، اُن کی ہستی ہی تسبیح کا ترانہ اور اُن کی موجودگی ہی سرتاسر حمد و ثنا ہے۔ وہ اپنی ہر بات میں کسی بنانے والے کی صنعت، کسی پروردگار کرنے والے کی پرورش، اور کسی سرچشمۂ حسن و کمال کی حسن افروزیاں ہیں، اور اس لیے زبانِ حال سے اس کی خالقیت و حکمت اور ربوبیت و رحمت کی تحمید و تسبیح کر رہی ہیں۔

اور (دیکھو) اُنہوں نے کہا "جب ہم (مرنے کے بعد) محض چند ہڈیوں کی شکل میں رہ گئے اور گل سڑ گئے، تو پھر کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ از سرِ نو اُٹھا کھڑے کیے
۴۹ جائیں؟"
تم کہدو "ہاں تم (مرنے کے بعد) کچھ ہی کیوں نہ ہو جاؤ۔ پتھر ہو جاؤ، لوہا ہو جاؤ، یا کوئی اور چیز جو تمہارے خیال میں (دوبارہ زندہ ہونے کے لیے) بہت ہی سخت ہو" (لیکن قدرتِ الٰہی تمہیں دوبارہ زندہ کر کے
۵۰ رہے گی)
یہ سُن کر وہ کہیں گے "لیکن کون ہے جو اس طرح ہمیں دوبارہ زندہ کر دے گا؟"
تم کہو "وہی جس نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا!"
اس پر یہ لوگ تیرے آگے سر مٹکانے لگیں گے اور کہیں گے "ایسا کب ہوگا؟" تم کہو "عجب نہیں کہ اس کا
۵۱ وقت قریب ہو"
وہ دن کہ اللہ تمہیں بلائے گا، اور تم اس کی حمد کرتے ہوئے اُس کی پکار کا جواب دو گے۔ اور ایسا خیال کرو گے کہ (دونوں زندگیوں کے درمیان) تم نے جو وقت گزارا، وہ کوئی بڑی مدت نہ تھی، تھوڑا
۵۲ سا وقت تھا!

اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِیْۤ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی
۶۰ ع الْقُرْاٰنِ ؕ وَ نُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۠ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ
۶۱ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۚ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ
۶۲ عَلَیَّ ؗ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ
تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ

(یعنے اب وہ دعوتِ حق کے دائرے سے باہر
نکل نہیں سکتے) اور رؤیا جو ہم نے تجھے دکھائی
تو اسی لیے دکھائی کہ لوگوں کے لیے ایک
آزمائش ہو۔ اِسی طرح اُس درخت کا ذکر
جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔ ہم اُنہیں
(طرح طرح سے) ڈراتے ہیں، لیکن ان پر کوئی اثر
نہیں پڑتا۔ پڑتا ہے تو صرف یہی کہ اپنی سرکشیوں
۶۰ میں اور زیادہ بڑھتے جاتے ہیں!
اور دیکھو جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں
کو حکم دیا "آدم کے آگے جھک جاؤ!" اس پر
سب جھک گئے مگر ایک ابلیس نہ جھکا۔ اُس نے
کہا "کیا میں ایسی ہستی کے آگے جھکوں جسے تو نے
۶۱ مٹی سے بنایا ہے؟"
نیز اُس نے کہا "کیا تیرا یہی فیصلہ ہوا کہ تو نے اس (حقیر) ہستی کو مجھ پر بڑائی دی؟"
"اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دیدے
تو میں ضرور اس کی نسل کی بیخ بنیاد اُکھاڑ کے رہوں
۶۲ تھوڑے سے آدمی اس ہلاکت سے بچیں، اور کوئی نہ بچے"
اللہ نے فرمایا "جا، اپنی راہ لے۔ جو کوئی بھی ان
میں سے تیرے پیچھے چلے گا، تو اس کے لیے اور تیرے لیے

دکھائی نہیں دیتا۔ اور دکھائی دے کس طرح؟ وہ لکڑی کا یا اینٹوں کا پردہ تو ہوتا نہیں۔ وہ تو اعراض و غفلت کا پردہ ہوتا ہے جسے تمہاری ظاہر بین نگاہیں پا نہیں سکتیں۔

(۱۵) قرآن حکیم نے جابجا نشئۃ اولیٰ سے نشئۃ ثانیہ پر استدلال کیا ہے یعنی جس خالق و قدیر نے تمہیں پہلی مرتبہ زندگی دی، کیا وہ تمہیں دوبارہ زندگی نہیں دے سکتا؟ پھر اس پر اچنبھا کیوں ہو۔

یہاں بھی آیت (۵۱) میں یہی استدلال ہے۔ پہلی زندگی سے مراد نوع کی زندگی بھی ہو سکتی ہے، اور فرد کی بھی۔ ہر فرد اپنی ہستی میں غور کر سکتا ہے۔ اس کا وجود نہ تھا مگر ظہور میں آ گیا۔ اور کس طرح ظہور میں آیا؟ محض نطفہ کے ایک خوردبینی کیڑے سے جو "علقہ" کی طرح ہوتا ہے۔ یعنے جونک کی طرح پھر اگر کیڑے کے ایک ذرہ سے اس کا وجود بن جا سکتا تھا، تو کیا اس کے پورے وجود کے ذرات سے دوبارہ وجود نہیں بن سکتا؟ ما لکم کیف تحکمون؟

(۱۶) آیت (۵۳) میں مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ منکرین اسلام سے گفتگو کرو، تو پسندیدہ طریقہ پر کرو۔ اس طرح کی باتیں نہ کہو جس سے باہم فتنہ و فساد پیدا ہو، اور بجائے کھنچنے کے اور زیادہ لوگ متنفر ہو جائیں۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مسلمانوں نے بعض مشرکوں کو کہا تھا "انکم من اھل النار" تم جہنمی ہو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور مسلمانوں کو اس بات سے روکا گیا کہ تعین کے ساتھ کسی

یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ
۵۷ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝ وَاِنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا
۵۸ عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّاۤ اَنْ
كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا
۵۹ تَخْوِیْفًا ۝ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ

جو ایسا کہنے کی جرأت کرسکتا ہے ؟ ابھی چند آیتوں کے بعد اسی سورت میں تم پڑھو گے : وما اوتیتم من العلم الا قلیلا !

حضور (انہیں وسیلہ تقرب سمجھتے ہیں) وہ تو خود اپنے پروردگار کے حضور (بندگی و اطاعت کے ذریعہ) وسیلہ ڈھونڈتے رہتے ہیں کہ کون اس راہ میں زیادہ قریب ہوتا ہے ، نیز اُس کی رحمت کے متوقع رہتے ہیں ، اور اُس کے عذاب سے ترساں ۔ فی الحقیقت تمہارے پروردگار کا عذاب بڑے ہی ڈرنے کی چیز ہے !

اور روز قیامت سے پہلے ضرور ایسا ہونے والا ہے کہ (نافرمانوں کی) جتنی بستیاں ہیں ، ہم انہیں ہلاک کردیں ، یا عذاب سخت میں مبتلا کردیں ۔ یہ بات (قانونِ الٰہی کے) نوشتہ میں لکھی جا چکی ہے !

اور (جو نشانیاں منکر طلب کرتے ہیں ، ان) نشانیوں کے بھیجنے سے ہمیں کون روک سکتا ہے ؟ مگر یہ کہ ہم جانتے ہیں ، پچھلے عہد کے لوگ ایسی ہی نشانیاں جھٹلا چکے ہیں ۔ ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی کہ ایک آشکارا نشانی تھی ، لیکن اُنھوں نے اس پر ظلم کیا (اور نشانی سے عبرت نہ پکڑی) اور ہم نشانیاں تو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ لوگ (انکار و سرکشی کے نتائج سے) ڈریں ۔

اور (اے پیغمبر ! وہ وقت یاد کر) جب تیرے پروردگار نے تجھ سے کہا تھا " یقین کر ، تیرے پروردگار نے لوگوں کو گھیرے میں لے لیا ہے

۵۷ (۴۴) ، پچھلی آیت میں منکرین حق کی یہ حالت بیان کی تھی
کہ لا تفقھون تسبیحھم ، اب آیت (۴۵) میں فرمایا ۔ یہی حال
اُن کا قرآن کے بارے میں ہے کہ اس کی طرف رُخ نہیں کرتے ،
اسے سننا نہیں چاہتے ، اسے سمجھنے کے لیے تیار نہیں ۔
اللہ کا مقررہ قانون یہ ہے کہ اگر تم آنکھیں نہیں کھولو گے
تو تمہارے آگے ایک سیاہ پردہ حائل ہو جائے گا ، اگر تم سننا نہیں
۵۸ چاہو گے ، تو تمہارے کان بہروں کے کان ہو جائیں گے ۔ اگر تم
سوچنے سے انکار کردو گے ، تو تمہاری عقل پر پردے پڑ جائیں گے
اُس کی روشنی کا کام نہیں دے سکے گی ۔ قرآن نے انکار و اعراض
کی یہ حالت جابجا تبلائی ہے ، اور یہاں بھی اس طرف اشارہ
کیا ہے ۔
منکروں کی یہ حالت خود انہی کی پسند کی ہوئی حالت تھی ۔
یہ قانون اللہ کا ٹھہرایا ہوا ہے کہ نہ دیکھنے والوں کی آنکھوں پر
پردہ پڑ جاتا ہے ، لیکن اسی وقت پڑتا ہے جب دیکھنے والا
دیکھنے سے انکار کر دیتا ہے ۔ یہاں تین باتیں بیان کی گئی ہیں ،
آنکھوں کے آگے حجاب ، کانوں میں گرانی ، اور عقل پر تہہ در تہہ
۵۹ غلافوں کا چڑھ جانا ، لیکن یہ وہی تین حالتیں ہیں جو خود منکروں
نے اپنے لیے پسند کر لی تھیں : " وقالوا قلوبنا فی اکنة
مما تدعونا الیه ، وفی اذاننا وقر ، ومن بیننا و
بینک حجاب " (۴۱ : ۵)
حجابا مستورا ۔ یعنی ایسا پردہ جو حائل تو ہو جاتا ہے ۔ مگر

۶۷ نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ
۶۸ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى
۶۹ فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ۝ وَ
لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ
۷۰ ع ۱۰ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ع يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ

اور خشکی پر پہنچا دیتا ہے۔ تو تم اس سے گردن موڑ
۶۷ لیتے ہو، حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے!
پھر کیا تمہیں اس سے امن مل گیا ہے کہ وہ تمہیں
خشکی کے لیے گوشے میں دھنسا دے یا تم پر پتھر برسانے
والی آندھیاں بھیج دے، اور تم اس حال میں کسی کو اپنا
۶۸ مددگار نہ پاؤ! یا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تمہیں دوبارہ ویسی ہی مصیبت میں ڈال دے
اور ہوا کا ایک سخت طوفان بھیج دے، اور تمہاری
ناشکری کی پاداش میں تمہیں غرق کر دے، اور پھر کسی
۶۹ کو نہ پاؤ جو اس کے لیے ہم پر دعویٰ کرنے والا ہو!
اور البتہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی۔ اور خشکی اور
تری دونوں کی قوتیں اس کے تابع کر دیں کہ اُسے اُٹھائے
پھرتی ہیں، اور اچھی چیزیں اُس کی روزی کے لیے مہیّا
کر دیں نیز جو مخلوقات ہم نے پیدا کی ہیں اُن میں سے
اکثر پر اُسے برتری دیدی، پوری برتری جیسی کہ ہونی
۷۰ چاہیئے!
وہ (آنے والا) دن، جب کہ ہم تمام انسانوں کو اُن
کے پیشواؤں کے ساتھ بُلائیں گے (اور اپنے حضور جمع
کرینگے) پھر جو کوئی اپنا نوشتہ (اعمال) اپنے دہنے
ہاتھ میں پائے گا، تو وہ اُن لوگوں میں ہو گا جو اپنا
نوشتہ پڑھ لیں گے، اور اُن پر رائی برابر بھی زیادتی نہیں

معقود ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا ربکم اعلم بکم۔ یہ اللہ
کا کام ہے کہ جسے چاہے نجات دے۔ جسے چاہے عذاب میں
ڈالے وما ارسلناك عليهم وكيلا۔ اے پیغمبر ہم نے تجھے لوگوں
پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے کہ لوگوں کی نجات و عدم نجات کے
لیے ذمہ دار ہو، اور جب خود پیغمبر کو یہ منصب حاصل نہیں تو اور
کسی کے لیے کب جائز ہو سکتا ہے کہ اپنے کو جنت و دوزخ کا
داروغہ سمجھ لے۔

(۱۷) آیت (۵۸) میں افراد کا ذکر نہیں ہے۔ جماعتوں
اور قوموں کی بستیوں کا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں ہر
بد اعمال گروہ کو اس کے اعمالِ بد کی پاداش کا مل جانا ضروری ہے
خواہ ہلاکت کی صورت میں ہو خواہ کسی دوسرے عذاب کی صورت میں
(۱۸) آیت (۵۹) نے قطعی طور پر یہ حقیقت واضح کر دی
کہ پیغمبروں نے جو نشانیاں دکھائی تھیں، اُن کی حقیقت کیا تھی؟
فرمایا: وما نرسل بالآيات، الا تخويفا۔ نشانیاں اس لیے نہیں
دی گئیں کہ سچائی کی دلیل تھیں، یا ہدایت کا معاملہ ان پر موقوف ہوتا
ہے۔ بلکہ صرف اس لیے کہ وہ ظہورِ عذاب کا مقدمہ تھیں۔ یعنی جو
قومیں سرکشی سے باز نہیں آئیں، انھیں ظہورِ نتائج کی خبر دیدی گئی
اور اس خبر کا ظہور ایک نشانی کی صورت میں ہوا۔ چنانچہ قوم
ثمود جب سرکشی سے باز نہ آئی، تو اونٹنی کا معاملہ اس کے لیے
ایک فیصلہ کن نشانی ہو گئی۔ اور اس نشانی کے بعد موعودہ
عذاب ظہور میں آگیا۔
آیت میں خطاب منکرین عرب سے ہے جو اپنی بات
بنانے کے لیے نشانیوں کی فرمائشیں کرتے تھے۔ فرمایا
جو طالب حق ہیں اُن کے لیے سچائی کی دعوت ہی سب سے
بڑی نشانی ہے، اور جو ماننے والے نہیں اُن کے لیے
کوئی نشانی سودمند نہیں ہوتی۔ چنانچہ پچھلے عہدوں میں

۶۳ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ
۶۴ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝
۶۵ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝ رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ
۶۶ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ
ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا

۶۳ انسان یا جماعت کو ایسا نہ کہیں کہ تم جہنمی ہو۔ کیونکہ کوئی نہیں جانتا، کس آدمی کا خاتمہ کس حال پر ہونے والا ہے؟ بہت ممکن ہے، جسے تم جہنمی کہہ رہے ہو اُسے ہدایت کی توفیق ملنے والی ہو۔ اور وہ اس کی جگہ جنتیوں میں ہو۔ بلاشبہ تم کہہ سکتے ہو یہ بات حق ہے اور یہ حق نہیں۔ لیکن کسی خاص جماعت یا فرد کی نسبت حکم نہیں لگا سکتے کہ یہ ضرور جہنمی ہے۔ ایسا کہنے کا کسی انسان کو حق نہیں۔

اس موقعہ پر سورۂ انعام کی یہ آیت بھی یاد کر لو ولا
۶۴ تسبوا الذین یدعون من دون اللہ، فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم، کذلک زینا لکل امۃ عملھم، ثم الی ربھم مرجعھم فینبئھم بما کانوا یعملون (۶: ۱۰۸) اور یہ حکم بھی نہ بھولو وجادلھم بالتی ھی احسن جو پچھلی سورت کے خاتمہ میں گزر چکا ہے۔
۶۵ غور کرو کس طرح قرآن قدم قدم پر یہ بات یاد دلاتا رہتا ہے کہ فکر میں رواداری ہونی چاہیے۔ حکم میں احتیاط ہونی چاہیے تم جس بات کو حق سمجھتے ہو اُس پر جم جاؤ اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دو، مگر یہ نہ بھولو کہ انسان کی نجات و عدم نجات کی ٹھیکہ داری تمہیں نہیں دیدی گئی۔ کون نجات پانے والا ہے اور کس کے لیے بالآخر محرومی ہے؟ اس کا علم خدا ہی کو ہے،
۶۶ تمہیں حق نہیں کہ اس طرح کے حکم لگاتے پھرو۔ علاوہ ازیں اگر ایک انسان غلط راہ چل رہا ہے تو تمہارے جہنمی کہہ دینے سے وہ جنتی نہیں بن جائے گا، بلکہ بہت ممکن ہے، اور زیادہ اپنی غلطی میں ضدی ہو جائے۔ پس جو کچھ بھی زبان سے نکالو حسن و خوبی کی بات ہو سختی و خشونت کی بات نہ ہو۔

چنانچہ فرمایا، ان الشیطن ینزغ بینھم شیطان چاہتا ہے، لوگوں میں تفرقہ و فساد ڈالے یعنی اس طرح کا طریق کلام تفرقہ و فساد پیدا کرتا ہے اور اصل مقصود کو ہدایت و ارشاد ہے۔

جہنم کی سزا ہوئی۔ پوری پوری سزا۔"

"ان میں سے جس کسی کو تو اپنی صدائیں سنا کر بہکا سکتا ہے بہکانے کی کوشش کر لے، اپنے لشکر کے سواروں اور پیادوں سے حملہ کر ان کے مال اور اولاد میں شریک ہو جا، ان سے (طرح طرح کی باتوں کے) وعدے کر، اور شیطان کے وعدے تو اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ سر تا سر دھوکا"

"جو میرے (سچے) بندے ہیں، اُن پر تو قابو پانے والا نہیں۔ تیرا پروردگار کارسازی کے لیے بس کرتا ہے۔"

(اے لوگو!) تمہارا پروردگار تو وہ ہے جو تمہاری کاروباریوں کے لیے سمندر میں جہاز چلاتا ہے تاکہ تم (سیر و سیاحت کے ذریعہ) اُس کا فضل تلاش کرو۔ بلاشبہ وہ تم پر بڑی ہی رحمت رکھنے والا ہے!

اور جب کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم سمندر میں ہوتے ہو اور مصیبت آ لگتی ہے، تو اس وقت وہ تمام ہستیاں تم سے کھوئی جاتی ہیں جنہیں تم پکارا کرتے ہو۔ صرف ایک اللہ ہی کی یاد باقی رہ جاتی ہے۔ پھر جب وہ تمہیں مصیبت سے نجات دے دیتا ہے

۷۸ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۝
۷۹ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۝ وَقُلْ رَّبِّ
۸۰ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا۝
۸۱ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۝ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ

(اے پیغمبر!) نماز قائم کر سورج کے ڈھلنے کے
وقت سے لے کر رات کے اندھیرے تک (یعنے
ظہر، عصر، مغرب اور عشا کے وقتوں میں) نیز صبح کی
تلاوتِ قرآن (یعنے صبح کی نماز) بلاشبہ صبح کی
تلاوتِ قرآن ایک ایسی تلاوت ہے جو خصوصیت
۷۸ کے ساتھ دیکھی جاتی ہے!

اور (اے پیغمبر!) رات کا کچھ حصہ (یعنے پچھلا
پہر) شب بیداری میں بسر کر۔ یہ تیرے لیے ایک مزید عمل
ہے۔ قریب ہے کہ اللہ تجھے ایک ایسے مقام میں پہنچا
۷۹ دے جو نہایت پسندیدہ مقام ہو!

اور تیری دعا یہ ہونی چاہیے کہ "اے پروردگار! مجھے
(جہاں کہیں پہنچا، تو) سچائی کے ساتھ پہنچا، اور (جہاں
کہیں سے نکال، تو) سچائی کے ساتھ نکال، اور اپنے حضور
سے قوت عطا فرما۔ ایسی قوت کہ (ہر حال میں) مددگاری
۸۰ کرنے والی ہو!"

اور تیرا اعلان یہ ہو کہ "دیکھو حق ظاہر ہوگیا، اور
باطل نابود ہوا۔ اور باطل اسی لیے تھا کہ نابود ہوکر
۸۱ رہے!"

اور ہم نے جو کچھ قرآن میں سے نازل کیا ہے، تو
وہ یقین کرنے والوں کے لیے (روح کی ساری بیماریوں

(۱۷) آیت (۶۱) میں ابلیس کی سرکشی کا تذکرہ کیا تاکہ واضح ہو جائے، حق کے مقابلہ میں سرکشی کی چال چلنا، ابلیس کی چال ہے، اور یہ قدیم سے چلی آتی ہے۔ پھر آیت (۶۶) سے سلسلہ بیان انسان کی غفلت و گمراہی کے تذکرہ پر متوجہ ہوگیا ہے، اور جن حالات کی طرف اشارہ کیا ہے، اُن کی تشریحات گزشتہ سورتوں کے نوٹوں میں گزر چکی ہیں۔

(۱۸) آیت (۷۳) میں فرمایا۔ اگر وحی الٰہی کی روشنی تیری راہنمائی کے لیے موجود نہ ہوتی، تو وقت کی تاریکی اتنی شدید تھی کہ ممکن نہ تھا اس بے لاگ ثبات و استقامت کے ساتھ سیدھی راہ چلتا رہتا۔ کام کی دشواریاں ضرور تجھے مغلوب کر لیتیں، لوگوں کی مخالفتیں ضرور تجھے تھکا دیتیں، طاقتور افراد کی منتیں اور التجائیں ضرور تجھے متوجہ کر لیتیں۔ طرح طرح کی مصلحتیں ضرور دامنگیر ہو جاتیں۔ لغزشیں ٹھوکریں قدم قدم پہ نمودار ہوتیں۔ لیکن اب کوئی چیز بھی تیری راہ نہیں روک سکتی۔ کوئی فتنہ بھی تجھے قابو میں نہیں لا سکتا۔ یہ وحی الٰہی کی راہنمائی ہے، اور وحی الٰہی کی راہنمائی پر کوئی انسانی طاقت غالب نہیں آسکتی۔

(۱۹) آیت (۷۸) نے نماز اوقات معین کر دیے۔ فرمایا۔ سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز کے اوقات ہیں۔ یعنے ظہر، عصر، مغرب، اور عشا کے اوقات نیز صبح کی تلاوت ہے یعنے صبح کی نماز ہے۔

"نفل" کے معنے کسی ایسی بات کے ہیں جو اصل مطلوب سے زیادہ ہو۔ پس فرمایا: نافلۃ لک رات کا بھی کچھ حصہ جاگنے اور عبادت میں صرف کیا کرو۔ یہ تمہارے لیے عبادت کی مزید زیادتی ہوگی۔

اس آیت میں خطاب اگرچہ پیغمبر اسلام سے ہے، لیکن حکم عام ہے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ شب بیداری کی عبادت یعنی تہجد ایک مزید عبادت ہے اگر بن پڑے۔

وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ○ وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيلًا ○ وَ ۷۱-۷۲
اِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِيٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوكَ
خَلِيلًا ○ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ○ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ ۷۳-۷۴
الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ○ وَاِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ ۷۵
الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيلًا ○ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ ۷۶
مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ○ ع ۸ ۷۷

ہمیشہ ایسا ہی ہو چکا ہے۔ کوئی نشانی بھی سرکشوں کے لیے سود مند نہ ہو سکی۔

نیز فرمایا ہمارا قانون یہ ہے کہ اس طرح کی نشانیاں تخویف و انذار ہی کے لیے نمودار ہوتی ہیں۔ پس اگر اب بھی اُن تک نوبت پہنچی، تو منکروں کے لیے ظہورِ عذاب ناگزیر ہوگا، اور مشیت الٰہی کا یہ فیصلہ نہیں ہے کہ عذاب ظہور میں آئے۔

اس کے بعد آیت (۶۰) میں دو باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسریٰ کا واقعہ، اور اس درخت کا معاملہ جس کا قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی ان شجرۃ الزقوم طعام الاثیم جہنم میں تھوہر کا درخت مجرموں کی غذا ہوگی۔ منکروں نے ان دونوں باتوں کی ہنسی اُڑائی تھی، جیسا کہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے۔ اسریٰ کا معاملہ جب بیان کیا گیا تو کہنے لگے یہ جنون کی انتہا ہے اور جہنم کے احوال و شدائد کی جب آیتیں سنائی گئیں تو کہنے لگے، جہنم بھی عجیب جگہ ہوئی جہاں آگ کے شعلوں میں درخت پیدا ہو گئے!

فرمایا، ان دونوں باتوں میں ان لوگوں کے لیے آزمائش ہوئی۔ اگر طالب حق ہوتے تو ہنسی اُڑانے کی جگہ عقل و بصیرت سے کام لیتے۔

ہو گی۔ ۷۱
اور جو کوئی اس دنیا میں اندھا رہا (اور اُس نے اللہ کے دیے ہوئے ہوش و حواس سے کام نہیں لیا) تو یقین کرو۔ آخرت میں بھی وہ اندھا ہی رہے گا اور
راستہ سے یک قلم بھٹکا ہوا! ۷۲

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں نے تو اس میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی تھی کہ تجھے فریب دے کر اس کلام (کی تبلیغ) سے باز رکھیں جو ہم نے بذریعہ وحی نازل کیا ہے، اور مقصود ان کا یہ تھا کہ اس کلام کی جگہ دوسری باتیں کہہ کر تو ہم پر افترا پردازی کرے، اور پھر اس سے خوش
ہو کر یہ تجھے اپنا دوست بنا لیں۔ ۷۳

اور اگر (راہِ حق میں) ہم نے تجھے جما نہ دیا ہوتا، تو تو
ضرور اُن کی طرف کچھ نہ کچھ میلان کر ہی بیٹھتا، اور اس صورت ۷۴
میں ضرور ایسا ہوتا کہ ہم تجھے زندگی کا بھی دوہرا عذاب
چکھاتے اور موت کا بھی، اور پھر تجھے ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ ملتا۔ ۷۵

اور اُنہوں نے اس میں بھی کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی کہ تجھے اس سرزمین سے عاجز کر کے نکال دیں۔ اور اگر ایسا
کر بیٹھتے، تو (یاد رکھ) تیرے (نکالے جانے کے) پیچھے مہلت نہ پاتے مگر بہت تھوڑی سی۔ ہم تجھ سے پہلے ۷۶
جو پیغمبر بھیج چکے ہیں، اُن سب کے معاملہ میں ہمارا ایسا ہی قاعدہ رہا ہے، اور ہمارے ٹھہرائے ہوئے
قاعدوں کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائے گا! ۷۷

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ
بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ ۸۸
اِلَّا كُفُوْرًا ۝ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ ۸۹ - ۹۰
جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا ۹۱
كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَ ۹۲
لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ ۹۳ ع ۹

کیونکہ روحیں حسن ہی سے عشق کر سکتی ہیں اور زبانیں کمال ہی کی ستائش میں کھل سکتی ہیں لیکن حسن و کمال کی مملکت، وہ مملکت نہیں جسے شہنشاہوں اور فاتحوں کی تلواریں مسخر کر سکیں!

غور کرو جس وقت سے نوعِ انسانی کی تاریخ معلوم ہے؟ نوعِ انسانی کے دلوں کا احترام اور زبانوں کی ستائشیں کن انسانوں کے حصے میں آئی ہیں؟ شہنشاہوں اور فاتحوں کے حصہ میں یا خدا کے اُن رسولوں کے حصہ میں جنہوں نے جسم و ملک کو نہیں روح و دل کو فتح کیا تھا؟

یہی مقامِ محمود ہے جس کی خبر ہمیں ایک دوسری آیت میں دی گئی ہے، اور خبر کے ساتھ امر بھی ہے: ان للہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما (۳۳ ۵۶)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کا ایک مشہد وہ معاملہ ہوگا جو قیامت کے دن پیش آئے گا جب کہ اللہ کی حمد و ثنا کا علم آپ بلند کریں گے، اور بلاشبہ محمودیت کا مقام دنیا و آخرت دونوں کے لیے ہے۔ جو ہستی یہاں محمود خلائق ہے، وہاں بھی محمود و ممدوح ہوگی۔

(اے پیغمبر!) اِس بات کا اعلان کر دے کہ "اگر تمام
انسان اور جن اکٹھے ہو کر چاہیں کہ اس قرآن کے مانند کوئی
کلام پیش کر دیں، تو کبھی پیش نہیں کر سکیں گے۔ اگرچہ
اُن میں سے ہر ایک دوسرے کا مددگار ہی کیوں نہ ہو"۔ ۸۸
اور ہم نے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں بار بار
لوٹا کر بیان کیں (کہ لوگ سمجھیں بوجھیں لیکن ان میں سے)
اکثروں نے کوئی بات قبول نہیں کی، اور قبول کی تو صرف
ناسپاسی! ۸۹
اور انہوں نے کہا "ہم تو اُس وقت تک تجھے
ماننے والے نہیں، جب تک کہ تو اس طرح کی باتیں
کر کے نہ دکھا دے۔ (مثلاً) ایسا ہو کہ تو حکم کرے اور
زمین سے ایک چشمہ پھوٹ نکلے۔ یا تیرے پاس کھجوروں ۹۰
اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور اُس کے درمیان بہت
سی نہریں رواں کر کے دکھا دے، یا جیسا کہ تو نے خیال کیا ہے، آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہم پر آ گرے، یا ۹۱
اللہ اور اُس کے فرشتے ہمارے سامنے آ کھڑے ہوں، یا ہم دیکھیں کہ سونے کا ایک محل تیرے لیے مہیا ہو ۹۲
گیا ہے، یا ایسا ہو کہ تو بلند ہو کر آسمان پر چلا جائے۔ اور اگر تو آسمان پر چلا بھی گیا تو بھی یہ بات ماننے والے
نہیں، جب تک کہ ایک (لکھی لکھائی) کتاب ہم پر نہ اُتار لائے، اور ہم خود اُسے پڑھ کر جانچ نہ لیں"۔ (اے پیغمبر!)
ان لوگوں سے کہہ دے سبحان اللہ! (میں کچھ خدائی کا دعوٰی تو کیا نہیں) میں اِس کے سوا کیا ہوں کہ ایک آدمی
ہوں پیغام حق پہنچانے والا"! ۹۳

۸۲ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ

۸۳ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَــُٔوْسًا ۝ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ

۸۴ ع اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۝ وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ

۸۵ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ

۸۶-۸۷ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝

(۲۰) آیت (۷۹) میں مقام محمود سے مقصود والیا درجہ ہے جس کی عام طور پر ستائش کی جاتے، گویا کچھ بعید نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہیں ایسے مقام پر پہنچا دے جو عالمگیر اور دائمی ستائش کا مقام ہو۔

۸۲ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب پیغمبر اسلام کی مکی زندگی کے آخری سال گزر رہے تھے اور مظلومیت اور بے سر و سامانی اپنے انتہائی درجوں تک پہنچ چکی تھی حتیٰ کہ مخالف قتل کی تدبیروں میں سرگرم تھے۔ ایسی حالت میں کون امید کر سکتا تھا کہ انہی مظلومیتوں

۸۳ سے فتح و کامرانی پیدا ہو سکتی ہے؟ لیکن وحی الٰہی نے صرف فتح و کامرانی ہی کی بشارت نہیں دی کیونکہ فتح و کامرانی کی عظمت کوئی غیر معمولی عظمت نہ تھی۔ بلکہ ایک ایسے مقام تک پہنچنے کی خبر دی جو نوع انسانی کے لیے عظمت و ارتفاع کی سب سے آخری بلندی ہے۔ یعنے عسٰی ان یبعثک ربک مقامًا محمودًا

۸۴ حسن و کمال کا ایسا مقام جہاں پہنچ کر محمودیت خلائق کی عالمگیر اور دائمی مرکزیت حاصل ہو جاتے گی۔ کوئی عہد ہو، کوئی ملک ہو، کوئی نسل ہو، لیکن کروڑوں دلوں میں اس کی ستائش ہوگی۔ ان گنت زبانوں پر اس کی مدحت طرازی ہوگی محمود یعنی سر تا سر ممدوح ہستی ہو جائے گی۔

ماشئت ان فیہ فانت مصدق

فالحب یقضی والمحاسن تشھد !

۸۵ یہ مقام انسانی عظمت کی انتہا ہے، اس سے زیادہ اونچی جگہ اولاد آدم کو نہیں مل سکتی۔ اس سے بڑھ کر انسانی رفعت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کی سعی و ہمت ہر طرح کی بلندیوں تک اڑ جا سکتی ہے، لیکن یہ بات نہیں پا سکتی کہ روحوں کی ستائش

۸۶ اور دلوں کی مداحی کا مرکز بن جائے۔ سکندر کی ساری فتوحات خود اس کے عہد و ملک کی ستائش اسے نہ دلا سکیں، اور نپولین کی ساری جہاں ستانیاں اتنا بھی نہ کر سکیں کہ کورسیکا کے چند غدار باشندوں ہی میں اسے محمود و ممدوح بنا دیتیں جہاں وہ پیدا

۸۷ ہوا تھا۔ محمودیت اسی کو حاصل ہو سکتی ہے جس میں حسن و کمال ہو

کی شفاء اور رحمت ہے، اور جو نافرمان ہیں، تو انہیں کچھ فائدہ ہونے والا نہیں۔ بجز اس کے کہ (انکار و شقاوت کی وجہ سے) اور زیادہ تباہ ہوں!

اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں، تو ہم سے منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے، اور جب اسے دکھ پہنچ جائے، تو دیکھو، بالکل مایوس ہو کر بیٹھ رہتا ہے!

(اے پیغمبر!) کہدو "ہر انسان اپنے طور طریقہ کے مطابق عمل کرتا ہے پس تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے، کون سب سے زیادہ ٹھیک راہ پر ہے!

اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تجھ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ تو کہہ دے "روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے، اور تمہیں (اسرار کائنات کا) علم جو کچھ دیا گیا ہے، وہ بہت تھوڑا ہے (اس سے زیادہ تم نہیں پا سکتے)"

اور (اے پیغمبر!) جو کچھ ہم نے تجھ پر وحی کی ہے، اگر ہم چاہیں تو اسے بھی سلب کر لیں۔ پھر تجھے کوئی نہ ملے جو اس کے لیے ہم پر اپنی وکالت چلا سکے۔

مگر یہ محض تیرے پروردگار کی رحمت ہے (کہ وہ ایسا نہیں کرتا) اس میں شک نہیں کہ اس کا تجھ پر بڑا ہی فضل ہے!

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ
ع ۱۰۰ قَتُوْرًا ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْئَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ
۱۰۱ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ
۱۰۲ — ۱۰۳ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ۝
۱۰۴ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ۝ وَ
ع ۱۰۵ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى

(اے پیغمبر!) کہدے "اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمہارے اختیار میں ہوتے، تو تم ضرور خرچ ہو جانے کے ڈر سے انہیں روکے رکھتے (لیکن وہ اپنی رحمت کا فیضان روکنے والا نہیں۔ اس کی بخششیں اتنی نپی تُلی نہیں ہیں کہ صرف دنیا کی چند روزہ زندگی ہی میں خرچ ہو جائیں) حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی تنگ دل ہے (وہ رحمتِ الٰہی کی وسعت کا اندازہ نہیں کرسکتا!)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے موسٰی کو نو آشکارا نشانیاں دی تھیں جب وہ بنی اسرائیل میں ظاہر ہوا تھا، تو بنی
اسرائیل سے دریافت کر لے (کہ کیا ماجرا گزر چکا ہے) فرعون نے اس سے کہا تھا "اے موسٰی! میں خیال کرتا ہوں ضرور
۱۰۱ تجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے"!

موسٰی نے اس پر کہا تھا "تو یقیناً جان چکا ہے کہ یہ نشانیاں مجھ پر کسی اور نے نہیں اُتاری ہیں مگر اُسی نے
جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے، اور (ان میں عبرت و تذکیر کے لیے) سمجھنے بوجھنے کی روشنی ہے۔ اور اے فرعون!
۱۰۲ میں تو سمجھتا ہوں، تو نے اپنے کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے!"

تو (دیکھو) فرعون نے چاہا تھا کہ بنی اسرائیل پر ملک میں رہنا دشوار کر دے، لیکن ہم نے اُسے اور اُن سب کو جو
۱۰۳ اُس کے ساتھ تھے (سمندر) میں غرق کر دیا!

اور ہم نے اس واقعہ کے بعد بنی اسرائیل سے کہا تھا "اب اس سرزمین میں (فارغ البال
ہو کر) بسو (تمہارے لیے کوئی کھٹکا نہیں رہا) پھر جب آخرت کا وعدہ وقوع میں آجائے گا تو ہم تم سب کو
۱۰۴ اپنے حضور اکٹھا کر لیں گے"!

اور ہم نے قرآن کو سچائی کے ساتھ اُتارا، اور وہ سچائی ہی کے ساتھ اُترا بھی، اور ہم نے تجھے نہیں بھیجا
ہے مگر صرف اسی حیثیت سے کہ (ایمان و عمل کے نتائج کی) بشارت دینے والا اور (انکار و بدعملی کے نتائج
۱۰۵ سے) خبردار کر دینے والا ہے۔

اور ہم نے قرآن کو الگ الگ ٹکڑوں میں منقسم کر دیا، تاکہ تم ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کو سناتے رہو، اور یہی وجہ

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤی اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا قُلْ لَّوْ ۹۴
كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○ قُلْ كَفٰی بِاللّٰهِ ۹۵
شَهِیْدًۢا بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا ○ وَمَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلْ ۹۶
فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ عُمْیًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ
مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِیْرًا ○ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا ۹۷ النصف
عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا ○ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۹۸
قَادِرٌ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ فَاَبَی الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ○ ۹۹

اور حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی اللہ کی ہدایت (دنیا میں) ظاہر ہوئی، تو صرف اِسی بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا (متعجب ہو کر) کہنے لگے "کیا اللہ نے (ہماری طرح کا) ایک آدمی پیغمبر بنا کر بھیج دیا ہے؟" ۹۴

(اے پیغمبر!) کہدے اگر ایسا ہوا ہوتا کہ زمین میں (انسانوں کی جگہ) فرشتے بسے ہوتے، اور اطمینان سے چلتے پھرتے، تو ہم ضرور آسمان سے ایک فرشتہ پیغمبر بنا کر اُتار دیتے۔" ۹۵

(نیز کہدے) "میرے اور تمہارے درمیان (اب) اللہ کی گواہی بس کرتی ہے۔ یقیناً وہ اپنے بندوں کے حال سے واقف اور سب کچھ دیکھنے والا ہے!" ۹۶

جس کسی کو اللہ (سعادت و کامیابی کی) راہ پر لگا دے، فی الحقیقت وہی راہ پر ہے، اور جس کسی پر اُس نے (کامیابی کی) راہ گم کر دی، تو تم اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔ قیامت کے دن ہم ایسے لوگوں کو اُن کے مُنہ کے بل اُٹھائیں گے۔ اندھے، گونگے، بہرے۔ اُن کا آخری ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ جب کبھی اُس کی آگ بجھنے کو ہوگی، اُسے اور زیادہ بھڑکا دینگے؟ ۹۷

یہ اُن کی سزا ہوئی۔ اِس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا تھا۔ اور کہا تھا "بھلا جب (مرنے کے بعد گل سڑ کر) محض ہڈیاں ہی ہڈیاں ہو گئے، اور ریزہ ریزہ، تو ایسا ہو سکتا ہے کہ از سرِ نو پیدا کر کے اُٹھائے جائیں گے؟" ۹۸

کیا ان لوگوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ وہ اللہ جس نے آسمان و زمین کی یہ تمام کائنات پیدا کر دی ہے، ضرور اس پر قادر ہے کہ ان کی موجودہ زندگی کی طرح ایک دوسری زندگی پیدا کر دے؟ نیز یہ بات، کہ ضرور اُس نے ان کے لیے (آخری فیصلہ کی) ایک میعاد مقرر کر رکھی ہے جس میں کسی طرح کا شک نہیں کیا جا سکتا؟ اس پر بھی دیکھو، ان ظالموں نے کوئی چال چلنی نہ چاہی مگر انکارِ حقیقت کی! ۹۹

تعبیر ہوسکتی ہے؟ صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔ جب وحی آتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے صلصلۃ الجرس کی آواز ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک تمثیل ہے جو اس لئے اختیار کی گئی کہ اس معاملہ کا ایک قریبی تخیل ہمارے اندر پیدا ہوجائے ورنہ وحی کی آمد محض گھنٹیوں کی آواز کی طرح نہیں ہوسکتی۔

پس اسریٰ کے معاملہ کے لئے بھی ہماری محدود تعبیرات کام نہیں دے سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے تاثرات مختلف ہوئے جن لوگوں نے اس کی نفی کی کہ بیداری میں پیش آیا تھا، وہ اس طرف گئے کہ یہ ہماری جسمانی نقل وحرکت کی طرح کا معاملہ نہ تھا۔ جن لوگوں نے اس پر زور دیا کہ بیداری میں پیش آیا تھا، وہ اس طرف گئے کہ اسے محض خواب کی طرح کا معاملہ نہیں کہہ سکتے۔ اور اس میں شک نہیں، دونوں اپنے تاثرات میں برسرِحق تھے۔ خود صحیحین کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اس وقت ایک ایسے عالم میں تھا کہ نہ تو سوتا تھا نہ جاگتا تھا۔ (۸۰) الف الثم والیقظۃ، اس سے معلوم ہوگیا کہ اس معاملہ کو نہ تو ایسا معاملہ قرار دے سکتے ہیں جیسا ہمیں جاگتے میں پیش آیا کرتا ہے نہ ایسا جیسا سوتے میں دیکھا کرتے تھے۔ وہ ان دونوں حالتوں سے ایک مختلف قسم کی حالت تھی، اور ہماری تعبیرات میں اس کے لئے کوئی تعبیر نہیں ہے۔

اس مقام کی مزید تشریح البیان میں ملے گی۔

(ب) آیت ۶۰ وما جعلنا الرءیا التی اریناک الا فتنۃ للناس۔ میں "رؤیا" سے مقصود یہی واقعہ ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عباس، سعید بن جبیر، حسن، مسروق، قتادہ، مجاہد، عکرمہ، ابن جریج وغیرہم سے ایسا ہی مروی ہے اور حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس پر محققین تفسیر کا اجماع ہوچکا ہے۔ پس جن مفسروں نے یہاں رؤیا سے مراد کوئی دوسری رؤیا لی ہے مثلاً فتح مکہ کی رؤیا وہ قابل اعتنا نہیں۔ کیونکہ سورت بالاتفاق مکی ہے، اور وہ معاملہ ایک عرصہ کے بعد مدینہ میں پیش آیا تھا۔ اور تطبیق کے لئے طرح طرح کے تکلفات کرنا قرآن کو چیستان بنا دینا ہے۔ ان مفسروں نے یہ تکلفات اس لئے کئے کہ رؤیا اطلاق خواب پر ہوتا ہے اور اگر رؤیا سے مقصود واقعہ اسریٰ ہو، تو پھر ان صحابہ کا قول تسلیم کرلینا پڑے گا جو اس کے بیداری میں ہونے کے قائل نہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ ان لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عباس کی تفسیر پر نظر نہ ڈالی۔ حضرت عبداللہ بن عباس ان صحابہ میں ہیں جو معراج کو عالم بیداری کا معاملہ سمجھتے تھے، اور اس مذہب کے سب سے بڑے پیشرو تھے۔ بااینہمہ انہوں نے بھی اس آیت میں "رؤیا" کی یہی تعبیر کی ہے کہ واقعہ اسریٰ مراد ہے۔ رءیا عین اریھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری) ایک آنکھوں سے دیکھی ہوئی رؤیا جو لیلۃ الاسریٰ میں آنحضرت کو دکھائی گئی تھی۔ اگر حضرت ابن عباس کو اس آیت کی اس تفسیر میں کوئی دقت پیش نہ آئی، جو اس مذہب کے سب سے بڑے قائل تھے، تو پھر اور لوگوں کو کیوں دوراز کار توجیہوں کی ضرورت پیش آئے؟

اور یہ جو حضرت ابن عباس نے فرمایا "رؤیا عین اریھا" تو اس نے سارا مسئلہ حل کردیا، اور وہ حقیقت آشکارا ہوگئی جس کی طرف ابھی ابھی ہم اشارہ کرچکے ہیں۔ یعنی یہ جو کچھ پیش آیا، تھا رؤیا، لیکن کیسی رؤیا؟ ویسی ہی رؤیا جیسی ہم خواب میں دیکھا کرتے ہیں؟ نہیں "رؤیا عین" ایسی رؤیا جس میں آنکھیں غافل نہیں ہوتیں۔ بیدار ہوتی ہیں۔ جو کچھ دیکھا جاتا ہے وہ ایسا ہوتا ہے جیسے آنکھوں سے دیکھا جارہا ہو۔ مازاغ البصر وما طغیٰ، ولقد رأی من آیات ربہ الکبریٰ (۵۳: ۱۷–۱۸)

اعراض اور مایوسی دونوں میں ہلاکت ہے

(ج) آیت واذا انعمنا علی الانسان اعرض ونا بجانبہ، واذا مسہ الشر کان یؤسا (۸۳) میں انسان کی اس کمزوری کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب اسے خوش حالی ملتی ہے تو غافل ہوجاتا ہے اور جب رنج وغم پہنچتا ہے تو مایوس ہوجاتا ہے۔ حالانکہ دونوں حالتوں میں اس کے لئے نامرادی ہے۔ سعادت کی راہ یہ ہے کہ خوش حالی میں غافل نہ ہو۔ کیونکہ غفلت کا نتیجہ محرومی ہے۔ بدحالی میں مایوس ہوکر بیٹھ نہ رہے۔ کیونکہ مایوسی کا نتیجہ ہلاکت ہے۔

غور کرو طبیعت انسانی کی کیسی سچی تصویر ہے! انسان جب اپنی کوششوں میں کامیاب ہوتا ہے تو خوش حالی کا گھمنڈ اسے غافل وسرشار کردیتا ہے۔ وہ سمجھنے لگتا ہے اب میرے لئے کوئی کھٹکا نہیں رہا۔ حالانکہ نہیں جانتا، کتنا ہی خوش حال ہوجائے، اگر غفلت

۱۰۶ النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ
۱۰۷ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ
۱۰۸ ۱۰۹ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝ السجدة قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا
الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَ
۱۱۰ ابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ
۱۱۱ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۝ ع ۱۲

السجدة

---

۱۰۶ ہے کہ) اُسے بہ یک دفعہ نہیں اُتار دیا۔ بتدریج اُتارا۔
(اے پیغمبر!) اِن لوگوں سے کہہ دے تم قرآن کو (کلام الٰہی) مانو یا نہ مانو لیکن جن لوگوں کو پچھلی کتابوں کا علم دیا
گیا ہے (یعنے اہلِ کتاب) اُنہیں جب یہ کلام سنایا جاتا ہے تو وہ بے اختیار سجدہ میں گر پڑتے ہیں، اور پکار اُٹھتے ہیں
۱۰۸ کہ "ہمارے پروردگار کے لیے پاکی ہو! بلاشبہ ہمارے پروردگار کا وعدہ اسی لیے تھا کہ پورا ہو کر رہے!"
وہ ٹھوڑیوں کے بل (اُس کے آگے) گر پڑتے ہیں۔ اُن آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں۔ کلامِ حق کی سماعت
۱۰۹ اُن کی عاجزی اور زیادہ کر دیتی ہے!
(اے پیغمبر!) کہہ دے "تم اللہ کہہ کر (اُسے) پکارو یا رحمان کہہ کر جس نام سے پکارو، اُس کے سارے نام حُسن و
خوبی کے نام ہیں" اور (اے پیغمبر!) تو جب نماز میں مشغول ہو، تو نہ تو چلّا کر پڑھ، نہ بالکل چپکے چپکے۔ چاہیے کہ درمیان
۱۱۰ کی راہ اختیار کی جائے۔
اور کہہ ساری ستائشیں اللہ کے لیے ہیں جو نہ تو اولاد رکھتا ہے، نہ اُس کی فرمانروائی میں کوئی اُس کا شریک
ہے، اور نہ کوئی ایسا ہے کہ اُس کی درماندگی کی وجہ سے اُس کا مددگار ہو۔ (وہ ان ساری باتوں سے بے نیاز ہے)
۱۱۱ اُس کی بڑائی کی پکار بلند کر۔ جیسی پکار بلند کرنی چاہیے!

---

(۱۹) اس سورت کے بعض مقامات کی تشریحات رہ گئی ہیں۔ ضروری ہے کہ ان پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ روح اور جسم دونوں پر؟

(۱) واقعہ اسریٰ کی نوعیت کیا تھی؟ یہ عالم بیداری میں پیش آیا یا عالم خواب میں؟ صرف روح پر طاری ہوا تھا، [illegible] اس بارے میں صحابہ و سلف کا اختلاف معلوم ہے۔ [illegible] کہ روح و جسم دونوں پر طاری ہوا لیکن حضرت عائشہ، حذیفہ بن الیمان، حسن، معاویہ، ابن اسحاق وغیرہم سے مروی ہے کہ یہ ایک روحانی معاملہ تھا۔

واقعہ اسریٰ

اصل یہ ہے کہ انبیائے کرام (علیہم السلام) کے احوال و واردات ایک ایسے عالم سے تعلق رکھتے ہیں جن کے لیے ہماری عام تعبیرات کام نہیں دے سکتیں۔ ہماری ہر تعبیر کسی ایسی حالت کا تصور پیدا کر دے گی جو عام طور پر ہمیں پیش آتی رہتی ہیں لیکن انبیاء کرام کو جو حالات پیش آتے ہیں، اُن کی نوعیت ہی دوسری ہوتی ہے۔ وہ ہمارے محسوسات و مفہومات کے دائرہ سے باہر کے معاملات ہیں۔

خود نبوت کی حقیقت کیا ہے؟ وحی کا معاملہ کیونکر انجام پاتا ہے؟ کیا اس بارے میں ہماری کوئی تعبیر بھی حقیقت حال کی کامل

اصل حقیقت کے مقابلہ میں بہت ہی تھوڑا ہے۔ وہ اس سمندر میں چند قطروں سے زیادہ نہیں، اور تمہیں اسی پر قناعت کرنا ہے
انسان کے علم و ادراک کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کہ اسے حواس دیئے گئے ہیں۔ انہی کے ذریعے وہ محسوسات کا ادراک حاصل کرتا ہے لیکن خود محسوسات کے دائرہ کا کیا حال ہے؟ یہ کہ کائنات ہستی کے سمندر میں ایک قطرہ سے زیادہ نہیں۔ پھر اگر انسان تمام عالم محسوسات کا علم حاصل بھی کرلے تو اس کی مقدار حقیقت کے مقابلہ میں کیا ہوگی؟ ایک قطرہ کا علم اس سے زیادہ نہیں، اور حالت یہ ہے کہ انسان محسوسات کے بھی کامل علم کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ وہ ہمیشہ اسی ایک قطرہ کے لئے پیاسا رہا، اور آج تک پیاسا ہے
اس پہلو پر بھی نظر رہے کہ فرمایا من امر ربی۔ میرے پروردگار کے حکم سے، یعنی وہ پروردگار ہے، اور پروردگاری یہی چاہتی تھی کہ یہ جوہر پیدا ہو۔

---

(۹) آیت (۸۹) سے (۹۶) تک جو بات بیان کی گئی ہے، وہ اگرچہ پچھلی سورتوں میں بھی گزر چکی ہے اور آئندہ بھی آئے گی لیکن یہاں زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے اور مہمات معارف میں سے ہے۔
قرآن نے جابجا منکرین حق کے عقائد و اقوال نقل کرکے دو خاص گمراہیوں پر توجہ دلائی ہے۔
ایک یہ کہ لوگ سمجھتے ہیں، روحانی ہدایت کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جو محض ایک انسان کے ذریعے ظاہر نہیں ہوسکتا ضروری ہے کہ انسانیت سے کوئی بالاتر ہستی ہو۔ اسی خیال نے دیوتاؤں کے ظہور اور ان کی عجائب آفرینیوں کا اعتقاد پیدا کیا۔ چنانچہ سورۂ اعراف اور ہود میں گزر چکا ہے کہ ہر داعی حق کے منکروں نے یہ بات ضرور کہی: ما انت الا بشرا مثلنا۔ تم تو ہماری ہی طرح کے ایک بشر ہو۔ پھر تمہارا یہ دعویٰ کیسے مان لیں۔ مشرکین مکہ بھی یہی کہتے تھے۔ مال ھذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق۔ یہ کیسا خدا کا فرستادہ ہے کہ ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔
دوسری یہ کہ سچائی کو خود سچائی میں نہیں ڈھونڈھتے۔ اچنبھوں اور کرشموں کا ڈھونڈھتے ہیں، اور سمجھتے ہیں، جو آدمی سب سے زیادہ عجیب قسم کا کرشمہ کر دکھائے، وہی سب سے زیادہ سچائی کی بات بتلانے والا ہے! گویا سچائی اس لئے سچائی نہ ہوئی کہ وہ سچائی ہے۔ بلکہ اس لئے کہ عجیب عجیب طرح کے کرشمے اس کے پیچھے کھڑے ہیں!
چنانچہ یہاں بھی فرمایا۔ ولقد صرفنا فی ھذا القرآن من کل مثل فابی اکثر الناس الا کفورا۔ ہم نے قرآن میں عبرت و موعظت کی تمام باتیں دہرا دہرا کر بیان کردیں، مگر یہ باتیں انہی کے دلوں کو پکڑ سکتی ہیں جن میں سچائی کی طلب ہے۔ ورنہ اکثروں کا یہ حال ہے کہ انکار و سرکشی میں بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ پھر ان کی انکار و سرکشی کی باتیں نقل کی ہیں فرمایا۔ وہ کہتے ہیں ہم تو جبھی مانیں گے جب تم ہمیں اس اس طرح کی باتیں کر دکھاؤ۔ مثلاً مکہ کی ریگستانی زمین میں، اچانک ایک نہر پھوٹ نکلے۔ آسمان کے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں۔ اللہ اور اس کے فرشتے ہمارے سامنے آجائیں۔ سونے کا ایک بنا بنایا محل کھڑا ہو جائے۔ تم ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ دوڑو، اور وہاں سے ایک لکھی لکھائی کتاب لا کر ہمارے ہاتھوں میں پکڑا دو۔ پھر پیغمبر اسلام کو حکم دیا ہے کہ ان فرمائشوں کے جواب میں کہہ دو: سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا! میرے پروردگار کے لئے پاکی ہو! میری حیثیت اس کے سوا کیا ہے کہ ایک آدمی ہوں خدا کا بھیجا ہوا۔
سبحان اللہ! قرآن کی معجزانہ بلاغت کہ اس جملہ کے اندر وہ سب دفتر آگئے جو انکار و سرکشی کی ان صداؤں کے جواب میں کہے جاسکتے تھے، ھل کنت الا بشرا رسولا۔ میں نے کچھ خدائی کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ میں نے یہ نہیں کہا ہے کہ آسمان کو زمین اور زمین کو آسمان بنا دینے والا ہوں۔ اور دنیا کی ساری قوتیں میرے تصرف و اختیار میں ہیں۔ میرا دعویٰ جو کچھ ہے وہ تو یہ ہے کہ ایک آدمی ہوں، پیام حق پہنچانے والا۔ پھر تم مجھ سے یہ فرمائشیں کیوں کرتے ہو؟ کیوں میرے لئے ضروری ہو کہ میں سونے کا محل دکھاؤں اور آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھ جاؤں؟
اس پہلو پر غور کرو جس پر جواب کا اصلی زور پڑ رہا ہے۔
اگر ایک شخص نے کسی بات کا دعویٰ کیا ہے، تو ہم دیکھیں گے، اس کا دعویٰ کیا ہے اور اسی کے مطابق اس سے دلیل مانگیں گے۔ اگر اس شخص نے دعویٰ کیا ہے کہ لوہار ہے۔ تو ہم دیکھیں گے کہ وہ لوہے کا سامان بنا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر

میں پڑگیا ہے تو اس کے لئے کھٹکا ہی کھٹکا ہے۔ اسکی خوش حالیاں کبھی پائدار نہیں ہوسکتیں۔ پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ اس کی کوششیں کامیاب نہیں ہوتیں، تو بجائے اس کے کہ اپنی طلب و سعی میں اور زیادہ سرگرم ہوجائے، یک قلم مایوس ہوجاتا ہے اور سمجھنے لگتا ہے "اب میرے لئے کچھ نہیں رہا"۔ حالانکہ نہیں جانتا کہ اس کے لئے سب کچھ ہے، بشرطیکہ ہمت نہ ہارے، اور اللہ کے فضل وکرم سے مایوس نہ ہو۔

کتنے ہی انسان ہیں جنہوں نے خوش حالیاں پائیں، لیکن ان کی خوش حالیاں بدحالیوں سے بدل گئیں کیونکہ غفلت میں پڑ گئے، اور خوش حالی کی قدر نہ کی۔ کتنے ہی ناکام انسان ہیں جو اچانک کامیاب ہوگئے۔ کیونکہ ناکامیاں انہیں مایوس نہ کرسکیں اور کسی حال میں بھی وہ خدا کے فضل سے ناامید نہ ہوئے۔

فی الحقیقت انسانی سعی وطلب کی ساری نامرادیاں انہی دو دروازوں سے آتی ہیں۔ غفلت اور مایوسی۔ کامرانیوں اور خوش حالیوں کے متوالے غفلت کے زہر سے مرتے ہیں اور ناکامیوں اور بدحالیوں کے نامراد مایوسی کے زہر سے۔ جس فرد اور گروہ نے ان دو ہلاکتوں سے اپنی نگرانی کرلی، اس نے فلاح وسعادت کی ساری دولتیں پالیں۔ اسکی کامرانیوں کے لئے کبھی زوال نہ ہوگا۔ اس کی سعی وطلب ضرور بار آور ہوکر رہیگی۔

مادیات کی طرح روحانیات میں بھی یہی قانون کام کر رہا ہے۔ دنیا کی طرح آخرت کی محرومیاں بھی انہی دو مہلک راہوں سے آتی ہیں۔ عابدوں اور پارساؤں کے لئے گھمنڈ میں موت ہے اور گناہگاروں کے لئے مایوسی میں۔ جو نیک و پارسا ہوکر غرور میں مبتلا ہوگیا۔ اس نے اپنی پارسائی کی ساری کمائی ضائع کردی۔ جو گناہوں کے بوجھ سے دب کر مایوسی میں پڑ گیا۔ اسنے رحمت الٰہی کی چارہ سازیوں سے اپنے کو محروم کردیا۔ جس فرد نے ان دونوں ہلاکتوں سے اپنی نگہداشت کرلی، پارسائی کی کمائی پر مغرور نہ ہوا، نافرمانی وگناہ کی حالت میں مایوس نہ ہوا، اس نے جاودانی سعادت پالی۔ اور اس کے لئے نامرادی کا کوئی کھٹکا باقی نہ رہا۔ ولِلّٰہِ درّ ما قال: زاہد غرور داشت سلامت نہ برد راہ / رند از رہ نیاز بہ دار السلام رفت

(د) عربی میں "شِکل" بکسر کے معنی ہیئت کے ہیں اور "شَکل" بالنصب کے معنی طریقہ کے۔ چنانچہ ایسے راستے کو جس سے بہت سی راہیں ادھر ادھر نکلی ہوں طریق ذو شواکل کہتے ہیں اور بول چال میں عام طور پر کہا جاتا ہے لست علیٰ شکلی ولا علیٰ شاکلتی۔ پس آیت کل یعمل علیٰ شاکلتہ، فربکم اعلم بمن ھو اھدیٰ سبیلا (۸۴) کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا میں ہر انسان کا کوئی نہ کوئی طریقہ ہے اور وہ اسی کے مطابق کام کر رہا ہے۔ کوئی اس طرف جارہا ہے کوئی اس طرف کسی نے ایک ڈھنگ اختیار کیا ہے کسی نے دوسرا کسی کو ایک طرح کی بات بھاتی ہے کسی کو دوسری طرح کی اور اللہ جانتا ہے۔ کون سیدھی راہ پر ہے۔ کون کامیاب ہونے والا ہے۔

~~بعض مفسرین نے~~ "شاکلہ" کو "جبلت" کے معنوں میں لیا ہے یعنی ہر آدمی کی ایک فطری بناوٹ ہے اور وہ اسی کے مطابق کام کر رہا ہے لیکن مندرجہ صدر تصریح سے واضح ہوگیا کہ شاکلہ کے معنی جبلت کے نہیں ہوسکتے۔ طریقہ اور مسلک کے ہیں۔

یعمل کاتبۃ

اس آیت کی عام طور پر جو تفسیر کی گئی ہے وہ ہے قل الروح من امر ربی

---

(۷) ترمذی نسائی اور مسند میں ہے کہ قریش مکہ نے علماء یہود سے سن کر یہ سوال کیا تھا کہ روح کیا ہے؟ اس پر آیت اتری۔ و یسئلونک عن الروح۔ قل الروح من امر ربی (۸۵) تورات اور انجیل میں "روح" کا لفظ فرشتہ کے لئے بولا گیا ہے اور قرآن نے فرشتہ اور وحی دونوں کے لئے استعمال کیا ہے۔ پس یہاں "الروح" سے مقصود جسم انسانی کی روح ہے، یا فرشتہ؟ اس بارے میں ائمہ تفسیر کی رائیں مختلف ہوئیں لیکن اکثر مفسر اس طرف گئے ہیں کہ یہاں "الروح" سے مقصود جسم انسانی کی روح ہے۔ نہ کہ فرشتہ بہر حال سوال دونوں کی نسبت ہوسکتا ہے۔ اور جواب بھی دونوں کے لئے مطابقت رکھتا ہے اور آیت کی اصلی موعظت سوال کی تفصیل میں نہیں ہے جواب کی نوعیت میں ہے۔ فرمایا من امر ربی۔ اس معاملہ کے لئے جو کچھ بھی تمہیں بتلایا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کا حکم کام کر رہا ہے۔ اس سے زیادہ تم پا نہیں سکتے۔ اور اس سے زیادہ پانے کی کاوش کیوں کرو؟ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ تمہارا دائرہ علم نہایت محدود ہے تم اپنے علم وادراک میں ایک خاص حد سے آگے بڑھ نہیں سکتے۔ تم علم میں سے جو کچھ پاسکتے ہو وہ

نہ ماننے کے لئے کوئی نہ کوئی بات بناتا رہے، وہ طرح طرح کی باتیں ادھر ادھر کی نکالے گا۔ کبھی ایک بات کہے گا۔ کبھی دوسری۔ پہلے کسی ایک بات پر زور دے گا کہ اس کا جواب کیا ہے؟ جب اس کا جواب مل جائے گا تو کوئی دوسری بات ڈھونڈ نکالے گا اور کہیگا اس کا جواب تمہارے پاس کوئی نہیں۔ یہاں تک کہ اگر تم اس کی ساری کٹ حجتیوں کا جواب دیدو، اور ساری شرطیں اور فرمائشیں پوری کردو، جب بھی وہ کوئی نہ کوئی اور بات ڈھونڈھ نکالے گا، اور راست بازی کی راہ کبھی نہیں چلے گا۔ چنانچہ قرآن نے جابجا منکروں کی اس حالت کا ذکر کیا ہے۔ اور واضح کیا ہے کہ وہ کبھی ماننے والے نہیں۔ اگر ماننے والے ہوتے تو اس طرح کی روش کبھی اختیار نہ کرتے۔ سورۂ انعام کی آیت (۱۱۱) میں گزر چکا ہے: ولو اننا نزلنا الیھم الملآئکۃ، و کلمھم الموتیٰ، وحشرنا علیھم کل شیءٍ قبلا، ما کانوا لیؤمنوا، الا ان یشآء اللہ، ولکن اکثرھم یجھلون!

ان آیات میں ان کے جو اقوال نقل کئے ہیں، ان پر غور کرو۔ پہلے کہا، نہر بہادو، باغ اگادو، سونے کا محل لا دکھاؤ۔ خود اللہ اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرو۔ پھر کہا آسمان پر چڑھ جاؤ۔ لیکن کیا آسمان پر چڑھ جانا کافی ہوگا؟ نہیں اس پر بھی وہ ماننے والے نہیں۔ یہ بھی ہونا چاہئے وہاں سے ایک لکھی لکھائی کتاب اپنی بغل میں دابے ہوئے واپس آؤ۔ اور پھر وہ لکھی ہوئی بھی ایسی ہو کہ وہ خود اسے پڑھ کر جانچ سکیں۔ تب کہیں جاکر ان کی شرط پوری ہوگی۔ ظاہر ہے کہ کسی راست باز آدمی کی زبان سے ایسی باتیں نہیں نکل سکتیں۔ اس کے معنی صریح یہی تھے کہ وہ کبھی ماننے والے نہیں۔

برہان رحمت اور حیات اخروی

(ز) آیت (۱۰۰) میں حیات اخروی پر رحمت الٰہی کی وسعت سے استدلال کیا ہے۔ اس کی حقیقت سمجھ لینی چاہئے۔ انسان کی زندگی کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے، اللہ کی رحمت کا فیضان ہے۔ یہ رحمت ہے جو چاہتی تھی کہ وجود ہو، بناؤ ہو، حسن ہو، کمال ہو، اور اس لیے سب کچھ ظہور میں آگیا۔ اچھا اگر رحمت الٰہی کا مقتضیٰ ہوا کہ انسان کو زندگی ملی، تو کیا اسی رحمت کا مقتضیٰ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ زندگی صرف اتنی ہی نہ ہو۔ اس کے بعد بھی ہو۔ اور رحمت کا فیضان برابر جاری ہے؟ اس کی رحمت ابدی ہے۔ پھر کیا اس کا فیضان دائمی نہ ہوگا۔؟ اگر دائمی ہونا چاہئے، تو کیوں انسانی زندگی اس سے محروم رہ جائے؟ کیوں اس گوشہ میں کہ مخلوقات ارضی کا سب سے بلند گوشہ ہے، وہ ایک بہت ہی محدود اور حقیر حد سے آگے نہ بڑھے؟

انسان کی دنیوی زندگی کی مقدار کیا ہے؟ محض چند گنے ہوئے دنوں کی زندگی۔ پھر کیا خدا کی رحمت کا فیضان اتنا ہی تھا کہ چار دن کی زندگی پیدا کردے۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے؟ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں دے سکتی تھی؟

چنانچہ فرمایا۔ قل لو انتم تملکون خزآئن رحمۃ ربی، اذا لامسکتم خشیۃ الانفاق! ان منکروں سے کہدو اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمہارے قبضہ میں ہوتے تو ضرور تم ہاتھ روک روک کے خرچ کرتے کہ کہیں خرچ نہ ہو جائے۔ لیکن وہ تمہارے قبضہ میں نہیں ہیں۔ وہ اس کے قبضہ میں ہیں جس کی بخشش کی کوئی انتہا نہیں، جس کے خزانے کبھی ختم ہونے والے نہیں جس کا فیضان دائمی اور لگاتار ہے! ختم

اس مقام کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ تفسیر فاتحہ کے مبحث "برہان فضل و رحمت" کا مطالعہ کیا جائے۔ تفسیر میں یہ متاع نہیں ملے گی۔

وحدت مسمی اور کثرت اسمار

(ح) آیت (۱۱۰)، قل ادعوا "اللہ" او ادعوا "الرحمٰن" ایاما تدعوا، فلہ الاسمآء الحسنیٰ میں ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے، اور افسوس ہے کہ لوگوں کی نظر بحث و تفسیر میں اس طرف نہیں گئی۔ دنیا میں انسان کے اکثر اختلافات محض لفظ و صورت کے اختلافات ہیں۔ وہ معنی پر نہیں لڑتا۔ لفظ پر لڑتا ہے۔ بسا اوقات ایک ہی حقیقت سب کے سامنے ہوتی ہے، لیکن چونکہ نام مختلف ہوتے ہیں، صورتیں مختلف ہوتی ہیں، اسلوب اور ڈھنگ مختلف ہوتے ہیں، اس لئے ہر انسان دوسرے انسان سے لڑنے لگتا ہے اور نہیں جانتا کہ یہ

ایک شخص نے دعویٰ کیا ہے کہ طبیب ہے، تو ہم دیکھیں گے کہ علاج میں ماہر ہے یا نہیں اور بیماروں کو اس سے شفا ملتی ہے یا نہیں۔ ایسا نہیں کریں گے کہ کسی نے دعویٰ تو کیا ہو طبابت کا اور ہم اس سے دلیل وہ مانگنے لگیں جو ایک لوہار سے مانگنی چاہیے یعنی کہیں ہمیں لوہے کے شہتیر بنا کر دکھا دو۔ اگر ایسا کریں گے تو یہ صریح بے عقلی کی بات ہوگی۔ یہ بات یعنی دعویٰ اور دلیل کی مطابقت ایک ایسی عام اور قدرتی بات ہے کہ ہر آدمی خواہ کتنی ہی موٹی عقل کا ہو، خود بخود اسے پا لیتا ہے۔ جونہی ایک آدمی کہے گا میں لوہار ہوں وہ سنتے ہی فرمائش کر دے گا کہ قفل بنا دو۔ کبھی اس کی زبان پر نہیں نکلے گا کہ شیشے کا برتن بنا دو۔

اچھا ایک انسان آتا ہے اور کہتا ہے میں رسول ہوں۔ پیام حق پہنچانے والا ہوں۔ اب اس کا دعویٰ کیا ہوا؟ یہ کہ خدا نے اس پر سچائی کی راہ کھول دی ہے اور وہ دوسروں کو بھی اسی راہ چلانا چاہتا ہے۔ جب دعویٰ یہ ہوا تو اسی کے مطابق دلیل بھی ہونی چاہیے۔ قدرتی طور پر اس کی دلیل یہی ہو سکتی ہے کہ دیکھا جائے وہ سچائی کی راہ پر ہے یا نہیں، اور اس کی بتلائی ہوئی راہ پر چل کر سچائی ملتی ہے یا نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دعویٰ تو اس نے سچائی کی راہ دکھانے کا کیا ہو، اور ہم دلیل یہ مانگنے لگیں کہ پہاڑ کو سونا بنا دے یا آسمان پر اڑ کر چلا جائے؟

طبیب کہتا ہے میں بیماروں کو چنگا کر دیتا ہوں اور ہم دیکھتے ہیں اس کے علاج سے بیمار چنگے ہوتے ہیں یا نہیں۔ اسی طرح خدا کا رسول کہتا ہے میں روح و دل کی بیماریاں دور کر دیتا ہوں اور اگر ہم طالب حق ہیں تو ہمیں دیکھنا چاہیے اس کے علاج سے روح و دل کے بیماروں کو شفا ملتی ہے یا نہیں؟ اگر ہم طبیب کہیں تیرا علاج ہم جب مانیں گے جب تو آسمان پر اڑ کر چلا جائے تو یقیناً وہ کہے گا میں نے طبابت کا دعویٰ کیا ہے آسمان پر اڑنے کا نہیں کیا ہے۔ ہو سکتا ہے خدا مجھے اڑنے کی بھی طاقت دے دے لیکن طبابت کے دعوے کو اڑنے سے کیا واسطہ؟ اگر میرا دعویٰ پرکھنا چاہتے ہو تو آؤ تمہارا علاج کر کے اپنی طبابت کا ثبوت دے دوں۔

ٹھیک یہی معنی اس جواب کے ہیں کہ ھل کنت الا بشرًا رسولا۔ میں نے یہ کب کہا ہے کہ آسمان و زمین کے قلابے ملا دوں گا؟ میرا دعویٰ تو صرف یہ ہے کہ پیام حق پہنچانے والا ہوں۔ پس اگر طالب حق ہو تو میرا پیام پرکھ لو۔ میرے پاس نسخہ شفا ہے کہ نہیں؟ میں صراط مستقیم پر چلا رہا ہوں کہ نہیں؟ میں سرتا سر ہدایت اور رحمت ہوں کہ نہیں؟

پھر اس جواب میں صرف یہی نہیں کہ میں رسول ہوں، بلکہ "بشرًا" کے لفظ پر بھی زور دیا کیونکہ جو بات منکروں کے دماغ میں کام کر رہی تھی، وہ یہی تھی کہ ایک آدمی جس میں کوئی مافوق انسانیت کرشمہ نہیں پایا جاتا، خدا کا فرستادہ کیسے ہو سکتا ہے اور کیوں ہم اس پر ایمان لائیں؟ فرمایا، میں تو اس کے سوا کچھ نہیں ہوں کہ ایک آدمی ہوں۔ پیام حق پہنچانے والا آدمی۔ میں نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ فرشتہ ہوں، یا کوئی ماوراء انسانیت مخلوق۔

اس کے بعد فرمایا: "وما منع الناس ان یؤمنوا اذ جاءھم الھدیٰ الا ان قالوا ابعث اللہ بشرًا رسولا"
جب کبھی دنیا میں خدا کی ہدایت نمودار ہوئی تو ہمیشہ اسی خیال فاسد نے لوگوں کو قبولیت حق سے روکا۔ کہنے لگے "کیا خدا نے ایک آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیج دیا ہے؟" یعنی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہماری ہی طرح کا ایک کھانے پینے والا آدمی خدا کا پیغمبر ہو جائے۔ پھر اس کا جواب دیا ہے کہ قل لو کان فی الارض ملائکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا۔ اگر زمین میں انسانوں کی جگہ فرشتے بسے ہوتے، تو ان کی ہدایت کے لئے فرشتے ہی اترتے لیکن یہاں تو انسان بسے ہیں اور انسانوں ہی کی ہدایت مقصود ہے، پس ان کی ہدایت کی صدائیں انسانوں ہی کی زبان سے نکلیں گی۔ فرشتے نہیں اتر سکتے، اور نہ کبھی فرشتے اترے ہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ منکروں کی یہ فرمائشیں حجت و برہان کی طلب میں نہ تھیں، بلکہ محض سرکشی اور ہٹ دھرمی کی باتیں تھیں جو اس لئے کہی جاتی تھیں کہ کوئی نہ کوئی بات کہہ کر اپنے انکار کے لئے سہارا پیدا کیا جائے۔ اور ہمیشہ راست بازوں کے مقابلہ میں نہ ماننے والوں کا ایسا ہی طرز عمل رہا ہے۔ جب کبھی سچائی کی کوئی بات کہی جاتی ہے، تو طلب حق رکھنے والی طبیعتیں اُس اور کسی طرف نہیں جاتیں۔ خود اس بات پر غور کرتی ہیں، اور جب سچائی پا لیتی ہیں تو فوراً قبول کر لیتی ہیں۔ لیکن ایک سرکش اور ہٹ دھرم آدمی کبھی ایسا نہیں کرتا۔ وہ پہلے سے طے کر لیتا ہے کہ کبھی ماننے والا نہیں۔ پھر کوشش کرتا ہے کہ اپنے

سُوۡرَۃُ الۡکَہۡفِ (۱۸)

مکی - ۱۱۰ - آیات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ؕ قَیِّمًا لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا ۱
مِّنۡ لَّدُنۡہُ وَ یُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ۙ مَّاکِثِیۡنَ فِیۡہِ ۲
اَبَدًا ۙ وَّ یُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ٭ مَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ وَّ لَا لِاٰبَآئِہِمۡ ؕ کَبُرَتۡ کَلِمَۃً ۳-۴
تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاہِہِمۡ ؕ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا کَذِبًا ۝ فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ عَلٰۤی اٰثَارِہِمۡ اِنۡ لَّمۡ ۵
یُؤۡمِنُوۡا بِہٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسَفًا ۝ اِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَی الۡاَرۡضِ زِیۡنَۃً لَّہَا لِنَبۡلُوَہُمۡ اَیُّہُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ۝ ۶-۷

ساری ستائشیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے
بندے پر الکتاب اتاری (یعنی قرآن اتارا) اور اس
میں کسی طرح کی بھی کجی نہ رکھی۔ بالکل سیدھی بات! (ہر (کوئی کجی نہ رکھی)
طرح کے پیچ وخم سے پاک!) اور اس لئے اتاری کہ
لوگوں کو خبردار کردے اللہ کی جانب سے ایک سخت ہولناکی ۱
(انپر) آسکتی ہے اور مومنوں کو جو اچھے اچھے کام کرتے
ہیں خوشخبری دیدے کہ یقیناً ان کے لئے بڑی ہی
خوبی کا اجر ہے ہمیشہ اس میں خوش حال رہیں گے! ۲-۳
نیز ان لوگوں کو متنبہ کردے جنہوں نے (ایسی سخت
بات منہ سے نکالی کہ) کہا، اللہ بھی اولاد رکھتا ہے! ۴
اس بارے میں انہیں کوئی علم نہیں نہ ان کے باپ
داداؤں کے پاس کوئی علم تھا۔ کیسی سخت بات ہے جو ان کی زبانوں سے نکلتی ہے! یہ کچھ نہیں کہتے
مگر سرتاسر جھوٹ! ۵
(اے پیغمبر!) تیری حالت تو ایسی ہو رہی ہے کہ جب لوگ یہ (واضح) بات بھی نہ مانیں تو عجب نہیں ان کے
پیچھے مارے افسوس کے اپنی جان ہلاکت میں ڈال دے (حالانکہ یہ ماننے والے نہیں) ۶
روئے زمین میں جو کچھ بھی ہے اسے ہم نے زمین کی خوشنمائی کا موجب بنایا ہے اور اس لئے بنایا ہے
کہ لوگوں کو آزمائش میں ڈالیں کون ایسا ہے جس کے کام سب سے زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔ ۷

(۱) سچائی کے لئے دنیا کی عالمگیر تعبیر یہ ہے کہ وہ سیدھی بات ہے اس میں ٹیڑھ پن نہیں۔
جس بات میں کجی ہو، پیچ وخم ہو، الجھی ہوئی ہو وہ سچائی کی بات نہیں ہو سکتی۔
یہی وجہ ہے کہ قرآن نے سعادت کی راہ کو صراط مستقیم سے تعبیر کیا، اور ہر جگہ وہ اپنا وصف یہ بیان کرتا ہے کہ اس میں کوئی بات بھی کجی کی بات نہیں ہے وہ اپنی ہر بات میں دنیا کی زیادہ سے زیادہ سیدھی بات ہے!
چنانچہ اس سورت کی ابتدا میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔
اس کے بعد اس کے نزول کا مقصد واضح کیا کہ "تبشیر" اور "تنذیر" ہے۔ کیونکہ ہدایت وحی جب کبھی ظاہر ہوئی ہے، اسی لئے ظاہر ہوئی ہے کہ ایمان و عمل کے نتائج کی بشارت دے۔ انکار و بدعملی کے نتائج سے متنبہ کر دے۔

ساری لڑائی لفظ کی لڑائی ہے معنی کی لڑائی نہیں ہے مولانا روم نے چار دوستوں کی نزاع کا قصہ سنایا ہے جن میں سے ہر شخص انگور کا خواہشمند تھا، لیکن چونکہ ایک آدمی "عنب" کہتا تھا، دوسرا "تاک" اس لئے تلواریں نیام سے نکل آئی تھیں۔

اگر دنیا صرف اتنی بات پائے تو نوع انسانی کے دو تہائی اختلافات جنہوں نے دائمی نزاعوں اور جنگوں کی صورت اختیار کر لی ہے۔ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں۔

اس آیت میں اور اسکی ہم معنی آیات میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے مشرکین عرب "اللہ" کے لفظ سے آشنا تھے، کیونکہ یہ لفظ پروردگار عالم کے لئے بطور اسم ذات کے قدیم سے مستعمل رہا ہے، لیکن دوسرے ناموں سے آشنا نہ تھے جن کا قرآن نے اس کی صفتوں کے لئے اعلان کیا تھا۔ مثلاً "الرحمن" رحمٰن کا [illegible] ~~ماننے تھے کہ اسے اللہ کے لئے بولا جائے~~ پس جب ایسے اسماء سنتے تو متعجب ہوتے، اور طرح طرح کے اعتراضات کرتے۔ قرآن کہتا ہے، تم اسے "اللہ" کہکر پکارو یا "الرحمن" کہہ کر پکارو۔ جس نام سے بھی پکارو، پکار اسی کے لئے ہے اور ناموں کے تعدد سے حقیقت متعدد نہیں ہو جا سکتی۔ اس کا نام ایک ہی نہیں۔ اس کے بہت سے نام ہیں، ~~لیکن جتنے نام ہیں حسن و خوبی کے نام ہیں۔ کیونکہ وہ سرتا سر حسن و کمال اور کبریائی و جلال ہے۔ تم ان ناموں میں سے کوئی نام بھی لو، تمہارا مقصود و مطلوب وہی ہوگا۔~~

عباراتنا شتی وحسنك واحد
وكل الى ذاك الجمال يشيرُ!

ہر قوم نے اپنی زبان میں کوئی خاص نام ٹھہرا لیا ہے۔ اور اُسی سے اُسے پکارتی ہے۔ اور خوش ہوتی ہے۔ یہودیوں نے "یہوواہ" کے نام سے اُسے پہچانا۔ ایرانیوں نے اہورا مزدا میں اُسے دیکھا۔ بابلی اور آشوریوں نے "الاھیا" کی صدائیں بلند کیں۔ نام بہت سے ~~اسے پہچانا~~ ہو گئے۔ لیکن حقیقت ایک ہی رہی۔ تم اس کے بے شمار ناموں میں سے کوئی نام بھی لو، تمہاری ندائیں الگ ہوں گی مگر تمہارا منادیٰ ایک ہی ہوگا۔

~~ملنے کا پتہ: شیخ غلام علی، مکتبہ مصطفائی، کشمیری بازار، لاہور~~

لفظ یمن کے مسیحی خدا کے لئے بولا کرتے تھے۔ عام طور پر عرب میں مستعمل نہ تھا۔ یمن سے جو آثار نکلے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا کے لئے "الرحمان" کا نام وہاں بولا جاتا تھا۔ مسیحیت آئی تو وہ خدا کیلئے رحمت و محبت کا تصور اپنے ساتھ لائی۔ اس لئے یہ بات قدرتی معلوم ہوتی ہے۔ کہ یمن کے عیسائیوں نے خدا کیلئے "الرحمان" کا نام اختیار کر لیا ہو۔ عرب کے دوسرے حصے کے باشندے اس نام سے آشنا نہ تھے۔ اور اگر آشنا ہوئے بھی تھے تو اسے عیسائیوں کا خدا سمجھتے تھے۔ قرآن نے جب یہ نام بار بار استعمال کیا بلکہ خصوصیت کے ساتھ اس پر زور دیا۔ تو قریش مکہ پر یہ بات بہت ہی شاق گزری۔ وہ کہنے لگے کہ یہ رحمان کیا ہوتا ہے! ہم اس نام کا خدا نہیں جانتے۔ چنانچہ دوسری جگہ بجلسہ ان کا قول نقل کیا ہے کہ قالوا ما الرحمٰن؟ ہمارے مفسروں کو چونکہ یمن کے عیسائیوں کا حال معلوم نہ تھا، اس لئے اس آیت کی تفسیر میں طرح طرح کی توجیہیں کرنی پڑیں۔ لیکن اس صورت حال کو پیش نظر رکھنے کے بعد وہ تمام توجیہیں غیر ضروری ہو جاتی ہیں۔

مزید تشریح لفظ "الرحمان" و آثار یمن

عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ۭ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ
اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝ وَتَرَى ۱۶
الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ
هُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ
وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ڰ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ڰ ۱۷
وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۭ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا

لیے کوئی روشن دلیل پیش نہیں کرتے؟ (ان کے پاس تو کوئی دلیل نہیں) پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو
سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ کہہ کر بہتان باندھے؟ ۱۵

(پھر وہ آپس میں کہنے لگے کہ) جب ہم نے ان لوگوں سے اور ان سے جنہیں یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کنارہ
کشی کرلی تو چاہیئے کہ غار میں چل کر پناہ لیں۔ ہمارا پروردگار اپنی رحمت کا سایہ ہم پر پھیلائے گا، اور ہمارے
اس معاملہ کے لئے (سارے) سروسامان مہیا کردے گا؟ ۱۶

اور وہ جس غار میں جاکر بیٹھے وہ اس طرح واقع ہوئی
ہے کہ جب سورج نکلے تو تم دیکھو کہ ان کے داہنے جانب
سے ہٹا ہوا رہتا ہے اور جب ڈوبے تو بائیں طرف کترا
کر نکل جاتا ہے (یعنی کسی حال میں بھی اسکی شعاعیں
اندر نہیں پہنچتیں) اور وہ اس کے اندر ایک کشادہ جگہ
میں پڑے ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے
(کہ انہوں نے حق کی خاطر دنیا اور دنیا کے سارے علاقے
چھوڑ دیے) جس کسی پر وہ (کامیابی کی) راہ کھول دے
تو وہی راہ پر ہے اور جس پر گم کردے تو تم کسی کو اس کا
کارساز اس کا راہ دکھانے والا نہ پاؤ گے : ۱۷

اور تم انہیں دیکھو تو خیال کرو کہ یہ جاگ رہے ہیں (یعنی زندہ
ہیں) حالانکہ وہ سو رہے ہیں (یعنی مردہ ہیں) ہم انہیں داہنے
بائیں پلٹتے رہتے ہیں (یعنی انکے رخ پلٹتے رہتے ہیں) اور ان
کا کتا چوکھٹ کی جگہ اپنے دونوں بازو پھیلائے بیٹھا ہے۔ اگر تم انہیں جھانک کر دیکھو تو الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہو

(۳۲) آیت (۹) سے اصحاب کہف کی سرگزشت شروع ہوئی۔
اس کی تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی۔
فرمایا یہ چند نوجوان تھے جنہوں نے اللہ کی رحمت پر بھروسہ
کیا تھا اور ایک پہاڑ کے غار میں جا چھپے تھے۔ کئی برسوں تک یہ
اس میں پوشیدہ رہے آبادی سے ان کا کوئی علاقہ نہیں رہا۔
زندگی کی کوئی صدا ان کے کانوں تک نہیں پہنچتی تھی۔ پھر وہ
اٹھائے گئے یعنی ظاہر ہوئے اور یہ سارا معاملہ اس لئے ہوا کہ
واضح ہوجائے، دونوں جماعتوں میں سے کونسی جماعت ایسی تھی
جو وقت کے واقعات اور ان کے نتائج کا بہتر اندازہ کرسکتی تھی
دو جماعتوں سے مقصود اصحاب کہف اور ان کی قوم
ملک کے لوگ ہیں۔
یہ گویا اس تمام معاملہ کا مجمل ہے، اس کے بعد اسکی ضروری تفصیلات
آتی ہیں چنانچہ آیت (۱۳) میں فرمایا نحن نقص علیک نبأہم
بالحق۔
(۱) ایک گمراہ اور ظالم قوم سے چند حق پرست نوجوانوں کا کنارہ
کشی کرنا اور ایک پہاڑ کے غار میں جاکر پوشیدہ ہوجانا۔ ان کی قوم
چاہتی تھی انہیں سنگسار کردے یا جبراً اپنے دین میں واپس لے آئے
انہوں نے دنیا چھوڑ دی مگر حق سے منہ نہ موڑا۔

وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا ۝ أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا ۸
عَجَبًا ۝ إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا ۹ - ۱۰
رَشَدًا ۝ فَضَرَبْنَا عَلَىٰ آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ۝ ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ ۱۱
لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا ۝ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُمْ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ ع ۲ ۱۲ ۱۳
هُدًى ۝ وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَدْعُوَ مِنْ
دُونِهِ إِلَٰهًا ۖ لَقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا ۝ هَٰؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً ۖ لَوْلَا يَأْتُونَ ۱۴

(۲) یہ سورت بھی مکی عہد کی آخری سورتوں میں سے ہے یہ وہ وقت
۸ تھا کہ منکروں کی سرکشی انتہائی حد تک پہنچ چکی تھی، اور پیغمبر اسلام کا قلب
مبارک لوگوں کی شقاوت و محرومی کے غم سے بڑا ہی دلگیر ہو رہا
تھا، ان کے جوش دعوت و اصلاح کا یہ حال تھا کہ چاہتے تھے ہدایت
۹ گھونٹ بنا کر پلا دوں، اور منکروں کا یہ حال تھا کہ سیدھی سے سیدھی
بات بھی ان کے دلوں کو تیر بن کر لگتی۔
انبیاء کرام ہدایت و اصلاح کے صرف طالب ہی نہیں ہوتے
عاشق صادق ہوتے ہیں انسان کی گمراہی ان کے دلوں کا ناسور ہوتی ہے
۱۰ اور انسان کی ہدایت کا جوش ان کے دل کے ایک ایک ریشہ کا
عشق اس سے بڑھ کر ان کے لئے کوئی تسکین نہیں ہو سکتی کہ ایک
انسان سچائی سے سرشار ہو، اس سے بڑھ کر ان کے لئے کوئی
۱۱ شادمانی نہیں ہو سکتی کہ ایک گمراہ قدم راہ راست پر آ جائے:
قرآن میں اس صورت حال کی جا بجا شہادتیں ملتی ہیں
یہاں آیت (۶) میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان کی یہ گمراہی
۱۲ عجب نہیں تجھے شدت غم سے بے حال کر دے، لیکن جو گمراہی میں ڈوب
چکے ہیں وہ کبھی ابھرنے والے نہیں پھر اس کے بعد آیت (۷) میں واضح
کیا ہے کہ قانون الٰہی اس بارے میں ایسا ہی واقع ہوا ہے، یہ دنیا
آزمائش گاہ عمل ہے یہاں جو چیز کارآمد نہیں ہوتی چھانٹ دی
جاتی ہے پس جن لوگوں نے اپنی ہستی خراب کر دی ہے ضروری ہے کہ وہ
۱۳ چھانٹ دیئے جائیں۔ ان کی محرومی پر غم کرنا لاحاصل ہے۔

اور پھر ہم ہی ہیں کہ جو کچھ زمین پر ہے اسے (نابود
کر کے) چٹیل میدان بنا دیتے ہیں۔
(اے پیغمبر) کیا تو خیال کرتا ہے کہ غار اور رقیم والے
ہماری نشانیوں میں سے کوئی عجیب نشانی تھے؟
جب ایسا ہوا تھا کہ چند جوان غار میں جا بیٹھے تھے
اور انہوں نے دعا کی تھی "پروردگار! تیرے حضور سے ہم پر رحمت
ہو اور تو ہمارے اس کام کے لئے کامیابی کا سامان مہیا کر
دے"! پس غار میں کئی برسوں تک ہم نے ان کے کان (دنیا
کی طرف سے) بند کر رکھے پھر انہیں اٹھا کھڑا کیا تاکہ
واضح ہو جائے دونوں جماعتوں میں سے کون، جو گزری ہوئی
مدت کا زیادہ بہتر طریقہ پر احاطہ کر سکتا ہے۔
(اے پیغمبر) ہم ان لوگوں کی خبر ٹھیک ٹھیک تیرے
آگے بیان کر دیتے ہیں، وہ چند نوجوان تھے کہ اپنے
پروردگار پر ایمان لائے تھے، ہم نے انہیں سیدھا راست
میں زیادہ مضبوط کر دیا۔ اور ان کے دلوں کی رہبر
استقامت میں) بندش کر دی۔ وہ جب (راہ حق میں) کھڑے ہوئے تو انہوں نے (صاف صاف) کہہ دیا۔
"ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے۔ ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو پکارنے والے
۱۴ نہیں۔ اگر ہم ایسا کریں، تو یہ بڑی ہی بے جا بات ہو گی"۔
یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جو اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کو پکڑے بیٹھے ہیں وہ اگر معبود ہیں تو کیوں اس کے

الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا ۝ سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ ۲۱
خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۖ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا
يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۗ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا ۝ وَلَا تَقُولَنَّ ۲۲ ع ۱۵
لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ۝ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَىٰ أَن يَهْدِيَنِ رَبِّي ۲۳
لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا رَشَدًا ۝ وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ۝ قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا ۲۴ - ۲۵

کہ معاملات پر غالب آ گئے تھے، کہا ٹھیک ہے، ہم ضرور
ان کے مرقد پر ایک عبادت گاہ بنائیں گے" ۲۱
کچھ لوگ کہیں گے، غار والے تین آدمی تھے۔
چوتھا ان کا کتا تھا۔ کچھ لوگ ایسا بھی کہتے ہیں نہیں پانچ
تھے، چھٹا ان کا کتا تھا۔ یہ سب اندھیرے میں تیر چلاتے
ہیں بعض کہتے ہیں، سات تھے آٹھواں ان کا کتا۔ (اے
پیغمبر!) کہہ دے "ان کی اصل گنتی تو میرا پروردگار ہی بہتر
جانتا ہے کیونکہ ان کا حال بہت کم لوگوں کے علم میں
آیا ہے" (اور جب صورت حال یہ ہے) تو لوگوں سے
اس بارے میں بحث و نزاع نہ کر۔ مگر صرف اس حد
تک کہ صاف صاف بات میں ہو (یعنی باریکیوں میں
نہیں پڑنا چاہئے کہ کتنے آدمی تھے یا کتنے دنوں تک رہے تھے) اور نہ ان لوگوں میں سے کسی سے اس
بارے میں کچھ دریافت کر۔ ۲۲
اور کوئی بات ہو، مگر کبھی ایسا نہ کہو "میں کل اسے ضرور کر کے رہوں گا" الا یہ کہ سمجھ لو ہوگا وہی جو اللہ
چاہے گا، اور جب کبھی بھول جاؤ تو اپنے پروردگار ۲۳
کی یاد تازہ کر لو نیز کہو "امید ہے میرا پروردگار اس سے
بھی زیادہ کامیابی کی راہ مجھ پر کھول دے گا!" ۲۴
اور (کہتے ہیں) وہ غار میں تین سو برس تک رہے،
اور لوگوں نے نو برس اور بڑھا دیے ہیں (اے پیغمبر!) ۲۵
تو کہہ دے اللہ ہی بہتر جانتا ہے وہ کتنی مدت تک رہے،

پانچ تھے بعض کہتے ہیں سات تھے۔ مگر یہ سب اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم ہے، اور غور کرنے کی یہ بات نہیں ہے کہ ان کی تعداد کتنی تھی؟ دیکھنا چاہئے کہ ان کی حق پرستی کا کیا حال تھا؟

آیت (۲۲) میں فرمایا جو کھلی ہوئی اور پکی بات ہے وہ تذکیر و عبرت کے لئے کفایت کرتی ہے۔ اس سے زیادہ کاوش میں نہ پڑو، اور نہ بحث و نزاع کرو۔ اور نہ کبھی کسی ایسی بات کے لئے جس کا علم اللہ ہی کو ہے، زور دے کر کہو کہ میں ضرور ایسا کر کے رہوں گا۔ یہ اللہ کے ہاتھ ہے کہ جتنی باتیں چاہے، وحی کے ذریعے بتلا دے غیبی امور میں انسان کی کاوشیں کچھ کام نہیں دے سکتیں۔

(۱) آیت (۲۴) میں اس طرف اشارہ ہے کہ عنقریب ایسا ہی معاملہ تمہیں پیش آنے والا ہے یعنی اپنی قوم سے راہ حق میں کنارہ کشی کرو گے اور غار ثور میں کئی دن تک مقیم رہو گے۔ پھر تم پر فتح و کامرانی کی ایسی راہ کھول دی جائے گی جو اس معاملہ سے بھی کہیں عظیم تر ہو گی۔

(۴) آیت ۲۷ میں فرمایا اللہ کی کتاب کی تلاوت میں مشغول رہو۔ کلمات وحی نے جن باتوں کا اعلان کیا ہے انہیں کوئی بدل نہیں سکتا۔ اور انقلاب حال کا وقت اب دور نہیں ہے۔

جو ماننے والے نہیں، ان کی فکر نہ کرو، جو ایمان لائے ہیں اور شب و روز اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں وہی تمہارے لئے بہت ہیں۔ انہی میں جی لگاو۔ یہی دعوت حق کے چند بیج ہیں جو عنقریب ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر لیں گے

وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۝ وَكَذَٰلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ
قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوا أَحَدَكُم بِوَرِقِكُمْ هَٰذِهِ
إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنظُرْ أَيُّهَا أَزْكَىٰ طَعَامًا فَلْيَأْتِكُم بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ
١٩ أَحَدًا ۝ إِنَّهُمْ إِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَلَن تُفْلِحُوا إِذًا أَبَدًا ۝
وَكَذَٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا إِذْ يَتَنَازَعُونَ
بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ ۖ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِم بُنْيَانًا ۖ رَّبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ ۚ قَالَ

نصف القرآن

۱۸ تم پر (ان کے منظر سے) دہشت چھا جائے!

اور (دیکھو) اسی طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے انہیں پھر اٹھا کھڑا کیا۔ تاکہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا "ہم یہاں کتنی دیر تک رہے ہونگے؟" سب نے کہا "ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ" پھر (جب ٹھیک ٹھیک مدت معلوم نہ کر سکے تو) بولے "ہمارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کتنی دیر تک یہاں پڑے رہے ہیں اچھا ایک آدمی کو یہ سکّے[ا] دے کر شہر میں بھیجو۔ جا کر دیکھے کس کے یہاں اچھا کھانا ملتا ہے،

(ب) وہ جب غار میں اٹھے تو اس کا اندازہ نہ کر سکے کہ کتنے عرصہ تک یہاں رہے ہیں انہوں نے اپنا ایک آدمی شہر میں کھانا لانے کے لئے بھیجا، اور کوشش کی کہ کسی کو خبر نہ ہو، لیکن حکمت الٰہی کا فیصلہ دوسرا تھا۔ خبر ہوگئی۔ اور یہ معاملہ لوگوں کے لئے تذکیر و عبرت کا موجب ہوا۔

۱۹ اور جہاں کہیں سے ملے تھوڑی بہت غذا لے آئے اور ہاں چپکے سے لائے کسی کو ہماری خبر نہ ہونے پائے۔
اگر لوگوں نے خبر پالی، تو وہ چھوڑنے والے نہیں۔ یا تو سنگسار کریں گے، یا مجبور کریں گے کہ پھر ان کے دین میں واپس
۲۰ چلے جائیں، اگر ایسا ہوا تو پھر کبھی تم فلاح نہ پا سکو گے"۔

اور (پھر دیکھو) اسی طرح یہ بات بھی ہوئی کہ ہم نے لوگوں کو ان کے حال سے واقف کر دیا۔ (ان کی بات پوشیدہ نہ رہ سکی) اور اس لئے واقف کر دیا کہ لوگ جان لیں، اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں!

اسی وقت کی بات ہے کہ لوگ آپس میں بحث کرنے لگے، ان لوگوں کے معاملہ میں کیا کیا جائے؟ لوگوں نے کہا "اس غار پر ایک عمارت بنا دو (کہ یادگار رہے) اس سے زیادہ اس معاملہ کے پیچھے نہ پڑو، ان پر جو کچھ گزری، ان کا پروردگار ہی اسے بہتر جانتا ہے" تب ان لوگوں نے

(ج) جس قوم کے ظلم سے عاجز ہو کر انہوں نے غار میں پناہ لی تھی، وہی ان کی اس درجہ معتقد ہوئی کہ ان کے مرقد پر ایک ہیکل تعمیر کیا گیا۔
(د) اس واقعہ کی تفصیلات لوگوں کو معلوم نہیں۔ طرح طرح کی باتیں مشہور ہوگئی ہیں بعض کہتے ہیں۔ وہ تین آدمی تھے بعض کہتے ہیں،

لہ قرآن میں "ورق" کا لفظ ہے "ورق" چاندی کے ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ خواہ مسکوک ہو خواہ مسکوک نہ ہو لیکن قرینہ کہہ رہا ہے کہ مقصود سکہ تھا، اس لئے ہم نے ترجمہ میں یہی لفظ اختیار کیا۔

مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى
۳۱ ع ۱۹ الْاَرَآئِكِ ۭ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ
۳۲ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا
۳۳-۳۴ خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝
۳۵ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ
۳۶ قَاۗىِٕمَةً ۙ وَّلَىِٕنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝

کی طرح) سونے کے کنگن پہنے ہوئے، سبز ریشم کے باریک اور
دبیز کپڑوں سے آراستہ مسندوں پر تکیہ لگائے، بیٹھے ہونگے
۳۱ تو کیا ہی اچھا ان کا ثواب ہوا، اور کیا ہی اچھی انہوں نے جگہ پائی۔
اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کو ایک مثال سنا دو۔ دو
آدمی تھے۔ ان میں سے ایک کے لئے ہم نے انگور کے دو
باغ مہیا کر دیئے اگرداگرد کھجور کے درختوں کا احاطہ
۳۲ تھا۔ بیچ کی زمین میں کھیتی تھی۔ بس ایسا ہوا کہ دونوں
باغ پھلوں سے لد گئے۔ پیداوار میں کسی طرح کی بھی کمی
نہ ہوئی۔ ہم نے ان کے درمیانی (آب پاشی کے لئے) ایک
۳۳ نہر جاری کر دی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آدمی دولت مند ہو گیا
تب ایک دن (گھمنڈ میں آ کر) اپنے دوست سے (جسے
یہ خوشحالیاں میسر نہ تھیں) باتیں کرتے کرتے بول اٹھا "دیکھو
میں تم سے زیادہ مالدار ہوں اور میرا جتھا بھی بڑا طاقتور
۳۴ جتھا ہے"۔
پھر وہ (یہ باتیں کرتے ہوئے) اپنے باغ میں گیا، اور
وہ اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر رہا تھا۔ اس نے کہا
میں نہیں سمجھتا کہ ایسا شاداب باغ کبھی ویران ہو سکتا ہے
۳۵ مجھے توقع نہیں کہ (قیامت کی) گھڑی برپا ہو۔ اور اگر ایسا
۳۶ ہوا بھی کہ میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا گیا تو (جیسے یہاں کیا ٹھکانا ہے) مجھے ضرور (وہاں بھی) اس سے بہتر ٹھکانا ملے گا"۔

(۵) پہلے فرمایا تھا جس کا جی چاہے مانے جس کا جی چاہے نہ مانے جو نہ مانیں گے انہیں اپنی بدعملیوں کا نتیجہ بھگتنا ہے جو مانیں گے ان کے لئے ان کی نیک عملیوں کا اجر ہے۔ پھر اخروی عذاب و ثواب کا نقشہ کھینچا تھا کہ منکروں کے لئے آگ کی جلن ہوگی مومنوں کے لئے ہمیشگی کے باغ۔ اب یہ حقیقت واضح کی ہے کہ آخرت کی طرح دنیا میں بھی منکرین دعوت کو محرومیاں ملنے والی ہیں وہ اپنی موجودہ خوشحالیوں پر مغرور نہ ہوں اور نہ مومن اپنی موجودہ بے سروسامانیاں دیکھ کر دل تنگ ہو جائیں۔ دنیا کی خوش حالیوں کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ وہ جب ٹلنے پر آتی ہے تو لمحوں میں مٹ جاتی ہیں اور انسان کی کوئی سعی و تدبیر انہیں بچا نہیں سکتی۔

چنانچہ اس حقیقت کے لئے ایک مثال بیان کی۔ فرض کرو، دو آدمی تھے ایک کو سب کچھ میسر تھا دوسرے کو کچھ میسر نہ تھا۔ پہلا گھمنڈ میں آ کر دوسرے کو حقیر سمجھتا۔ اور کہتا میں تم سے زیادہ خوشحال ہوں اور میری خوش حالی کبھی بگڑنے والی نہیں۔ دوسرا اسے سمجھاتا کہ ان خوشحالیوں پر مغرور نہ ہو کون جانتا ہے پل کے پل میں کیا سے کیا ہو جائے چنانچہ ایک دن کیا ہوا کہ اس کے سارے باغ جن کی شادابیوں پر اسے ناز تھا، اچانک اجڑ گئے، اور وہ اپنی نامرادیوں پر کف افسوس ملتا رہ گیا۔

اس مثال میں خوشحال آدمی سے مقصود روسائے مکہ ہیں، اور دوسرے آدمی سے مقصود مومنوں کی جماعت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خوشحالیوں کے لئے باغوں کا تصور پیدا کیا گیا۔ عرب میں اس سے بڑھ کر تمول و خوش حالی کی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی کہ شام کے تاکستانوں کی طرح باغ ہوں گرداگرد کھجور کے درختوں کا احاطہ وسط میں قدرتی نہر، نہر کے دونوں طرف لہلہاتی ہوئی کھیتیاں۔

لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ
۲۶ ۲۷ اَحَدًا ۝ وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝
وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ
عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ
۲۸ فُرُطًا ۝ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا
اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَ
۲۹ ۳۰ سَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۝ اُولٰٓئِكَ
لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا

آیت (۳۰) میں مزید تشریح کی۔ فرمایا، آخری اعلان کر دو کہ خدا کی سچائی رب کے سامنے آ گئی اب جس کا جی چاہے مانے، جس کا جی چاہے نہ مانے جو مانیں گے ان کے لئے ان کا اجر ہوگا۔ جو نہیں مانیں گے ان کے لئے ان کا عذاب:

۲۶ وہ آسمان و زمین کی ساری پوشیدہ باتیں جاننے والا ہے، بڑا ہی دیکھنے والا، بڑا ہی سننے والا! اس کے سوا لوگوں کا کوئی کارساز نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے!

اور (اے پیغمبر!) تیرے پروردگار کی کتاب جو تجھ پر وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت میں لگا رہ۔ اللہ کی باتیں
۲۷ کوئی بدل نہیں سکتا، اور تجھے اس کے سوا کوئی پناہ کا سہارا ملنے والا نہیں!

اور جو لوگ صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں اور اس کی محبت میں سرشار ہیں تو انہی کی صحبت
پر اپنے جی کو قانع کر لو۔ ان کی طرف سے کبھی تمہاری نگاہ نہ پھرے کہ دنیوی زندگی کی رونقیں ڈھونڈنے لگو
جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا (یعنی ہمارے ٹھہرائے ہوئے قانون نتائج کے مطابق جس کا دل غافل
۲۸ ہو گیا) اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑ گیا، تو ایسے آدمی کی باتوں پر کان نہ دھرو۔ اس کا معاملہ حد سے گزر گیا

اور کہہ دو "یہ سچائی تمہارے پروردگار کی جانب سے ہے اب جو چاہے مانے، جو چاہے نہ مانے" ہم نے
ظالموں کے لئے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی چادریں چاروں طرف سے انہیں گھیر لینگی۔ وہ (پانی کے لئے)
فریاد کرینگے تو ان کی فریاد کے جواب میں ایسا پانی ملے گا جیسے پگھلا ہوا سیسہ ہو، وہ ان کے منہ (گرمی سے)
۲۹ پکا دے گا۔ تو دیکھو پینے کی کیا ہی بُری چیز انہیں ملی، اور بیٹھنے کی کیا ہی بُری جگہ!

مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے، تو ان کے لئے کوئی اندیشہ نہیں) جس نے اچھے کام کئے
۳۰ ہوں ہم کبھی اس کا اجر ضائع نہیں کرتے:

یہ لوگ ہیں، جن کے لئے ہمیشگی کے باغ ہونگے۔ اور باغوں کے تلے نہریں بہہ رہی ہونگی یہ بادشاہی

بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ اَلْمَالُ ۴۵
وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝ وَيَوْمَ ۴۶
نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ ۴۷
صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝ وَوُضِعَ ۴۸
الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ

گوشہ گوشہ بہشت زار ہو جاتا ہے جس طرف نگاہ اٹھاؤ، پھولوں کا حسن و جمال ہے یا دانوں اور پھلوں کا فیضان و نوال! لیکن پھر اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ وہی کھیت جس کا ایک ایک درخت زندگی کا سرمایہ اور بخشش والوں کا کارخانہ تھا، اچانک کس عالم میں نظر آنے لگتے ہیں؟ ھشیمًا تذروہ الریاح! بھوسے کے ڈھیر جنہیں ہوا کے جھونکے اڑا کے منتشر کر دیتے ہیں! نہ کوئی انہیں بچانا چاہتا ہے نہ وہ کسی مصرف کے ہوتے ہیں۔ بہت کام دینگے۔ تو چولھے میں جلنے کے لئے ڈال دیئے جائیں گے۔

انسان کی دنیوی زندگی اور اسکی جدوجہد کی یہ کیسی جامع مثال ہے! جس پہلو سے بھی دیکھو گے اس سے بہتر مثال نہیں ملے گی:

(ا) دنیوی زندگی کی دلفریبیاں جب نکھرتی ہیں۔ تو ٹھیک ٹھیک ان کا ایسا ہی حال ہوتا ہے۔

(ب) لیکن عارضی ہوتی ہیں پائدار نہیں۔ قدرت نے جو وقت مقرر کر رکھا ہے، جونہی وہ پورا ہوا، پھر کچھ بھی باقی نہیں رہنا۔

(ج) زمین ایک ہے، پانی بھی ایک ہی طرح کا ہے، روئیدگی بھی ایک ہی طرح پر ہوتی ہے، مگر پھل یکساں نہیں یہی حال دنیوی زندگی کا ہے، زندگی ایک طرح کی ہے۔ مگر ہر زندگی کا پھل یکساں نہیں فطرت کی بخشش سب کی یکساں طور پر رکھوالی کرتی ہے مگر سب ایک طرح کا پھل نہیں لاتے۔ کوئی اچھا ہوتا ہے کوئی ناقص کوئی بالکل نکما!

(د) عذاب و ثواب اور سعادت و محرومی کا مسئلہ بھی حل ہو گیا تم زمین میں کاشت کرتے ہو لیکن کیوں کرتے ہو؟ دانے اور پھل کے لئے۔ پتوں اور شاخوں کے لئے نہیں جب فصل پکتی ہے تو دانے لے لیتے ہو جس میں تمہارے لئے نفع ہے۔ باقی سب کچھ چھانٹ دیتے ہو جس میں نفع نہیں۔ یہی حال دنیوی زندگی کا بھی ہے۔ فطرت نے وجود انسانی کی کاشت کی ہے، اور اس لئے کی ہے کہ ایکم احسن عملاً۔ کون درخت ہے جو اچھے عمل کا پھل لاتا ہے پس وہ پھل لے لیتی ہے باقی

پھول) پھر (کیا ہوا؟ یہ کہ) سب کچھ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا۔ ہوا کے جھونکے اسے اڑا کے منتشر کر رہے ہیں! اور کونسی بات ہے جس کے کرنے پر اللہ قادر نہیں؟

۴۶ مال و دولت اور آل اولاد دنیوی زندگی کی دلفریبیاں ہیں (مگر چند روزہ ناپائدار) اور جو نیکیاں باقی رہنے والی ہیں تو وہی تمہارے پروردگار کے نزدیک باعتبار ثواب کے بہتر ہیں، اور وہی ہیں جن کے نتائج سے بہتر امید رکھی جا سکتی ہے۔

۴۷ اور (دیکھو وہ آنے والا) دن جب ہم پہاڑوں کو چلا دینگے، اور زمین کو تم دیکھو گے کہ اپنی اصلی حالت میں ابھر آئی ہے، اور (اس وقت) ہم تمام انسانوں کو (اپنے حضور) اکٹھا کر دینگے کوئی نہ ہوگا جسے چھوڑ دیا ہو؟

۴۸ اور ان کی صفیں (ایک کے بعد ایک) تمہارے پروردگار کے سامنے پیش ہونگی (تب ان سے کہا جائے گا) جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا، اسی طرح تمہیں آج ہمارے سامنے حاضر ہونا پڑا۔ مگر تم نے خیال کیا تھا، ہم نے تمہارے لئے اس کا کوئی وقت نہیں ٹھہرایا ہے!

اور (اس وقت) نوشتے لائے جائیں گے۔ تو تم دیکھو گے جو کچھ ان میں لکھا ہے اس سے مجرم ہراساں ہو رہے ہیں

۳۷ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ
۳۸ رَجُلًا ۝ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا
۳۹ قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ
۴۰ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ
۴۱ لَهٗ طَلَبًا ۝ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ
۴۲-۴۳ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ
ع ۴۴ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ

یہ سن کر اس کے دوست نے کہا، اور ہم گفتگو کا سلسلہ جاری تھا "کیا تم اس ہستی کا انکار کرتے ہو جس نے تمہیں
۳۷ پہلے مٹی سے اور پھر نطفہ سے پیدا کیا، اور پھر آدمی بنا کر نمودار کر دیا؟ لیکن میں تو یقین رکھتا ہوں کہ وہی اللہ میرا
۳۸ پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اور پھر جب تم اپنے باغ میں آئے (اور
اس کی شادابیاں دیکھیں) تو کیوں تم نے یہ نہ کہا کہ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ اس کی مدد بغیر کوئی کچھ
۳۹ نہیں کر سکتا؟ اور یہ جو تمہیں دکھائی دے رہا ہے کہ میں تم سے مال اور اولاد کمتر رکھتا ہوں (تو اس پر مغرور نہ ہو)
کیا عجب ہے میرا پروردگار تمہارے اس باغ سے بھی بہتر (باغ) مجھے دیدے اور تمہارے باغ پر آسمان سے
۴۰ کوئی ایسی اندازہ کی ہوئی بات اتار دے کہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے یا پھر (بربادی کی کوئی اور ناگہانی صورت
۴۱ نکل آئے۔ مثلاً) اس کی نہر کا پانی بالکل نیچے اتر جائے اور تم کسی طرح بھی اس تک پہنچ سکو"۔
اور پھر (دیکھو) ایسا ہی ہوا کہ اس کی دولت (بربادی کے) گھیرے میں آگئی۔ وہ ہاتھ مل مل کر افسوس
کرنے لگا۔ کہ ان باغوں کی درستگی پر میں نے کیا کچھ خرچ کیا تھا (وہ سب برباد ہو گیا) اور باغوں کا یہ حال ہوا
کہ ٹٹیاں گر کے زمین کے برابر ہو گئیں۔ اب وہ کہتا ہے اے کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ
۴۲ کرتا! اور دیکھو کوئی جتھا نہ ہوا کہ اللہ کے سوا اس کی مدد کرتا، اور نہ خود اس نے یہ طاقت پائی کہ بربادی سے جیت سکتا!
یہاں سے معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت سارا اختیار اللہ ہی کے لئے ہے وہی ہے جو بہتر ثواب دینے والا ہے
۴۳ اور اسی کے ہاتھ بہتر انجام ہے!

اور (اے پیغمبر!) انہیں دنیا کی زندگی کی مثال سنا دو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے (زمین کی روئیدگی کا معاملہ) آسمان سے ہم نے پانی برسایا، اور زمین کی روئیدگی اس سے مل جل کر ابھر آئی (اور خوب پھلی

(۶) پھر جو کچھ بھی ہو دنیا کی یہ خوش حالیاں ہیں کیا؟ محض چار گھڑی کی دھوپ! اس سے زیادہ انہیں قرار نہیں اس سے زیادہ ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں!

دنیوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے زمین کی روئیدگی۔ آسمان سے پانی برستا ہے اور طرح طرح کی سبزیوں اور لالیوں سے زمین کا

٥٤ وَكَانَ الْإِنسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَن يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا
٥٥ رَبَّهُمْ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ
٥٦ وَمُنذِرِينَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ ۖ وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَمَا أُنذِرُوا هُزُوًا
وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ۚ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً
٥٧ أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِن تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَن يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ۝ وَرَبُّكَ الْغَفُورُ
ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُم بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَل لَّهُم مَّوْعِدٌ لَّن يَجِدُوا

اور جب لوگوں کے سامنے ہدایت آگئی تو ایمان
لانے اور طلب گارِ مغفرت ہونے سے انہیں کونسی بات روک
سکتی ہے؟ مگر یہی کہ اگلی قوموں کا سا معاملہ انہیں
٥٥ بھی پیش آجائے، یا ہمارا عذاب سامنے آکھڑا ہو!
اور ہم تو پیغمبروں کو صرف اس لئے بھیجتے ہیں کہ
(ایمان و عمل کی کامرانیوں کی) بشارت دیں اور (انکار
و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کردیں، مگر جنہوں نے کفر کی
راہ اختیار کی ہے وہ جھوٹی باتوں کی آڑ پکڑ کے جھگڑنے
لگتے ہیں کہ اس طرح سچائی کو متزلزل کردیں، انہوں نے
ہماری نشانیوں کو اور اس بات کو جس سے انہیں خبردار
٥٦ کیا گیا ہے تمسخر کی بات بنا رکھا ہے!
اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے، جسے
اس کے پروردگار کی آیتیں یاد دلائی جائیں، اور وہ ان سے گردن موڑ لے اور اپنی بدعملیاں بھول
جائے جو پہلے کر چکا ہے؟ بلاشبہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ کوئی بات پا نہیں سکتے اور
کانوں میں گرانی (کہ صدائے حق سن نہیں سکتے) تم انہیں کتنا ہی سیدھی راہ کی طرف بلاؤ، مگر وہ کبھی
٥٧ راہ پانے والے نہیں!
مگر (اے پیغمبر!) تیرا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا ہے، بڑا ہی رحمت والا ہے، اگر وہ ان لوگوں کو ان کے
عمل کی کمائی پر پکڑنا چاہتا تو فوراً عذاب نازل کر دیتا، لیکن ان کے لئے ایک میعاد ٹھہرا دی گئی ہے اس کے سوا کوئی پناہ

(٧١) قرآن کا یہ اسلوب کیوں ہوا کہ ایک ہی مطلب بار بار دہرایا جاتا ہے اور مختلف موقعوں پر اور مختلف شکلوں پر ایک ہی بات لوٹ لوٹ کر آتی ہے؟ ایسا نہ ہوا کہ ہماری علمی کتابوں کی طرح ضبط و ترتیب کے ساتھ تمام مطالبات مدون کردئے جاتے؟

قرآن خود اس بات کو جا بجا آیتوں، مثالوں، اور نصیحتوں کی "تصریف" سے تعبیر کرتا ہے یعنی لوٹا لوٹا کر بیان کرنے سے، چنانچہ یہاں بھی اس طرف اشارہ کیا ہے اور ان مقامات پر غور کرنے سے اس کے اسلوب بیان کی علت واضح ہو جاتی ہے۔

سورہ بنی اسرائیل کی آیت (۴۱) میں گذر چکا ہے ولقد صرفنا فی ھذا القرآن لیذکروا۔ یعنی قرآن میں مطالب کا لوٹ لوٹ کر بیان میں آنا اس لئے ہے کہ تذکیر و موعظت کا ذریعہ ہو۔ پس معلوم ہوا اس اسلوب بیان کی علت تذکیر ہے اس بات پر غور کرو، قرآن کے اسلوب بیان کے سارے بھید کھلنے جائیں گے۔ قرآن کا مقصد تذکیر تھا اور تذکیر کا مقصد اسی طرح حاصل ہو سکتا تھا کہ اسلوب بیان ایک واعظ خطیب کی موعظت کا ہو۔ ایک فلسفی کے درس کا نہ ہو۔

ط یعنی ہم نے ایسا ہی قانون ٹھہرا دیا ہے کہ جو سچائی سے اعراض کرتا ہے اس کے دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ تشریح اس کی پچھلی سورتوں کے نوٹوں میں بار بار گزر چکی ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا
عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ ۴۹ ع
كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ
بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ ۵۰
مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا ۵۱
لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا ۵۲
مَصْرِفًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ ۵۳ ع

جو کچھ بچ جاتا ہے، چھانٹ دیتی ہے تم سوکھی شاخوں اور پتوں کو کیا کرتے ہو؟ چولھے میں جلاتے ہو۔ اس نے بھی ایک چولھا گرم کر رکھا ہے اسی کا نام دوزخ ہے!

وہ بول اٹھیں گے "افسوس ہم پر! یہ کیسا نوشتہ کہ کوئی بات چھوٹی ہوئی نہیں۔ بڑی ہو یا چھوٹی، سب کچھ اس نے ضبط کر لیا ہے!" غرضیکہ جو کچھ انہوں نے (دنیا میں)
کیا تھا، سب اپنے سامنے موجود پائیں گے اور تمہارا پروردگار کسی پر زیادتی نہیں کرتا (جو جس نے کیا ہے ٹھیک
ٹھیک وہی اس کے آگے آئے گا) ۴۹
اور جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا "آدم کے آگے جھک جاؤ" اور سب جھک گئے
تھے، مگر ابلیس نہیں جھکا تھا۔ وہ جن میں سے تھا بس اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا۔ پھر کیا تم مجھے
چھوڑ کر (کہ تمہارا پروردگار ہوں) اسے اور اس کی نسل کو اپنا کارساز بناتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے
دشمن ہیں؟ (دیکھو) ظلم کرنے والوں کے لئے کیا ہی بُری تبدیلی ہوئی! ۵۰
میں نے انہیں اپنے ساتھ شریک نہیں کیا تھا، جب آسمان و زمین کو پیدا کیا، اور نہ اس وقت
وہ شریک ہوئے جب خود انہیں پیدا کیا (اور جب وہ خود مخلوق ہیں تو اپنی خلقت کے وقت کیسے موجود
ہو سکتے تھے؟) میں ایسا نہ تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو بناتا! ۵۱
اور (دیکھو، وہ دن) جب اللہ فرمائے گا "جن ہستیوں کو تم سمجھتے تھے، میرے ساتھ شریک ہیں، اب
انہیں بلاؤ" وہ پکاریں گے، مگر کچھ جواب نہیں پائیں گے ہم نے ان دونوں کے درمیان آڑ کر دی
ہے (ایک دوسرے کی سننے والے نہیں) ۵۲
اور مجرم دیکھیں گے، آگ بھڑک رہی ہے، اور سمجھ جائیں گے اس میں انہیں گرنا ہے، وہ کوئی گریز کی راہ نہ پائیں گے! ۵۳
اور (دیکھو) ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے لئے ہر طرح کی مثالیں لوٹا لوٹا کر بیان
کر دیں، مگر انسان بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے! ۵۴

۶۵ مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ○ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ
۶۶ - ۶۷ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ○ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ○ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ
۶۸ - ۶۹ خُبْرًا ○ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ○ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ
۷۰ ع ۹ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ○ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا قَالَ اَخَرَقْتَهَا
۷۱ - ۷۲ لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ○ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ○ قَالَ لَا
۷۳ تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ○ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ قَالَ

(پھر جب چٹان کے پاس پہنچے) تو انہیں ہمارے
(خاص) بندوں میں سے ایک بندہ مل گیا۔ اس شخص
پر ہم نے خصوصیت کے ساتھ مہربانی کی تھی۔ اسے اپنے
۶۵ پاس سے (براہ راست) ایک علم عطا فرمایا تھا۔
موسیٰ نے اس سے کہا "آپ اجازت دیں تو
۶۶ آپ کے ساتھ رہوں۔ بشرطیکہ جو علم آپ کو اس خوبی کے ساتھ سکھایا گیا ہے اس میں سے مجھے بھی سکھا دیں"
۶۷ اس نے جواب دیا "ہاں اگر تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکو گے۔ جو بات تمہاری سمجھ کے دائرہ سے باہر
۶۸ ہے اسے دیکھو اور صبر کرو، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"
۶۹ موسیٰ نے کہا "اگر خدا نے چاہا، تو آپ مجھے صابر پائیں گے۔ میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں
اس نے کہا "اچھا، اگر تمہیں میرے ساتھ رہنا ہی ہے، تو اس بات کا خیال رکھو کہ جب تک میں خود
۷۰ تم سے کچھ نہ کہوں، تم کسی بات کی نسبت سوال نہ کرنا"۔
پھر ایسا ہوا کہ دونوں سفر میں نکلے۔ یہاں تک کہ سمندر کے کنارے پہنچے اور کشتی میں سوار ہوئے
اب موسیٰ کے ساتھی نے یہ کیا کہ کشتی میں ایک جگہ دراز نکال دی۔ یہ دیکھتے ہی موسیٰ بول اٹھا "آپ نے کشتی
۷۱ میں دراز نکال دی کہ مسافر غرق ہو جائیں؟ آپ نے کیسی خطرناک بات کی!" اس نے کہا "کیا میں نے
۷۲ نہیں کہا تھا تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے؟" موسیٰ نے کہا "بھول ہو گئی۔ اس پر نہ پکڑیئے۔ اگر ایک بات
۷۳ بھول چوک میں ہو جائے تو آپ سخت گیری کیوں کریں؟"

پھر وہ دونوں آگے چلے۔ یہاں تک کہ (ایک بستی کے قریب پہنچے اور) انہیں ایک لڑکا ملا۔ موسیٰ کے ساتھی نے اسے قتل کر ڈالا۔ اس پر موسیٰ بول اٹھا "آپ نے

سرکشوں کے لئے اس وقت کامرانیاں ہیں، مومنوں کے لئے محرومیاں۔ لیکن کیا فی الحقیقت سرکشوں کی کامرانیاں کامرانیاں ہیں، اور مومنوں کی محرومیاں، محرومیاں؟ اس کا تم فیصلہ نہیں کر سکتے۔ جب پردہ اٹھے گا، تو دیکھ لوگے کہ حقیقت حال کیا تھی؟ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے ایک واقعہ بیان کیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیش آیا تھا۔

(۹) حضرت موسیٰ کی ملاقات جس شخص سے ہوئی، اس کی نسبت فرمایا "ہم نے اسے اپنے پاس سے ایک علم عطا فرمایا تھا۔" قرآن جب کبھی کسی ایسی بات کو اس طرح بولتا ہے، تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ بات براہ راست ظہور میں آئی تھی یعنی دنیوی

ع ۸ مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ۝ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝ وَاِذْ قَالَ
۶۰ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا
۶۱ فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ سَرَبًا ۝ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا
۶۲ نَصَبًا ۝ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ
۶۳ ۶۴ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ۝ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ فَوَجَدَا عَبْدًا

۵۸ کی جگہ نہیں پائیں گے (یعنی سب کو بالآخر اس مقررہ میعاد کی جگہ پہنچنا ہے)

اور دیکھو یہ (پرانی) بستیاں ہیں۔ جب ان کے باشندوں نے ظلم کا شیوہ اختیار کیا تو ہم نے انہیں
۵۹ ہلاک کر دیا۔ ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے ایک میعاد ٹھہرا دی تھی۔

اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ موسیٰ نے اپنے
ساتھی خادم سے کہا تھا "میں اپنی کوشش سے باز آنے
والا نہیں جب تک اس جگہ نہ پہنچ جاؤں جہاں دونوں
۶۰ سمندر آملے ہیں میں تو اپنی راہ چلتا ہی رہوں گا"
پھر جب وہ دونوں سمندروں کے ملنے کی جگہ پہنچ
گئے، تو اس مچھلی کا انہیں خیال نہ رہا جو اپنے ساتھ رکھ
لی تھی اس نے سمندر میں جانے کے لئے سرنگ کی طرح
۶۱ ایک راہ نکال لی۔
جب وہ آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے آدمی سے
۶۲ کہا "آج کے سفر نے ہمیں بہت تھکا دیا۔ لاؤ صبح کا
کھانا کھا لیں"۔
اس نے کہا "کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ جب ہم
(سمندر کے کنارے) چٹان کے پاس ٹھہرے تھے، تو مجھے
مچھلی کا کچھ خیال نہیں رہا تھا۔ اس نے عجیب طریقہ پر
سمندر میں جانے کی راہ نکال لی۔ اور یہ شیطان ہی کا کام
۶۳ ہے کہ میں اس کا ذکر کرنا بالکل بھول گیا"۔
۶۴ موسیٰ نے کہا "جو بات ہم چاہتے تھے، وہ یہی ہے" پس وہ اپنے پاؤں کا نشان دیکھتے ہوئے لوٹ گئے۔

(۸) آیت (۵۴) سے (۵۷) تک فرمایا تھا کہ منکرین قرآن کی شقاوت انتہائی حد تک پہنچ چکی ہے۔ طلبِ حق کی جگہ جدل و نزاع اور عبرت پذیری کی جگہ تمسخر و استہزا ان کا شیوہ ہے، ان کی عقلیں ماری گئی ہیں اور حواس معطل ہو چکے ہیں، تم کتنی ہی رہنمائی کرو، راہ پانے والے نہیں!

پھر آیت (۵۸) میں فرمایا منکروں کی ان سرکشیوں کا نتیجہ کیوں اچانک ظہور میں نہیں آجاتا؟ کیوں ان کے لئے خوشحالیاں ہیں اور پیروانِ حق کے لئے درماندگیاں؟ اس لئے کہ تمہارا پروردگار رحمت والا ہے اور یہاں رحمت کا قانون کام کر رہا ہے۔ رحمت کا مقتضا یہی تھا کہ ایک خاص وقت تک سب کو مہلت کار ملے چنانچہ مہلت کی رسی ڈھیلی دے رہی ہے لیکن جونہی ہے مقررہ وقت آ گیا پھر نتائج کا ظہور ٹلنے والا نہیں!

اب آیت ۶۰ میں اسی معاملہ کا ایک دوسرا پہلو واضح کیا ہے اور یہ فی الحقیقت کائناتِ ہستی کے مسائل میں سے ایک نہایت اہم مسئلہ کا حل ہے۔

فرمایا بلاشبہ موجودہ حالت ایسی ہی ہے کہ سرکشوں کے لئے کامرانیاں دکھائی دیتی ہیں، مومنوں کے لئے محرومیاں، لیکن صرف اتنی ہی بات سمجھ کر حقیقتِ حال کا فیصلہ نہ کرو۔ یہاں معاملات کی حقیقت وہی نہیں ہوا کرتی جو بظاہر دکھائی دیا کرتی ہے کتنی ہی اچھائیاں ہیں جو فی الحقیقت برائیاں ہوتی ہیں، اور کتنی ہی برائیاں ہیں جو فی الحقیقت اچھائیاں ہوتی ہیں: تمہاری عقل صرف ظواہر دیکھ کر حکم لگا دیتی ہے مگر نہیں جانتی، ان ظواہر کی تہ میں کیسے بواطن پوشیدہ ہیں +

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۝ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا ۸۰
رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَ ۸۱
كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا
رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِىْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ ۸۲ ع ۱۰/۱۲
عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝ؕ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ ۸۳
شَىْءٍ سَبَبًا ۝ۙ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ ۸۴ ۸۵

۷۹ "تاکہ عیبی دیکھ کر بادشاہ کے آدمی چھوڑ دیں)
"باقی رہا لڑکے کا معاملہ، تو اس کے ماں باپ
۸۰ مومن ہیں۔ ہمیں یہ دیکھ کر ڈر ہوا کہ انہیں سرکشی اور کفر کر کے اذیت پہنچائے گا پس ہم نے چاہا کہ ان کا
۸۱ پروردگار اس لڑکے سے بہتر انہیں لڑکا دے۔ دینداری میں بھی اور محبت کرنے میں بھی"
اور وہ جو دیوار درست کر دی گئی، تو (اس کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے وہ) شہر کے دو یتیم لڑکوں کی ہے
جس کے نیچے ان کا خزانہ گڑا ہوا ہے۔ ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا پس تمہارے پروردگار نے چاہا
دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ محفوظ پا کر نکال لیں۔ (اگر وہ دیوار گر جاتی تو ان کا خزانہ محفوظ
نہ رہتا۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اسے مضبوط کر دیا جائے) یہ ان لڑکوں کے حال پر پروردگار کی ایک مہربانی
تھی جو اس طرح ظہور میں آئی۔ اور یاد رکھو میں نے جو کچھ کیا، اپنے اختیار سے نہیں کیا (اللہ کے حکم سے کیا)

کیونکہ اسی پردہ سے عمل کی ساری آزمائش قائم ہے اور ضروری ہے کہ آزمائش ہوتی رہے۔

۸۲ یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر تم صبر نہ کر سکے"!
اے پیغمبر! تم سے ذوالقرنین کا حال دریافت
کرتے ہیں تم کہہ دو میں اس کا کچھ حال تمہیں (کلام
۸۳ الٰہی میں) پڑھ کر سنا دیتا ہوں۔
ہم نے اسے زمین میں حکمرانی دی تھی نیز اس کے
۸۴ لئے ہر طرح کا ساز و سامان مہیا کر دیا تھا۔
تو (دیکھو) اس نے (پہلے) ایک (مہم کے لئے)
۸۵ ساز و سامان کیا، (اور پچھم کی طرف نکل کھڑا ہوا)
یہاں تک کہ (چلتے چلتے) سورج کے ڈوبنے کی جگہ پہنچ گیا
وہاں اسے سورج ایسا دکھائی دیا، جیسے ایک سیاہ دلدل

(۱۲) اہل کتاب سے معلومات حاصل کر کے لوگوں نے بعض سوالات کئے تھے انہی میں ایک سوال ذوالقرنین کی نسبت تھا۔ یہاں اس کا جواب دیا ہے۔ فرمایا ہم نے اسے زمین میں حکمرانی دی تھی، اور فتوحات کے سارے ساز و سامان مہیا کر دئے تھے۔
پھر اس کی تین مہموں کا ذکر کیا ہے:-
(ا) وہ پچھم کی طرف بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک ایسے سمندر کے کنارے پہنچ گیا جس کا پانی کیچڑ سے ملا ہوا گدلا تھا۔ اور معلوم ہوتا تھا روز سورج اسی پانی میں ڈوب جاتا ہے۔ کیونکہ حد نگاہ تک خشکی دکھائی نہیں دیتی تھی۔
(ب) پھر وہ اتر کی طرف چلا، یہاں تک کہ وحشی قبائل کی ٹولیاں اسے ملیں۔ وہ کھلے میدانوں میں زندگی بسر کرتے تھے
(ج) پھر وہ نکلا اور ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں دو پہاڑوں نے دو دیواروں کی شکل اختیار کر لی ہے۔ یاجوج اور ماجوج اسی

٧٤ أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا ۝ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ
٧٥ ٧٦ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا ۝ فَانْطَلَقَا
حَتّٰى إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ
٧٧ يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ۝ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ
٧٨ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۝ أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ
٧٩ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ۝

ایک بے گناہ کی جان لیلی، حالانکہ اس نے کسی کی جان
٧٤ نہیں لی تھی۔ آپ نے کیسی برائی کی بات کی"، اس نے
کہا "کیا میں نے نہیں کہہ دیا تھا، تم میرے ساتھ صبر
٧٥ کرسکو گے؟" موسٰی نے کہا "اگر پھر میں نے کچھ پوچھا
تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے گا۔ اس صورت میں آپ
٧٦ پوری طرح معذور سمجھے جائیں گے"۔
وہ دونوں اور آگے بڑھے۔ یہاں تک کہ ایک گاؤں کے پاس پہنچے۔ گاؤں والوں سے کہا ہمارے
کھانے کا انتظام کردو۔ انہوں نے مہمان نوازی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ پھر ان دونوں نے دیکھا
گاؤں میں ایک (پرانی) دیوار ہے اور گرنا چاہتی ہے یہ دیکھ کر موسٰی کے ساتھی نے (اس کی مرمت شروع
کردی اور) اسے از سر نو مضبوط کر دیا۔ اس پر موسٰی (سے نہ رہا گیا) بول اٹھا "اگر آپ چاہتے تو اس محنت
٧٧ کا کچھ معاوضہ ان لوگوں سے وصول کرتے" (بغیر معاوضہ کے بیکار کی محنت کیوں کی؟) تب موسٰی کے ساتھی نے
کہا "بس اب مجھ میں اور تم میں جدائی کا وقت آگیا
ہاں جن باتوں پر تم سے صبر نہ ہوسکا، ان کی حقیقت
٧٨ تمہیں بتلا دیتا ہوں"۔
سب سے پہلے کشتی کا معاملہ لو۔ وہ چند مسکینوں
کی تھی جو سمندر میں محنت مزدوری کرتے ہیں۔ وہ جس
طرف بڑھ رہے تھے، وہاں ایک بادشاہ ہے (ظالم)
جس کسی کی (اچھی) کشتی پاتا ہے، زبردستی لے لیتا ہے
میں نے چاہا، اس کی کشتی میں ایک عیب نکال دوں"

وسائل کو اس میں دخل نہ تھا۔ پس معلوم ہوا، وہ شخص صاحب وحی تھا اور اللہ نے اسے براہ راست علم عطا فرمایا تھا چنانچہ آگے چل کر اس کا قول آتا ہے۔ ما فعلته عن امری۔ میں نے جو کچھ کیا، اللہ کے حکم سے کیا، اپنی سمجھ سے نہیں کیا۔

یہ علم خاص جو اسے دیا گیا تھا، یقیناً یہ تھا کہ بعض امور کے بواطن و اسرار اس پر کھول دئے گئے تھے۔

(١٠) حضرت موسٰی نے ارادہ کیا تھا کہ خاموش رہیں گے لیکن ان کا ارادہ چل نہ سکا ہر مرتبہ بول اٹھے۔ اس سے معلوم ہوا، انسانی عقل مجبور ہے کہ ظواہر پر حکم لگائے۔ وہ اس سے رک نہیں سکتی، مگر یہیں ٹھوکر کھاتی ہے۔ کیونکہ بواطن و حقائق تک نہیں پہنچ سکتی

(١١) حضرت موسٰی کے ساتھی نے تین باتیں کیں۔ تینوں کا ظاہر برا تھا لیکن تینوں کی تہ میں بہتری ہی بہتری تھی۔ حضرت موسٰی ظاہر دیکھ رہے تھے، لیکن ان کے ساتھی پر اللہ نے باطن روشن کر دیا تھا۔ اگر اسی طرح ظواہر کا پردہ اٹھ جائے، اور حقیقتیں سب کے سامنے آجائیں جو حضرت موسٰی کے ساتھی کے سامنے آگئی تھیں تو دنیا کا کیا حال ہو؟ سارے احکام کس طرح بدل جائیں؟ لیکن نہیں، حکمت الٰہی یہی ہے کہ پردہ نہ اٹھے۔

فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝ آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ ۹۵
الصَّدَفَيْنِ قَالَ انفُخُوا حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ آتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝ فَمَا اسْطَاعُوا أَن ۹۶
يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا ۝ قَالَ هَٰذَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّي فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ ۹۷
وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ۝ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا ۝ ۹۸-۹۹
وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ عَرْضًا ۝ الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَن ذِكْرِي ۱۰۰
وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا ۝ أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۱۰۱ ع ۱۹/۲

پھر جب (تمام سامان مہیا ہوگیا، اور) دونوں پہاڑوں کے درمیان دیوار اٹھا کر ان کے برابر بلند کردی،
تو حکم دیا "(بھٹیاں سلگاؤ اور) اسے دھونکو" پھر جب (اس قدر دھونکا گیا کہ) بالکل آگ (کی طرح لال) ہوگئی،
تو کہا "گلا ہوا تانبا لاؤ۔ اس پر انڈیل دیں" ۹۶
چنانچہ (اس طرح) ایک ایسی سد بن گئی کہ (یاجوج
اور ماجوج) نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے، نہ اس میں نقب
لگا سکتے تھے۔ ۹۷
ذوالقرنین نے (تکمیل کار کے بعد) کہا "یہ (جو کچھ
ہوا، تو فی الحقیقت) میرے پروردگار کی مہربانی ہے
جب میرے پروردگار کی فرمائی ہوئی بات ظہور میں آئیگی
تو وہ اسے ڈھا کر ریزہ ریزہ کردیگا (مگر اس سے پہلے کوئی
اسے ڈھا نہیں سکتا) اور میرے پروردگار کی فرمائی ہوئی
بات سچ ہے ٹلنے والی نہیں! ۹۸
اور جس دن وہ بات ظہور میں آئیگی تو اس دن
ہم ایسا کرینگے کہ (سمندر کی لہروں کی طرح ان قوموں میں سے) ایک (قوم) دوسری (قوم) کے درمیان بہنے لگیگی،
اور نرسنگا پھونکا جائے گا، اور ساری قوموں کی بھیڑ اکٹھی ہوجائے گی! ۹۹
اس دن ہم منکروں کے سامنے دوزخ اس طرح نمودار کردینگے جیسے ایک چیز بالکل سامنے دکھائی دے ۱۰۰
وہ منکر، جن کی نگاہوں پر ہمارے ذکر سے پردہ پڑ گیا تھا۔ اور (کانوں میں ایسی گرانی کہ) کوئی بات سن
نہیں سکتے تھے! ۱۰۱
جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی کیا انہوں نے

(۱۳۱) جب دیوار تیار ہوگئی، تو ذوالقرنین نے کہا، یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ ایسا عظیم الشان کام میرے ہاتھوں انجام پاگیا۔ اب اسے کوئی ڈھا نہیں سکتا۔ ہاں جب وہ مقررہ وقت آئے گا، جس کی اللہ نے خبر دی ہے تو بلاشبہ یہ ریزہ ریزہ ہو کر رہ جائے گی، اور یہاں ہر چیز کو بالآخر فنا ہونا ہے!

ذوالقرنین کے اس قول پر ان کی سرگزشت ختم ہوگئی اب آیت ۹۹ میں فرمایا، مقررہ وقت آئے گا، تو یہ قومیں نکلیں گی اور سمندر کی موجوں کی طرح ایک دوسرے پر آپڑیں گی۔ پھر ایک وقت آئے گا جب سب کو اکٹھا ہونا ہے اور اس وقت منکرین حق دیکھ لیں گے کہ دوزخ ان کے سامنے ہے!

جب لوگوں کو جمع کرنا مقصود ہوتا ہے تو نرسنگا پھونکا جاتا ہے اور اس کی آواز سنتے ہی ہر گوشہ سے لوگ نکل آتے ہیں۔ فرمایا ایک ایسی ہی بات اس دن بھی ہونے والی ہے نرسنگا پھونکا جائیگا کہ سب اکٹھے ہوجائیں!

(۱۴۲) آیت (۱۰۲) سے سلسلہ خطاب پھر منکرین دعوت کی طرف

فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ
٨٦ - ٨٧ حُسْنًا ۝ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ وَاَمَّا مَنْ
٨٨ - ٨٩ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝
٩٠ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۝ كَذٰلِكَ ؕ
٩١ - ٩٢ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا
٩٣ قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي
٩٤ الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ

راہ سے آتے تھے اور اس طرف کی بستیوں میں لوٹ مار کرتے تھے۔ وہاں کے باشندوں کی استدعا پر اس نے وہاں ایک دیوار بنا دی جس کی وجہ سے حملہ آوروں کا رستہ بالکل بند ہو گیا۔

کی جھیل میں ڈوب جاتا ہے اور اس کے قریب ایک گروہ کو بھی آباد پایا۔ ہم نے کہا "اے ذوالقرنین! (اب یہ لوگ تیرے اختیار میں ہیں) تو چاہے انہیں

٨٦ عذاب میں ڈالے چاہے اچھا سلوک کرکے اپنا بنالے۔
ذوالقرنین نے کہا "ہم ناانصافی کرنے والے نہیں۔ جو سرکشی کرے گا، اسے ضرور سزا دینگے۔ پھر اسے
٨٧ اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے۔ وہ بداعمالوں کو سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اور جو ایمان لائیگا اور اچھے
٨٨ کام کریگا تو اس کے بدلے اسے بھلائی ملے گی، اور ہم اُسے ایسی ہی باتوں کا حکم دینگے جس میں اس کے لئے آسانی و راحت ہو"
٨٩ اس کے بعد پھر اس نے تیاری کی اور (پورب کی طرف) نکلا۔ یہاں تک کہ سورج نکلنے کی آخری حد تک پہنچ
٩٠ گیا۔ اس نے دیکھا، سورج ایک گروہ پر نکلتا ہے جس سے ہم نے کوئی آڑ نہیں رکھی ہے۔ ان کی حالت ایسی ہی تھی۔
٩١ اور جو کچھ ذوالقرنین کے پاس تھا، اس کی ہمیں پوری پوری خبر ہے!
٩٢ اس نے پھر ساز و سامان تیار کیا (اور تیسری مہم میں نکلا) یہاں تک کہ دو (پہاڑوں کی) دیواروں کے
درمیان پہنچ گیا۔ وہاں اس نے دیکھا، پہاڑوں کے اس طرف ایک قوم آباد ہے جس سے بات کہی جائے
٩٣ تو بالکل نہیں سمجھتی۔ اس قوم نے (اپنی زبان میں) کہا "اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج اس ملک میں آکر
لوٹ مار کرتے ہیں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک روک بنا دیں اور اس غرض
٩٤ سے ہم آپ کے لئے کچھ خراج مقرر کر دیں؟" ذوالقرنین نے کہا "میرے پروردگار نے جو کچھ میرے قبضہ میں دے
رکھا ہے وہی میرے لئے بہتر ہے (تمہارے خراج کا محتاج نہیں) مگر تم اپنی قوت سے (اس کام میں) میری
٩٥ مدد کرو، میں تمہارے اور یاجوج و ماجوج کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دوں گا"
(اس کے بعد اس نے حکم دیا) "لوہے کی سلیں میرے لئے مہیا کر دو"

إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا
۱۱۰ صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝

ع ۹ / ۱۲ / ۳

اصحابِ کہف

پر وحی کی ہے کہ "تمہارا معبود وہی ایک ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں" پس جو کوئی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے چاہئے کہ اچھے کام انجام دے اور اپنے پروردگار کی بندگی میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کرے
۱۱۰ (بس اس کے سوا امید کی کوئی پکار نہیں!)

(۱۵۱) مسیحی مذہب کے ابتدائی قرنوں میں متعدد واقعات ایسے گزرے ہیں کہ راسخ الاعتقاد عیسائیوں نے مخالفوں کے ظلم و وحشت سے عاجز آکر پہاڑوں کے غاروں میں پناہ لے لی اور آبادیوں سے کنارہ کش ہوگئے۔ یہاں تک کہ وہیں وفات پاگئے، اور ایک عرصہ کے بعد ان کی نعشیں برآمد ہوئیں۔ چنانچہ ایک واقعہ خود روم کے اطراف میں گزرا تھا۔ ایک انطاکیہ کی طرف منسوب ہے ایک افسس میں بیان کیا جاتا ہے۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سورت میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے، وہ کہاں پیش آیا تھا؟

قرآن نے کہف کے ساتھ "الرقیم" کا لفظ بھی بولا ہے، اور بعض ائمہ تابعین نے اس کا یہی مطلب سمجھا تھا کہ یہ ایک شہر کا نام ہے، لیکن چونکہ اس نام کا کوئی شہر عام طور پر مشہور نہ تھا، اس لئے اکثر مفسر اس طرف چلے گئے کہ یہاں رقیم کے معنی کتابت کے ہیں یعنی ان کے غار پر کوئی کتبہ لگا دیا گیا تھا۔ اس لئے کتبہ والے مشہور ہوگئے۔

الرقیم — لیکن اگر انہوں نے تورات کی طرف رجوع کیا ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ "رقیم" وہی لفظ ہے جسے تورات میں "راقیم" کہا گیا ہے اور یہ فی الحقیقت ایک شہر کا نام تھا جو آگے چل کر "پیٹرا" کے نام سے مشہور ہوا، اور عرب اسے "بطرا" کہنے لگے۔

۱۹۱۸ — عالمگیر جنگ کے بعد آثارِ قدیمہ کی تحقیقات کے جو نئے نئے گوشے کھلے ہیں ان میں ایک پیٹرا بھی ہے اور اس کے انکشافات نے بحث و نظر کا ایک نیا میدان مہیا کر دیا ہے۔

جزیرہ نمائے سینا اور خلیج عقبہ سے سیدھے شمال کی طرف بڑھیں تو دو پہاڑی سلسلے متوازی شروع ہو جاتے ہیں، اور سطح زمین بلندی کی طرف اٹھنے لگتی ہے۔ یہ علاقہ نبطی قبائل کا علاقہ تھا، اور اسی کی ایک پہاڑی سطح پر "راقیم" نامی شہر آباد تھا۔ دوسری صدی مسیحی میں جب رومیوں نے شام اور فلسطین کا الحاق کر لیا، تو یہاں کے دوسرے شہروں کی طرح راقیم نے بھی ایک رومی نوآبادی کی حیثیت اختیار کر لی، اور یہی زمانہ ہے جب پیٹرا کے نام سے اس کے عظیم الشان مندروں اور تھیٹروں کی شہرت دور دور تک پہنچی۔ سنہ ۱۰۶ء میں جب مسلمانوں نے یہ علاقہ فتح کیا، تو راقیم کا نام بہت کم زبانوں پر رہا تھا۔ یہ رومیوں کا پیٹرا اور عربوں کا بطرا تھا۔

جنگ کے بعد سے اس علاقہ کی ازسر نو اثری پیمائش کی جا رہی ہے اور نئی نئی باتیں روشنی میں آ رہی ہیں۔ ازانجملہ اس علاقہ کے عجیب و غریب غار ہیں جو دور دور تک چلے گئے ہیں اور نہایت وسیع ہیں نیز اپنی نوعیت میں ایسے واقع ہوئے ہیں کہ دن کی روشنی کسی طرح بھی ان کے اندر نہیں پہنچ سکتی۔ ایک غار ایسا بھی ملا ہے جس کے دہانہ کے پاس قدیم عمارتوں کے آثار پائے جاتے ہیں اور بے شمار ستونوں کی کرسیاں شناخت کی گئی ہیں۔ خیال کیا گیا ہے کہ یہ کوئی معبد ہوگا جو یہاں تعمیر کیا گیا تھا۔

اس انکشاف کے بعد قدرتی طور پر یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ اصحابِ کہف کا واقعہ اسی شہر میں پیش آیا تھا، اور قرآن نے صاف صاف اس کا نام "الرقیم" بتلا دیا ہے، اور جب اس نام کا ایک شہر موجود تھا، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ رقیم کے معنی میں تکلفات کئے جائیں، اور بغیر کسی بنیاد کے اسے کتبہ پر محمول کیا جائے۔

علاوہ بریں دوسرے قرائن بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔

قرآن نے جس طرح اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی عرب میں شہرت تھی، لوگ اس بارے میں بحثیں کیا کرتے تھے اور اسے ایک نہایت ہی عجیب و غریب بات تصور کرتے تھے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ مشرکینِ عرب کے وسائلِ

۱۰۲ أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ۝ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ
۱۰۳،۱۰۴ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝
۱۰۵ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝
۱۰۶ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
۱۰۷-۱۰۸ الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ۝ قُلْ
لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ
۱۰۹ مَدَدًا ۝ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ

متوجہ ہوگیا ہے، اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کی تمام کوششیں اکارت جانے والی ہیں اور کلمۂ حق کی کامیابی اٹل ہے۔

آیت ۱۰۳ میں انسان کی نامرادیوں کی کیسی کامل تصویر کھینچ دی ہے؟ "جن لوگوں کی کوشش اس زندگی میں کھوئی جاتی ہیں اور وہ اس دھوکے میں رہتے ہیں کہ ہم بڑے بڑے کارخانے بنارہے ہیں"۔

غور کرو! کتنی ہی زندگیاں ہیں جن کا ہر لمحہ طرح طرح کی کوششوں میں بسر ہوتا ہے، لیکن ان کی کوئی کوشش بھی کامیاب نہیں ہوتی اور جب پردۂ غفلت ہٹتا ہے تو صاف دیکھ لیتے ہیں کہ جدوجہد کی ساری زندگی رائیگاں گئی! وہ ہمیشہ اسی دھوکے میں رہتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات حاصل کرلی، اور فلاں کارخانہ درست کرلیا، حالانکہ جتنا دیتا کچھ بھی نہیں، سرتاسر بگڑتا ہی جاتا ہے۔

خیال کیا ہے؟ ہمیں چھوڑ کر ہمارے بندوں کو اپنا
کارساز بنالیں؟ (انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ) ہم نے
۱۰۲ کافروں کی مہمانی کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے!
اے پیغمبر! تو کہدے "ہم تمہیں خبر دیدیں کون
۱۰۳ لوگ اپنے کاموں میں سب سے زیادہ نامراد ہوئے؟ وہ جن
کی ساری کوششیں دنیا کی زندگی میں کھوئی گئیں اور
وہ اس دھوکے میں پڑے ہیں کہ بڑا اچھا کارخانہ
۱۰۴ بنارہے ہیں!
یہی لوگ ہیں کہ اپنے پروردگار کی آیتوں سے
اور اس کے حضور حاضر ہونے سے منکر ہوئے پس ان کے سارے کام اکارت گئے، اور اس لئے قیامت کے دن
۱۰۵ ہم ان کے اعمال کا کوئی وزن تسلیم نہیں کرینگے۔ انہوں نے جبکہ کفر کی راہ اختیار کی تھی، اور ہماری آیتوں
۱۰۶ اور رسولوں کی ہنسی اڑائی تھی، تو عذاب دوزخ، اس کا (لازمی) نتیجہ ہے!
۱۰۷ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے تو ان کی مہمانی کے لئے فردوس کے باغ ہونگے۔ وہ ہمیشہ
۱۰۸ ان میں رہینگے کبھی نہیں چاہینگے کہ اپنی جگہ بدلیں!
(اے پیغمبر!) اعلان کردے اگر میرے پروردگار کی باتیں لکھنے کے لئے دنیا کے تمام سمندر سیاہی بن
جائیں تو سمندر کا پانی ختم ہوجائے گا۔ مگر میرے پروردگار کی باتیں ختم نہ ہونگی۔ اگر ان سمندروں کا ساتھ دینے
۱۰۹ کے لئے ویسے ہی سمندر اور بھی پیدا کردیں، جب بھی وہ کفایت نہ کریں!
(نیز) کہدے "میں تو اس کے سوا کچھ نہیں ہوں کہ تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہوں۔ البتہ اللہ نے مجھ

کیا آبادی سے منہ موڑیں اور کسی غار میں معتکف ہو کر ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائیں چنانچہ ایک غار میں مقیم ہو گئے۔

غار کی نوعیت

ان کا ایک وفادار کتا تھا، وہ بھی ان کے ساتھ غار میں چلا گیا۔ جس غار میں انہوں نے پناہ لی، وہ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ اگرچہ اندر سے کشادہ ہے اور دہانہ کھلا ہوا، لیکن سورج کی کرنیں اس میں راہ نہیں پا سکتیں، نہ تو چڑھتے دن میں، نہ ڈھلتے میں۔ جب سورج نکلتا ہے تو دہنی جانب ہٹتے ہوئے گزر جاتا ہے۔ جب ڈھلتا ہے تو بائیں جانب ہٹتے ہوئے غروب ہو جاتا ہے۔ یعنی غار اپنے طول میں شمال و جنوب رویہ واقع ہے۔ ایک طرف دہانہ ہے، دوسری طرف منفذ۔ روشنی اور ہوا دونوں طرف سے آتی ہے، لیکن دھوپ کسی طرف سے بھی راہ نہیں پا سکتی۔

اس صورت حال سے بیک وقت دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ زندہ رہنے کے لئے وہ نہایت محفوظ اور موزوں مقام ہے کیونکہ ہوا اور روشنی کی راہ موجود ہے مگر دھوپ کی تپش پہنچ نہیں سکتی۔ پھر اندر سے کشادہ ہے۔ جگہ کی کمی نہیں۔ دوسری یہ کہ باہر دیکھنے والوں کے لئے اندر کا منظر بہت ڈراؤنا ہو گیا ہے کیونکہ روشنی کے منافذ موجود ہیں اس لئے بالکل اندھیرا نہیں رہتا۔ سورج کسی وقت سامنے آتا نہیں اس لئے بالکل اجالا بھی نہیں ہوتا۔ روشنی اور اندھیری کی ملی جلی حالت رہتی ہے اور جس غار کی اندرونی فضا ایسی ہو اسے باہر سے جھانک کر دیکھا جائے۔ تو اندر کی ہر چیز ضرور ایک بھیانک منظر پیش کرے گی۔

انقلاب حال

یہ لوگ کچھ عرصہ تک غار میں رہے اس کے بعد نکلے تو انہیں کچھ اندازہ نہ تھا، کتنے عرصہ تک اس میں رہے ہیں۔ وہ سمجھتے تھے باشندوں کا وہی حال ہو گا، جس حال میں انہیں چھوڑا تھا۔ لیکن اس عرصہ میں یہاں انقلاب ہو چکا تھا۔ اب غلبہ ان لوگوں کا تھا جو اصحاب کہف ہی کی طرح خدا پرستی کی راہ اختیار کر چکے تھے۔ جب ان کا ایک آدمی شہر میں پہنچا تو اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی اب وہی لوگ جنہوں نے انہیں سنگسار کرنا چاہا تھا، ان کے ایسے معتقد ہو گئے کہ ان کی غار نے زیارت گاہ عام کی حیثیت اختیار کر لی اور امراء شہر نے فیصلہ کیا کہ یہاں ایک ہیکل تعمیر کیا جائے۔

ضرب علی الآذان

(ج) اصحاب کہف نے یہ مدت کس حال میں بسر کی تھی؟ اس بارے میں قرآن نے صرف اس قدر اشارہ کیا ہے کہ فضربنا علیٰ اٰذانھم فی الکھف سنین عددا (۱۱) "ضرب علی الآذان" کے صاف معنی تو یہ ہیں کہ ان کے کان دنیا کی طرف سے بند ہو گئے تھے یعنی دنیا کی کوئی صدا ان تک نہیں پہنچتی تھی۔ لیکن مفسرین نے اسے نیند پر محمول کیا ہے یعنی ان پر نیند طاری ہو گئی تھی اور چونکہ نیند کی حالت میں آدمی کوئی آواز نہیں سنتا، اس لئے اس حالت کو "ضرب علی الآذان" سے تعبیر کیا گیا [illegible]

[illegible]

[illegible] فعی الکلام تجوز بطریق الاستعارۃ التبعیہ۔

اصل یہ ہے کہ اصحاب کہف کا جو قصہ عام طور پر مشہور ہو گیا تھا، وہ یہی تھا کہ غار میں برسوں تک سوتے رہے اس لئے یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ بعد کو بھی اسی طرح کی روایتیں مشہور ہو گئیں۔ عرب میں قصہ کے اصلی راوی شام کے نبطی تھے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس قصہ کی اکثر تفصیلات تفسیر کے انہی راویوں پر جا کر منتہی ہوتی ہیں جو اہل کتاب کے قصوں کی روایت میں مشہور ہو چکے ہیں مثلاً ضحاک اور سدی۔ بہر حال اگر یہاں ضرب علی الآذان سے مقصود نیند کی حالت ہو، تو پھر مطلب قرار پائے گا کہ وہ غیر معمولی مدت تک نیند کی حالت میں پڑے رہے، اور ثم بعثناھم کا مطلب کرنا پڑے گا کہ اس کے بعد نیند سے بیدار ہو گئے۔

یہ بات کہ ایک آدمی پر غیر معمولی مدت تک نیند کی حالت طاری رہے اور پھر بھی زندہ رہے، طبی تجارب کے مسلمات میں سے ہے، اور اس کی مثالیں ہمیشہ تجربہ میں آتی رہتی ہیں۔ پس اگر اصحاب کہف پر قدرت الٰہی سے کوئی ایسی حالت طاری ہو گئی ہو جس نے غیر معمولی مدت تک انہیں سلائے رکھا، تو یہ کوئی مستبعد بات نہیں۔ البتہ قرآن حکیم کی تصریح اس بارے میں ظاہر اور قطعی نہیں ہے [illegible]

[illegible] کا کیا مطلب ہے؟ اس [illegible]

(د) آیت (۱۸) وتحسبھم ایقاظا وھم رقود [illegible] میں اس صورت حال کی طرف اشارہ کیا ہے جو نزول قرآن کے وقت تھی، یا جو حالت اس غار کی ایک مدت تک [illegible] ابتداء میں رہ چکی تھی؟ دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ انقلاب حال کے بعد اصحاب کہف نے غار کی گوشہ نشینی ترک نہیں کی تھی۔ اسی میں رہے یہاں تک کہ انتقال کر گئے۔ ان کے انتقال کے بعد غار کی حالت ایسی ہو گئی کہ باہر سے کوئی دیکھے تو معلوم ہو، زندہ آدمی موجود ہیں۔ وہانے کے

معلومات محدود تھے بہت کم امکان ہے کہ دور کی باتیں ان کے علم میں آئی ہوں، پس ضروری ہے کہ یہ قرب و جوار ہی کی کوئی بات ہو اور ان لوگوں کی زبانی سنی جا سکے جن سے ہمیشہ عربوں کا ملنا جلنا رہتا ہو۔ ایسے لوگ کون ہو سکتے تھے؟ اگر اسے پیٹرا کا واقعہ قرار دیا جائے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ اول تو خود یہ مقام عرب سے قریب تھا یعنی عرب کی سرحد سے ساٹھ ستر میل کے فاصلہ پر۔ ثانیاً نبطیوں کی وہاں آبادی تھی اور نبطیوں کی وہاں آبادی تھی اور نبطیوں کے تجارتی قافلے برابر حجاز میں آتے رہتے تھے۔ یقیناً نبطیوں میں اس واقعہ کی شہرت ہوگی اور انہی سے عربوں نے سنا ہوگا۔

خود قریش مکہ کے تجارتی قافلے بھی ہر سال شام جایا کرتے تھے اور سفر کا ذریعہ وہی شاہراہ تھی جو رومیوں نے ساحل خلیج سے کر ساحل مارمورا تک تعمیر کر دی تھی۔[لہ] پیٹرا اسی شاہراہ پر واقع تھا بلکہ اس نواح کی سب سے پہلی تجارتی منڈی تھی۔ اس لئے اس سے زیادہ قدرتی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ واقعہ ان کے علم میں آگیا ہو۔ عرب جاھلیہ میں اس واقعہ کی شہرت

اس سلسلہ میں چند باتیں اور تشریح طلب ہیں: امیہ بن ابی صلت: ولیس بھا الا الرقیم مجاورا — وصیدھم والقوم فی الکہف ھُجّد

(ا) آیت ۹ ام حسبت ان اصحاب الکھف والرقیم کانوا من اٰیٰتنا عجبا؟ کا اسلوب خطاب صاف کہہ رہا ہے کہ کچھ لوگ "اصحاب الکہف والرقیم" کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا معاملہ قدرت الٰہی کا ایک عجیب و غریب کرشمہ سمجھا جاتا ہے۔ لوگوں نے پیغمبر اسلام سے ان کا ذکر کیا ہے اور اب وحی الٰہی اس معاملہ کی حقیقت واضح کر رہی ہے چنانچہ پہلے مجملاً اس کا خلاصہ اور نتیجہ بتلا دیا کہ جو کچھ پیش آیا تھا، وہ اس سے زیادہ نہیں ہے اور جو کچھ عبرت و تذکیر کی بات ہے وہ یہ ہے۔ پھر آیت ۱۳ میں فرمایا نحن نقص علیک نبأھم بالحق۔ اب ہم تجھے ان کی سچی خبر سناتے ہیں یعنی واقعہ کی چند ضروری تفصیلات بیان کرتے ہیں چنانچہ اس کے بعد تفصیلات بیان کی ہیں۔

یہ مجمل خلاصہ جو آیت ۱۰ سے ۱۲ تک بیان کیا ہے تمام سرگزشت کا ماحصل ہے۔ اسی کی روشنی میں بقیہ تفصیلات پڑھنی چاہیئں فرمایا۔ چند نوجوان تھے جنہوں نے سچائی کی راہ میں دنیا اور دنیا کی راحتوں سے منہ موڑا اور ایک غار میں پناہ گزین ہو گئے۔ ان کے پیچھے ظلم و ستم کی قوتیں تھیں، سامنے غار کی تاریکی و وحشت۔ تاہم وہ ذرا بھی ہراساں نہ ہوئے۔ انہوں نے کہا خدایا! تیری ہی رحمت کا آسرا ہے اور تیری ہی چارہ سازی پر بھروسہ" چنانچہ کئی سال تک غار میں رہے اور اس طرح رہے کہ دنیا کی صداؤں کی طرف سے ان کے کان بالکل بند تھے۔ پھر ہم نے انہیں اٹھا کھڑا کیا، تاکہ واضح ہو جائے، ان دونوں جماعتوں میں سے کون سا گروہ تھا جس نے اس عرصہ میں نتائج عمل کا بہتر اندازہ کیا ہے؟ یعنی صورت حال نے دو جماعتیں پیدا کر دی تھیں ایک اصحاب کہف تھے ایک ان کے مخالف۔ ایک نے حق کی پیروی کی۔ دوسرے نے ظلم و تشدد پر کمر باندھی۔ چند برسوں کی مدت دونوں جماعتوں پر گزری تھی۔ اس پر بھی جو غار میں پناہ لینے پر مجبور ہوئی اور اس پر بھی جس نے غار میں پناہ لینے کے لئے انہیں مجبور کیا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ دونوں میں سے کس نے کمایا ہے؟ اور کس نے کھویا ہے؟ کون ان دونوں میں وقت کا بہتر اندازہ شناس تھا؟ (اصل واقعہ — ای الحزبین احصٰی ؟)

چنانچہ آگے چل کر جو تفصیلات آتی ہیں، ان سے واضح ہو جاتا ہے کہ ظالم جماعت کے ظلم کی عمر بہت تھوڑی تھی اور بالآخر وہی راہ تمام ملک نے قبول کی جو اصحاب کہف نے اختیار کی تھی۔ کیونکہ بالآخر مسیحی دعوت تمام ملک میں پھیل گئی اور جب کچھ عرصہ کے بعد وہ غار سے نکلے اور ایک آدمی کو آبادی میں بھیجا تو اب مسیحی ہونا کوئی ناقابل معافی جرم نہیں تھا۔ عزت و سربراہی کی سب سے بڑی عظمت تھی!

صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان پرستاران حق کی استقامت ہی تھی جس نے دعوت حق کو فتح مند کیا۔ اگر وہ مظالم سے تنگ آکر اتباع حق سے دست بردار ہو جاتے تو یقیناً یہ انقلاب ظہور میں نہیں آتا۔

(ب) اس کے بعد واقعہ کی بعض تفصیلات واضح کر دی ہیں۔ جو لوگ خدا پرستی کی راہ اختیار کرتے تھے ان کی مخالفت میں تمام باشندے کمر بستہ ہو جاتے۔ اور اگر وہ اپنی روش سے باز نہ آتے تو سنگسار کرتے۔ یہ حالت دیکھ کر انہوں نے فیصلہ

لہ جنگ کے بعد اس شاہراہ کا سراغ لگایا گیا تو پوری طرح نمایاں ہو گئی۔ اب یہ اپنے اصلی خط پر دوبارہ تعمیر کی جا رہی ہے اور عقبہ سے عمان تک تعمیر ہو چکی ہے۔ آج کل عمان عقبہ ہے۔ ~~وہی شاہراہ ہے جس پر حضرت سلیمان علیہ السلام~~ کے جہاز ہندوستان جایا کرتے تھے اور بحر احمر کے تجارتی بیڑے کا مرکز تھا۔

(۱) حضرت سلیمان (ع) نے ایک ساحلی شہر ایزن جبر تعمیر کیا تھا (سلاطین اول) اسی بندرگاہ سے ان کے

میں پیٹر د امتروں (Peter de Murrone) جو آگے چل

کر پنجم (Celestine V) ہوا راہبوں کا ایک

سلسلہ - جس کے لئے ضروری تھا کہ سینٹ بینیڈکٹ کے

اصول پر پوری طرح عمل کرے - اس نظام

پر سلسلہ سٹائن ہی کے نام سے جاری تھی

صدیوں میں بڑی تعداد ایسے راہبوں کی

راہبانہ زندگی کے آخری دور میں اس

زندگی اختیار کر لیتے تھے - مرنے کے بعد

سرشتوں میں محفوظ رہتی تھیں -

ڈیوک آف نرسیا (Nursia) کے حالات

تاریکیوں میں گم ہیں - جو کچھ بھی تاریخ کے حصے

سینٹ گریگوری کے مکالموں

قریب ایک کتا دونوں ہاتھ آگے کیے بیٹھا ہے۔ حالانکہ نہ تو آدمی زندہ ہیں نہ کتا ہی زندہ ہے!

تحسبھم ایقاظاً و ھم رقود

لیکن باہر سے دیکھنے والا انہیں زندہ اور جاگتا کیوں سمجھے؟ اگر ان کی نعشیں پڑی ہیں تو نعشوں کو کوئی زندہ تصور نہیں کر سکتا۔ اگر "رقود" سے مقصود سونے کی حالت ہے، اور وہ لیٹے ہوئے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک لیٹا ہوا آدمی دیکھنے والے کو جاگتا دکھائی دے۔

مفسرین نے یہ اشکال محسوس کیا لیکن اس کا کوئی حل دریافت نہ کر سکے۔ بعضوں نے کہا، وہ اس لئے جاگتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں لیکن اگر ایک بے حس و حرکت نعش پڑی دکھائی دے اور اس کی آنکھیں کھلی ہوں تو دیکھنے والا اسے ہشیار و بیدار کیوں سمجھنے لگا؟ یہی سمجھے گا کہ مر گیا ہے مگر آنکھیں کھلی رہ گئی ہیں۔ بعضوں نے کہا ونقلبھم ذات الیمین و ذات الشمال کی وجہ سے وہ بیدار دکھائی دیتے ہیں یعنی چونکہ داہنے بائیں کروٹ بدلتی رہتی ہے اس لئے دیکھنے والا خیال کرتا ہے بیدار ہیں لیکن یہ توجیہہ پہلے سے بھی زیادہ بے معنی ہے۔ اول تو کروٹ بدلنا بیداری کی دلیل نہیں۔ آدمی گہری سے گہری نیند میں ہوتا ہے اور کروٹ بدلتا ہے ثانیاً اگر کروٹ بدلتے ہونگے تو کچھ وقفہ کے بعد بدلتے ہونگے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ہر آن کروٹ بدلتے ہی رہتے ہوں اور جب کبھی کوئی جھانک کر دیکھے انہیں کروٹ بدلتا ہی پائے! لطف یہ ہے کہ نقلبھم ذات الیمین و ذات الشمال کی تفسیر میں یہی مفسر ہمیں بتلاتے ہیں کہ بعضوں کے نزدیک سال میں دو دفعہ کروٹ بدلتی ہے بعضوں کے نزدیک ایک مرتبہ۔ بعض کہتے ہیں تین سال بعد۔ بعض کہتے ہیں نو سال بعد!

علاوہ بریں قرآن نے یہ بات جس اسلوب و شکل میں بیان کی ہے اس پر ان نکتہ سنجوں نے غور نہیں کیا۔ لو اطلعت علیھم لولیت منھم فرارا و لملئت منھم رعبا۔ یعنی غار کے اندر کا منظر اس درجہ دہشت انگیز ہے کہ اگر تم جھانک کر دیکھو تو خوف کے مارے کانپ اٹھو اور الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہو۔ اس سے معلوم ہوا، غار کے اندر اصحاب کہف کے اجسام نے ایسا منظر پیدا کر دیا ہے جو بے حد دہشت انگیز ہے اگر کوئی آدمی باہر سے دیکھے، تو دیکھنے کے ساتھ ہی اس پر دہشت چھا جائے۔ معاً الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہو۔ اب اگر اندر کا منظر صرف اتنا ہی تھا کہ چند آدمی لیٹے ہوئے ہیں اور آنکھیں کھلی ہوئی ہیں تو یہ کوئی ایسی بات نہ تھی، جس سے اس درجہ دہشت انگیزی پیدا ہو سکے۔ علاوہ بریں جو آدمی باہر سے جھانکے گا، وہ اتنا باریک بین نہیں ہو سکتا کہ غار کی تاریکی میں لیٹے ہوئے آدمیوں کی آنکھیں بھی بہ اول نظر دیکھ لے اور وہ بھی اس حالت میں کہ داہنے یا بائیں کروٹ پر لیٹے ہوئے ہوں!

مفسرین کی حیرانیاں
تا حقیقت

دراصل یہ سارا معاملہ ہی دوسرا ہے، اور جب تک مفسرین کے پیدا کئے ہوئے تخیل سے بالکل الگ ہو کر تحقیق نہ کی جائے، اصلیت کا سراغ نہیں مل سکتا۔

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جو حالت اس آیت میں بیان کی گئی ہے، وہ کس وقت کی ہے؟ اس وقت کی ہے جب وہ نئے نئے غار میں جا کر مقیم ہوئے تھے؟ یا اس وقت کی جب انکشاف حال کے بعد دوبارہ معتکف ہو گئے؟ مفسرین نے خیال کیا، اس کا تعلق پہلے وقت سے ہے، اور یہی بنیادی غلطی ہے جس نے سارا الجھاؤ پیدا کر دیا ہے۔ دراصل اس کا تعلق بعد کے حالات سے ہے یعنی جب وہ ہمیشہ کے لئے غار میں گوشہ نشین ہو گئے۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وفات پا گئے، تو غار کے اندرونی منظر کی یہ نوعیت ہو گئی تھی۔ تحسبھم ایقاظا و ھم رقود "ایقاظ" سے مقصود ان کا زندہ ہونا ہے اور "رقود" سے مردہ ہونا۔ نہ کہ بیداری اور خواب۔ چنانچہ عربی میں زندگی و موت کے لئے یہ تعبیر عام و معلوم ہے۔

پھر یہ بات سامنے لانی چاہئے کہ یہ واقعہ مسیحی دعوت کی ابتدائی صدیوں کا ہے، اور جنہیں پیش آیا تھا وہ عیسائی تھے صرف اتنی بات پر غور کرنے سے سارا معاملہ حل ہو جاتا ہے۔

مسیحی دعوت کے ابتدائی قرنوں ہی میں زہد و انزوا کی ایک خاص زندگی شروع ہو گئی تھی، جس نے آگے چل کر رہبانیت (مناسٹک ازم) کی مختلف شکلیں اختیار کر لیں۔ اس زندگی کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ لوگ ترک علایق کے بعد کسی پہاڑ کی غار میں یا کسی غیر آباد گوشہ میں معتکف ہو جاتے تھے۔ اور پھر ان پر استغراق عبادت کی ایسی حالت طاری ہو جاتی تھی کہ وضع و نشست کی جو حالت اختیار کر لیتے اسی میں پڑے رہتے یہاں تک کہ زندگی ختم ہو جاتی۔ مثلاً اگر قیام کی حالت میں مشغول

ہوئے تھے تو برابر کھڑے ہی رہتے اور اسی حالت میں جان دیدیتے اگر گھٹنے کے بل رکوع کی حالت اختیار کی تھی تو یہی حالت آخر تک قائم رہتی اگر سجدے میں سر رکھدیا تھا تو پھر سجدے ہی میں پڑے رہتے اور مرنے کے بعد بھی اسی وضع میں نظر آتے۔ زیادہ تر گھٹنے کے بل رکوع کی وضع اختیار کی جاتی تھی کیونکہ عیسائیوں میں تعبد و تضرع کے لئے یہی وضع رائج ہوگئی تھی[1]۔

غذا کی طرف سے یہ لوگ بالکل بے پرواہ رہتے تھے۔ اگر آبادی قریب ہوتی تو لوگ روٹی اور پانی پہنچا دیا کرتے نہیں ہوتی تو یہ اس کی جستجو نہیں کرتے، عبادت کا استغراق جستجو کی مہلت ہی نہیں دیتا۔ اس اعتبار سے ان کی حالت ویسی ہی تھی جیسی ہندوستان کے یوگیوں کی رہ چکی ہے اور اب بھی گاہ گاہ نظر آجاتی ہے۔

جس طرح زندگی میں انہیں کوئی نہیں چھیڑتا تھا، اسی طرح مرنے کے بعد بھی کوئی ایسی جرأت نہ کرتا۔ مدتوں تک ان کی نعشیں اسی حالت میں باقی رہتیں جس حالت میں انہوں نے زندگی کے آخری لمحے بسر کیے تھے۔ اگر موسم موافق ہوتا۔ اور درندوں سے حفاظت ہوتی تو صدیوں تک ڈھانچے باقی رہتے اور فاصلہ سے دیکھنے والے انہیں زندہ انسان تصور کرتے۔ چنانچہ ڈھانچے مکان کے تہ خانوں میں بے شمار ڈھانچے آج تک محفوظ ہیں جو اسی طرح کے مقامات سے برآمد ہوئے تھے اور اپنی اصلی وضع و ہیئت پر باقی تھے۔

ابتدا میں اس غرض سے زیادہ تر پہاڑوں کی غاریں یا پرانی عمارتوں کے کھنڈر اختیار کئے گئے تھے لیکن آگے چل کر یہ طریقہ اس درجہ عام ہوگیا کہ خاص خاص عمارتیں اس غرض سے تعمیر کی جانے لگیں۔ یہ عمارتیں اس طرح بنائی جاتی تھیں کہ ان میں آمد و رفت کے لئے کوئی دروازہ نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ جو جاتا تھا وہ پھر باہر نہیں نکلتا تھا۔ صرف ایک چھوٹی سی سلاخدار کھڑکی رکھی جاتی تھی جو ہوا اور روشنی کا ذریعہ ہوتی اور اسی کے ذریعے لوگ غذا بھی پہنچا دیتے۔

بعد کو جب [illegible] (رہبانیت) کے باقاعدہ ادارے قائم ہوگئے تو اس طرح کے انفرادی انزوا کی مثالیں کم ہوتی گئیں تاہم تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ [illegible] تک یہ طریقہ [illegible] جاری تھا، اور یورپ کی کوئی آبادی ایسی نہ تھی جو اس طرح کی عمارتوں سے خالی ہو۔ ان مقامات کو عام طور پر Reclusoria کہتے تھے۔ اور جب ایک راہب یا راہبہ کا ان میں انتقال ہوجاتا تو ان پر یہ لاطینی لفظ کندہ کردیا جاتا کہ TU. ORA یعنی اس کے لئے دعا کرو۔

تیرھویں صدی

تمام مؤرخین متفق ہیں کہ مسیحی رہبانیت سب سے پہلے مشرق میں شروع ہوئی، اور اس کا بڑا مرکز فلسطین اور مصر تھا۔ پھر چوتھی صدی مسیحی میں یہ یورپ پہنچی، اور سینٹ بینی ڈکٹ (Benedict) نے سب سے پہلے اس کے قواعد و ضوابط منضبط کئے۔ سینٹ بینی ڈکٹ نے بھی ایک پہاڑ کی غار ہی میں گوشہ نشینی اختیار کی تھی۔

مسیحی رہبانیت کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ اس کی ابتدا اضطراری حالات سے ہوئی تھی۔ آگے چل کر اس نے ایک اختیاری عمل کی نوعیت پیدا کرلی یعنی ابتدا میں لوگوں نے مخالفوں کے ظلم و تشدد سے مجبور ہوکر غاروں اور جنگلوں میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ پھر ایسے حالات پیش آئے کہ یہ اضطراری طریقہ زہد و تعبد کا ایک اختیاری اور مقبول طریقہ بن گیا مزید تشریح اس مقام کی سورہ حدید کی تشریحات میں ملے گی۔

بہرحال معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف کا معاملہ بھی تمام تر اسی نوعیت کا تھا ابتدا میں قوم کے ظلم نے انہیں مجبور کیا تھا کہ غار میں پناہ لیں لیکن جب کچھ عرصہ تک وہاں مقیم رہے تو زہد و عبادت کا استغراق کچھ اس طرح ان پر چھا گیا کہ پھر دنیا کی طرف لوٹنے پر آمادہ نہ ہوسکے، اور گو ملک کی حالت بدل گئی تھی لیکن وہ بدستور غار ہی میں معتکف رہے۔ یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ انتقال اس حال میں ہوا کہ جس شخص نے ذکر و عبادت کی جو وضع اختیار کرلی تھی وہی وضع آخری لمحوں تک باقی رہی، ان کے وفادار کتے نے بھی آخر تک ان کا ساتھ دیا۔ وہ پاسبانی کے لئے دہانے کے قریب بیٹھا رہتا تھا۔ جب اس کے مالک مرگئے تو اس نے بھی وہیں بیٹھے بیٹھے دم توڑ دیا۔

اب اس واقعہ کے بعد غار کے اندرونی منظر نے ایک عجیب دہشت انگیز نوعیت پیدا کرلی اگر کوئی باہر سے جھانک کر دیکھے تو اسے

---

[1] عیسائیوں نے عبادت کی یہ وضع غالباً رومیوں سے لی۔ کیونکہ یہودیوں کے اوضاع نماز میں اس وضع کا پتہ نہیں چلتا۔ ان کا رکوع تقریباً ویسا ہی ہوتا ہے جیسا ہم نماز میں کیا کرتے ہیں۔

دنیا کی مختلف قوموں نے بندگی و نیازمندی کے اظہار کے لئے مختلف وضعیں اختیار کرلی تھیں رومی گھٹنا ٹیک کر جھک جاتے اور بادشاہ کے قدموں کو یا دامن کو بوسہ دیتے۔ مجرموں کے لئے بھی ضروری تھا کہ مجسٹریٹ کا فیصلہ گھٹنے ٹیک کر سنیں مصر، بابل، اور ایران میں سجدہ کی رسم پیدا ہوئی اور ہندوستان میں اوندھے منہ ہوکر بالکل لیٹ جانے کی۔ وکل حزب بما لدیھم فرحون!

قریب ایک کتا دونوں ہاتھ آگے کیے بیٹھا ہے حالانکہ نہ تو آدمی زندہ ہیں نہ کتا ہی زندہ ہے!

تحسبہم ایقاظاً و ہم رقود

لیکن باہر سے دیکھنے والا انہیں زندہ اور جاگتا کیوں سمجھے؟ اگر ان کی نعشیں پڑی ہیں تو نعشوں کو کوئی زندہ تصور نہیں کر سکتا۔ اگر "رقود" سے مقصود سونے کی حالت ہے، اور وہ لیٹے ہوئے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک لیٹا ہوا آدمی دیکھنے والے کو جاگتا دکھائی دے۔

مفسرین نے یہ اشکال محسوس کیا لیکن اس کا کوئی حل دریافت نہ کر سکے۔ بعضوں نے کہا، وہ اس لئے جاگتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں لیکن اگر ایک بے حس و حرکت نعش پڑی دکھائی دے اور اس کی آنکھیں کھلی ہوں تو دیکھنے والا اسے ہشیار و بیدار کیوں سمجھنے لگا؟ یہی سمجھے گا کہ مر گیا ہے مگر آنکھیں کھلی رہ گئی ہیں۔ بعضوں نے کہا تقلبہم ذات الیمین و ذات الشمال کی وجہ سے وہ بیدار دکھائی دیتے ہیں یعنی چونکہ دہنے بائیں کروٹ بدلتی رہتی ہے اس لئے دیکھنے والا خیال کرتا ہے بیدار ہیں لیکن یہ توجیہہ پہلے سے بھی زیادہ بے معنی ہے۔ اول تو کروٹ بدلنا بیداری کی دلیل نہیں آدمی گہری سے گہری نیند میں ہوتا ہے اور کروٹ بدلتا ہے ثانیاً اگر کروٹ بدلتے ہونگے تو کچھ وقفہ کے بعد بدلتے ہونگے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ہر آن کروٹ بدلتے ہی رہتے ہوں اور جب کبھی کوئی جھانک کر دیکھے انہیں کروٹ بدلتا ہی پائے! لطف یہ ہے کہ تقلبہم ذات الیمین و ذات الشمال کی تفسیر میں یہی مفسر ہمیں بتلاتے ہیں کہ بعضوں کے نزدیک سال میں دو دفعہ کروٹ بدلتی ہے بعضوں کے نزدیک ایک مرتبہ بعض کہتے ہیں تین سال بعد بعض کہتے ہیں نو سال بعد!

علاوہ بریں قرآن نے یہ بات جس اسلوب و شکل میں بیان کی ہے اس پر ان نکتہ سنجوں نے غور نہیں کیا۔ لواطلعت علیہم لولیت منہم فراراً ولملئت منہم رعباً۔ یعنی غار کے اندر کا منظر اس درجہ دہشت انگیز ہے کہ اگر تم جھانک کر دیکھو تو خوف کے مارے کانپ اٹھو اور الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہو۔ اس سے معلوم ہوا، غار کے اندر اصحاب کہف کے اجسام نے ایسا منظر پیدا کر دیا ہے جو بے حد دہشت انگیز ہے اگر کوئی آدمی باہر سے دیکھے، تو دیکھتے کے ساتھ ہی اس پر دہشت چھا جائے۔ معاً الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہو۔ اب اگر اندر کا منظر صرف اتنا ہی تھا کہ چند آدمی لیٹے ہوئے ہیں اور آنکھیں کھلی ہوئی ہیں تو یہ کوئی ایسی بات نہ تھی، جس سے اس درجہ دہشت انگیزی پیدا ہو سکے۔ علاوہ بریں جو آدمی باہر سے جھانکے گا، وہ اتنا باریک بین نہیں ہو سکتا کہ غار کی تاریکی میں لیٹے ہوئے آدمیوں کی آنکھیں بھی بہ اول نظر دیکھ لے اور وہ بھی اس حال میں کہ دہنے یا بائیں کروٹ پر لیٹے ہوئے ہوں!

مفسرین کی حیرانیاں
شانِ حقیقت

دراصل یہ سارا معاملہ ہی دوسرا ہے، اور جب تک مفسرین کے پیدا کئے ہوئے تخیل سے بالکل الگ ہو کر تحقیق نہ کی جائے، اصلیت کا سراغ نہیں مل سکتا۔

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جو حالت اس آیت میں بیان کی گئی ہے وہ کس وقت کی ہے؟ اس وقت کی ہے جب وہ نئے نئے غار میں جا کر مقیم ہوئے تھے؟ یا اس وقت کی جب انکشاف حال کے بعد دوبارہ معتکف ہو گئے؟ مفسرین نے خیال کیا، اس کا تعلق پہلے وقت سے ہے، اور یہی بنیادی غلطی ہے جس نے سارا الجھاؤ پیدا کر دیا ہے۔ دراصل اس کا تعلق بعد کے حالات سے ہے۔ یعنی جب وہ ہمیشہ کے لئے غار میں گوشہ نشین ہو گئے۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وفات پا گئے، تو غار کے اندرونی منظر کی یہ نوعیت ہو گئی تھی۔ تحسبہم ایقاظاً و ہم رقود "ایقاظ" سے مقصود ان کا زندہ ہونا ہے اور "رقود" سے مردہ ہونا۔ نہ کہ بیداری اور خواب۔ چنانچہ عربی میں زندگی و موت کے لئے یہ تعبیر عام و معلوم ہے۔

پھر یہ بات سامنے لانی چاہئے کہ یہ واقعہ مسیحی دعوت کی ابتدائی صدیوں کا ہے اور جنہیں پیش آیا تھا وہ عیسائی تھے صرف اتنی بات پر غور کرنے سے سارا معاملہ حل ہو جاتا ہے۔

مسیحی دعوت کے ابتدائی قرنوں ہی میں زہد و انزوا کی ایک خاص زندگی شروع ہو گئی تھی جس نے آگے چل کر رہبانیت (منا سٹک ازم) کی مختلف شکلیں اختیار کر لیں اس زندگی کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ لوگ ترک علایق کے بعد کسی پہاڑ کی غار میں یا کسی غیر آباد گوشہ میں معتکف ہو جاتے تھے۔ اور پھر ان پر استغراق عبادت کی ایسی حالت طاری ہو جاتی تھی کہ وضع و نشست کی جو حالت اختیار کر لیتے اسی میں پڑے رہتے یہاں تک کہ زندگی ختم ہو جاتی۔ مثلاً اگر قیام کی حالت میں مشغول

حسب ذیل کتابیں دیکھنی چاہئیں:

The Paradise or Garden of the Holy Fathers By. E.A.W. Budge.
The Evolution of the Monastic Ideal, By. H. Workman.
Five Centuries of Religion. By G.G. Coulton.
The Medieval Mind By. H. O. Taylor.

صاحب موسیٰ علیہ السلام

(۱۶) آیت ۶۵ میں حضرت موسیٰ کے جس شخص سے ملنے کا ذکر کیا گیا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص علم عطا فرمایا تھا وہ کون تھا؟ اس بارے میں قرآن نے کوئی تصریح نہیں کی ہے لیکن صحیحین کی روایت سعید بن جبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام خضر تھا۔ اس بارے میں بہت سی روایتیں مفسرین نے نقل کر دی ہیں جن کی صحت محل نظر ہے اور تصریحات متناقض اور زیادہ تر اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں۔

ذوالقرنین

(۱۷) اس سورت میں تیسرا واقعہ جو بیان کیا گیا ہے وہ ذوالقرنین کا ہے کیونکہ لوگوں نے اس بارے میں سوال کیا تھا۔ تمام مفسرین متفق ہیں کہ سوال یہودیوں کی جانب سے تھا۔ اگرچہ بالواسطہ مشرکین مکہ کی زبانی ہوا کیونکہ سورت مکی ہے۔

(ا) قرآن نے ذوالقرنین کی نسبت جو کچھ بیان کیا ہے اس پر بہ حیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے تو حسب ذیل امور سامنے آجاتے ہیں:

اولاً جس شخصیت کی نسبت پوچھا گیا ہے وہ یہودیوں میں ذوالقرنین کے نام سے مشہور تھا یعنی ذوالقرنین کا لقب خود قرآن نے تجویز نہیں کیا ہے، پوچھنے والوں کا مجوزہ ہے کیونکہ فرمایا و یسئلونک عن ذی القرنین (۸۳)

ثانیاً اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اسے حکمرانی عطا فرمائی تھی اور ہر طرح کا ساز و سامان جو ایک حکمران کے لئے ہو سکتا تھا، اس کے لئے فراہم ہو گیا تھا۔

ثالثاً اس کی بڑی مہمیں تین تھیں۔ پہلے مغربی ممالک فتح کئے پھر مشرقی۔ پھر ایک ایسے مقام تک فتح کرتا ہوا چلا گیا جہاں پہاڑی درہ تھا اور اس کی دوسری طرف سے یاجوج اور ماجوج آکر لوٹ مار کیا کرتے تھے۔

رابعاً۔ اس نے وہاں ایک نہایت محکم سد تعمیر کر دی اور یاجوج و ماجوج کی راہ بند ہو گئی۔

خامساً وہ ایک عادل حکمران تھا۔ جب وہ مغرب کی طرف فتح کرتا ہوا دور تک چلا گیا، تو ایک قوم ملی جس نے خیال کیا کہ دنیا کے تمام بادشاہوں کی طرح ذوالقرنین بھی ظلم و تشدد کرے گا لیکن ذوالقرنین نے اعلان کیا کہ بے گناہوں کے لئے کوئی اندیشہ نہیں ہے، جو لوگ نیک عملی کی راہ چلیں گے، ان کے لئے ویسا ہی اجر بھی ہوگا۔ البتہ ڈرنا انہیں چاہیے جو جرم و بد عملی کا ارتکاب کرتے ہیں (۸۵)

سادساً، وہ خدا پرست اور راست باز انسان تھا، اور آخرت کی زندگی پر یقین رکھتا تھا۔ (۸۷-۹۸)

سابعاً، وہ نفس پرست بادشاہوں کی طرح طامع اور حریص نہ تھا۔ جب ایک قوم نے کہا یاجوج اور ماجوج ہم پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک سد تعمیر کر دیں، ہم خراج دیں گے، تو اس نے کہا: ما مکنی فیہ ربی خیر۔ جو کچھ خدا نے مجھے دے رکھا ہے وہی میرے لئے بہتر ہے۔ میں تمہارے خراج کا طامع نہیں۔ یعنی میں خراج کی طمع سے یہ کام نہیں کروں گا۔ اپنا فرض سمجھ کر انجام دوں گا۔

تاریخ قدیم کی جس شخصیت میں یہ تمام اوصاف و اعمال پائے جائیں، وہی ذوالقرنین ہو سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ کون شخص تھا؟

مفسرین کی حیرانی۔

سب سے پہلا حل طلب مسئلہ جو مفسرین کے سامنے آیا وہ اس کے لقب کا تھا۔ عربی میں بھی اور عبرانی میں بھی "قرن" کے صاف معنی سینگ کے ہیں۔ پس "ذوالقرنین" کا مطلب ہوا دو سینگوں والا۔ لیکن چونکہ تاریخ میں کسی ایسے بادشاہ کا سراغ نہیں ملا جس کا ایسا

راہبوں کا ایک پورا مجمع ذکر و تعبد میں مشغول دکھائی دے گا۔ کوئی گھٹنے کے بل رکوع کی حالت میں ہے۔ کوئی سجدے میں پڑا ہے کوئی ہاتھ جوڑے اوپر کی طرف دیکھ رہا ہے۔ دہانے کے قریب ایک کتا ہے۔ وہ بھی بازو پھیلائے باہر کی طرف منہ کئے ہوئے ہے۔ یہ منظر دیکھ کر ممکن نہیں کہ آدمی دہشت سے کانپ نہ اٹھے! کیونکہ اس نے یہ سمجھ کر جھانکا تھا کہ مردوں کی قبر ہے۔ مگر منظر جو دکھائی دیا وہ زندہ انسانوں کا ہے!

(ن) یہ تعبیر سامنے رکھ کر معاملہ کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈالو۔ ہر بات اس طرح واضح ہو جاتی ہے گویا تمام قفلوں کو کھلنے کے لئے صرف اسی ایک کنجی کا انتظار تھا۔ تحسبہم ایقاظا وہم رقود کا مطلب بھی ٹھیک ٹھیک اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ کسی دور از کار توجیہہ کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ اس طرح کا منظر یہی خیال پیدا کرے گا کہ لوگ زندہ ہیں۔ حالانکہ زندہ نہیں۔ لو اطلعت علیہم لولیت منہم فرارا و لملئت منہم رعبا کی علت بھی سامنے آگئی، اور وہ تمام بے معنی توجیہیں غیر ضروری ہو گئیں جن پر امام رازی مجبور ہوئے ہیں۔ اگر تم کسی قبر کے اندر جھانک کر دیکھو اور تمہیں مردہ نعش کی جگہ ایک آدمی نماز پڑھتا دکھائی دے تو تمہارا کیا حال ہوگا؟ یقیناً مارے دہشت کے چیخ اٹھو گے! اسی طرح ونقلبہم ذات الیمین وذات الشمال کی تعبیر میں بھی کسی تکلف کی احتیاج باقی نہ رہی۔ غار شمال و جنوب رویہ واقع تھا اور ان دونوں جہتوں میں ہوا اور روشنی کے منافذ تھے جیسا کہ آیت وتری الشمس اذا طلعت سے متبادر ہوتا ہے۔ پس بالمقابل منافذ ہونے کی وجہ سے ہوا برابر اندر چلتی رہتی تھی، اور ان کے ڈھانچے دہنے سے بائیں اور بائیں سے دہنی جانب اس طرح متحرک رہتے تھے جیسے ایک زندہ آدمی ایک طرف سے پلٹ کر دوسری طرف آ جائے۔

تقلبہم ذات الیمین وذات الشمال

اس تفسیر کے بعد اس سوال کا جواب بھی خود بخود مل گیا کہ قرآن نے خصوصیت کے ساتھ یہ بات کیوں بیان کی کہ سورج کی کرنیں غار کے اندر نہیں پہنچتیں جیسا کہ آیت ۱۷ میں ہے؟ اور کیوں اسے قدرت الہی کی ایک نشانی فرمایا کہ ذلک من آیات اللہ؟ معلوم ہو گیا کہ یہ دراصل اس بات کی تمہید تھی جو بعد کو آیت (۱۸) میں بیان کی گئی ہے کہ تحسبہم ایقاظا وہم رقود۔ یعنی چونکہ یہ بات بیان کرنی تھی کہ مرنے کے بعد ان کی نعشیں عرصہ تک باقی رہیں حتی کہ دیکھنے والوں کو زندہ انسانوں کا گمان ہوتا تھا، اس لئے پہلے اس کی علت واضح کردی کہ جس غار میں معتکف ہوئے تھے وہ اس طرح کی غار تھی کہ انسانی جسم زیادہ سے زیادہ عرصہ تک اس میں قائم رہ سکتا تھا۔ کیونکہ سورج کی روشنی اس میں پہنچتی رہتی لیکن سورج کی تپش کا اس میں گزر نہ تھا۔ جو چیز نعش کو جلد گلا سڑا دیتی ہے وہ سورج کی تپش ہے اور جو چیز تازگی پیدا کرتی ہے وہ ہوا اور روشنی ہے۔ ہوا چلتی رہتی تھی، روشنی پہنچتی رہتی ہے، مگر تپش سے پوری حفاظت تھی؛ وذلک من آیات اللہ!

ذلک من آیات اللہ

(ح) ولبثوا فی کہفہم ثلاث مائۃ سنین وازدادوا تسعا (۲۵) کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ خود قرآن کی تصریح ہے کہ وہ لوگ اتنی مدت تک غار میں پڑے رہے؟ لیکن اگر ایسا ہے تو پھر اس کے بعد کیوں فرمایا کہ قل اللہ اعلم بما لبثوا؟ مفسرین کو اس اشکال کے دور کرنے میں طرح طرح کے تکلفات کرنے پڑے، حالانکہ صاف مطلب وہی ہے جو حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے۔ یعنی جس طرح پہلے ان کی تعداد کے بارے میں لوگوں کے مختلف اقوال نقل کئے تھے، اسی طرح یہاں مدت بقا کے بارے میں لوگوں کا قول نقل کیا ہے۔ یعنی لوگ کہتے ہیں غار میں تین سو برس تک رہے۔ بعضوں نے اس پر نو برس اور بڑھا دیئے۔ تم کہدو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ فی الحقیقت کتنی مدت گزر چکی ہے۔ پس یہ قرآن کی تصریح نہیں ہے۔ لوگوں کا قول ہے اور "سیقولون" سے نقل اقوال کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے، اسی سلسلہ کی یہ آخری کڑی ہے۔[1] حضرت عبداللہ ابن مسعود سے بھی ایسی ہی تفسیر مروی ہے۔[2]

ثلاث مائۃ سنین کی تفسیر

(ط) امام قرطبی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اولئک قوم فنوا و عدموا منذ مدۃ طویلۃ یعنی اصحاب کہف کی موت پر ایک مدت گزر چکی ہے۔ ان کے اجسام فنا ہوگئے جس طرح ہر جسم فنا ہو جاتا ہے۔ ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شام کی غزوات میں بعض صحابہ کا گزر اصحاب کہف کی غار پر ہوا تھا اور انہیں ان کی ہڈیاں ملی تھیں۔ اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس سے اس کی بھی مزید تصدیق ہوگئی کہ یہ واقعہ پیٹرا میں پیش آیا تھا۔

مسیحی رہبانیت کے طریقہ کی نسبت مندرجہ صدر بیان میں جو اشارات کئے گئے ہیں، ان کی تفصیلات کے لئے

[1] اخرج ابن ابی حاتم و ابن مردویہ عن ابن عباس۔ قال ان الرجل لیفسر الآیۃ یری انہا کذلک فیھوی ابعد ما بین السماء والارض ثم تلا "ولبثوا فی کہفہم" ثم قال کم لبث القوم؟ قالوا ثلاث مائۃ وتسع سنین۔ قال لو کانوا لبثوا کذلک لم یقل اللہ "قل اللہ اعلم بما لبثوا" ولکنہ حکی مقالۃ القوم فقال "سیقولون ثلاثۃ" الی قولہ "رجما بالغیب" فاخبر انہم لا یعلمون۔ ثم قال سیقولون "ولبثوا فی کہفہم ثلاث مائۃ سنین وازدادوا تسعا" (فتح القدیر) اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جو لوگ اس آیت کو قرآن کی تصریح قرار دیتے تھے، حضرت ابن عباس کے نزدیک وہ سخت غلطی میں تھے، اور حقیقت سے بالکل دور چلے گئے تھے۔

[2] اخرج ابن جریر عن قتادۃ فی حرف ابن مسعود "وقالوا ولبثوا فی کہفہم" یعنی انما قالہ الناس الا تری انہ قال "قل اللہ اعلم بما لبثوا"

ہیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں۔ اوپر خط میخی ہیں جو کتبہ کندہ ہے [illegible]
اس کے لئے کافی ہے کہ تمثال کی شخصیت واضح ہو جائے[1]۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ماوہ اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دینے کا تخیل ایک مقبول اور عام تخیل تھا اور یقیناً سائرس کو "ذوالقرنین" کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ [illegible]

~~دو سینگوں کا تخیل ابتداءً کیونکر پیدا ہوا؟ کیا اس کی بنیاد دانیال نبی کا خواب تھا یا بطور خود سائرس نے یا باشندگان پارس نے یہ تخیل پیدا کیا؟ اس کا فیصلہ مشکل ہے لیکن اگر تورات کی روایات تسلیم کر لی جائیں تو سائرس سے لے کر دارا زر کیسز، ارتخششت اول تک تمام شہنشاہانِ پارس انبیاء بنی اسرائیل سے عقیدت رکھتے تھے اور اس لئے ہو سکتا ہے کہ اسی خواب سے ذوالقرنین کا لقب پیدا ہو گیا ہو۔ بہرحال اب اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ سائرس کو ذوالقرنین سمجھا جاتا تھا۔ اور یقیناً عرب کے یہودی بھی اسے اسی لقب سے پکارا کرتے تھے۔~~

(ب) اس حقیقت کی وضاحت کے بعد جب سائرس کے ان حالات پر نظر ڈالی جاتی ہے جو یونانی مورخوں کی زبانی ہم تک پہنچے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے بیان کی ہو بہو تصویر ہے، اور دونوں بیان اس درجہ باہم مطابقت رکھتے ہیں کہ ممکن نہیں کسی دوسری شخصیت کا وہم و گمان بھی کیا جا سکے۔

زمانہ حال کے محققین تاریخ نے فارس کی تاریخ کو تین عہدوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا عہد حملہ اسکندر سے پہلے کا ہے۔ دوسرا پارتھوی یا ملوک الطوائف کا۔ تیسرا ساسانی سلاطین کا۔ فارسی شہنشاہی کی عظمت کا اصلی عہد وہی ہے جو حملہ اسکندر سے پہلے گزرا اور جس کی تاریخ سائرس کے ظہور سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے اس عہد کے حالات معلوم کرنے کے براہ راست ذرائع مفقود ہو گئے ہیں[3]۔ جس قدر بھی حالات روشنی میں آئے ہیں، تمام تر یونانی تحریروں سے ماخوذ ہیں۔ ان میں زیادہ معتمد تین مورخ ہیں: ہیرو ڈوٹس (Herodotus)، ٹی سیاز (Ctesies) اور زینوفن (Xenophon)

فتح ایران کے بعد جب عرب مورخین نے ایران کی تاریخ مرتب کرنی چاہی تو انہیں جس قدر مواد ہاتھ آیا، وہ تمام تر پارسیوں کی قومی روایات پر مشتمل تھا۔ ان روایات میں حملہ اسکندر سے پہلے کا زمانہ اسی طرح کے قومی افسانوں کی نوعیت رکھتا ہے، جس طرح ہندوستان میں پرانوں کے افسانے یا مہابھارت اور رامائن کے قصے ہیں۔ البتہ پچھلے دو عہدوں کی روایتیں تاریخی بنیاد پر مبنی تھیں۔ جب دقیقی اور فردوسی نے شاہنامہ نظم کرنا چاہا تو انہیں عربی میں یہی مواد ملا، اور اسی کو انہوں نے نظم کا جامہ پہنا دیا۔ پس یہ تمام ذخیرہ قبل از سکندر عہد کے لئے کچھ سود مند نہیں ہے۔ اور سائرس کے حالات کے لئے ہمیں تمام تر یونانی مورخین کی شہادت ہی پر اعتماد کرنا ہے۔ (ع ہ)

حضرت مسیح سے پانچ سو ساٹھ برس پہلے ایران کی سرزمین دو مملکتوں میں بٹی ہوئی تھی۔ جنوبی حصہ پارس کہلاتا تھا، اور شمالی مغربی میڈیا[4]۔ چونکہ ان کے ہمسایہ میں آشوری اور بابلی حکومتیں [illegible] عروج تک پہنچ چکی تھیں، اس لئے قدرتی طور پر یہ ان سے دبی

[1] اس تمثال کے لئے ڈیولافوئے مارسل (Marcel Dieulafoy) کی L'art antique en Perse دیکھنی چاہئے۔

[2] یاد رکھنا چاہئے کہ شاہان فارس کے ناموں نے مختلف زبانوں میں مختلف صورتیں اختیار کر لی ہیں، اور اس کی وجہ سے مورخوں نے سخت غلطیاں کی ہیں۔ سائرس کا اصلی نام غالباً گورو یا گوروش تھا جیسا کہ دارا کے کتبہ بے ستون سے معلوم ہوتا ہے لیکن یونانی اسے سائرس Cyrus کہنے لگے۔ اور یہودیوں نے اس کا تلفظ خورس کی شکل میں کیا، چنانچہ یسعیاہ، ارمیاہ اور دانیال کے صحائف میں جا بجا یہ نام آیا ہے۔ ~~اور یہی گوروش ... عربی میں خسرو کی شکل ...~~ ~~... ہے کیخسرو کے نام سے پکارتے ہیں۔~~ سائرس کا لڑکا کیم بی سیز Cambyses ہوا۔ یہ بھی یونانی تلفظ ہے۔ اس کا فارسی نام کمبوجیہ تھا ~~جسے ... کیقباد ... اختیار کر لیا ...~~ [illegible] ~~کیقباد~~ کے بعد دارا ہوا جسے عام طور پر دارا کے نام سے پکارا جاتا ہے اور تورات میں بھی یہی نام آیا ہے۔ دارا کے بعد ارتا زرکسیز ہوا جسے تورات میں ارتخششت کے نام سے یاد کیا ہے اور عربوں میں اردشیر مشہور ہو گیا۔

[3] دارا اور اردشیر کے چند کتبوں کو اس سے مستثنیٰ کر دینا چاہئے جو مردوشت کے گرد و نواح میں موجود ہیں جہاں قدیم دار الحکومت [illegible] آباد تھا۔ ان کتبوں سے خصوصاً دارا کے کتبہ بے ستون سے بعض اہم تاریخی انکشافات ہوئے ہیں، اور ہیرو ڈوٹس کے بعض بیانات کی تصدیق بھی ہو گئی ہے۔

[4] دارا کے کتبہ بے ستون میں اس کا نام مادا آیا ہے، اس لئے میڈیا یونانی تلفظ سمجھنا چاہئے۔ عرب مورخوں نے اسے ماہات سے تعبیر کیا ہے۔

سائرس کے تاریخ

نوٹ

پارس اور میڈیا کمال

لقب رہا ہو، اس لئے مجبوراً "قرن" کے معنی میں طرح طرح کے تکلفات کرنے پڑے۔ پھر چونکہ فتوحات کی وسعت اور مغرب و مشرق کی حکمرانی کے لحاظ سے سکندر مقدونی کی شخصیت سب سے زیادہ مشہور رہی ہے، اس لئے متاخرین کی نظریں اسی کی طرف اٹھ گئیں۔ چنانچہ امام رازی نے سکندر ہی کو ذوالقرنین قرار دیا ہے، اور اگرچہ حسب عادت وہ تمام اعتراضات نقل کر دئے ہیں جو اس تفسیر پر وارد ہوتے ہیں، لیکن پھر حسب عادت ان سب کے مہمل جوابات پر مطمئن بھی ہو گئے ہیں۔ حالانکہ کسی اعتبار سے بھی قرآن کا ذوالقرنین سکندر مقدونی نہیں ہو سکتا۔ نہ تو وہ خدا پرست تھا۔ نہ عادل تھا۔ نہ مفتوح قوموں کے لئے فیاض تھا، اور نہ ہی اس نے کوئی سد بنائی۔

بہرحال مفسرین ذوالقرنین کی شخصیت کا سراغ نہ لگا سکے۔

دانیال نبی کا خواب

اگر ذوالقرنین کے مفہوم کا کوئی سراغ ملتا تھا تو وہ صرف ایک دور کا اشارہ تھا جو حضرت دانیال کی کتاب میں ملتا ہے یعنی ایک خواب جو انہوں نے بابل کی اسیری کے زمانے میں دیکھا تھا۔

حضرت دانیال کی نسبت بیان کیا گیا ہے

بابل کی اسیری کا زمانہ یہودیوں کے لئے نہایت مایوسی کا زمانہ تھا۔ ان کی قومیت پامال ہو چکی تھی، ان کا ہیکل منہدم ہو چکا تھا، ان کے شہر اجاڑ تھے، اور وہ نہیں جانتے تھے کہ اس ہلاکت کے بعد ان کی زندگی کا کیا سامان ہو سکتا ہے۔ اسی زمانہ میں دانیال کا ظہور ہوا جو اپنے علم و حکمت کی وجہ سے شاہان بابل کے دربار میں نہایت مقرب ہو گئے تھے۔ انہی کی نسبت تورات میں بیان کیا گیا ہے کہ بیلشضر شاہ بابل کی سلطنت کے تیسرے برس انہوں نے ایک خواب دیکھا تھا، اور اس خواب میں انہیں آنے والے واقعات کی بشارت دی گئی تھی۔

چنانچہ کتاب دانیال میں ہے "میں کیا دیکھتا ہوں کہ ندی کے کنارے ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ ہیں۔ دونوں سینگ اونچے تھے لیکن ایک دوسرے سے بڑا تھا اور بڑا دوسرے کے پیچھے تھا۔ میں نے دیکھا کہ پچھم، اتر، اور دکھن کی طرف وہ سینگ مارتا ہے یہاں تک کہ کوئی جانور اس کے سامنے کھڑا نہ رہ سکا۔ اور وہ بہت بڑا ہو گیا۔ میں یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ دیکھو پچھم کی طرف سے ایک بکرا آ کے تمام روئے زمین پر پھر گیا۔ اس بکرے کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک عجب طرح کا سینگ تھا وہ دو سینگ والے مینڈھے کے پاس آیا اور اس پر غضب سے جھپٹا، اور اس کے دونوں سینگ توڑ ڈالے اور مینڈھے کو قوت نہ تھی کہ اس کا مقابلہ کرے" دانیال (۸: ۱) پھر اس کے بعد ہے کہ جبرئیل نمایاں ہوا اور اس نے اس خواب کی یہ تعبیر بتلائی کہ "دو سینگوں والا مینڈھا مادہ اور فارس کی بادشاہت ہے اور بال، بال بکرا یونان کی۔ جو بڑا سینگ اس کی آنکھوں کے درمیان دکھائی دیا ہے، وہ اس کا پہلا بادشاہ ہوگا (۸: ۱۵)

دو سینگوں والی شہنشاہی

اس بیان سے معلوم ہوا کہ مادہ (میڈیا) اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی گئی تھی، اور چونکہ یہ دونوں مملکتیں مل کر ایک شہنشاہی بننے والی تھیں، اس لئے شہنشاہ مادہ و فارس کو دو سینگوں والے مینڈھے کی شکل میں ظاہر کیا گیا۔ پھر اس مینڈھے کو جس نے شکست دی وہ یونان کے بکرے کا پہلا سینگ تھا یعنی سکندر مقدونی تھا جس نے فارس پر حملہ کیا اور کیانی شہنشاہی کا خاتمہ ہو گیا۔

اس خواب میں بنی اسرائیل کے لئے بشارت یہ تھی کہ ان کی آزادی و خوش حالی کا نیا دور اسی دو سینگوں والی شہنشاہی کے ظہور سے وابستہ تھا۔ یعنی شہنشاہ فارس بابل پر حملہ کرکے فتح مند ہونے والا تھا، اور پھر اسی کے ذریعہ بیت المقدس کی از سر نو تعمیر اور یہودی قومیت کی دوبارہ شیرازہ بندی ہونے والی تھی۔ چنانچہ چند برسوں کے بعد سائرس کا ظہور ہوا۔ اس نے میڈیا اور پارس کی مملکتیں ملا کر ایک عظیم الشان شہنشاہی قائم کر دی، اور پھر بابل مسخر کر لیا۔

کو بھی

چونکہ اس خواب میں میڈیا اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی گئی تھی۔ اس لئے خیال ہوتا تھا کہ عجب نہیں فارس کے شہنشاہ کے لئے یہودیوں میں ذوالقرنین کا تخیل پیدا ہو گیا ہو۔ یعنی دو سینگوں والی شہنشاہی، اور وہ اسے اس لقب سے پکارتے ہوں تاہم یہ محض ایک قیاس تھا۔ اس کی تائید میں کوئی تاریخی شہادت موجود نہ تھی۔

اب سائرس کے مجسمہ کا انکشاف

لیکن سنہ ۱۸۳۸ء کے ایک انکشاف نے جس کے نتائج بہت عرصہ کے بعد منظر عام پر آئے اس قیاس کو ایک تاریخی حقیقت ثابت کر دیا اور معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت شہنشاہ سائرس کا لقب ذوالقرنین تھا، اور یہ محض یہودیوں کا کوئی مذہبی تخیل نہ تھا۔ بلکہ خود سائرس کا باشندگان فارس کا تجویز اور پسندیدہ نام تھا۔

اس انکشاف نے شک و تخمین کے تمام پردے اٹھا دئے۔ یہ خود سائرس کی ایک سنگی تمثال ہے جو اصطخر ([illegible]) کے کھنڈروں میں دستیاب ہوئی۔ اس میں سائرس کا جسم اس طرح دکھایا گیا ہے کہ اس کے دونوں طرف عقاب کی طرح پر نکلے ہوئے

تقریباً یہی زمانہ ہے جب باشندگانِ بابل نے اس سے درخواست کی ہے کہ بیل شازار[1] (Belshazzar) کے مظالم سے انہیں نجات دلائے۔

نینوا کی تباہی نے ایک نئی بابلی شہنشاہی کی بنیادیں استوار کردی تھیں اور [redacted] (بخت نصر) کی قاہرانہ فتوحات نے تمام مغربی ایشیا کو مسخر کر لیا تھا۔ اس کا حملۂ بیت المقدس تاریخ کا ایک انقلاب انگیز واقعہ ہے۔ وہ صرف پادشاہوں کو مسخر ہی نہیں کرتا تھا بلکہ قوموں کو غلام بناتا اور ملکوں کو تباہ کر ڈالتا تھا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد کوئی ایسی شخصیت پیدا نہیں ہوئی جو اس کی جنگ جویانہ قوتوں کی جانشین ہوتی۔ اس کے بعد بابل کے مندروں کے پوجاریوں نے (جو ملک میں سب سے زیادہ اثر و مقبولیت رکھتے تھے) نابونی دس (Nabonidus) کو تخت نشین کیا تھا لیکن اس نے حکومت کا تمام کاروبار بیل شازار کے ہاتھ چھوڑ دیا۔ جو ظلم و عیاشی کا مجسمہ تھا۔ اسی کی نسبت [redacted] صحیفہ میں ہم پڑھتے ہیں کہ بیت المقدس کے ہیکل کے مقدس پیالوں میں اس نے شراب پی تھی۔ اور ایک غیبی ہاتھ نے نمایاں ہو کر "منے منے تقتیل اور فرسین" کے الفاظ دیوار پر لکھ دیئے تھے (دانیال ۵: ۱)

تمام [redacted] متفق ہیں کہ اس عہد میں بابل سے زیادہ مستحکم اور ناقابلِ فتح [redacted] اس کی چار دیواری اتنی موٹی تہ در تہ اور اونچی تھی کہ اسے مسخر کرنے کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بایں ہمہ سائرس نے باشندگانِ بابل کی فریاد پر لبیک کہا اور دوآبہ کا تمام علاقہ فتح کرتا ہوا شہر کے سامنے نمودار ہو گیا۔ چونکہ خود باشندگانِ شہر بیل شازار کے مظالم سے تنگ آگئے تھے اور سائرس کے لئے چشم براہ تھے، اس لئے انہوں نے ہر طرح اس کا ساتھ دیا۔ خود بابلی مملکت کا ایک سابق گورنر گوبریاس (Gobryas) اس کی فوج کے ساتھ تھا۔ ہیروڈوٹس کا بیان ہے کہ اسی شخص نے دریا میں نہریں کاٹ کر اس کا بہاؤ دوسری طرف ڈال دیا۔ اور دریا کی جانب سے فوج شہر میں داخل ہو گئی۔ قبل اس کے کہ خود سائرس شہر میں پہنچے شہر فتح ہو چکا تھا۔

[redacted] کہ سائرس کا ظہور اور بابل کی فتح بنی اسرائیل کے لئے زندگی و خوشحالی کا نیا پیام تھا، اور یہ ٹھیک اسی طرح ظہور میں آئی جس طرح یسعیاہ نبی نے ایک سو ساٹھ برس پہلے اور یرمیاہ نے ساٹھ برس پہلے وحی الٰہی سے مطلع ہو کر خبر دیدی تھی۔ چنانچہ سائرس نے دانیال نبی کی نہایت توقیر کی، یہودیوں کو یروشلم میں بسنے کی اجازت دیدی۔ نیز اپنی تمام مملکت میں اعلان کیا کہ "خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ یروشلم میں اس کے لئے ایک ہیکل بناؤں (یعنی قدیم برباد شدہ ہیکل سلیمان کو ازسرِ نو تعمیر کروں) پس تمام لوگوں کو ہر طرح کا ساز و سامان اس کے لئے مہیا کرنا چاہئے" اس نے سونے چاندی کے وہ تمام ظروف جو [redacted] ہیکل سے لوٹ کر لایا تھا، بابل کے خزانہ سے نکلوائے اور یہودیوں کے ایک امیر شیش بضر کے حوالے کر دیئے کہ ہیکل کی تعمیر کے بعد اس میں بدستور رکھ دیئے جائیں (عزرا - باب اول)

بابل کی فتح کے بعد سائرس کی عظمت تمام مغربی ایشیا میں مسلّم ہو گئی ۵۳۹ سنہ قبل مسیح میں صرف اسی کی تنہا شخصیت عظمت و حکمرانی کے عالمگیر تخت پر نمایاں نظر آتی ہے۔ بارہ برس پہلے وہ پارس کے پہاڑوں کا ایک گمنام انسان تھا، لیکن اب ان تمام مملکتوں کا تنہا فرمانروا ہے جو صدیوں تک قوموں کی ابتدائی عظمتوں اور فتح مندیوں کا مرکز رہ چکی ہیں۔ فتح بابل کے بعد وہ تقریباً دس برس تک زندہ رہا اور ۵۲۹ سنہ قبل مسیح میں انتقال کر گیا۔

(۱۸) اب قبل اس کے کہ قرآن کے بیان کردہ حالات پر نظر ڈالی جائے اس بات پر غور کر لینا چاہئے کہ انبیاء بنی اسرائیل کی پیشین گوئیاں اس شخصیت کے بارے میں کیا تھیں، اور [redacted] کس طرح وہ حرف بحرف پوری ہوئیں؟

اس سلسلہ میں سب سے پہلے پیشین گوئی یسعیاہ نبی کی ہے جن کا ظہور سائرس کے فتح بابل سے ایک سو ساٹھ برس پہلے ہوا تھا۔ انہوں نے پہلے بیت المقدس کی تباہی کی خبر دی ہے کہ بابل کے ہاتھوں ظہور میں آئے گی اس کے بعد اس کی دوبارہ

[1] دانیال نبی کی کتاب میں اسے جا بجا بیلشضر کے نام سے پکارا گیا ہے لیکن بابل کے کتبوں سے اس کا صحیح نام جو معلوم ہوا ہے یہی ہے۔ علاوہ بریں معلوم ہوتا ہے کہ نوشتہ کے لکھنے والوں نے سائرس اور دارا کے دو مختلف حملوں کا امتیاز ملحوظ نہیں رکھا ہے، اور کہیں سائرس کی جگہ دارا کا نام آگیا ہے کہیں دارا کی جگہ سائرس کا۔ تاریخی حیثیت سے جو واقعہ ثابت ہوا ہے وہ یہ ہے کہ بابل پر فارس کے دو حملے ہوئے ہیں پہلا سائرس نے کیا دوسرا دارا نے۔ سائرس نے بابل فتح کر کے اس کی اندرونی حکومت وطنی امراء کے ہاتھ چھوڑ دی تھی پھر تقریباً بیس برس بعد امراء بابل نے بغاوت کی اور دارا مجبور ہوا کہ دوبارہ بابل کو فتح کرے۔

ہوئی تھیں۔ دونوں مملکتوں میں مختلف قبایل کے امرا رتھے جو اپنے اپنے حلقوں میں قبائلی حکومت رکھتے تھے۔ ٦١٢ سنہ قبل مسیح میں جب نینوا تباہ ہوگیا اور آشوری فرمانروائی ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی، تو میڈیا کے باشندے آزاد ہوگئے اور بتدریج ایک قوی حکومت نشو و نما پانے لگی۔ اسی طرح پارس کے امرا قبایل میں سے بھی بعض امیروں کو سر اٹھانے کا موقعہ مل ملا۔ اور حکمران خاندان پیدا ہوگیا۔ تاہم یہ دونوں مملکتیں وقت کی بے اثر حکومتیں تھیں اور بابل کی شہنشاہی جسے (بخت نصر) کی قہارانہ فتحمندیوں نے تمام ایشیا میں سربلند کر دیا تھا، سب پر چھائی ہوئی اور سب کو مقہور کئے ہوئے تھی۔

سارس کا ظہور

لیکن ٥٥٩ سنہ قبل از مسیح میں ایک غیر معمولی شخصیت غیر معمولی حالات کے اندر ابھری اور اچانک تمام دنیا کی نگاہیں اسکی طرف اٹھ گئیں۔ یہ پارس کے لیکے مَنی نیز خاندان کا ایک نوجوان گورش تھا۔ جسے یونانیوں نے سائرس عبرانیوں نے خورش کے نام سے پکارا۔ اسے پہلے پارس کے تمام امیروں نے اپنا فرمانروا تسلیم کر لیا۔ پھر بغیر کسی خونریزی کے میڈیا کی مملکت پر فرمانروا ہوگیا۔ اور اس طرح دونوں مملکتوں نے ملکر ایران کی ایک عظیم الشان شہنشاہی کی صورت اختیار کرلی۔

اور عربوں نے گورش اور خیارشا یا کیا رشتا

پھر اسکی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ وہ فتوحات نہیں جو ظلم و قہر کی خونریزیوں کے ذریعہ حاصل کی جاتی تھیں بلکہ انسانیت و عدالت کی فتوحات جو تمامتر اس لئے تھیں کہ مظلوم قوموں کی دادرسی اور پامال ملکوں کی دستگیری ہو۔ چنانچہ ابھی بارہ برس کی مدت بھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ بحر اسود سے لے کر بکٹریا (باختر) تک ایشیا کی تمام عظیم الشان مملکتیں اس کے آگے سر بسجود ہو چکی تھیں۔

ابتدائی زندگی

دنیا کی تمام غیر معمولی شخصیتوں کی طرح سائرس کے ابتدائی حالات نے بھی ایک پُر اسرار افسانہ کی نوعیت اختیار کرلی ہے اور ہمیں اسکی جھلک تاہم ہیرا سے کے افسانوں میں صاف صاف نظر آجاتی ہے۔ اس کا اٹھان زندگی کے عام اور معمولی حالات میں نہیں ہوا، بلکہ ایسے عجیب حالات میں جو ہمیشہ پیش نہیں آتے اور جب کبھی پیش آتے ہیں تو یہ قدرت کی ایک غیر معمولی کرشمہ سنجی ہوتی ہے قبل اس کے کہ وہ پیدا ہو، اس کے نانا اسٹیاگس (Astyages) نے اس کی موت کا سامان پیدا کر دیا تھا لیکن وہ ایک حیرت انگیز طریقہ پر بچا لیا جاتا ہے، اور اسکی ابتدائی زندگی جنگلوں اور پہاڑوں میں بسر ہوتی ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ اس کی غیر معمولی قابلیتیں اور اعلیٰ اخلاق و خصایل اسے ملک میں نمایاں کرتے ہیں اور اسکی خاندانی شخصیت پہچان لی جاتی ہے اب اسے پورا موقعہ حاصل تھا کہ اپنے دشمنوں سے انتقام لے لیکن اسے ایک لمحہ کے لئے بھی اس کا خیال نہیں گذرتا۔ حتیٰ کہ خود اسٹیاگس کی زندگی بھی اس کے ہاتھوں محفوظ رہتی ہے۔

لیڈیا کی فتح

تخت نشینی کے بعد سب سے پہلی جنگ جو اسے پیش آئی۔ وہ لیڈیا (Lydia) کے بادشاہ کروسیس (CROESUS) سے تھی لیکن تمام مورخین متفق ہیں کہ حملہ کروسیس کی طرف سے ہوا تھا، اور اس نے سائرس کو دفاع پر مجبور کر دیا تھا۔ لیڈیا سے مقصود ایشیائے کوچک کا مغربی اور شمالی حصہ ہے جو یونانی تمدن کا ایشیائی مرکز بن گیا تھا، اور اسکی حکومت بھی اپنے تمام خصائص میں ایک یونانی حکومت تھی۔ جنگ میں سائرس فتحیاب ہوا۔ لیکن رعایا کے ساتھ کسی طرح کی بدسلوکی نہیں کی گئی۔ انہیں محسوس بھی نہیں ہوا کہ ملک ایک انقلاب جنگ کی حالت سے گزر رہا ہے۔ البتہ کروسیس کی نسبت یونانی روایت یہ ہے کہ اس کے عزم و ہمت کی آزمایش کے لئے سائرس نے حکم دیا تھا، چتا تیار کی جائے اور اسے جلا دیا جائے، لیکن جب اس نے دیکھا وہ مردانہ وار چتا پر بیٹھ گیا ہے تو فوراً اسکی جان بخشی کردی، اور اس نے بقیہ زندگی عزت و احترام کے ساتھ بسر کی۔

اس ہم بٹھا کر

مشرقی فتوحات

اس جنگ کے بعد اسے مشرق کی طرف متوجہ ہونا پڑا، کیونکہ گیڈروسیا (مکران) اور بکٹریا (بلخ) کے وحشی قبایل نے سرکشی کی تھی۔ یہ مہم ٥٤٠ سنہ قبل مسیح کی درمیانی مدت میں واقع ہوئی ہوگی۔

۵ دارا نے بے ستون کے کتبہ میں اپنا سلسلۂ نسب ہخامنش نامی بادشاہ سے ملایا ہے۔ یہی ہخامنش یونانی میں (Achaemenes) ہوگیا۔ ہیرو ڈوٹس کی روایت کے مطابق یہ سائرس کا پڑدادا تھا یعنی ایکے مَی نیز سے ٹیس پیز (چائش پش) پیدا ہوا اس سے کم بی سیز (کمبوجیہ) اول اور کم بی سیز سے سائرس۔ سائرس نے اپنے بڑے لڑکے کا نام بھی کم بی سیز رکھا تھا۔

(۱) سب سے پہلے اس بات پر غور کرو کہ ذوالقرنین کی نسبت سوال بالاتفاق یہودیوں کی جانب سے ہوا تھا، اور یہ ظاہر ہے کہ اگر کسی غیر یہودی پادشاہ کی شخصیت یہودیوں میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جا سکتی تھی، تو وہ صرف سائرس ہی کی تھی۔ نبیوں کی پیشین گوئیوں کا مصداق، دانیال نبی کے خواب کا ظہورِ رحمتِ الٰہی کی واپسی کی بشارت، بنی اسرائیل کا نجات دہندہ، خدا کا فرستادہ چرواہا اور ہیکلِ یروشلم کی تعمیرِ ثانی کا وسیلہ! پس اس سے زیادہ قدرتی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسی کی نسبت ان کا سوال ہو؟

سدی کی ایک روایت میں بھی جو قرطبی وغیرہ نے نقل کی ہے اس طرف صریح اشارہ ملتا ہے: قال: قالت الیھود۔ اخبرنا عن نبی لم یذکرہ اللہ فی التوراۃ الا فی مکان واحد۔ قال ومن؟ قالوا ذوالقرنین۔ یعنی یہودیوں نے آنحضرت سے کہا: اس نبی کی نسبت ہمیں خبر دیجیے جس کا نام تورات میں صرف ایک ہی مقام پر آیا ہے۔ آپ نے فرمایا، وہ کون؟ کہا ذوالقرنین چونکہ سائرس کے ذوالقرنین ہونے کا اشارہ صرف دانیال نبی کے خواب ہی میں آیا ہے اس لئے یہودیوں کا یہ بیان ٹھیک ٹھیک اسی طرف اشارہ تھا۔

علاوہ بریں سائرس کے تمثال کے انکشاف نے قطعی طور پر یہ بات آشکارا کر دی ہے کہ اس کے سر پر دو سینگوں کا تاج رکھا گیا تھا، اور یہ فارس اور مادہ کی مملکتوں کے اجتماع و اتحاد کی علامت تھی۔

(۲) اس کے بعد قرآن کی تصریحات سامنے لاؤ۔ سب سے پہلا وصف جو اس کا بیان کیا ہے، یہ ہے کہ انا مکنا لہ فی الارض واٰتینٰہ من کل شیء سببا (۸۴) ہم نے اسے زمین میں قدرت دی تھی اور ہر طرح کا ساز و سامان مہیا کر دیا تھا۔ قرآن جب کبھی انسان کی کسی کامرانی و خوش حالی کو براہ راست خدا کی طرف منسوب کر کے کہتا ہے جیسا کہ یہاں کہا ہے، تو اس سے مقصود عموماً کوئی ایسی بات ہوتی ہے جو عام حالات کے خلاف محض اس کے فضل و کرم سے ظہور میں آئی ہو۔ مثلاً حضرت یوسف کی نسبت فرمایا۔ کذلک مکنا لیوسف فی الارض (۱۲: ۵۶) اس طرح ہم نے سرزمین مصر میں یوسف [illegible]۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ حضرت یوسف کو ہر طرح کے ناموافق حالات میں محض فضلِ الٰہی سے ایک غیر معمولی بات حاصل ہو گئی تھی، یہ بات نہ تھی کہ عام حالات کے مطابق ظہور میں آئی ہو۔ پس ضروری ہے کہ ذوالقرنین کو بھی حکمرانی کا مقام ایسے ہی حالات میں ملا ہو جو بالکل غیر معمولی قسم کے ہوں۔ اور انہیں محض توفیقِ الٰہی کی کرشمہ سازی سمجھا جا سکے کیونکہ اس کے تمکن فی الارض کو براہ راست خدا کی طرف نسبت دی گئی ہے۔

لیکن اس اعتبار سے سائرس کی زندگی ٹھیک ٹھیک اس آیت کی تصویر ہے۔ اس کی ابتدائی زندگی ایسے حالات میں بسر ہوئی جنہیں حیرت انگیز حوادث نے ایک افسانہ کی شکل دے دی ہے۔ قبل اس کے کہ پیدا ہو، خود اس کا نانا اس کی موت کا خواہشمند ہو گیا تھا۔ ایک وفادار آدمی اس کی زندگی بچا لیتا ہے اور وہ شاہی خاندان سے بالکل الگ ہو کر ایک گمنام گڈریے کی طرح پہاڑوں میں زندگی بسر کرتا ہے۔ پھر اچانک نمایاں ہوتا ہے، اور بغیر کسی جنگ و مقابلہ کے میڈیا کا تخت اس کے لئے خالی ہو جاتا ہے۔ یقیناً یہ صورتِ حال واقعات و حوادث کی عام رفتار نہیں ہے جو ہمیشہ پیش آتی ہو۔ نوادرِ ہستی کی ایک غیر معمولی عجائب آفرینی ہے، اور صاف نظر آ رہا ہے کہ قدرت کا مخفی ہاتھ کسی خاص مقصد سے ایک خاص ہستی تیار کر رہا ہے، اور زمانہ کی عام رفتار تھم گئی ہے تاکہ اس کی راہ صاف ہو جائے۔

(۳) اس کے بعد اس کی تین بڑی مہموں کا ذکر آتا ہے ایک مغرب الشمس کی طرف یعنی پچھم کی طرف۔ ایک مطلع الشمس کی طرف یعنی پورب کی طرف[1]۔ تیسری ایک ایسے مقام تک جہاں کوئی وحشی قوم آباد تھی اور یاجوج اور ماجوج وہاں آ کر لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔ اب دیکھو یہ تمام تفصیلات کس طرح ٹھیک ٹھیک سائرس کی فتوحات پر منطبق ہوتی ہیں؟

اوپر پڑھ آئے ہو کہ سائرس نے ابھی فارس اور میڈیا کا تاج سر پر رکھا ہی تھا کہ ایشیائے کوچک کے پادشاہ کروسس نے حملہ کر دیا۔

ایشیائے کوچک کی یہ پادشاہت جو لیڈیا کے نام سے مشہور ہوئی پچھلی صدی کے اندر ابھری تھی اس کا دار الحکومت سارڈیس (Sardis) تھا۔ سائرس کی تخت نشینی سے پہلے میڈیا اور لیڈیا میں کئی جنگیں ہو چکی تھیں۔ بالآخر کروسس کے باپ نے سائرس کے نانا اسٹیاگس کے باپ سے صلح کر لی، اور باہمی اتحاد کے استحکام کے لئے باہمی ازدواج کا رشتہ بھی قائم ہو گیا۔

[1] یاد رہے کہ پچھم اور پورب کے لئے مغرب الشمس اور مطلع الشمس کی تعبیر تورات میں بھی جا بجا آئی ہے مثلاً ذکریاہ نبی کی کتاب میں ہے "رب الافواج فرماتا ہے میں اپنے لوگوں کو سورج نکلنے کے ملک اور اس کے ڈوبنے کے ملک سے چھڑا لوں گا (۸: ۷)

تفسیر انا مکنا لہ فی الارض

کا قدم جمادیا

"وہم نے جمادیا"

تین مہمیں

جرمن نقادوں نے یسعیاہ کی کتاب کے دو حصے کر دیئے ہیں۔

پہلا حصہ آیت (۵۰) پر ختم ہو جاتا ہے۔ دوسرا آیت ۵۱ سے شروع ہوتا ہے۔ پہلے کی نسبت تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ مرسی یسعیاہ کا نوشتہ ہوگا۔ جو فتح بابل سے ایک سو ساٹھ برس پہلے پیدا ہوا تھا۔ دوسرے کی نسبت یقین کیا جاتا ہے کہ یہ حملۂ بابل [illegible] کے زمانے ہی میں لکھا گیا ہے اور اس کی زبان اور اسلوب بیان بھی پہلے حصے سے مختلف ہے۔ پہلے حصے کو وہ یسعیاہ اول اور دوسرے کو یسعیاہ دوم کے نام سے پکارتے ہیں۔ لیکن بہرحال
۴۴ ہمیں یہاں یہ نہیں دیکھنا ہے کہ عہد عتیق کے نوشتوں کی تاریخی حیثیت کیا ہے۔ ہمیں صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ یہودیوں کا عام عقیدہ اس بارے میں کیا تھا

(۱) سب سے پہلے اس بات پر غور کرو کہ ذوالقرنین کی نسبت سوال بالاتفاق یہودیوں کی جانب سے ہوا تھا، اور یہ ظاہر ہے کہ اگر کسی غیر یہودی بادشاہ کی شخصیت یہودیوں میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جاسکتی تھی، تو وہ صرف سائرس ہی کی تھی۔ نبیوں کی پیشین گوئیوں کا مصداق، دانیال نبی کے خواب کا ظہورِ رحمتِ الٰہی کی واپسی کی بشارت، بنی اسرائیل کا نجات دہندہ، خدا کا فرستادہ چرواہا اور مسیح، یروشلم کی تعمیر ثانی کا وسیلہ! پس اس سے زیادہ قدرتی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ اسی کی نسبت ان کا سوال ہو؟

سدی کی ایک روایت میں بھی جو قرطبی وغیرہ نے نقل کی ہے اس طرف صریح اشارہ ملتا ہے: قال، قالت الیھود۔ اخبرنا عن نبی لم یذکرہ اللہ فی التورات الا فی مکان واحد۔ قال ومن؟ قالوا ذوالقرنین۔ یعنی یہودیوں نے آنحضرت سے کہا۔ اس نبی کی نسبت ہمیں خبر دیجئے جس کا نام تورات میں صرف ایک ہی مقام پر آیا ہے۔ آپ نے فرمایا، وہ کون؟ کہا ذوالقرنین چونکہ سائرس کے ذوالقرنین ہونے کا اشارہ صرف دانیال نبی کے خواب ہی میں آیا ہے اس لئے یہودیوں کا یہ بیان ٹھیک ٹھیک اسی طرف اشارہ تھا۔

علاوہ بریں سائرس کے تمثال کے انکشاف نے قطعی طور پر یہ بات آشکارا کردی ہے کہ اس کے سر پر دو سینگوں کا تاج رکھا گیا تھا، اور یہ فارس اور مادہ کی مملکتوں کے اجتماع و اتحاد کی علامت تھی۔

تفسیر انامکنالہ فی الارض

(۲) اس کے بعد قرآن کی تصریحات سامنے لاؤ۔ سب سے پہلا وصف جو اس کا بیان کیا ہے، یہ ہے کہ انا مکنا لہ فی الارض، واٰتینٰہ من کل شیئٍ سببا (۸۴) ہم نے اسے زمین میں قدرت دی تھی اور ہر طرح کا ساز و سامان مہیا کر دیا تھا۔ قرآن جب کبھی انسان کی کسی کامرانی و خوش حالی کو براہ راست خدا کی طرف منسوب کرکے کہتا ہے جیسا کہ یہاں کہا ہے، تو اس سے مقصود عموماً کوئی ایسی بات ہوتی ہے جو عام حالات کے خلاف محض اس کے فضل و کرم سے ظہور میں آئی ہو۔ مثلاً حضرت یوسف کی نسبت فرمایا۔ کذٰلک مکنا لیوسف فی الارض (۱۲: ۵۶) اس طرح ہم نے سرزمین مصر میں یوسف [illegible]۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ حضرت یوسف کو ہر طرح کے ناموافق حالات میں محض فضل الٰہی سے ایک غیر معمولی بات حاصل ہوگئی تھی، یہ بات نہ تھی کہ عام حالات کے مطابق ظہور میں آئی ہو۔ پس ضروری ہے کہ ذوالقرنین کو بھی حکمرانی کا مقام ایسے ہی حالات میں ملا ہو جو بالکل غیر معمولی قسم کے ہوں۔ اور انہیں محض توفیق الٰہی کی کرشمہ سازی سمجھا جاسکے کیونکہ اس کے تمکن فی الارض کو براہ راست خدا کی طرف نسبت دی ہے۔

کا قدم جمادیا
"ہم نے جمادیا"

لیکن اس اعتبار سے سائرس کی زندگی ٹھیک ٹھیک اس آیت کی تصویر ہے۔ اس کی ابتدائی زندگی ایسے حالات میں بسر ہوئی جنہیں حیرت انگیز حوادث نے ایک افسانہ کی شکل دیدی ہے۔ قبل اس کے کہ پیدا ہو، خود اس کا نانا اس کی موت کا خواہشمند ہوگیا تھا۔ ایک وفادار آدمی اس کی زندگی بچا لیتا ہے اور وہ شاہی خاندان سے بالکل الگ ہوکر ایک گمنام گڈریے کی طرح پہاڑوں میں زندگی بسر کرتا ہے۔ پھر اچانک نمایاں ہوتا ہے، اور بغیر کسی جنگ و مقابلہ کے میڈیا کا تخت اس کے لئے خالی ہوجاتا ہے۔ یقیناً یہ صورت حال واقعات و حوادث کی عام رفتار نہیں ہے جو ہمیشہ پیش آتی ہو۔ نوادر ہستی کی ایک غیر معمولی عجائب آفرینی ہے، اور صاف نظر آرہا ہے کہ قدرت کا مخفی ہاتھ کسی خاص مقصد سے ایک خاص ہستی تیار کر رہا ہے، اور زمانہ کی عام رفتار تھم گئی ہے تاکہ اس کی راہ صاف ہوجائے۔

تین مہمیں

(۳) اس کے بعد اس کی تین بڑی مہموں کا ذکر آتا ہے ایک مغرب الشمس کی طرف یعنی پچھم کی طرف۔ ایک مطلع الشمس کی طرف یعنی پورب کی طرف[۱]۔ تیسری ایک ایسے مقام تک جہاں کوئی وحشی قوم آباد تھی اور یاجوج اور ماجوج وہاں آکر لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔ اب دیکھو یہ تمام تفصیلات کس طرح ٹھیک ٹھیک سائرس کی فتوحات پر منطبق ہوتی ہیں؟

اوپر پڑھ آئے ہو کہ سائرس نے ابھی فارس اور میڈیا کا تاج سر پر رکھا ہی تھا کہ ایشیائے کوچک کے بادشاہ کروسس نے حملہ کر دیا۔

ایشیائے کوچک کی یہ بادشاہت جو لیڈیا کے نام سے مشہور ہوئی پچھلی صدی کے اندر ابھری تھی! اس کا دارالحکومت سارڈیس (Sardes) تھا۔ سائرس کی تخت نشینی سے پہلے میڈیا اور لیڈیا میں کئی جنگیں ہوچکی تھیں۔ بالآخر کروسس کے باپ نے سائرس کے نانا اسٹیاگس کے باپ سے صلح کرلی، اور باہمی اتحاد کے استحکام کے لئے باہمی ازدواج کا رشتہ بھی قائم ہوگیا۔

[۱] یاد رہے کہ پچھم اور پورب کے لئے مغرب الشمس اور مطلع الشمس کی تعبیر تورات میں بھی جابجا آئی ہے مثلاً ذکریاہ نبی کی کتاب میں ہے: رب الافواج فرماتا ہے میں اپنے لوگوں کو سورج نکلنے کے ملک اور اس کے ڈوبنے کے ملک سے چھڑا لوں گا (۸: ۷)

تعمیر کی بشارت دی ہے اور اس سلسلہ میں خورس (سائرس) کے ظہور کا ذکر کیا ہے: "خداوند تیرا نجات دینے والا یوں فرماتا ہے کہ۔۔۔۔ یروشلم پھر آباد کیا جائے گا۔ یہوداہ کے شہر بنائے جائیں گے میں اس کے ویران مکانوں کو تعمیر کروں گا ۔۔۔۔۔ میں خورس کے حق میں کہتا ہوں کہ وہ میرا چرواہا ہے۔ وہ میری ساری مرضی پوری کرے گا۔۔۔۔ خداوند اپنے مسیح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا دہنا ہاتھ پکڑا تا کہ قوموں کو اس کے قابو میں کردوں اور بادشاہوں کی کمریں کھلوا دوں اور دہرے دروازے اس کے لئے کھول دوں۔ ہاں میں تیرے آگے چلوں گا میں ٹیڑھی جگہوں کو سیدھا کروں گا۔ میں پیتل کے دروازوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔ میں گڑے ہوئے خزانے اور چھپے ہوئے مکانوں کے گنج تجھے عطا کروں گا۔ اور یہ سب کچھ اس لئے کروں گا تاکہ تو جان لے کہ میں خداوند اسرائیل کا خدا ہوں جس نے اپنی برگزیدہ قوم اسرائیل کے لئے تجھے تیرا نام صاف صاف لے کے بلایا ہے" (یسعیاہ ۲۱:۲۴)

اس پیشین گوئی میں خدا کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ خورس (سائرس) میرا چرواہا ہوگا، اور میں نے اسے اس لئے پکارا ہے کہ بنی اسرائیل کو بابلیوں کے ظلم سے نجات دلائے نیز اسے "خدا کا مسیح" بھی کہا ہے۔

اسی طرح یرمیاہ نبی نے ساٹھ برس پہلے پیشین گوئی کی تھی "قوموں کے درمیان منادی کرو اور اسے مت چھپاؤ۔ تم کہو، بابل لے لیا گیا۔ بعل رسوا ہوا۔ مرودک سراسیمہ کیا گیا۔ اس کے بت خجل ہوئے۔ اس کی مورتیں پریشان کی گئیں۔ کیونکہ اتر سے ایک قوم اس پر چڑھتی ہوئی آرہی ہے جو اس کی سرزمین اجاڑ دے گی یہاں تک کہ اس میں کوئی نہیں بسے گا" (۵۰:۱)

یرمیاہ نبی نے اس کی بھی پیشین گوئی کردی تھی کہ ستر برس تک یہودی بابل میں قید رہیں گے اور اس کے بعد بیت المقدس کی نئی تعمیر ہوگی "خداوند کہتا ہے جب بابل پر ستر برس گذر چکیں گے تو میں تمہاری خبر لینے آؤں گا۔ تب تم مجھے پکارو گے اور میں جواب دونگا۔ تم مجھے ڈھونڈھو گے اور مجھے پالو گے۔ میں تمہاری اسیری ختم کردوں گا۔ تمہیں تمہارے مکانوں میں واپس لے آؤں گا" (۲۹ : ۱۰)

اس پیشین گوئی میں خدا نے اپنی رحمت کی واپسی کو فتح بابل کے واقعہ سے وابستہ کر دیا ہے۔ گویا سائرس کا ظہور اس کی رحمت کا ظہور ہوگا جو بنی اسرائیل پر پھر لوٹ آئے گی۔ جن کی نسبت یہودیوں کی روایت ہے کہ

پیشین گوئیوں کی تاریخی حیثیت

تورات سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جب سائرس نے بابل فتح کیا، تو دانیال نبی نے (جو شاہان بابل کے وزراء میں داخل ہوگئے تھے) اسے یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی دکھائی کہ ایک سو ساٹھ برس پہلے اس کے ظہور کی خبر دیدی گئی تھی۔ یہ بات دیکھ کر بے حد متاثر ہوا، اور بیان کیا جاتا ہے کہ اسی کا نتیجہ وہ فرمان تھا جو اس نے تعمیر ہیکل کے لئے جاری کیا۔

(۴۴)

زمانہ حال کے نقادان پیشین گوئیوں کی اصلیت پر مطمئن نہیں ہیں [illegible]

[illegible]

لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہودیوں کا عام اعتقاد برابر یہی رہا کہ سائرس کا ظہور نبیوں کی پیشین گوئی کے مطابق ہوا تھا اور وہ خدا کی ایک پسندیدہ ہستی تھی جو اسی لئے پیدا کی گئی تھی۔ کہ مظلوموں کی دادرسی ہو اور بابلیوں کے ظلم و شرارت سے قوموں کو نجات ملے۔

قرآن کی تصریحات اور سائرس

(۱۹) اب غور کرو۔ قرآن کی تصریحات نے جو جامہ تیار کیا ہے وہ کس طرح ٹھیک ٹھیک صرف سائرس ہی کے جسم پر راست آتا ہے؟ ہم نے اس بحث کے آغاز میں تصریحات قرآنی کا خلاصہ دیدیا ہے جو سات وقعات پر مشتمل ہیں ان پر پھر ایک نظر ڈال لو۔

یہ خانہ بدوش قبایل کون تھے جہاں مورخین کی صراحت کے مطابق بکٹریا یعنی بلخ کے علاقہ کے قبایل تھے۔ نقشہ پر اگر نظر ڈالو گے تو صاف نظر آجائے گا کہ بکٹریا ٹھیک ٹھیک ایران کے لئے مشرق قصی کا حکم رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کے آگے پہاڑ ہیں اور انھوں نے راہ روک دی ہے۔ اس کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ گیڈروسیا کے وحشی قبیلوں نے اس کی مشرقی سرحد میں بدامنی پھیلائی تھی اور اس کی گوشمالی کے لئے نکلنا پڑا۔ گیڈروسیا سے مقصود وہی علاقہ ہے جو آج کل مکران کہلاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کی طرف ہمیں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ اس لئے قیاس کہتا ہے کہ مکران سے نیچے اس کے قدم نہیں اترے ہونگے۔ اور اگر اترے ہونگے تو دریائے سندھ سے آگے نہیں بڑھے ہونگے کیونکہ دارا کے زمانہ میں بھی اس کی جنوب مشرقی سرحد دریائے سندھ ہی تک معلوم ہوتی ہے۔

شمالی مہم

تیسری لشکر کشی اس نے ایسے علاقہ تک کی جہاں یاجوج ماجوج کے حملے ہوا کرتے تھے۔ یہ یقیناً اس کی شمالی مہم تھی۔ جس میں وہ بحر خزر (کاسپین) کو دہنی طرف چھوڑتا ہوا کاکیشیا (Caucasus) کے سلسلہ کوہ تک پہنچ گیا تھا، اور وہاں اسے ایک درہ ملا تھا جو دو پہاڑی دیواروں کے درمیان تھا۔ اسی راہ سے یاجوج ماجوج آکر اس طرف کے علاقہ میں تاخت و تاراج کیا کرتے تھے، اور یہیں اس نے سد تعمیر کی۔

قرآن نے اس مہم کا حال ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ حتی اذا بلغ بین السدین وجد من دونهما قوما لا یکادون یفقهون قولا (۹۳) یہاں تک کہ وہ دو (پہاڑی) دیواروں کے درمیان پہنچ گیا۔ ان کے اس طرف اسے ایک قوم ملی جو کوئی بات بھی سمجھ نہیں سکتی تھی۔ بس صاف معلوم ہوتا ہے "سدین" سے مقصود کاکیشیا کا پہاڑی درہ ہے۔ کیونکہ اس کے دہنی طرف بحر خزر ہے جس نے شمال اور مشرق کی راہ روک رہی ہے۔ بائیں جانب بحر اسود ہے جو شمال مغرب کے لئے قدرتی روک ہے۔ درمیانی علاقے میں اس کا سر بفلک سلسلہ کوہ ایک قدرتی دیوار کا کام دے رہا ہے پس اگر شمالی قبایل کے حملوں کے لئے کوئی راہ باقی رہی تھی تو وہ صرف اس سلسلہ کوہ کا ایک عریض درہ یا وسطی وادی تھی، اور یقیناً وہیں سے یاجوج ماجوج کو دوسری طرف پہنچنے کا موقعہ ملتا تھا۔ اس راہ کے بند ہوجانے کے بعد نہ صرف بحر خزر سے لیکر بحر اسود تک کا علاقہ محفوظ ہوگیا۔ بلکہ سمندروں اور پہاڑوں کی ایک ایسی دیوار قائم ہوگئی جس نے تمام مغربی ایشیا کو اپنی پاسبانی میں لے لیا، اور شمال کی طرف سے حملے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہا اب ایران شام عراق عرب ایشیائے کوچک بلکہ مصر بھی شمال کی طرف سے بالکل محفوظ ہوگیا تھا۔

ملی جلی

نقشہ میں یہ مقام دیکھو۔ تمام مغربی ایشیا نیچے ہے۔ اوپر شمال میں بحر خزر ہے اس سے بائیں جانب بحر اسود ہے۔ درمیان میں بحر خزر کے مغربی ساحل سے بحر اسود کے مشرقی ساحل تک کاکیشیا کا سلسلہ کوہ چلا گیا ہے۔ ان دو سمندروں اور درمیان کے سلسلہ کوہ نے ملکر سینکڑوں میلوں تک ایک قدرتی روک پیدا کردی ہے۔ اب اس روک میں اگر کوئی شگاف رہ گیا تھا۔ جہاں سے شمالی اقوام کے قدم اس روک کو لانگ سکتے تھے، تو وہ صرف یہی دو پہاڑوں کے درمیان کی گھاٹی تھی۔ ذوالقرنین نے اسے بھی بند کردیا، اور اس طرح شمال اور مغربی ایشیا کا یہ درمیانی پھاٹک پوری طرح مقفل ہوگیا!

شمالی قوم

باقی رہا یہ سوال کہ وہاں جو قوم ذوالقرنین کو ملی تھیں اور جو بالکل نا سمجھ تھی، وہ کونسی قوم تھی؟ تو اس سلسلہ میں دو قومیں نمایاں ہوتی ہیں، اور دونوں کا اس زمانہ میں وہاں قریب قریب آباد ہونا تاریخ کی روشنی میں آچکا ہے۔ پہلی قوم وہ ہے جو بحر خزر کے مشرقی ساحل پر آباد تھی اسے یونانی مورخوں نے "کاسپین" کے نام سے پکارا ہے اور اسی کے نام سے بحر خزر کا نام بھی کاسپین پڑ گیا ہے۔ دوسری قوم وہ ہے جو اس مقام سے آگے بڑھ کر عین کاکیشیا کے دامن میں آباد تھی۔ یونانیوں نے اسے کولچی یا کول شی کے نام سے پکارا ہے، اور دارا کے کتبہ اصطخر میں اس کا نام "کوشیہ" آیا ہے[1]، انہی دو قوموں میں سے کسی نے یا دونوں

---

[1] دارا یوش اول کا یہ کتبہ تاریخ قدیم کا ایک نہایت قیمتی سرمایہ ہے۔ اس میں اس نے اپنے تمام مفتوحہ ممالک اور زیر حکومت صوبوں کے نام گنا دیے ہیں جو تعداد میں ۲۲ ہیں۔ ان میں سے اکثر ناموں کا جغرافیائی محل روشنی میں آچکا ہے صرف ایک دو ناموں کی حقیقت اب تک محل غور بحث ہے۔

[2] ہم نے Oracle کے لئے ہاتف کا لفظ استعمال کیا ہے، یہ اگرچہ اس کے لئے مرادف لفظ نہیں ہے، لیکن اصطلاح کا مطلب بہتر طریقہ پر واضح کرتا ہے۔ — یونانیوں کا عقیدہ تھا کہ مندروں میں ہاتف غیبی کی صدائیں سنی جاتی ہیں، اور خاص پجاریوں پر دیوتاؤں کا الہام ہوتا ہے اس غرض سے خاص خاص مندروں کی شہرت تھی۔ لوگ چڑھاوے چڑھا کر اپنے سوالات پیش کرتے اور مجاور دیوتاؤں کی طرف سے جوابات سنا دیتے

لیکن کروسس نے یہ تمام عہد پیمان اور باہمی علائق بھلا دیئے۔ وہ سائرس کی یہ کامرانی برداشت نہ کر سکا کہ فارس اور میڈیا کی مملکتیں متحد ہو کر ایک عظیم مملکت کی حیثیت اختیار کر رہی ہیں۔ اس نے پہلے بابل، مصر اور اسپارٹا کی مملکتوں کو اس کے خلاف ابھارا، اور پھر اچانک حملہ کر کے سرحدی شہر پٹیریا (Pteria) پر قبضہ کر لیا۔

اب سائرس مجبور ہو گیا کہ بلا توقف اس حملہ کا مقابلہ کرے۔ وہ میڈیا کے دارالحکومت ہگ متانہ[1] سے (جو اب ہمدان کے نام سے پکارا جاتا ہے) نکلا، اور اس تیزی کے ساتھ بڑھا کہ صرف دو جنگوں کے بعد جو پٹیریا اور سارڈیس کے قریب واقع ہوئی تھیں، لیڈیا کی تمام مملکت پر قابض ہو گیا!

ہیروڈوٹس نے اس جنگ کی سرگزشت پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے اور اس کی بعض تفصیلات نہایت دلچسپ اور اہم ہیں لیکن یہ موقع اطناب کا نہیں۔ وہ کہتا ہے سائرس کی فتح مندی ایسی عجیب اور معجزانہ تھی کہ پٹیریا کے معرکہ کے بعد صرف چودہ دن کے اندر لیڈیا کا مستحکم دارالحکومت مسخر ہو گیا، اور کروسس ایک جنگی قیدی کی حیثیت میں سائرس کے آگے سرنگوں کھڑا تھا

اب تمام ایشیائے کوچک بحر شام سے لے کر بحر اسود تک اس کے زیر نگیں تھا۔ وہ برابر بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ مغربی ساحل تک پہنچ گیا۔ قدرتی طور پر اس کے قدم یہاں پہنچ کر اسی طرح رک گئے جس طرح بارہ سو سال بعد [illegible] کے قدم افریقہ کے شمالی ساحل پر رک جانے والے تھے، اس کے فتحمند قدموں کے لئے صحراؤں کی وسعتیں اور پہاڑوں کی بلندیاں روک نہ ہو سکیں اس نے فارس سے لے کر لیڈیا تک چودہ سو میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔ لیکن سمندر کی موجوں پر چلنے کے لئے اس کے پاس کوئی سواری نہ تھی اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو حد نظر تک پانی ہی پانی دکھائی دیتا تھا اور سورج اس کی لہروں میں ڈوب رہا تھا!

یہ لشکر کشی جو اسے پیش آئی، صریح مغرب کی لشکر کشی تھی۔ کیونکہ وہ ایران سے مغرب کی طرف چلا اور خشکی کے مغربی کنارہ تک پہنچ گیا۔ یہ اس کے لئے مغرب الشمس کی آخری حد تھی۔

وجدھا تغرب فی عین حمئۃ

ایشیائے کوچک کا مغربی ساحل نقشہ میں نکالو، تم دیکھو گے تمام ساحل اس طرح کا واقع ہوا ہے کہ چھوٹے چھوٹے خلیج پیدا ہو گئے ہیں اور سمرنا کے قریب اس طرح کے جزیرے نکل آئے ہیں جنھوں نے ساحل کو ایک جھیل یا حوض کی سی شکل دیدی ہے لیڈیا کا دارالحکومت سارڈیس مغربی ساحل کے قریب تھا، اور اس کا محل موجودہ سمرنا سے بہت زیادہ فاصلہ پر نہ تھا۔ پس جب سائرس سارڈیس کی تسخیر کے بعد آگے بڑھا ہو گا تو یقیناً بحر ایجین کے اسی ساحلی مقام پر پہنچا ہو گا، جو سمرنا کے قریب واقع ہے یہاں اس نے دیکھا ہو گا کہ سمندر نے ایک جھیل کی سی شکل اختیار کر لی ہے، ساحل کی کیچڑ سے پانی گدلا ہو رہا ہے، اور شام کے وقت اسی میں سورج ڈوبتا دکھائی دیتا ہے۔ اسی صورت حال کو قرآن نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ وجدھا تغرب فی عین حمئۃ (۸٦) اسے ایسا دکھائی دیا کہ سورج ایک گدلے حوض میں ڈوب رہا ہے!

یہ ظاہر ہے کہ سورج کسی مقام میں بھی ڈوبتا نہیں، لیکن ہم سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں تو ایسا ہی دکھائی دیتا ہے کہ ایک سنہری تھالی آہستہ آہستہ سمندر میں ڈوب رہی ہے۔

مشرقی مہم

دوسری لشکر کشی مشرق کی طرف تھی، چنانچہ ہیروڈوٹس[2] اور ٹی سیاز[3] دونوں اس کی مشرقی لشکر کشی کا ذکر کرتے ہیں جو لیڈیا کی فتح کے بعد اور بابل کی فتح سے پہلے پیش آئی تھی، اور دونوں نے تصریح کی ہے کہ "مشرق کے بعض وحشی اور صحرانشین قبائل کی سرکشی اس کا باعث ہوئی تھی" یہ ٹھیک ٹھیک قرآن کے اس اشارہ کی تصدیق ہے کہ حتی اذا بلغ مطلع الشمس وجدھا تطلع علی قوم لم نجعل لھم من دونھا سترا (۹۰) جب وہ مشرق کی طرف پہنچا تو اسے ایسی قوم ملی جو سورج کے لئے کوئی آڑ نہیں رکھتی تھی۔ یعنی خانہ بدوش قبائل تھے۔

---

[1] دارا کے کتبوں میں اس کا نام بھی آیا ہے مگر ہیروڈوٹس وغیرہ یونانی مورخوں نے اسے اک بتانا (Acbatana) لکھا ہے، اور یہی نام یورپ میں مشہور ہو گیا تھا۔

[2] ہیروڈوٹس مترجمہ لے ڈی۔ گاڈلی (Loeb edition)

[3] ٹی سیاز (Ctesias) ایک یونانی تھا جو ۴۱۶ قبل مسیح سے لے کر ۳۹۸ قم تک شہنشاہان پارس کا درباری طبیب رہا اور اس زمانہ کے کچھ عرصہ بعد اس نے اپنی مشہور تاریخ لکھی۔ بعد کے یونانی مورخوں نے اس کے بعض بیانات شبہ کی نگاہ سے دیکھے ہیں، اور اس لئے اسے استناد کا وہ درجہ حاصل نہ ہو سکا جو ہیروڈوٹس (المتولد ۴۸۴ قبل مسیح) کی تاریخ کو حاصل ہوا ہے مگر موجودہ زمانے کے محققین تاریخ کا اب یہ خیال نہیں

اور اس پر کروئیسس کو بٹھا کر آگ لگا دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور آگ لگا دی گئی، لیکن پھر جب کروئیسس کی بعض باتیں سنیں، تو بے حد متاثر ہؤا اور آگ بجھانے کا حکم دیا۔ لیکن اب آگ پوری طرح مشتعل ہو گئی تھی، ممکن نہ تھا کہ اسے فوراً بجھا دیا جائے۔ یہ حال دیکھ کر کروئیسس نے اپالو دیوتا کو پکارا۔ اور باوجودیکہ آسمان بالکل صاف تھا، اچانک بارش شروع ہو گئی، اور اس طرح اس معجزے نے بروقت ظاہر ہو کر اس کی جان بچا لی۔

لیکن خود ہیروڈوٹس اور زینوفن کی تصریحات سے جو حقیقت معلوم ہوتی ہے وہ صرف اتنی ہے کہ سائرس یا تو کروئیسس کے عزم و صبر کا امتحان لینا چاہتا تھا، یا یہ بات آشکارا کر دینی چاہتا تھا کہ یونانیوں کے خود ساختہ دیوتا اپنے عبادت گزاروں کی کچھ مدد نہیں کر سکتے، اور جن دیوتاؤں کی مزعومہ بشارت پر اعتماد کر کے جنگ کی گئی تھی ان میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ اپنے پرستار کو زندہ جلنے کے عذاب سے بچا لیں یعنی مقصود یہ تھا کہ پہلے اسے چتا پر بٹھایا جائے، آگ بھی لگا دی جائے، لیکن جب وہ خود اور تمام لوگ دیکھ لیں کہ دیوتاؤں کا کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہؤا تو پھر اسے بخش دے، اور عزت و احترام کے ساتھ اپنے ہمراہ لے جائے، دوسری علت زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے کیونکہ خود ہیروڈوٹس کی روایت میں اس کی جھلک موجود ہے، اور یونانی افسانہ میں اپالو کے معجزہ کی نمود بھی اسی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ سائرس نے اپنے عمل سے جو حقیقت آشکارا کر دی تھی یونانی افسانہ نے اسی کا توڑ کرنے کے لئے اپالو کا معجزہ گڑھ لیا۔

سائرس کے احکام و قوانین

قرآن نے ذوالقرنین کا یہ اعلان نقل کیا ہے کہ آئندہ جو ظلم کرے گا، سزا پائے گا جو حکم مانے گا اور نیک عمل ہوگا اسے انعام ملے گا۔ بعینہٖ زینوفن کی بھی ایسی ہی روایت ہے۔ قرآن میں ہے کہ وسنقول لہ من امرنا یسرا۔ اگر لوگوں نے نیک عملی اختیار کی تو دیکھ لیں گے میرے احکام و قوانین میں ان کے لئے سختی نہ ہوگی۔ تمام مورخ بالاتفاق شہادت دیتے ہیں کہ اس کے احکام و قوانین ایسے ہی تھے وہ مفتوحہ ممالک کے باشندوں کے لئے سرتا سر شفقت و مرحمت تھا۔ اس نے ان تمام بوجھل ٹیکسوں اور خراجوں سے رعایا کو نجات دیدی جو اس عہد کے تمام حکمران وصول کیا کرتے تھے۔ اس نے جس قدر احکام و قوانین نافذ کئے وہ زیادہ سے زیادہ نرم اور زیادہ سے زیادہ ہلکے تھے۔

(۵) یہ تو صرف اس کی مغربی فتح مندی کی سرگزشت تھی۔ اب دیکھنا چاہئے کہ اس کے اعمال کی عام رفتار کیسی رہی؟ اور قرآن کا بیان کردہ وصف کہاں تک اس پر راست آتا ہے؟

مورخین کی عام شہادت

لیکن قبل اس کے کہ ہم یونانی مورخوں کی شہادتوں پر متوجہ ہوں، یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ یونانی مورخ سائرس کے ہم قوم نہیں تھے ہم وطن نہیں تھے ہم مذہب نہیں تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ دوست بھی نہیں تھے۔ سائرس نے لیڈیا کو شکست دی تھی اور لیڈیا کی شکست یونانی قومیت، یونانی تہذیب، اور سب سے زیادہ یہ کہ یونانی مذہب کی شکست تھی۔ پھر سائرس کے جانشینوں نے براہ راست یونانیوں کو زیر کیا تھا، اور ہمیشہ کے لئے دونوں قومیں ایک دوسرے کی حریف ہو گئی تھیں۔ ایسی حالت میں قدرتی طور پر یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ یونانی دماغ اپنے حریف کی مدحت سرائی کا شائق ہوگا۔ تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر مورخ اس کی غیر معمولی عظمتوں اور ملکوتی صفتوں کی مدحت سرائی میں رطب اللسان ہے اور اس لئے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس کے محاسن نے ایک ایسے عالمگیر اعتراف و تاثر کی نوعیت اختیار کر لی تھی کہ دوست و دشمن کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہا تھا۔ سب کے دلوں ان کا اعتقاد پیدا ہو گیا تھا، سب کی زبانوں پر ان کی مدحت سرائی تھی اور محاسن وہی ہیں جن کی حریفوں کو بھی شہادت دینی پڑے۔

ومليحة، شهدت بها ضراتها والفضل ما شهدت به الاعداء!

زینوفن لکھتا ہے "سائرس ایک نہایت دانشمند، سنجیدہ، اور ساتھ ہی رحم دل فرمانروا تھا۔ اس کی شخصیت ہر طرح کے شاہی اوصاف اور حکیمانہ فضائل کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ تھی۔ یہ بات عام طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ اس کی شوکت و حشمت سے کہیں زیادہ اس کی عالی حوصلگی اور سیر چشمی تھی، اور اس کی فیاضی اور رحم دلی اپنی کوئی دوسری مثال نہیں رکھتی۔ انسان کی خدمت اور ہمدردی اس کا شاہانہ طبیعت کا سب سے بڑا جوہر تھا۔ وہ ہمیشہ اس فکر میں رہتا تھا کہ مصیبت زدہ انسانوں کی خبر گیری کرے مظلوموں کو ظلم سے نجات دلائے، درماندہ انسانوں کا ہاتھ پکڑے، غم زدوں کے دکھ درد میں شریک ہو پھر ان تمام عالی

قوموں نے ذو القرنین سے یاجوج ماجوج کی شکایت کی ہوگی، اور چونکہ یہ غیر متمدن قومیں تھیں، اس لئے ان کی نسبت فرمایا کہ لا یکادون یفقھون قولا۔

سائرس کے غیر معمولی فضائل

(۴) اس کے بعد ذو القرنین کا جو وصف سامنے آتا ہے، وہ اکی عدالت گستری اور خدمت انسانی کی فیاضانہ سرگرمی ہے۔ اور یہ اوصاف سائرس کی تاریخی سیرت کی اس درجہ آشکارا حقیقتیں ہیں کہ مورخ کی نگاہ کسی دوسری طرف اٹھ ہی نہیں سکتی:

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے مغرب میں جو قوم ملی تھی، اسکی نسبت حکم الٰہی ہوا تھا: یاذا القرنین! اما ان تعذب و اما ان تتخذ فیھم حسنا (۸۶) یعنی یہ قوم اب تیرے بس میں ہے۔ جس طرح چاہے تو ان کے ساتھ سلوک کر سکتا ہے۔ خواہ سزا دے، خواہ انہیں اپنا دوست بنا لے۔ یقیناً یہ لیڈیا کی یونانی قوم تھی۔ اس کے پادشاہ کروسس نے تمام عہد و پیمان اور باہمی رشتہ داریاں بھلا کر بلا وجہ سائرس پر حملہ کر دیا تھا۔ اور صرف خود ہی حملہ آور نہیں ہوا تھا بلکہ وقت کی تمام طاقت ور حکومتوں کو بھی اس کے خلاف ابھار کر اپنے ساتھ کر لیا تھا۔ اب جب تائید الٰہی نے اپنا کرشمہ دکھایا اور تمام لیڈیا مسخر ہوگیا، تو حکم الٰہی ہوا۔ یہ لوگ بالکل تیرے رحم پر ہیں۔ تو جو چاہے ان کے ساتھ کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اپنے ظلم و شرارت کی وجہ سے ہر طرح سزا کے مستحق ہیں۔ مطلب یہ تھا۔ کہ تائید الٰہی نے تیرا ساتھ دیا۔ دشمنوں کو مسخر کر دیا۔ اب وہ بالکل تیرے اختیار میں ہیں، لیکن تجھے بدلہ نہیں لینا چاہیئے۔ وہی کرنا چاہیئے جو نیکی و فیاضی کا مقتضا ہے۔ چنانچہ ذو القرنین نے ایسا ہی کیا: قال اما من ظلم فسوف نعذبہ ثم یرد الی ربہ فیعذبہ عذابا نکرا۔ واما من اٰمن وعمل صالحا فلہ جزاء الحسنیٰ وسنقول لہ من امرنا یسرا (۸۸) اس نے اعلان کیا کہ میں پچھلے جرم کی بنا پر کسی کو سزا نہیں دینا چاہتا۔ میری جانب سے عام بخشش کا اعلان ہے۔ البتہ آئندہ جو کوئی برائی کرے گا، بلا شبہ اسے سزا دونگا۔ پھر اسے مرنا ہے اور آخرت کا عذاب سخت جھیلنا ہے۔ اور جو لوگ میرے احکام مانیں گے اور نیک کردار ثابت ہونگے تو ان کے لئے ویسا ہی بہتر اجر بھی ہوگا: اور وہ میرے احکام بھی بہت آسان پائیں گے میں بندگان خدا پر سختی کرنا نہیں چاہتا۔ یہ ہو بہو اس طرز عمل کی تعبیر ہے جس کی تفصیل ہمیں یونانی تاریخوں کے صفحات میں ملتی ہے اور جسے زمانہ حال کے تمام محققین تاریخ نے ایک مسلمہ تاریخی حقیقت تسلیم کر لیا ہے۔

تمام یونانی مورخ بالاتفاق شہادت دیتے ہیں کہ سائرس نے فتح کے بعد باشندگان لیڈیا کے ساتھ جو سلوک کیا، وہ صرف منصفانہ ہی نہ تھا۔ وہ اس سے بھی زیادہ تھا۔ وہ فیاضانہ تھا۔ وہ اگر اپنے دشمنوں کے ساتھ سختی کرتا، تو یہ انصاف ہوتا، کیونکہ زیادتی انہی کی تھی۔ لیکن وہ صرف منصف ہونے پر قانع نہیں ہوا۔ اس نے رحم و بخشش کا شیوہ اختیار کیا۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ سائرس نے اپنی فوج کو حکم دیدیا تھا۔ کہ دشمن کی فوج کے سوا اور کسی انسان پر ہتھیار نہ اٹھائیں، اور دشمن کی فوج میں سے بھی جو کوئی نیزہ جھکا دے، اسے ہرگز قتل نہ کیا جائے۔ کروسس شاہ لیڈیا کی نسبت صریح حکم تھا کہ کسی حال میں بھی اسے گزند نہ پہنچائی جائے، اگر وہ مقابلہ کرے، جب بھی اس پر تلوار نہیں اٹھانی چاہیئے۔ اس حکم کی فوج نے اس دیانت داری کے ساتھ تعمیل کی کہ باشندوں کو جنگ کی مصیبت ذرا بھی محسوس نہ ہوئی۔ یہ گویا محض فرمانروا خاندان کا ایک شخصی انقلاب تھا کہ کروسس کی جگہ سائرس نے لے لی اس سے زیادہ کوئی انقلاب ملک و قوم کو محسوس ہی نہیں ہوا:

کروسیس کا واقعہ اور یونانی روایات

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ سائرس کی فتح یونانی دیوتاؤں کی شکست تھی، کیونکہ وہ اس مصیبت سے اپنے پرستار کروسیس کو نہ بچا سکے، حالانکہ حملہ سے پہلے اس نے مندروں کے ہاتف[۱] سے استصواب کر لیا تھا اور ڈلفی کے ہاتف نے فتح و کامرانی کی بشارت دی تھی پس قدرتی طور پر واقعات کی یہ رفتار یونانیوں کے لئے خوشگوار نہ ہو سکی، اور اس امر کی کوشش شروع ہوگئی کہ اس شکست میں بھی اخلاقی اور مذہبی فتح مندی کی شان پیدا کر دی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کروسس کا معاملہ اچانک ایک پر اسرار افسانہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اور یونانی دیوتا اپنے سارے معجزوں کے ساتھ نمایاں ہو جاتے ہیں۔ ہیروڈوٹس لیڈیا کے باشندوں کی یہ روایت نقل کرتا ہے کہ ڈلفی کے ہاتف کا جواب غلط نہ تھا، مگر کروسیس نے جنگ کے جوش طلب میں اس کا صحیح مطلب نہیں سمجھا۔ ہاتف نے کہا تھا: "اگر اس نے پارسیوں پر حملہ کیا تو وہ ایک بڑی مملکت تباہ کر دے گا" یعنی خود اپنی مملکت تباہ کر دے گا" مگر اس نے خیال کیا بڑی مملکت سے مقصود پارسیوں کی مملکت ہے، نیز وہ کہتا ہے پہلے سائرس نے حکم دیا تھا کہ لکڑیوں کی چتا تیار کی جائے

[۱] حاشیہ صفحہ گذشتہ پر دیکھا جائے

کی عظمت اور اخلاق و انسانیت کی فضیلت جمع ہو گئی تھی، اور وہ جس عہد میں ظاہر ہوا، اس عہد میں اسکی شخصیت ہر اعتبار سے انسانیت کا ایک پیام اور قوموں کی نجات تھی!

آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر جی بی گرنڈی (G. B. Grundy) جو موجودہ زمانے میں تاریخ قدیم کے ایک مستند ماہر ہیں اور جن کی کتاب "گریٹ پرشین وار" نہایت مقبول ہو چکی ہے، لکھتے ہیں:-

"یہ حقیقت بالکل آشکارا ہے کہ سائرس کی شخصیت اپنے عہد کی ایک غیر معمولی شخصیت تھی۔ اس نے اپنی تمام معاصر قوموں کے دلوں پر اپنا حیرت انگیز تاثر نقش کر دیا۔ اسکی ابتدائی نشو و نما بالائی فارس کے غیر آباد اور دور دراز گوشوں میں ہوئی جبکی سرگزشت نے ایک افسانہ کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اسکی ابتدائی تربیت کی روایتیں اس سے ڈیڑھ سو برس بعد زینوفن نے مدون کیں جو سقراط کا شاگرد تھا، اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان تمام روایتوں میں اس کے فضایل انسانیت کا جوہر عام طور پر نمایاں ہے۔ خواہ ہم ان روایتوں کو اہمیت دیں خواہ نہ دیں، تاہم یہ حقیقت ہر حال میں غیر متزلزل رہتی ہے کہ اسکی تدبیر و سیاست کا دامن اسکی انسانیت و فضیلت کے جوہر سے بندھا ہوا تھا، اور جب یہ خصوصیت آشوری اور بابلی شہنشاہوں کی بدعملیوں کے مقابلہ میں لائی جاتی ہے تو اس کی شریفانہ نمود اور زیادہ درخشندہ ہو جاتی ہے"

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

"یہ فی الحقیقت ایک حیرت انگیز کامیابی تھی۔ بارہ برس پہلے وہ ایک چھوٹی سی ریاست انشان کا ایک گمنام رئیس تھا اور اب ایشیا کی وہ تمام مملکتیں اس کے زیر فرمان تھیں، جہاں پچھلی قوموں کی بڑی بڑی عظمتیں ظہور میں آ چکی تھیں۔ ان تمام بادشاہتوں میں جنہوں نے زمین کے مالک ہونے کے دعوے کئے، ایک بادشاہت بھی ایسی نہ تھی جو اب اپنی ہستی کا کوئی موثر ظہور رکھتی ہو۔ اکادی مملکت کے نیم افسانی سارگون سے لے کر [illegible] (بخت نصر) تک، سب کی مملکتیں اس کے آگے سربسجود ہو گئی تھیں ۔ ۔ ۔ ۔ وہ صرف ایک بڑا فاتح ہی نہیں تھا۔ وہ ایک بڑا حکمران تھا۔ قوموں نے بے بنیاد صرف قبول ہی نہیں کیا بلکہ اس کا استقبال کیا ان دو برسوں میں جو فتح بابل کے بعد گزرے اسکی تمام وسیع مملکت میں ایک بغاوت کا واقعہ بھی نظر نہیں آتا۔ بلاشبہ اسکی رعایا پر اسکی طاقت کا رعب چھایا ہوا تھا، لیکن وہ کوئی وجہ نہیں رکھتی تھی کہ اس کی سخت گیری سے ہراساں ہو اس کی حکومت قتل و صلب کی سزاؤں سے بالکل ناآشنا رہی۔ اب تازیانوں سے مجرموں کو نہیں پیٹا جاتا تھا۔ اب قتل عام کے احکام صادر نہیں ہوتے تھے، اب قوموں اور قبیلوں کو جلاوطن نہیں کیا جاتا تھا۔ برخلاف اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے آشوری اور بابلی بادشاہوں کے تمام مظالم کے اثرات یک قلم محو کر دیئے۔ جلاوطن قومیں اپنے وطنوں میں لوٹائی گئیں، ان کے معبد اور معبود انہیں واپس دیدیئے گئے، قدیم رسموں اور عبادتوں کے خلاف کوئی جبر و تشدد باقی نہیں رہا۔ ہر قوم کے ساتھ پوری طرح دادرسی کی گئی، ہر مذہب کے پیروؤں کو پوری مذہبی آزادی دی گئی، دنیا کی گزشتہ عالمگیر دہشتناکی کی جگہ ایک عالمگیر رواداری اور عفو و بخشش کا مبارک دور شروع ہو گیا!"[1]

غور کرو، قرآن نے چند لفظوں کے اندر جو اشارات کر دیئے ہیں، آج تاریخ کا داستان سرا کس طرح اس کے ایک ایک حرف کی شرح و تفصیل سنا رہا ہے۔

صحائف تورات کی تصریحات

(۹) اب چند لمحوں کے لئے ان تصریحات پر غور کرو جو تورات کے صحائف میں مندرج ہیں کس طرح وہ سائرس کی شخصیت کی سب سے بڑی خصوصیت واضح کر رہے ہیں، اور کس طرح قرآن کے اشارات بھی ٹھیک ٹھیک ان کی تصدیق ہیں؟ یسعیاہ نبی کی کتاب میں ہے کہ "خداوند کہتا ہے خورس میرا چرواہا ہے" اور پھر یہ بھی کہا ہے کہ "وہ میرا مسیح ہے" اور یرمیاہ نبی کا بیان اوپر گزر چکا ہے کہ وہ بابلیوں کے ظلم سے نجات دلائے گا۔ اب دیکھو اس کی شخصیت ٹھیک ٹھیک ایک موعود اور منتظر نجات دہندہ کی شخصیت تھی یا نہ تھی؟

موعود و منتظر ہستی

جب ہم اس عہد کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور پھر سائرس کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو بہ اول نظر یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ اس کا ظہور ٹھیک ٹھیک ایک ایسی شخصیت کا ظہور تھا جس کے لئے وقت کی تمام قوتیں چشم براہ ہوں۔ قوموں کا انتظار ان کی زبانوں پر نہیں ہوتا۔ ان کے حالات کے قدرتی تقاضے میں ہوتا ہے۔ غور کرو، اس عہد کی رفتار زمانہ کا قدرتی تقاضہ کیا تھا؟

[1] پروفیسر موصوف کے اس مقالہ کے لئے یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ کی دوسری جلد (صفحہ ۱۰۸۵) کا مطالعہ کرنا چاہئے، جو جے اے ہمرٹن (J. A. Hammerton) نے مرتب کی ہے اور حال میں شائع ہوئی ہے۔

صفتوں کے ساتھ عاجزی و انکساری اس کے حسن کمال کا سب سے بڑا زیور تھی، اس نے ایک ایسے تخت پر بیٹھ کر جس کے آگے تمام قوموں کے سر جھک گئے تھے، اور ایک ایسے خزانہ کا مالک ہو کر جس میں تمام دنیا کی دولت سمٹ آئی تھی، کبھی گوارا نہیں کیا کہ فخر و غرور کو اپنے دماغ میں جگہ دے"۔

ہیروڈوٹس لکھتا ہے "وہ ایک نہایت ہی مخیر بادشاہ تھا۔ اسے دنیا کے تمام بادشاہوں کی طرح دولت جمع کرنے کی حرص نہیں تھی بلکہ جود و سخاوت کا جوش تھا۔ وہ کہتا تھا سب سے بڑی دولت یہ ہے کہ نوع انسانی کی بھلائی کا موقع ملے اور مظلوموں کی دادرسی ہو"!

ژی ساز لکھتا ہے "اس کا عقیدہ یہ تھا کہ دولت بادشاہوں کے ذاتی عیش و آرام کے لئے نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کی جائے، اور ماتحتوں کو اس سے فیض پہنچے۔ چنانچہ اسکی اسی فیض رسانی نے اس کی تمام رعایا کے دل اس کے ہاتھوں میں دیدیئے تھے۔ وہ اس کے لئے خوشی خوشی اپنی گردنیں کٹوا دیتے"۔

سائرس کی شخصیت کی غیر معمولی نمود

سب سے زیادہ نمایاں بات جو ان تمام مورخوں کے صفحات پر ملتی ہے، وہ سائرس کی شخصیت کی غیر معمولی نمود ہے۔ سب کہتے ہیں کہ وہ جس عہد میں پیدا ہوا، اس کی مخلوق نہیں تھا۔ ایک بالاتر شخصیت تھی جسے قدرت نے اپنا کرشمہ دکھانے کے لئے نمودار کر دیا تھا۔ دنیا کے کسی حکیم نے اس کی تربیت نہیں کی۔ وقت کے متمدن ملکوں میں سے کسی ملک میں اسکی پرورش نہیں ہوئی۔ وہ محض قدرت کا پروردہ تھا، اور قدرت ہی کے ہاتھوں نے اسے اٹھایا تھا۔ اس کی تمام ابتدائی زندگی صحراؤں کی گرد اور پہاڑوں کی آغوش میں بسر ہوئی۔ وہ فارس کے مشرقی پہاڑوں کا چرواہا تھا۔ تاہم یہ کیسی عجیب بات ہے کہ یہی چرواہا جب دنیا کے سامنے آیا تو حکمرانی کا سب سے بڑا جلوہ، دانش کا سب سے بڑا پیکر، فضیلت کا سب سے بڑا نمونہ [redacted] تھا!

سائرس اور سکندر

سکندر، علم کو ارسطو کی تعلیم و تربیت نے تیار کیا تھا اور بلاشبہ وہ بہت بڑا فاتح نکلا۔ لیکن کیا انسانیت و اخلاق کا بھی کوئی گوشہ فتح کر سکا؟ سائرس کے لئے ہمیں کوئی ارسطو نہیں ملتا۔ اس نے انسانی حکمت کی درسگاہ کی جگہ قدرت کی درسگاہ میں پرورش پائی تھی، تاہم اس نے سکندر کی طرح صرف ملکوں ہی کو نہیں، بلکہ انسانیت و فضائل کی مملکتوں کو بھی مسخر کر لیا تھا!

سکندر کی تمام فتوحات کی عمر اس سے زیادہ نہ تھی، جتنی خود اسکی عمر تھی، لیکن سائرس کی فتوحات نے جو نیو یں چن دی تھیں وہ دو سو برس تک ہل نہ سکیں۔ سکندر کے دم توڑتے ہی اسکی مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، لیکن سائرس نے جب دنیا چھوڑی تو اس کی مملکت روز بروز وسیع و مستحکم ہونے والی تھی۔ اس کی فتوحات میں صرف مصر کا خانہ خالی رہ گیا تھا۔ اس کے فرزند [redacted] نے اسے بھی بھر دیا، اور پھر چند برسوں کے بعد دنیا کی وہ عالمگیر سلطنت ظہور میں آ گئی جو ایشیا، افریقہ اور یورپ کے اٹھائیس ملکوں میں پھیلی ہوئی تھی اور اس پر سائرس کا جانشین دارا یوش تن تنہا حکمران تھا!

سکندر کی فتوحات صرف جسم کی فتوحات تھیں جنہیں قہر و طاقت نے سر کیا تھا، لیکن سائرس کی فتوحات روح و دل کی فتوحات تھیں جنہیں انسانیت و فضیلت نے سر کیا تھا۔ پہلی سر اٹھاتی ہے لیکن ٹک نہیں کر سکتی۔ دوسری ٹک جاتی ہے اور پھر ٹلتی نہیں۔

سائرس فتح بابل کے بعد دس برس تک زندہ رہا۔ اب اسکی حکومت عرب سے لیکر بحر اسود تک اور ایشیائے کوچک سے بلخ تک پھیلی ہوئی تھی، اور ایشیا کی تمام قومیں اس کے ماتحت آ چکی تھیں لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس تمام عرصہ میں بغاوت اور سرکشی کا ایک حادثہ بھی نہیں ہوا، کیونکہ زینوفن کے لفظوں میں "وہ صرف بادشاہ ہی نہ تھا بلکہ انسانوں کا شفیق مربی اور قوموں کا رحیم باپ تھا" اور رعایا سخت گیر حکمرانوں سے بغاوت کر سکتی ہے۔ لیکن اولاد اپنے شفیق باپ سے باغی نہیں ہو سکتی۔ موجودہ زمانے کے تمام مورخ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ایک حیرت انگیز خصوصیت تھی، یہ ایسی خصوصیت تھی جو آگے چل کر رومن امپائر کو بھی نصیب نہ ہوئی۔

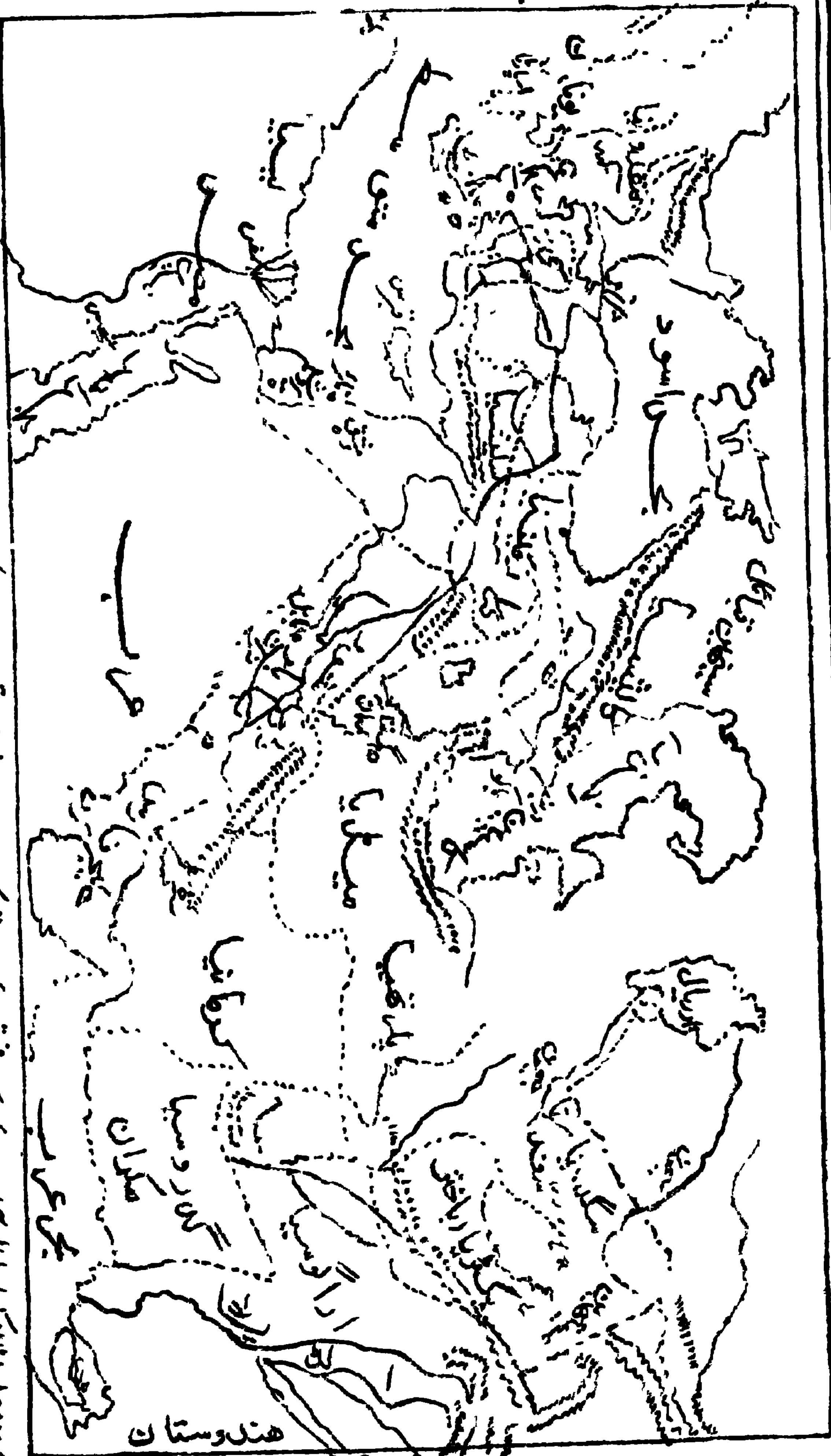
سب متفقہ شہادت دیتے ہیں کہ اس عہد کے بادشاہوں کی سخت گیری، قساوت قلبی، اور ہیبت انگیز طریق تعذیب کی چھوٹی سی چھوٹی مثال بھی سائرس کے عہد میں نہیں ملتی۔

زمانۂ حال کے محققین کی شہادت

یاد رہے کہ یہ محض قدیم یونانی مورخوں کی روایات ہی نہیں ہیں، بلکہ موجودہ زمانے کے تمام محققین تاریخ کی تاریخی مسلمات ہیں، بالاتفاق یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ سائرس تاریخ قدیم کی سب سے بڑی شخصیت ہے جس میں بیک وقت فتوحات کی وسعت، فرمانروائی

لیکن تمام مجمل تفصیلات پڑھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ نہیں تھا؟

ذوالقرنین کی مغربی، مشرقی اور شمالی فتوحات :-



اس نقشہ میں فارسی شنشاہی کا وہ رقبہ دکھایا گیا ہے جو سائرس کی فتوحات سے پندرہ برس بعد دارا کے زمانہ میں قائم ہو گیا تھا۔

اس میں صرف مصر اور یونان کی اور ارالبحر آباد یاں سائرس کے بعد فتح ہوئی ہیں باقی ممالک خود اس نے فتح کیے تھے۔ اس کا دارالحکومت میڈیا کا اگ متانہ تھا یعنی ہمدان۔ ہمدان سے نکل کر شمال مغرب رو بہ سارڈیس تک پہنچ گیا جو لیڈیا کا دارالحکومت تھا۔ پھر مشرق کی طرف نکلا اور بکٹریا (باختر) تک پہنچ گیا۔ آخری مہم شمال کی تھی جس میں وہ کاکیشیا کے علاقہ تک پہنچ گیا۔ یہیں یاجوج ماجوج کی سد بنائی (یہ نقشہ یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ جلد دوم سے نقل کیا گیا ہے) [1] دارا کے کتبہ استخر میں ایک علاقہ کا نام انڈیا آیا ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ اس سے مقصود دریائے سندھ کا علاقہ ہے۔

یہ تاریخ کے صبح تمدن کی نمود تھی جس کی روشنی میں ہم انسانی حکمرانی کی ساری تاریکیاں پھیلی ہوئی دیکھتے ہیں۔ صاف دکھائی دیتا ہے کہ اس وقت تک انسانی فرمانروائی کی عظمت صرف قہر و غضب ہی کی نقاب میں رونما ہوئی تھی، اور سب سے بڑا حکمران وہی سمجھا جاتا تھا جو سب سے زیادہ انسانوں کے لئے خوفناک ہو۔ آشور بنی پال نینوا کا سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ اس لئے کہ وہ شہروں کے جلانے اور آبادیوں کے ویران کرنے میں سب سے زیادہ بے باک تھا۔ بابل کی نشاۃ ثانیہ میں بنوکدرزار سب سے بڑا فاتح تھا۔ اس لئے کہ قوموں کی ہلاکت اور مملکتوں کی ویرانی میں سب سے زیادہ قہرمان تھا۔ مصریوں، آکادیوں، ایلامیوں، آشوریوں اور بابلیوں سب میں انسانی حکومت و عظمت کے مظاہر خوفناکی اور دہشت انگیزی کے مظاہر تھے، اور ان کی شخصیتوں نے دیوتائی لوہیت کی تقدیس سے مل کر انسانوں کے قتل و تعذیب کا ہولناک استحقاق حاصل کر لیا تھا۔ سائرس کے ظہور سے پچاس برس پہلے [redacted] کی شہنشاہی کا ظہور ہوا۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ اس نے بیت المقدس پر پے بہ پے تین حملے کر کے نہ صرف دنیا کا سب سے بڑا زرخیز علاقہ تاراج و ویران کر دیا۔ بلکہ فلسطین کی پوری آبادی کو اس طرح ہنکا کر بابل لے گیا کہ جوزیفس کے لفظوں میں "کوئی سخت سے سخت بے رحم قصائی بھی اس وحشت و خونخواری کے ساتھ بھیڑوں کو مذبح میں نہیں لے جاتا"، پھر کیا ان حالات کا قدرتی تقاضہ یہ نہ تھا کہ دنیا ایک نئی شخصیت کے لئے چشم براہ ہو؟ قومیں ایک نجات دہندہ کی راہ تک رہی ہوں؟ ایک ایسے نجات دہندہ کی جو انسانوں کے گلہ کے لئے خدا کے لئے خدا کا بھیجا ہوا "چرواہا" ہو، جو ان کی بیڑیاں کاٹے اور ان کے سروں کا بوجھ ہلکا کر دے، جو دنیا کو اس ربانی صداقت کا سبق دیدے کہ انسانی حکمرانی نوع انسانی کی خدمت کے لئے ہونی کی خدمت کے لئے ہونی چاہئے۔ وحشت انگیزی اور خوفناکی کے لئے نہیں؟

دنیا بادشاہوں کے ہاتھوں سے تنگ آ چکی تھی۔ اب وہ ایک "چرواہے" کے لئے مضطرب تھی، اور یسعیاہ نبی کے لفظوں میں خدا کا وہ فرستادہ چرواہا نمودار ہو گیا!

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ [redacted] "قوموں نے اسے قبول ہی نہیں کیا بلکہ اس کے استقبال کے لئے بے اختیار لپکیں" کیونکہ وہ وقت کی جستجو کا قدرتی سراغ اور زمانہ کی طلب کا قدرتی جواب تھا، اور اگر رات کی تاریکی کے بعد صبح کی روشنی کا خیر مقدم کیا جاتا ہے، تو ممکن نہ تھا کہ انسانی شقاوت کی اس طولانی تاریکی کے بعد صبح سعادت کی اس جہاں تابی کا استقبال نہ کیا جاتا!

غور کرو یسعیاہ نبی کا یہ جملہ صورت حال کی کیسی ہو بہو تصویر ہے کہ "وہ میرا چرواہا ہو گا۔ وہ میری ساری مرضی پوری کرے گا۔ میں اس کا دہنا ہاتھ پکڑ کے قوموں کو اس کے قابو میں دیدوں گا، اور بادشاہوں کی کمریں اس کے آگے کھلوا ڈالوں گا۔ میں اس کے آگے چلوں گا۔ میں ٹیڑھے راستے اس کے لئے سیدھے کر دوں گا" (۴۴ و ۲۸) سارے مورخ گواہی دیتے ہیں کہ وہ ایک چرواہے کی طرح آیا اور اس نے بندگان خدا کی رکھوالی کی۔ سب کہہ رہے ہیں کہ اس نے جس ملک کا رخ کیا۔ اس کی شقاوت ختم ہو گئی وہ جس قوم کی طرف بڑھا، اس کی بیڑیاں کٹ گئیں، اس نے جس گروہ کے سر پر ہاتھ رکھا، اس کے سارے بوجھ ہلکے ہو گئے۔ وہ صرف بنی اسرائیل ہی کا نہیں بلکہ تمام قوموں کا نجات دہندہ تھا!

یاد رہے کہ یسعیاہ نبی کی اسی پیشین گوئی میں اُسے "خدا کا مسیح" بھی کہا ہے، اور تورات کی اصطلاح میں "مسیح" وہ ہوتا ہے جسے خدا اپنی برکتوں کے ظہور کے لئے برگزیدہ کرے، اور [redacted] چنانچہ حضرت داؤد کی نسبت بھی آیا ہے کہ "مسیح" تھے، سائرس کی نسبت بھی یہی کہا ہے، اور اسی طرح بنی اسرائیل کی نجات کے لئے ایک آخری مسیح کی بھی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔

سائرس کو "مسیح" کہنا، اس میں شک نہیں کہ اس کے تقدس اور الٰہی برگزیدگی کی سب سے زیادہ واضح اور قطعی اسرائیلی شہادت ہے۔

(۷) اس سلسلہ میں آخری وصف جو ذوالقرنین کا سامنے آتا ہے، وہ اس کا ایمان باللہ ہے۔ قرآن کی آیتیں اس بارے میں نہایت قطعی ہیں کہ وہ ایک خدا پرست انسان تھا، آخرت پر یقین رکھتا تھا، احکام الٰہی کے مطابق عمل کرتا تھا، اور اپنی تمام کامرانیوں کو اللہ کا فضل و کرم سمجھتا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سائرس کا بھی ایسا ہی اعتقاد و عمل تھا؟

بخت نصر

خدا کا بھیجا ہوا "چرواہا"

+

خدا کا مسیح

قوموں کی نجات کے لئے اس کا ظہور ہوا

برس قبل مسیح قرار دیا بعضوں نے یہ مدت دو ہزار برس قبل مسیح تک بڑھادی۔ اسی طرح محل کے تعین میں بھی اختلاف ہوا۔ بعضوں نے بلا خر بعضوں نے خراسان بعضوں نے میڈیا اور شمالی ایران قرار دیا لیکن اب بیسویں صدی کی ابتدا سے اکثر محققین تاریخ کلام کی رائے پر متفق ہوگئے ہیں اور عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ زردشت کا زمانہ وہی تھا جو سائرس کا تھا۔ اور گشتاسپ[1] والی روایت اگر صحیح ہے تو اس سے مقصود وہی گشتاسپ ہے جو دارا کا باپ اور ایک صوبہ کا گورنر تھا۔ زردشت کا ظہور شمال مغربی ایران یعنی آذربائیجان میں ہوا جسے اوستا کے حصہ "وینیدی داد" میں "اریانہ ویجو" سے تعبیر کیا ہے[2] البتہ کامیابی بالآخر میں جوئی جس گورنر گشتاسپ تھا۔

اس تحقیق کے مطابق زردشت کا سال وفات تقریباً ۵۰۰ ق م بلکہ ۵۸۳ ق م سے لے کر ۵۰۰ ق م تک ہونا چاہیئے اور سائرس کی تخت نشینی بالاتفاق ۵۵۰ ق م میں ہوئی یعنی زردشت کی وفات کے بیس سال بعد یا عین اسی سال۔

لیکن اگر سائرس زردشت کا معاصر تھا، تو کیا کوئی براہ راست تاریخی شہادت موجود ہے جس سے اس کا دین زردشتی قبول کرنا ثابت ہو؟ نہیں ہے لیکن اگر وہ تمام قرائن جمع کئے جائیں جو خود تاریخ کی روشنی نے مہیا کر دیئے ہیں، تو یقیناً ایک بالواسطہ شہادت نمایاں ہو جاتی ہے اور اس میں کچھ شبہ باقی نہیں رہتا کہ سائرس نہ صرف دین زردشتی پر عامل تھا بلکہ اس کا پہلا حکمران داعی تھا۔ اور اسی نے یہ ورثہ اپنے جانشینوں کے لئے چھوڑا جو دو سو برس تک بلا استثناء دین زردشتی پر عمل پیرا رہے۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ روشنی جن واقعات سے پڑتی ہے وہ دو ہیں اور دونوں کی تاریخی نوعیت مسلّم ہے۔ پہلا واقعہ "گوماتہ" کی بغاوت کا ہے جو سائرس کی وفات کے آٹھ برس بعد ظہور میں آئی۔ دوسرے دارا کے کتبے ہیں جن سے اس کے دینی عقاید کی نوعیت آشکارا ہو گئی ہے۔

سائرس کا بالاتفاق ۵۲۹ قبل مسیح میں انتقال ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا کم بی سیز (کمبوجیہ یا کیقباد) تخت نشین ہوا اس نے ۵۲۵ ق م میں مصر فتح کیا لیکن ابھی مصر میں ہی تھا کہ معلوم ہوا ایران میں بغاوت ہوگئی ہے اور ایک شخص "گوماتہ" نامی اپنے آپ کو سائرس کا دوسرا لڑکا سمرڈیز (فارسی: بردیہ) مشہور کر دیا ہے۔ جو بہت پہلے مر چکا تھا، یا مار ڈالا گیا تھا۔ یہ خبر سن کر وہ مصر سے لوٹا لیکن ابھی شام میں تھا کہ ۵۲۲ ق م میں اچانک انتقال کر گیا۔ اب چونکہ سائرس کی براہ راست نسل سے کوئی شہزادہ موجود نہ تھا، اس لئے اس کا عم زاد بھائی دارا بن گشتاسپ تخت نشین ہو گیا۔ دارا نے بغاوت فرو کی، گوماتہ کو قتل کیا، اور نئی مملکت کو اس کے عروج و کمال تک پہنچا دیا۔ دارا کی تخت نشینی بالاتفاق ۵۲۱ ق م میں ہوئی ہے۔ پس اس کا عہد سائرس کے انتقال سے آٹھ برس بعد شروع ہو گیا تھا۔

یونانی مورخوں کی شہادت موجود ہے کہ یہ بغاوت میڈیا کے قدیم مذہب کے پیرووں کی بغاوت تھی، اور خود دارا اپنے کتبہ بے ستون میں "گوماتہ" کو "موگوش" لکھتا ہے یعنی مجوس، اور مجوسی مذہب سے مقصود قدیم مذہب ہے[3]۔ تاریخ میں اس کا بھی سراغ ملتا ہے کہ پرانے مذہب کے پیرووں کی سرکشی اس کے بعد بھی جاری رہی۔ چنانچہ دوسری بغاوت "پراورتیش" نامی مجوس نے کی تھی جسے دارا نے ہمدان میں قتل کیا، اور تیسری "چترن خمہ" نامی نے جو اربیل میں قتل ہوا۔

دوسرا واقعہ دارا کے کتبوں سے روشنی میں آیا ہے۔ یہ دنیا کی خوش قسمتی ہے کہ دارا نے بعض کتبے پہاڑوں کی محکم چٹانوں پر نقش کرائے جنہیں سکندر کا حملہ بھی برباد نہ کر سکا۔ ان میں سب سے زیادہ اہم کتبہ بے ستون کا ہے جس میں دارا نے گوماتہ مجوسی کی بغاوت اور اپنی تخت نشینی کی سرگزشت قلمبند کی ہے۔ دوسرا استخر کا ہے جس میں اپنے تمام ماتحت ممالک کے نام گنوائے ہیں، ان دونوں میں

---

[1] گشتاسپ کو یونانیوں نے ہسٹاسپیز (Hystaspes) لکھا ہے۔ اصلی نام ویشتاسپ ہے اوستا میں جا بجا آیا ہے۔

[2] اے۔ وی۔ [illegible] جیکسن پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی کی کتاب "انشینٹ پرشیا اینڈ [illegible] پرافٹ" کا مطالعہ اس باب میں کفایت کرے گا۔

[3] موگوش کا لفظ ایک جگہ اوستا میں بھی آیا ہے اور یہ بات اب قطعی طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ "موگوش" سے مقصود میڈیا کے اس مذہب کے پیرو ہیں جو زردشت کے ظہور سے پہلے وہاں رائج تھا۔ چونکہ میڈیا کے باشندے بابل اور شام میں موگوش مشہور ہو گئے تھے اس لئے عربی میں بھی یہی نام مشہور ہو گیا اور موگوش نے مجوس کی شکل اختیار کر لی۔ پھر تمام ایرانیوں کو مجوس کہنے لگے۔ زردشتی اور غیر زردشتی کا امتیاز باقی نہیں رہا۔ حالانکہ اصلاً مجوسی زردشتیوں کے مخالف تھے۔

شپیگل نے نام اریا دیجہ پڑھا ہے۔ "دو ویج" یعنی پاک۔ (وندیداد) سائرس دین زردشتی کا پہلا حکمران تھا۔ فرگرد اول فقرہ ۲۔ اھورا مزدا اہر فرماید نخستین کشورے کہ من بیافریدم آریانہ ویج با ونجو دی باشد) ہر فرد لیفت کے فقرہ ۲۱ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ اور اس پر درود بھیجا گیا ہے "درود بر آیریا ویج" وستاسپ ہے۔ ولیمز

یہودیوں کے صحائف کی واضح شہادت موجود ہے کہ خدا کا یہ اپنا فرستادہ اور مسیح تھا جو موعودہ نبیوں کا موعود منتظر
تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی ہستی خدا کی نافرمان ہستی نہیں ہوسکتی جس کا "دہنا ہاتھ خدا نے پکڑا ہو" اور جس کی ٹیڑھی راہیں وہ درست
کرتا جائے "یقیناً وہ خدا کا ناپسندیدہ بندہ نہیں ہوسکتا۔ ~~خدا صرف انہی کا ہاتھ پکڑتا ہے جو برگزیدہ اور مقدس ہوتے ہیں اور~~
~~صرف انہی کو اپنا فرستادہ کہتا ہے جو اس کے چنے ہوئے اور اس کی ٹھہرائی ہوئی راہوں پر چلنے والے ہوتے ہیں۔~~

اسرائیلی نبیوں کی شہادت

آج کل کے اصحاب نقد و نظر یسعیاہ نبی کی اس پیشین گوئی کو مشتبہ سمجھتے ہیں کیونکہ یہ سائرس سے ڈیڑھ سو برس پہلے
کی گئی تھی۔ لیکن اگر اس سے قطع نظر کرلی جائے، جب بھی صورت حال پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ خود سائرس کے عہد میں
جو اسرائیلی نبی موجود تھے ان کی شہادتیں موجود ہیں، اور وہ صاف کہہ رہے ہیں کہ یہودیوں کا عام اعتقاد یہی تھا۔ اور اسی
حیثیت سے اس کا استقبال کیا تھا۔ حزقیل اور دانیال سائرس کے معاصر تھے۔ اور دانیال دارا کے عہد تک زندہ رہے
ان دونوں کی تصریحات سائرس کی نسبت موجود ہیں پھر دارا کے زمانہ میں حجی اور زکریاہ کے صحیفے مرتب ہوئے اور زرکسیز
(اردشیر یا ارتخششت) کے عہد میں عزرا اور نحمیاہ کا ظہور ہوا۔ ان سب کی شہادتیں بھی موجود ہیں، اور ان سب سے قطعی طور
پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سائرس کو بنی اسرائیل نے ایک موعود مسیح اور برگزیدہ انسان تسلیم کرلیا تھا ~~کی ایک موعود ہستی تھی اور خدا نے اسے برگزیدہ کیا تھا کہ اس کے لئے چن لیا تھا۔~~

کی نسبت یہودیوں کا اعتقاد ہے کہ

اگر یہودیوں کا عام اعتقاد یہ تھا، تو کیا ایک لمحہ کے لئے یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ وہ ایک بت پرست انسان
کی نسبت ایسا اعتقاد رکھنے کی جرات کرتے؟ یہ تمام پیشین گوئیاں سائرس کے ظہور کے بعد بنائی گئیں لیکن یہ
ظاہر ہے کہ یہودیوں ہی نے بنائیں اور یہودیوں ہی میں پھیلیں، حتی کہ ان کی مقدس کتاب میں داخل ہوگئیں۔ پھر کیا ممکن
تھا کہ ایک بت پرست انسان کے لئے ایسی پیشین گوئیاں بنائی جاسکتیں؟ کیا ممکن تھا کہ ایک بت پرست کو اسرائیلی
وحی کا ممدوح اور اسرائیلی نبیوں کا موعود بنا دیا جاتا۔

تسلیم کرلیا جائے کہ

یہودیوں کا اعتراف

یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ اجنبیوں اور غیر اسرائیلیوں کے خلاف یہودیوں کا تعصب بہت ہی سخت
تھا۔ ان کے نسلی غرور پر اس سے زیادہ اور کوئی بات شاق نہیں گذرتی تھی کہ کسی غیر اسرائیلی انسان کی بزرگی کا اعتراف
کریں۔ ظہور اسلام کے وقت بھی یہی عصبیت انہیں اعتراف حق سے روکتی تھی کہ ولا تؤمنوا الا لمن تبع دینکم (٣: ٧٣)
تاہم وہ سائرس کی فضیلت کے آگے جھک گئے جو ان کے لئے ہر اعتبار سے اجنبی تھا، اور نہ صرف اس کی بزرگی ہی کا اعتراف کیا،
بلکہ نبیوں کا موعود اور خدا کا برگزیدہ تسلیم کرلیا۔ یہ صورت حال اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ سائرس کی شخصیت ان کے لئے بڑی
ہی محبوب شخصیت تھی، اور اس کی فضیلتیں ایسی قطعی اور آشکارا تھیں کہ ان کے اعتراف میں نسلی عصبیت کا جذبہ بھی حائل نہ ہوسکا
ظاہر ہے کہ ایک بت پرست انسان کے لئے جو اجنبی بھی ہو، اور یہودیوں میں ایسی محبوبیت نہیں پیدا ہوسکتی تھی۔ اگر ایک بت
پرست بادشاہ نے انہیں نجات دلائی تھی، تو وہ اس کی شاہانہ عظمتوں کی مداحی کرتے مگر خدا کا مسیح اور برگزیدہ کبھی نہ سمجھتے
ضروری ہے کہ اس کی فضیلتیں مذہبی ہوں۔ ضروری ہے کہ مذہبی حیثیت سے بھی عقاید کا توافق موجود ہو۔ یہ یہودیوں کی پوری
تاریخ میں غیر اسرائیلی فضیلت کے اعتراف کا تنہا واقعہ ہے، اور ممکن نہیں کہ ایک ایسے انسان کے لئے ہو جسے وہ
مذہبی حیثیت سے محترم نہ سمجھتے ہوں۔

سائرس کے دین کا تعین

لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سائرس کے دینی عقاید کے بارے میں ہماری معلومات کیا ہیں!
تاریخی حیثیت سے یہ قطعی ہے کہ سائرس زردشت کا پیرو تھا جسے یونانیوں نے زاراسٹر کے نام سے پکارا ہے
اتنا ہی نہیں بلکہ غالباً اسی کی شخصیت ہے جو اس نئی دعوت کی تبلیغ و عروج کا ذریعہ ہوئی۔ اس نے فارس اور میڈیا میں
نئی شہنشاہی کی بنیاد ہی نہیں رکھی تھی بلکہ قدیم مجوسی دین کی جگہ نئے زردشتی دین کی بھی تخم ریزی کی تھی۔ وہ ایران میں
نئی شہنشاہی اور نئے دین، دونوں کا بانی تھا۔

(حاشیہ نوٹ)

زردشت کے ظہور کا زمانہ

زردشت کی ہستی کی طرح اس کے ظہور کا زمانہ اور محل بھی تاریخ کا ایک مختلف فیہ موضوع بن گیا ہے اور انیسویں
صدی کا پورا زمانہ مختلف نظریوں اور قیاسوں کے رد و کد میں بسر ہوچکا ہے بعضوں کو اس کی تاریخی ہستی ہی سے انکار
ہوا۔ بعضوں نے شاہنامہ کی روایت کو ترجیح دی اور گشتاسپ والا قصہ تسلیم کرلیا۔ بعضوں نے اس کا زمانہ ایک ہزار

دیوتائی

[میڈیا کا قدیم مذہب]

زردشت کے ظہور سے پہلے فارس اور میڈیا کے باشندوں کے عقاید کی بھی نوعیت وہی تھی جو انڈو یورپین آریاؤں کی تمام دوسری شاخوں کی رہ چکی ہے۔ ہندوستان کی کے آریوں کی طرح ایران کے آریوں میں بھی پہلے مظاہر قدرت کی پرستش شروع ہوئی۔ پھر سورج کی عظمت کا تصور پیدا ہوا۔ پھر زمین میں آگ نے سورج کی تمام مقامی پیدا کرلی، کیونکہ تمام مادی عناصر میں روشنی اور حرارت کا سرچشمہ وہی تھی۔ یونانیوں میں ایسے دیوتاؤں کا تصور پیدا ہوا جن سے اچھائی اور برائی، دونوں ظہور میں آتی تھیں۔ لیکن ایرانیوں کے تصور نے دیوتاؤں کو دو متقابل قوتوں میں تقسیم کردیا۔ ایک قوت پاک [redacted] ہستیوں کی تھی جو انسان کو زندگی کی تمام خوشیاں بخشتی [redacted] دوسری قوت برائی کے عفریتوں کی تھی [redacted]۔ روحانی ہستیوں کی نمود روشنی میں ہوئی اور شیطانوں کی تاریکی میں [redacted]

اچھائی برائی کا جس قدر تصور تھا، وہ یونانیوں کی طرح صرف مادی زندگی کی راحتوں اور محرومیوں ہی میں محدود تھا۔ روحانی زندگی اور اس کی سعادت و شقاوت کا کوئی تصور پیدا نہیں ہوا تھا۔

آگ کی پرستش کی قربان گاہیں بنائی جاتی تھیں اور اس کے خاص پجاریوں کا ایک [redacted] گروہ بھی پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے افراد "موگوش" کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ آگے چل کر اسی لقب نے آتش پرستی کا مفہوم پیدا کر دیا۔ گاتھا میں زردشت

لیکن زردشت نے ان تمام عقاید سے انکار کر دیا۔ اس نے خدا پرستی، روحانی سعادت و شقاوت اور آخرت کی زندگی کا عقیدہ پیدا کیا۔ اس نے کہا: یہاں نہ تو خیر کی بہت سی روحانی ہستیاں ہیں نہ شر کے بہت سے عفریت۔ یہاں صرف ایک "اہورمزدہ" کی ہستی ہے جو یگانہ ہے، نور ہے، قدوس ہے، حق ہے، حکیم ہے، قدیر ہے، اور تمام کائنات ہستی کی خالق ہے۔ کوئی ہستی نہیں جو اس کے مثل ہو، یا اس کے ہمتا ہو، یا اس کی شریک ہو۔ تم نے جن روحانی قوتوں کو خیر کا خالق سمجھ رکھا ہے، وہ خالق و خدا نہیں ہیں بلکہ "اہورمزدہ" کے پیدا کئے ہوئے "امش سپند" ہیں یعنی ملائکہ ہیں۔ [redacted] شر کا ذریعہ دیووں کی خوفناک قوت نہیں ہے بلکہ "[redacted]" کی ہستی ہے یعنی شیطان کی ہستی ہے جو اپنی وسوسہ اندازیوں سے انسان کو تاریکی کی طرف لے جاتی ہے۔

زردشت کی تعلیم کا عملی پہلو سب سے زیادہ اہم ہے۔ یونانیوں کی طرح اس کا اخلاقی تصور مذہب سے الگ نہیں تھا، بلکہ عین مذہب میں تھا۔ اس نے مذہب کو محض ایک قومی اور ملکی مذہب کی شان نہیں دی، بلکہ انفرادی زندگی کا روزانہ دستور العمل بنا دیا۔ نفس کی طہارت اور اعمال کی درستگی اس کی تعلیم کا اصلی محور ہے۔ انسانی زندگی کا ہر خیال، ہر قول، ہر فعل ضروری ہے کہ اس معیار پر پورا اترے۔ فکر کی راستی، گفتار کی راستی، اور کردار کی راستی، پرستاران اہورمزدہ کے لئے تین بنیادی اصول تھے۔ پروفیسر گرنڈی کے لفظوں میں "اس کا مذہب حقیقت اور عمل کا مذہب تھا۔ یونانی مذہب کی طرح محض رسموں اور ریتوں کا مذہب تھا۔ اس نے مذہب کو ایرانیوں کی روزانہ زندگی کی ایک حقیقت بنا دیا، اور اخلاق اس مذہب کا مرکزی عنصر تھا۔"[1]

[عبادت کا تصور]

اس کی عبادت کا تصور ہر طرح کے اصنامی اثرات سے پاک تھا۔ عبادت ہمیں اس لئے نہیں کرنی چاہئے کہ خدا کے غضب و انتقام سے بچیں، بلکہ اس لئے کہ برکتیں اور سعادتیں حاصل کریں۔ اگر ہم اہورمزدہ کی عبادت نہیں کریں گے تو وہ ہمیں یونانی اور ہندوستانی دیوتاؤں کی طرح اپنے غضب کا نشانہ نہیں بنائے گا، لیکن خود ہم سعادت سے محروم رہ جائیں گے۔

[آخرت کی زندگی]

اس کی تعلیم کا سب سے زیادہ نمایاں پہلو آخرت کی زندگی کا اعتقاد ہے۔ وہ کہتا ہے انسان کی زندگی صرف اتنی ہی نہیں ہے جتنی اس دنیا میں گزرتی ہے۔ اس کے بعد بھی ایک زندگی پیش آئے گی۔ اس زندگی میں دو عالم ہوں گے۔ ایک اچھائی اور سعادت کا، دوسرا برائی اور شقاوت کا۔ جن لوگوں نے اس زندگی میں نیک عمل کئے ہیں وہ پہلے عالم میں جائیں گے۔ جنہوں نے برے عمل کئے ہیں، دوسرے عالم میں۔ اور اس کا فیصلہ اس دن ہوگا جسے وہ "آخری فیصلہ" کا دن قرار دیتا ہے۔

بقائے روح کا مسئلہ اس کے مذہب کی بنیادی چٹان ہے۔ انسان فانی ہے مگر اس کی روح فانی نہیں۔ وہ اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور ثواب و عقاب کے دو عالموں میں سے کسی عالم میں داخل ہو جاتی ہے۔

[پیروان زردشت کا اخلاقی تعلیم]

موجودہ عہد کے تمام محققین تاریخ متفق ہیں کہ زردشت کی تعلیم نے انسان کے اخلاقی اور فکری ارتقاء میں نہایت موثر

۱ دیکھو پروفیسر گرنڈی کا مقالہ۔ یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۲ صفحہ ۱۱۳۰۔

وہ بار بار "اہور مزدہ" کا نام لیتا ہے اور اپنی تمام کامرانیوں کو اس کے فضل و کرم سے منسوب کرتا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ "اہور مزدہ" زردشت کی تعلیم کا "اللہ" ہے۔

ان دو واقعوں پر ایک تیسرے واقعہ کا بھی اضافہ کر دینا چاہئے یعنی تاریخ میں کوئی اشارہ اس کا نہیں ملتا کہ کم بی سیز نے کوئی نیا دین قبول کیا تھا، یا دارا کو اس طرح کا کوئی معاملہ پیش آیا تھا۔ ہیروڈوٹس نے دارا کی وفات سے پچاس ساٹھ برس بعد اپنی تاریخ لکھی ہے[1]۔ اس کے لئے دارا کے عہد کے واقعات بالکل قریبی زمانے کے واقعات تھے، اور ایشیا میں فارسی حکومت قائم ہو جانے کی وجہ سے یونانیوں اور فارسیوں کے تعلقات بھی روز بروز بڑھ رہے تھے۔ تاہم وہ کسی ایسے واقعہ کا ذکر نہیں کرتا۔ پس سائرس کی وفات اور دارا کی تخت نشینی کے درمیان آٹھ برس کی جو مدت گزری ہے ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس عرصہ میں کسی نئی مذہبی دعوت کے ظہور و قبول کا کوئی واقعہ نہیں گزرا۔

اب غور کرو ان واقعات کا لازمی نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ اگر سائرس کے بعد کم بی سیز اور دارا نے کوئی نئی دعوت قبول نہیں کی تھی، اور دارا دین زردشتی پر عامل تھا، تو کیا اس سے ثابت نہیں ہو رہا ہے کہ دارا اور کم بی سیز سے پہلے زردشتی دین خاندان میں آ چکا ہے؟ اگر سائرس کی وفات کے چند سال بعد قدیم مذہب کے پیرو اس لئے بغاوت کرتے ہیں کہ کیوں ایک نیا مذہب قبول کر لیا گیا ہے، تو کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ سائرس نیا مذہب قبول کر چکا تھا، اور تبدیل مذہب کا معاملہ نیا نیا پیش آیا تھا؟ پھر اگر زردشت سائرس کا معاصر تھا تو کیا یہ اس بات کا مزید ثبوت نہیں ہے کہ سب سے پہلے سائرس ہی نے یہ دعوت قبول کی تھی، اور وہ فارس اور میڈیا کا نیا شہنشاہ بھی تھا اور نئی دعوت کا پہلا حکمران داعی بھی؟

اتنا ہی نہیں، بلکہ ہم غور کرتے ہیں تو اس زنجیر کی کڑیاں اور آگے تک بڑھتی جاتی ہیں۔ البتہ ہم اسے ایک قیاس سے زیادہ کہنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ اگر سائرس زردشت کا ابتدائی زمانہ خاندان سے الگ اور گمنامی میں بسر ہوا، تو کیا اسی زمانہ میں دونوں شخصیتیں ایک دوسرے کے قریب نہیں پہنچ جاتیں؟ اور کیا ایسا نہیں سمجھا جا سکتا کہ اسی زمانہ میں سائرس زردشت کی تعلیم و صحبت سے بہرہ مند ہوا؟ سائرس کی ابتدائی زندگی کی سرگذشت تاریخ کی ایک گم شدہ داستان ہے۔ پھر کیا اس داستان کا سراغ ہمیں ان دونوں شخصیتوں کی معاصرت کے واقعہ میں نہیں مل جاتا؟

زردشت اور سائرس

مورخ زینوفن نے سائرس کی ابتدائی زندگی کا افسانہ ہمیں سنایا ہے اس افسانہ میں ایک پراسرار شخص کی پرچھائیں صاف نظر آ رہی ہے جو دشت و جبل کے اس پروردۂ قدرت کو آنے والے کاناموں کے لئے تیار کر رہا تھا۔ کیا اس پرچھائیں میں ہم خود زردشت کی مقدس شخصیت کی نمود نہیں دیکھ رہے ہیں؟ اگر زردشت کا ظہور شمال مغربی ایران میں ہوا تھا، اور اگر سائرس کی ابتدائی گمنامی کا زمانہ بھی شمالی کوہستانوں میں بسر ہوا، تو کیوں یہ دونوں کڑیاں باہم مل کر ایک گم شدہ داستان کا سراغ نہ بن جائیں؟ سائرس کی شخصیت وقت کے تمام ذہنی اور اخلاقی رجحانات کے برخلاف ایک انقلاب انگیز شخصیت تھی۔ ایسی شخصیت کسی انقلاب انگیز داعی کی دعوت ہی سے پیدا ہو سکتی ہے، اور صاف نظر آ رہا ہے کہ وہ داعی شخصیت زردشت ہی کی تھی۔

بہرحال سائرس نے اپنی ابتدائی گمنامی کے عہد میں نئی دعوت قبول کی ہو، یا تخت نشینی کے بعد، لیکن یہ قطعی ہے کہ وہ دین زردشتی پر عامل تھا۔

زردشت کی حقیقی تعلیم!

لیکن اگر ذوالقرنین دین زردشتی پر عامل تھا، اور قرآن ذوالقرنین کے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا اثبات کرتا ہے اتنا ہی نہیں بلکہ اسے ملہم من اللہ قرار دیتا ہے، تو کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زردشت کی تعلیم دین حق کی تعلیم تھی؟ یقیناً لازم آتا ہے لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اس لزوم سے بچنے کی ہم کوشش کریں، کیونکہ یہ حقیقت اب پوری طرح روشنی میں آ چکی ہے کہ زردشت کی تعلیم سرتاسر خدا پرستی اور نیک عملی کی تعلیم تھی، اور آتش پرستی اور ثنویت کا اعتقاد اس کا پیدا کیا ہوا اعتقاد نہیں ہے، بلکہ قدیم میدوی مجوسیت کا رد عمل ہے

جس طرح روم کی مسیحیت قدیم رومی بت پرستی کے رد عمل سے محفوظ نہ رہ سکی اسی طرح زردشت کی خالص خدا پرستانہ تعلیم بھی قدیم مجوسیت کے رد عمل سے بچ نہ سکی خصوصاً ساسانی عہد میں جبکہ از سر نو مدون ہوئی، تو اصل تعلیم سے بالکل ایک مختلف چیز بن چکی تھی

[1] دارا کی وفات بالاتفاق ۴۸۶ قبل مسیح میں ہوئی، اور ہیروڈوٹس ۴۸۴ ق م میں پیدا ہوا تھا۔ یعنی دارا کی وفات سے صرف دو سال بعد۔

مارکھم نے (Markham) ہسٹری آف پرشیا میں اعتراف کیا ہے کہ قدیم ایرانیوں کا بت پرستی سے اجتناب اُن کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ "دنیا کی تمام قوموں میں صرف ایرانی ہی ایک ایسی قوم ہے جس نے اپنی تاریخ کے کسی دور میں بھی کسی صورت اور مجسمہ کی پرستش سے اپنی روحانی زندگی کو آلودہ نہیں کیا ہے۔"

میں بت پرستی کی کوئی شکل بھی سر نہ اٹھا سکی۔ قدیم مجوسی مذہب میں بھی اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ لیکن ایران میں دارا اور اس کے بعد کے عہد کے جو آثار ملے ہیں ان میں ایک خاص صورت کا نقش پایا جاتا ہے۔ یہ بادشاہ کی تصویر نہیں ہو سکتی کیونکہ بادشاہ کی شخصیت مرقع میں الگ نمایاں ہے۔ اس کا محل ہر جگہ بلندی میں اور سب سے اوپر واقع ہوا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ خود بادشاہ سے [illegible] بلند تر ہستی ہو۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ [illegible] ہستی کون ہے؟ سب سے پہلے یہ صورت بے ستون کے مرقع میں زیر بحث ہوئی جب ۱۸۴۶ء میں کرنیل رالینسن نے اپنی شرح وحل کے ساتھ اصل مرقع کا چربہ شائع کیا۔ پھر یہی صورت متعدد نقوش میں ملی۔ مثلاً دارا کی سرکاری مہر کے مرقع میں، نقش رستم میں جو در اصل دارا کی قبر ہے، استخر کے محل شاہی کے دروازہ پر جو غالباً درمیانی دروازہ ہے۔ رالینسن سے پہلے سر رابرٹ کیر پورٹر نے یہ نظریہ قائم کرلیا تھا کہ یہ کوئی مافوق انسانیت ہستی ہونی چاہیئے جو خود بادشاہ سے بھی اوپر اپنی جگہ رکھتی ہے۔ رالینسن ایک قدم اور آگے بڑھا، اور اس نے فیصلہ کرلیا کہ یہ اہورمزدہ کی ہستی ہے یعنی خدا کی۔ چنانچہ اس وقت سے یہ رائے برابر مقبول ہوتی گئی۔ اب عام طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے کہ ایرانی اگرچہ بت پرستی سے مجتنب رہے لیکن انہوں نے اہورمزدہ کی ہستی کے لئے ایک مرموز (یعنی symbolic) متشخص کا تصور ضرور قائم کرلیا تھا جو ان تصویروں میں نمایاں ہے، اور یہ مصریوں اور آشوریوں کے مرموز تجسم کا اثر تھا جس سے وہ بھی متاثر ہوگئے۔[1]

لیکن ۱۹۰۸ء سے (جبکہ میں نے پہلے پہل ایرانی آثار قدیمہ کا بغور مطالعہ کیا) میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہ قیاس اول [illegible] سے غلط رخ پر چلا ہے۔ اور تمام تاریخی اور عقلی قرائن اس کے خلاف ہیں:

اولاً۔ تمام تاریخی شہادتیں اور خود پارسیوں کا مسلسل تعامل ثابت کر رہا ہے کہ انہوں نے الوہیت کا تصور کبھی کسی انسانی جسم وصورت میں نہیں کیا، اور کبھی کسی مجسمہ کو تقدیس کی نظر سے نہیں دیکھا۔

ثانیاً اگر امتداد زمانہ سے یہ چیز پیدا بھی ہوگئی ہو، جب بھی کسی طرح یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ خود دارا کے عہد میں پیدا ہوگئی ہو، جو زردشت کی تعلیم کا ابتدائی عہد تھا۔ اور جب یونانی مورخوں کی شہادت کے مطابق ایرانی یونانی بت پرستی کو حقارت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔

ثالثاً اس شبیہ میں کوئی ایسی بات نہیں جو معبودیت والوہیت کی کوئی خاص شان رکھتی ہو۔ ہر جگہ اس کی ایک ہی صورت اور وضع ہے اور وہ ایک معمولی انسان کی ہے جس نے اس زمانہ کا عام لباس پہن رکھا ہے۔ وہی لباس جو خود دارا اور اس کے جانشینوں کا تصویروں میں دکھایا گیا ہے۔ صرف اتنی بات اس میں زیادہ ہے کہ ایک حلقہ اس کی کمر سے نیچے چاروں طرف بنا دیا گیا ہے، اور عقب میں ایک ایسا طولانی نقش ہے جس میں لہروں کی سی شان پیدا ہوگئی ہے۔ اس حلقہ اور لہروں کو سورج کی مرموز شکل قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ رائے تسلیم بھی کرلی جائے جب بھی یہ اس کے لئے کافی نہیں کہ محض یہ مشتبہ حلقہ اور مشتبہ لہریں ایک خالق ہستی کے تصور کے لئے پیروان زردشت کا منتہائے خیال تھا۔

رابعاً اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ اس حلقہ اور لہروں میں ایک ماوراء انسانیت ہستی کا تصور مرموز تھا، جب بھی یہ اہورمزدہ کی ہستی کیوں ہو جس کی نسبت زردشت نے تقدیس وعلو کا اس درجہ بلند تصور قائم کیا ہے؟ کیوں یہ کسی ایسے انسان کی صورت نہ ہو جو اگرچہ انسان تھا مگر اپنی انسانیت کی رفعت وتقدیس کی وجہ سے ایک غیر معمولی ہستی سمجھا جاتا تھا؟ مثلاً خدا کی ایک فرستادہ ہستی؟

بہرحال اس رخ پر ہم جس قدر بڑھتے ہیں، یہ بات واضح ہوتی جاتی ہے کہ اسے اہورمزدہ کی ہستی سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ یا تو خود زردشت کی تصویر ہے جو ایرانی مذہب کا بانی تھا، یا سائرس کی ہے جو اس مذہب کا حکمران پیغمبر اور ہخامنشی شہنشاہی کا پہلا تاجدار تھا۔

چونکہ اس صورت کے بائیں ہاتھ میں ہر جگہ ایک حلقہ دکھلایا گیا ہے، اور [illegible] ایرانی نقوش میں حلقہ کی شکل حکومت و [illegible] کی

[1] یہ رائے بھی ہوگئی ہے لیکن ایسی صدائیں برابر اٹھتی رہی ہیں جنہیں اس رائے سے اختلاف ہوا۔ کرنیل رالینسن کی اشاعت کے چند سال بعد لغات ترغیبہ کے ایک عالم ریورنڈ چارلس فارسٹر (Forster) نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ یہ تصویر اس نقاش کی ہے جس نے مرقع نقش کیا تھا۔ اور جو حلقہ اس کی کمر کے گرد نظر آرہا ہے یہ معماروں کی ڈوری ہے جس میں بیٹھ کر بلندی پر کام کیا کرتے تھے۔ (دیکھو مصنف مذکور کی کتاب one primaeval Language جلد سوم صفحہ ۱۷۹)

کوئی

تاجداری

(فوٹ ۔۔۔) بے ستوا دراصل بہستون تھا۔ غالباً فرہاد و شیریں کے قصے سے ملاکر لوگوں نے اُسے بے ستون کردیا۔ اور اب عام طور پر بے ستون ہی بولا جاتا ہے۔ مرزا فرصت شیرازی لکھتے ہیں کہ بہستون اور بے ستون دو الگ الگ مقام ہیں۔

حصہ لیا ہے اس نے پانچ سو برس قبل مسیح ایرانیوں کو اخلاقی پاکیزگی کی ایک ایسی سطح پر پہنچا دیا تھا جہاں سے ان کے معاصر یونانیوں اور رومیوں کی بہت ہی پست دکھائی دیتی ہے۔ ایک ایسا مذہب جس کی تعلیم کا رخ سرتا سر انفرادی زندگی کی پاکیزگی کی طرف تھا، اور جو اپنے پیروؤں کی اخلاقی روش کے لئے نہایت بلند مطمح نظر رکھتا تھا، ضروری تھا کہ اعمال و خصائل کے بہتر سانچے ڈھال دے اور تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ اس نے ڈھال دئے تھے۔ یہ شہادت کن لوگوں کے قلم سے نکلی ہے؟ ان لوگوں کے قلم سے جو کسی طرح بھی ایرانیوں کے دوست نہیں سمجھے جا سکتے۔ پانچویں اور چوتھی صدی قبل مسیح کا تمام زمانہ ایرانیوں اور یونانیوں کی مسلسل آویزش کا زمانہ رہا ہے، اور ہیروڈوٹس اور زینوفون نے جب تاریخیں لکھی ہیں تو یونان کے حریفانہ جذبات پوری طرح ابھرے ہوئے تھے تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایرانیوں کی اخلاقی فضیلت سے انکار نہیں کر سکتے۔ انہیں ماننا پڑتا ہے کہ "ان میں بعض ایسی عظیم فضیلتیں ہیں جو یونانیوں میں نہیں پائی جاتیں" ہم یہاں پروفیسر گرنڈی کے الفاظ پھر مستعار لینگے کہ "ایرانی سچائی اور دیانت کی ایسی فضیلتیں رکھتے تھے جو اس عہد کی قوموں میں عام طور پر دکھائی نہیں دیتی"۔

داراکے فرامین

ان کی راستبازی، رحم دلی، شجاعت، اور بلند نظری کا سب اعتراف کرتے ہیں، اور یہ یقیناً زردشت کی تعلیم کے لازمی نتائج تھے دارائے اول کا زمانہ اس مذہب کی بلند آہنگی کا شاندار زمانہ ہے اس کے کتبوں میں ہمیں زردشتی تعلیم کی صدائیں صاف سنائی دے رہی ہیں، اور ان سے ہم حقیقت حال معلوم کر سکتے ہیں۔

بہستون

بہستون کا کتبہ ڈھائی ہزار برس پیشتر کی یہ منادی آج تک بلند کر رہا ہے:

"خدائے برتر اہورمزدہ ہے، اسی نے زمین پیدا کی، اسی نے آسمان بنایا، اسی نے انسان کی سعادت بنائی، اور وہی ہے جس نے داراکو بہتوں کا تنہا حکمراں اور آئین ساز بنایا"۔

"دارا اعلان کرتا ہے کہ اہورمزدہ نے اپنے فضل سے مجھے بادشاہت دی، اور اسی کے فضل سے میں نے زمین میں امن و امان قائم کیا۔ میں اہورمزدہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے، میرے خاندان کو، اور تمام ملکوں کو محفوظ رکھے۔ اے اہورمزدہ! میری دعا قبول کر!

صراط مستقیم کی دعوت

اے انسان! اہورمزدہ کا تیرے لئے حکم ہے کہ برائی کا دھیان نہ کر، صراط مستقیم کو نہ چھوڑ۔ گناہ سے بچتا رہ!"[1]

یاد رہے کہ دارا سائرس کا معاصر تھا، اور اس کی وفات سے صرف آٹھ برس بعد تخت نشین ہوا۔ پس دارا کی صداؤں میں ہم خود سائرس کی صدائیں سن رہے ہیں۔ اس کا بار بار اپنی کامرانیوں کو اہورمزدہ کے فضل و کرم سے منسوب کرنا ٹھیک ٹھیک ذوالقرنین کے اس طرز خطاب کی تصدیق ہے کہ ھٰذا رحمۃ من ربی (۹۸)

زردشتی مذہب کا اختلاط و تغیر!

لیکن چوتھی صدی قبل مسیح کے بعد زردشتی مذہب کا تنزل شروع ہو گیا۔ ایک طرف قدیم مجوسی مذہب نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا دوسری طرف خارجی اثرات بھی کام کرنے لگے۔ یہاں تک کہ انٹانین (Antonine) شہنشاہ روم کے زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ سائرس اور دارا کے عہد کے زردشتی مذہب نے بالکل ایک دوسری ہی شکل اختیار کر لی ہے۔ سکندر اعظم کی فتوحات کا سیلاب اٹھا اور وہ ایران کی دو صد سالہ شہنشاہی ہی نہیں بلکہ اس کا مذہب بھی بہا لے گیا۔ ایرانیوں کا قومی افسانہ کہتا ہے کہ زردشت کا مقدس صحیفہ اوستا بارہ ہزار بیلوں کی مدبوغ کھالوں پر آب زر سے لکھا ہوا تھا جو سکندر کے حملہ استخر میں جل کر راکھ ہو گیا۔ بارہ ہزار بیلوں کی کھال کا قصہ تو محض مبالغہ ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ بخت نصر کے حملہ بیت المقدس نے جو سلوک تورات کے ساتھ کیا تھا وہی سکندر کے حملہ ایران نے اوستا کے ساتھ کیا۔ یعنی دونوں جگہ مذہب کا اصلی نوشتہ مفقود ہو گیا۔

پھر جب پانچ سو پچاس برس کے بعد ساسانی دور حکومت شروع ہوا، تو مذہب زردشت کی از سر نو تدوین کی گئی، اور جس طرح قید بابل کے بعد عزرا نے نئی تورات مرتب کی تھی، اسی طرح اردشیر بابکانی نے از سر نو اوستا کا نسخہ مرتب کرایا۔ لیکن اب مذہب کی تمام حقیقی خصوصیات طرح طرح کی تبدیلیوں، تحریفوں، اور اضافوں سے یک قلم مسخ ہو چکی تھیں چنانچہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ ساسانی عہد کا مذہب قدیم مجوسیت، زردشتیت، اور یونانیت کا ایک مخلوط مرکب ہے۔ اور اس کا بیرونی رنگ و روغن تو تمام تر مجوسیت ہی نے فراہم کیا ہے، اسی ساسانی اوستا کا ایک ناقص اور محرف ٹکڑا ہے جو ہندوستان کے پارسیوں کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے اور جس کے لئے ہم ایک فرنچ مستشرق آنک تیل کی اولوالعزمیوں اور علمی قربانیوں کے شکر گزار ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک بحث طلب سوال اور ہے، اور ضروری ہے کہ اس پر بھی نظر ڈال لی جائے۔ یہ مسلم ہے کہ پیروان زردشت

اہورمزدہ کی مزعومہ شبیہ

[1] جی۔ راولینسن (Rawlinson) "فائو گریٹ مناریکیز آف دی انشینٹ ایسٹرن ورلڈ"

ماخذہ اوستا مجموعہ حرف

باجز چند تعاقل کا حصہ بلاشبہ زردشتی عہد کی خبر دیتا ہے - باقی حصے بعد کے عہدوں کی مخلوق ہیں جن سے ساسانی مذہب کے عقائد و اعمال کی ایک ناقص شبیہ مل جاتی ہے

آئے گا تاکہ لوٹ مار کرے۔ دوسری یہ کہ "ماجوج پر اور ان پر جو جزیروں میں سکونت رکھتے ہیں، تباہی آئے گی" تیسری یہ کہ جو لوگ اسرائیل کے شہروں میں بسنے والے ہیں، وہ بھی ماجوج کے مقابلہ میں حصہ لیں گے اور ان کے بے شمار ہتھیار ان کے ہاتھ آئیں گے۔ چوتھی یہ کہ ماجوج کی تباہی کا گورستان "مسافروں کی وادی" میں بنے گا جو "سمندر کے پورب میں ہے" ان کی لاشیں عرصہ تک وہاں پڑی رہیں گی۔ لوگ انہیں گاڑتے رہیں گے "تاکہ رہگزر صاف ہو جائے (باب ٣٨-٣٩)

یہ واضح رہے کہ اس پیشین گوئی سے پہلے سائرس کے ظہور اور یہودیوں کی آزادی و خوش حالی کی پیشین گوئی بیان کی جا چکی ہے اور اس پیشین گوئی کا محل ٹھیک اس مکاشفہ کے بعد ہے جس میں حزقیل نبی اسرائیل کی سوکھی ہڈیوں کو زندہ ہوتے دیکھا تھا اور جیسے قرآن نے بھی سورۂ بقرہ کی آیت اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا (٢: ٢٥٩) میں بیان کیا ہے۔ پس ضروری ہے کہ جوج اور ماجوج کا معاملہ بھی اسی زمانے کے لگ بھگ پیش آنے والا ہو۔ یعنی سائرس کے زمانہ میں اور یہ سائرس کے ذوالقرنین ہونے کا ایک مزید ثبوت ہے۔ کیونکہ قرآن صاف کہہ رہا ہے کہ اسی نے یاجوج و ماجوج کے حملوں کی روک تھام کے لئے ایک سد تعمیر کی تھی۔

عہد عتیق کے بعد یہ نام ہمیں مکاشفات یوحنا میں بھی ملتا ہے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ "جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا اور وہ ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہوں گی، یعنی یاجوج و ماجوج کو گمراہ کرنے اور لڑائی کے لئے جمع کرنے نکلے گا۔ ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا۔ وہ تمام زمین کی وسعتوں پر چڑھ جائیں گی" (٢٠: ٧)

گاگ اور ماگاگ یاجوج اور ماجوج کے لئے یورپ کی زبانوں میں Gog اور Magog کے نام مشہور ہو گئے ہیں، اور شارحین تورات کہتے ہیں کہ یہ نام سب سے پہلے تورات کے ترجمۂ سبعینی[1] میں اختیار کئے گئے تھے۔ لیکن کیا اس لئے اختیار کئے گئے کہ جوج اور ماجوج کا یونانی تلفظ یہی ہو سکتا تھا، یا خود یونانی میں پہلے سے یہ نام موجود تھے؟ اس بارے میں شارحین کی رائیں مختلف ہیں۔ لیکن زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ دونوں نام اسی طرح یا اس کے قریب قریب یونانیوں میں بھی مشہور تھے۔

شمال شرقی قبائل اب سوال یہ ہے کہ یہ کون قوم تھی؟ تمام تاریخی قرائن متفق طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اس سے مقصود صرف ایک ہی قوم ہو سکتی ہے، اس کے سوا کوئی نہیں۔ یعنی شمال مشرقی میدانوں کے وہ وحشی مگر طاقتور قبائل جن کا سیلاب قبل از تاریخ عہد سے لے کر نویں صدی مسیحی تک برابر مغرب کی طرف امنڈتا رہا، جن کے مشرقی حملوں کی روک تھام کے لئے چینیوں کو سینکڑوں میل لمبی دیوار بنانی پڑی تھی، جن کی مختلف شاخیں تاریخ میں مختلف ناموں سے پکاری گئی ہیں اور جن کا آخری قبیلہ یورپ میں میگر کے نام سے روشناس ہوا۔ اور ایشیا میں تاتاریوں کے نام سے۔ اسی قوم کی ایک شاخ تھی جسے یونانیوں نے سیتھین Scythians کے نام سے پکارا ہے اور اسی کے حملوں کی روک تھام کے لئے سائرس نے سد تعمیر کی تھی۔

منگولیا شمال مشرق کے اس علاقہ کا بڑا حصہ اب "منگولیا" کہلاتا ہے۔ لیکن "منگول" لفظ کی ابتدائی شکل کیا تھی؟ اس کے لئے جب ہم چین کے تاریخی مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں (اور ہمیں اسی طرف رجوع ہونا چاہئے۔ کیونکہ وہ منگولیا کے ہم سایہ میں ہے) تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم نام "موگ" ہے جو چھ سو برس قبل مسیح یونانیوں میں "میگ" اور "میگاگ" پکارا جاتا ہوگا اور یہی عبرانی میں "ماجوج" ہو گیا۔

چین کی تاریخ میں ہمیں اس سلالہ کے ایک اور قبیلہ کا ذکر بھی ملتا ہے جو "لواچی" (Yue-chi) کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہی "یواچی" ہے جس نے مختلف قوموں کے مخارج و تلفظ سے گزر کر کوئی ایسی شکل اختیار کر لی تھی کہ عبرانی میں "یاجوج" ہو گیا۔

اس امر کی وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ ان نتائج پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے جو مختلف قوموں کے نسلی جغرافیائی اور لغوی علائق کی بحث و تنقیب سے پیدا ہوئے ہیں، اور جو موجودہ زمانے میں تاریخ اقوام کے طے شدہ مبادیات ہیں۔

منگولیا کا قدیم سرچشمہ اور اقوام قدیم کا انشعاب کرۂ ارضی کی بلند سطح کا وہ حصہ جو شمال مشرق میں واقع ہے اور جسے آج کل منگولیا اور چینی ترکستان کے نام سے پکارا جاتا ہے تاریخ قدیم کی بے شمار قوموں کا ابتدائی گہوارہ رہ چکا ہے، یہ نسل انسانی کا ایک ایسا سرچشمہ تھا جہاں پانی برابر ابلتا اور جمع ہوتا رہتا۔ اور جب بہت بڑھ جاتا تو مشرق و مغرب کی طرف امنڈنا چاہتا۔ اس کے مشرق میں چین تھا مغرب و جنوب

---

[1] ترجمۂ سبعینی سے مقصود تورات کا وہ یونانی ترجمہ ہے جو اسکندریہ میں [illegible] حکم سے ہوا تھا، اور جس میں [illegible] علماء یہود شریک تھے۔

(٢٨٢ تا ٢٤٧ ق م)

بہتر ٧٢ مصری فرمانروا فیلاڈلفس کے

یعنی Septuagint

علامت بھی ہو گئی ہے۔ اس لئے زیادہ قرین قیاس یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سائرس کی تصویر ہو[1]۔

کیا ذوالقرنین نبی تھا؟

(۸) جہاں تک قرآن کی تصریحات کا تعلق ہے، ایک اہم سوال اور باقی رہ گیا ہے۔ قرآن میں ہے قلنا یاذاالقرنین۔ ہم نے کہا اے ذوالقرنین۔ اس خطاب کا مطلب کیا ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین براہ راست وحی الٰہی سے مخاطب تھا؟ مفسرین نے اس پر طبع آزمائیاں کی ہیں، اور چونکہ امام رازی سکندر مقدونی کو ذوالقرنین بنانا چاہتے ہیں اور وہ بنتا نہیں۔ اس لئے مجبور ہوتے ہیں کہ یہاں قلنا کے منطوق پر اس کے مفہوم کو ترجیح دیں۔

اس میں شک نہیں کہ قلنا کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بالواسطہ خطاب ہو یعنی اس عہد کے کسی پیغمبر کے ذریعہ ذوالقرنین کو مخاطب کیا گیا ہو۔ جیسا کہ فقلنا اضربوہ ببعضھا (۲: ۷۳) میں ہے۔ یا خطاب قولی نہ ہو تکوینی ہو جیسا کہ قیل یاارض ابلعی ماءک و یسماء اقلعی (۱۱: ۴۴) اور قلنا یا نار کونی بردًا وسلامًا علیٰ ابراھیم (۲۱: ۶۹) وغیرہا آیات میں ہے۔ لیکن اس طرح کا مطلب جب ہی قرار دینا چاہئے کہ اس کے لئے قوی وجوہ موجود ہوں۔ اور یہاں کوئی وجہ موجود نہیں۔ آیت کا صاف صاف مطلب یہی ہے کہ ذوالقرنین کو اللہ نے براہ راست مخاطب کیا، اور اس پر اللہ کی وحی نازل ہوتی تھی۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ وحی نبوت کی وحی تھی، یا اس طرح کی وحی تھی جیسی حضرت موسٰی کی والدہ کی نسبت بیان کی گئی ہے کہ واوحینا الیٰ ام موسٰی ان ارضعیہ (۲۸: ۷) تو صحابہ و سلف سے جو تفسیر منقول ہے وہ یہی ہے کہ ذوالقرنین نبی تھا، اور متاخرین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن کثیر بھی اسی تفسیر کی تائید کرتے ہیں۔

اور غور کرو، قرآن کا یہ بیان سائرس کی شخصیت پر کس طرح ٹھیک ٹھیک منطبق ہو رہا ہے؟ تاریخ اس کی پیغمبرانہ شخصیت کی شہادت دے رہی ہے اور عہد عتیق کے انبیاء اسے صریح خدا کا برگزیدہ اس کا مسیح، اور اس کی مرضی پورا کرنے والا کہتے ہیں عزرا نبی کی کتاب میں اس کا جو فرمان تعمیر بیت المقدس کے لئے نقل کیا گیا ہے، اس میں وہ خود اعلان کرتا ہے "خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہودیا کے ملک میں اس کی عبادت کے لئے ایک ہیکل تعمیر کروں" اس کا یہ کہنا کہ "خدا نے مجھے حکم دیا ہے"۔ ٹھیک ٹھیک قلنا یاذاالقرنین: کی تصدیق ہے ہم اس سے پہلے اس کی خدا پرستی کے اثبات میں جو کچھ لکھ چکے ہیں، اس میں سے ہر بات ٹھیک ٹھیک اس کی نبوت کے ثبوت میں بھی کہی جا سکتی ہے۔

یاجوج ماجوج

(۹) اب صرف ایک معاملہ کی تشریح باقی رہ گئی ہے۔ یعنی یاجوج اور ماجوج سے کون سی قوم مراد ہے؟ اور جو سد سائرس نے بنائی تھی، اس کی تاریخی نوعیت کیا ہے؟

قرآن مجید نے یاجوج اور ماجوج کا دو جگہ ذکر کیا ہے۔ ایک تو یہاں ہے۔ دوسرا سورۂ انبیاء میں ہے۔ حتیٰ اذا فتحت یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون (۲۱: ۹۶)

یاجوج اور ماجوج کا نام سب سے پہلے عہد عتیق میں آیا ہے۔ حزقیل نبی کی کتاب میں جنہیں بخت نصر اپنے آخری حملہ بیت المقدس میں گرفتار کر کے بابل لے گیا تھا، اور جو سائرس کے ظہور تک زندہ رہے، یہ پیشین گوئی ملتی ہے۔

حزقیل نبی کی پیش گوئی

"اور خداوند کا کلام مجھ تک پہنچا۔ اس نے کہا۔ اے آدم زاد! تو جوج کی طرف اپنا منہ کر کے اس کے برخلاف نبوت کر۔ جوج کی طرف، جو ماجوج کی سرزمین کا ہے، اور روس، مسک اور توبال کا سردار ہے۔ خداوند یہوداہ یوں کہتا ہے کہ میں تیرا مخالف ہوں میں تجھے پھرا دوں گا۔ تیرے جبڑوں میں بنیاں ماروں گا، تیرے سارے لشکر اور گھوڑوں اور سواروں کو جو جنگی پوشاک پہنے جو سپریں اور سپرلئے ہوئے ہیں، اور سب شمشیر بکف ہیں، کھینچ نکالوں گا۔ اور میں ان کے ساتھ فارس اور کوش اور فوط کو بھی کھینچ نکالوں گا۔ جو سپر لئے ہوئے اور خود پہنے ہوں گے۔ نیز جومر اور شمال بعید کے اطراف کے باشندگان تجرمہ اور ان کا سارا لشکر"۔

اس کے بعد دور تک تفصیلات چلی گئی ہیں اور چار باتیں خصوصیت کے ساتھ کہی گئی ہیں ایک یہ کہ جوج شمال کی طرف سے

[1] ۱۹۱۳ء میں میں نے اپنا یہ خیال مسٹر اڈورڈ براؤن (پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی ومصنف لٹریری ہسٹری آف پرشیا وغیرہ) کو لکھا تھا۔ انہوں نے مجھ سے اتفاق کیا تھا، اور بہت اصرار کے ساتھ لکھا تھا کہ بعض مستشرقین جرمنی سے اس بارے میں مراسلت کروں پھر کچھ دنوں کے بعد انہوں نے لکھا، وہ خود اس کے بارے میں خط و کتابت کر رہے ہیں لیکن اس کے بعد جنگ عظیم شروع ہو گئی اور میری خط و کتابت کا سلسلہ سنسر کی سخت گیریوں نے بالکل مسدود کر دیا پھر میں نظر بند کر دیا گیا، اور جب چھوٹا تو اس کے چند دنوں بعد ان کے انتقال کی خبر آ گئی۔

میں مغربی اور جنوبی ایشیا۔ اور شمال مغرب میں یورپ۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے قوموں اور قبیلوں کے سیلاب امنڈتے رہے۔ کچھ وسط ایشیا میں آباد ہو گئے۔ کچھ آگے بڑھے اور شمالی یورپ تک پہنچ گئے۔ کچھ وسط ایشیا سے نیچے اتر گئے، اور جنوبی اور مغربی ایشیا پر قابض ہو گئے۔ یہ قبائل جو اس علاقہ سے نکلے تھے، مختلف ملکوں میں بس کر وہاں کی خصوصیات اختیار کر لیتے تھے، اور رفتہ رفتہ ایک مقامی قوم بن جاتے تھے لیکن ان کا وطنی سرچشمہ اپنی اصلی حالت پر باقی رہتا۔ یہاں تک کہ پھر قبائل کا ایک نیا سیلاب اٹھتا اور کسی نئے علاقہ میں پہنچ کر نئی مقامی قومیت کی تخلیق کر دیتا۔

یہ علاقہ صدیوں تک اپنی اصلی وحشیانہ حالت پر باقی رہا لیکن جو قبائل یہاں سے نکل نکل کر مختلف ملکوں میں بسنے گئے۔ انہوں نے مقامی خصوصیات اختیار کر کے تہذیب و تمدن کی طرف بڑھنا شروع کر دیا یہاں تک کہ چند صدیوں کے بعد ان کی حالت اس درجہ مختلف ہو گئی کہ ان میں اور ان کے قدیم ہم وطنوں میں کوئی بات بھی مشترک باقی نہیں رہی۔ وہ اب مہذب ہو رہے تھے۔ یہ بدستور وحشی تھے۔ وہ تہذیب کے صناعی ہتھیاروں سے لڑتے تھے۔ یہ وحشت کی قدرتی، بہیمیت اور درندگی سے ان میں زراعت، صناعت اور ذہنی ترقی کی مختلف شاخیں ابھر رہی تھیں۔ وہ ان سب سے ناآشنا تھے۔ سرد علاقہ کی صحرائی زندگی اور وحشیانہ خصائل کی خشونت نے انہیں وقت کی شائستہ اقوام کے لئے ایک خوفناک ہستی بنا دیا تھا۔

قبل اس کے کہ تاریخی عہد کی صبح طلوع ہو شمال مشرقی قبائل کی یہ مہاجرت شروع ہو چکی تھی، اور اس کا سلسلہ تاریخی عہد میں بھی بدستور جاری رہا۔

آریا

انہی قبائل کا ایک ابتدائی گروہ وہ تھا جو آرین نسل کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اس کا ایک حصہ وسط ایشیا سے یورپ کی طرف بڑھ گیا۔ ایک نیچے اتر کر پنجاب میں آباد ہو گیا۔ ایک مغرب کی طرف بڑھا اور فارس اور میڈیا اور اناتولیا میں بس گیا۔ اسے اب انڈو یورپین آریا کے نام سے شناخت کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ ہندوستان اور یورپ دونوں کی آریائی اقوام کے مورث اعلیٰ تھے۔ ان کا جو حصہ شمالی ہند میں بس گیا تھا، اس نے اپنا نسلی خطاب برابر یاد رکھا اور اپنے کو آریا ورت کہتا رہا۔ جو فارس اور میڈیا میں بسا اس نے اپنی ابتدائی قیام گاہ کو ایریانہ کے نام سے موسوم کیا (جیسے اوستا میں ایریانہ ویجو کہا گیا ہے) اور یہی ایریانہ ایران ہو گیا۔ جو قبائل اناتولیا تک پہنچ گئے تھے، وہ (غالباً) ہِٹّی (Hittites) کے نام سے پکارے گئے جنہیں تورات کی پیدائش میں "حِتّی" کہا گیا ہے، اور مصر کے قدیم نوشتوں میں "ختّی" پایا جاتا ہے۔

یورپ کے قبائل

جو قبائل یورپ میں پہنچے، وہ گوتھ، فرانک، الامان، وَنڈال، ٹیوٹان، اور ہُن کے نام سے مشہور ہوئے، اور انہی کی ایک وسیع شاخ وہ بھی جو بحر اسود سے گزر کر دریائے ڈینیوب کی بالائی وادی تک پھیل گئی اور سیتھین کے نام سے پکاری گئی۔ وسط ایشیا کے مشرقی قبائل بھی جو بکٹریا (بلخ) پر تاخت و تاراج کرتے رہتے تھے، سیتھین ہی تسلیم کئے گئے ہیں۔ اور خود دارا نے اپنے کتبہ استخر میں انہیں اسی نام سے پکارا ہے۔

اقسام ثلاثہ

ان قبائل کی جو تین شاخیں شمالی ہند، اناتولیا (ایشیائے کوچک) اور ایران میں بس گئی تھیں، انہیں ایسا ماحول ملا جو زراعت کے لئے موزوں تھا۔ اس لئے بہت جلد انہوں نے زراعتی زندگی اختیار کر لی، اور پھر تہذیب و حضارت کی طرف بڑھنے لگیں، لیکن جو شاخیں یورپ کی طرف بڑھیں انہیں ایسا ماحول میسر نہیں آیا۔ اس لئے صحرائی زندگی کی تمام خصوصیات ان میں بدستور باقی رہیں اور صدیوں تک متغیر نہ ہوئیں۔ اب گویا ان قبائل کی تین حالتیں ہو گئی تھیں۔

اولاً، منگولیا کے اصلی باشندے جو یک قلم وحشی اور صحرائی تھے، اور ان کی یہ حالت بغیر کسی تغیر کے برابر قائم رہی۔

ثانیاً، بحر اسود کے شمالی ساحل اور شمالی یورپ کے قبائل، جو گو اپنے مولدِ اصلی سے الگ ہو گئے تھے، لیکن ان کی وحشیانہ خصوصیات نہیں بدلی تھیں۔

ثالثاً، ہندوستان، ایران اور اناتولیا کے قبائل جو بتدریج شہریت و حضارت میں ترقی کرنے لگے، اور پھر آگے چل کر تین قدیم تہذیبوں کے بانی ہوئے۔

یاجوج ماجوج کا اطلاق

تقریباً ٦٠٠ قبل مسیح سے لے کر پانچویں صدی مسیحی تک یاجوج ماجوج یا گوگ اور میگاگ کا اطلاق انہی دو قسموں پر ہوتا رہا۔ پہلی پر اس لئے کہ قومیت اور مقام کے لحاظ سے وہی یاجوج و ماجوج تھی۔ دوسری پر اس لئے کہ گو اپنے مولد و مقام سے الگ

سنہ ۶۰۰ قبل مسیح میں یاجوج ماجوج کے مغربی ایشیا پر حملے اور سد ذوالقرنین کی تعمیر:-



چوتھی

پھر جب چوتھی صدی مسیحی سے ان کے اندر ایسے قائد پیدا ہونے لگے جنہوں نے نظم و اطاعت کا راز پا لیا تھا، تو اچانک ان کی طاقت کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ پانچویں صدی میں اٹیلا ([illegible]) نے جو ہن قبیلہ کا قائد تھا، ایک عظیم فاتح کی حیثیت اختیار کر لی اور رومن امپائر کی دونوں مشرقی و مغربی مملکتوں کو لرزہ براندام کر دیا۔ پھر یہی قبائل ہیں جو بالآخر اس طرح تمام یورپ پر چھا گئے کہ نہ صرف رومن امپائر کو بلکہ رومی تمدن کو ہمیشہ کے لئے پامال کر دیا۔

چند صدیوں کے بعد تاریخ یہ منظر پھر دہراتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خود منگولیا میں ایک نیا منگولی قائد چنگیز خاں پیدا ہو گیا ہے، وہ تمام تاتاری قبائل کو اپنے ماتحت ایک قوم بنا دیتا ہے اور پھر فتح و تسخیر کا ایک ایسا ہولناک سیلاب امنڈتا ہے جسے اسلامی ممالک کی کوئی متمدن قوت بھی نہ روک سکی۔ وسط ایشیا سے لے کر عراق تک جو ملک اس کے سامنے آیا خس و خاشاک کی طرح بہہ گیا۔ بہرحال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یاجوج و ماجوج سے مقصود یہی منگولین قوم اور اس کی تمام صحرا نورد اور وحشی شاخیں ہیں۔

منگولی نسل کے انتشار کے مختلف ادوار

اب ہم چاہتے ہیں ان کے خروج و ظہور کے مختلف دور تاریخی ترتیب سے منضبط کریں اسی ضمن میں یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ سائرس کے زمانہ میں یہ قوم کہاں تھی، اور کیوں اسے سد تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئی؟ اس بارے میں تاریخ کی شہادتوں کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) پہلا دور تاریخی عہد سے پہلے کا ہے جب شمال مشرق سے ان قبائل کے ابتدائی گروہ نکلے اور وسط ایشیا میں آباد ہو گئے، پھر جنوب اور مغرب میں پھیلنے لگے۔ اس خروج و انشعاب کی رفتار بہت سست رہی ہوگی اور بے شمار منزلیں پیش آئی ہوں گی۔

(۲) دوسرا دور صبح تاریخ کا ہے۔ لیکن روشنی ابھی دھندلی ہے۔ اب اقامت گزینی اور صحرا نوردی کی دو مختلف اور متوازی معیشتوں کا سراغ لگایا جا سکتا ہے، شمالی ہند، ایران، اور اناطولیہ کے قبائل اقامت گزینی کی زندگی میں بدل چکے ہیں مگر وسط ایشیا سے لے کر بحر اسود تک صحرا نورد قبائل کے جتھے پھیلتے جاتے ہیں، اور مشرق سے نئے نئے قبیلوں کے اقدام کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ یہ زمانہ تقریباً ۳۰۰۰ سنہ قبل مسیح سے ۱۵۰۰ سنہ قبل مسیح تک کا تصور کرنا چاہئے[1]

(۳) تیسرا دور تاریخ کی روشنی میں پوری طرح نمایاں ہے۔ یہ تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ اب بحر خزر اور بحر اسود کا علاقہ ایک وحشی اور خونخوار قوم کا مرکز بن چکا ہے، اور وہ مختلف ناموں میں اور مختلف جہتوں سے نمایاں ہوتی رہتی ہے، پھر اچانک تاریخ کے افق پر "سیتھین" قوم کا نام ابھرتا ہے، یہ وسط ایشیا سے لے کر بحر اسود کے شمالی کناروں تک آباد ہے اور اطراف و جوانب میں برابر حملہ آور ہوتی رہتی ہے۔ یہ زمانہ اشوری تمدن کے ظہور اور بابل اور نینوی کے عروج کا تھا اور ہیروڈوٹس کی زبانی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آشوریین کی شمالی سرحد پر سیتھین قبائل کی غارت گریاں برابر جاری ہیں یہ شمالی سرحد بحر خزر کے جنوبی ساحل اور آرمینیا کے سلسلۂ کوہ تک پہنچی ہوئی تھی، اور وہ کاکیشیا کے درے سے اتر کر آشوری [illegible] پر حملہ آور ہوتے تھے پھر ۶۳۰ سنہ قبل مسیح میں اچانک ان کا ایک عظیم گروہ اسی راہ سے [illegible] کا تمام مغربی حصہ پامال کر دیتا ہے، یونانی مورخ کہتے ہیں کہ آشوری مملکت کی تباہی کا ایک [illegible] باعث یہی غارت گری تھی[2]

(۴) چوتھا دور ۵۵۰ قبل مسیح کا قرار دینا چاہئے جب سائرس کا ظہور ہوا اور فارس اور میڈیا کی متحدہ شہنشاہی کی بنیاد پڑی۔ اس عہد میں مغربی ایشیا کا تمام علاقہ سیتھین حملوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور صدیوں تک ان کے حملوں کی کوئی صدا تاریخ کی سماعت تک نہیں پہنچتی۔ اس عہد میں صرف دو موقعوں پر ان کا ذکر آتا ہے۔ پہلا سائرس کے زمانہ میں جب وہ فتح بابل سے پہلے سیتھین قبائل کے سرحدی حملوں کا تدارک کرتا ہے۔ دوسرا دارا کے زمانہ میں جب وہ باسفورس عبور کر کے دریائے ڈینیوب کی وادیوں میں پہنچ جاتا ہے اور ان قبائل کو دور تک بھگا دیتا ہے۔

دارا کے حملہ کے بعد ان کا دباؤ شمالی یورپ کی طرف بڑھنے لگا۔

---

[1] یقینی اس طرح کے تمام تعینات کی طرح محض تاریخی قیاسات پر مبنی ہے اور اسی لئے اس بارے میں نظار تاریخ کی رائیں مختلف ہوئیں۔ البتہ حال کے انکشافات سے ایک بات تقریباً پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے یعنی ڈھائی ہزار سال قبل مسیح اناطولیا میں "حتی" یا "ختی" تمدن شروع ہو چکا تھا۔ اور قدیم مصری تمدن کا معاصر تھا۔ بوغاز کوئی میں جو حتی کتب خانہ برآمد ہوا ہے اور جس میں بیس ہزار کے قریب مٹی کی تختیاں نکلی ہیں اس نے انیسویں صدی کے تاریخی تخمینے بہت کچھ بدل دئے ہیں، اور اب یہ رجحان کہ اس زمانے کی مدت گھٹائی جائے تقریباً مفقود ہو رہا ہے۔ [2] ہیروڈوٹس۔ ۱۔ ۱۰۴۔

ہو چکی تھی لیکن اپنی وحشیانہ خصوصیات میں بالکل متغیر نہیں ہوئی تھی۔ تیسری قسم چونکہ یکسر منقلب ہو چکی تھی، اس لئے اب وہ یاجوج وماجوج نہیں رہی تھی، بلکہ خود یاجوج ماجوج کی غارت گریوں کا نشانہ بن گئی تھی۔ البتہ جب پانچویں صدی مسیحی میں یورپ کے قبایل کی حالت بھی منقلب ہونا شروع ہوگئی اور مسیحیت اختیار کرکے تہذیب و حضارت کی طرف بڑھنے لگے، تو قوموں کے حافظہ سے ان کا نام بھی اتر گیا، اور یاجوج ماجوج کا اطلاق صرف اسی خطہ میں سمٹ آیا، جہاں سے پھیلنا شروع ہوا تھا یعنی صرف منگولیا کے صحرا نورد قبایل ہی یاجوج و ماجوج سمجھے جانے لگے۔ چنانچہ قرآن نے سورۂ انبیاء میں ان کے جس خروج کی خبر دی ہے، وہ منگولیا کے تاتاریوں کا آخری خروج تھا۔

یورپ کی تمام موجودہ قومیں (بعض چھوٹی قوموں کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد) براہ راست انہی قبایل کی نسل سے ہیں، جیسا کہ معلوم و مسلّم ہے۔

صحرانوردی اور توطن اختلاف معیشت

اس موقعہ پر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ نسل انسانی نے اکثر حالتوں میں پہلے صحرا نوردی اور خانہ بدوشی کی زندگی بسر کی ہے۔ پھر توطن اور اقامت گزینی اختیار کی ہے اور اس اختلاف حالت نے ہمیشہ دو طرح کے انسانی گروہوں سے دنیا کو آباد رکھا ہے صحرانورد قبایل کے گروہ اور اقامت گزین قبایل کے گروہ معیشت کی یہ دونوں جانبیں اس درجہ مختلف تھیں کہ ایک ہی نسل کے دو قبیلوں میں سے ایک قبیلہ اگر صحرا نورد رہتا تھا اور دوسرا اقامت گزیں ہو جاتا، تو چند صدیوں کے بعد نہ صرف ایک دوسرے سے اجنبی ہو جاتے تھے بلکہ بالکل متضاد قسم کی مخلوق بن جاتے تھے۔ صحرانورد قبایل کو غذا کے لئے جانوروں کے دودھ اور شکار کے گوشت پر اعتماد کرنا پڑتا تھا۔ اقامت گزین قبایل کو اناج پر۔ وہ گھوڑوں کی برہنہ پیٹھ پر زندگی بسر کرتے یہ کھیتوں میں اور مکانوں کی چار دیواری میں۔ ان کی زندگی کا ماحول صحرائیت تھی۔ ان کا ماحول شہریت۔ ان کو نشو و نما کے لئے جنگ کی ضرورت تھی۔ ان کو امن کی۔ ان کا جسم روز بروز طاقتور اور محنت پسند ہوتا جاتا تھا۔ ان کا روز بروز کمزور اور راحت پسند۔ وہ روز بروز وحشت و خونخواری میں بڑھتے جاتے تھے۔ یہ روز بروز تہذیب و حضارت میں۔ تہذیب و حضارت کا لازمی نتیجہ تھا کہ جذبات و خصائل میں لطافت اور نرمی پیدا ہو۔ صحرائیت و خانہ بدوشی کا لازمی نتیجہ تھا کہ جذبات تند اور خصایل میں وحشت و خشونت ہو۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ جوں جوں اقامت گزیں قبایل شائستہ ہوتے جاتے، صحرانورد قبایل کی ہستی ان کے لئے ہولناک اور ناقابل مزاحمت ہوتی جاتی۔ جب کبھی دونوں میں مقابلہ ہوتا، تو شہری قبایل دیکھتے کہ صحرانورد قبایل عفریتوں کی طرح خوفناک اور درندوں کی طرح خونخوار ہیں، اور صحرانورد قبایل معلوم کر لیتے کہ ان کی غارت گریوں کے لئے شہری آبادی سے زیادہ کوئی سہل شکار نہیں۔

البتہ صحرانورد قبایل متفرق تھے اور اقامت گزینی کے طریقوں سے ناآشنا، اقامت گزیں قبایل باہم مربوط تھے اور معیشت کے منظم طریقوں سے آشنا، اس لئے قدرتی طور پر صحرانوردوں کے حملے ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ وہ خوفناک درندوں کی طرح آبادیوں پر گرتے، اور قتل و غارت کرکے نکل جاتے، لیکن جم کر ملک نہیں لے سکتے تھے اور نہ علاقے فتح کرکے اپنے قبضے میں رکھ سکتے تھے۔ مگر جب کبھی صدیوں کے بعد ان میں کوئی حکمران قائد پیدا ہو جاتا، اور وہ بہت سے قبیلوں کو متحد کرکے ایک فوج کی نوعیت دیدیتا، تو پھر قتل و غارت گری کی ایک ایسی منظم طاقت پیدا ہو جاتی جو صرف وقتی حملوں ہی پر قانع نہیں رہتی بلکہ ملکوں اور قوموں پر قابض ہو جاتی اور شہری آبادیوں کی بڑی سے بڑی قوتیں بھی اس کی راہ نہیں روک سکتیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ صحرانورد اور غیر متمدن اقوام کے مقابلہ میں شہری اور متمدن اقوام کا ہمیشہ ایسا ہی حال رہا۔ یہاں تک کہ علم و صناعت نے ایسے ہتھیار اور جنگی وسائل پیدا کر دئیے جن کے مقابلے سے غیر متمدن اقوام عاجز آگئیں۔

خروج یاجوج ماجوج صحرا نوردوں کی خوفناک ترین تھی

چنانچہ ان شمال مشرقی قبایل کی پوری تاریخ اسی حقیقت کا افسانہ ہے، ان کی جن شاخوں نے اقامت گزینی کی زندگی اختیار کر لی تھی وہ بالکل ایک دوسری قوم بن گئی، اور جنہیں ایسے حالات میسر نہیں آئے، وہ بدستور صحرانورد ہیں۔ اقامت گزیں قبایل کے لئے صحرانورد قبایل صرف اجنبی ہی نہیں ہو گئے تھے بلکہ خوفناک بھی ہو گئے تھے، کیونکہ ان کی روزافزوں شہریت ان کی صحرائی وحشت ناکیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ یہ جب کبھی موقعہ پاتے قرب و جوار کی آبادیاں غارت کرتے، اور اگر قبایل کا کوئی قاید نکل آتا تو ان کی غارت گریاں دور دور تک بھی پہنچ جاتیں۔ صدیوں تک ان کی حالت ایسی ہی رہی ہے

قبل مسیح میں ہوا ہے اور چوتھی صدی مسیحی میں یورپ کے منگولین قبائل نے رومی مملکت پر حملے شروع کرئے ہیں۔ پس یاجوج ماجوج کا یہ خروج سقوط بابل کے ہزار برس بعد ضرور ہوا ہے۔

کتاب پیدائش کی تصریح

"ماجوج" کا ذکر تورات کی کتاب پیدائش میں بھی آیا ہے جہاں حضرت نوح کے تین لڑکوں سام، حام، اور یافث سے اقوام عالم کا پیدا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ یافث کی نسبت لکھا ہے کہ اس سے "جمر، ماجوج، مادی، یونان، توبال، مسک اور تیراس پیدا ہوئے" (۱۰:۲) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماجوج سے مقصود منگولین نسل ہے کیونکہ قدیم مورخوں نے اسی تصریح کی بنا پر انہیں یافثی نسل قرار دیا ہے۔ علاوہ بریں اگر یہ صحیح ہے کہ کتاب پیدائش کا مواد قید بابل کے زمانے میں تیار ہوا ہے تو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس زمانہ میں ماجوج اور مادیوں کو ہم نسل سمجھا جاتا تھا۔

یہ یاد رہے کہ اگرچہ دنیا عرصہ تک کتاب پیدائش کے اس بیان پر مطمئن رہی اور عام طور پر تسلیم کر لیا گیا کہ تمام قومیں حضرت نوح علیہ السلام کے تین لڑکوں ہی سے پیدا ہوئی ہیں، لیکن اب اس کی علمی قدر و قیمت یک قلم مشتبہ ہو گئی ہے اور اسے کوئی بھی اس نظر سے نہیں دیکھتا جس نظر سے ایک تاریخی بیان کو دیکھنا چاہئے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ایک ایسا نوشتہ ہے جس میں سنہ ۵ قبل مسیح کے یہودی تصورات نظر آجاتے ہیں۔ بلاشبہ ان میں ایک عنصر ان مقدس روایتوں کا بھی ہے جو قومی حافظہ نے محفوظ رکھی تھیں، لیکن ساتھ ہی بابلی اور آشوری روایتوں کا بھی ایک عنصر شامل ہو گیا ہے جو قیام بابل کی طویل مدت کا قدرتی نتیجہ تھا۔

سد یاجوج

(۱۰) اب ہمیں یہ معلوم کرنا چاہئے کہ سائرس نے جو سد تعمیر کی تھی اس کا صحیح محل کیا تھا، اور موجودہ زمانہ کے نقشہ میں اسے کہاں ڈھونڈھنا چاہئے؟

دیوار دربند

بحر خزر کے مغربی ساحل پر ایک قدیم شہر دربند آباد ہے۔ یہ ٹھیک اس مقام پر واقع ہے جہاں کاکیشیا کا سلسلہ کوہ ختم ہوتا اور بحر خزر سے مل جاتا ہے۔ اس مقام پر قدیم زمانے سے ایک عریض و طویل دیوار موجود ہے جو سمندر سے شروع ہو کر تقریباً تیس میل تک مغرب میں چلی گئی ہے اور اس مقام تک پہنچ گئی ہے جہاں کاکیشیا کا مشرقی حصہ بہت زیادہ بلند ہو گیا ہے۔ اس طرح اس دیوار نے ایک طرف بحر خزر کا ساحلی مقام بند کر دیا تھا، دوسری طرف پہاڑ کا تمام وہ حصہ بھی روک دیا تھا جو ڈھلوان ہونے کی وجہ سے قابل عبور ہو سکتا تھا۔ ساحل کی طرف یہ دیوار دہری ہے یعنی اگر آذربائیجان سے ساحل ہوتے ہوئے آگے بڑھیں تو پہلے ایک دیوار ملتی ہے جو سمندر سے برابر مغرب کی طرف چلی گئی ہے۔ اس میں پہلے ایک دروازہ تھا۔ دروازہ سے جب گذرتے تھے تو شہر دربند ملتا تھا۔ اب یہ صورت باقی نہیں رہی۔ دربند سے آگے پھر اسی طرح کی ایک دیوار ملتی ہے لیکن یہ دہری دیوار صرف دو میل تک گئی ہے۔ اس کے بعد اکہری دیوار کا سلسلہ ہے، دونوں دیواریں جہاں جاکر ملی ہیں وہاں ایک قلعہ ہے۔ قلعہ تک پہنچ کر دونوں کا درمیانی فاصلہ سو گز سے زیادہ نہیں رہتا لیکن ساحل کے پاس پانچ سو گز ہے، اور اسی پانچ سو گز کے عرض میں دربند آباد ہے، اس دہری دیوار کو ایرانی قدیم سے "دوبارہ" کہتے آئے ہیں۔ یعنی دہرا سلسلہ۔

یہ قطعی ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے ساسانی عہد میں یہ مقام موجود تھا، اور اسے "دربند" کہا جاتا تھا یعنی "بند دروازہ" کیونکہ مقدسی، ہمدانی، مسعودی، اصطخری، یاقوت اور قزوینی وغیرہ تمام مسلمان مورخوں اور جغرافیہ نویسوں نے اسی نام سے اس کا ذکر کیا ہے، اور سب لکھتے ہیں کہ ساسانی عہد میں یہ مقام شمالی سرحد کا سب سے زیادہ اہم مقام تھا۔ کیونکہ اسی راہ سے شمال کے حملہ آور ایران کی طرف بڑھ سکتے تھے۔ یہ ایرانی مملکت کی کنجی تھی جس کے ہاتھ یہ کنجی آجاتی، وہ پوری مملکت کا مالک ہو جاتا۔ اسی لئے ضروری ہوا کہ اس کی حفاظت کا اس درجہ اہتمام کیا جائے[1]

باب الابواب

مسلمانوں نے پہلی صدی ہجری میں جب یہ علاقہ فتح کیا تو ساسانیوں کی طرح انہوں نے بھی اس مقام کی اہمیت محسوس کی۔ اسے "باب الابواب" اور "الباب" کے نام سے پکارنے لگے۔ کیونکہ مملکت کے لئے یہی مقام شمال کا دروازہ تھا، اور ان بہت سے دروازوں میں سے آخری دروازہ جو اس دیوار کے طول میں بنائے گئے تھے بعضوں نے اسے "باب الترک" اور "باب الخزر" کے نام سے بھی پکارا ہے کیونکہ تاتاریوں اور تاتاری النسل کاکیشین قبیلوں کی آمد و رفت کی راہ یہی تھی۔

[1] عرب جغرافیہ نویس دربند ہی کے نام سے اس کا ذکر کرتے ہیں لیکن چونکہ عام نام باب الابواب پڑ گیا تھا، اس لئے عنوان کے لئے اکثروں نے باب الابواب اختیار کیا ہے چنانچہ یاقوت نے معجم البلدان میں اس مقام کا حال "باب الابواب" ہی کے نام سے لکھا ہے۔ پس حرف "با" میں دیکھنا چاہئے نہ کہ دال میں۔

(۵) پانچواں دور تیسری صدی مسیح کا ہے۔ اس عہد میں منگولین قبائل کا ایک نیا سیلاب اٹھتا ہے اور پہلے چین کی آبادیوں پر ٹوٹتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ وسط ایشیا کی قدیم شاہراہ اختیار کرتا ہے۔ چین کی تاریخ میں انہیں ہیونگ نُو (Hiung-nu) کے نام سے پکارا گیا ہے، اور یہی نام آگے چل کر ہن ہو گیا ہے۔

یہی زمانہ ہے جب شہنشاہ چین شین ہوانگ ٹی نے ان حملوں کے روکنے کے لئے وہ عظیم الشان دیوار تعمیر کی جو دیوار چین کے نام سے مشہور ہے اور پندرہ سو میل تک چلی گئی ہے۔ اس کی تعمیر ۲۱۴ سنہ قبل مسیح میں شروع ہوئی، اور بیان کیا جاتا ہے کہ دس برس میں ختم ہوئی۔ اس نے شمال اور مغرب کی طرف سے منگولین قبائل کے حملوں کی تمام راہیں مسدود کر دی تھیں اس لئے ان کا رخ پھر وسط ایشیا کی طرف مڑ گیا۔

(۶) چھٹا دور تیسری صدی مسیحی کا ہے جب ان قبائل نے یورپ میں ایک نئی کروٹ لی اور بالآخر رومی مملکت اور رومیوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔

(۷) ساتواں اور آخری دور بارھویں صدی مسیحی میں اور چھٹی صدی ہجری کا ہے جب منگولیا میں تازہ دم قبائل کی ایک بڑی تعداد پھر تیار ہو گئی، اور چنگیز خاں نے انہیں متحد کر کے ایک نئی فتح مند طاقت پیدا کر دی۔

ذوالقرنین کے عہد میں یاجوج ماجوج

مندرجہ صدر خلاصہ سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ چھٹی صدی قبل مسیح میں مغربی ایشیا کا تمام علاقہ سیتھین قبائل کے حملوں سے غارت ہو رہا تھا، اور جس ہاتھ نے اچانک ظاہر ہو کر ان کے حملے روک دئے اور پھر ہمیشہ کے لئے مغربی ایشیا یک قلم محفوظ ہو گیا، وہ سائرس کا ہاتھ تھا۔ پس یقیناً منگولین نسل کے یہی سیتھین قبائل تھے جو یاجوج ماجوج کے نام سے پکارے جاتے تھے، اور ذوالقرنین یعنی سائرس نے انہی کی راہ روکنے کے لئے سد تعمیر کی۔ جس طرح تین صدیوں کے بعد چینی مجبور ہوئے کہ انہیں روکنے کے لئے ایک دیوار تعمیر کریں۔

سیتھین قبائل اور درۂ کاکیشیا

اب غور کرو سیتھین قبائل کے یہ حملے کس جانب سے ہوتے تھے؟ ہیروڈوٹس وغیرہ یونانی مورخ بتلاتے ہیں کہ صرف ایک راہ سے یعنی کاکیشیا کے درہ سے۔ یہی مقام صدیوں تک دونوں علاقوں میں درمیان کا پھاٹک رہا ہے۔ اب اگر سائرس ان حملوں سے محفوظ ہونا چاہتا تھا تو کیا اس کے لئے ضروری نہ تھا کہ یہ پھاٹک بند کر دے؟ قدرتی طور پر ضروری تھا، اور اس لئے اس نے سد تعمیر کر کے یہ راہ مسدود کر دی۔ چونکہ ان حملوں کی صرف یہی ایک راہ تھی اور وہ اس طرح بند کر دی گئی اس لئے یاجوجی حملوں کا بھی یک قلم خاتمہ ہو گیا۔

کیشس

حزقیل نبی کی پیشین گوئی کا مصداق

پھر حزقیل نبی کی پیشین گوئی پر ایک نظر ڈال لو۔ اس میں جوج کو روش، مسک اور توبال کا سردار کہا ہے اور یہ ٹھیک ٹھیک انہی قبائل کے نام ہیں۔ "روش" وہی ہے جس سے "رشیا" نکلا۔ "مسک" وہی ہے جو "موسکوو" ہوا اور "توبال" بحر اسود کا بالائی علاقہ تھا۔ پھر کہا ہے کہ "میں تجھے پھرا دوں گا" "اور تیرے جبڑوں میں ہنساں مار دوں گا" یہ وہی واقعہ ہے کہ سائرس نے سیتھین قبائل کے منہ پھیر دئے اور سد تعمیر کر کے ان پر ان کی راہ روک دی۔ پھر کہا ہے "ایسا معاملہ واقع ہو گا کہ ان کے تمام ہتھیار جلائے جائیں گے" اور "راہگذروں کی ایک وادی میں جو سمندر کے پورب میں ہے ان قوموں کا گورستان بنے گا، نیز عرصہ تک لوگ لاشیں گاڑتے رہیں گے تاکہ راہ صاف کریں" یہ واقعہ ہے جو دارا کے حملۂ یورپ میں پیش آیا۔ دارا کی فوج مملکت کی تمام اقوام سے مرکب تھی۔ اس میں یہودیوں کی بھی ایک بڑی تعداد تھی۔ وہ باسفورس عبور کر کے مشرقی یورپ میں پہنچ گیا تھا، اور اگرچہ یونانیوں کی بے وفائی کی وجہ سے اسے واپس ہونا پڑا، لیکن اس لشکر کشی میں بے شمار سیتھین مارے گئے، اور ان کی قوت عرصہ تک کے لئے مضمحل ہو گئی۔

مکاشفات یوحنا کا فقرہ

باقی رہی وہ پیشین گوئی جو مکاشفات یوحنا میں ملتی ہے، تو مکاشفات کے اکثر مقامات کی طرح اس مقام کی بھی کوئی جچی ہوئی تفسیر شارحین انجیل نہ کر سکے۔ اس میں ایک ہزار برس کی مدت بتلائی گئی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس مدت سے مقصود کونسی مدت ہے اور کب سے شروع ہوتی ہے؟ اگر حضرت مسیح سے شروع ہوتی، تو ظاہر ہے کہ دسویں صدی مسیحی میں کوئی ایسا واقعہ ظہور میں نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے کہ ہزار برس سے مقصود وہ مدت ہو، جو سقوط بابل سے شروع ہوتی ہے کیونکہ اس معاملہ سے پہلے بابل کی تباہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے، تو پھر ایک بات بن سکتی ہے بابل کا سقوط چھٹی صدی

ایسی ضرورت پیش نہیں آئی۔ سارس کی نسبت ہیروڈوس اور زینوفن کی شہادت موجود ہے کہ فتح لیڈیا کے بعد سنتھین قوم کے سرحدی حملوں کی روک تھام کی۔ سکندر کی نسبت کوئی ایسی شہادت موجود نہیں۔ ان دو باتوں کے جمع کرنے سے جو نتیجہ قرینہ پیدا ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ سد سارس نے تعمیر کی ہوگی نہ کہ سکندر کے حکم سے کسی افسر نے۔

ثانیاً، پروکوپیس کے علاوہ دوسرے قدیم مورخوں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً ٹسی ٹس (Tacitus) اور لیڈیس (Lydus) نے وہ ہمیں بتلاتے ہیں کہ رومی اسے "کاسپین پورٹا" کے نام سے پکارتے تھے یعنی "باب کاسپین"۔ لیکن اس طرف کوئی اشارہ نہیں کرتے کہ یہ سکندر کے عہد کی تعمیر ہے۔

ثالثاً ایک مثبت شہادت بھی موجود ہے جو سارس کی طرف ذہن منتقل کر دیتی ہے۔ یہ ارمنی نوشتوں کی شہادت ہے۔ جسے قرب محل کی وجہ سے مقامی شہادت تصور کرنا چاہئے۔ ارمنی زبان میں اس کا قدیم نام "پھاک کورائی" اور "کاپان کورائی" چلا آتا ہے۔ دونوں ناموں کا مطلب ہے کہ "کور کا درہ"[1] سوال یہ ہے کہ "کور" سے مقصود کیا ہے؟ کیا یہ "گورش" کی بدلی ہوئی شکل نہیں ہے جو سارس کا اصلی نام تھا، جیسا کہ دارا کے کتبہ استخر میں پڑھا جا چکا ہے؟

پروفیسر جیکسن اس ارمنی نام کا ذکر کرتے ہیں، لیکن وہ "کور" کا تلفظ "سور" کرتے ہیں اور پھر ع.ر.ی کے ایک نام "سول" کا اسے ماخذ قرار دیتے ہیں۔ اس طرح لفظ کی حقیقت گم ہو جاتی ہے۔

اب ایک سوال اور غور طلب ہے۔ ذوالقرنین نے جو سد تعمیر کی تھی، وہ درۂ داریال کی سد ہے یا دربند کی دیوار؟ یا دونوں؟ قرآن میں ہے کہ ذوالقرنین دو پہاڑی دیواروں کے درمیان پہنچا، اس نے آہنی تختیوں سے کام لیا۔ اس نے درمیان کا حصہ پہاڑ کے برابر کر دیا۔ اس نے پگھلا ہوا تانبہ استعمال کیا۔ تعمیر کی یہ تمام خصوصیات کسی طرح بھی دربند کی دیوار پر صادق نہیں آتیں۔ یہ پتھر کی بڑی بڑی سلوں کی دیوار ہے، اور دو پہاڑی دیواروں کے درمیان نہیں ہے بلکہ سمندر سے پہاڑ کے بلند حصے تک چلی گئی ہے، اس میں آہنی تختیوں اور پگھلے ہوئے تانبے کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ پس یقینی ہے کہ ذوالقرنین والی سد کا اطلاق اس پر نہیں ہو سکتا۔

البتہ درۂ داریال کا مقام ٹھیک ٹھیک قرآن کی تصریحات کے مطابق ہے۔ یہ دو پہاڑی چوٹیوں کے درمیان ہے، اور جو سد تعمیر کی گئی ہے اس نے درمیان کی راہ بالکل مسدود کر دی ہے۔ چونکہ اس کی تعمیر میں آہنی سلوں سے کام لیا گیا تھا، اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جارجیا میں "آہنی دروازہ" کا نام قدیم سے مشہور چلا آتا ہے۔ اسی کا ترجمہ ترکی میں "دامرکپو" مشہور ہو گیا[2]۔ بہرحال ذوالقرنین کی اصلی سد یہی سد ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد خود اس کے جانشینوں نے یہ دیکھ کر کہ کاکیشیا کا مشرقی ڈھلوان بھی خطرہ سے خالی نہیں، دربند کی دیوار تعمیر کر دی ہو، اور نوشیرواں نے اسے اور مضبوط کیا ہو، یا ممکن ہے کہ فی الحقیقت نوشیرواں ہی کی تعمیر ہو۔ غالباً سب سے پہلا انگریز سیاح جس نے دربند کی دیوار کا ذکر کیا ہے، اسنقانی (Anthony Jenkinson) ہے۔

دربند کی دوہری دیوار ۱۷۹۶ء تک موجود تھی جس کی تصویر ایک روسی سیاح کی بنائی ہوئی ایچ والڈ (Eichwald) نے اپنی کتاب "کوالکیس" میں نقل کی ہے۔ لیکن ۱۹۰۳ء میں جب پروفیسر جیکسن نے اس کا معائنہ کیا تو گو آثار باقی تھے لیکن دیوار گر چکی تھی۔ البتہ اکہری دیوار اکثر حصوں میں اب تک باقی ہے۔

(۱) موجودہ زمانہ کے شارحین تورات میں بھی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے کہ یاجوج و ماجوج سے سیتھین قوم مراد تھی لیکن وہ حزقیل کی پیشین گوئی کا محل انکا وہ حملہ قرار دیتے ہیں جو ہیروڈوٹس کے قول کے مطابق ۶۳۰ سنہ قبل مسیح میں ہوا تھا لیکن اس صورت میں یہ مشکل پیدا ہو جاتی ہے کہ حزقیل کی کتاب بابل کی اسیری کے زمانہ میں لکھی گئی ہے۔ کیونکہ وہ خود بھی بخت نصر کے اسیروں میں سے تھی اور سیتھین حملہ اس سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ اس باب میں مزید تفصیلات کے لئے

[1] دربند نامہ صفحہ ۲۱۔ دربند کی تاریخ میں یہ ایک نہایت جامع کتاب ہے جو ۱۸۴۶ء میں ایک ترکی مصنف کاظم بک نے لکھی ہے۔ یہ سینٹ پیٹرز برگ یونیورسٹی میں ترکی و فارسی کا پروفیسر تھا اور خود دربند کا باشندہ تھا۔ ۱۸۵۱ء میں اس کا انگریزی ترجمہ ہسٹری آف دربند کے نام سے شائع ہوا۔ [2] ترجمہ دربند نامہ کاظم بک صفحہ ۲۱۔ پروفیسر جیکسن نے بھی اس نام کا ذکر کیا ہے اور اسے قدیم ایام کے نام سے تعبیر کیا ہے (فروم کونسٹنٹی نوپل ٹو ہوم آف عمر خیام صفحہ ۹۱)

حاشیہ (قلمی): متذکرہ قرآن سد درہ داریال کی ہے نہ کہ دربند کی — جنکنسن ہے۔ دیوار دربند کی موجودہ حالت اسے کوئن الزبتھ نے ۱۵۶۱ میں شاہ طہماسپ صفوی کے دربار میں بھیجا تھا۔ یہ روسی علاقہ سے براہ بحیرہ خزر دربند پہنچا اور وہاں چند دن ٹھیر کر شروان کی طرف روانہ ہوا۔ یہ لکھتا ہے کہ اکہری دیوار گر چکی ہے۔ مگر اس کی بنیاد صاف نمایاں ہے۔ (دیکھئے ایوری مینس لائبریری اڈیشن میں Hakluyt's Voyages Vol. II, 13)

درۂ داریال کی دیوار

تفلس

اس مقام سے جب مغرب کی طرف کاکیشیا کے اندرونی حصوں میں اور آگے بڑھتے ہیں، تو ایک اور مقام ملتا ہے جو درۂ داریال (Darial Pass) کے نام سے مشہور ہے اور موجودہ زمانہ کے نقشہ میں اس کا محل ولاڈی کیوکز (Vladi Kau Kaz)[1] اور تفلس کے درمیان دکھایا جاتا ہے۔ یہ کاکیشیا کے نہایت بلند حصوں میں سے ہو کر گزرا ہے اور دو تنگ دو بلند چوٹیوں سے گھرا ہوا ہے یہاں بھی قدیم زمانے سے ایک دیوار موجود ہے اور ارمنی روایتوں میں اسے "آہنی دروازہ" کے نام سے پکارا گیا ہے۔

نوشیرواں کا انتساب

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ دیوار کس نے تعمیر کی تھی؟ تمام عرب مورخوں کا بیان ہے کہ نوشیرواں نے تعمیر کی تھی۔ چنانچہ مسعودی نے اس کی تعمیر کی بعض تفصیلات بھی بیان کی ہیں[1]۔ اور بعد کے تمام مصنف اسے نقل کرتے آئے ہیں۔ لیکن جب ہم قبل از اسلام عہد کے تاریخی نوشتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نوشیرواں کے عہد سے بہت پہلے یہاں ایک دیوار موجود تھی اور اس نے شمال سے جنوب کا راستہ روک رکھا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے پہلی صدی مسیحی میں مشہور عبرانی مورخ جوزیفس اس کا ذکر کرتا ہے پھر پروکوپیس (Procopius) چھٹی صدی مسیحی کے اوائل میں خود اپنا عینی مشاہدہ نقل کرتا ہے۔ کیونکہ ۵۲۸ء مسیحی میں جب رومن جنرل بلی ساریوس (Belisarius) نے اس علاقہ پر حملہ کیا ہے تو یہ اس کے ہمراہ تھا۔ نوشیرواں کا زمانہ ۵۳۱ء سے ۵۷۹ء تک تھا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ یہ استحکامات اس کے بنائے ہوئے نہیں ہو سکتے۔

سکندر کا انتساب

اب یہاں ایک اور الجھاؤ پڑتا ہے جوزیفس اور پروکوپیس دونوں یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ان استحکامات کا بانی سکندر تھا۔ حالانکہ سکندر کی فتوحات کا کوئی واقعہ تاریخ کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے اور کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس علاقہ میں آیا ہو، یا یہاں کوئی جنگ کی ہو۔

زمانہ حال کے ایک امریکن مورخ مسٹر اے ڈی ولیمس جیکسن (پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی) نے اس علاقہ کی سیاحت کی ہے اور اس کے تفصیلی حالات اپنے سفرنامہ میں بیان کئے ہیں۔ وہ اس مشکل کا یہ حل تجویز کرتے ہیں کہ سکندر کے کسی جنرل نے یہ استحکامات تعمیر کئے ہونگے۔ کم از کم درہ داریال کے استحکامات۔ بعد کو ساسانی فرمانرواؤں نے انہیں اور زیادہ وسیع اور مکمل کر دیا۔ چونکہ ابتدائی تعمیر سکندر کے عہد کی تھی، اس لئے سکندر کی طرف منسوب ہو گئی[3]۔

لیکن جب سکندر کے تمام فوجی اعمال خود اس کے عہد میں اور خود اس کے ساتھیوں نے قلمبند کر دئے ہیں، اور ان میں کہیں بھی کاکیشیا کی لڑائی یا کاکیشیا کے استحکامات کی تعمیر کا اشارہ نہیں ملتا۔ تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس طرح کی توجیہات قابل اطمینان تسلیم کر لی جائیں۔ اس طرح کے غیر معمولی استحکامات جبھی تعمیر کئے جا سکتے ہیں جبکہ امن و حفاظت کی ضرورت نے انہیں ناگزیر کر دیا ہو۔ لیکن سکندر کو اپنی تمام فتوحات میں اس طرح کی کوئی ضرورت پیش ہی نہیں آئی۔ اس کے زمانے میں یہ علاقہ ایران کی قدیم شہنشاہی کے ماتحت تھا۔ اس نے شام کی راہ سے ایران پر حملہ کیا، اور پھر وسط ایشیا ہوتا ہوا ہندوستان چلا گیا۔ ہندوستان سے واپسی ابھی بابل ہی میں تھا کہ انتقال کر گیا۔ ایسی حالت میں وہ کونسے حالات ہو سکتے ہیں جو کاکیشیا کے استحکامات پر اسے مجبور کر سکتے تھے؟ اور اگر پیش آئے تو کب؟

سکندر بھی انتساب

اصل یہ ہے کہ یہ استحکامات سکندر سے دو سو برس پہلے سائرس نے تعمیر کئے تھے اور درۂ داریال کی سدّ وہی سد ہے جس کا قرآن نے ذکر کیا ہے۔

حسب ذیل وجوہ قرآن سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے:-

اولاً، سائرس اور سکندر کی دونوں باتیں تاریخ کی قطعی روشنی میں آچکی ہیں۔ سائرس کے زمانے میں یہاں سے سیتھین قوم کے حملے ہو رہے تھے۔ سکندر کے زمانے میں کوئی حملہ آور نہیں تھا۔ سائرس کے لئے ضروری تھا کہ راہ روکے سکندر کو کوئی

---

[1] مروج الذہب صفحہ ۲۰۔

[2] بہت ممکن ہے کہ سکندر کی نسبت یہ خیال اس بنا پر پیدا ہو گیا ہو کہ بعد کے بعض مورخوں نے غلطی سے اس سلسلہ کوہ کو کاکیسس لکھ دیا ہے جو بحر خزر کے مشرق جانب واقع ہے اور جسے سکندر نے وسط ایشیا سے ہندوستان جاتے ہوئے طے کیا تھا اسٹرابو نے اس غلطی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

[3] دیکھو پروفیسر موصوف کی کتاب "فرام کونسٹنٹی نوپل ٹو دی ہوم آف عمر خیام" صفحہ ۹۲ ہم ان کی ایک دوسری تصنیف کا زرتشت کے حالات میں حوالہ دے چکے ہیں۔ [4] یونانی کاکیشیا اور کیوکز اور فارسی قفقاز ایک ہی لفظ ہے۔

سورۃ مریم ۱۹

مکی- ۹۸ آیات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

۱-۲-۳ کٓھٰیٰعٓصٓ ○ ذِکۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّکَ عَبۡدَہٗ زَکَرِیَّا ○ اِذۡ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا ○ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ وَہَنَ
۴ الۡعَظۡمُ مِنِّیۡ وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَیۡبًا وَّلَمۡ اَکُنۡۢ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا ○ وَاِنِّیۡ خِفۡتُ الۡمَوَالِیَ مِنۡ
۵ وَّرَآءِیۡ وَکَانَتِ امۡرَاَتِیۡ عَاقِرًا فَہَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ وَلِیًّا ○ یَّرِثُنِیۡ وَیَرِثُ مِنۡ اٰلِ یَعۡقُوۡبَ ٭ وَ
۶-۷ اجۡعَلۡہُ رَبِّ رَضِیًّا ○ یٰزَکَرِیَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِۣ اسۡمُہٗ یَحۡیٰی ۙ لَمۡ نَجۡعَلۡ لَّہٗ مِنۡ قَبۡلُ سَمِیًّا ○
قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ غُلٰمٌ وَّکَانَتِ امۡرَاَتِیۡ عَاقِرًا وَّقَدۡ بَلَغۡتُ مِنَ الۡکِبَرِ عِتِیًّا ○
۸

۱ کاف۔ ہا۔ یا۔ عین۔ صاد۔
(اے پیغمبر!) تیرے پروردگار نے اپنے بندے
۲ زکریاہ پر جو مہربانی کی تھی، یہ اس کا بیان ہے۔
جب ایسا ہوا تھا کہ زکریا نے چپکے چپکے اپنے
۳ پروردگار کو پکارا۔ اس نے عرض کیا "پروردگار! میرا
جسم کمزور پڑ گیا ہے میرے سر کے بال بڑھاپے سے بالکل
۴ سفید ہوگئے۔ خدایا! کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تیری جناب میں دعا کی ہو اور محروم رہا ہوں مجھے اپنے مرنے
کے بعد اپنے بھائی بندوں سے اندیشہ ہے (کہ نہیں معلوم وہ کیا کرینگے) اور میری بیوی بانجھ ہے (اس لئے بظاہر
۵ حالات اولاد کی امید نہیں) پس تو اپنے خاص فضل سے مجھے ایک وارث بخش دے ایسا وارث جو میرا بھی وارث ہو اور
۶ خاندان یعقوب (کی برکتوں) کا بھی اور پروردگار! اسے ایسا کر دیجیو کہ (تیرے اور تیرے بندوں کی نظر میں) پسندیدہ ہو!"
(اس پر حکم ہوا) "اے زکریا! ہم تجھے ایک لڑکے کی
(پیدائش کی) خوشخبری دیتے ہیں اس کا نام یحییٰ رکھا جائے
۷ اس سے پہلے ہم نے کسی کے لئے یہ نام نہیں ٹھیرایا ہے"
زکریا نے (متعجب ہو کر) کہا "پروردگار! میرے ہاں
لڑکا کیسے ہو سکتا ہے؟ میری بیوی بانجھ ہو چکی اور میرا
۸ بوڑھاپا دور تک پہنچ چکا"

نزول کے اعتبار سے یہ پہلی سورت ہے جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور کے حالات بتفصیل بیان کئے گئے ہیں اور ان گمراہیوں کا ازالہ کیا ہے جو یہودیوں اور عیسائیوں میں اس مقدس شخصیت کے بارے میں پھیلی ہوئی تھیں۔

تمام انجیلیں متفق ہیں کہ حضرت یحییٰ (یوحنا) کا ظہور دعوت مسیحی کے ظہور کا مقدمہ تھا۔ چنانچہ لوقا کی انجیل میں پہلے حضرت یوحنا کی پیدائش کا واقعہ بیان کیا ہے۔ پھر اس کے بعد حضرت مسیح کا۔ قرآن نے بھی یہاں اسی طریقہ پر بیان شروع کیا ہے۔

(۲) لوقا کی انجیل میں ہے "کہ ابیاہ کی جماعت میں سے زکریاہ نام ایک کاہن تھا۔ اس کی بیوی الیشبع ہارون کی اولاد میں سے تھی دونوں راستباز اور خداوند کے حکموں پر بے عیب چلنے والے تھے۔ ان کے اولاد نہ تھی۔ کیونکہ الیشبع بانجھ تھی، اور دونوں عمر رسیدہ تھے (۱: ۵) ہیکل کی مقدس رسوم ادا کرنے والے کاہن مقرر تھے اور ہر جماعت کے آدمی کی نوبت مقرر تھی ایک مرتبہ جب حضرت زکریاہ کی نوبت آئی اور وہ قربان گاہ میں خوشبو جلانے کے لئے داخل ہوئے تو خداوند کا فرشتہ انہیں نظر آیا، اس نے کہا "تیری دعا قبول ہوئی

انسائیکلو پیڈیا برٹیانیکا اور جیوئش انسائیکلو پیڈیا میں لفظ Horn کا مقالہ دیکھنا چاہیئے -

(۱۲) ہم نے ذوالقرنین کے بحث میں پوری تفصیل سے کام لیا ہے۔ کیونکہ زمانہ حال کے معترضین قرآن نے اس مقام کو سب سے زیادہ اپنے معاندانہ استہزار کا نشانہ بنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں، ذوالقرنین کی کوئی تاریخی اصلیت نہیں ہے یہ محض عرب یہودیوں کی ایک کہانی تھی جو پیغمبر اسلام نے اپنی خوش اعتقادی سے صحیح سمجھ لی اور نقل کر دی۔ اس لئے ضروری تھا کہ ایک مرتبہ یہ مسئلہ اس طرح صاف کر دیا جائے کہ شک و تردد کا کوئی پہلو باقی نہ رہے -

---

استدراک

(۱) ہم نے سائرس کے جس مجسمہ کا اوپر ذکر کیا ہے، اور جس سے قطعی طور پر یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ "ذوالقرنین" اسی کا لقب تھا، وہ قدیم سنگ تراشی کی صناعیوں کا ایک نہایت نادر نمونہ ہے اور موجودہ عہد کے تمام اہل نظر کا فیصلہ ہے کہ یونانی سنگ تراشی کے نمونوں کی صف میں اگر کوئی ایشیائی نمونہ رکھا جا سکتا ہے تو وہ یہی سائرس کا مرمری مجسمہ ہے۔ یہ ایران کے قدیم دارالملکوت استخر سے تقریبًا پچاس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں دارا نے شاہی محل تعمیر کیا تھا۔ اب اس کا بقیہ صرف چند مرمری ستون رہ گئے ہیں، انہی میں سے ایک مربع ستون پر یہ مجسمہ ابھارا گیا تھا۔

سب سے پہلے ۱۸۳۰ء میں جیمس موریر James Morier نے اس کی موجودگی سے علمی دنیا کو روشناس کیا۔ پھر چند سال بعد سر رابرٹ کیر پورٹر Robert Ker Porter نے اس مقام کی علمی پیمائش و تحقیق کر کے مفصل معلومات بہم پہنچائی، اور اپنے سفرنامہ جارجیا و ایران میں مجسمہ کی وہ نقل بھی شائع کر دی جو اس نے پنسل سے تیار کی تھی۔ اس وقت تک قدیم پہلوی زبان اور میخی خطوط کا مسئلہ پوری طرح حل نہیں ہوا تھا تاہم یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ مجسمہ سائرس ہی کا ہے۔ بعد کی تحقیقات نے مزید تصدیق کر دی۔ پھر ۱۸۸۴ء میں ڈی لافوئے Dieulafoy نے اپنی مشہور کتاب L'Art Antique en Perse میں اس کا اصلی عکس شائع کر دیا، اور اس طرح مجسمہ کی اصلی نوعیت دنیا کے سامنے آگئی -

اس وقت سے لے کر یہ مجسمہ تاریخ قدیم کے مباحث کا ایک عام موضوع رہا ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ آج تک کسی یورپین مستشرق کا ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوا کہ اس کی نوعیت میں قرآن کے "ذوالقرنین" کی صریح اور قطعی تصدیق نمایاں ہوگئی ہے۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ تغافل مذہبی تعصب کا نتیجہ ہے کیونکہ ان میں کافی تعداد ایسے اہل علم کی ہے جو یقینًا ان تعصبات کی آلودگیوں سے اپنی حفاظت کر سکتے ہیں۔ تاہم اس میں شک نہیں، یہ تغافل علم و نظر کے عجائب مستثنیات میں سے ہے۔

(۲) اس مجسمہ میں سائرس کے سر پر دو سینگ نکلے ہوئے ہیں، اور اطراف میں عقاب، کے سے پر۔ سینگوں کا مطلب واضح ہو چکا، لیکن عقاب کے سے پر کیوں بنائے گئے ہیں؟

اس کا جواب بھی ہمیں یسعیاہ نبی کے صحیفہ سے مل جاتا ہے۔ اس میں جہاں سائرس کے ظہور کی خبر دی گئی ہے وہاں یہ بھی ہے:

"دیکھو میں ایک عقاب کو پورب سے بلاتا ہوں۔ اس شخص کو جو ایک دور کے ملک سے آکر میری ساری مرضی پوری کرے گا" (باب ۴۶: ۱۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح دو سینگوں کا معاملہ دانیال نبی کے مکاشفہ سے تعلق رکھتا ہے، اسی طرح عقاب کی تشبیہ یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی میں آچکی ہے۔ خواہ یہ پیشینگوئیاں بعد کو بنائی گئی ہوں، خواہ فی الحقیقت پیشتر کی ہوں، لیکن یہ ظاہر ہو گیا کہ سائرس کے لئے دو سینگوں کا اور عقاب کا تخیل پیدا ہو چکا تھا، اور ٹھیک یہی تخیل ہے جو اس مجسمہ میں متشکل ہو گیا ہے -

---

۱۷ حِجَابًا ۩ فَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ إِنِّيٓ أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنكَ إِن
۱۸-۱۹ كُنتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ إِنَّمَآ أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَٰمًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَٰمٌ
۲۰ الربع وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُۥٓ ءَايَةً لِّلنَّاسِ وَ
۲۰-۲۲ رَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ فَحَمَلَتْهُ فَانتَبَذَتْ بِهِۦ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَأَجَآءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ
۲۳ جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَٰلَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا وَكُنتُ نَسْيًا مَّنسِيًّا ۝ فَنَادَىٰهَا مِن تَحْتِهَآ أَلَّا
۲۴ تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّيٓ إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ

۱۷ چنگے آدمی کے روپ میں نمایاں ہوگیا۔ مریم اسے دیکھ کر (گھبرا گئی۔ وہ) بولی "اگر تو نیک آدمی ہے، تو میں خدائے رحمان
۱۸ کے نام پر تجھ سے پناہ مانگتی ہوں!"
فرشتہ نے کہا "میں تو تیرے پروردگار کا فرستادہ ہوں
۱۹ اور اس لیے نمودار ہوا ہوں کہ تجھے ایک پاک فرزند [illegible]" (بخشش دوں)
مریم بولی "یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میرے لڑکا ہو، حالانکہ
۲۰ کسی مرد نے مجھے چھوا نہیں اور نہ میں بدچلن ہوں؟"
فرشتہ نے کہا "ہوگا ایسا ہی۔ تیرے پروردگار نے فرمایا کہ یہ میرے لیے کچھ مشکل نہیں۔ وہ کہتا ہے، یہ اس لیے ہوگا کہ
۲۱ لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دوں، اور میری رحمت کا اس میں ظہور ہو۔ اور یہ ایسی بات ہے جس کا ہونا طے پا چکا!"
پھر اس ہونے والے فرزند کا حمل ٹھہر گیا۔ وہ [illegible] لوگوں سے الگ ہو کر دور چلی
۲۲ گئی۔

نیز دیکھو مریم زکریا کی بیوی الیشبع کی رشتہ دار تھی" اور بشارت کے بعد اس سے ملنے گئی (۱: ۳۹)

~~(۵) آیت (۲۲) میں مکانا قصیا کا مطلب معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] اور ناصرہ [illegible] یروشلم [illegible] انجیل سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ [illegible]~~

(لوقا ۱: ۲۶)

(۶) آیت (۲۱) میں حضرت مسیح کی نسبت دو باتیں فرمائی ہیں۔ اللہ کی نشانی ہونگے، دوسرا اس کی رحمت۔ غور کرو۔ ان دو لفظوں نے کس طرح ان کی شخصیت کی پوری تصویر نمایاں کر دی ہے؟ وہ اپنی ساری باتوں میں کرشمہ ساز قدرت کی ایک نشانی تھے۔ ان کے ظہور کے تمام تر پیام نوع انسانی کے لیے رحم و محبت کا پیام تھا!
گویا ان کی شخصیت کی پوری تاریخ ان دو لفظوں میں سمٹی ہوئی ہے
آیۃً للناس ورحمۃً منّا!

پھر اسے درد زہ (کا اضطراب) کھجور کے ایک درخت کے نیچے لے گیا (وہ اس کے تنہ کے سہارے بیٹھ گئی۔) اس نے کہا "کاش میں اس سے پہلے مرچکی ہوتی۔ میری ہستی لوگ
۲۳ یک قلم بھول گئے ہوتے!"
اس وقت (ایک پکارنے والے فرشتہ) نے اسے نیچے سے پکارا (یعنی نخلستان کے نشیب سے پکارا) "غمگین نہ ہو۔ تیرے
۲۴ پروردگار نے تیرے تلے ایک بڑی ہستی پیدا کر دی ہے۔ تو کھجور کے درخت کا تنہ پکڑ کے اپنی طرف ہلا، تازہ اور پکے ہوئے

لہ اصل میں "سریا" ہے۔ عربی میں "السری" عظیم الشان انسانوں کے لیے بولا جاتا ہے جیسے قولہم سری ای عظیم من قوم (بقیہ بر صفحہ ۴۳۴)

9 قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ
10 لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى
11 - 12 اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِـيًّا ۝ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ وَّحَنَانًا مِّنْ
13 - 14 لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ۝ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ
15، 16 يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ

ارشاد ہوا "ایسا ہی ہوگا۔ تیرا پروردگار فرماتا ہے کہ

تیرے لئے بیٹا جنے گی تو اس کا نام یوحنا رکھیو (لوقا ۱۰۸)

9 ایسا کرنا میرے لئے کچھ مشکل نہیں۔ میں نے اس سے پہلے خود تجھے پیدا کیا حالانکہ تیری ہستی کا نام و نشان نہ تھا"

اس پر زکریا نے عرض کیا "خدایا میرے لئے (اس بارے میں) ایک نشانی ٹھہرا دے"۔

10 فرمایا "تیری نشانی یہ ہے کہ تین رات لگاتار لوگوں سے بات نہ کر"۔

11 پھر وہ قربان گاہ سے نکلا اور اپنے لوگوں میں آیا (جو حسب معمول اس کا انتظار کر رہے تھے) اس نے (زبان نہ کھولی) اشارہ سے کہا "صبح شام خدا کی پاکی و جلال کی صدائیں بلند کرتے رہو!"

12 "اے یحیٰی! خدا کا حکم ہوا (کیونکہ وہ خوشخبری کے مطابق پیدا ہوا اور بڑھا) کتاب الٰہی کے پیچھے مضبوطی کے ساتھ لگ جا" چنانچہ وہ ابھی لڑکا ہی تھا کہ ہم نے اسے علم و فضیلت بخشدی۔

13 نیز اپنے فضل خاص سے دل کی نرمی اور نفس کی پاکی عطا فرمائی۔ وہ پرہیزگار

14 اور ماں باپ کا خدمت گذار تھا۔ سخت گیر اور نافرمان نہ تھا۔

15 اس پر سلام ہو (یعنی سلامتی ہو) جس دن پیدا ہوا، اور جس دن مرا، اور جس دن پھر زندہ اٹھایا جائے گا۔

(۳) انجیل میں ہے "زکریاہ نے کہا میں یہ بات کس طرح جانوں کیونکہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے؟ جبرئیل نے کہا جس دن تک یہ باتیں واقع نہ ہولیں تو چپکا رہے گا اور بول نہ سکے گا ... جب زکریاہ باہر آیا تو وہ لوگوں سے اشارے کرتا تھا۔ بول نہیں سکتا تھا"۔ لوقا ۱: ۸۰

قرآن نے یہ نہیں کہا ہے کہ حضرت زکریاہ گونگے ہو گئے تھے یہ یقیناً بعد کی تعبیرات ہیں جو حسب معمول پیدا ہو گئیں۔ صاف بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت زکریا کو روزہ رکھنے اور مشغول عبادت رہنے کا حکم ہوا۔ اور یہودیوں کے یہاں روزہ کے اعمال میں سے ایک عمل خاموشی بھی تھی۔

چنانچہ حضرت یحیٰی پیدا ہوئے۔ لڑکپن ہی سے ان کی زندگی زہد و عبادت اور گوشہ نشینی و اعتکاف کی زندگی تھی۔

انجیل میں ہے کہ ان کی تمام ابتدائی زندگی صحرا میں بسر ہوئی پھر وہیں ان پر اللہ کا کلام نازل ہوا اب انہوں نے دریائے یردن کے نواح میں توبہ انابت کی منادی شروع کردی، وہ پکارتے تھے کہ آنے والے وقت کے لئے تیار ہو جاؤ۔ (لوقا باب ۳)

16 اور (اے پیغمبر!) کتاب میں مریم کا معاملہ بیان کر۔ اس وقت کا معاملہ جب وہ ایک مکان میں کہ پورب کی طرف تھا، اپنے گھر کے آدمیوں سے الگ ہو گئی۔

پھر اس نے ان لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا۔ پس ہم نے اس کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا، اور وہ ایک بھلے

(۴) انجیل میں ہے کہ مندرجہ صدر واقعہ کے چھ ماہ بعد جبرئیل مریم پر نمودار ہوا جس کی منگنی یوسف نامی ایک نوجوان سے ہو چکی تھی، اور اسے کہا "تو حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی۔ اس کا نام یسوع رکھیو"۔ (لوقا ۱: ۲۶)

٣٣ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ
٣٤ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ
٣٥ - ٣٦ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ
٣٧ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا
لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ
٣٨ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ
٣٩

یہ ہے مریم کے بیٹے عیسیٰ کی سرگزشت سچائی کی بات
٣٤ جس میں لوگ اختلاف کرنے لگے ہیں۔
اللہ کے لیے کبھی یہ بات نہیں ہو سکتی کہ وہ کسی کو اپنا
بیٹا بنائے۔ اُس کے لیے پاکی ہو۔ (وہ کیوں معبود ہونے لگا کہ
کسی فانی ہستی کو اپنا بیٹا بنائے؟) اُس کی شان تو یہ ہے کہ
جب کوئی کام کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے، تو بس حکم کرتا ہے کہ
٣٥ ہو جا! اور اُس کا حکم کرنا ہی ہو جانا ہے!
اور مسیح کی تو ساری پکار یہ تھی! "بلاشبہ اللہ ہی میرا اور
تمہارا، سب کا پروردگار ہے پس اُسی کی بندگی کرو۔ یہی
٣٦ (سچائی کا) سیدھا راستہ ہے!"
مگر پھر اس کے بعد مختلف فرقے آپس میں اختلاف کرنے
لگے۔ تو جن لوگوں نے حقیقت حال سے انکار کیا، اُن کی
٣٧ حالت پر افسوس! اُس دن کے منظر پر افسوس جو آنے والا ہے، اور جو بڑا ہی سخت دن ہوگا!
جس دن یہ ہمارے حضور حاضر ہوں گے، اُس دن ان کے کان کیسے سننے والے اور ان کی آنکھیں کیسی دیکھنے
٣٨ والی ہوں گی۔ لیکن آج کے دن ظالموں کا کیا حال ہے؟ آشکارا گمراہی میں کھوئے ہوئے ہیں
اور (اے پیغمبر!) انہیں اُس (آنے والے) دن سے بھی خبردار کر دے جو بڑا ہی پچھتانے کا دن ہوگا، اور
جب ساری باتوں کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اس وقت تو یہ لوگ غفلت میں پڑے ہیں اور (اس بات پر) یقین
لانے والے نہیں۔
٣٩ ہم ہی زمین کے (بالآخر) وارث ہوں گے، اور اُن تمام

(۹) آیت (۳۳) تک حضرت مسیح کے ظہور اور دعوت کا بیان تھا۔ اب فرمایا اس بارے میں قولِ حق صرف یہ ہے۔ اس سے زیادہ عیسائیوں نے جو کچھ بنا لیا، وہ جہل و گمراہی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد عیسائیوں کی اس گمراہی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا بنا لیا۔

سینٹ پال کی طرف ابنیت کی جو تعلیم منسوب ہے اُس کی تمام تر بنیاد اس خیال پر رکھی گئی ہے کہ نوعِ انسانی کی سرشت میں گناہ ہے۔ پس اس کی نجات کے لیے ضروری تھا کہ کفارہ ہو۔ کفارہ کی یہی صورت ہو سکتی تھی کہ خدا کی صفتِ رحمت ابن اللہ کی شکل میں اُترے، اور اپنی قربانی کے خون سے اولادِ آدم کا گناہ دھو ڈالے۔ قرآن اس منافی تخیل کا رد کرتے ہوئے خدا کی بے نیازی اور قدرت کا اثبات کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے تم نے خدا کو اتنا بے بس اور محتاج کیوں سمجھ لیا کہ جب تک ایک انسان کو اپنا بیٹا بنا کر سولی پر نہ چڑھا دے وہ اپنے بندوں کو نجات دینے کی راہ نہیں پا سکتا؟ یہ تو وہ کرے جو اپنے کاموں کی انجام دہی میں دوسروں کا محتاج ہو لیکن تم خود مانتے ہو کہ خدا محتاج نہیں ہو سکتا۔ صرف اُس کا چاہنا ہی کاموں کو انجام پا جانا ہے

(۱۰) آیت (۳۷) اور (۳۸) میں قیامت کے دن کا ذکر ہو چکا ہے کہ

٢٥ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۚ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا ۙ فَقُولِي
٢٦ إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ۝ فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ
٢٨-٢٧ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۝ يَا أُخْتَ هٰرُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ۝ فَأَشَارَتْ
٣٠-٢٩ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ ۖ آتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۝
٣١ وَجَعَلَنِي مُبٰرَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ ۖ وَأَوْصٰنِي بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي

٢٥ پھلوں کے خوشے تجھ پر گرنے لگیں گے۔ کھا، پی، (اپنے بچے کے نظارہ سے) آنکھیں ٹھنڈی کر (اور سارا غم و ہراس بھول
جا)۔ پھر اگر کوئی آدمی نظر آجائے (اور پوچھ گچھ کرنے لگے) تو (اشارہ سے) کہہ دے میں نے خدائے رحمان کے حضور روزہ
کی منت مان رکھی ہے۔ میں آج کسی آدمی سے بات چیت نہیں کرسکتی"!

پھر ایسا ہوا کہ وہ لڑکے کو ساتھ لے کر اپنی قوم کے
پاس آئی۔ لڑکا اُس کی گود میں تھا۔ لوگ (دیکھتے ہی) بول
٢٧ اُٹھے "مریم! تو نے بڑی ہی عجیب بات کر دکھائی۔ اے
ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ بُرا آدمی تھا۔ نہ تیری ماں بدچلن
تھی" (یہ تو کیا کر بیٹھی)!
٢٨ اِس پر مریم نے لڑکے کی طرف اشارہ کیا (کہ یہ تمہیں

(۷) آیت (۲۶) سے واضح ہوگیا کہ ایک طرح کا یہودی روزہ
یہ بھی تھا کہ آدمی خاموش رہے۔ چنانچہ حضرت زکریا کو بھی ایسا ہی روزہ
رکھنے کا حکم ہوا تھا۔
یہودیوں کے یہاں روزہ کی یہ صورت اب بھی تسلیم کی جاتی ہے۔
(۸) آیت (۲۱) میں "اُختِ ہارون" سے مقصود حضرت مریم کا
ایک رشتہ دار ہے جو نہایت پارسا شخص تھا۔ اِس لیے ملامت کرنے والوں
نے اس کی طرف نسبت دے کے ملامت کی۔ مسلم و ترمذی کی حدیث
مغیرہ بن شعبہ میں یہ تفسیر خود آنحضرت سے منقول ہے۔

٢٩ بتلا دے گا حقیقت کیا ہے) لوگوں نے کہا "بھلا اس سے ہم کیا بات کریں جو ابھی گود میں بیٹھنے والا بچہ ہے"۔
٣٠ (مگر) لڑکا بول اُٹھا "میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا۔ اُس نے مجھے بابرکت کیا، خواہ میں
٣١ کسی جگہ ہوں۔ اُس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا، کہ جب تک زندہ رہوں، یہی میرا شعار ہو۔ اس نے مجھے اپنی ماں کا خدمت
٣٢ گزار بنایا۔ ایسا نہیں کیا کہ خودسر اور نافرمان ہوتا۔ مجھ پر اُس کی طرف سے سلامتی کا پیام ہے جس دن پیدا ہوا، جس دن
٣٣ مروں گا، اور جس دن (پھر) زندہ اُٹھایا جاؤں گا"!

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ)

سراۃ۔ انسے عظام (ابن سیدہ) لیکن چونکہ "سریا" کے ایک معنے چھوٹی نہر کے بھی ہیں، اس لیے عام طور پر یہاں سریا کا ترجمہ نہر اور چشمہ کیا گیا ہے۔ ہم نے پہلے مطلب کو ترجیح دی کیونکہ محل بیان کا مقتضا ایسی ہی کوئی بات چاہتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت مریم کا غم پانی نہ ملنے کی وجہ سے نہ تھا اُس حالت کی وجہ سے تھا جس میں مبتلا ہوگئی تھیں پس فرشتہ کا یہ کہنا کہ "غمگین نہ ہو۔ تیرے لیے ایک نہر جاری کردی ہے" بالکل بے معنی ہوجاتا ہے جب پانی کا فقدان غم کا سبب ہی نہ تھا تو اس کی موجودگی کیوں (ا) وجہ تسکین ہو؟ البتہ جو مطلب ہم نے اختیار کیا ہے، اس سے وجہ تسکین بالکل واضح ہوجاتی ہے یعنی غمگین نہ ہو تیری گود میں ایک عظیم انسان پیدا کردیا گیا ہے۔
ائمہ تابعین میں سے ایک جماعت نے یہی تفسیر اختیار کی ہے

(فتح القدیر جلد سوم صفحہ ۳۲۰)

رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ڮ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ ۴۷
بِدُعَاۗءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا ۴۸
جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝ع وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۴۹ - ۵۰ ع
اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا ۵۱ - ۵۲
لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ ۵۳
رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ج وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ ۵۴ - ۵۵
اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ۙ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ ۵۶ - ۵۷

دعا کروں گا وہ مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں نے تم سب کو چھوڑا، اور انہیں بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پکارا کرتے ہو۔ میں اپنے ۴۷
پروردگار کو پکارتا ہوں۔ امید ہے اپنے پروردگار کو پکار کے میں محروم ثابت نہیں ہونگا!" ۴۸

پھر جب ابراہیم ان لوگوں سے اور ان سب سے جن کی اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے، الگ ہو گیا، تو ہم نے (اُس کی نسل
میں برکت دی، اور) اُسے اسحٰق اور (اسحاق کا بیٹا) یعقوب عطا فرمایا۔ ان میں سے ہر ایک کو ہم نے نبوت دی تھی، اور
اپنی رحمت کی بخشش سے سرفراز کیا تھا۔ نیز ان سب کے لیے سچائی کی صدائیں بلند کر دیں (جو کبھی خاموش ہونے والی ۴۹
نہیں!) ۵۰

اور (اے پیغمبر!) کتاب میں موسیٰ کا ذکر کر۔ بلاشبہ وہ ایک بندۂ خاص اور فرستادہ نبی تھا۔ ۵۱
ہم نے اُسے کوہِ طور کی دہنی جانب سے پکارا، اور (وحی کی) سرگوشیوں کے لیے اپنے سے قریب کیا۔ نیز اپنی ۵۲
رحمت سے (رفاقت و مددگاری کے لیے) ہارون عطا فرمایا کہ اس کا بھائی تھا اور نبی تھا۔ ۵۳

اور (اے پیغمبر!) الکتاب میں (یعنی قرآن میں) اسمٰعیل
کا ذکر کر۔ بلاشبہ وہ اپنے قول کا سچا تھا، اور (اللہ کا) فرستادہ ۵۴
نبی تھا۔ وہ اپنے گھر کے لوگوں کو نماز اور روزہ کا حکم دیتا تھا،
اور وہ اپنی ساری باتوں میں) اپنے پروردگار کے حضور پسندیدہ تھا، ۵۵
اور (اے پیغمبر!) کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کر۔ بلاشبہ
وہ بھی سچائی مجسم اور نبی تھا، اور ہم نے اُسے بڑے ہی اونچے مقام ۵۶
تک پہنچا دیا تھا! ۵۷
یہ ہیں وہ لوگ جو اُن نبیوں میں سے ہیں جن پر اللہ نے
انعام کیا۔ آدم کی نسل میں سے، اور اُن کی نسل سے جنہیں

(۱۱) اس کے بعد آیت (۴۱) سے (۵۷) تک حضرت ابراہیم، اسحٰق، یعقوب، موسیٰ، ہارون، اسمٰعیل، اور ادریس (علیہم السلام) کی نبوتوں کی طرف اشارہ کیا ہے، اور پھر آیت (۵۸) میں اس تمام تذکرہ کا نتیجہ نکالا ہے۔
حضرت ابراہیم کی زندگی کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے، زیادہ تفصیل کے ساتھ سورۂ انعام کی آیت ۷۴ میں گزر چکا ہے، اور آئندہ سورتوں میں بھی آئے گا۔ ماحصل اس کا یہ ہے کہ اُور کے تمام باشندوں کی طرح اُن کا چچا بھی بت پرست تھا۔ اُس نے غیظ و غضب میں آ کے انہیں نکال دیا۔ اُنہوں نے بھی راہِ حق میں تمام ملک و قوم سے کنارہ کشی کر لی، اور کنعان آ کر مقیم ہو گئے۔ پھر اللہ نے اُن کی نسل میں برکت دی اور اسرائیلی اور اسماعیلی سلسلوں کے بانی ہوئے۔
جزیرہ نمائے سینا کے دہنی جانب عرب ہے۔ بائیں جانب مصر ہے۔

ع ۲۵/۵ ۴۰ ۴۱ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۝ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ
۴۲ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ۝ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ
۴۳-۴۴ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا ۝
۴۵ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ۝ قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ
۴۶ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ۝ قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ

من مشهد یوم عظیم اور یوم یاتونہا۔ اس کے بعد (۳۹) میں فرمایا
وانذرھم یوم الحسرۃ" اور انہیں یوم الحسرت کے دن سے بھی
۴۰ خبردار کر دے" اس سے معلوم ہوا کہ اس "یوم الحسرت" سے مقصود قیامت کا
دن نہیں ہے۔ یہ کوئی دوسرا آنے والا دن ہے۔ چنانچہ بعد کی آیت نے اس
۴۱ دن کی نوعیت ظاہر کر دی ہے۔
یہ کون سا دن تھا؟ یقیناً کوئی ایسا دن جو عیسائیوں کو عنقریب
پیش آنے والا تھا اور جس میں اُن کے لیے بڑی ہی حسرت و مایوسی تھی!
چنانچہ سورۂ مریم کے نزول پر ابھی پچیس برس بھی نہیں گزرے تھے
کہ یہ دن نمودار ہو گیا، اور تمام عیسائی دنیا یہ سُن کر ششدر رہ گئی کہ مسیحیت کا صدر
مقام اور قبلہ و مرکز ناگہاں اُس کے ہاتھوں سے نکل کر ایک نئی قوم کے قبضہ
۴۲ میں چلا گیا ہے، مشہور مورخ گبن کے لفظوں میں "تمام مسیحی دنیا پر سکتہ
کی حالت طاری ہو گئی۔ کیونکہ مسیحیت کی اس سب سے بڑی توہین کو نہ تو
۴۳ مذہب کا کوئی متوقع معجزہ روک سکا۔ نہ بازنطینی شہنشاہی کا لشکرِ
جرار"
۴۴ پھر یہ صرف بیت المقدس ہی کی فتح نہ تھی، تمام ایشیا و افریقہ
میں مسیحی فرمانروائی کا خاتمہ تھا۔ ہرقل (ہیراکلیاس) کے یہ الفاظ جو اس نے
تخت جہاز پر لبنان کی چوٹیوں کو مخاطب کر کے کہے تھے، آج تک
مورخوں کی زبانوں پر ہیں "الوداع سرزمین شام! ہمیشہ کے لیے الوداع!"
۴۵ غور کرو، کیا یہ دن اپنے کامل معنوں میں مسیحیت کے لیے "یوم الحسرۃ"
نہ تھا؟۔
پھر آیت کے اس ٹکڑے پر غور کرو کہ وھم فی غفلۃ وھم لا
یومنون۔ اے پیغمبر! یہ لوگ اس وقت اپنی کامرانیوں کی غفلت میں سرشار
ہیں یقین کرنے والے نہیں۔ تاہم تم اعلان کر دو۔ نیز بعد کی آیت کہ
۴۶ انا نحن نرث الارض ومن علیہا کس طرح یہ تمام مطلب آشکارا
کر رہی ہے؟
افسوس ہمارے مفسروں کو اس عالم کی خبر ہی نہیں۔ وہ جہاں
"یوم" کا لفظ دیکھتے ہیں، جھٹ اسے یوم القیامۃ سمجھ لیتے ہیں!

لوگوں کے بھی جو زمین پر بسے ہوئے ہیں، اور ہماری ہی طرف سب کو لوٹ کر آنا ہے!

اور (اے پیغمبر!) الکتاب میں ابراہیم کا ذکر کر۔ یقیناً وہ مجسم سچائی تھا اور اللہ کا نبی تھا۔

اُس وقت کا ذکر جب اُس نے اپنے باپ سے کہا "اے میرے باپ! تو کیوں ایک ایسی چیز کی پوجا کرتا ہے جو نہ تو سنتی ہے، نہ دیکھتی ہے، نہ تیرے کسی کام آ سکتی ہے؟ اے میرے باپ! میں سچ کہتا ہوں، علم کی ایک روشنی مجھے مل گئی ہے، جو تجھے نہیں ملی۔ پس میرے پیچھے چل، میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں گا۔ اے میرے باپ! شیطان کی بندگی نہ کر۔ شیطان تو خدائے رحمان سے نافرمان ہو چکا۔ اے میرے باپ! میں ڈرتا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو، خدائے رحمان کی طرف سے کوئی عذاب تجھے آ لگے اور تو شیطان کا ساتھی ہو جائے!"

باپ نے (یہ باتیں سُن کر) کہا "ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ یاد رکھ اگر تو ایسی باتوں سے باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر کے چھوڑوں گا۔ اپنی خیر چاہتا ہے تو جان سلامت لے کر مجھ سے الگ ہو جا"۔

ابراہیم نے کہا "اچھا، میرا سلام قبول ہو۔ (میں الگ ہو جاتا ہوں) اب میں اپنے پروردگار سے تیری بخشش کی

مَنْ كَانَ تَقِيًّا ○ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ ٦٣
رَبُّكَ نَسِيًّا ○ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ○ وَ ٦٤-٦٥ ع ٥
يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ○ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ ٦٦
يَكُ شَيْـًٔا ○ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ○ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ ٦٧-٦٨
كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ○ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ○ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ٦٩-٧٠

اور (فرشتے جنتی سے کہیں گے:) ہم (تمہارے پاس)
نہیں آتے مگر تمہارے پروردگار کے حکم سے، جو کچھ ہمارے سامنے ہے، جو کچھ ہمارے پیچھے گزر چکا ہے، اور جو کچھ ان دونوں
٦٤ وقتوں کے درمیان ہوا سب اُسی کے حکم سے ہے۔ اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں کہ بھول جانے والا ہو!
آسمان اور زمین کا پروردگار، اور اُن سب کا پروردگار جو آسمان و زمین میں ہیں، سو (اے پیغمبر!) اُسی کی بندگی کر،
اور اُس کی بندگی کی راہ میں جو کچھ پیش آئے جھیلتا رہ۔ کیا تیرے جانتے کوئی دوسرا بھی اس کا ہم نام ہے؟ (یعنے
٦٥ اُس جیسا ہے؟)
٦٦ اور (حقیقت سے غافل) انسان کہتا ہے "جب میں مرگیا، تو پھر کیا ایسا ہونے والا ہے کہ زندہ اُٹھایا جاؤں؟"
٦٧ (افسوس اس پر!) کیا انسان کو یہ بات یاد نہ رہی کہ ہم اُسے پہلے پیدا کر چکے ہیں حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا؟
سو (اے پیغمبر!) تیرا پروردگار شاہد ہے کہ ہم اِن
سب کو اور ان کے ساتھ سارے شیطانوں کو ضرور اکٹھا کریں گے
پھر ان سب کو دوزخ کے گرد حاضر ہونے کا حکم دیں گے زانوؤں کے بل
٦٨ پر گرے ہوئے۔
پھر ہر گروہ میں سے اُن لوگوں کو (چُن چُن کر) الگ
کرلیں گے جو (اپنی زندگی میں) خدائے رحمان سے بہت ہی
٦٩ سرکش تھے، اور پھر یہ بات بھی ہم ہی جاننے والے ہیں کہ کون دوزخ
٧٠ میں جانے کا زیادہ سزاوار ہے۔
اور (یاد رکھو) تم میں کوئی نہیں جو اس منزل سے

مذہبی زندگی کی ساری بنیادیں ہل گئیں۔

(۱۳) آیت (٦٢) میں فرمایا تھا کہ جنت کی زندگی سلامتی اور طہارت کی زندگی ہوگی۔ وہاں سلام کی صداؤں کے سوا اور کوئی صدا سننے میں نہیں آئے گی۔ پھر آیت (٦٤) میں فرمایا جنتیوں پر فرشتوں کا نزول ہوگا جو سلامتی کا پیام پہنچائیں گے۔ وہ کہیں گے تمہارا پروردگار بھول جانے والا نہ تھا۔ دیکھ لو جو کچھ تم نے ماضی میں کیا تھا، آج اس کے نتائج تمہارے دامن میں ہیں، اور قانون نتائج کے حافظے نے کوئی چھوٹے سے چھوٹا عمل نہیں بھلایا ہے!

وما کان ربک نسیا کی حقیقت پر غور کرو۔ علم و قدرت کے جو ازلی قوانین ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، اُن کا حافظہ کیسا اٹل اور اُن کا حساب و کتاب کیسا بے داغ ہے۔ کیا ممکن ہے کہ ایک پل کے لیے بھی اُن پر سہو و نسیان طاری ہو جائے!

(۱۴) آیت (٦٥) میں خطاب پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں

ل اس ترجمہ پر یہ شبہ وارد نہ ہو کہ حضرت ابن عباس نے روایت مندرجہ بخاری میں اس قول کا مخاطب خود آنحضرت کو قرار دیا ہے۔ اس میں صرف یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے وحی کے جوش طلب میں مزید تنزیل کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اس پر یہ جواب ملا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آیت کا ابتدائی شان نزول یہی ہو۔ چونکہ آیت میں یہ بات کہی گئی ہے کہ ملائکہ کا ورود بغیر حکم الٰہی کے نہیں ہوسکتا، اس لیے جب آنحضرت نے مزید تنزیل کا جوش ظاہر فرمایا، تو جواب میں یہی آیت دُہرائی گئی۔

مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا
58 اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۩ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ
59 اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ
60-61 وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۙ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ۝ لَا
62 يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا

اِسی دہنی جانب کے ساحل پر قبیلۂ مدین کی بستی آباد تھی جہاں حضرت موسٰی مصر سے نکل کر مقیم ہوگئے تھے۔ پس من جانب الطور الایمن کا مطلب یہ ہے کہ یہ معاملہ طور کی مشرقی جہت میں پیش آیا تھا۔ نہ کہ مغربی میں جو مصر کے مقابل ہے۔

ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا، نیز ابراہیم اور اسرائیل (یعنے یعقوب) کی نسل سے، اور اُن گروہوں میں سے جنہیں ہم نے راہِ راست دکھائی اور (کامرانیوں کے لیے) منتخب کرلیا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب خدائے رحمان کی آیتیں انہیں سُنائی جاتی تھیں تو بے اختیار سجدے میں
58 گر جاتے تھے اور اُن کی آنکھیں اشک بار ہوجاتی تھیں!

لیکن پھر ان کے بعد ایسے ناخلف اُن کے جانشین ہوئے، جنہوں نے نماز (کی حقیقت) کھودی اور اپنی
59 نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے۔ سو قریب ہے کہ ان کی سرکشی اُن کے آگے آئے!

(۱۲) آیت (۵۸) اور اس کے بعد کی آیتیں اِس تذکرہ کا خلاصہ ہیں۔ فرمایا، ان تمام نبیوں نے خدا پرستی اور نیک عملی کی دعوت دی تھی وہ ان میں سے تھے جن پر خدا کا انعام ہوا اور کامیابیوں کے لیے چُن لیے گئے لیکن ان کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوگئے جنہوں نے حقیقت ضائع کردی اور اپنی خواہشوں کے پرستار ہوگئے۔ اب اُن کے نام لیواؤں کے جتنے گروہ ہیں، سب کا یہی حال ہے، اور سب کو اپنی بدعملیوں کا نتیجہ بھگتنا ہے۔ ہاں، جو گمراہیوں سے باز آجائیں گے اور دعوتِ حق پر عمل کریں گے اُن پر ہر طرح کی کامرانیوں کی راہ کھل جائے گی۔ اُسی طرح جس طرح پہلے کھل چکی ہے۔

آیت (۵۹) میں پچھلوں کی گمراہی بیان کرتے ہوئے صرف اضاعوا الصلوٰۃ و اتبعوا الشہوٰت فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز یعنی عبادت جوہرِ ایمان ہے۔ اس کی حقیقت گئی تو سب کچھ چلا گیا۔

در اصل ایک خدا پرست اور ایک غیر خدا پرست میں عملی امتیاز اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ پہلا کسی کی بندگی میں لگا رہتا اور کسی کو پکارتا رہتا ہے۔ دوسرا اس سے بے پرواہ رہتا ہے۔ اِسی لیے دعا اور عبادت ایمان باللہ کی اصلی علامت ہوئی اور اسی لیے تمام مذاہب نے اسی عمل پر مذہبی زندگی کی ساری عمارتیں اُٹھائیں۔ جونہی یہ عمل بگڑا

ہاں، جو کوئی باز آگیا، ایمان لایا، اور نیک عملی میں لگ گیا، تو بلاشبہ ایسے لوگوں کے لیے کوئی کھٹکا نہیں۔ وہ جنت میں داخل ہونگے۔ اُن کے حقوق میں ذرا بھی ناانصافی نہ ہوگی۔

ہمیشگی کی جنت جس کا اپنے بندوں سے خدائے رحمان نے وعدہ کر رکھا ہے، اور وعدہ ایک غیبی بات کا ہے (جسے وہ اس زندگی میں محسوس نہیں کرسکتے۔ مگر) یقیناً اس کا وعدہ
61 ایسا ہے جیسے ایک بات وقوع میں آگئی!

اُس زندگی میں کوئی ناشائستہ بات اُن کے کانوں میں نہیں پڑے گی۔ جو کچھ سنیں گے وہ سلامتی ہی کی صدا ہوگی
62 وہاں صبح و شام اُن کا رزق اُن کے لیے برابر مہیا رہے گا!

سو (دیکھو) یہ جنت ہے جس کا ہم اُسے وارث کردیتے
63 ہیں، جو ہمارے بندوں میں سے متقی[1] ہوتا ہے!

[1] متقی کے معنی سورۂ بقرہ کے نوٹ ہدی للمتقین (۲) میں دیکھیے۔

مَرَدًّا ۝ أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ
۷۶ - ۷۷ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَّنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا
۷۸ - ۷۹ فَرْدًا ۝ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ
۸۰ - ۸۱ يَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيٰطِينَ عَلَى الْكٰفِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ۝ فَلَا تَعْجَلْ
۸۲ - ۸۳ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ۝
۸۴

حضور تو باقی رہنے والی نیکیاں ہی بہتر ہیں۔ ثواب
۷۶ کے اعتبار سے بھی اور نتیجہ کے اعتبار سے بھی۔
(اے پیغمبر!) تونے دیکھا، اس آدمی کا کیا حال
ہے جس نے ہماری آیتوں سے انکار کیا اور کہا "خدا
کی قسم! میں ضرور مال و دولت پاؤں گا۔ میں ضرور
صاحب اولاد ہوں گا۔"

۷۷ وہ جو ایسا کہتا ہے تو کیا اس نے غیب کو جھانک کے دیکھ لیا ہے؟ یا خدا سے کوئی عہد لے لیا ہے کہ اسے ایسا کرنا ہی پڑے گا۔"

۷۸ ہرگز نہیں (ایسا کبھی نہیں ہو سکتا) اچھا وہ جو کچھ کہتا ہے ہم اسے لکھ لیں گے (یعنی اس کی یہ بات بھلائی نہیں
۷۹ جائے گی اس کے آگے آئے گی) اور اس کے عذاب کی رسی لمبی کرتے جائیں گے یہ جس مال و اولاد کا دعویٰ کرتا ہے
(اگر اُسے میسر بھی آجائے، تو بالآخر) ہمارے ہی قبضہ میں آئے گا، اور اسے تو ہمارے سامنے تن تنہا حاضر ہونا ہے!
۸۰

اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنا
لیا ہے کہ ان کے مددگار ہوں لیکن ہرگز ایسا ہونے والا
۸۱ نہیں وہ (قیامت کے دن) ان کی بندگی سے صاف
۸۲ انکار کر جائیں گے۔ وہ الٹے ان کے مخالف ہونگے!
(اے پیغمبر!) کیا تونے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں
۸۳ کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے وہ انہیں برابر اکساتے رہتے ہیں
پس تو ان کے بارے میں جلدی نہ کر۔ (فیصلہ امر میں جو دیر ہو
رہی ہے، تو یہ صرف اس لیے ہے کہ ہم ان کے دن گن رہے
۸۴ ہیں (قریب ہے کہ مقرر وقت ظہور میں آجائے)

راہ ملے گی لیکن فوراً منزل مقصود پر نہیں پہنچ جائے گا، درجہ بدرجہ رہنمائی پائے گا۔ یہاں اچھائی اور برائی دونوں کے لئے تدریج و امہال کا قانون کام کر رہا ہے پس ایک خاص وقت کی حالت دیکھ کر مغرور نہیں ہونا چاہئے۔ ظہور نتائج کا انتظار کرنا چاہیے۔
تفصیل کے لئے تفسیر فاتحہ میں "قانونِ امہال" کا مبحث پڑھنا چاہئے، یہ مقام مہمات معارف میں سے ہے۔

(۷۷) آیت ۷۷ میں انسان کی غفلت اور سرکشی کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ہے جبکہ وہ اپنی عارضی خوشحالیوں کے گھمنڈ میں سمجھنے لگتا ہے، ہر طرح کی خوش حالیاں میرے ہی حصہ میں آنے والی ہیں اور بھول جاتا ہے کہ زندگی اور زندگی کے حوادث کا ایک پل بھی اس کے اختیار میں نہیں!
یہاں فرمایا! کیا اس سرکش نے غیب کی باتیں دیکھ لی ہیں، یا خدا سے کوئی پٹہ لکھوا لیا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر کیا ہے جس پر پھولا بیٹھا ہے؟
(۸۴) آیت (۸۴) کے چند لفظوں نے جزاء عمل کے قانون کی ساری حقیقت کس طرح واضح کر دی ہے؟ فرمایا فلا تعجل علیھم انما نعد لھم عدا۔ جلدی نہ کر، یہ دیر صرف اس لئے ہے کہ ان کے دن گنے جا رہے ہیں یعنی ہر حالت کی تکمیل و ظہور کے لئے ایک مقررہ مدت ہے اور نتائج عمل کا قانون بھی اس سے باہر نہیں۔ کفار کو جو ڈھیل ہے

۷۱ - ۷۲ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۚ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ۝ وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ
۷۳ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ اٰمَنُوٓا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّأَحْسَنُ نَدِيًّا ۝ وَكَمْ
۷۴ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَّرِءْيًا ۝ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ
حَتّٰٓى إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضْعَفُ
۷۵ جُنْدًا ۝ وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ

گزرنے والا نہ ہو۔ ایسا کرنا تمہارے پروردگار نے ضروری
۷۱ ٹھہرا لیا۔ یہ ایک طے شدہ فیصلہ ہے!
پھر ہم ایسا کرینگے کہ جو متقی ہیں، انہیں نجات دیدیں
۷۲ جو ظالم ہیں اُنہیں دوزخ میں چھوڑ دیں۔ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے!

سے ہے۔ فرمایا دو باتوں میں لگے رہو۔ ساری کامیابیاں انہی سے ملیں گی، اُن کی عبادت کرو۔ اس کی عبادت کی راہ میں جتنی بھی مشکلات پیش آئیں جھیلتے رہو۔

اور (دیکھو) جب ہماری روشن آیتیں لوگوں کو سنائی جاتی ہیں، تو جو لوگ کفر میں پڑے ہیں، وہ ایمان والوں سے کہتے ہیں "یہ تو بتلاؤ، ہم دونوں فریقوں میں کون ہے جو بہتر
۷۳ جگہ رکھتا ہے، اور بہتر جمگھٹا"؟
حالانکہ ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہم ہلاک کر چکے
۷۴ جو ان سے کہیں بہتر ساز و سامان رکھتی تھیں، اور ان سے کہیں بہتر ان کی نمود تھی!

(۱۵) آیت (۷۱) میں "وان منکم الا واردھا" کا خطاب تمام نوع انسانی سے نہیں ہے، بلکہ ان منکرین حق سے ہے جن کا ذکر پہلے سے چلا آتا ہے، اور جن کی نسبت پچھلی آیت میں فرمایا "الذین ھم اولٰی بھا صلیا"، اور یہی سبب ہے اس درجہ زور دے کر فرمایا "کان علی ربک حتما مقضیا"۔ جزائے عمل کا قانون طے شدہ قانون ہے۔ کبھی ٹلنے والا نہیں۔

(اے پیغمبر!) تو کہہ دے، جو کوئی گمراہی میں پڑا، تو خدائے رحمان کا قانون یہی ہے کہ اُسے برابر ڈھیل دیتا جاتا ہے، وہ اسی حال میں رہے گا۔ یہاں تک کہ اپنی آنکھوں سے وہ بات دیکھ لے، جس کا اُس سے وعدہ کیا گیا تھا۔ یعنی عذاب یا قیامت کی گھڑی، تو اُس وقت اُسے پتہ چلیگا، کون تھا جس کی جگہ سب سے زیادہ بدتر ہوئی اور جس کا جتھا سب سے
۷۵ زیادہ بودا نکلا!
اور جن لوگوں نے راہ پالی، تو وہ اُن پر اور زیادہ راہ کھول دیتا ہے (یعنی ان کی فلاح و سعادت بڑھتی ہی جاتی ہے۔) اور تمہارے پروردگار کے

(۱۶) سورۂ مریم مکی عہد کی وسطی تنزیلات میں سے ہے۔ اس وقت پیروانِ دعوت کم تعداد اور بے سر و ساماں تھے۔ منکروں کو ہر طرح کی دنیوی خوشحالیاں حاصل تھیں۔ پیغمبر اسلام مومنوں کے ساتھ بیٹھتے، تو فقیروں اور بے نواؤں کی مجلس ہوتی۔ منکرین حق دارالندوہ میں جمع ہوتے، تو سرداروں اور امیروں کا مجمع ہوتا۔ اس صورتِ حال کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ قرآن کی بشارتیں سُن کر کفار ہنسی اُڑاتے۔ وہ کہتے، "بتلاؤ، ہم دونوں میں سے کس کا مقام بلند ہے اور کس کی مجلس معزز؟"
آیت (۷۳) تک منکروں کی اسی سرکشی کا بیان ہے۔ فرمایا انہیں خدا کے قانون کی خبر نہیں، اس نے نتائج عمل کا قانون ایسا ٹھہرا دیا ہے کہ گمراہوں کو ڈھیل پر ڈھیل دی جاتی ہے۔ راہروؤں کو رہنمائی پر ملتی ہے۔ جس نے آنکھیں بند کر لیں اس کے لیے تاریکی ہی ہوگی۔ لیکن فوراً نہیں کرے گا یکے بعد دیگرے مہلتیں پائے گا۔ جس نے آنکھیں کھلی رکھیں، اُسے

۹۷ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ ٱلْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِۦ قَوْمًا لُّدًّا ۝ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم
۹۸ مِّن قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُم مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝

ع ۶ ۱۴ ۹

کھینچیں گے اور انہیں پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے) اسی غرض سے ہم نے قرآن تیری زبان (عربی) میں اُتار کر آسان کر دیا کہ متقی انسانوں کو (کامیابی کی) خوشخبری دیدے، اور جو گروہ سچائی کے مقابلہ میں ہٹ کرنے والا اور اڑ جانے والا ہے، اسے انکار و سرکشی کے نتیجہ سے خبردار کر دے۔

۹۸ (ان سرکشوں) سے پہلے قوموں کے کتنے ہی دَور گزر چکے ہیں جنہیں ہم نے (پاداش بدعملی میں) ہلاک کر دیا۔ کیا ان میں سے کسی کی ہستی بھی اب تم محسوس کرتے ہو؟ کیا ان کی بھنک بھی سنائی دیتی ہے؟

لئے بندگی و نیاز مندی ہے، اچھا، اگر اس سے تمہیں انکار نہیں، تو پھر مسیح کو بھی عبد ہونا چاہئے نہ کہ معبود، غلام ہونا چاہئے نہ کہ آقا، محکوم ہونا چاہئے نہ کہ حکم روا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کے آگے سب تو بندے ہوں، مگر مسیح بندہ نہ ہو؟

(۲۰) آیت ۹۶ سے آخر تک سورت کی اختتامی موعظت ہے اس میں دو باتوں کی خبر دی گئی ہے۔ ایک یہ کہ جو لوگ ایمان و عمل کی راہ اختیار کرینگے، عنقریب خدا ان کے لئے انسانوں کے دل کھول دے گا، اور وہ قوموں اور ملکوں کے محبوب ہو جائیں گے۔ سیجعل لهم الرحمن ودّا۔ دوسری یہ کہ حق کے مقابلہ میں ہٹ دھرمی کرنے والوں کو وہی نتیجہ پیش آنے والا ہے۔ جو پچھلی تباہ شدہ جماعتوں کو پیش آچکا ہے کہ آج ان کا نام و نشان تک باقی نہیں هل تحس منهم من احد او تسمع لهم ركزا؟

تاریخ کا داستان سرا شہادت دیتا ہے کہ دنیا نے یہ دونوں باتیں چند برسوں کے اندر دیکھ لیں۔

شرح سیجعل لهم الرحمن ودا

ایمان و عمل کی اس دعوت نے مسلمانوں کا جو گروہ پیدا کر دیا تھا انسانوں نے اسے قبول ہی نہیں کیا بلکہ اس کا والہانہ استقبال کیا۔ وہ خوف و دہشت کی طاقت نہ تھے جس سے لوگ بھاگتے۔ نیکی و عدالت کا پیام تھے جس کی طرف لوگ دوڑتے تھے، قوموں نے انہیں بلاوے بھیجے، شہروں نے ان کے لئے پھاٹک کھولے، قلعوں نے اپنی کنجیاں آگے رکھ دیں اور وقت کی ساری مظلوم آبادیوں نے انہیں نجات دہندہ سمجھا۔

اجنادین اور یرموک کے میدانوں میں بازنطینی شہنشاہی ان سے لڑ رہی تھی، لیکن شام کی آبادیاں محبت کے پیام بھیج رہی تھیں۔ بصرانے اپنے دروازے خود کھول دئے تھے، حمص کے باشندوں نے منتیں کی تھیں، طرابلس پہلے سے چشم براہ تھا، صور کے پھاٹک بند ہی نہیں کئے گئے۔ اسی طرح جب انہوں نے مصر کا رخ کیا، تو خود مصر کے عیسائی ہی تھے جنہوں نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا تھا۔ وہ جن جن راستوں سے گزرتے، سڑکوں کو درست اور پلوں کو تیار پاتے، اور ہر طرح کی رسد فوج کے لئے مہیا ہوتی!

باقی رہی دوسری بات تو محتاج تشریح نہیں، اس آیت کے نزول پر پورے پندرہ برس بھی نہیں گذرے تھے کہ دعوت قرآن کی تمام معاند قوتیں بے نام و نشان ہو چکی تھیں۔

---

(۲۱) حضرت مسیح (علیہ السلام) اور مسیحیت کی نسبت بعض مہمات مباحث ہیں جن کے اشارات آیندہ سورتوں کی تشریحات میں ملینگے لیکن یہاں دو باتوں کی طرف اشارا کر دینا ضروری ہے:۔

حضرت مریم کی ابتدائی سرگزشت اور انجیل

(الف) قرآن نے حضرت مسیح کے ظہور کا ذکر زیادہ تفصیل کے ساتھ دو جگہ کیا ہے، یہاں اور سورۂ آل عمران کی آیات ۲۵، ۴۲ میں یہاں یہ ذکر حضرت زکریا کی دعا اور حضرت یحییٰ کی پیدائش کے بیان سے شروع ہوا ہے۔ اور اناجیل اربعہ میں سے سینٹ لوقا کی انجیل ٹھیک اسی طرح یہ تذکرہ شروع کرتی ہے لیکن سورۂ آل عمران میں یہ تذکرہ اس سے بھی پیشتر کے ایک واقعہ سے شروع ہوتا ہے یعنی حضرت مریم کی پیدائش اور ہیکل میں پرورش پانے کے واقعہ سے اور اس بارے میں چاروں انجیلیں خاموش ہیں۔

لیکن انیسویں صدی میں متروک اناجیل کا جو نسخہ ویٹیکان کے کتب خانہ سے برآمد ہوا اس نے حضرت مریم کی پیدائش کا یہ

۸۵ ۸۶ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۝ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ۝ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ
۸۷ ۸۸ ۸۹ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ
۹۰ ۹۱ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ
۹۲ ۹۳ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ
۹۴ ۹۵ ۹۶ عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝

رہی ہے وہ صرف اس لئے ہے کہ دن گنے جا رہے ہیں، وقت قریب آگیا ہے مگر دن
۸۵ ابھی پورے نہیں ہوئے جونہی پورے ہونگے نتیجہ خود بخود چل کر آشکارا ہو جائے گا۔
۸۶ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دشمنانِ حق کی خوشحالیوں کے صرف گنے
ہوئے دن باقی رہ گئے تھے۔ سورۂ مریم کے نزول پر پورے دس برس بھی
نہیں گذرے تھے کہ سارے معاملہ کا فیصلہ ہو گیا!
۸۷ (۱۹۱) اب کہ سورت ختم ہو رہی ہے سلسلہ بیان پھر اسی مطلب کی
طرف رجوع ہو گیا ہے جو اوائل سورت میں چھڑ گیا تھا یعنی حضرت مسیح
علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں عیسائیوں کی گمراہی چنانچہ آیت ۸۸
۸۸ میں فرمایا "قیامت کے دن تمام انسان دو گروہوں میں بٹ جائیں گے
۸۹ ایک متقیوں کا ہوگا، دوسرا مجرموں کا۔ متقی اپنے ایمان و عمل کی جزا
میں نجات پائیں گے۔ مجرم اپنے انکار و بد عملی کی پاداش میں عذاب
۹۰ یہ بات کسی کے اختیار میں نہ ہوگی کہ دنیا کے درباروں کی طرح جسے
۹۱ چاہے اپنی سفارش سے چھڑا لے پس عیسائیوں نے جو حضرت مسیح
کو نوع انسانی کے گناہوں کا کفارہ دینے والا اور اس کا شفیع و منجی تصور
کر لیا ہے، وہ صریح گمراہی نہیں ہے تو کیا ہے:
۹۲ پھر الوہیت اور ابنیت مسیح کی گمراہی کی طرف اشارہ کیا اور
۹۳ فرمایا۔ انسانی گمراہی کی یہ انتہا ہے، اس سے زیادہ سخت گمراہی اور
کیا ہو سکتی ہے کہ فاطر السمٰوٰت والارض کو ایک بیٹے کی ہستی کا محتاج
تصور کر لیا جائے۔
۹۴ اس کے بعد صرف ایک آیت کے اندر وہ سب کچھ کہہ دیا ہے جو
اس عقیدے کی رد میں کہا جا سکتا ہے۔ یہ زیادہ سے زیادہ واضح
اور فیصلہ کن حجت ہے، مگر منطقی طریقہ کی نہیں، جو دلوں کو نہیں
۹۵ پکڑ سکتی قرآنی طریقہ کی، جو دل کے ایک ایک ریشہ میں اتر جاتی
ہے: ان کل من فی السمٰوٰت والارض، الا اٰتی الرحمٰن
عبدًا! تم خود تسلیم کرتے ہو کہ کائنات خلقت میں جو کوئی بھی ہے۔
اس کے حضور بندہ ہی کی حیثیت رکھتا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں
۹۶ ہو سکتا یعنی یہاں آقائی و معبودیت صرف خدا کے لئے ہے باقی سب

وہ دن کہ متقی انسانوں کو اپنے حضور مہمانوں کی
طرح جمع کرینگے اور مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسے جانوروں
کی طرح ہنکا دینگے اس دن شفاعت کرنا کرانا کسی کے اختیار
میں نہ ہوگا۔ ہاں جس کسی نے خدا کے حضور سے وعدہ پالیا
(تو وہ وعدہ ضرور اس کے کام آئے گا)
اور ان لوگوں نے (یعنی عیسائیوں نے) کہا "خدائے
رحمان نے اپنا ایک بیٹا بنا رکھا ہے" بڑی ہی سخت بات
ہے جو تم گڑھ لائے ہو! قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑے،
زمین کا سینہ چاک ہو جائے، پہاڑ جنبش میں آ کر گر پڑیں
لوگ اللہ کے لئے بیٹا ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں!
اللہ کی یہ شان کب ہو سکتی ہے کہ اپنے لئے ایک
بیٹا بنا لے، آسمان اور زمین میں جو کوئی بھی ہے وہ
اسی لئے ہے کہ اس کے آگے بندگی کا سر جھکائے حاضر
ہو۔ اس نے (اپنی قدرت سے) انہیں گھیر رکھا ہے اور
(اپنے علم سے) ایک ایک کی ہستی گن رکھی ہے قیامت
کے دن سب اس کے حضور تن تنہا آ کر کھڑے ہونگے (کوئی
ان کا ساتھی اور مددگار نہ ہوگا!)
(اے پیغمبر!) جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عملوں میں
لگ گئے ہیں یہ یقینی ہے کہ خدائے رحمان ان کے لئے
(دلوں میں) محبت پیدا کر دے (یعنی لوگ ان کی طرف

شوہر یوسف سے حاملہ ہونا، تو کیونکر اس کے لئے جائز ہو سکتا تھا کہ وہ سب کچھ کہہ دے لیکن اس بارے میں کچھ نہ کہے؟ وہ اس زبان کا صاف صاف رد کر دے جو اس میں تفریط کر رہا ہے، مگر اس کا رد نہ کرے جو افراط کا مرتکب ہو رہا ہے؟ اور پھر اصل حقیقت پر اسی طرح پردہ پڑا رہنے دے جس طرح پہلے سے پڑا ہوا تھا، اور اپنا یہ وصف یک قلم بھول جائے کہ وہ تمام پچھلے اختلافات کے لئے حکم اور تمام ظنون و شکوک کے لئے علم و حقیقت کا اعلان ہے؟

یہودیوں اور عیسائیوں کی نزاع صرف اسی باب میں نہیں ہوئی بلکہ حضرت مسیح کی ساری باتوں میں ہوئی۔ دونوں نے تفریط و افراط کی دو انتہائی جہتیں اختیار کر لی تھیں یہودی انکار میں اتنے دور نکل گئے کہ انہیں شعبدہ باز اور فریبی سمجھ لیا۔ عیسائی اعتقاد میں اتنے دور نکل گئے کہ انہیں خدا بنا لیا۔ قرآن دونوں کا رد کرتا ہے اور کہتا ہے دونوں افراط و تفریط میں کھوئے گئے پھر اگر پیدائش مسیح کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا، تو کیا ضروری نہ تھا کہ جس طرح اس بارے میں دونوں کا رد کیا، اور صاف صاف کہہ دیا کہ دونوں حقیقت سے محروم ہیں، اسی طرح پیدائش کے بارے میں بھی یکساں طور پر دونوں کا رد کر دیتا اور صاف صاف بتلا دیتا کہ حقیقت سے دونوں محروم ہیں۔؟

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ عیسائیوں نے ابنیت کے اعتقاد کے لئے جو سہارے ڈھونڈھے تھے، ان میں سب سے بڑا سہارا اسی پیدائش کے اچنبھے کا تھا۔ اسکندریہ کے فلسفہ آمیز اصنامی تخیل سراپیز (Serapis) نے تثلیثی وحدت کی اصل لی گئی، اور ازیز (Isis) کی جگہ حضرت مریم کو اور ہورس (Horus) کی حضرت مسیح کو دی گئی پس اگر قرآن کے نزدیک یہ اعتقاد بے اصل ہوتا، تو وہ الوہیت و ابنیت کا رد کرتے ہوئے سب سے پہلی ضرب اسی سہارے پر لگاتا۔ کیونکہ اس کے گرنے کے بعد اصنامی مسیحیت کی ساری عمارت خود بخود گر جاتی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے ایسا نہیں کیا۔ وہ صرف ایک لفظ کہہ کر کہ یوسف مسیح کا باپ تھا سارا کارخانہ درہم برہم کر دے سکتا تھا اگر وہ یہ نہیں کہنا چاہتا وہ اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتا۔ اس کے بحث و احتجاج کا اسلوب ہر جگہ ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے اسے غیر معمولی پیدائش کے معاملہ سے تو انکار نہیں لیکن وہ کہتا ہے اس سے یہ کیسے لازم آ گیا کہ ایک بندہ، خدا یا خدا کا بیٹا ہو جائے؟ ایک انسان جو تمام انسانوں کی طرح انسان تھا، اور اپنی پیدائش کے لئے ماں کے پیٹ کا محتاج بہرحال انسان ہی ہوگا۔ خدا یا خدا کا بیٹا کیوں مانا جائے؟

جو لوگ قرآن کو غیر معمولی پیدائش کا منکر ثابت کرنا چاہتے ہیں انہوں نے اپنی توجیہات کی ساری بنیاد اس مقدمہ پر رکھی ہے کہ رخصتی سے پہلے یوسف اور مریم میں زوجیت کا تعلق قائم ہو گیا تھا، اور یہ اگرچہ شریعت موسوی کے خلاف نہ تھا، لیکن وقت کے رواج کے خلاف ضرور تھا۔ اسی لئے لوگوں پر بچہ کی پیدائش گراں گزری، وہ اسے ناجائز حمل کا نتیجہ قرار دینے لگے، لیکن اول تو یہ محض ایک ظنی بنیاد ہے جس کے لئے تاریخی قرآن کا کوئی سہارا موجود نہیں، ثانیاً خود یہودیوں کی قدیم روایات بالکل اس کے خلاف جا رہی ہیں۔ انہوں نے حضرت مریم کو متہم کرتے ہوئے یوسف کا نام نہیں لیا تھا۔ بلکہ پنتھر اطالی کی طرف اشارہ کرتے تھے[۱]

بہرحال قرآن کو اس بارے میں منکر قرار دینا، شرح و تفسیر کا ایک ایسا اقدام ہے جس پر کسی طرح ایک دیانت دار شارح کا ضمیر مطمئن نہیں ہو سکتا۔

ہمیں قرآن کا مطالعہ نہ تو اس طرح کرنا چاہئے کہ اسے عجائب پرستوں کی داستان بنانے کے خواہشمند ہوں نہ عجائب پرستی کے الزام سے بچنے کے لئے اس درجہ مضطرب ہونا چاہئے کہ ہر بے محل سے بے محل توجیہہ قبول کر لیں قرآن عربی زبان کی ایک کتاب ہے اور دنیا کی تمام زبانوں کی طرح عربی الفاظ و تراکیب بھی ڈھلے ہوئے سانچے ہیں۔ اور اسلوب بیان کے معین اور قطعی دلالات پس چاہئے کہ علم و دیانت کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں، اور جو مطلب صاف صاف نکل رہا ہو اسے بغیر کسی جھجک کے قبول کر لیں اگر ہم نے بہ تکلف ایک بات اس کے منہ میں رکھ دی جسے خود اس کی زبان قبول نہیں کر رہی، تو گو ہم نے اپنے خیال میں ایک بات بنا لی ہو مگر فی الحقیقت بننے والی نہیں یہاں علم و حقیقت کی بے لاگ عدالت موجود ہے۔ وہ ہر بناوٹ کو اصلیت سے جدا کر دے گی باقی رہا یہ سوال کہ یہ اور اس طرح کے دوسرے معاملات کیونکر عقلاً تسلیم کئے جا سکتے ہیں؟ تو یہ ایک اصولی مبحث ہے، اور اس کا محل ترجمان القرآن نہیں، مقدمہ تفسیر ہے۔

---

[۱] Encyclopaedia Biblica

مفقود ٹکڑا مہیا کر دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم چوتھی صدی عیسوی کے اوائل تک سرگزشت کا یہ ٹکڑا بھی اسی طرح الہامی یقین کیا جاتا تھا، جس طرح بقیہ ٹکڑے یقین کئے جاتے ہیں۔

"متروک اناجیل" سے مقصود وہ انجیلیں ہیں جو پہلی صدی سے لے کر چوتھی صدی کے اوائل تک عیسائیوں میں رائج اور معمول تھیں۔ ۳۲۵ء میں نائسیا کی کونسل نے چار منتخب کر لیں، اور باقی متروک سمجھ لی گئیں۔ یہ انتخاب کسی تاریخی یا علمی اصل کی بنا پر نہیں کیا گیا تھا، بلکہ ایک طرح کی فال دیکھی گئی تھی، اور اس کا اشارہ فیصلہ کن تھا۔

(ب) قرآن کا جب ظہور ہوا، تو حضرت مسیح کے بارے میں عیسائیوں کے عام بنیادی عقاید یہ تھے:

اولاً بغیر باپ کے پیدائش۔

ثانیاً۔ مصلوب ہونے کے بعد پھر زندہ ہو جانا۔

ثالثاً۔ الوہیت مسیح اور اقانیم ثلاثہ۔

رابعاً۔ کفارہ، اور یہ اعتقاد کہ اب نجات کی راہ عمل نہیں، بلکہ مسیح کے کفارہ پر ایمان ہے۔

قرآن نے واقعہ صلیب کا رد کیا۔ اور کہا کہ وہ مصلوب نہیں ہوئے بلکہ حقیقت حال لوگوں پر مشتبہ ہو گئی۔ الوہیت اور ابنیت کا بھی رد کیا اور کہا ایسا کہنا صریح کفر ہے۔ کفارہ کا بھی رد کیا، اور جا بجا اس پر زور دیا کہ نجات کی بنیاد ایمان باللہ اور عمل ہے نہ کہ مسیح کے کفارہ کا اعتقاد۔ اب قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بغیر باپ کے پیدائش کا اعتقاد بھی انہی عقاید کی طرح باطل تھا، تو کیا ضروری نہ تھا کہ قرآن اسی صراحت کے ساتھ اس کا بھی رد کر دیتا جس صراحت کے ساتھ دوسرے عقاید کا کیا ہے؟ یقیناً ضروری تھا۔

لیکن قرآن نے اس کے رد میں ایک حرف نہیں کہا۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اگر اس پر نظر ڈالی جائے اور یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھی جائے کہ تذکرہ ایک ایسی پیدائش کا ہو رہا ہے جو بغیر باپ کے تسلیم کر لی گئی ہے تو بغیر کسی تامل کے تسلیم کر لینا پڑتا ہے کہ بیان کی صاف روح یہی ہے کہ قرآن اس عام اعتقاد کا منکر نہیں۔ کم از کم اس کا رجحان اس کے خلاف نہیں جا رہا۔

بلاشبہ قرآن میں یہ الفاظ کہیں نہیں ملتے کہ حضرت مسیح بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ یعنی کوئی ایسی مثبت تصریح نہیں جو اپنے منطوق میں ظاہر و قطعی ہو۔ سکی تینی آیتوں سے اس طرح کے اشارات نکل رہے ہیں، اگر انہیں ایک دوسرے سے الگ کر دیا جائے، تو ہر آیت کے مطلب کے لئے ایک دوسرا جامہ بھی تراش لیا جا سکتا ہے جیسا کہ مرحوم سید احمد خاں اور ڈاکٹر توفیق صدقی وغیرہما نے کوشش کی ہے لیکن جب تمام پر بہ حیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے اور محل کے قدرتی مقتضیات اور قرائن بھی پیش نظر ہوں، تو بلا تامل تسلیم کر لینا پڑتا ہے کہ قرآن اس اعتقاد کے حق میں ہے۔ اس سے منکر نہیں۔

پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ حضرت مسیح کی پیدائش کا معاملہ یہودیوں اور عیسائیوں میں بالکل متضاد سمتوں کا انتہائی گوشہ بن گیا تھا۔ یہودی ان کی پیدائش کو ناجائز تعلق کا نتیجہ قرار دیتے تھے۔ برخلاف اس کے عیسائی نہ صرف جائز بلکہ ایک ربانی معجزہ تصور کرتے تھے۔ قرآن کا فرض تھا کہ بہ حیثیت ایک ثالث کے دونوں میں فیصلہ کرے۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کر دیا۔ اس نے حضرت مریم کی پاکی کا اعلان کیا۔ ان اللہ اصطفاکِ وطہرکِ واصطفاکِ علی نساء العلمین (۳: ۴۲) یہودیوں کے الزام کو افتراء عظیم قرار دیا۔ وبکفرھم وقولھم علی مریم بھتانا عظیما (۴: ۱۵۶) اور پیدائش مسیح کی سرگزشت ٹھیک ٹھیک اسی طرح بیان کر دی جس طرح انجیل میں بیان کی گئی ہے قالت انی یکون لی غلام ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیا ۔ قال کذلک قال ربک ھو علی ھین ولنجعلہ آیۃ للناس ورحمۃ منا، وکان امرا مقضیا (۲۱) مریم نے فرشتہ سے کہا۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ میں مرد سے واقف نہیں؟ اس نے کہا ایسا ہی ہوگا روح القدس تجھ پر نازل ہوگی، اور خدا کی قدرت تجھے اپنے سایہ میں لے لے گی" (لوقا ۱: ۳۴) اب اگر یہودیوں کی طرح عیسائیوں کا اعتقاد بھی قرآن کے نزدیک غلط تھا، تو کیا ضروری نہ تھا کہ جس طرح اس نے یہودیوں کے الزام کا رد کیا، اسی طرح عیسائیوں کے غلو کا بھی صاف صاف رد کر دیتا؟ لیکن وہ اس کے رد میں ایک حرف نہیں کہتا، بلکہ پیدائش کی جس روئیداد سے عیسائیوں نے یہ اعتقاد پیدا کیا تھا، اسے حرف بحرف انجیل ہی کی طرح بیان کر دیتا ہے

اگر اس کے نزدیک حقیقت نہ تو وہ تھی جو یہودیوں نے بنائی، اور نہ وہ جو عیسائیوں نے سمجھی بلکہ ایک تیسری ہی بات تھی یعنی مریم کا ایسے

نا و حضرت
ی پیدائش

۱۰ - ۱۱ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَا مُوسَىٰ
۱۲ - ۱۳ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۖ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ۝ إِنَّنِي
۱۴ أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ۝ إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ
كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ۝ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَن لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ ۝ وَمَا تِلْكَ
۱۵ - ۱۶ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ ۝ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي
۱۷

اور (اے پیغمبر!) موسیٰ کی حکایت تونے سنی؟ جب اس نے (دور سے) آگ دیکھی تو اپنے گھر کے لوگوں سے کہا۔ "ٹھہرو، مجھے آگ دکھائی دی ہے، میں جاتا ہوں، ممکن ہے تمہارے لیے ایک انگارا لے آؤں (یا کم از کم) الاؤ
۱۰ پر کوئی راہ دکھانے والا ہی مل جائے"۔
پھر جب وہ وہاں پہنچا، تو اس وقت پکارا گیا
۱۱ (ایک آواز اٹھی کہ) "اے موسیٰ! میں ہوں تیرا پروردگار! پس اپنی جوتی اتار دے۔ تو طوٰی کی مقدس وادی میں
۱۲ کھڑا ہے اور دیکھ! میں نے تجھے (اپنی رسالت کے لئے) چن لیا ہے، پس جو کچھ وحی کی جاتی ہے، اسے کان لگا
۱۳ کر سن۔ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری ہی بندگی کر، اور میری ہی یاد کے لئے نماز
۱۴ قائم کر۔ بلاشبہ (مقررہ) وقت آنے والا ہے، میں اسے پوشیدہ رکھنے کو ہوں، تاکہ (لوگوں کے یقین و عمل کی آزمائش ہو جائے، اور) ہر شخص کی جیسی کچھ کوشش ہو، اسی
۱۵ کے مطابق بدلہ پائے"۔
"پس دیکھ! ایسا نہ ہو کہ جو لوگ اس وقت کے ظہور پر یقین نہ رکھتے ہوں اور اپنی خواہش کے بندے ہوں وہ تجھے بھی (قدم بڑھانے سے) روک دیں اور
۱۶ نتیجہ یہ نکلے کہ تو تباہ ہو جائے!"
"اور (صدائے غیبی نے پوچھا۔) اے موسیٰ! تیرے
۱۷ داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟"

(۲) آیت (۹) میں فرمایا کیا حضرت موسیٰ کی سرگزشت پر تم نے غور نہیں کیا؟ ان کی پوری سرگزشت کس طرح اس حقیقت کی مجسم شہادت ہے

پھر حضرت موسیٰ کی ابتدائی زندگی کا وہ واقعہ بیان کیا ہے جب وہ مدین کی بستی میں مقیم تھے اور اپنے خسر کا گلہ چرایا کرتے تھے اسی زمانہ میں ان کا گذر سینا کے قرب و جوار میں ہوا، اور وہیں یہ معاملہ پیش آیا۔ تورات میں اس جگہ کو "حورب" کہا ہے۔ یہ سینا کا مشرقی گوشہ تھا۔

تورات میں ہے کہ انہوں نے درخت میں آگ دیکھی اور متعجب ہو کر قریب گئے (خروج ۳:۳) لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے محض رفع تعجب کے لئے نہیں گئے تھے بلکہ آگ کی جستجو میں تھے۔ سورۂ نمل کی آیت ۷ سے مزید وضاحت ہو گئی ہے: وہ مع اہل و عیال کے بیابان میں تھے۔ رات ٹھنڈی تھی اور سوختہ رہے تھے، کہیں سے آگ مل جائے تو تاپنے کے لئے الاؤ جلائیں۔ اتنے میں دور پر ایک روشنی آگ کی طرح نظر آئی۔ یہ سمجھے وہ آگ ہے لیکن جب قریب پہنچے تو کارفرمائے قدرت نے پکارا۔ اے موسیٰ تو اس آگ کی چنگاری لے کر کیا کرے گا؟ تیرے ہاتھوں ایک دوسری ہی آگ روشن ہونے والی: انا اخترتک فاستمع لما یوحی:

بال بکشا و صفیر از شجر طوبیٰ زن!
حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسے!

(۳) جوتی اتار دینے کا حکم اس لئے ہوا کہ تعظیم کی جگہ ننگے پاؤں ہو جانا قدیم اور عام رسم تھی۔ چنانچہ بابل اور مصر میں بادشاہ کے حضور برہنہ پا ہو کر آتے تھے۔ تورات میں بھی اس حکم کا ذکر ہے (خروج ۳:۶)

(۴) آیت (۵) میں "الساعۃ" سے مقصود روز قیامت نہیں ہے

سُوْرَۃُ طٰہٰ[۱]

مکی - ۱۳۵ - آیات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۲ ۳ طٰہٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی ۝ اِلَّا تَذْكِرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی ۝ تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ
۴ ۵ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ۝ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ۝ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی
۶ ۷ الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ۝ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی ۝ اَللّٰهُ
۸ ۹ (رکوع ۱) لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۝ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰی ۝ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ

۱ طا ہا (یعنی اے شخص مخاطبؓ!) ہم نے تجھ پر قرآن
اس لئے نازل نہیں کیا کہ رنج و محنت میں پڑے۔ وہ تو اس
۲ لئے نازل ہُوا ہے کہ جو دل انکار و بدعملی کے نتائج
سے) ڈرنے والا ہے اس کے لئے نصیحت ہو (جو ڈرنے
والے نہیں وہ کبھی اس کی صداؤں پر کان نہیں دھرینگے)
۳ یہ اس ہستی کا اتارا ہُوا ہے جس نے زمین پیدا
کی اور بلندی کے آسمان الرحمان کہ (جہانداری کے)
۴-۵ تخت پر متمکن ہے! جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے
جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے جو کچھ مٹی کے نیچے
ہے (یعنی زمین کے نیچے ہے) سب اُسی کا ہے اور اُسی
کے لئے ہے!
۶ اور اگر تم پکار کے بات کہو تو اس کی سماعت
۷-۸ اس کی محتاج نہیں) کیونکہ وہ بھیدوں کا جاننے والا ہے۔ زیادہ سے زیادہ چھپے بھیدوں کو بھی! وہی اللہ ہے کوئی
۹ معبود نہیں ہے مگر صرف وہی۔ اس کے لئے حسن و خوبی کے نام ہیں!

(۱) بالاتفاق یہ سورت سورۂ مریم کے بعد نازل ہوئی ہے۔
اور مکی عہد کی وسطی تنزیلات میں سے ہے۔
یہ زمانہ تاریخ دعوت کا سب سے زیادہ پرآشوب زمانہ
تھا۔ انکار و جحود کا ہر طرف سے ہجوم تھا اور قبولیت کی رفتار
بہت ہی دھیمی اور محدود بھی، قدرتی طور پر یہ صورت حال پیغمبر اسلام
پر گراں گزرتی تھی۔ جو دل تمام نوع انسانی کی ہدایت کے لئے
پھڑک رہا تھا وہ اپنے قریبی ابنائے وطن کو بھی قبولیت کے لئے
آمادہ نہ پاتا تھا۔ کون ہے جو اس غم و اضطراب کا اندازہ کر سکتا
ہے جس کی مقدس آگ آپ کے قلب مبارک میں سلگ رہی ہوگی
۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد کی تمام تنزیلات تسکین و تشفی کی روح
سے معمور ہیں، اور یہی رُوح اس سورت میں بھی بول رہی ہے خطاب
براہ راست آپ سے ہے اور بالواسطہ آپ کے ساتھیوں سے۔
فرمایا قرآن اس لئے نازل نہیں ہوا ہے کہ تم اپنے کو رنج
و محنت میں ڈالو وہ تو نصیحت کی بات ہے جو مستعد ہیں قبول کرینگے
جنہوں نے استعداد کھودی وہ سننے والے نہیں۔ اور نتیجہ کا ظہور
اپنے وقت پر ہوگا۔

[۱] عربی میں "طاھا" ایک کلمہ ندا ہے کسی کو مخاطب کرنا ہو تو پکارتے ہیں " طاھا " یعنی اے شخص! چنانچہ ابن جریر نے اس شعر سے استشہاد
کیا ہے؛ دعوت بطاھا فی القتال فلم یجب فخفت علیه ان یکون موائلا
کلبی اور قطرب اس طرف گئے ہیں کہ یہ قبیلہ عکل، عک اور طے کی زبان میں بولا جاتا ہے، اور ابن الانباری نے تصریح کی ہے کہ لغۃ قریش وافقت
تلک اللغۃ فی ہذا المعنی حضرت ابن عباس اور اکثر ائمہ تابعین سے بھی ایسا ہی منقول ہے (ابن جریر)

قَالَ قَدۡ اُوۡتِيۡتَ سُؤۡلَكَ يٰمُوۡسٰى ۞ وَلَقَدۡ مَنَنَّا عَلَيۡكَ مَرَّةً اُخۡرٰٓى ۞ اِذۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوۡحٰٓى ۞ ٣٦-٣٧-٣٨
اَنِ اقۡذِفِيۡهِ فِى التَّابُوۡتِ فَاقۡذِفِيۡهِ فِى الۡيَمِّ فَلۡيُلۡقِهِ الۡيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاۡخُذۡهُ عَدُوٌّ لِّىۡ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ
وَاَلۡقَيۡتُ عَلَيۡكَ مَحَبَّةً مِّنِّىۡ ۚ وَلِتُصۡنَعَ عَلٰى عَيۡنِىۡ ۞ اِذۡ تَمۡشِىۡۤ اُخۡتُكَ فَتَقُوۡلُ هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰى مَنۡ ٣٩
يَّكۡفُلُهٗ ؕ فَرَجَعۡنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَىۡ تَقَرَّ عَيۡنُهَا وَلَا تَحۡزَنَ ۚ وَقَتَلۡتَ نَفۡسًا فَنَجَّيۡنٰكَ مِنَ الۡغَمِّ وَ
فَتَنّٰكَ فُتُوۡنًا ۚ فَلَبِثۡتَ سِنِيۡنَ فِىۡۤ اَهۡلِ مَدۡيَنَ ۚ ثُمَّ جِئۡتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوۡسٰى ۞ وَاصۡطَنَعۡتُكَ ٤٠
لِنَفۡسِىۡ ۞ اِذۡهَبۡ اَنۡتَ وَاَخُوۡكَ بِاٰيٰتِىۡ وَلَا تَنِيَا فِىۡ ذِكۡرِىۡ ۞ ٤١-٤٢

ارشاد ہوا "اے موسیٰ! تیری درخواست منظور ہوئی۔ اور (تجھے معلوم ہے) ہم تجھ پر پہلے بھی ایک مرتبہ کیسا احسان ٣٦
کر چکے ہیں؟ ہم تجھے بتاتے ہیں، اس وقت کیا ہوا تھا، جب ہم نے تیری ماں کے دل میں بات ڈال دی تھی۔ ہم نے ٣٧-٣٨
اسے سمجھایا تھا کہ بچے کو ایک صندوق میں ڈال دے اور صندوق کو دریا میں چھوڑ دے۔ دریا اُسے کنارے پر دھکیل
دے گا۔ پھر اسے وہ اٹھا لے گا۔ جو میرا (یعنی میری قوم کا) دشمن ہے۔ نیز اس بچہ کا بھی دشمن اور (اے موسیٰ!) ہم نے اپنے
فضل خاص سے تجھ پر محبت کا سایہ ڈال دیا تھا (کہ اجنبی بھی تجھ سے محبت کرنے لگے) اور یہ اس لئے تھا کہ ہم چاہتے
تھے تو ہماری نگرانی میں پرورش پائے۔ تیری بہن جب وہاں سے گزری تو (یہ ہماری ہی کارفرمائی تھی کہ) اس نے ٣٩
(فرعون کی لڑکی سے) کہا۔ میں تمہیں ایسی عورت بتلا
دوں جو اسے پالے پوسے؟ اور اس طرح ہم نے تجھے
پھر تیری ماں کی گود میں لوٹا دیا کہ اس کی آنکھیں
ٹھنڈی رہیں اور (بچے کی جدائی سے) غمگین نہ ہو۔ پھر
دیکھ! ایسا ہوا کہ تو نے (مصر میں) ایک آدمی مار ڈالا
ہم نے تجھے اس معاملہ کے غم سے نجات دی اور تجھے ہر
طرح کی حالتوں میں ڈال کر آزمایا۔ پھر تو کئی برس تک
مدین کے لوگوں میں رہا۔ بالآخر (وہ وقت آگیا) کہ
اے موسیٰ! تو (مقررہ) اندازہ پر پورا اتر آیا۔ ٤٠
اور (دیکھ اس طرح) میں نے تجھے اپنے لئے (یعنی
اپنے خاص کام کے لئے) بنایا اور تیار کیا ہے۔ اب تو ٤١
اور تیرا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جائیں اور
میری یاد میں کوتاہی نہ کریں"۔ ٤٢

(٧) حضرت موسیٰ کو ان کی پیدائش کا واقعہ اس لئے یاد دلایا گیا کہ انہیں معلوم ہو جائے مشیت الٰہی کا ہاتھ اول دن سے انہیں چن چکا ہے، اور ایسے عجیب و غریب حالات ہی ان کی پرورش ہوئی ہے جو بغیر قدرت کی کرشمہ سازیوں کے ظہور میں نہیں آسکتے۔ پھر ان کا مصر سے نکلنے پر مجبور ہونا اور مدین کے بیابانوں میں صحرا کی زندگی بسر کرنا بھی اسی لئے تھا کہ پیش آنے والے معاملہ کے لئے ان ساری باتوں کی ضرورت تھی جب یہ سب کچھ ہو چکا اور شخصیت تیار ہو گئی۔ تو پردۂ غیب چاک ہوا، اور ندائے حق نے نمودار ہو کر کام پر لگا دیا۔ چنانچہ اسی لئے فرمایا۔ وفتنٰک فتونا ہم نے تجھے ہر طرح کی حالتوں میں ڈال کر آزمایا۔ ثم جئت علی قدر یاموسیٰ (۴٠) پھر بالآخر تم اس اندازہ پر ٹھیک اتر آئے جو تمہاری تکمیل کے لئے ٹھہرا دیا گیا تھا۔ اس کے بعد فرمایا۔ واصطنعتک لنفسی میں نے تجھے اپنے لئے بنایا اور تیار کیا۔ "اپنے لئے" یعنی اپنے کام کے لئے کائنات کی ہر چیز اللہ ہی کے لئے بنتی ہے، لیکن جن انسانوں کا ظہور اس لئے ہوتا ہے کہ اس کی سچائی اور عدالت کے قیام کا ذریعہ ہوں، انہیں وہ خصوصیت کے ساتھ اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور یہ وحی کی عام اصطلاح ہے گویا قدرت انہیں اس لئے بناتی ہے کہ اور کسی کام کے لئے نہ ہوں۔ صرف اسی ایک کام کے لئے پیدا ہوں۔

وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ ۝ قَالَ أَلْقِهَا يٰمُوسَىٰ ۝ فَأَلْقٰهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ ۝ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۱۸-۱۹-۲۰
سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ۝ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوٓءٍ اٰيَةً ۲۱
أُخْرَىٰ ۝ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرَىٰ ۝ اِذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۝ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ع ۲۴ / ۱۰
وَيَسِّرْ لِيٓ أَمْرِي ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي ۝ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝ وَاجْعَلْ لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۝ ۲۶-۲۷
هٰرُونَ أَخِي ۝ اشْدُدْ بِهٖٓ أَزْرِي ۝ وَأَشْرِكْهُ فِيٓ أَمْرِي ۝ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ۝ وَّنَذْكُرَكَ ۲۸-۲۹ ۳۰-۳۱ ۳۲-۳۳
كَثِيرًا ۝ إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا ۝ ۳۴-۳۵

۱۸ عرض کیا "میری لاٹھی ہے چلنے میں اس کا سہارا لیتا ہوں اسی سے اپنی بکریوں کے لئے درختوں کے پتے جھاڑ لیتا ہوں میرے لئے اس میں اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں"۔[1]

جیسا کہ مفسروں نے سمجھا ہے بلکہ وہ وقت ہے جو بنی اسرائیل کی نجات اور فرعون کی شکست کے لئے ظہور میں آنے والا تھا۔ چنانچہ سیاق و سباق صاف اس کی شہادت دے رہا ہے۔

۱۹ حکم ہوا "اے موسیٰ اسے ڈال دے"۔

۲۰ موسیٰ نے ڈال دیا، اور کیا دیکھتا ہے ایک سانپ ہے جو دوڑ رہا ہے!

۲۱ حکم ہوا "اسے اب پکڑ لے، خوف نہ کھا ہم اسے پھر اس کی اصلی حالت پر کئے دیتے ہیں"۔

۲۲ اور (نیز حکم ہوا) "اپنا ہاتھ اپنے پہلو میں رکھ اور پھر نکال، بغیر اس کے کہ کسی طرح کا عیب ہو چمکتا ہوا نکلے گا۔ یہ (تیرے لئے) دوسری نشانی ہوئی (اور یہ دونوں نشانیاں) اس لئے (دی گئی ہیں) کہ آئندہ تجھے اپنی

۲۳ قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں"۔

(۵) مصر کی غلامی نے بنی اسرائیل کے اخلاق و عواطف بالکل پژمردہ کر دئے تھے عزم و ہمت کا کوئی ولولہ ان میں باقی نہیں رہا تھا جب حضرت موسیٰ نے فتح و اقبال کے آنے والے وقت کی بشارت سنائی تو اکثروں کو یقین نہیں آیا چونکہ یہ بات علم الٰہی میں تھی اس لئے یہاں آیت (۶) میں پہلے سے خبردار کر دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو ایسے لوگوں کی محرومیاں تمہیں بھی اقدام عمل سے روک دیں۔

(۶) لاٹھی۔ سانپ بنتے، ہتھیلی کے چمک اٹھنے اور ہارون کے وزیر و شریک ہونے کا ذکر تورات میں بھی ہے (خروج ۴) نیز یہ کہ خدا نے فرمایا "اب تو جا میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں (خروج ۳: ۱۰)

"رب اشرح لی صدری" کی تشریح سورۂ الم نشرح میں ملیگی۔

۲۴ (نیز حکم ہوا) "اے موسیٰ! تو فرعون (یعنی پادشاہ مصر) کی طرف جا۔ وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے"۔

موسیٰ نے عرض کیا "اے پروردگار! میرا سینہ کھول دے (کہ بڑے سے بڑا بوجھ اٹھانے کے لئے مستعد
۲۵-۲۶ ہو جاؤں) میرا کام میرے لئے آسان کر دے (کہ راہ کی کوئی دشواری بھی غالب نہ آسکے) میری زبان کی گرہ کھول دے
۲۷-۲۸ کہ (خطاب و کلام میں پوری طرح رواں ہو جائے اور) میری بات لوگوں کے دلوں میں اتر جائے نیز میرے گھر والوں
۲۹-۳۰-۳۱ میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے۔ اس کی وجہ سے میری قوت مضبوط ہو جائے وہ میرے کام
۳۲-۳۳ میں میرا شریک ہو۔ ہم (دونوں یکدل ہو کر) تیری پاکی اور بڑائی کا بکثرت اعلان کریں، تیری یاد میں زیادہ
۳۴-۳۵ سے زیادہ لگے رہیں۔ اور بلاشبہ تو ہمارا حال دیکھ رہا ہے (ہم سے کسی حال میں غافل نہیں)

[1] دیدہ و دانستہ حکایت دراز تر گفتیم - چنانکہ حرفِ عصا گفت موسیٰ اندر طور!

الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ
٥١ - ٥٣ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ
شَتّٰى ۝ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ۝ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا
٥٣ ٥٤ نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ۝ قَالَ اَجِئْتَنَا
٥٥ - ٥٦ لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ۝ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا
٥٧ لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَاۤ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۝
٥٨

زمانوں میں گزر چکے ہیں"؟ [illegible]
(تمہاری اس دعوت سے پہلے گزر چکے ہیں۔)
٥١ موسیٰ نے کہا "اس بات کا علم میرے پروردگار کے پاس نوشتہ میں ہے۔ میرا پروردگار ایسا نہیں کہ کھویا جائے۔ یا بھول میں پڑ جائے"۔

٥٢ "وہ پروردگار جس نے تمہارے لئے زمین بچھونے کی طرح بچھا دی نقل و حرکت کے لئے اس میں راہیں نکال دیں آسمان سے پانی برسایا، اس کی آبپاشی سے ہر طرح کی نباتات کے جوڑے پیدا کر دیے خود بھی
٥٣ کھاؤ اور اپنے مویشی بھی چراؤ۔ اس بات میں عقل والوں کے لئے کیسی کھلی نشانیاں ہیں؟ اس نے اسی زمین سے
٥٤ تمہیں پیدا کیا، اسی میں لوٹاتا ہے اور پھر اسی سے دوسری مرتبہ اٹھائے جاؤ گے"۔

ان کی راہنمائی کرتی ہیں: من نطفۃ خلقہ، فقدرہ، ثم السبیل یسرہ (۸۰: ۱۹) الذی خلق فسوی والذی قدر فھدی (۸۷: ۲) مزید تشریح کے لئے دیکھو تفسیر فاتحہ۔

(۱۱) پھر ان کا کیا حال ہونا ہے جو پچھلے زمانوں میں گزر چکے ہیں (۵۱) یعنی اگر پروردگار عالم وہی ہے جس کا تم نام لے رہے ہو تو یہ بات [illegible] کہ وہ سب گمراہی میں پڑے؟ "علمھا عند ربی فی کتاب" حضرت موسیٰ نے کہا "مجھے کیا معلوم ان کا کیا حال تھا، اور انہیں کیا پیش آئے گا؟ اور ہمیں اس کی فکر کیوں ہو اس کا علم اللہ کے نوشتہ میں ہے ہر فرد اور ہر گروہ اپنی حالت کے مطابق اپنا نتیجہ پائے گا۔ ہم اپنی فکر کریں۔ پچھلوں کی فکر میں کیوں پڑیں؟ لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون (۲: ۱۳۴)

اس مکالمہ سے اندازہ کرو کہ انبیاء کا طریق موعظت مجادلہ و مناظرہ کے طریقہ سے کس درجہ مختلف ہے؟

ہمارے بزرگوں کو معلوم نہ تھی

٥٥ اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے فرعون کو اپنی ساری نشانیاں دکھائیں مگر اس پر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کیا۔ اس نے کہا "اے موسیٰ! کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہمیں ہمارے
٥٦ ملک سے نکال باہر کرے؟ اچھا ہم بھی اسی طرح کے جادو کا کرتب تجھے لا دکھائیں گے۔ ہمارے اور اپنے درمیان
٥٧ ایک دن (مقابلہ کا) مقرر کر دے۔ نہ تو ہم اس سے پھریں نہ تو۔ دونوں کی جگہ برابر ہو گی"[۱]
٥٨

[۱] اصل میں "مکانا سوی" ہے اس کا ترجمہ مفسروں نے ہموار جگہ کیا ہے لیکن اسلوب کلام اس ترجمہ کے حق میں ہے جو ہم نے اختیار کیا ہے قال سیبویہ: یقال سوی و سوی۔ ای عدل یعنی عدلا بین المکانین۔ قال زہیر:
اروناخطۃ لا ضیم فیھا یسوی بیننا فیھا السواء

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ ۴۳ - ۴۴
اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ۝ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا ۴۵ - ۴۶
رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۥ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ وَالسَّلٰمُ عَلٰى
مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا ۴۷ - ۴۸
يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝ قَالَ فَمَا بَالُ ۴۹ - ۵۰

زندہ ہیں، اور جان دے دیں !

ہاں تم دونوں یعنی موسیٰ اور ہارون کو کیونکہ
اب دونوں اکٹھے ہو گئے تھے اور مصر کے قریب وحی
الٰہی نے دوبارہ مخاطب کیا تھا) فرعون کے پاس جاؤ۔ وہ سرکشی میں بہت بڑھ چلا ہے پھر جب اس کے پاس پہنچو ۴۳
تو (سختی کے ساتھ پیش نہ آنا) نرمی سے بات کرنا۔ (تمہیں
کیا معلوم؟) ہو سکتا ہے کہ نصیحت پکڑ لے یا (عواقب
سے) ڈر جائے"۔ ۴۴
دونوں نے عرض کیا "پروردگار! ہمیں اندیشہ
ہے فرعون ہماری مخالفت میں جلدی نہ کر بیٹھے یا سرکشی
سے پیش آئے"۔ ۴۵
ارشاد ہوا "کچھ اندیشہ نہ کرو۔ میں تمہارے ساتھ
ہوں، میں سب کچھ سنتا ہوں، سب کچھ دیکھتا ہوں۔ تم اس ۴۶
کے پاس (بے دھڑک) جاؤ اور کہو ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ پس بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ رخصت
کر دے اور ان پر سختی نہ کر۔ ہم تیرے پروردگار کی نشانی لے کر تیرے سامنے آ گئے۔ اس پر سلامتی ہو جو سیدھی ۴۷
راہ اختیار کرے۔ جو کوئی جھٹلائے اور سرتابی کرے تو ہم پر وحی اتر چکی اس کے لئے عذاب کا
پیام ہے"! ۴۸
(چنانچہ وہ گئے، اور) فرعون نے پوچھا "اگر ایسا ہی ہے تو بتلاؤ تمہارا پروردگار کون ہے اے موسیٰ؟" ۴۹
موسیٰ نے کہا "ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر
چیز کو اس کی خلقت بخشی، پھر اس پر (زندگی و عمل کی)
راہ کھول دی"۔ ۵۰
فرعون نے کہا "پھر ان کا کیا حال ہونا ہے جو پچھلے

(۸) آیت (۴۴) انبیاء کے طریق دعوت کی اصل الاصول ہے۔ تشریح اسکی پچھلی سورتوں میں گزر چکی۔ یاد رہے جس فرعون کی طرف اب حضرت موسیٰ جا رہے ہیں یہ وہ نہیں ہے جس کے محل میں ان کی پرورش ہوئی تھی وہ مر چکا تھا اور دوسرا فرعون تخت نشین ہو چکا تھا۔

(۹) ادھر تو حضرت موسیٰ کو یہ حکم ہوا اور مصر کی طرف چلے۔ ادھر مصر میں حضرت ہارون کو اشارہ غیبی ہوا کہ موسیٰ کی جستجو میں نکلیں چنانچہ راہ میں دونوں کی ملاقات ہو گئی۔ اب چونکہ دونوں یکجا ہو چکے تھے اس لئے وحی الٰہی نے دوسری مرتبہ مخاطب کیا تو دونوں کو کیا پس آیت (۴۳) میں اذہبا کا خطاب پہلے واقعہ سے تعلق نہیں رکھتا۔ بعد کا واقعہ ہے۔

(۱۰) حضرت موسیٰ نے تین چار لفظوں میں جو کچھ کہہ دیا کیا اس سے زیادہ دنیا کی کوئی زبان خدا کے بارے میں کچھ کہہ سکتی ہے؟ پروردگار وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کا وجود بخشا اور پھر اسکی زندگی و بقا کے لئے جن جن باتوں کی ضرورت تھی ان سب کی راہ اس پر کھول دی" یعنی الہام، وجدان، ایسے حواس اور عقلی و معنوی قوتیں جو

۷۰ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۝ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ
لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ
۷۱ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ۝ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰي مَا جَاۗءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ
۷۲ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۭ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ
۷۳ الثلثة اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا
۷۴-۷۵ وَلَا يَحْيٰى ۝ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ

چنانچہ (ایسا ہی نتیجہ نکلا) تمام جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور پکارے ”ہم ہارون کے خدا پر
ایمان لائے!“
۷۰ فرعون نے کہا ”تم بغیر میرے حکم کے موسیٰ پر ایمان لے آئے؟ ضرور یہ تمہارا سردار ہے جس نے تمہیں جادو
سکھایا ہے! اچھا، دیکھو، میں کیا کرتا ہوں۔ میں تمہارے
ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کٹواؤں گا، اور کھجور کے تنوں
پر سولی دوں گا[1]۔ پھر تمہیں پتہ چلے گا، ہم دونوں میں
کون سخت عذاب دینے والا ہے اور کس کا عذاب دیرپا ہے“
۷۱ انہوں نے کہا ”ہم یہ کبھی نہیں کر سکتے کہ سچائی کی
جو روشن دلیلیں ہمارے سامنے آگئی ہیں اور جس خدا نے ہمیں پیدا کیا ہے اس سے منہ موڑ کر تیرا حکم مان لیں۔
تو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے کر گزر۔ تو زیادہ سے زیادہ جو کر سکتا ہے وہ یہی ہے کہ دنیا کی اس زندگی کا فیصلہ
کر دے (اس سے زیادہ تیرے اختیار میں کچھ نہیں) ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے کہ ہماری خطائیں
۷۲ بخشدے خصوصاً جادوگری کی خطا جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا۔ ہمارے لئے اللہ ہی بہتر ہے اور وہی باقی
رہنے والا ہے!“
۷۳ کچھ شک نہیں جو شخص اپنے پروردگار کے حضور مجرم ہو کر حاضر ہوگا تو یقیناً اس کے لئے دوزخ ہوگی۔
۷۴ نہ تو اس میں مرے گا۔ نہ زندہ رہے گا۔ (دونوں حالتوں کے درمیان سسکتا رہے گا!) اور جو کوئی اس کے حضور مومن
ہو کر حاضر ہوگا، اور اس کے کام بھی اچھے رہے ہونگے تو یقیناً ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے بڑے بڑے درجے ہونگے
۷۵ ہمیشگی کے گلزار جن کے تلے نہریں رواں ہیں! وہ

(۱۳۱) سورہ اعراف میں گزر چکا ہے کہ شکست کھانے کے بعد فرعون نے جادوگروں سے کہا یہ تمہاری ملی بھگت ہے، کہ موسیٰ کو جتا دیا۔ (۷: ۱۲۳) یہاں اس کے قول کا دوسرا حصہ نقل کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے موسیٰ تمہارا سردار ہے۔ تم جادو میں اس کے شاگرد ہو۔ اسی لئے اس کے آگے گر پڑے۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ عوام پر حقیقت حال مشتبہ کر دے اور شکست کی ذلت چھپائے۔

(۱۳۲) جادوگروں کا مقولہ آیت (۷۳) پر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد کی

[1] جس طرح اردو میں کہتے ہیں۔ تمہاری لاش درخت پر لٹکائی جائے گی، اسی طرح عربی محاورہ ہے کہ کھجور کے تنہ پر سولی دی جائے گی۔ کیونکہ عرب میں زیادہ تر درخت کھجور ہی کے ہوتے ہیں۔ سوید بن ابی کاہل کہتا ہے:

وهم صلبوا العبدی فی جذع نخلة — فلا عطست شیبان الا باجدعا

٥٩ - ٦٠ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَن يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝ فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهُ ثُمَّ أَتَىٰ ۝ قَالَ لَهُم
٦١ مُّوسَىٰ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُم بِعَذَابٍ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَىٰ ۝ فَتَنَازَعُوا أَمْرَهُم
٦٢ بَيْنَهُمْ وَأَسَرُّوا النَّجْوَىٰ ۝ قَالُوا إِنْ هَٰذَانِ لَسَاحِرَانِ يُرِيدَانِ أَن يُخْرِجَاكُم مِّنْ أَرْضِكُم بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا
٦٣ - ٦٤ بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلَىٰ ۝ فَأَجْمِعُوا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوا صَفًّا ۚ وَقَدْ أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلَىٰ ۝ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِمَّا أَن
٦٥ تُلْقِيَ وَإِمَّا أَن نَّكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَلْقَىٰ ۝ قَالَ بَلْ أَلْقُوا ۖ فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن
٦٦ - ٦٧ - ٦٨ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ۝ فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنتَ الْأَعْلَىٰ ۝ وَأَلْقِ مَا
٦٩ فِي يَمِينِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوا ۖ إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدُ سَاحِرٍ ۖ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ ۝

موسیٰ نے کہا، جشن کا دن تمہارے لئے مقرر ہوا۔ دن چڑھے لوگ اکٹھے ہو جائیں۔
پھر فرعون نے ان سے رخ پھیرا، اپنے تمام داؤ جمع کئے، پھر (وقت مقرر پر مقابلہ کے لئے) نمودار ہوا
موسیٰ نے (میدان کی بھیڑ کو مخاطب کرتے ہوئے) کہا: "افسوس تم پر! (تم کیا کر رہے ہو) دیکھو اللہ پر جھوٹی تہمت
٦١ نہ لگاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی عذاب بھیج کر تمہاری جڑ اکھاڑ دے۔ جس کسی نے جھوٹ بات بنائی وہ ضرور نامراد ہوا"
٦٢ (یہ سن کر لوگ آپس میں رد و کد کرنے لگے اور پوشیدہ سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔ پھر (درباری) بولے "یہ دونوں
بھائی ضرور جادوگر ہیں یہ چاہتے ہیں اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کریں اور پھر تمہارے
٦٣ شرف و عظمت کے مالک ہو جائیں۔ پس اپنے سارے داؤ جمع کرو۔ اور پرا باندھ کر ڈٹ جاؤ۔ جو آج بازی لے گیا۔
(۶)
٦٤ وہی کامیاب ہوگا"
٦٥ جادوگروں نے کہا "اے موسیٰ! یا تو تم پہلے اپنی لاٹھی پھینکو یا پھر ہماری ہی طرف سے پہل ہو"۔
موسیٰ نے کہا "نہیں تم ہی پہلے پھینکو"۔
چنانچہ (انہوں نے اپنا کرتب دکھایا اور) اچانک موسیٰ کو ان کے جادو کی وجہ سے ایسا دکھائی دیا کہ ان
٦٦ کی رسیاں اور لاٹھیاں (سانپ کی طرح) دوڑ رہی ہیں؛

موسیٰ نے اپنے اندر ہراس محسوس کیا (کہ اس منظر
٦٧ سے لوگ متاثر ہو جائیں) ہم نے کہا "اندیشہ نہ کر تو ہی
غالب رہے گا تیرے دہنے ہاتھ میں جو لاٹھی ہے فوراً پھینک
٦٨ دے جادوگروں کی تمام بناوٹیں نگل جائے گی انہوں نے جو
کچھ بنایا ہے محض جادوگروں کا فریب ہے اور جادوگر
٦٩ کسی راہ سے آئے کبھی کامیابی نہیں پا سکتا"!

(۱۳) "یخیل الیہ من سحرھم" (۶۶) یعنی جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ نہیں بن گئیں تھیں بلکہ ان کی شعبدہ گری کی وجہ سے دیکھنے والا خیال کرنے لگتا، سانپ کی طرح حرکت کر رہی ہیں، چنانچہ آگے چل کر کہا: "انما صنعوا کید ساحر ولا یفلح الساحر حیث اتی"۔ یہ جادوگروں کا فریب تھا ہے اور جادوگر کیا ہی تماشے دکھائے، حقیقت کی طرح کامیاب نہیں ہو سکتا۔ سورۂ اعراف میں اس واقعہ کی تشریحات گزر چکی ہیں اور آئندہ سورتوں میں مزید تشریحات ملیں گی۔

٨٤ اَثَرِیْ وَعَجِلْتُ اِلَیْكَ رَبِّ لِتَرْضٰی ۝ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ
٨٥ السَّامِرِیُّ ۝ فَرَجَعَ مُوْسٰۤی اِلٰی قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَمْ یَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ
اَفَطَالَ عَلَیْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ یَّحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ ۝ قَالُوْا
٨٦ مَاۤ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَاۤ اَوْزَارًا مِّنْ زِیْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَی
السَّامِرِیُّ ۝ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَاۤ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰی ۵
٨٧

نقش قدم پر ہیں اور اے پروردگار! میں نے تیرے حضور
٨٤ آنے میں جلدی کی کہ تو خوش ہو۔"

فرمایا "مگر ہم نے تیرے پیچھے تیری قوم کی (استقامت
٨٥ کی) آزمایش کی اور سامری نے اسے گمراہ کر دیا ہے۔"

پس موسیٰ خشمناک اور افسوس کرتا ہوا قوم کی طرف لوٹا۔ اس نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! (یہ تم نے کیا کیا؟) کیا تم سے تمہارے پروردگار نے ایک بڑی بھلائی کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ پھر کیا ایسا ہوا کہ تم پر بڑی مدت گزر گئی (اور تم اسے یاد نہ رکھ سکے؟) یا یہ بات ہے
٨٦ کہ تم نے چاہا، تمہارے پروردگار کا غضب تم پر آنازل ہو اور اس لئے تم نے مجھ سے ٹھہرائی ہوئی بات توڑ ڈالی؟"

انہوں نے کہا "ہم نے خود اپنی خواہش سے عہد شکنی نہیں کی۔ بلکہ (ایک دوسرا ہی معاملہ پیش آیا، مصری) قوم کی زیب و زینت کی چیزوں کا ہم پر بوجھ پڑا تھا (یعنی بھاری بھاری زیوروں کا جو مصر میں پہنے جاتے تھے۔ ہم اس بوجھ کے رکھنے کے خواہشمند نہ تھے) وہ ہم نے پھینک دیا۔ (بس ہمارا اتنا ہی قصور ہے)

چنانچہ اس طرح (جب سونا فراہم ہو گیا تو) سامری نے اسے (آگ میں) ڈالا، اور ان کے لئے ایک (سنہرا) بچھڑا (بنا کر) نکال لایا۔ محض ایک بیجان دھڑ جس سے
٨٧ گائے کی سی آواز نکلتی تھی!

لوگ یہ دیکھ کر بول اٹھے "یہ ہے ہمارا معبود اور

بھلائے سے گئے تو قوم کو حضرت ہارون کی نگرانی میں چھوڑ گئے تھے ان کی عدم موجودگی میں سامری کا فتنہ ظہور میں آیا یہاں آیت ۸۳ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت موسیٰ جب قوم کو پیچھے چھوڑ کر طور پر پہنچ گئے، تو وحی الٰہی نے انہیں مخاطب کیا "کس بات نے تجھے قوم کی طرف سے اس درجہ مطمئن کر دیا کہ فوراً انہیں چھوڑ کر چلا آیا؟" حضرت موسیٰ جو پیش آنے والے واقعہ سے بے خبر تھے بولے "میں نے مقررہ وقت پر آنے میں جلدی کی تو رضامند ہو اور قوم میرے نقش قدم پر چل ہی رہی ہے۔" فرمایا "ہاں مگر قوم کا یہ حال ہے کہ اتنے ہی دنوں میں گمراہ ہو گئی۔"

(۱۶۱) آیت ۸۷ میں "فقذفناها" تک لوگوں کا جواب ہے اس کے بعد "فکذلک" سے قرآن واقعہ کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ یہ لوگوں کے جواب کا ٹکڑا نہیں۔ صرف اتنی سی بات پر غور نہ کرنے کی وجہ سے مفسروں اور مترجموں نے اس مقام کا پورا مطلب خلط کر دیا، اور اسلوب کلام کی بھی ساری کل بگڑ گئی۔ اب ہم نے جس طرح ترجمہ کیا ہے اس پر غور کرو۔ مصری گردن اور پرستش بھاری

لہ جب لوگ آپس میں باتیں کرتے ہیں تو اردو محاورہ یہ ہے کہ کہتے ہیں "ہمیں ایسا کرنا چاہئے" اور "ہمارا ایسا حال ہو رہا ہے" لیکن عربی میں اس موقعہ پر "ہم" نہیں بلکہ "تم" کہیں گے۔ مثلاً "آپس میں لوگوں نے کہا تمہیں ایسا کرنا چاہئے" چنانچہ برادران یوسف نے آپس میں مشورہ کرتے ہوئے کہا تھا "اقتلوا یوسف" اور "تکونوا من بعدہ قوماً صالحین" (۹) "آؤ، یوسف کو مار ڈالیں اس کے بعد ہماری ساری باتیں سدھر جائیں گی" اسی طرح اسی سورت کی آیت (۶۲) میں بھی اردو کے محل متکلم کی جگہ ضمیر خطاب جابجا آ چکی ہے۔ یہاں بھی اصل میں "الا حکم" (بقیہ برصفحہ ۴۵۹)

ع ۳/۲۲/۱۲

٧٦ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۥ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ
٧٧ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ۝ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ
٧٨-٧٩ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۝ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ۝ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ
٨٠ وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۝ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا
٨١ تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝ وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ
٨٢-٨٣ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هُمْ اُولَاۗءِ عَلٰٓي

ہمیشہ اسی میں رہیں گے یہ ہے اس کا بدلہ جو (زندگی میں
٧٦ ہر طرح کی آلودگیوں سے) پاک رہا۔
اور (پھر دیکھو) ہم نے موسیٰ پر وحی بھیجی تھی کہ (اب)
میرے بندوں کو راتوں رات (مصر سے) نکال لے جا۔ پھر سمندر
میں ان کے گزرنے کے لئے خشکی کی راہ نکال لے نہ تو تعاقب
٧٧ کرنے والوں سے اندیشہ ہوگا، نہ اور کسی طرح کا خطرہ۔
پھر جب موسیٰ اپنی قوم کو لے کر نکل گیا، تو فرعون نے
اپنے لشکر کے ساتھ اس کا پیچھا کیا۔ پس پانی کا ریلا جیسا
کچھ ان پر چھانے والا تھا، چھا گیا (یعنی جو کچھ ان پر گزرنی تھی
٧٨-٧٩ گزر گئی) اور فرعون نے اپنی قوم پر راہ (نجات) گم کر دی۔ انہیں سیدھی راہ نہیں دکھائی!
اے بنی اسرائیل! میں نے تمہارے دشمن سے نجات بخشی تم سے (برکتوں اور کامرانیوں کا) وعدہ کیا جو کوہ
٨٠ طور کے دہنی جانب (الواح) میں آیا تھا۔ تمہارے لئے (صحرائے سینا میں) "من" اور "سلویٰ" مہیا کر دیا۔ تمہیں کہا گیا: یہ
پاک غذا مہیا کر دی گئی ہے بشوق سے کھاؤ مگر اس بارے میں سرکشی نہ کرو۔ کرو گے تو میرا غضب نازل ہو جائیگا،
٨١ اور جس پر میرا عذاب نازل ہوا تو بس وہ (ہلاکت میں) گرا!
٨٢ اور (میں نے کہا)، جو کوئی توبہ کرے ایمان لائے، نیک عمل ہو، تو میں یقیناً اس کے لئے بڑا ہی بخشنے والا ہوں
اور جب موسیٰ طور پر حاضر ہوا۔ تو ہم نے پوچھا:
"اے موسیٰ! کس بات نے تجھے جلدی پر ابھارا اور تو قوم کو
٨٣ پیچھے چھوڑ کر چلا آیا؟"
موسیٰ نے عرض کیا "وہ مجھ سے دور نہیں۔ میرے

کی ہیں آیتوں میں ان کے ایمان باللہ اور امید مغفرت و رضوان کی تصدیق کی ہے اور واضح کیا ہے کہ عذاب اخروی انہی کے لئے ہے جو زندگی میں مجرم رہے جو ایمان لے آئے اور نیک عملی اختیار کر لی تو ان کے لئے درجوں کی بلندی اور روحانی زندگی کی کامرانیاں ہوں گی۔

اس میں اشارہ ہے کہ سحرۂ فرعون کا اللہ کے حضور بڑا درجہ ہوا۔ کیونکہ انہوں نے مقبولیت حق کی استعداد اور اس کی استقامت دونوں کا ثبوت دیدیا۔ ان کا کفر ساری زندگی کا کفر تھا، اور ایمان صرف چند لمحوں کا ایمان لیکن چند لمحوں کے ایمان نے عمر بھر کا کفر محو کر دیا۔ ان کا دل صدیقوں کا دل اور ان کی صدا شہداء کی صدا ہو گئی۔ مصری شہنشاہی کا سارا قہر و جلال ایک پل کے لئے بھی ان کی استقامت ایمانی پر غالب نہ آ سکا:

(۱۵) آیت (٧٧) اور (٧٨) حضرت موسیٰ اور فرعون کے معاملہ کا خلاصہ و ماحصل ہے۔ اس کے بعد ان حالات کی طرف اشارہ کیا ہے جو مصر سے خروج کے بعد دشت سینا میں پیش آئے تھے، اور آیت ٨٣ سے سامری کا واقعہ شروع ہوتا ہے۔

پچھلی سورتوں میں گزر چکا ہے کہ جب حضرت موسیٰ طور پر معتکف

مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۝ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ
٩٦ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۠ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ
لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝
٩٧-٩٨ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۝ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ
٩٩ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۝ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ
١٠٠ - ١٠١ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ۝ ښ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ
١٠٢ - ١٠٣

بھی کچھ حصہ لیا تھا۔ پھر چھوڑ دیا۔ (کیا کہوں) میرے جی
نے ایسی ہی بات مجھے سجھائی"۔
٩٦ موسیٰ نے کہا "اگر ایسا ہے تو پھر جا۔ زندگی میں
تیرے لئے یہ ہونا ہے کہ کہے 'میں اچھوت ہوں'۔ اور
(آخرت میں عذاب کا) ایک وعدہ ہے جو کبھی ٹلنے والا
نہیں اور دیکھ تیرے (گھڑے ہوئے) معبود کا اب کیا حال
ہونا ہے جس کی پوجا پر جم کر بیٹھ رہا تھا۔ ہم اسے جلا کر راکھ
کر دینگے، اور راکھ سمندر میں اڑا کر بہا دینگے۔ معبود تو تمہارا بس اللہ ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں وہی ہے
٩٧ جو ہر چیز پر اپنے علم سے چھایا ہوا ہے"!
٩٨ اے پیغمبر! اس طرح ہم گزری ہوئی سرگزشتوں میں سے (خاص خاص واقعات کی) خبریں تجھے سناتے ہیں
اور بلا شبہ ہم نے اپنے پاس سے تجھے ایک سرمایۂ نصیحت عطا فرما دیا ہے (یعنی قرآن) تو جس کسی نے اس سے رخ
٩٩ پھیرا، یقیناً وہ قیامت کے دن ایک بہت بڑے جرم کا
بوجھ اٹھائے ہوگا، اور ہمیشہ اسی حالت میں رہے گا
١٠٠ کیا ہی برا بوجھ ہے جو یہ قیامت کے دن اپنے اوپر لادے ہونگے
١٠١ وہ دن کہ نرسنگھا پھونکا جائے گا۔ ہم مجرموں کو جمع کرینگے۔ اور ان کی آنکھیں مارے دہشت کے بے نور ہونگی
١٠٢ وہ آپس میں چپکے چپکے ایک دوسرے سے پوچھ رہے
ہونگے "ہم اس حالت میں (یعنی پہلی اور دوسری زندگی کی
١٠٣ درمیانی حالت میں) ہفتہ عشرہ سے زیادہ کیا رہے ہونگے؟"
یہ (اس دن) جیسی جیسی باتیں کرینگے ہم اس سے

حد تک پیروی کی۔ کیونکہ جو بات میری قوم کے دوسرے آدمی نہ پا سکے تھے میں نے پالی تھی۔ مگر پھر میں نے آپ کا طریقہ چھوڑ دیا۔ میری طبیعت کے بے اختیارانہ ولولے نے مجھے اس کے لئے مجبور کر دیا تھا۔ کیونکہ میرا آبائی طریق عبادت یہی ہے۔

اس پر حضرت موسیٰ نے اسے جماعت سے باہر کر دیا، اور حکم دیا کوئی اس سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھے"۔ "ان تقول لا مساس" (۹۷) کا مطلب ہے کہ لوگ تجھ سے اس درجہ نفرت کرنے لگیں گے کہ تیری چھوت سے بھاگیں گے۔ تو "لا مساس" یعنی اچھوت ہو جائے گا۔ کہتا پھرے گا۔ مجھے کوئی نہ چھوئے۔

(۱۸) آیت ۹۸ پر سرگزشت ختم ہوگئی ہے، اور اس کے بعد سلسلہ بیان منکرین دعوت کی طرف متوجہ ہوگیا ہے۔ فرمایا جس طرح حضرت موسیٰ پر ہدایت اتری تھی، اسی طرح ہم نے تجھے بھی ایک سرمایہ نصیحت یعنی قرآن عطا فرمایا ہے اور اس کے منکروں کے لئے بھی وہی ہونا ہے، جو پہلے ہو چکا ہے۔

(۱۹) لوگوں کو اکٹھا کرنے کا پرانا دستور یہ چلا آتا ہے کہ نرسنگا پھونکا کرتے ہیں۔ آشوریوں، مصریوں، ہندوستانیوں، ایرانیوں، چینیوں سب میں یہ طریقہ پایا گیا ہے، اسی لئے نرسنگھا پھونکنے کا مطلب یہ ہوگیا کہ جمع ہونے کی پکار بلند ہوئی۔ تورات اور انجیل کی یہ عام اصطلاح ہے اور قرآن نے بھی جا بجا "نفخ فی الصور" کی ترکیب استعمال کی ہے۔

(۲۰) آیت ۱۰۳ کا وہی مطلب ہے جو پچھلی سورتوں میں گزر چکا ہے

ع ۱۳ ۸۹ فَنَسِيَ ۝ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۝ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ
۹۰ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ
۹۱-۹۲ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ۝ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۙ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ
۹۳ اَمْرِيْ ۝ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ
۹۴-۹۵ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ۝ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً

۸۸ بھاری زیور پہنتے تھے یہودیوں نے بھی وہ اختیار کر لئے تھے، اور جب
نکلے تو پہنے ہوئے نکلے۔ اسی کو گلا کر سامری نے بچھڑا بنایا تھا۔ اب
جب حضرت موسٰی نے پرسش کی تو لوگوں نے اپنا بچاؤ یہ کہہ کر
کرنا چاہا کہ ہمارا اور کچھ قصور نہیں۔ مصری زیوروں کا بڑا بوجھ ہمارے
سروں پر پڑا تھا ہم نے چاہا اسے پھینک دیں۔ ہمیں کیا معلوم تھا
کہ سامری اس سے ایک عجیب وغریب چیز بنا کر ہمیں گمراہ کر
۸۹ دے گا۔
قرآن کہتا ہے۔ ہوا تھا ایسا ہی۔ انھوں نے اپنا سب
زیور اتار دیا، اور سامری نے اسے گلا کر بچھڑا بنا لیا۔

موسٰی کا بھی، مگر وہ بھول میں پڑ گیا۔

(افسوس ان کی سمجھ پر!) کیا انہیں یہ (موٹی سی) بات بھی دکھائی نہ دی کہ بچھڑا (آواز تو نکالتا ہے مگر) ان کی بات کا جواب نہیں دے سکتا، اور نہ انہیں فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان؟

اور ہارون نے اس سے پہلے انہیں (صاف صاف) جتا دیا تھا "بھائیو! یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے
کہ تمہاری (استقامت کی) آزمائش ہو رہی ہے۔ تمہارا پروردگار تو خدائے رحمان ہے، دیکھو! میری پیروی کرو
اور میرے کہے سے باہر نہ ہو" مگر انہوں نے جواب دیا تھا "جب تک موسٰی ہمارے پاس واپس آ جائے ہم اس
۹۰ کی پرستش پر جمے ہی رہیں گے"۔

(بہرحال) موسٰی نے (اب ہارون سے) کہا "اے ہارون! جب تو نے دیکھا یہ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں تو کیا
۹۲-۹۳ بات ہوئی کہ انہیں روکا نہیں؟ کیا تو نے پسند کیا کہ میرے حکم سے باہر ہو جائے؟"

ہارون بولا "اے میرے عزیز بھائی! میری ڈاڑھی اور سر کے بال نہ نوچ (میں نے اگر سختی میں کمی کی تو صرف
اس خیال سے کہ) میں ڈرا کہیں تم یہ نہ کہو، تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا۔ اور میرے حکم کی راہ
۹۴ نہ دیکھی"۔

۹۵ تب موسٰی نے (سامری سے) کہا "سامری! یہ تیرا کیا حال ہوا؟"

(۱۷) جب حضرت موسٰی نے سامری سے پوچھا۔ تو دین حق سے کیوں
پھر گیا؟ تو اس نے کہا میں نے اللہ کے رسول کی (یعنی آپ کی) ایک

کہا "میں نے وہ بات دیکھ لی تھی جو اوروں نے
نہیں دیکھی" اس لئے (اللہ کے) رسول کی پیروی میں سے

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) — تھا ہم نے وضاحت کے لئے اردو محاورہ کی رعایت کی اور "ہمارا" ترجمہ کیا۔ اتنی سی بات کی عدم وضاحت نے
مترجموں کو بے شمار مشکلوں میں ڈال دیا ہے۔

هَضۡمًا ○ وَكَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفۡنَا فِيۡهِ مِنَ الۡوَعِيۡدِ لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ اَوۡ يُحۡدِثُ ۱۱۲
لَهُمۡ ذِكۡرًا ○ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الۡمَلِكُ الۡحَقُّ ۚ وَلَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يُّقۡضٰۤى اِلَيۡكَ وَحۡيُهٗ ۚ وَقُلۡ رَّبِّ ۱۱۳
زِدۡنِىۡ عِلۡمًا ○ وَلَقَدۡ عَهِدۡنَاۤ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنۡ قَبۡلُ فَنَسِىَ وَلَمۡ نَجِدۡ لَهٗ عَزۡمًا ○ وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓـئِكَةِ اسۡجُدُوۡا ۱۱۴ - ۱۱۵ ع ۱۵
لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰى ○ فَقُلۡنَا يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوۡجِكَ فَلَا يُخۡرِجَنَّكُمَا مِنَ ۱۱۶
الۡجَـنَّةِ فَتَشۡقٰى ○ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوۡعَ فِيۡهَا وَلَا تَعۡرٰى ○ وَاَنَّكَ لَا تَظۡمَؤُا فِيۡهَا وَلَا تَضۡحٰى ○ فَوَسۡوَسَ ۱۱۷ ۱۱۸ ۱۱۹
اِلَيۡهِ الشَّيۡطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلۡ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الۡخُـلۡدِ

ہوگی، نہ حق تلفی!

۱۱۲ اور (دیکھو) اسی طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے اس (سرمایۂ نصیحت) کو قرآن عربی کی شکل میں اُتارا، اور مختلف طریقوں سے اس میں (انکار و بدعملی کی) پاداش کی خبر دیدی، تاکہ لوگ (گمراہی سے) بچیں، یا پھر ایسا ہو کہ نصیحت پذیری کی روشنی ان میں نمودار ہو جائے!

۱۱۳ پس ہر طرح کی بلندی اللہ ہی کے لئے ہے وہی جہاندار حقیقی ہے!

اور (اے پیغمبر!) جب تک قرآن کی وحی تجھ پر پوری نہ ہوجائے تو اس میں جلدی نہ کر، تیری پکار یہ ہو
۱۱۴ کہ "پروردگار! میرا علم اور زیادہ کر!"

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے آدم کو پہلے سے جتا کر عہد لے لیا تھا، پھر وہ بھول گیا، اور ہم نے (نافرمانی کا) قصد اس میں نہیں پایا تھا۔

۱۱۵ اور (پھر) وہ معاملہ یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا "آدم کے آگے جھک جاؤ" سب جھک گئے تھے، مگر ابلیس نہیں جھکا۔ اس نے انکار کیا۔

۱۱۶ اس پر ہم نے کہا "اے آدم! (دیکھ لے) یہ (ابلیس) تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے۔ ایسا نہ ہو یہ تمہیں جنت سے نکال کے رہے اور تم محنت میں پڑ جاؤ۔ تمہارے لئے اب ایسی زندگی ہے کہ نہ تو اس میں بھوکے رہتے ہو نہ برہنہ
۱۱۷ - ۱۱۸ نہ تمہارے لئے پیاس کی جلن ہے نہ سورج کی تپش" (اگر اس سے نکلے تو سر تا سر محنت میں مبتلا ہو جاؤ گے)
۱۱۹ لیکن پھر شیطان نے آدم کو وسوسہ میں ڈالا۔ اس نے کہا "اے آدم! میں تجھے ہمیشگی کے درخت کا نشان

(۲۲) آیت ۱۱۴ میں فرمایا: جب تک سلسلۂ وحی پورا نہ ہوجائے اس بارے میں جلدی نہ کر، اور منتظر رہ کر فیضانِ غیب کی بخشایش کہاں تک مالا مال کرتی ہیں تیری زبانِ حال کی صدا تو یہ ہونی چاہئے کہ "رب زدنی علما" یعنی میری تشنگی کی سیرابی کے لئے علم کے یہ سارے دریا اور عرفانِ حقیقت کی یہ ساری بارشیں بھی کافی نہیں۔ اے علم کی لاانتہائی اور حقیقت کی ناپیداکناری! اپنی بخششیں اور زیادہ کر!

اس آیت نے واضح کر دیا کہ پیغمبرِ اسلام کے مقامِ علم و عرفان کی وسعت و عظمت کا کیا حال تھا؟ وہ کسی حد پر بھی رکنا نہیں چاہتی تھی، اس کے لئے کوئی زیادتی بھی زیادتی نہ تھی۔ اس کے لئے ہر افاضہ نئے استفاضہ کا اشارہ تھا۔ اس کے لئے ہر عطیہ نئے عطیہ کا تقاضا تھا، وہ یکسر طلب تھی۔ پیہم "رب زدنی" کا سوال تھی۔ یہ معلوم ہے کہ یہاں مطلوب کی وسعت کے لئے کوئی انتہا نہیں ہو سکتی، لیکن یہ کیونکر معلوم کیا جائے کہ طالب کی طلب کہاں جا کر منتہی ہوئی تھی؟

أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ۝ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۝ ع ۱۰۴ ۱۰۵
فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ۝ يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ[1] وَ ۱۰۶-۱۰۷
خَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا[2] ۝ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ ۱۰۸
الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ۝ وَعَنَتِ الْوُجُوهُ ۱۰۹-۱۱۰
لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝ وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا ۱۱۱

آدمی سوکر اٹھتا ہے تو نہیں جانتا، کتنی دیر سویا۔ یہی حال دوسری زندگی میں ہوگا۔ انسان اپنی پچھلی زندگی یاد کرے گا، تو ایسا معلوم ہوگا جیسے چند دن پہلے کی بات ہو۔ ایک کہے گا ہفتہ عشرہ کی بات ہے دوسرا جو اندازہ لگانے میں زیادہ تیز ہوگا، کہے گا نہیں صرف ایک دن کی بات دوسری جگہ اس سے بھی کم اندازہ کی تعبیر آئی ہے۔ عشیۃً او ضحاھا۔

بیخبر نہیں ان میں جو سب سے بہتر سراغ پر ہوگا،
وہ بول اٹھے گا "نہیں ہم بہت رہے ہونگے تو بس ایک دن"
(اس سے زیادہ یہ مدت نہیں ہوسکتی) ۱۰۴
اور یہ پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں (کہ ان
کا حال کیا ہوگا) تو کہدے "میرا پروردگار (ریزہ ریزہ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷
کرکے) بالکل اڑا دے گا۔ پھر انہیں ایسا کرے گا جیسے صاف ہموار میدان ہو جائے کہیں تم کجی نہ پاؤ اور نہ اونچ نیچ۔

(۳۱) آیت (۱۰۸) میں قیامت کے منظر کی جو تصویر کھینچی گئی ہے اس کا سارا زور مترجموں نے ضائع کر دیا۔ ایک میدان میں بے شمار آدمی چل رہے ہوں، مگر سب کے ہوش اڑے ہوئے ہوں اور سب کی زبانیں ہیبت نے گونگی کر دی ہوں۔ تو اس منظر کا کیا حال ہوگا؟ ایک دہشت انگیز سناٹا۔ جس میں قدموں کی آہٹ کے سوا اور کوئی آواز مخل نہ ہوگی! اور یہ آواز بھی زندگی کی خوشگواری پیدا نہیں کرے گی بلکہ منظر کی دہشت میں اور اضافہ کر دے گی!

اس دن سب پکارنے والے کے پیچھے ہو لینگے۔ اس سے منحرف نہ ہوسکیں گے اور خدائے رحمان کے جلال کے آگے سب کی آوازیں خاموش ہو جائیں گی۔ اس سناٹے میں کوئی آواز سنائی نہیں دے گی مگر صرف قدموں کی آہٹ ۱۰۸
اس دن سفارشیں کچھ کام نہ دیں گی مگر ہاں جس کو خدائے رحمان اجازت دے اس کا زبان کھولنا پسند فرمائے! ۱۰۹

جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے گزر چکا، سب کا وہ علم رکھتا ہے۔ مگر انسان اپنے علم سے
اس پر چھا نہیں سکتا! ۱۱۰
اس حی وقیوم کے آگے سب کے سر جھک گئے جس نے ظلم کا بوجھ لاد لیا تھا، دیکھو وہ نامراد ہوا! ۱۱۱
اور (ہاں) جس کے عمل اچھے ہوئے اور وہ مومن بھی ہے، تو اس کے لئے کوئی اندیشہ نہ ہوگا نہ تو نا انصافی

[1] خشعت ای سکنت۔ ومنہ قول الشاعر: لما اتی خبر الزبیر تواضعت ✦ سور المدینۃ والجبال الخشع!

[2] الھمس صوت نقل الاقدام۔ یقال للاسد الھموس۔ لانہ یھمس فی الظلمۃ۔ قال رؤبۃ یصف نفسہ:

لیث یدق الاسد الھموسا ولا یہاب الفیل والجاموسا!

۱۲۷ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ۝ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا

۱۲۸ قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ۝ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ (ع ۳ / ۱۲)

۱۲۹ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ۝ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ

۱۳۰ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۝ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ

اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ

اپنے پروردگار کی نشانیوں پر یقین نہیں کرتا تو اس طرح

ہم اسے (اس کی حالت کا) بدلہ دیتے ہیں اور آخرت کا عذاب

۱۲۷ تو بہت زیادہ سخت ہے، بہت دیر تک رہنے والا ہے!

کیا ان لوگوں کو اس بات سے بھی ہدایت نہ ملی

کہ ان سے پہلے قوموں کے کتنے ہی دور گزر چکے ہیں،

جنہیں ہم (پاداش جرائم میں) ہلاک کر چکے؟ یہ ان کی

بستیوں میں چلتے پھرتے ہیں (ان کے آثار ان کی نگاہوں کے سامنے ہیں!) جو لوگ دانشمند ہیں ان کے لئے

۱۲۸ اسی ایک بات میں (تذکیر و عبرت کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں!

اور (اے پیغمبر!) اگر ایسا نہ ہوتا کہ پہلے سے تیرے پروردگار نے (اس بارے میں) ایک بات ٹھہرا دی ہوتی

(یعنی ایک قانون ٹھہرا دیا ہوتا) تو اسی گھڑی ان پر (جرم

۱۲۹ کا) الزام لگ جاتا اور مقررہ وقت نمودار ہو جاتا!

پس چاہئے کہ ان کی ساری باتوں پر صبر کر، اور

اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کی پکار میں لگا رہ۔ صبح کو سورج

نکلنے سے پہلے، شام کو ڈوبنے سے پہلے۔ رات کی گھڑیوں

میں بھی۔ اور دوپہر کے لگ بھگ بھی۔ بہت ممکن ہے

۱۳۰ کہ تو بہت جلد (ظہور نتائج سے) خوشنود ہو جائے۔

اور یہ جو ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو دنیوی زندگی کی آرائشیں دے رکھی ہیں اور ان سے وہ فائدہ اٹھا

رہے ہیں، تو تیری نگاہیں اس پر نہ جمیں (یعنی یہ بات تیری نگاہ میں نہ جچے) یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ہم نے انہیں

آزمائش میں ڈالا ہے، اور جو کچھ تیرے پروردگار کی بخشی ہوئی روزی ہے، وہی (تیرے لئے) بہتر ہے اور (بہ اعتبار

وہ اندھا کیوں ہو جائے گا؟ اس لئے آخرت کی زندگی

دنیوی زندگی کا نتیجہ ہے۔ اس نے دنیا میں قدرت کی نشانیوں

سے آنکھیں بند کر لی تھیں، اس لئے آخرت میں بھی اس کی آنکھیں

بند رہیں گی۔ من کان فی ھذہٖ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ

اعمٰی و اضل سبیلا!

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ قرآن کے نزدیک ثواب آخرت کی حقیقت

یہ ہے کہ نگاہیں جمال الٰہی کے نظارہ سے شادکام ہوں گی۔ عذاب

کی یہ ہے کہ اندھی ہو کر محجوب ہو جائیں گی۔

(۴۴) آیت (۱۲۹) میں فرمایا، اگر پہلے سے اللہ کا یہ قانون موجود

نہ ہوتا کہ انکار و بدعملی کے نتائج اپنے مقررہ وقت اور مقررہ حالت

کے مطابق ظہور میں آئیں، تو یہ لوگ اپنی سرکشیوں کی وجہ سے کب کے ملزم

ہو چکے تھے، لیکن یہاں ہر گوشہ میں رحمت الٰہی نے ڈھیل دے رکھی ہے

اور ضروری ہے کہ مقررہ وقت کا انتظار کیا جائے۔

لیکن یہ انتظار کس طرح کیا جائے؟ اس طرح کہ صبر اور صلوٰۃ

کی روح سے معمور ہو جاؤ۔ یہی وہ دو عنصر ہیں جن سے ہر طرح کی

کامرانی و فتح مندی ڈھل سکتی ہے اور ظہور میں آسکتی ہے۔

۱۲۰ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ○ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰٓى
۱۲۱-۱۲۲ اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ○ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ○ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ
۱۲۳ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ○ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ
۱۲۴ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ○ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ
۱۲۵-۱۲۶ كُنْتُ بَصِيْرًا ○ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ○ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ

۱۲۰ دے دُوں؟ اور ایسی پادشاہی کا جو کبھی زایل نہ ہو؟"

چنانچہ دونوں نے (یعنی آدم اور اس کی بیوی نے) اس درخت کا پھل کھا لیا؛ اور دونوں کے ستر ان پر کھل گئے۔ تب ان کی حالت ایسی ہوگئی کہ باغ کے پتے توڑنے لگے اور ان سے اپنا جسم ڈھانکنے لگے
۱۲۱ غرض کہ آدم اپنے پروردگار کے کہنے پر نہ چلا پس وہ (جنت کی زندگی سے) بے راہ ہوگیا۔

(لیکن) پھر اس کے پروردگار نے اسے برگزیدہ کیا۔ اس پر (اپنی رحمتوں سے) لوٹ آیا۔ اس پر (زندگی
۱۲۲ وعمل کی) راہ کھول دی۔

(چنانچہ) اللہ نے حکم دیا تھا "تم دونوں اکٹھے یہاں سے نکل چلو۔ تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ہوا (اب تم پر ایک دوسری زندگی کی راہ کھلے گی) پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس (یعنی تمہاری نسل کے پاس) کوئی پیام ہدایت آیا، تو (اس بارے میں میرا قانون یاد رکھو) جو کوئی میری ہدایت پر چلے گا، وہ نہ تو راہ سے بے راہ ہوگا، نہ دکھ میں پڑے گا۔ جو کوئی میری یاد سے روگردان ہوگا، تو اس کی زندگی ضیق میں گزرے گی اور قیامت کے دن بھی ہم اسے اندھا اٹھائیں گے"
وہ کہے گا "پروردگار! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو اچھا خاصا دیکھنے والا تھا"،
ارشاد ہوگا "ہاں اسی طرح ہونا تھا۔ ہماری نشانیاں تیرے سامنے آئیں مگر تو نے انہیں بھلا دیا۔ سو اسی طرح آج تو بھی بھلا دیا گیا ہے!"
اور (دیکھو) جو کوئی (سرکشی میں) بڑھ نکلتا ہے اور

(۲۲۱) آیت (۱۲۳) اور (۱۲۴) ضمات معارف میں سے ہے۔ ان دو آیتوں سے ہم وہ سب کچھ معلوم کر سکتے ہیں جو قرآن انسان کی روحانی سعادت و شقاوت کے بارے میں تبلانا چاہتا ہے۔

فرمایا۔ جو ہدایت وحی پر چلے گا، نہ تو کامیابی کی راہ سے بے راہ ہوگا، نہ دکھی۔ پس معلوم ہوا کہ یہ ہدایت اس لئے ہے کہ انسان کو بے راہی اور اس کے لازمی نتیجہ سے محفوظ کر دے۔
۱۲۳ غور کرو انسان کی ساری محرومیوں کی تصویر کس طرح صرف دو لفظوں کے اندر کھینچ دی ہے؟ ضلالت اور شقاوت۔ انسان کو جتنی ٹھوکریں بھی لگتی ہیں بے راہ ہوجانے سے لگتی ہیں۔ ہر گوشہ میں
۱۲۴ کامیابی و سعادت کی ایک مقررہ راہ ہے۔ جو نہی اس سے قدم بے راہ ہوئے شقاوت میں گر گئے۔

۱۲۵ پھر فرمایا۔ جس نے ہمارے ذکر سے اعراض کیا، تو اسے دو حالتیں پیش آئیں گی۔ دنیا میں اسکی زندگی ضیق میں پڑ جائیگی یعنی وہ بظاہر کتنا ہی نہال ہو جائے لیکن دل کی طمانیت اور روح کا انبساط اسے کبھی نہیں ملے گا۔ اور آخرت میں بینائی سے
۱۲۶ محروم ہو جائے گا۔ جبکہ انسانوں کی نگاہیں روشن ہونگی۔ اسکی اندھی وہ جمال الٰہی کا نظارہ کریں گی۔ اس کے آگے پردہ پڑا ہوگا۔
كلا انهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون (۸۳:۱۵)

مجھے اپنا مظہر ٹھہرایا ہے؟ ایریز دیبی کے، جو روح پیدا کرنے والی ہے؟ کینفر دیوتا کے، جو جسم و خلقت بنانے والا ہے؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا نہیں الذی اعطی کل شیٔ خلقہ ثم ھدیٰ! ہمارا پروردگار تو وہ ایک ہی پروردگار ہے جس نے دنیا کی ہر چیز کو اس کا جسم و وجود بھی بخشا، اور پھر ہر طرح کی ضروری قوتیں دے کر اس پر زندگی و عمل کی راہ بھی کھول دی!

غور کرو۔ فرعون کے استفسار میں اس کے عقاید و تصورات کے بے شمار پہلو پوشیدہ تھے، اور اگر حضرت موسیٰ کا طریقہ جدل و مناظرہ کا ہوتا تو ان میں سے ہر بات الجھا لینے کے لئے کافی تھی، لیکن انہوں نے اور کسی بات سے تعرض نہیں کیا۔ صرف ایک ہی بات کہی مگر ایسی بات جو اس کے سوال کا براہ راست جواب بھی تھی، اس کے تمام تصورات کا بالواسطہ ابطال بھی تھا، اور صرف دعویٰ ہی نہ تھا۔ دعوے کے ساتھ اس کی خاموش دلیل بھی موجود تھی!

اس کے تمام تصورات کا ابطال کیونکر ہوا؟ اس طرح کہ ہم تمہارے ان گڑھے ہوئے معبودوں کا قائل نہیں جن میں سے کسی کو تم نے خلقت دینے والا سمجھ رکھا ہے، کسی کو روح بخشنے والا، کسی کو رزق و تندرستی کا سرچشمہ۔ میں تو صرف اس ایک ہی ہستی کا پرستار ہوں جو جسم بھی دیتی ہے اور وہ سب کچھ بھی دیتی ہے جو جسم کے نشوونما و قیام کے لئے ضروری ہے۔ خالق بھی وہی ہے، رہنمائے زندگی بھی وہی ہے، اس کے سوا کوئی نہیں۔ چنانچہ پھر آگے چل کر انہوں نے اس اعتقاد کی تفصیل بھی کردی ہے: الذی جعل لکم الارض مھدا وسلک لکم فیھا سبلا وانزل من السماء ماء، فاخرجنا بہ ازواجا من نبات شتی الخ

پھر اس جملہ کی جامعیت اور مانعیت دیکھو۔ کائنات ہستی میں جو کچھ بھی ہے وہ اس کے سوا کیا ہے کہ یا تو وجود ہے، یا وجود کی وہ معنوی قوتیں ہیں جو اسے قائم باقی رکھتیں اور قیام و عمل کی راہوں پر لگاتی رہتی ہیں۔ انہیں دو حقیقتوں کو یہاں خلقت اور ہدایت سے تعبیر کیا ہے، اور ان دو لفظوں نے وجود اور حیات کے تمام گوشے سمیٹ لئے ہیں۔

دعوے کے ساتھ دلیل کیونکر ہوئی؟ اس کے لئے تفسیر سورۂ فاتحہ کا مبحث "ربوبیت" دیکھنا چاہئے۔

اس کے بعد فرعون نے دوسرا سوال کیا اور بطریق جدل کیا۔ فما بال القرون الاولیٰ؟ اچھا، اگر حقیقت حال ایسی ہی ہے تو جو لوگ پچھلے عہدوں میں گزر چکے ان کے لئے کیا ہونا ہے؟ وہ [illegible]اب پر تھے یا گمراہی پر؟ انہیں تو تمہارے اس نئے اعتقاد کی خبر بھی نہ تھی۔

اب دیکھو۔ یہاں پھر وہی صورت پیدا ہو گئی ہے اگر یہ سوال امام فخرالدین رازی سے کیا جاتا تو اسی بحث میں صبح کر دیتے اور سارا معاملہ اسی میں الجھ کر رہ جاتا، لیکن حضرت موسیٰ داعی تھے۔ مجادل اور مناظر نہ تھے۔ انہوں نے صرف ایک بات کہہ کر ساری بحث ہی ختم کر دی علمھا عند ربی فی کتاب: اس کا علم اللہ کو ہے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اور ہمیں اس کی فکر کیوں ہو؟ ہمارے جاننے کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ لا یضل ربی ولا ینسیٰ: خدا انسانوں کی طرح نہیں ہے کہ غلطی میں کھو یا جائے، یا کوئی بات بھول جائے۔ اس کا قانون یہ ہے کہ ہر انسان کا جیسا اعتقاد و عمل ہوگا، ٹھیک اسی کے مطابق اسے نتائج بھی ملیں گے۔ پس پچھلوں کا جیسا حال رہا ہوگا، ویسا ہی نتیجہ بھی بھگتیں گے۔ ہم کو اپنا حال دیکھنا ہے۔ اور اپنے ہی سامنے کی باتوں کا ہم علم بھی رکھتے ہیں۔ ہم اس کاوش میں [illegible] کہ پچھلوں کا کیا حال تھا، اور وہ بخشے جائیں گے یا نہیں۔

پھر کیوں پڑیں ہی کیا؟

نہ ہوتا

غور کرو۔ فرعون کا سوال مجادلانہ تھا اور ایسا تھا کہ بحث و کاوش کی قسم کا کوئی جواب بھی دیا جاتا ہسکت اور مختتم [illegible] [illegible]۔ جو بات بھی کہی جاتی بحث طلب ہوتی اور ایک نیا سوال پیدا کر دیتی۔ لیکن انبیاء کرام کا طریق دعوت یہ نہیں ہوتا کہ بحث میں الجھیں یا دوسرے کو الجھائیں پس حضرت موسیٰ نے اس کاوش میں پڑنے ہی سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا ہم یہ جانتے ہی نہیں، اور ہمیں اس کا خواہشمند بھی نہیں ہونا چاہئے کہ اسے جانیں۔

اور پھر غور کرو۔ انہوں نے اس جملہ کے اندر جو بات کہدی، وہ انسان کی فکری گمراہیوں کی کتنی راہیں بند کر دیتی ہے بشرطیکہ لوگ اسے سمجھیں؟ مگر مصیبت یہ ہے کہ لوگ ہمیشہ اسی کاوش کی پیروی کرتے رہے جو فرعون کے سوال سے ٹپک رہی ہے، وہ حقیقت نہ جا سکے۔ جو حضرت موسیٰ کے جواب میں مضمر ہے حضرت موسیٰ کے جواب نے ہمیں یہ اصل عظیم بتلا دی ہے کہ جن گوشوں کا ہمیں علم نہیں جن کی کاوش ہمارے لئے سودمند بھی نہیں، ان کی فکر میں ہمیں نہیں پڑنا چاہئے۔ اور ان کا حکم اللہ کے حوالے کر دینا چاہئے اگر لوگ اس اصل عظیم پر عامل ہو جائیں، تو مذاہب کے کتنے ہی گمراہ کن جھگڑے ختم ہو جائیں۔

ابھی دور نہ نکلو۔ اسی گوشہ میں رہو فرعون کے اس مجادلانہ سوال کی اصلی جگہ ہے۔ اور غور کرو مذہب کے نام سے کتنے جھگڑے

١٣١ - ١٣٢ أَبْقٰى ○ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۖ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ○
١٣٣ وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولٰى ○ وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنٰهُم بِعَذَابٍ
١٣٤ مِّن قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيٰتِكَ مِن قَبْلِ أَن نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ○ قُلْ كُلٌّ
ع ١٧ ١٣٥ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ أَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ○

١٣١ نتیجہ کے) باقی رہنے والی۔

اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دے اور اس پر مضبوطی کے ساتھ جما رہ ہم تجھ سے روزی کا سوال نہیں
١٣٢ رکھتے (تو ہم سے سائل ہے ہم بخشنے والے ہیں) اور انجام کار تقویٰ[1] ہی کے ہاتھ ہے! (رزق)

اور ان لوگوں نے کہا "کیوں یہ اپنے پروردگار کی کوئی نشانی اپنے ساتھ نہیں لایا"؟
١٣٣ لیکن کیا ان تک وہ روشن دلیلیں نہیں پہنچ چکیں جو اگلی کتابوں میں موجود ہیں؟

اور اگر ہم انہیں اس سے پہلے (یعنی نزول قرآن سے پہلے) عذاب نازل کرکے ہلاک کر ڈالتے ہیں تو یہ ضرور
کہتے۔ خدایا! اس سے پہلے کہ ہم ظہور عذاب سے ذلیل و رسوا ہوں تو نے ایک پیغمبر کیوں نہ بھیج دیا کہ ہم تیری آیتوں
١٣٤ پر چلتے اور ہلاک نہ ہوتے؟

(اے پیغمبر!) تو کہہ دے یہاں ہر ایک کے لئے (مستقبل کا) انتظار کرنا ہے پس تم بھی انتظار کرو بہت جلد
تمہیں معلوم ہو جائے گا، کون سیدھے راستہ پر ہے اور کون منزل مقصود پر پہنچا ہے؟

سورت ختم ہوگئی لیکن چند مقامات کی مزید تشریح ضروری ہے۔

(الف) آیت ۴۹ میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کا جو مکالمہ نقل کیا ہے وہ اگرچہ دو تین جملوں سے زیادہ نہیں ہے لیکن حقائق و معارف کے دفاتر اس میں پنہاں ہیں۔ (فرعون اور حضرت موسیٰ کا مکالمہ)

فرعون کا پہلا سوال یہ تھا کہ من ربکما یموسیٰ؟ جس پروردگار کا ذکر کرتے ہو وہ کون ہے؟

اس سوال کی نوعیت سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے معلوم کر لیا جائے مصریوں کے عقاید کیا تھے؟

مصری مختلف دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے، جن میں سے بعض تو خاص خاص قبیلوں اور علاقوں کے تھے۔ جیسے نیفات، فتار، اوہات اور بعض عالمگیر قوتوں کے الگ الگ مظاہر تھے، جیسے اوزیرس۔ عالم آخرت کا خدا۔ میبہ اور ت۔ آسمان کا خدا۔ کینمو جسم بنانے والا۔ ایزیزہ۔ روح بخشنے والی دیبی۔ طوط عمر کی مقدار مقرر کرنے والا۔ ہورس۔ رنج و غم دور کرنے والا۔ حاثور (گائے) رزق بخشنے والا۔ اور ان سب سے بلند تر آمن رع تھا۔ یعنی سورج دیوتا۔ (کچھڑا)

نیز مصریوں میں الوہیت آمیز شاہی کا تصور بھی پوری طرح نشو و نما پا چکا تھا، اور تاجداران مصر نے نیم خدا کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ ان کا لقب "فارِع" اسی لئے ہوا کہ وہ "رع" یعنی سورج دیوتا کے اوتار سمجھے جاتے تھے[2]۔

پس جب حضرت موسیٰ نے کہا میں خدا کا فرستادہ ہوں، تو فرعون نے متعجب ہوکر پوچھا کس خدا کے؟ امن رع کے جس نے (من ربکما یموسیٰ؟)

[1] تقویٰ کے لئے دیکھو سورۂ بقرہ کا ابتدائی نوٹ۔
[2] ڈیوے لپ منٹ آف ریلیجن اینڈ تھوٹ ان انشنٹ ایجپٹ مصنفہ جے۔ ایچ۔ بریسٹڈ "Breasted" اور انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس۔ جے ہسٹنگس۔

عراق میں اس کا نام قدیم سے سامری آرہا ہے اور اب بھی عراق میں ان کا بقایا اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہاں قرآن کا "السامری" کہہ کے اسے پکارنا صاف کہہ رہا ہے کہ نام نہیں ہے۔ اس کی قومیت کی طرف اشارہ ہے یعنی وہ شخص اسرائیلی نہ تھا۔ سامری تھا۔

سمیری تمدن

حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً ساڑھے تین ہزار برس پہلے دجلہ و فرات کے دوآبہ میں دو مختلف قومیں آباد ہو رہی تھیں اور ایک عظیم الشان تمدن کی بنیادیں اٹھا رہی تھیں۔ ان میں سے ایک قوم جو جنوب سے آئی تھی، عرب تھی۔ دوسری جس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ شمال سے اتری، سمیری تھی۔ اسی قوم کے نام سے تاریخ قدیم کا شہر سامرا اور آباد ہوا تھا۔ جس کا محل اب تل العبید میں دریافت ہوا ہے اور وہاں سے پانچ ہزار برس پیشتر کے بنے ہوئے زیور اور سنہری ظروف برآمد ہوئے ہیں۔

سمیری قوم کی اصل

سمیری قوم کی اصل کیا تھی؟ اس بارے میں اس وقت تک کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی جا سکی ہے لیکن نینوا میں آشور بنی پال (متوفی ۶۲۶ قبل مسیح) کا جو کتب خانہ نکلا ہے[۱] اس میں تختیوں کا ایک مجموعہ لغت کی کتاب کا بھی ہے جس میں آکادی اور سمیری زبان کے ہم معنی الفاظ جمع کئے گئے ہیں۔[۲] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سمیری زبان کے اصوات سامی حروف کے اصوات سے چنداں مختلف نہیں تھے، بہت ممکن ہے کہ وہ بھی دراصل انہی قبائل کے مجموعہ سے کوئی بعیدی تعلق رکھتے ہوں جن کے لئے ہم نے تورات کی اصطلاح "سامی" اختیار کر لی ہے۔

نسل انسانی کا دو قبائلی سرچشمہ

اصل یہ ہے کہ جس طرح عہد قدیم میں منگولیا کا علاقہ صحرا نورد قبائل کا ابتدائی سرچشمہ رہا ہے اور یہاں سے انسانی گروہوں کے قافلے نکل کر وسط ایشیا، ہندوستان، ایران، اناتولیا، اور پھر تمام یورپ میں پھیل گئے، ٹھیک اسی طرح نسل انسانی کے اقدام و انشعاب کا ایک مرکزی سرچشمہ جزیرہ نمائے عرب بھی رہ چکا ہے۔ یہاں کے صحراؤں میں یکے بعد دیگرے نسل انسانی کا مواد بنتا رہا۔ اور پھر ابل ابل کر دور دور تک پھیلتا گیا، فلسطین، شام، مصر، عراق، آرمینیا، اور خلیج فارس کی ساحلی آبادیاں، سب اسی مرکزی نسل کا انشعاب تھیں۔ اور سب کا تمدن اسی عربی نسل کا تمدن تھا۔ قوم "عیلام" جس کا ذکر کتاب پیدائش میں آیا ہے۔ اور جو جنوبی ایران میں آباد تھی، عجب نہیں، دراصل اسی نسل کی ایک شاخ ہو (اس مقام کی مزید تفصیل سورۂ نوح کی تشریحات میں ملے گی)

بہرحال سمیری قبائل کا اصلی وطن عراق تھا، مگر یہ دور دور تک پھیل گئے تھے، مصر سے ان کے تعلقات کا سراغ ایک ہزار سال قبل مسیح تک روشنی میں آچکا ہے، پس معلوم ہوتا ہے اسی قوم کا ایک فرد حضرت موسیٰ کا بھی معتقد ہو گیا، اور جب بنی اسرائیل نکلے تو یہ بھی ان کے ساتھ نکل آیا۔ اسی کو قرآن نے "السامری" کے لفظ سے یاد کیا ہے۔

سامری کا ایا اور بچھڑا زند

گائے، بیل اور بچھڑے کی تقدیس کا خیال سمیریوں میں بھی تھا اور مصریوں میں بھی، مصری اپنے دیوتا حورس کا چہرہ گائے کی شکل کا بناتے تھے، اور خیال کرتے تھے کہ کرہ زمین ایک گائے کی پشت پر قائم ہے۔ جب سامری نے دیکھا بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کی عدم موجودگی سے مضطرب ہو رہے ہیں تو اس نے کہا مجھے سونے کے زیور لادو۔ پھر انہیں گلا کر بچھڑے کی ایک مورتی بنا دی۔ مصری مندروں کی مخفی کاریگریاں اسے معلوم تھیں۔ اس نے مورتی کے اندر ہوا کے نفوذ و خروج کی ایسی کل بٹھا دی کہ اس سے ایک طرح کی آواز نکلنے لگی۔

---

[۱] یہ نینوا کا وہی عظیم الشان شاہنشاہ ہے جسے یونانی توستوں میں سردانا پالس (Sardanapalus) کے نام سے پکارا گیا ہے۔

[۲] یہ لغت کی کتاب قدیم اقوام کے علوم و ادبیات میں اپنی کوئی دوسری نظیر نہیں رکھتی اور اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اب سے تین ہزار سال پہلے دوآبہ دجلہ و فرات کی علمی ترقیاں کہاں تک پہنچ چکی تھیں، اس لغت میں صرف آکادی اور سمیری زبان ہی کے ہم معنی الفاظ جمع نہیں کئے گئے ہیں بلکہ حتی، قاصی، اور مصری زبان کے ہم معنی الفاظ بھی آگئے ہیں۔ اس کتاب کے انکشاف نے قدیم زبانوں کے حروف و اصوات کے لئے ایک مستند اور قطعی ذریعہ بہم پہنچا دیا۔ (حتی وہی قوم ہے جسے آج کل ہٹائٹ Hittite لکھا جاتا ہے اور قاصی سے مقصود Kassite ہے ان دونوں کے لئے تورات میں حتی اور قاصی کے الفاظ مستعمل ہوئے ہیں۔ اس لئے ہم نے بھی وہی اختیار کئے تفصیل کے لئے دیکھو ایم جسٹرو کی دی سویلائزیشن آف بابیلونا اینڈ اسیریا مطبوعہ ۱۹۱۵ء اور سر ای اے ڈبلیو Budge کی "بابل اینڈ نائگریز" مطبوعہ ۱۹۲۰ء)

بنالئے گئے ہیں جن میں سے ہر جھگڑا فما بال القرون الاولیٰ کی فرعونی صدا کا ٹھیک ٹھیک اعادہ ہے؟ اب سے پہلے فلاں گروہ جو گزر رہا ہے اہل حق میں تھا یا اہل باطل میں؟ فلاں انسان جو گذر چکا، نیک تھا یا بد؟ فلاں بزرگ کا رتبہ خدا کے نزدیک زیادہ ہے یا فلاں بزرگ کا؟ افضل کون ہے؟ زید یا عمرو؟ ولایت و طریقت میں سب سے بڑا کون رہا؟ فلاں یا فلاں؟ پھر اس میں بحثیں ہیں، تصنیفیں ہیں، لڑائیاں ہیں، فرقہ بندیاں ہیں۔ گویا انسان کی نجات کے لئے صرف یہی فکر کافی نہیں کہ خود اسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ اس فیصلے کے لئے بھی ذمہ دار بنا دیا گیا ہے کہ اب سے پانچ سو برس پہلے کسی نے کیا کیا تھا، اور ایک ہزار برس پہلے کون کیسا تھا۔ پھر ان میں سے ہر فریق اس طرح حکم لگانا شروع کر دیتا ہے گویا خدا کے دفتر کا رجسٹر ابھی ابھی پڑھ کر اٹھا ہے اور اسے علم قطعی حاصل ہوگیا ہے کہ فلاں کا نام فلاں درجہ میں لکھا ہوا ہے۔ فلاں کا فلاں درجہ میں!

پچاس برس ہوئے شام میں مسلمانوں کے ایک گروہ نے دوسرے گروہ کی بستیاں صرف اس لئے جلا دی تھیں کہ ایک کہتا تھا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سب سے بڑے ولی ہیں۔ دوسرا کہتا تھا نہیں، شیخ احمد رفاعی۔ ہندوستان کا یہ حال ہے کہ آج تک میرے پاس نہایت سنجیدہ عبارت میں لکھے ہوئے استفتا آتے رہتے ہیں۔ زید کہتا ہے بڑے پیر صاحب سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ عمرو کہتا ہے۔ مجدد الف ثانی سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ نماز کس کے پیچھے جائز ہے؟"

ایک مرتبہ میرے جی میں آیا۔ لکھ دوں۔ دونوں کے پیچھے نہیں!

فقہ کے مذاہب اربعہ جب مشخص و مدون ہوگئے اور تقلید شخصی کا التزام قائم ہوگیا تو سوال پیدا ہوا۔ ان چاروں اماموں میں افضل کون ہیں؟ حضرت امام ابوحنیفہ یا امام شافعی؟ اب بحث شروع ہوئی اور بحث نے جنگ و قتال کی شکل اختیار کی۔ چنانچہ ہلاکو خاں کو اسلامی ممالک پر حملہ کی سب سے پہلی ترغیب خراسانیوں کے اسی جھگڑے سے ملی تھی۔ حنفیوں نے شافعیوں کی ضد میں آکر بلا وا بھیجا اور شہر کے پھاٹک کھول دئے۔ پھر جب تاتاریوں کی تلوار چل گئی تو اس نے نہ شافعی کو چھوڑا نہ حنفی کو۔

فجاسوا خلال الدیار، وکان وعدا مفعولا!

شیعہ سنی کے اختلاف نے مسلمانوں کو دو مختلف امتوں میں متفرق کر دیا۔ لیکن اس تمام اختلاف کا حاصل بھی کیا ہے؟ یہی کہ فما بال القرون الاولیٰ۔ اور تیرہ سو برس گذر گئے۔ مگر اتنی بات کسی کے سمجھ میں نہیں آتی کہ علمہا عند ربی فی کتاب۔ لا یضل ربی ولا ینسی۔

بہرحال یاد رکھنا چاہئے کہ اس طرح کی تمام کاوشوں کے اندر وہی فرعون والی مجادلانہ روح کام کیا کرتی ہے، اور طریق موسوی یہ ہے کہ علمہا عند ربی فی کتاب کہہ کر سارے جھگڑے ختم کر ڈالنا، اور سرے سے ان کاوشوں میں پڑنا ہی نہیں۔

قرآن اور صاحب وحی نے ہمیں جن امور کی خبر دیدی ہے ان کا علم ہمیں حاصل ہوگیا۔ اور ہمارا فرض ہے کہ ان باتوں کو اسی طرح یقین کریں جس طرح بتلا دی گئی ہیں۔ لیکن ان سے زیادہ جو سوال بھی دینی عنایت کی بنا پر اٹھایا جائے گا، ہمارا جواب یہی ہوگا۔ علمہا عند ربی فی کتاب۔ لا یضل ربی ولا ینسی۔ خدا نے اپنے دفتر کی کنجیاں ہمارے پاس نہیں بھیجدی ہیں اور نہ ہمیں لوگوں کی سعادت و شقاوت اور مدارج و فضائل کے فیصلہ کی ٹھیکیداری عنایت فرمائی ہے۔ ہمیں معلوم نہیں حقیقت حال کیا ہے۔ البتہ خوش قسمتی سے معاملہ ایسے محاسب کے ہاتھ ہے جو نہ تو غلطی کر سکتا ہے نہ بھول چوک میں پڑ سکتا ہے۔ بس دوسروں کی فکر میں تمہیں گھلنے کی ضرورت نہیں۔ اپنی خبر لو اور ان کا معاملہ ان کے خدا پر چھوڑ دو!

سامری اور گوسالہ پرستی کا معاملہ

(ب) آیت (۸۷) میں بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، اور یہ مقام بھی من جملہ ان مقامات کے ہے جن میں قرآن کی تصریحات تورات کے موجودہ نسخہ سے مختلف واقع ہوئی ہیں اور اسکی صریح تحریفات نمایاں کرتی ہیں۔ خروج (۳۲: ۴) میں ہے کہ سنہرا بچھڑا خود حضرت ہارون نے بنایا تھا۔ لیکن قرآن نے یہاں صاف صاف کہہ دیا ہے کہ حضرت ہارون کا دامن اس شرک سے پاک تھا۔ یہ درصل سامری کی کارستانی تھی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سامری کون تھا؟ یہ اس کا نام تھا، یا قومیت کا لقب؟

قیاس کہتا ہے کہ یہاں "سامری" سے مقصود سمیری قوم کا فرد ہے۔ کیونکہ جس قوم کو ہم نے سمیری کے نام سے پکارنا شروع کر دیا ہے

سادساً خود بھی مفسر مجاہدؒ لہ خوار کی تفسیر میں یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ خوارہ کان بالریح۔ کانہ کان جعل فیہ خروقا، فاذا دخلت الریح فی جوفہ خار، ولم یکن فیہ حیاۃ یعنی اس میں زندگی نہ تھی محض ہوا کے نفوذ سے بچھڑے کی سی آواز نکلنے لگتی تھی۔ پھر جب یہ تفسیر بھی موجود ہے، تو کونسی وجہ ہے کہ خواہ مخواہ حضرت جبریل کو گھسیٹا جائے اور فرشتوں کو گھوڑا بننے کی زحمت دی جائے۔

سابعاً جن روایتوں کی بنا پر یہ کہانی چلی ہے، اگر ان کے متن سے قطع نظر کر لی جائے، تو باعتبار اسناد کے بھی لائق اعتنا نہیں۔ سب سے زیادہ زور ابن المنذر، ابن ابی حاتم، اور حاکم کی روایت پر دیا جاتا ہے جس میں حضرت علی کا قول نقل کیا گیا ہے، لیکن وہ بھی مجروح ہے، اور حاکم کی تصحیح کی جو قدر و قیمت ہے، وہ ہم امام ذہبی کے زبانی سن چکے ہیں +

سامری حضرت موسیٰ کا معتقد ہوگیا تھا لیکن اسرائیلی توحید پر اس کا دل جما نہیں تھا چند دنوں اسی طریقہ پر کاربند رہا۔ پھر منحرف ہوگیا۔ اسی لئے جب حضرت موسیٰ نے پوچھا۔ یہ تو نے کیا کیا؟ تو اس نے کہا بصرت بمالم یبصروا بہ مجھے ایسی بات سجھائی دی جو دوسروں کو نہیں سوجھی یعنی بچھڑا بنانا۔ فقبضت قبضةً من اثر الرسول فنبذتها۔ میں نے رسول کی پیروی میں تھوڑا بہت حصہ لے لیا تھا مگر پھر چھوڑ دیا۔ یعنی گو میں نے آپ کی پیروی میں چند قدم اٹھائے تھے مگر میرا دل اس پر جما نہیں تھا۔ وکذٰلک سولت لی نفسی۔ کیا کروں میری طبیعت کا ایسا ہی تقاضا ہوا۔ میں آپ کے پیچھے چل نہ سکا۔

عربی میں جب کہیں گے قبضت قبضة میں نے صرف ایک مٹھی اٹھائی تو اس کے معنی تقلیل کے ہوں گے۔ قبضت قبضة ای شیئاً قلیلاً والقبضۃ القدر المقبوض (ابن سیدہ) اردو کا بھی محاورہ ہے "میں نے تو صرف ایک ہی مٹھی اٹھائی ہے" یعنی بہت تھوڑا حصہ لیا ہے۔

گوسالہ کی نسبت یہودی خرافہ

یہودیوں نے اپنی قومی برأت کے لئے یہ کہانی گھڑ لی تھی کہ گوسالہ پرستی کے معاملہ میں ایک روحانی طاقت کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔ ورنہ ہمارے اسلاف کیوں ایسی گمراہی میں پڑتے؟ وہ کہتے تھے: بچھڑے کی گویائی اس مٹی کا معجزہ تھا جو حضرت جبریل کے گھوڑے کے سموں سے پامال ہوئی تھی۔ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو ان کے آگے آگے جبریل جا رہے تھے اور زندگی کے فرشتہ پر سوار تھے جس نے گھوڑے کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اس گھوڑے کے سم جس مٹی پر پڑتے تھے اس میں زندہ کر دینے کی خاصیت پیدا ہو جاتی تھی۔ یہ بات کسی نے نہیں دیکھی لیکن سامری نے دیکھ لی پس اس نے بچھڑا بنا کر اس میں (آبجیات کی جگہ) اس خاک حیات کی ایک مٹھی ڈال دی۔ بس پھر کیا تھا۔ وہ زندہ ہو کر بولنے لگا۔

مفسرین کا تسامح:

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ کہانی تفسیر کی روایتوں میں بھی داخل ہوگئی اور اثر الرسول کا مطلب بنا لیا کہ "جبریل کے نقش قدم" کی ایک مشت خاک سامری نے اٹھائی تھی۔ لیکن یاد رہے کہ یہ تفسیر کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ایسی تفسیر کرنا قرآن کے اس مقام کو تمسخر انگیز حد تک بے معنی بنا دیتا ہے۔

اولاً قرآن نے اس معاملہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے اور یہ بات بلاغت قرآنی کے صریح خلاف ہے کہ ایک ایسا واقعہ جو قیاس اور قرینہ سے معلوم نہیں کیا جا سکتا بیان نہ کرے اور پھر اچانک صرف "اثر الرسول" کہہ کر اس کی طرف اشارہ کرے۔

ثانیاً قرآن میں جہاں کہیں بھی بغیر اضافت و اسناد کے "الرسول" کہا گیا ہے اس کا صرف یہی مطلب ہے یعنی پیغمبر۔ پس یہاں "الرسول" سے فرشتہ سمجھنا صحیح نہیں ہو سکتا۔

ثالثاً ایسا سمجھنا صریح قرآن کو جھٹلانا ہے اس لئے کہ قرآن کہیں یہ نہیں کہتا کہ بچھڑے کی مورتی میں زندگی پیدا ہو گئی تھی۔ بلکہ صاف صاف کہتا ہے کہ جسداً لہ خوار ایک بے جان دھڑ تھا جس سے آواز نکلتی تھی۔ اگر ایک ملکوتی کرشمہ نے اسے زندہ کر دیا ہوتا تو قرآن اسے عجلاً جسداً کیوں کہتا؟

رابعاً قرآن صاف صاف کہتا ہے کہ اس مورتی میں کوئی بات نہ تھی محض ایک شعبدہ تھا۔ کیونکہ وہ بنی اسرائیل کے تعجب و تاثر کو ان کی حد درجہ بے وقوفی قرار دیتا ہے اور کہتا ہے۔ افلا یرون الا یرجع الیہم قولاً؟ یعنی ان عقل کے اندھوں نے اتنی بات بھی نہ دیکھی کہ اگر یہ کوئی زندہ وجود ہے تو ان کی بات کا جواب کیوں نہیں دیتا؟ خالی بھاں بھاں کیوں کرتا رہتا ہے؟ پھر اگر مفسروں کی یہ کہانی مان لی جائے تو تسلیم کر لینا پڑے گا کہ قرآن کا یہ بیان یکقلم غلط ہے۔ کیونکہ اس میں تو ایک ملکوتی معجزہ تھا اس کے اندر تو جبریلی زندگی کی ایک روح دوڑ رہی تھی!

خامساً یہ کہانی خود اپنی بناوٹ ہی میں ناقابل تسلیم ہے۔ اگر فی الحقیقت کوئی ایسا ملکوتی مظاہرہ ہوا تھا اور بصرت بمالم یبصروا کے یہی معنی ہیں تو ماننا پڑے گا کہ سامری کی روحانی بصیرت تمام بنی اسرائیل سے حتیٰ کہ حضرت ہارون سے بھی کہ پیغمبر تھے بڑھی ہوئی تھی۔ کیونکہ یہ کرشمہ الٰہی کوئی نہ دیکھ سکا۔ صرف اس کی نگاہ حقیقت شناس کام کر گئی۔ بلکہ کہنا پڑے گا خود حضرت موسیٰ سے بھی بڑھی ہوئی تھی۔ کیونکہ وہ بھی یہ بات نہ پا سکے لیکن کیا ایسا مانا جا سکتا ہے؟ حمزہ، کسائی اور اعمش کی قرأت میں بما لم تبصروا بہ (یا مثناۃ) ہے۔ اگر یہ قرأت اختیار کر لی جائے تو صریح مطلب یہ ہوگا کہ "میں نے وہ بات دیکھ لی جو تم بھی نہ دیکھ سکے" یعنی حضرت موسیٰ بھی نہ دیکھ سکے۔ پھر کیا "بصیرت" کو اس کہانی پر سے جانا صحیح ہو سکتا ہے؟

الْاَوَّلُوْنَ ○ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ○ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا ٥-٦
نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ ٧
مَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ○ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ○ لَقَدْ ٨-٩
اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا ١٠ ع
بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ○ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ ١١

٥ نشانیوں کے ساتھ بھیجے جا چکے ہیں"۔
لیکن ان سے پہلے جن جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا، ان میں سے تو کوئی بھی (نزول ہلاکت کی نشانیاں
٦ دیکھ کر) ایمان نہیں لایا تھا۔ پھر کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے؟
اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں
بھیجا، مگر اسی طرح، کہ آدمی تھے، ان پر ہماری وحی اتری
تھی۔ پھر (اے گروہ منکرین!) اگر تمہیں یہ بات معلوم نہیں
٧ تو ان لوگوں سے پوچھ کر معلوم کر لو جو اہل کتاب ہیں!
اور ہم نے ان پیغمبروں کو کبھی ایسے جسم کا نہیں بنایا
کہ کھانا نہ کھاتے ہوں، اور نہ ہی وہ ہمیشہ زندہ رہنے
٨ والے تھے۔
(ہم نے تمہاری ہی طرح کے آدمیوں کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور)
پھر جس بات کا وعدہ کیا تھا وہ انہیں سچا کر دکھایا۔ ہم نے انہیں
اور ان کے ساتھ جس کسی کو چاہا، نجات دیدی اور حد سے
٩ نکل چلنے والوں کو ہلاک کر ڈالا!
ہم نے تمہارے لئے ایک کتاب نازل کر دی ہے،
اس میں تمہارے لئے موعظت ہے۔ (پھر اس سے زیادہ
١٠ تمہیں اور کیا چاہیئے؟) کیا تم سمجھتے نہیں؟
اور کتنی ہی بستیاں جو ظلم و شرارت میں غرق تھیں
ہم نے پامال کر ڈالیں اور ان کے بعد دوسرے گروہوں
١١ کو اٹھا کھڑا کیا، جب ہمارا عذاب انہوں نے محسوس کیا

ہی کی وجہ سے ہے۔

(٣) سچائی کی سب سے بڑی شناخت یہ ہے کہ اسے سچائی کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اگر کچھ اور کہنا چاہو گے، تو خواہ کتنا ہی زور لگاؤ، بات بنیں گی نہیں۔ بیشک اس وقت جب سر جھکا دو گے کہ ہاں، یہ سچائی ہے!

لیکن مشکل یہ ہے کہ نفس انسانی کی گمراہی و سرکشی پر حقیقت کا اعتراف ہمیشہ گراں گزرتا ہے۔ وہ بغیر لڑے کبھی ہتھیار نہیں رکھے گی۔ وہ مانیگی (کیونکہ سچائی بغیر منوائے نہیں رہ سکتی) مگر اسی وقت جب ماننے پر مجبور ہو جائے گی!

پیغمبر اسلام نے جب کلام حق کی منادی شروع کی تو قریش مکہ کا یہی حال ہوا۔ وہ سچائی دیکھ رہے تھے، مگر اسے سچائی کہنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ کبھی کہتے یہ مجنون ہو گیا ہے خواب و خیال کو وحی نبوت سمجھ رہا ہے، پھر تاثیر و نفوذ دیکھتے تو کہتے۔ یہ جادوگر ہے۔ جب یہ بات بھی نہ بنتی تو کہتے۔ چالاک مفتری ہے۔ من گھڑت باتوں کو خدا کا پیغام بتلاتا ہے۔ پھر یہ بات بھی چل نہیں سکتی تو کہتے۔ کچھ نہیں یہ شاعری کا کرشمہ ہے:

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش دار الندوہ میں جمع ہوئے اور یہ ساری باتیں آپس میں کہیں (ابن ہشام)

(٤) قرآن نے پچھلی قوموں کی ہلاکتوں کی سرگزشتیں سنائی ہیں اور کہا ہے جب خدا کے رسول جھٹلائے گئے تو انہوں نے ظہور عذاب کی خبر دی۔ یہ سرگزشتیں سنکر قریش مکہ کہتے تھے، ایسی ہی کوئی نشانی تم کیوں نہیں لا دکھاتے؟ آیت (٦) میں فرمایا اگر کوئی ایسی خبر دیدی جائے تو کیا تم فوراً ایمان لے آؤ گے؟ تم سے پہلے جتنی سرکش قومیں ہلاک ہوئیں ان میں سے تو کوئی بھی ایمان نہیں لایا تھا، اور پرستاران حق کی طرح پرستاران باطل کی سنت بھی ہمیشہ ایک ہی رہی ہے اور ہمیشہ ایک ہی رہیگی!

سُوْرَةُ الْاَنْبِیَاۗءِ

مکی - ۱۱۲ - آیات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُھُمْ وَھُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝ مَا یَاْتِیْھِمْ مِّنْ ذِکْرٍ مِّنْ رَّبِّھِمْ مُّحْدَثٍ ۱
اِلَّا اسْتَمَعُوْہُ وَھُمْ یَلْعَبُوْنَ ۝ لَاھِیَةً قُلُوْبُھُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ھَلْ ھٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ ۲
مِّثْلُکُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ السَّمِیْعُ ۳
الْعَلِیْمُ ۝ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىہُ بَلْ ھُوَ شَاعِرٌ فَلْیَاْتِنَا بِاٰیَةٍ کَمَآ اُرْسِلَ ۴

---

۱ وقت قریب آلگا ہے کہ لوگوں سے ان کے (اعمال کا) حساب لیا جائے، اس پر بھی ان کا یہ حال ہے کہ رُخ پھیرے غفلت میں متوالے چلے جارہے ہیں!

۲ اُن کے پروردگار کی طرف سے اُن پر نصیحت کی باتیں پے بہ پے آتی رہیں، مگر کبھی ایسا نہ ہوا کہ انہوں نے جی لگا کر سنا ہو! وہ سنتے ہیں مگر اس طرح کہ کھیل کود میں لگے ہوئے ہیں اور دل ہیں کہ یک قلم غافل! اور (دیکھو)

۴ ظلم کرنے والوں نے چپکے چپکے سرگوشیاں کیں "یہ آدمی اس کے سوا کیا ہے کہ ہماری ہی طرح کا ایک آدمی ہے؟ پھر کیا تم جان بوجھ کر ایسی جگہ آتے ہو جہاں جادو کے سوا اور کچھ نہیں؟"

۴ (پیغمبر نے) کہا، آسمان و زمین میں جو بات بھی کہی جاتی ہے (خواہ پوشیدہ کہی جائے خواہ علانیہ) میرے پروردگار کو سب معلوم ہے۔ وہ سننے والا، جاننے والا ہے! (اتنا ہی نہیں) بلکہ انہوں نے کہا، یہ محض خواب و خیال کی باتیں ہیں، بلکہ من گھڑت دعویٰ ہے، نہیں بلکہ یہ شاعر ہے، اگر ایسا نہیں ہے تو کوئی (نزولِ ہلاکت کی) نشانی ہمیں لا دکھائے، جس طرح اگلے وقتوں کے لوگ

(۱) یہ سورت ان سورتوں میں سے ہے جو مکی عہد کے اواخر میں نازل ہوئی ہیں۔ یہ بالاتفاق سورۂ ابراہیم کے بعد اور مومنون سے پہلے اتری۔ سورت کی ابتدا اس کا وسط، اس کا خاتمہ سب اعلان کر رہے ہیں کہ محاسبہ کا وقت قریب آگیا، اور ضروری ہے کہ فیصلہ کن معاملہ ظہور میں آجائے۔ چنانچہ وقت فی الحقیقت قریب آگیا تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ہجرتِ مدینہ کا واقعہ ظہور میں آیا، اور دعوتِ حق کے فتح و اقبال اور معاندین حق کے خسران و ادبار کا دور شروع ہوگیا۔

(۲) پیغمبر اسلام کی صداقت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ ان کے سخت سے سخت معاند بھی اس عجیب و غریب کشش و تاثیر سے انکار نہیں کر سکتے تھے جو آپ کی شخصیت اور آپ کی تعلیم میں پائی جاتی تھی؟ اور چونکہ اعترافِ حقیقت کے لئے تیار نہ تھے، اس لئے مجبور ہو جاتے تھے کہ اسے جادو سے تعبیر کریں؟ یہاں آیت ۳ میں فرمایا، وہ پیغمبر اسلام کے پاس جانے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور کہتے ہیں تم ان کے پاس گئے اور جادو میں پھنسے۔ وہاں تو جادو ہی جادو بھرا ہے نیز وہ کہتے ہیں، اس آدمی میں وحی و نبوت کی تو کوئی بات نظر نہیں آتی۔ کیونکہ یہ ہماری ہی طرح ایک آدمی ہے۔ پس جو کچھ بھی اس کا اثر و نفوذ ہے، جادو

وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝ ۱۹ - ۲۰
اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ ۲۱
رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ ۲۲ - ۲۳
اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ

سب اسی کے لئے ہیں۔ جو (فرشتے) اس کے حضور ہیں،
وہ کبھی گھمنڈ میں آکر اس کی بندگی سے سرتابی نہیں کرتے
نہ کبھی (بندگی سے) تھکتے ہیں! ۱۹
وہ رات دن اس کی پاکی کے ترانوں میں زمزمہ
سنج رہتے ہیں وہ کبھی تھکتے نہیں! ۲۰
کیا ان لوگوں نے زمین کی مخلوقات میں سے
ایسے معبود بنا لئے ہیں جو مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں؟ ۲۱
اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی
ہوتا، تو (ممکن نہ تھا کہ ان کا کارخانہ اس نظم و ہم آہنگی
کے ساتھ چلتا) وہ یقیناً بگڑ کے برباد ہو جاتے!
پس اللہ کے لئے کہ (جہانبانی عالم کے) تخت کا
مالک ہے، پاکی ہو، ان ساری باتوں سے پاکی ہو
جو یہ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں!
وہ جو کچھ بھی کرے، اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اور سب (اس کے آگے جواب دہ ہیں) ان ۲۲
سے بازپرس ہوتی ہے!
پھر کیا ان لوگوں نے اس کے سوا دوسرے معبود پکڑ رکھے ہیں؟ (اے پیغمبر!) تو ان سے کہہ دے اگر ایسا ۲۳
ہی ہے تو بتلاؤ۔ تمہاری دلیل کیا ہے؟ یہ ہے وہ
کلام جو میرے ساتھیوں کے ہاتھ میں ہے (یعنی قرآن)
اور جو مجھ سے پہلوں کے لئے اتر چکا ہے (یعنی پچھلی
کتابیں) تم ان میں کوئی بات بھی میری دعوت کے خلاف

ہم نے کائنات ہستی کا یہ پورا کارخانہ ایک فعل عبث کی طرح نہیں بنایا ہے۔ کسی طے شدہ مصلحت و مقصد ہی سے بنایا ہے۔ وہ مقصد کیا ہے؟ یہ کہ کائنات ہستی پستی سے بلندی کی طرف برابر ترقی کرتی جائے، یہاں تک کہ علو و رفعت کے اس انتہائی نقطہ تک پہنچ جائے جو کارفرمائے قدرت نے اس کے لئے ٹھہرا دیا ہے۔ اس مقصد کے لئے کونسا ہاتھ کام کر رہا ہے؟ حق و باطل کی کشاکش کے "قانون" کا ہاتھ یعنی یہاں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس لئے ہوتا ہے کہ حق باقی رہے اور باطل نابود ہو جائے۔ "حق" اس لئے باقی رہتا ہے کہ اسی سے بقا اور علو و ارتفاع ہے۔ "باطل" اس لئے نابود ہو جاتا ہے کہ وہ نقص، فساد اور زوال ہے۔

چنانچہ زندگی اور وجود کے ہر گوشہ میں یہ کشاکش جاری ہے، فطرت "حق" کے ہتھیار سے "باطل" پر ضرب لگاتی ہے، اور وہ ٹک نہیں سکتا، کیونکہ "حق" کے مقابلہ میں اس کے لئے ٹکنا نہیں۔ پھر اچانک ایسا ہوتا ہے کہ "باطل" ملیامیٹ ہو گیا، اور میدان میں صرف "حق" ہی کی نمود باقی رہ گئی!

(۸) آیت (۲۴) پر ہمارے مفسروں نے زیادہ غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، لیکن تم سرسری نظر ڈال کے گزر نہ جاؤ۔ ایک لمحہ کے لئے رک جاؤ۔ یہ استدلال وحدت ادیان کی اصل عظیم کا استدلال ہے جس پر قرآن نے اپنی دعوت کی تمام بنیادیں استوار کی ہیں۔ وہ کہتا ہے، یہ تعلیم حق ہے جو میرے ساتھیوں کے پاس ہے،

۱۲ - ۱۳ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْــَٔـلُوْنَ ۝

۱۴ - ۱۵ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ۝

۱۶ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ

۱۷ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ

۱۸ مِمَّا تَصِفُوْنَ ۝ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

۱۲ تو دیکھو اچانک بستیوں سے بھاگے جا رہے ہیں!
اب بھاگتے کہاں ہو؟ اپنے اسی عیش و عشرت
میں لوٹو (جس نے تمہیں اس قدر سرشار کر رکھا تھا) اور
انہی مکانوں میں (جن کی مضبوطی کا تمہیں غرہ تھا) تاکہ
(وہاں تدبیر و مشورہ میں تمہاری ضرورت ہو اور)
۱۳ تم سے کچھ دریافت کیا جائے۔
بستیوں کے باشندوں نے پکارا "افسوس ہم
۱۴ پر! بلاشبہ ہم ظلم کرنے والے تھے"!
تو (دیکھو) وہ برابر یہی پکارا کئے۔ یہاں تک کہ ہم
نے (انہیں ہلاک) کر دیا۔ کٹے ہوئے کھیت کی طرح بجھے
۱۵ ہوئے انگاروں کی طرح!۔
اور (دیکھو) ہم نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ
۱۶ ان کے درمیان ہے کچھ کھیل تماشہ کرتے ہوئے نہیں بنایا ہے (بلکہ کسی مصلحت و مقصد سے بنایا ہے) اگر ہمیں
کھیل تماشہ بنانا منظور ہوتا (تو ہمیں اس سے کون روک سکتا تھا؟) ہم خود اپنی جانب سے ایسا ہی کارخانہ
۱۷ بنا لیتے مگر ہم ایسا کرنے والے نہ تھے۔
بلکہ (یہاں حقیقت حال ہی دوسری ہے) ہم حق
سے باطل پر چوٹ لگاتے ہیں۔ تو وہ باطل کا سر کچل
ڈالتا ہے اور اچانک اسے فنا کر دیتا ہے۔ افسوس تم پر!
۱۸ تم کیسی باتیں کرتے ہو!
آسمانوں میں جو کوئی ہے اور زمین میں جو کوئی ہے

(۵) آیت (۷) میں ان کے اس وہم کا رد کیا ہے کہ نبیوں کو
آدمیوں کی طرح نہیں ہونا چاہئے۔ کچھ اور ہونا چاہئے۔ فرمایا یہودیوں
اور عیسائیوں سے پوچھ لو۔ خدا کے جو پیغمبر پہلے آ چکے ہیں، وہ آدمیوں
ہی کی طرح تھے۔ یا ہوا میں اڑا کرتے تھے!
مشرکین مکہ از راہ تحقیر کہا کرتے تھے۔ مالهذا الرسول
یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق؟ یہ کیسا نبی ہے کہ آدمیوں
کی طرح غذا کا محتاج ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے؟ فرمایا ہم نے
کسی کو ایسا دھڑ نہیں بنایا کہ اسے غذا کی احتیاج نہ ہو اور ہمیشہ زندہ
رہے۔ ہمارا قانون حیات یہی ہے کہ جسم ہوگا، تو اسے قائم رہنے کے لئے
غذا کی احتیاج بھی ہوگی۔
(۶) پھر آیت (۱۰) میں صاف صاف کہہ دیا۔ اگر سچائی
کی طلب ہے تو قرآن کو دیکھو، اس کی موعظت سے بڑھ کر سچائی کی
اور کونسی نشانی ہو سکتی ہے؟
اس مقام نے، اور اسی طرح کے اور بے شمار مقامات نے یہ حقیقت
قطعی طور پر واضح کر دی ہے کہ پیغمبر اسلام نے اپنی صداقت کے لئے
جس چیز پر بطور ایک نشانی کے زور دیا ہے، وہ صرف قرآن ہے
چنانچہ سورۂ عنکبوت میں اس کی مزید وضاحت ملے گی۔

(۷) آیت ۱۷ قرآن کے مہمات دلائل میں سے ہے لیکن ہمارے
مفسروں کو اس پر حسب عادت غور کرنے کی مہلت نہ ملی۔ اس سے
پہلے پچھلی قوموں کی ہلاکت اور ان کی جگہ نئی جماعتوں کے ابھرنے
کا ذکر کیا تھا۔ فرمایا یہ انقلاب حال کیوں پیدا ہوا؟ آباد
و خوش حال بستیاں کیوں کٹے ہوئے کھیتوں کی طرح اجڑ گئیں؟
زندگی اور حرکت کے بھڑکتے ہوئے شعلے کیوں بجھ کے رہ گئے؟
اس لئے کہ یہاں ہمارا ایک عالمگیر قانون کام کر رہا ہے، یعنی حق
و باطل کے تزاحم و کشاکش کا قانون۔

الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا ٣٠
فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ۝ ٣١-٣٢
وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن ٣٣
قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَ ٣٤
الْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۝ وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا ٣٥

کر دیں؟ پھر کیا یہ (اس بات پر) یقین نہیں رکھتے؟ ٣٠
اور ہم نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ[1] بنا دیئے کہ ایک
طرف کو ان کے ساتھ جھک نہ پڑے اور ہم نے ان میں
(یعنی پہاڑوں میں) ایسے درے[2] بنا دیئے کہ راستوں کا کام دیتے ہیں: تاکہ لوگ اپنی منزل مقصود پا لیں۔ ٣١
اور ہم نے آسمان کو ایک چھت کی طرح بنا دیا۔ (ہر طرح کے نقص اور خرابی سے) محفوظ! مگر یہ لوگ
اس کی نشانیوں سے رخ پھیرے ہوئے ہیں! ٣٢
اور (دیکھو) وہی ہے جس نے رات اور دن کا اختلاف پیدا کیا، اور سورج اور چاند بنائے۔ یہ تمام (ستارے)
اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ ٣٣
اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھ سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشگی نہیں دی (اور نہ تیرے لئے ہمیشہ زندہ رہنا ہے)
پھر اگر تجھے مرنا ہے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ ٣٤
ہر جان کے لئے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور ہم
تمہیں (زندگی کی) اچھی بری حالتوں کی آزمائش میں
ڈالتے ہیں تاکہ تمہارے لئے (یعنی تمہاری سعی و طلب کے
لئے) آزمائش ہو، اور پھر (بالآخر) تم سب کو ہماری
طرف لوٹنا ہے: ٣٥
اور (اے پیغمبر!) جب تجھے وہ لوگ دیکھتے ہیں
جنہوں نے انکار حق کی راہ اختیار کی ہے تو انہیں
اور تو کچھ سوجھتا نہیں بس تجھے اپنی ہنسی ٹھٹھے کی بات بنا لیتے

اور وضع واضح بنا دیا ہے؟ اس طرح استدلال کی تشریح تفسیر فاتحہ میں ملے گی۔ تخلیق کائنات کی جو حالت یہاں بیان کی گئی ہے اس کی تشریح سورہ یونس کے آخری نوٹ میں گزر چکی ہے۔

(١٠١) جب انسان کسی کے بغض و عناد میں کھویا جاتا ہے تو پھر اپنی زندگی کا اتنا خواہشمند نہیں رہتا جتنا اس کی موت کا آرزومند ہو جاتا ہے۔ دعوت حق کے معاندوں کا بھی یہی حال تھا۔ وہ پیغمبر اسلام کی موت کے خیال سے اپنا جی خوش کیا کرتے تھے اور کہتے تھے اور تو کچھ ہونے والا نہیں۔ ہاں اسی طرح دعوی کرتے کرتے ختم ہو جائے گا۔ آیت (٣٤) میں منکروں کی انہی خام خیالیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرمایا دنیا میں ہر جان کے لئے مرنا ہے، یہاں کسی کے لئے دائمی زندگی نہ ہوئی۔ پس اصلی سوال مرنے کا نہیں ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ نبلوکم بالشر والخیر فتنۃ ہم نے آزمائش عمل میں ڈالنے کے لئے خیر و شر کی آزمائشیں پیدا کر دی ہیں۔ ان آزمائشوں سے کون کس طرح عہدہ برا ہوتا ہے؛ خیر کا سرمایہ جمع کرتا ہے یا شر کا؟ یہ تمہاری موت کے خیال سے اپنا جی خوش

[1] یقال رسا یرسو- اذا ثبت واقام. قال الشاعر: فصبرت عارفة لذلك حرة ✦ ترسو اذا نفس الجبان تطلع۔
[2] قال الزجاج: کل مخترق بین جبلین فهو فج۔

۲۴ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا
۲۵ - ۲۶ فَاعْبُدُوْنِ ۝ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۙ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ
۲۷ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ
۲۸ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ
۲۹ ع ۹ نَجْزِی الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ

نکال سکتے ہو؟) اصل یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے اکثروں کو حقیقت کا پتہ ہی نہیں یہی وجہ ہے کہ (سچائی سے) رُخ پھیرے ہوئے ہیں!

۲۴ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھ سے پہلے کوئی پیغمبر ایسا نہیں بھیجا جس پر اس بات کی وحی ہم نے نہ بھیجی ہو کہ کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف میری ذات۔ پس چاہئے کہ میری بندگی کرو!

۲۵ اور (دیکھو) انہوں نے کہا "خدائے رحمان نے اپنے لئے اولاد بنائی ہے" پاکی ہو اس کے لئے (یہ جنہیں اس کی اولاد بناتے ہیں، وہ اس بات کا وہم و گمان بھی نہیں کر سکتے) بلکہ وہ تو اس کے معزز بندے ہیں

۲۶ وہ اس کے آگے بڑھ کے بات نہیں کر سکتے۔ وہ اس کے حکم پر سر تا سر کاربند رہتے ہیں۔

۲۷ جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ پیچھے چھوڑ آئے (یعنی ان کا ماضی بھی اور مستقبل بھی) سب اللہ جانتا ہے، ان کی مجال نہیں کہ کسی کو اپنی سفارش سے بخشوا لیں۔ مگر ہاں جس کسی کی بخشش اللہ پسند فرمائے اور

۲۸ وہ تو اس کی ہیبت سے خود ہی ڈرتے رہتے ہیں!

اور ان میں سے اگر کوئی ایسی جرأت کر بیٹھے کہ کہے "اللہ کے سوا میں معبود ہوں" تو اس کی پاداش میں ہم اسے جہنم کی سزا دیں۔ ہم اسی طرح ظلم کرنے والوں کو ان کے ظلم کا بدلہ دیتے ہیں!

۲۹ جو لوگ منکر ہیں کیا انہوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ آسمان اور زمین دونوں (اپنی ابتدائی خلقت میں) ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے انہیں الگ الگ کیا، اور پانی سے تمام جاندار چیزیں پیدا

اور اسی طرح وہ تمام تعلیمیں بھی موجود ہیں جو مجھ سے پہلے دی جا چکی ہیں تم کسی تعلیم سے بھی یہ بات ثابت کر دکھاؤ کہ سچائی کی بات وہ نہیں ہے جو میں پیش کر رہا ہوں؟ پھر اگر بغیر کسی اختلاف کے دنیا کے ہر عہد اور ہر گوشہ کی دینی تعلیم ایک ہی رہی ہے اور سب نے توحید و خدا پرستی ہی کی طرف بلایا ہے تو کیا یہ عالمگیر وحدت تعلیم اور یا ہمدگر تصدیق و توثیق حقیقت کی موجودگی کا ایک قطعی ثبوت نہیں ہے؟ چنانچہ آیت ۲۵ میں وضاحت کر دی کہ دعوت قرآن سے پہلے جتنی دعوتیں بھی دنیا میں آ چکی ہیں، ان سب کی پکار اس کے سوا کچھ نہیں رہی ہے کہ لا الٰہ الا انا فاعبدون!

یہی بات آگے چل کر سورۂ احقاف میں بھی ملیگی: ائتونی بکتاب من قبل ھذا، او اثارۃ من علم ان کنتم صادقین' (۲۶: ۴) مزید تشریح کے لئے تفسیر فاتحہ بحث وحدت ادیان دیکھو

(۹) قرآن کا عام اسلوب موعظت یہ ہے کہ توحید ربوبیت و خالقیت سے توحید الوہیت پر استدلال کرتا ہے۔ چنانچہ آیت ۳۰ میں فرمایا۔ کیا منکرین حق اس بات پر غور نہیں کرتے کہ کس کی قدرت و حکمت نے یہ تمام کارخانہ خلقت پیدا کیا ہے؟ اور کس کی ربوبیت نے اسے زندگی اور زندگی کی ساری احتیاجوں کے لئے اس درجہ

الرَّحْمٰنِ ۭ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۭ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ٤٢
نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ۝ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَاۗءِ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۭ ٤٣
اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ٤٤
وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاۗءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ۝ وَلَىِٕنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ ٤٥
يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـــًٔا ۭ ٤٦

کرسکتا ہے" (اگر وہ تمہیں عذاب دینا چاہے؟) مگر (ان سے کیا پوچھو گئے!) یہ تو اپنے پروردگار کی یاد سے بالکل رخ
پھیرے ہوئے ہیں! ٤٢

پھر کیا ان کے لئے معبود ہیں جو ہم سے انہیں بچا سکتے ہیں؟ (بھلا وہ کیا بچائیں گے؟) وہ خود اپنی
مدد تو کر نہیں سکتے، اور نہ ہماری ہی طرف سے حفاظت پا سکتے ہیں[1]: ٤٣

اصل یہ ہے کہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو (فوائد زندگی سے) بہرہ ور ہونے کے موقعے دیئے،
یہاں تک کہ (خوشحالیوں کی سرشاری میں) ان کی بڑی بڑی عمریں گزر گئیں (اور اب غفلت ان کی رگ رگ
میں رچ گئی ہے) مگر کیا یہ لوگ نہیں دیکھ رہے کہ ہم زمین کو چاروں طرف سے ان پر تنگ کرتے ہوئے
چلے آرہے ہیں؟ پھر کیا وہ (اس مقابلہ میں) غالب ہو رہے ہیں؟ ٤٤

اے پیغمبر! تو کہہ دے "میری پکار اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدا
کی وحی سے علم پا کر تمہیں متنبہ کر رہا ہوں" اور یاد رکھو جو بہرے
ہیں انہیں کتنا ہی خبردار کیا جائے کبھی سننے والے نہیں!" ٤٥
اور اگر ان پر تیرے پروردگار کے عذاب کی ایک
چھینٹا[2] بھی پڑ جائے تو (ساری سرکشی و شرارت بھول
جائیں اور) بے اختیار پکار اٹھیں "ہائے افسوس!
بلاشبہ ہم ہی ظلم کرنے والے تھے!" ٤٦
اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو کھڑے
کر دیں گے پس کسی جان کے ساتھ ذرا بھی ناانصافی نہ ہوگی

(١٢) آیت ٣٨ سے ٤٧ تک مشرکین مکہ کو ان کی سرکشی و غفلت
پر سرزنش کی ہے کہ سچائی کی نشانیاں دیکھتے تھے، بشارت و انذار
کے پیہم اعلانات سنتے تھے، مگر شرارت سے باز نہیں آتے تھے
اور نصیحت پکڑنے کی جگہ اعلان حق کی ہنسی اڑاتے تھے۔
(١٣) آیت ٤٥ نے دعوت حق کی پوری حقیقت واضح کر دی
ہے "میں تمہیں وحی الٰہی سے خبر پا کر متنبہ کر رہا ہوں۔ مگر جانتا
ہوں جو بہرے ہیں انہیں کتنا ہی خبردار کیا جائے سننے والے نہیں"!
(١٤) آیت ٤٧ میں یہ حقیقت واضح کی ہے کہ فطرت کا ترازو
بڑا ہی دقیقہ سنج ہے ایک ذرہ بھی اس کی تول میں کم نہیں ہو سکتا،
کوئی عمل کتنا ہی حقیر ہو، مثلاً تم نے کسی مصیبت زدہ پر ہمدردی کی
ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال دی۔ راہ چلتے ایک پتھر ہٹا دیا، ایک
پیاسی چیونٹی کے آگے پانی کا قطرہ ٹپکا دیا، مگر ضروری ہے کہ اس کے

[1] العرب تقول "صحبک اللہ" ای حفظک و اجارک۔ قال الشاعر:
ینادی باعلیٰ صوتہ متعوذاً   لیصحب منا، والرماح دوانی!
[2] قال ابن کیسان "النفحۃ" ای الشی القلیل ماخوذ من نفح المسک۔ قال المبرد "النفحۃ" الدفعۃ من الشی التی دون معظمہ یقال
نفحہ نفحۃ بالسیف اذا ضربہ ضربۃ خفیفۃ۔

٣٦ الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ هُمْ كَافِرُونَ ۝ خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۚ سَأُرِيكُمْ
٣٧-٣٨ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ۝ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا
٣٩ حِينَ لَا يَكُفُّونَ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ۝ بَلْ تَأْتِيهِمْ
٤٠ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ
٤١ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ قُلْ مَنْ يَكْلَؤُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ ع ٣/٢/٤

کرتے ہیں مگر خود اپنی زندگی کی خبر نہیں لیتے !

ہیں کیا۔ یہی وہ آدمی ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا

٣٦ ہے؟" اور ان کا حال یہ ہے کہ خدائے رحمان کے ذکر سے یک قلم منکر ہیں !

آدمی کی سرگذشت ہی میں جلد بازی ہے۔

٣٧ (وہ مستقبل کا انتظار کرنا نہیں چاہتا) اچھا عنقریب تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھا دینگے اتنی جلدی نہ کرو!

٣٨ اور یہ کہتے ہیں "اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ، یہ وعدہ کب ظہور میں آئے گا؟"

اگر یہ منکر اس گھڑی کا حال معلوم کرلیں جب آتش (عذاب بھڑکے گی اور اس) کے شعلے نہ تو اپنے آگے سے ہٹا سکیں گے نہ پیچھے سے، اور نہ کہیں سے

٣٩ مدد پائیں گے (تو کبھی اس شوخی و شرارت سے ظہور نتائج کا مطالبہ نہ کریں!)

بلکہ وہ گھڑی تو ان پر اچانک آموجود ہوگی اور انہیں مبہوت

٤٠ کر دیگی پھر نہ تو اس وقت کو پھیر سکینگے اور نہ ہی مہلت پائینگے!

اور (اے پیغمبر!) یہ واقعہ ہے کہ تجھ سے پہلے بھی پیغمبروں کی ہنسی اڑائی جا چکی ہے لیکن اس کا نتیجہ یہی نکلا ہے کہ جس بات کی ہنسی اڑاتے تھے (یعنی ظہور نتائج کی) وہی بات ان پر چھا گئی !

٤١ (اے پیغمبر!) ان سے پوچھ "رات کا وقت ہو یا دن کا، مگر کون ہے جو خدائے رحمان سے تمہاری نگہبانی

(١١) قرآن نے جا بجا انسانی طبیعت کے اس خاصہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ اپنی خواہشوں، رایوں، اور اقدام عمل میں جلد باز واقع ہوا ہے۔ یہاں بھی آیت ٣٧ میں اس طرف اشارہ کیا۔ فرمایا جن نتائج کے ظہور کی خبر دی جا رہی ہے وہ عنقریب ظاہر ہونے والے ہیں، لیکن یہ منکر شور مچا رہے ہیں کہ فوراً ظاہر کیوں نہیں ہو جاتے؟ اچھا تھوڑا سا انتظار اور کریں، بہت جلد سامنے آجائیں گے۔

اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اگر انسانی طبیعت میں جلد بازی ہے، تو قرآن اس خاصہ کی مذمت نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کے نزدیک فطرت انسانی کا کوئی خاصہ بھی فی نفسہ برائی کے لئے نہیں ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (٩٥: ٤) ضروری تھا کہ اس کی طبیعت میں جلد بازی ہوتی۔ کیونکہ یہی جلد بازی ہے جو اس کے اندر سعی عمل کا فوری ولولہ پیدا کرتی ہے اور اس کی ساری سرگرمیوں کے لئے ایک محرک کا کام دیتی ہے۔ لیکن خواص طبیعت کے ہر گوشہ کی طرح، یہاں بھی اسے ٹھوکر اصل خاصہ کے تقاضہ میں نہیں لگتی، بلکہ اس کے بے محل اور بے اعتدالانہ استعمال میں لگتی ہے، اسے جہاں صبر کرنا چاہئے، وہاں بے صبری کرنے لگتا ہے اور جب فیصلہ کرتے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے تو بے دھڑک فیصلہ کر دیتا ہے۔ پس قرآن انسان کی ہر گمراہی کی طرح اس گمراہی میں بھی سوء استعمال کی مذمت کرتا ہے نہ کہ طبیعت اور خواص طبیعت کی۔

۵۶ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

۵۷ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ

۵۸ - ۵۹ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ

۶۰ - ۶۱ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ

۶۲ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا

۶۳ - ۶۴ يَنْطِقُوْنَ ۝ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ

۶۵ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَاۤءِ يَنْطِقُوْنَ ۝

ابراہیم نے کہا "نہیں میں کہتا ہوں، آسمان اور زمین کا پروردگار جس نے ان سب کو پیدا کیا، وہی تمہارا
۵۶ بھی پروردگار ہے، میں اس حقیقت پر تمہارے آگے گواہ ہوں"۔

"اور ابراہیم نے کہا، بخدا میں ضرور تمہارے ان بتوں کے ساتھ ایک چال چلوں گا جب تم سب
۵۷ پیٹھ پھیر کے چل دو گے"۔

چنانچہ (اس نے ایسا ہی کیا) اس نے بتوں کو توڑ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ صرف ایک بت جو ان میں
۵۸ بڑا سمجھا جاتا تھا، چھوڑ دیا کہ شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

انہوں نے کہا (یعنی جب لوگ معبد میں واپس آئے تو یہ حال دیکھ کر کہنے لگے) "ہمارے معبودوں کے ساتھ
۵۹ یہ حرکت کس نے کی؟ جس کسی نے کی ہو وہ بڑا ہی ظالم آدمی ہے"۔

چند آدمیوں نے کہا "ہم نے ایک نوجوان کو ان کے بارے میں کچھ کہتے سنا تھا۔ اسے ابراہیم کہہ کے
۶۰ پکارتے ہیں"۔

۶۱ لوگوں نے کہا "اُسے یہاں تمام آدمیوں کے سامنے بلا لاؤ۔ تاکہ سب گواہ رہیں"۔

۶۲ ان لوگوں نے ابراہیم سے کہا (کیونکہ اب اسے بلا لائے تھے) "ابراہیم! کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی؟"

ابراہیم نے کہا "بلکہ (یوں سمجھو) اس بت نے کی جو ان میں سب سے بڑا ہے۔ اگر بت بول سکتے
۶۳ ہیں تو خود اسی سے دریافت کر لو"۔

تب وہ آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے انہوں نے کہا "اس میں شک نہیں اصل میں
۶۴ مجرم تو خود ہم ہی ہیں"۔

پھر وہ اس حال میں پڑ گئے کہ شرم و خجالت سے سر جھکے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا "تو اچھی طرح
۶۵ جانتا ہے، یہ بت بات نہیں کیا کرتے"۔

٤٧ وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَ
٤٨ هَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَهُم مِّنَ
٤٩ ٥٠ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ۝ وَهَٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنزَلْنَاهُ ۚ أَفَأَنتُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَا ربع ع
٥١ إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي
٥٢ ٥٣ أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ۝ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنتُمْ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمْ
٥٤ ٥٥ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ قَالُوا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ ۝

اگر رائی برابر بھی کسی کا عمل ہوگا، تو ہم اسے وزن میں لے
آئیں گے۔ جب ہم (خود) حساب لینے والے ہوں تو پھر اس
٤٧ کے بعد کیا باقی رہا؟
اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو
فرقان (یعنی حق کو باطل سے الگ کر دینے والی قوت) اور
(وحی الٰہی کی) روشنی اور متقیوں کے لئے نصیحت دی
٤٨ تھی۔ ان متقیوں کے لئے جو اپنے پروردگار کی ہستی
٤٩ سے بغیر اسے دیکھے ہوئے ڈرتے رہتے ہیں، اور آنے والی گھڑی کے تصور سے بھی لرزاں رہتے ہیں!

وہ وزن میں آجائے، ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ رائیگاں جائے۔
اور تم خود اپنی زندگی ہی میں دیکھ لو کہ فطرت کے قانون مجازات کی دقائق اندیشیوں کا کیا حال ہے؟ تم نے ایک پل کے لئے کسی پر ہمدردی کی نظر ڈالی، اور معاً تمہارے اندر حسن اخلاق کا ایک نقش جم گیا۔ تم نے کسی جانور پر بھی بے رحمی کی نگاہ ڈالی، اور تمہارے آئینۂ اخلاق میں قساوت کا بال پڑ گیا۔ تمہاری کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی تمہیں بدلہ دیئے بغیر نہیں رہ سکتی، اور بدلہ ٹھیک ٹھیک تپا تلا ہوتا ہے۔ رائی برابر بھی ادھر ادھر نہیں!

اور یہ قرآن بھی نصیحت ہے، برکت والی۔ ہم نے اسے
٥٠ نازل کیا۔ پھر کیا تمہیں اس سے انکار ہے؟
اور اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو اس کے درجہ
کے مطابق[1] سمجھ بوجھ عطا فرمائی تھی۔ اور ہم اس کی
٥١ حالت سے بے خبر نہ تھے۔
جب اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم کے
٥٢ لوگوں سے کہا تھا "یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی پوجا پر تم
٥٣ جم کر بیٹھ گئے ہو؟" تو انہوں نے جواب دیا تھا "ہم نے اپنے باپ دادوں کو دیکھا، انہی کی پوجا کرتے تھے"۔
٥٤ ابراہیم نے کہا "یقین کرو تم خود بھی اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے"
٥٥ اس پر انہوں نے کہا "تو ہم سے سچ مچ کہہ رہا ہے یا مذاق کر رہا ہے؟"

(١٥) آیت (٤٨) سے سلسلۂ بیان اس طرف متوجہ ہوگیا ہے کہ متذکرہ صدر مقاصد پر گزشتہ دعوتوں اور قوموں کی سرگزشتوں سے استشہاد کیا جائے۔ چنانچہ پہلے حضرت موسیٰ کی دعوت کی طرف اشارہ کیا۔ جن کی کتاب ہی کا حال اہل عرب پر معلوم و مسلم تھا۔ فرمایا۔ اسی طرح قرآن کا بھی نزول ہوا ہے۔ پھر اگر یہ اس سے منکر ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تمام سلسلۂ وحی و تنزیل سے منکر ہیں۔
اس کے بعد حضرت ابراہیم کی زندگی کا وہ ابتدائی واقعہ بیان کیا جو اپنے مولد کے وطن اور تمدن میں پیش آیا تھا جہاں سے ہجرت کر کے وہ کنعان آگئے اور وہیں بقیہ عمر کے لئے بس گئے۔

[1] وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ "ای الرشد اللائق به و بامثاله من الرسل"۔ مترجموں نے "رشده" کی ضمیر کا مطلب بالکل ضائع کر دیا۔

كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ○ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ ۷۴ ع ۵
قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ○ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا ۷۶
بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ ۷۷
اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ○ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا ۷۸
وَّعِلْمًا ؗ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ○ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ ۷۹
لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ○ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً ۸۰

حد سے گزرے ہوئے لوگ تھے (ہم نے ان سے لوط کو نجات دی) اور اپنی رحمت کی پناہ میں لے لیا یقیناً ۷۴
وہ نیک کردار انسانوں میں سے ایک انسان تھا! ۷۵
اور (اسی طرح) نوح کا معاملہ (بھی یاد کرو) جو ان (نبیوں) سے پیشتر کا ہے، جب اس نے ہمیں پکارا
تھا، تو (دیکھو) ہم نے اس کی پکار سن لی۔ اور اسے اور اس کے گھرانے کو ایک بڑی ہی سختی سے نجات ۷۶
دے دی۔ نیز ان لوگوں کے مقابلہ میں جو ہماری نشانیاں جھٹلاتے تھے، اس کی مدد کی وہ بڑے ہی بد
راہ لوگ تھے، پس ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ ۷۷

اور داؤد اور سلیمان (کا معاملہ بھی یاد کرو)
جب وہ (ملک کے) کھیت میں کہ لوگوں کی بکریاں
اس میں منتشر ہو گئی تھیں حکم چلاتے تھے، اور ہم ان
کی حکم فرمائی دیکھ رہے تھے، پس ہم نے سلیمان کو اس بات ۷۸
کی پوری سمجھ دے دی، اور ہم نے حکم دینے کا منصب اور
(نبوت کا) علم ان میں سے ہر ایک کو عطا فرمایا تھا۔ نیز ہم نے
پہاڑوں کو داؤد کے لیے مسخر کر دیا تھا۔ وہ اللہ کی
پاکی کی صدائیں بلند کرتے تھے، اور اسی طرح پرندوں
کو بھی۔ اور ہم (ایسا ہی) کرنے والے تھے۔ ۷۹
اور (دیکھو) ہم نے داؤد کو تمہارے لئے زرہ بکتر
بنانا سکھا دیا کہ تمہیں ایک دوسرے کی زد سے بچائے
پھر کیا تم (ہماری بخششوں کے) شکر گزار ہو؟ ۸۰
اور (دیکھو) ہم نے (سمندر کی) تند ہواؤں کو بھی

(۷۸) اگر ایک آدمی ایک طرف کھیت بوئے، دوسری طرف رات کو اپنی بکریاں بھی کھول دیا کرے تو کیا نتیجہ نکلے گا؟ یہی کہ ساری فصل تباہ ہو جائے گی۔ وہ جتنا چر سکیں گی، چریں گی۔ جتنا روند سکیں گی روند جائیں گی۔

یہی حال یہودیوں کا تھا۔ وہ ایک طرف بناتے تھے، دوسری طرف خود اپنے ہی ہاتھوں اسے اجاڑ دیتے تھے۔ حضرت داؤد نے انہیں فلسطینیوں پر فتح مند کرایا، اور تمام ملک ساحل بحر تک ان کے قبضہ میں آ گیا، لیکن پھر بھی ان میں نظم و اطاعت کی روح پیدا نہ ہوئی۔

البتہ حضرت سلیمان کے زمانہ میں ایک نیا انقلاب رونما ہوا، اور انہوں نے اپنی دانش و حکمت نبوت سے یہودیوں کی حالت ایسی پلٹ دی کہ ایک عظیم الشان عبرانی مملکت قائم ہو گئی۔

آیت (۷۸) میں اسی صورت حال کی طرف غالباً اشارہ کیا گیا گیا ہے۔

آیت کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "الحرث" سے مقصود کوئی خاص کھیتی ہو اور "غنم القوم" سے خاص گروہ کی بکریاں یعنی کسی کا کھیت تھا، اور کسی کی بکریاں اس میں جا پڑی تھیں اس جھگڑے کا فیصلہ دونوں نے کیا۔ حضرت داؤد نے بھی اور

۶۶ قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ○ أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ
۶۷ - ۶۸ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ○ قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي
۶۹ - ۷۰ بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ○ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ○ وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ
۷۱ - ۷۲ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ○ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ○ وَجَعَلْنَاهُمْ
أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ ۖ وَ
۷۳ كَانُوا لَنَا عَابِدِينَ ○ وَلُوطًا آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَت تَّعْمَلُ الْخَبَائِثَ ۗ إِنَّهُمْ

ابراہیم نے کہا "پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو تمہیں نہ تو کسی طرح
۶۶ کا نفع پہنچائیں نہ نقصان؟ تمہاری حالت کتنی ناقابل برداشت ہے اور ان کی بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے
۶۷ ہو، کیا تم عقل سے بالکل کورے ہو گئے؟"

انہوں نے (آپس میں) کہا "اگر ہم میں کچھ بھی ہمت
ہے تو آؤ اس آدمی کو آگ میں ڈال کر جلا دیں اور
۶۸ اپنے معبودوں کا بول بالا کریں"
مگر ہمارا حکم ہوا "اے آگ! ٹھنڈی ہو جا، اور
۶۹ ابراہیم کے لئے سلامتی!"
(اور دیکھو) انہوں نے چاہا تھا، ابراہیم کے
۷۰ ساتھ ایک چال چلیں لیکن ہم نے انہیں نامراد
کر دیا۔ ہم نے اسے اور (اس کے بھتیجے) لوط کو
(دشمنوں سے) نجات دلا کر ایک ایسے ملک میں پہنچا
۷۱ دیا جسے قوموں کے لئے (بڑا ہی) بابرکت ملک بنایا
ہے (یعنی سرزمین کنعان)

(۱۶) حضرت ابراہیم نے جب دیکھا کہ بتوں کی عظمت لوگوں کے دلوں میں اس طرح جم گئی ہے کہ عقل و بصیرت کی کوئی صدا بھی اسے متزلزل نہیں کر سکتی، تو اعلان حقیقت کے لئے انہوں نے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ ایسا طریقہ کہ تمام لوگوں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ان کے معبود خود ان سے بھی زیادہ عاجز اور بے بس ہیں اور وہمی اور روایتی عقیدت کے سوا کوئی حقیقت موجود نہیں۔ تشریح اس کی سورت کے آخر میں ملے گی۔

جب لوگ اس مقابلہ میں عاجز و درماندہ ہو گئے، تو پھر جیسا کہ جہل و تعصب کا قاعدہ ہے، ظلم و تشدد پر اتر آئے۔ انہوں نے چاہا حضرت ابراہیم کو زندہ آگ میں جلا دیں۔ لیکن اللہ نے ان کے سارے منصوبے بیں خاک میں ملا دئے، اور حضرت ابراہیم زندہ و سلامت وہاں سے نکل کر کنعان چلے گئے۔ ان کے ساتھ ان کے بھتیجے حضرت لوط بھی تھے۔ ان دونوں کے توطن کنعان کی تفصیل بضمن آیت (۶۹) سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔

۷۲ اور پھر ہم نے اسے (ایک فرزند) اسحاق عطا فرمایا، اور مزید براں (پوتا) یعقوب۔ ان سب کو ہم نے نیک کردار بنایا
تھا۔ ہم نے انہیں انسانوں کی پیشوائی دی تھی ہمارے حکم کے مطابق وہ راہ دکھاتے تھے۔ ہم نے ان پر وحی بھیجی کہ ہر طرح
۷۳ کی بھلائی کے کام انجام دیں، نیز نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ وہ ہماری بندگی میں لگے رہتے تھے!
اور اسی طرح لوط کو بھی ہم نے (احکام حق دینے کا منصب اور نبوت کا) علم عطا فرمایا۔ ہم نے اس بستی
سے نجات دیدی جس کے باشندے بڑے ہی گندے کام کیا کرتے تھے اور کچھ شک نہیں بڑے ہی بدراہ،

إِنَّهُم مِّنَ الصّٰلِحِينَ ○ وَذَا النُّونِ إِذ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمٰتِ ۸۶
أَن لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحٰنَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظّٰلِمِينَ ○ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ ۸۷
نُۨجِي الْمُؤْمِنِينَ ○ وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنتَ خَيْرُ الْوٰرِثِينَ ○ فَاسْتَجَبْنَا ۸۸ ۸۹
لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسٰرِعُونَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ

اپنی رحمت کے سایہ میں لے لیا۔ یقیناً وہ نیک
بندوں میں سے تھے۔
اور اسی طرح ذوالنون کا معاملہ یاد کرو) ۸۶
جب ایسا ہوا تھا کہ وہ (راہِ حق میں) خشمناک
ہو کر چلا گیا۔ پھر اس نے خیال کیا ہم اسے تنگی میں
نہیں ڈالیں گے۔ لیکن پھر جب اس پر حالت تنگ
ہوئی (تو مایوسی کی) تاریکیوں میں اس نے پکارا "خدایا!
تیرے سوا کوئی معبود نہیں! تیرے لئے (ہر طرح کی) پاکی ہو! حقیقت یہ ہے کہ میں نے اپنے اوپر بڑا ہی ظلم کیا" ۸۷
تب ہم نے اس کی پکار سن لی، اور غمگینی سے
اسے نجات دے دی (دیکھو) ہم اسی طرح ایمان والوں کو
نجات دیا کرتے ہیں! ۸۸
(اور اسی طرح) زکریا (کا معاملہ یاد کرو) جب
اس نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا "خدایا! مجھے (اس
دنیا میں) اکیلا نہ چھوڑ (یعنی بغیر وارث کے نہ چھوڑ)
اور (ویسے تو) تو ہی (ہم سب کا) بہتر وارث ہے!"
تو (دیکھو) ہم نے اس کی پکار سن لی۔ اسے (ایک ۸۹
فرزند) یحییٰ عطا فرمایا، اور اس کی بیوی کو اس کے لئے
تندرست کر دیا۔ یہ تمام لوگ نیکی کی راہوں میں
سرگرم تھے (ہمارے فضل سے) امید لگائے ہوئے اور (ہماری

(۱۹) جس وقت تک آتشیں اسلحہ ایجاد نہیں ہوئے تھے، جنگ میں حفاظت کا بڑا ذریعہ آہنی لباس کا استعمال تھا، یعنی زرہ کا۔ آیت ۸۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اس صنعت کو بہت فروغ دیا تھا، اور اس میں طرح طرح کی نئی ایجادات کی تھیں۔ تاریخ آثار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ ایک ہزار سال قبل مسیح تک زرہ کا استعمال قوموں میں دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن اس کے بعد سے خود کا استعمال شروع ہو جاتا ہے اور پھر دوسری چیزیں بھی مستعمل ہونے لگتی ہیں۔ یہاں تک کہ سکندر کے عہد میں یونانی اور ایرانی، دونوں سراپا آہن پوش ہو گئے تھے۔

(۲۰) آیت ۸۱ میں فرمایا "ہم نے سمندر کی باد تند سلیمان کے لئے مسخر کر دی تھی" یعنی بادبانی کے بڑے بڑے جہاز چلنے لگے تھے، اور خشکی کے جانوروں کی طرح سمندر کی ہوائیں بھی ان کے لئے باربرداری اور نقل و حرکت کا ذریعہ ہو گئی تھیں۔

سمندر کی ہواؤں کا معاملہ بھی قدرت کے عجائب مظاہر میں سے ہے۔ جس وقت تک خانی قوت کا انکشاف نہیں ہوا تھا، بحری سیر و سیاحت کا ذریعہ یہی ہوائیں تھیں۔ یہ مختلف جہتوں میں چلتی ہیں، اور مختلف وقتوں میں چلتی ہیں اور ان کی جہتیں اور اوقات اس درجہ معین اور منضبط ہیں کہ کبھی ان میں فرق نہیں پڑ سکتا۔ پھر ان کی تندی و طاقت کا یہ حال ہے کہ بڑے بڑے جہازوں کو تنکوں کی طرح سطح سمندر پر دوڑاتے ہوئے لے جاتی ہیں:

قدیم عہدوں میں حضرت سلیمانؑ پہلے شخص ہیں جنہوں نے جہازوں سے اس طرح کام لینا شروع کیا کہ ہندوستان اور مغربی جزائر تک بحری آمد و رفت کا منظم سلسلہ قائم ہو گیا۔ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تجارتی بیڑہ وقت کا سب سے زیادہ طاقتور

لہ "لن نقدر علیہ" ای لن نضیق علیہ۔ یقال قدر و قدر و قتر و قتر ای ضیق۔ ومنہ قولہ "یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر" ای یضیق "ومن قدر علیہ رزقہ"

٨١ تَجْرِي بِأَمْرِهٖٓ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بٰرَكْنَا فِيهَا ۚ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِينَ ۝ وَمِنَ الشَّيٰطِينِ مَنْ
٨٢ يَّغُوصُونَ لَهٗ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِينَ ۝ وَأَيُّوبَ إِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ أَنِّي
٨٣ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرّٰحِمِينَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ أَهْلَهٗ
٨٤ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِينَ ۝ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ كُلٌّ
٨٥ مِّنَ الصّٰبِرِينَ ۝ وَأَدْخَلْنٰهُمْ فِي رَحْمَتِنَا ۖ

سلیمان کے لئے کیسا مسخر کر دیا تھا کہ اس کے حکم پر چلتی تھیں اور اس سرزمین کے رخ پر جس میں ہم نے بڑی ہی برکت رکھ دی ہے (یعنی فلسطین اور شام کے رخ پر جہاں

حضرت سلیمان نے بھی، اور فیصلہ حضرت سلیمان کا زیادہ قوی اور راد فق تھا۔ مزید تشریح عام تفاسیر میں ملے گی۔

٨١ (بحر احمر اور بحر متوسط سے دور دور کے جہاز آتے تھے) اور ہم ساری باتوں کی آگاہی رکھتے ہیں:

اور شیطانوں میں سے ایسے شیطان جو اس کے لئے غوطے لگاتے، اور اس کے علاوہ اور بھی طرح طرح کے کام کرتے اور ہم انہیں اپنی پاسبانی میں لئے ہوئے تھے۔

اور ایوب (کا بھی معاملہ یاد کرو) جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا "میں دکھ میں پڑ گیا ہوں اور خدایا! تجھ سے بڑھ کر رحم کرنے والا کوئی نہیں!"

پس ہم نے اس کی پکار سن لی اور جس دکھ میں پڑ گیا تھا وہ دور کر دیا۔ ہم نے اس کا گھرانا (پھر سے) بسا دیا، اور اس کے ساتھ ویسے ہی (عزیز و اقارب) اور بھی دئے۔ یہ ہماری طرف سے اس کے لئے رحمت تھی اور یہ نصیحت ہے ان کے لئے جو اللہ کی بندگی کرنے والے ہیں!

(٨١) آیت (٧٩) میں "یسبحن" کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک وہ جو "ان من شیٔ الا یسبح بحمدہ" میں ہے، دوسرا یہ کہ جب حضرت داؤد حمد الٰہی کے نغمے گاتے تھے تو سماں بندھ جاتا تھا، اور چڑیاں تک وجد میں آجاتی تھیں![1]

٨٢ حضرت داؤد بڑے ہی خوش آواز تھے۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عبرانی موسیقی مدون کی اور مصری اور بابلی مزامیر کو ترقی دے کر نئے نئے آلات ایجاد کئے۔

تورات اور روایات یہود سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بیٹھ کر حمد الٰہی کے ترانے گاتے اور اپنا بربط بجاتے

٨٣ تو شجر حجر جھومنے لگتے۔

روایاتِ تفسیر سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ پرندوں کی تسخیر کو بھی دونوں باتوں پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ اس پر بھی کہ ہر طرح کے پرندے ان کے محل میں جمع ہو گئے تھے، اور اس پر بھی کہ ان کی نغمہ سرائیوں سے متاثر ہوتے تھے۔

کتاب زبور در اصل ان گیتوں کا مجموعہ ہے جو حضرت داؤد نے الہام الٰہی سے نظم کی تھیں۔

اور (اسی طرح) اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل سب (راہ حق میں) صبر کرنے والے تھے، ہم نے انہیں

[1] التسبیح اما حقیقۃ او مجاز۔ وقد قال بالاول جماعۃ وھو الظاھر۔ وقال بالمجاز آخرون وحملوا التسبیح علی تسبیح من راٰھا، تعجبا من عظم خلقھا وقدرتہ۔ خالقھا (فتح القدیر للشوکانی) قلت ولکلٍ وجھۃ ھو مولیھا۔ فاستبقوا الخیرات۔

اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝ وَاقْتَرَبَ ۹۵ ۹۶
الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا
ظٰلِمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ ۹۷ ۹۸
اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ ۹۹ ۱۰۰
سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وَهُمْ فِيْ ۱۰۱

ٹھہرا دی تو اس کے لئے (کامیابی و سعادت) ممکن نہیں وہ کبھی (اپنی سرکشی و غفلت سے) لوٹنے والے نہیں!

جب وہ وقت آجائیگا کہ یاجوج اور ماجوج ۹۶
کی راہ کھل جائے گی (زمین کی) تمام بلندیوں سے وہ دوڑتے ہوئے اتر آئینگے اور (خدا کے ٹھہرائے ہوئے) سچے وعدہ ۹۶
کی گھڑی قریب آجائے گی تو اس وقت اچانک ایسا ہوگا کہ لوگوں کی آنکھیں (شدت دہشت و حیرت سے) کھلی کی کھلی رہ جائینگی ان لوگوں کی آنکھیں جنھوں نے (سچائی سے) انکار کیا تھا۔ (وہ پکار اٹھینگے) افسوس ہم پر! ہم اس (ہولناک گھڑی) سے غفلت میں رہے بلکہ ہم ظلم و شرارت میں سرشار تھے"! ۹۷

تم اور وہ تمام چیزیں جن کی اللہ کو چھوڑ کر پوجا کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہیں تم سب وہاں پہنچنے والے ہو ۹۸

اگر یہ چیزیں سچ مچ کو معبود ہوتیں تو کبھی دوزخ میں نہ پہنچتیں، حالانکہ سب اس میں ہمیشہ کے لئے رہنے والے ہیں! ۹۹

ان کے لئے دوزخ میں (صرف دکھ اور جلن کی) چیخیں ہوں گی۔ اور وہ (اور کچھ) نہیں سنینگے! ۱۰۰

(مگر) جن لوگوں کے لئے ہم نے پہلے سے بھلائی کا حکم دیدیا تو وہ یقیناً دوزخ سے دور کردئے گئے ۱۰۱
وہ (اس سے اتنے دور ہونگے کہ) وہاں کی (اذیتوں کی

نے کی۔ تورات کی کتاب سلاطین اول سے معلوم ہوتا ہے کہ تیس ہزار آدمی تیرہ برس تک کام میں لگے رہے، تب کہیں جاکر عمارت تیار ہوئی تھی۔

(۲۲) عہد عتیق میں "ایوب" کے نام سے ایک صحیفہ ہے اور اس میں اس نام کے ایک راست باز اور صابر انسان کی سرگزشت لکھی ہے۔ آیت (۸۳) میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سرگزشت کا خلاصہ یہ ہے کہ "عوص کے ملک میں ایوب ایک کامل اور راست باز انسان تھا۔ خدا نے اسے بڑا خاندان اور بڑی دولت دے رکھی تھی۔ اس کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ سات ہزار بھیڑیں، تین ہزار اونٹ، ایک ہزار بیل، اور پانچ سو باربرداری کے گدھے تھے۔ اس کے نوکر چاکر بھی بے شمار تھے، اور اہل شرق میں اس درجہ مالدار کوئی نہ تھا۔ وہ اس دولت و شوکت کے لئے خداوند کا شکرگزار تھا اور ہمیشہ بدی سے دور رہتا تھا۔

لیکن پھر زندگی کی ساری مصیبتیں ان پر آپڑیں۔ ان کے مویشی لوٹ لئے گئے۔ نوکر چاکر قتل ہوگئے۔ اولاد مرگئی جائداد ختم نابود ہوگیا اور زندگی کی خوش حالیوں میں سے کوئی چیز بھی باقی نہ رہی۔ پھر بربادیوں کے یہ تمام زخم ایک ایک کرکے نہیں لگے کہ سنبھلنے اور جھیلنے کی مہلت ملی ہو۔ یہ یک وقت لگے اور اچانک دنیا کچھ سے کچھ ہوگئی۔

لیکن عین اس حالت میں بھی حضرت ایوب کی زبان سے کلمہ صبر و شکر کے سوا اور کچھ نہیں نکلا: "وہ سجدے میں گر پڑا، اور کہا میں اپنی ماں کے پیٹ سے برہنہ پیدا ہوا تھا اور برہنہ ہی دنیا سے جاؤنگا خداوند نے مجھے دیا تھا۔ اور خداوند نے لے لیا۔ اس کے نام کے لئے ساری پاکیاں اور مہیا کیا ان ہوں!" (ایوب ۱: ۲۲)

سب کچھ جا چکا تھا صرف جسم کی تندرستی باقی رہ گئی تھی۔ اب

۹۰ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝ وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا
۹۱ ۹۲ وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ڮ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝
۹۳ ع ۶ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ۝ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا
۹۴ كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ۝ وَحَرٰمٌ عَلٰي قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ

جلال سے ڈرتے ہوئے دعائیں مانگتے تھے اور ہمارے آگے عجز و نیاز سے جھکے ہوئے تھے!

۹۰ اور (اسی طرح) اس عورت کا معاملہ جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی (یعنی مریم کا معاملہ) پس ہم نے اپنی رُوح میں سے (یعنی اپنے ملائکہ کے جوہر ملکوتیت میں سے ایک جوہر) اس میں پھونک دیا، اور اسے اور اس کے بیٹے (مسیح) کو تمام دنیا کے لئے (سچائی کی) ایک نشانی بنا دیا!

۹۱ (ان تمام رسولوں کے ذریعے ہم نے جو تعلیم دی تھی وہ یہی تھی) یہ تم سب کی امت فی الحقیقت ایک ہی امت ہے (الگ الگ دین اور الگ الگ گروہ بندیاں نہیں ہیں) اور میں ہی تم سب کا (تن تنہا) پروردگار ہوں پس چاہیئے کہ میری ہی بندگی
۹۲ کرو (اور اس راہ میں الگ الگ نہ ہو)

مگر لوگوں نے آپس میں اختلاف کرکے اپنے (ایک ہی) دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے (بالآخر)
۹۳ سب کو ہماری ہی طرف لوٹنا ہے۔

پس (یاد رکھو) اصل اس باب میں یہ ہے کہ جس کسی نے نیک کام کئے اور وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے تو اس کی کوشش اکارت جانے والی نہیں، ہم
۹۴ اس کی نیکیاں لکھ لینے والے (موجود) ہیں!

اور دیکھو جس آبادی کے لئے ہم نے ہلاکت

بیڑہ تھا، بحر احمر میں اس کا مرکز "تربیس" تھا جو خلیج عقبہ میں واقع تھا اور بحر متوسط میں صور، طائر، یافہ کی بندرگاہیں۔

فلسطین کا علاقہ ایسے گوشہ میں واقع ہوا ہے کہ اس کے مغرب و شمال میں بحر متوسط ہے اور جنوب میں بحر احمر۔ پس اسے متضاد سمتوں کی ہوائیں چاہئیں تاکہ دنیا کے جہاز اس کے ساحلوں تک پہنچ سکیں یعنی بحر احمر میں شمالی ہوا اور متوسط میں جنوبی اور شرقی۔ اور اگرچہ دونوں سمندروں کا باہمی فاصلہ کچھ زیادہ نہیں لیکن قدرت الٰہی نے ان کی ہواؤں کی سمتیں ایسی ہی رکھ دی ہیں کہ بیک وقت بحر احمر میں باد شمال کے جھونکے چلتے ہیں اور متوسط میں باد جنوب کے اور دونوں یکساں طور پر سواحل شام و فلسطین کے لئے مفید ہیں۔ اس تفصیل کے بعد "الی الارض التی بارکنا فیہا" کا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

(۲۱) قرآن میں شیطان کا اطلاق شیاطین الجن پر بھی ہوا ہے اور شیاطین الانس پر بھی مثلاً انما ذلکم الشیاطین یخوف اولیاءہ (۳: ۱۶۹) میں شیطان سے مقصود قریش مکہ کا بھیجا ہوا جاسوس ہے یا واذ زین لھم الشیطان اعمالھم (۸: ۴۸) میں شیطان کا اطلاق سراقہ بن مالک ابن جعشم پر کیا گیا جو قریش کو لڑائی پر ابھار رہا تھا، مگر پھر بھاگ گیا۔

پس یہاں آیت (۸۲) میں بھی معلوم ہوتا ہے شیاطین کا اطلاق شیاطین الانس ہی پر ہوا ہے یعنی فلسطین اور شام کی ان شریر اور سرکش قوموں پر جو حضرت سلیمان کے عہد میں بالکل مطیع و منقاد ہو گئی تھیں، اور انہوں نے ہیکل کی تعمیر میں تیرہ برس تک ہر طرح کی سخت سخت خدمتیں انجام دی تھیں

ہیکل کی بنیاد حضرت داؤد نے ڈال دی تھی لیکن تعمیر حضرت سلیمان

١٠٨ ١٠٩ مُّسْلِمُوْنَ ○ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ○

١١٠ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ○ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى

١١١ ١١٢ حِيْنٍ ○ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ○ ع ١٩/٧

١٠٨ جھکانے ہو یا نہیں؟"

پھر اگر وہ روگردانی کریں تو کہدے "میں نے

تمہیں (انکار و سرکشی کے نتائج سے) یکساں طور پر خبردار

کر دیا ہے، میں نہیں جانتا جس بات کا وعدہ کیا گیا

١٠٩ ہے اس کا وقت قریب آ لگا ہے یا ابھی دور ہے"

("تاہم وہ ٹلنے والا نہیں) اللہ کے علم سے کوئی بات

پوشیدہ نہیں جو کچھ پکار کے (علانیہ) کہا جاتا ہے وہ

١١٠ بھی اور جو کچھ تم (دلوں میں) چھپائے ہوئے ہو وہ بھی

اور مجھے کیا معلوم؟ ہو سکتا ہے کہ اس تاخیر میں تمہارے

لئے آزمائش رکھ دی گئی ہو اور یہ بات ہو کہ ایک

١١١ مقررہ وقت تک زندگی کا لطف اٹھالو

اس نے کہا (یعنی پیغمبر نے دعا کرتے ہوئے عرض

کیا) "خدایا! آپ (یہ کر) سچائی کے ساتھ فیصلہ کر دے

اور ہمارا پروردگار تو (وہی) الرحمٰن ہے۔ اسی سے مدد

- مانگی گئی ہے جیسی کچھ باتیں تم بنا رہے ہو ان کے خلاف

١١٢ اسی کی مددگاری فیصلہ کرے گی۔

ہے۔ آیت (٨١) اور (٨٤) پر مکرر نظر ڈالو: وایوب اذ نادی ربہ انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین! فاستجبنا لہ فکشفنا ما بہ من ضر وآتیناہ اھلہ ومثلھم معھم رحمۃ من عندنا، وذکری للعابدین!

"انی مسنی الضر" میں ان کے درد و مصیبت کی ساری داستان آ گئی۔ کوئی گوشہ بھی نہیں چھوٹا۔ ساتھ ہی اسلوب خطاب یہ ہوا کہ "میں دکھ میں پڑ گیا ہوں" یہ نہ ہوا کہ "تو نے مجھے دکھ میں ڈال دیا ہے" کیونکہ وہ تو کسی کو بھی دکھ میں نہیں ڈالتا۔ اس نے جو کچھ بھی بخشا ہے سر تا سر سکھ اور راحت ہی ہے۔ جو حالت بھی ہمارے لئے دکھ ہو جاتی ہے، خود ہماری ہی بدعملی کا نتیجہ ہوتی ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کے تخاطبات میں ہر جگہ یہ حقیقت نمایاں ہوئی۔ حضرت آدم نے کہا: ربنا ظلمنا انفسنا، وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین (٧:٢٣) خدایا! ظلم ہم نے کیا اور مغفرت کی طلبگاری تجھ سے ہے: اسی طرح حضرت ابراہیم کی موعظت سورۂ شعراء میں گزرے گی: واذا مرضت فھو یشفین (٢٦:٨٠) جب میں بیمار پڑ جاتا ہوں تو وہی ہے جو مجھے شفا دیتا ہے۔ یعنی بیماری میں پڑنا میری حالت ہوئی۔ شفا دینا اس کا کام ہوا۔ کیونکہ اس کے پاس جو کچھ ہے، شفا ہی شفا ہے۔ اس کی رحمت نے دارالشفا بنایا ہے بیماریاں بانٹنے کا کوئی گھر نہیں بنایا ہے۔ وما احسن قول الشاعر العارف:

کفر ہم نسبت بہ خالق حکمت است
چوں بما نسبت کنی، کفر آفت است

اور یہی وجہ ہے کہ فرمایا تعز من تشاء وتذل من تشاء۔ بیدک الخیر! (٣:٢٦) تو جسے چاہے عزت دیدے، جسے چاہے ذلیل کر دے ہر طرح کا "خیر" تیرے ہی ہاتھ ہے" یعنی جسے عزت ملی وہ بھی خیر کی بات ہوئی جسے ذلت ملی وہ بھی خیر کی بات ہوئی۔ حالانکہ جسے ذلت ملی اس کے لئے تو "شر" ہی کی بات ہوئی "خیر" کی بات نہیں ہوئی لیکن قرآن کہتا ہے اس کے لئے اور اس کی اضافت سے "شر" کی بات ہوئی فی الحقیقت "شر" کی بات نہ ہوئی۔ کیونکہ خدا جو کچھ کرتا ہے خیر ہی خیر ہے شر کا یہاں گزر ہی نہیں یہ ہم ہیں اور ہماری حالت ہے جو "شر" کا جامہ پہن لیا کرتی ہے:

ہر چہ ہست از قامت ناساز و بے اندام ماست
ورنہ تشریف تو بر بالائے کس دشوار نیست!

مسلم کی حدیث الٰہی میں یہی حقیقت واضح کی گئی ہے: یا عبادی انما ھی اعمالکم احصیھا لکم ثم اوفیکم ایاھا فمن وجد

حضرت ایوب کی دعا اور شر الی مسنی الضر

۱۰۲ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ
۱۰۳ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ
۱۰۴ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ
۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ؕ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا
يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ

اس نے بھی جواب دیدیا"۔ اور ایوب کے تلوے سے لے کے سر کی
۱۰۲ چاندی تک سارے جسم میں جلنے بہت پھوڑے نکل آئے وہ ایک ٹھیکرا
لے کر اپنا جسم کھجاتا اور راکھ پر بیٹھا رہتا" (۲:۸)
لیکن اس پر بھی ان کی زبان ایک لمحہ کے لئے شکوہ و شکایت
سے آلودہ نہ ہوئی
اب درد و مصیبت کی یہ حالت برابر بڑھتی ہی جاتی ہے لیکن
جوں جوں بڑھتی جاتی ہے روح کا یقین دل کا صبر اور زبان کا
زمزمہ شکر بھی بڑھتا جاتا ہے۔ چنانچہ تمام صحیفہ ایوب انہی
۱۰۳ دلنشین مواعظ کا مجموعہ ہے جو ان کے درد و غم کی آہوں اور کرب
و اذیت کی صداؤں کے اندر نمایاں ہوئے ان کی ہر آہ حمد و
ثنا کا نغمہ تھی اور ہر پکار صبر و شکر کی تلقین۔ اسلوب بیان یہ
ہے کہ تین دوست مصیبت کا حال سن کر آتے ہیں اور اللہ کے کاموں
پر نکتہ چینیوں پر ان سے رد و کد کرتے ہیں۔ پھر اللہ کی وحی انہیں مخاطب
کرتی ہے اور ان کی آزمائش کا دور ختم ہو جاتا ہے: "اور خداوند نے
۱۰۴ ایوب کی حالت بدل دی اسے پہلے کی نسبت دو چند دولت عنایت
کی۔ اس کے تمام عزیزوں کو اس کے گرد جمع کر دیا۔ اسے آخری عمر
میں پہلے کی طرح اولاد ملی۔ وہ ایک سو چالیس برس تک جیا
اور اپنی نسل کی چار پشتیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں" (۴۲: ۱۰)
اس بات کے اظہار کے لئے کہ یہ حضرت ایوب کے لئے ایک
۱۰۵ آزمائش تھی پیرایہ بیان یہ اختیار کیا گیا ہے کہ "شیطان نے
۱۰۶ کہا۔ ایوب کی خدا پرستی و راست بازی اس لئے ہے کہ خدا نے
اسے ہر طرح کی خوشحالیاں دے رکھی ہیں۔ اگر وہ ان سے محروم ہو
ہو جائے تو پھر کبھی خدا کا شکر گزار نہ ہو" لیکن وہ خوش حالیوں
۱۰۷ سے محروم ہو گئے۔ پھر بھی ان کا ایمان و یقین گھٹنے کی جگہ اور
زیادہ بڑھ گیا۔
قرآن نے صبر و شکر کی یہ پوری داستان بیان صرف چند
جملوں میں بیان کر دی ہے اور اس کا ایجاز بلاغت اتنا ہی
موثر ہے جتنا صحیفہ ایوب کے پچاس صفحوں کا ساحرانہ اطناب

بھنک بھی ان کے کانوں میں نہیں پڑے گی۔ وہ اپنی پسند
اور خواہش کی تمام نعمتوں میں ہمیشہ کے لئے مگن رہیں گے
انہیں (روز قیامت کی) بڑی سے بڑی ہولناکی
بھی ہراساں کرے گی۔ فرشتے انہیں بڑھ کر لیں گے (اور
کہیں گے:) "یہ ہے وہ تمہارا دن جس کا (کلام حق میں) وعدہ
کیا گیا تھا"
وہ دن جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ
دیں گے جیسے بہی کھاتوں کے طومار لپیٹ لئے جاتے
ہیں۔ ہم نے جس طرح پہلی پیدائش شروع کی تھی اسی طرح
اسے دہرائیں گے بھی۔ اس وعدہ کا پورا کرنا ہم پر ہے اور
ہم پورا کر کے رہیں گے!
اور (دیکھو) ہم نے زبور میں تذکیر و نصیحت کے بعد
یہ بات لکھ دی تھی کہ زمین کی وراثت انہی بندوں کے
حصے میں آئے گی جو نیک ہوں گے" اس بات میں ان
لوگوں کے لئے جو عبادت گزار ہیں ایک بڑا ہی پیام
ہے اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھے نہیں بھیجا ہے مگر
اس لئے کہ تمام دنیا کے لئے رحمت کا ظہور ہو!
تو کہہ "مجھ پر جو کچھ وحی کیا گیا ہے وہ تو
صرف یہ ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی تنہا معبود ہے۔
(اس کے سوا کوئی نہیں) پس بتلاؤ، تم اس کے آگے سر

یوباب

~~کتاب پیدائش اور تواریخ اول میں ایک اور سامی نام بھی آیا ہے یعنی "یوباب" یہ بنی قحطان میں سے تھا۔ یقطان عبر سے پیدا ہوا اور عبر سیلی بن ارفکشد بن سام سے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ یوباب اور ایوب ایک ہی شخص نہیں ہیں؟~~

بالاتفاق یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ تورات میں سب سے زیادہ قدیم صحیفہ یہی ہے اور حضرت ایوب کا زمانہ حضرت موسیٰ سے بہت پہلے تھا ~~لیکن اگر یہ اصل "سفر ایوب" یہی ہو تو انہیں حضرت ابراہیم کا معاصر ہونا چاہیے۔ یا کم از کم حضرت اسحاق اور یعقوب کا۔~~

سفر ایوب منظوم کتاب ہے

ثانیاً سفر ایوب کا ایک ایک جملہ کہہ رہا ہے کہ میں شعر ہوں نثر نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے محققین تورات نے اسے بھی امثال اور زبور کی طرح اصلاً کتاب منظوم ہی قرار دیا ہے۔ بلاغت کلام، شعریت بیان اور بلندی اسلوب کے لحاظ سے یہ اس درجہ کی کتاب ہے کہ عہد عتیق کا کوئی صحیفہ امثال، وزبور مستثنیٰ کر دینے کے بعد اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

عربی علم ادب کی قدامت

ثالثاً معلوم ہو گیا کہ عربی علم ادب کی تاریخ اس عہد سے بہت پہلے شروع ہو جاتی ہے جو عہد عام طور پر سمجھ لیا گیا تھا۔ کیونکہ اگر حضرت موسیٰ سے پہلے سفر ایوب جیسی نظم عربی میں لکھی جا سکتی تھی، تو یقیناً عبرانی علم ادب کے نشو و نما سے صدہا سال پہلے عربی علم ادب پوری طرح ترقی یافتہ ہو چکا تھا۔ بلاشبہ سفر ایوب کی عربی وہ عربی نہ ہو گی جو نزول قرآن کے وقت بولی جاتی تھی یقیناً عربی کی کوئی ابتدائی شکل ہو گی جس کی اخوات ہمیں آرامی، کلدانی اور آشوری کتبات کے الفاظ و اسماء میں نظر آ رہی ہیں اور قدیم مصری بھی اس کی جھلک سے خالی نہیں تاہم وہ عربی زبان ہی ہو گی، اور اسی عربی نے موجودہ عربی کے تمام عناصر و مواد بہم پہنچائے ہوں گے۔

اصل یہ ہے کہ عہد جاہلیت کی عربی اگرچہ صحرائیوں کی عربی تھی، لیکن زبان کی نوعیت بول رہی ہے کہ یہ صحرائی قبائل کی پروردہ نہیں ہو سکتی۔ اتنی وسیع، اتنی ہمہ گیر، اتنی دقیقہ سنج، اس درجہ متمول زبان ضروری ہے کہ صدیوں کی متوارث اور مسلسل ادبی زندگی سے ظہور پذیر ہوئی ہو۔ جو زبان قرآن کے معانی و دقایق کی متحمل ہو گئی کیونکہ ممکن ہے کہ اسے غیر متمدن قبایل کی ایک بدوی زبان تسلیم کر لیا جائے؟ اتنا ہی نہیں بلکہ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے، جس عربی میں امرالقیس نے اشعار کہے ہیں، اس عربی کی لغوی تاریخ اس سے بہت زیادہ قدیم اور بہت زیادہ متمدن ہونی چاہیے جتنی اس وقت تک سمجھی گئی ہے۔

جدید اثری انکشافات اور عربی کی [illegible] قدامت

گزشتہ صدی تک عربی کی لغوی تاریخ کا یہ مسئلہ ایک لاینحل مسئلہ سمجھا جاتا تھا حتیٰ کہ بعض محققین نے مجبور ہو کر یہ رائے قائم کر لی تھی کہ زبانوں کی تخلیق اور نشو و نما کا اسے ایک فوری تحول تسلیم کر لینا چاہیے، لیکن اب اثری تحقیقات کے آخرین مواد نے بحث و تعلیل کا ایک نیا میدان پیدا کر دیا ہے، اور عربی نسل اور عربی زبان کی تاریخ بالکل ایک نئی شکل میں نمودار ہو رہی ہے۔ یہ زبان جس پر زندگی و خلود کی آخری مہر قرآن نے لگائی، دراصل مدنی نشو و نما کے اتنے مرحلوں سے گزر چکی ہے کہ دنیا کی کوئی زبان بھی اس وصف میں اس کی شریک نہیں۔ سمیری اور اکادی اقوام کا تمدن، نینوا اور بابل کی علمی کامرانیاں، قدیم مصری لغات کا عمرانی سرمایہ، آرامی زبان کا عروج و احاطہ، کلدانی اور سریانی کا ادبی تنزل، دراصل ایک ہی زبان کی لغوی تشکیل و تکمیل کے مختلف مرحلے تھے، اور اسی نے آگے چل کر چوتھی صدی [illegible] کی عربی کا بھیس اختیار کیا جو زبان حضارت و تمدن کی اتنی بھٹیوں میں سے پک کر نکلی ہو، ظاہر ہے کہ اس کے اسماء و مصادر کسی مفلس اور خام زبان کے اسماء و مصادر نہیں ہو سکتے۔ مسیحی

تابوت احیرام کا انکشاف اور عربی کتبہ

آج ہم تعجب کے ساتھ دیکھ رہے ہیں کہ ظہور مسیح سے آٹھ نو برس پہلے آشوری اور بابلی زبان میں طبق، ملک، شمس، سما، فلک، نجم، ارض وغیرہ الفاظ ٹھیک ٹھیک انہی معنوں میں مستعمل تھے، جن معنوں میں آج مستعمل ہیں! اتنا ہی نہیں بلکہ ۱۹۲۳ء کے ایک جدید انکشاف نے تو ہمیں تیرہ سو برس قبل مسیح تک پیچھے ہٹا دیا ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ عربی زبان کے ابتدائی مواد نے ایک کتابی اور ادبی زبان کی حیثیت حاصل کر لی ہے، اور اس میں نہ صرف موجودہ اسماء و مصادر ہی پائے جاتے ہیں بلکہ بعض حروف نحویہ[1] تک موجود ہیں، مثلاً حرف عطف وہی "و" ہے اور اپنی ابتدائی فینیقی شکل ۲ میں لکھا جا رہا ہے۔ الف لام بدستور حرف تعریف ہے، اور ہر اسم کے پہلے اپنی نمود رکھتا ہے۔ مثلاً الملک الجبل۔ "ذی" بمعنی ذو۔ ذوالجلال و ذوالقرنین میں نمودار ہے اسم اشارہ وہی "ہو" ہے۔ "علی" اسی معنی میں مستعمل ہے جس میں اب مستعمل ہوتا ہے، نیز ملک، فعل، طبع، من، فتح، محو، ٹھیک انہی معنوں میں بولے گئے ہیں جو بعد کو لغت قریش میں برتے گئے!

[1] حروف نحویہ یعنی مصطلح نحو، ورنہ حروف ابجد تو سب کے سب موجود ہیں

[2] ملک حبشی بادشاہ نے تو اسی لفظی صورت و تاثیر حاصل کر لی تھی کہ ایران کی آرین زبان بھی اسے برتنے پر مجبور ہو گئی چنانچہ دارائے اعظم (بقیہ ص ۴۸۹)

خیرًا، فلیحمد اللہ ومن وجد غیر ذٰلک فلا یلومن الا نفسہ" اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہی ہیں جنہیں میں تمہارے لیے ضبط کرتا ہوں اور پھر ان کے نتائج پورے پورے لوٹا دیتا ہوں۔ پس تم میں سے جو کوئی خیر پائے تو اللہ کی ستایش کرے، اور جس شخص کسی کو کوئی دوسری حالت پیش آجائے، تو اور کسی کا شکوہ نہ کرے، خود اپنے نفس کو ملامت کرے"۔

وانت ارحم الراحمین — اس کے بعد کہا: وانت ارحم الراحمین! اور غور کرو اس ایک جملہ میں سفر ایوب کے کتنے صفحے آگئے؟ اس میں حمد و ثنا بھی آگئی، صبر و شکر کا دامن بھی نہیں چھوٹا، طلب و الحاح کا ہاتھ بھی دراز ہوگیا۔ اور عجز و نیاز کی پیشانی بھی بندگی و تذلل کی زمین پر پڑ گئی" خدایا! میں دکھی ہوں اور تجھ سے بڑھ کر کون ہے جو رحم کرنے والا ہو!"

طوبٰی لعبد تکون مولاہ!

اگر ایک فقیر بادشاہ سے کہتے "میں محتاج ہوں اور تجھ سے بڑھ کر کوئی سخی نہیں" تو پھر اس کے بعد اور کیا رہ گیا جو اس نے نہیں کہا؟ اور کیوں اس سے زیادہ اس کی زبان سے کچھ نکلے؟ بلاشبہ یہ عرض حال ہے طلب و سوال نہیں۔ لیکن۔

درحضرتِ کریم تقاضا چہ حاجت است

آیت ۸۴ کی جامعیت — اس کے بعد صرف ایک آیت کے اندر پوری سرگزشت اور اس کا ماحصل بیان کر دیا، غور کرو کس طرح یہ آیت ایک پورے صحیفہ کا کام دے رہی ہے اور کس طرح اس کا ہر جملہ اپنی جگہ ایک پورا باب ہے؟

(ا) فاستجبنا لہ۔ ہم نے اس کی پکار سن لی یعنی دعی الہی کی وہ اجابت جو سفر ایوب کے چار بابوں میں بیان کی گئی ہے ۳۸ سے ۴۲ تک۔

(ب) فکشفنا ما بہ من ضر۔ پس درد و مصیبت میں سے جو کچھ اسے پیش آیا تھا سب ہم نے دور کر دیا۔ اس میں وہ ساری مصیبتیں آگئیں جن کی تفصیلات دو بابوں میں آئی ہیں۔

(ج) وآتیناہ اھلہ۔ اس کا گھرانا اسے دیدیا۔ "دیدیا" اس سے کھویا گیا تھا۔ پھر اسے واپس مل گیا۔ اس اشارے نے فنا، مصیبت اور تفرقہ کی ساری داستان بتلا دی۔

(د) ومثلھم معھم اتنا ہی اور بھی یعنی گھربار کا جمگھٹا پہلے سے دوچند کر دیا۔

(ہ) لیکن یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ اور اس سرگزشت کا ماحصل کیا ہے؟ رحمۃ من عندنا! یہ ہماری طرف سے رحمت کا ظہور تھا کیونکہ رحمت کو پکارا گیا تھا" وانت ارحم الراحمین!" پس ضروری تھا کہ رحمت جواب دے۔

(ز) وذکرٰی للعابدین۔ اور اس لیے کہ بندگی کرنے والوں کے لیے اس میں نصیحت ہو یعنی یہ حقیقت آشکارا ہو جائے کہ جو عبادت گزاران حق ہیں، وہ کبھی رحمت الہی کی بخششوں سے محروم نہیں رہ سکتے!

قرآن کے قصص اور اشارات قصص کا یہی حال ہے۔ ترجمان القرآن میں اس کی گنجایش نہیں نکل سکتی کہ ہر مقام کی تفسیر اس تفصیل کے ساتھ کی جائے پس صرف اس مقام کی تفسیر کر دی گئی۔ تاکہ اہل نظر کے لیے ایک نمونہ کا کام دے، اور تمام مقامات کا مطالعہ اسی روشنی میں کر سکیں۔

اس سلسلہ میں چار باتیں اور یاد رکھنی چاہئیں:

حضرت ایوب عرب تھے — اوّلًا محققین تورات میں سے اکثر اس طرف گئے ہیں کہ حضرت ایوب عرب تھے، عرب میں ظاہر ہوئے تھے، اور سفر ایوب اصلًا قدیم عربی میں لکھی گئی تھی، حضرت موسٰی نے اسے قدیم عربی سے عبرانی میں منتقل کیا۔

سفر ایوب میں ہے کہ وہ "عوض" کے ملک میں رہتے تھے، اور آگے چل کر تصریح کی ہے کہ ان کے مویشی پر شیبا (سبا) کے لوگوں نے اور کسدیوں (بابلیوں) نے حملہ کیا تھا (۱: ۱۵) ان دونوں تصریحوں سے بھی اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کتاب پیدایش اور تواریخ اول میں "عوض"، کو ارم "بن" سام "بن" نوح" کا بیٹا کہا ہے، اور "ارامی" بالاتفاق عرب عاربہ کی ابتدائی جماعتوں میں سے ہیں۔ انیسویں صدی کے اواخر تک یہ بات پوری طرح واضح نہیں ہوئی تھی لیکن اب اس میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا ہے۔ پھر اس مقام کا ایسی جگہ ہونا جہاں سبا اور بابل کے باشندے حملہ آور ہوتے تھے، ایک مزید جغرافیائی روشنی ہے کیونکہ ایسا مقام بجز عرب کے اور کوئی نہیں ہو سکتا یقینًا یہ عرب کا وہی مقام ہوگا جو قوم عاد کا مسکن تسلیم کیا گیا ہے یعنی عمان سے لیکر حضرموت تک کا علاقہ۔

آگے چل کر قبیلہ مدین کی بستی تھا، یعنی خلیج عقبہ کا مشرقی ساحل

ہندوستان کی دو رزمیہ نظمیں مہابھارت اور رامائن بھی قدیم نظمیں ہیں، لیکن ان کا زمانہ تصنیف بھی محققین عصر کے نزدیک چوتھی صدی قبل مسیح سے زیادہ پیچھے نہیں جا سکتا، اور زمانہ تدوین بہ شکل کتاب تو اکثروں کے نزدیک زیادہ سے زیادہ سنہ مسیحی کے ابتدائی قرون ہیں[1]

یونس علیہ السلام

(۲۳) آیت ۸۷ میں "ذوالنون" سے مقصود بالاتفاق حضرت یونس ہیں۔ عہد عتیق میں ان کا عبرانی نام "یوناہ" آیا ہے اور ان کے نام سے ایک صحیفہ بھی موجود ہے۔ یہاں انہیں "ذوالنون" کے نام سے پکارا گیا، کیونکہ ان پر مچھلی کا حادثہ گزرا تھا، اور قدیم عربی میں "نون" مچھلی کو کہتے تھے۔ چنانچہ آرامی، کلدانی اور مصری میں بھی مچھلی کا یہی نام بولا گیا ہے۔

اس صحیفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یروشلم میں تھے کہ وحی الٰہی نے انہیں مخاطب کیا، اور حکم دیا: باشندگان نینوا کو نزول عذاب کی خبر پہنچا دیں۔ نینوا اس زمانے میں دنیا کی سب سے زیادہ عظیم الشان آبادی تھی۔ مہم کی گرانباری اور اپنی بے سروسامانی دیکھ کر بہ مقتضائے بشریت طبیعت ہراساں ہوئی۔ بہرحال یافہ سے ایک جہاز پر سوار ہوگئے جو ترسیس جا رہا تھا۔ اثنائے راہ میں طوفان نے گھیر لیا۔ قدیم زمانے میں جہاز رانوں کا اعتقاد تھا۔ اگر طوفان عرصہ تک تھمے تو یہ اس کا ثبوت ہوتا ہے کہ کوئی گنہگار آدمی جہاز میں سوار ہے۔ جب تک وہ موجود رہے گا اس کی نحوست سے طوفان بھی جاری رہے گا۔ چنانچہ یہی خیال اس جہاز کے مسافروں کو بھی ہوا۔ وہ ڈھونڈنے لگے کہ کون مجرم ہے اور کسے سمندر کے حوالے کریں۔ جب حضرت یونس نے سنا تو کہا: ایسا ہی کرنا ہے تو مجھے سمندر میں پھینک دو۔ مجھ سے زیادہ اس کا کون مستحق ہو سکتا ہے؟ صحیفہ میں ہے کہ قرعہ کا فیصلہ بھی یہی ہوا تھا۔

جب طوفان نہیں تھما تو لوگوں نے انہیں سمندر میں ڈال دیا۔ سمندر میں ایک بہت بڑی مچھلی تھی وہ نگل گئی۔ یہ تین دن تک اس کے اندر رہے، پھر وہ ساحل کی طرف گئی اور خشکی پر انہیں اگل دیا۔ اس طرح قدرت الٰہی نے موت کے منہ میں ڈال کر پھر اس سے زندہ سلامت نکال لیا۔

یوناہ نبی کے صحیفہ میں ہے کہ "اس نے مچھلی کے پیٹ میں خداوند اپنے خدا سے دعا مانگی تھی اور اس نے اس کی پکار سن لی۔ وہ پاتال کے بطن میں سے چلایا، اور اس کی آواز سنی گئی" (۲: ۱)

قرآن نے یہاں غالباً اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے "اذ ذھب مغاضبًا"، ای مغاضبًا من اجل ربہ۔ کما یقولون غضبت لک" ای من اجلک۔ یعنی اللہ کی خاطر خشمناک ہو کر روانہ ہوا۔ فظن ان لن نقدر علیہ ای لن نضیق علیہ۔ اس نے گمان کیا کہ ہم اسے تنگی میں نہیں ڈالیں گے۔ حالانکہ اسے ایک آزمائش پیش آنے والی تھی۔

یاد رہے اس جملہ کا مطلب وہ نہیں ہے جو تفسیر کی بعض روایات میں سعید بن جبیر اور حسن کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ ان اللہ لا یقدر علی معاقبتہ۔ یعنی یونس نے خیال کیا۔ خدا اس پر قابو نہیں پا سکتا۔ کیونکہ ایسا اعتقاد تو صریح کفر ہے، اور ممکن نہیں ایک لمحہ کے لئے کسی نبی کے قلب میں گزر سکے۔ یقیناً یہ ان ائمہ تفسیر کا قول نہیں ہو سکتا۔ بعد کے راویوں کی کج فہمی ہے۔

اس آیت کی ایک تفسیر تو یہ ہے۔ اسی طرح ایک دوسری تفسیر بھی ہو سکتی ہے، اور شاید پہلی سے زیادہ موزوں۔

تورات کے اسی صحیفہ میں ہے کہ اس حادثہ کے بعد پھر انہیں نینوا کے لئے حکم ہوا۔ وہ نینوا گئے اور اعلان کیا "چالیس دن کے بعد یہ شہر برباد ہو جائے گا" لیکن یہ بات سن کر باشندگان نینوا نے سرکشی نہیں کی، بلکہ بادشاہ سے لیکر ادنیٰ باشندے تک سب کانپ اٹھے۔ "سب نے خدا کی ہستی پر اعتقاد کیا۔ بادشاہ نے شاہی لباس اتار کر ٹاٹ کا پیراہن پہن لیا اور تمام باشندوں کے نام فرمان جاری کیا، کہ ہر کوئی اپنی بری راہ سے اور ظلم و شرارت کی باتوں سے باز آجائے، روزہ رکھے، خدا کے حضور زاری کرے، توبہ و انابت کا سر جھکائے۔" (۳: ۵)

اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ عذاب ٹل گیا۔ چالیس دن گزر گئے مگر کوئی ہلاکت ظہور میں نہیں آئی۔ یہ بات حضرت یونس پر گراں گزری۔ وہ مضطرب ہوئے کہ اعلان حق میں تخلف کیوں ہوا؟

وہ شہر کے باہر ایک چھپر بنا کے مقیم ہو گئے تھے۔ رینڈی کے ایک درخت کی شاخیں چھپر پر پھیل گئی تھیں۔ قضارا اس درخت کی جڑ میں کیڑا لگ گیا۔ ایک دن صبح اٹھے تو کیا دیکھتے ہیں۔ اس کی شاخیں بالکل سوکھ گئی ہیں اور سایہ کی جگہ دھوپ ہے۔ یہ حال دیکھ کر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ تب خداوند نے کہا تو اس رینڈی کے درخت کے سوکھ جانے پر اتنا رنجیدہ ہو رہا ہے،

[1] دیکھو پروفیسر ای واشبرن ہپکنس WASHBURN HOPKINS کا مقالہ رزمیہ نظموں کا عہد مندرجہ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول صفحہ ۲۵۸ ۔

عربی کا یہ کتبہ ایک تابوت پر منقش ہے اس میں "احیرام" ملک جبلیس کی نعش رکھی گئی تھی۔ اور اس کے بیٹے "ثوبعل" کے حکم سے تیار ہوا تھا۔ "احیرام" کا نام تورات میں بھی آیا ہے اور تاریخی حیثیت سے اس کا زمانہ بالاتفاق سنہ ۱۲۵۰ قبل مسیح ہے، کتبہ کا خط وہی ابتدائی عربی خط ہے جسے عام طور پر فینیقی خط کے نام سے پکارا جاتا ہے اور جس نے آگے چل کر آرامی، عبرانی اور نبطی خطوط کی شکلیں اختیار کی ہیں۔

اس انکشاف نے تاریخ کے متعدد گوشوں کے لئے بحث و نظر کے نئے نئے چراغ روشن کر دیئے۔ از انجملہ یہ کہ معلوم ہو گیا تورات کے نزول اور کتب خانہ بابل کی الواح سے بھی پہلے عربی زبان کے مواد و مصادر نے ایک مکتوب و مرسوم زبان کی نوعیت اختیار کر لی تھی یعنی اس درجہ تک پہنچ چکی تھی کہ اس میں املا نامے اور فرامین لکھے جاتے تھے محض بول چال ہی کی زبان نہ تھی نیز یہ کہ اگر سنہ ۱۲۵۰ قبل مسیح عربی زبان کی ایک ابتدائی شکل کا یہ حال تھا، تو یہ بات کیوں عجیب سمجھی جائے کہ حضرت موسیٰ سے پہلے حضرت ایوب نے عربی میں کوئی منظوم صحیفہ لکھا تھا اور شریعت موسوی بھی اصلاً عربی کی کتابت ہے۔

قرآن کا عربی میں نزول علاوہ بریں یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ قرآن کا عربی زبان میں نازل ہونا، اور جا بجا اس بات پر زور دینا کہ انا انزلناہ قرآناً عربیاً (۱۲: ۲) "ہم نے قرآن کسی اور زبان میں نازل نہیں کیا۔ عربی میں نازل کیا" صرف اتنے ہی معنی نہیں رکھتا، جس قدر اس وقت تک سمجھے گئے ہیں۔ بلکہ ایک بہت زیادہ وسیع اور گہری حقیقت اس میں مضمر ہے تفصیل اس مقام کی مقدمہ میں ملے گی۔

دنیا کی قدیم ترین نظم سفر ایوب ہے رابعاً، اگر سفر ایوب کی یہ نوعیت تسلیم کر لی جائے تو ماننا پڑے گا کہ شعر و ادب کا سب سے قدیم نمونہ یہی ہے جو اس وقت تک ہماری معلومات میں آیا ہے اور اگر قدامت کے اعتبار سے دنیا کی کوئی کتاب منظوم اس سے معارضہ کر سکتی ہے تو وہ صرف ہندوستان کا رگ وید ہے۔ بشرطیکہ اسفار ہند کی قدامت کا وہ مذہب تسلیم کر لیا جائے جو رگ وید کو سنہ ۱۵۰۰ قبل مسیح یا اس سے بھی پیچھے لے جانا چاہتا ہے[۲]۔

رزمیہ اس وقت تک [redacted] شاعری کا سب سے زیادہ قدیم نمونہ ہومر کی الیڈ تسلیم کی گئی ہے لیکن اگر ہومر کا عہد وہی قرار دیا جائے جو ہیروڈوٹس کے بیان سے متبادر ہوتا ہے، تو زیادہ سے زیادہ سنہ ۹۰۰ قبل مسیح ہے لیکن سفر ایوب کا زمانہ اس سے بھی پہلے کا زمانہ ہونا چاہئے۔ پس قدیم تر نظم ہومر کی نہ ہوئی سفر کی ایوب کی ہوئی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸۷) اپنے کتبوں میں اپنے کو "شہنشاہ" کہنے کی جگہ "ملک ملکان" لکھا ہے (دیکھو کتبہ استخرو نیز ستون) بعد کو اردشیر بابکان نے "شاہ شاہان" کا لقب اختیار کیا۔ [redacted]۔ تاہم "ملک ملکان" کا لقب بھی شاہ پور ساسانی کے کتبوں میں بار بار آتا ہے جیسا کہ حاجی آباد کے کتبوں میں عظام آئے ہیں علاوہ بریں ساسانی عہد میں عربی اسماء و الفاظ کے غلبہ و رسوخ کا یہ حال ہو گیا تھا کہ خود اوستا کی زبان عربی آمیز ہو گئی۔ ساسانی اوستا کے جو اجزا ہندوستان کے پارسیوں سے ملے ہیں ان میں جا بجا عربی الفاظ و اصوات پائے جاتے ہیں۔ ایک مدت تک یہ آمیزش محل عجب ہی تھی کہ سر ولیم جونس نے ان اجزا کی اصلیت ہی سے انکار کر دیا۔ مگر اب عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جس طرح بعد از اسلام کی فارسی جدید عربی سے مخلوط ہو گئی ہے اسی طرح قبل از اسلام کی قدیم فارسی قدیم عربی الفاظ سے مخلوط ہو چکی تھی۔ پوری تشریح اس مسئلہ کی مقدمہ میں ملے گی۔

۵۱ یہ جنگ کے بعد کے نہایت اہم انکشافات میں سے ہے اس وقت تک حروف ابجدی (یعنی غیر تصویری وغیر مسماری) کی منضبط کتابت کا سب سے قدیمی نمونہ "حجر میشا" سمجھا جاتا تھا یعنی وہ پتھر جو سنہ ۱۸۶۸ء میں جزیرہ نمائے سینا میں ملا اور جس پر "میشا" شاہ موآب نے سنہ ۹۰۰ قبل مسیح میں اپنی ایک فتح کا حال کندہ کرایا ہے، یہ فتح اسے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں حاصل ہوئی تھی۔ لیکن اب اس تابوت کے انکشاف نے اس سے ساڑھے تین سو برس پیشتر کی کتابت مہیا کر دی، اور اس طرح سارا معاملہ سنہ ۹۰۰ ق م کی جگہ سنہ ۱۲۵۰ ق م تک پہنچ گیا گویا دست انسانی کی علمی کتابت کا سب سے زیادہ قدیمی نمونہ جو اس وقت ہمارے قبضہ میں ہے، وہ سنہ ۱۲۵۰ ق م کا ہے، اور عربی زبان اور عربی کے تعلیقی رسم الخط میں ہے۔

۵۲ ویدوں کے عہد تصنیف و تدوین کی نسبت میکس مولر کا مسلک اس وقت تک ماہرین موضوع میں مقبول چلا آتا ہے اور علمی حیثیت سے اس پر کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ میکس مولر نے ویدوں کی تصنیف کا زمانہ چار عہدوں میں منقسم کر دیا ہے۔ سوتر کا زمانہ سنہ ۶۰۰ سے سنہ ۲۰۰ ق م تک برہمن سنہ ۸۰۰ سے سنہ ۶۰۰ ق م تک منتر اور گوید کا آخری باب سنہ ۱۰۰۰ سے سنہ ۸۰۰ ق م تک۔ چھند سنہ ۱۲۰۰ سے سنہ ۱۰۰۰ ق م تک۔ گویا رگوید کی سب سے قدیم نظمیں سنہ ۱۴۰۰ ق م سے زیادہ پیچھے نہیں جاتیں۔ حال میں مسٹر اے بی کیتھ ایم اے ڈی سی ایل پروفیسر سنسکرت ایڈنبرا یونیورسٹی نے اس موضوع پر جو مقالہ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا کے لئے لکھا ہے اس میں بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے۔ وہ تمام بحث کا خاتمہ اس نتیجہ پر کرتے ہیں کہ اگرچہ وید کے قدیم ترین زمانے، مثلاً "اشا" ممکن ہے سنہ ۱۲۰۰ ق م تک پیچھے لے جائے جا سکیں، لیکن اس سے زیادہ اسے پیچھے لے جانا موجودہ معلومات کی روشنی میں ممکن نہیں۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا۔ جلد اول صفحہ ۱۱۳

شرطِ نجات معرفت و عمل ہے۔

پھر ایک آیت کے اندر صاف صاف واضح کر دیا کہ نجات و سعادت کا قانون کیا ہے؟ یعنی قوموں کے اس تقطع اور گروہوں کے اس تفرق کے بعد بھی قانون نجات و سعادت کیا ہے، فرمایا، وہ ہمیشہ کی طرح اب بھی یہی ہے کہ فمن یعمل من الصالحات وھو مومن فلا کفران لسعیہ نجات کی شرط صرف دو باتیں ہیں۔ ایمان اور عمل صالح جس انسان نے نیک عمل کئے اور اس کے اندر ایمان بھی ہوا، تو اس کی سعی کبھی رائیگاں جانے والی نہیں ضروری ہے کہ مقبول ہو۔ فمن کے زور پر غور کرو۔ یہودی کہتے تھے کونوا ھودًا نصاریٰ کہتے تھے "کونو انصاریٰ" قرآن کہتا ہے نہیں "فمن یعمل من الصالحات وھو مومن" کوئی ہو لیکن اگر وہ مومن ہوا اور اس نے نیک عملی کی راہ اختیار کی تو اس کا ایمان و عمل کبھی ضائع نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنا اجر ضرور پائے گا۔ وانا لہ کاتبون یہ ہمارا ٹھہرایا ہوا قانون ہے ہم اس کا ایمان و عمل لکھ دینے والے ہیں پھر کون ہے جو اسے رائیگاں ٹھہرا سکتا ہے؟ دنیا کا ہر انسان ٹھہرا دے لیکن ہمارے دفتر میں وہ ثبت ہو جائے گا۔

کتنا اہم مقام ہے مگر تفسیریں اٹھا کر دیکھو کس طرح اس کی ساری اہمیت بے محل بحثوں میں ضائع کر دی گئی ہے۔ اہمیت کی وضاحت کے لئے یہ سطریں بھی کافی نہیں ہیں، لیکن اس سے زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔

فتح یاجوج ماجوج

(۲۵) سورہ کہف کے آخر میں یاجوج وماجوج کی تحقیق گزر چکی ہے اس سورت کی آیت ۹۶ میں جس خروج کی خبر دی گئی ہے یہ ان کا آخری خروج تھا یعنی منگولی تاتاریوں کا وہ خروج جو چھٹی صدی ہجری میں منگولیا کی بلندیوں سے امنڈا اور پھر آناً فاناً تمام مشرق و مغرب پر چھا گیا، مشرق میں چین کی تمام مملکت اس نے مسخر کر لی مغرب میں بحر اسود کے شمالی ساحل سے گزرتا ہوا ڈنیوب کی وادیوں تک پھیل گیا پھر ہنگری و روس پر قابض ہو کر جرمنی کی سرحد تک پہنچ گیا پھر اسلامی ممالک کی طرف متوجہ ہوا، اور چھ صدیوں کے اندر اسلامی تمدن نے جو کچھ تعمیر کیا تھا جیحون سے لے کر دجلہ تک چشم زدن میں پامال کر دیا وکان وعدًا مفعولا:

تفسیر بیان کے بعض دقائق

غور کرو۔ یہاں صرف چند لفظوں کے اندر اس معاملہ کی خصوصیات کس طرح واضح کر دی ہیں؟ یاجوج وماجوج کے اس ظہور کو "خروج" یا اسی طرح کے کسی دوسرے لفظ سے تعبیر نہیں کیا۔ بلکہ "فتح" کا لفظ استعمال کیا "حتی اذا فتحت یاجوج وماجوج" عربی میں جب "فتح" کا لفظ اشیاء کے لئے کہا جاتا ہے تو اس کے معنی صرف کھلنے کے ہوتے ہیں مثلاً "فتح الباب" لیکن جب حیوانات کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی صرف کھلنے ہی کے نہیں ہوتے بلکہ کھل کر اچانک نکل پڑنے کے ہوتے ہیں، مثلاً ٹڈیوں کا دل کسی گوشہ سے نکل پڑتا ہے تو کہتے ہیں "فتحت الجراد" پس مطلب یہ ہوا کہ یاجوج ماجوج کسی گوشہ میں الگ تھلگ پڑے ہیں ایک وقت آئے، کہ اچانک نکل پڑیں گے اور اس طرح نکل پڑیں گے جیسے مدتوں سے پانی بند پڑا ہو۔ بند ٹوٹ جائے۔ اور ہر طرف سیلاب امنڈ آئے۔

اب دیکھو کس طرح اس ایک لفظ نے معاملہ کی پوری تاریخی نوعیت آشکارا کر دی ہے؟

فتنہ تاتار

سورہ کہف کی تشریحات میں پڑھ چکے ہو کہ ظہور اسلام سے پہلے منگولیا کا آخری قبائلی سیلاب وہ تھا جو چوتھی صدی مسیحی میں مغرب و شمال کی طرف پھیلنا شروع ہوا، اور پھر یورپ کے مختلف قطعات میں منقسم ہو کر ختم گیا اس کے بعد قبائل کے نئے سیلابوں کا خروج رک گیا تھا۔ البتہ جو قبائل وسط ایشیا اور سواحل یورال و خزر کے مختلف حصوں میں متوطن ہو گئے تھے ان کی نسل وہاں نشو و نما پاتی رہی۔ اسلامی فتوحات نے جب ان اطراف کا رخ کیا تو انہی قبائل کو وہاں آباد پایا۔ یہ بتدریج مسلمان ہوتے گئے چنانچہ ترک کرغز یا خزر، تغز، تاجیک، چرکس کرد، اوزبک، سلجوق وغیرہ سے مقصود یہی قبائل ہیں۔ یہ سب اگرچہ منگولیا کی پچھلی ہجرتوں کا بقایا تھے، لیکن اب ان کا کوئی تعلق اپنے وطن قدیم سے نہیں رہا تھا۔ بلکہ ایک دوسرے کو اجنبیوں اور دشمنوں کی نظر سے دیکھتے تھے۔

اس عرصہ میں منگولیا کا گوشہ بدستور صحرا نشین قبائل کے نئے گروہ پیدا کرتا رہا۔ اب یہ دنیا سے الگ تھلگ تھے اطراف کے سرحدی قطعات پر لوٹ مار کے لئے نکل جاتے تھے اس سے آگے بڑھنے کی جرأت نہ کرتے۔ بعض گروہ جنوب میں پنجاب تک اور مغرب میں بلخ و ماوراء النہر تک بھی پہنچ گئے اور ایک قبیلہ کی ترکتازیاں تو بنارس تک پہنچ گئی تھیں لیکن جیسے قبائلی سیلاب پہلے اٹھ چکے تھے، ویسا کوئی سیلاب اب نہ اٹھ سکا۔ تمام قبائلی مواد منگولیا ہی میں سمٹا اور بند رہا۔

حالانکہ اس کے بونے اور اگانے میں تو نے کچھ بھی محنت نہیں کی تھی۔ پھر غور کر کہ میرے لئے ضروری نہیں کہ اس عظیم الشان نینوا پر رحم و شفقت کروں؟ اس نینوا پر جس میں ایک لاکھ بیس ہزار آدمی اور بے شمار مویشی بستے ہیں؟ جنہیں میں نے پیدا کیا اور پروان چڑھایا؟" (۴: ۵)

یعنی عذاب والی بات اپنی جگہ صحیح تھی، وہ کبھی غلط نہیں ہو سکتی تھی لیکن عذاب کا ظہور لوگوں کے انکار و بدعملی ہی کا نتیجہ تھا جب وہ اس سے باز آگئے تو عذاب بھی ٹل گیا، اور یہاں اصل کارفرمائی ہر حال میں عفو و بخشش کی ہے سرزنش و عقوبت کی نہیں ہے جب یہ حقیقت ان پر کھل گئی تو ان کا سارا رنج و غم دور ہو گیا۔

پس ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں ان کی خشمناکی سے مقصود وہ حالت ہو جو باشندگان نینوا کا حال دیکھ کر ان پر طاری ہوئی تھی، اور "ظلمات" سے مقصود رنج و غم کی تاریکیاں ہوں، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے درد و غم کی حالت میں اللہ کو پکارا۔ اور اللہ نے حقیقت حال منکشف کر کے ان کے دلِ مضطر کو تسکین دے دی۔

تفسیر آیت: ۹۲ (۴۲) آیت (۹۲) اس تمام تذکرہ کا خلاصہ ہے جو انبیاء کرام کا اوپر گزر چکا ہے یعنی اللہ کے یہ تمام رسول جو مختلف عہدوں اور قوموں میں ظاہر ہوئے، ان سب کی دعوت کا حاصل کیا تھا؟ انہوں نے نسل انسانی کے مختلف عہدوں اور گروہوں کو کس بات کا پیام پہنچایا؟ وہ بات ایک ہی تھی، یا ایک سے زیادہ؟ یہ آیت اپنے تلے لفظوں میں جواب دیتی ہے کہ ان سب کا پیام ایک ہی تھا، اور وہ یہی تھا کہ ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ، وانا ربکم، فاعبدون: تم سب ایک ہی امت ہو، تم سب کا پروردگار ایک ہی پروردگار ہے، پس الگ الگ نہ ہو، اسی کی بندگی کرو۔ وتقطعوا امرھم بینھم۔ لیکن قوموں نے یہ تعلیم بھلا دی، اور اپنے دین کا معاملہ آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا یعنی ایک ہی دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بہت سے دین بنا لئے اور ہر گروہ دوسرے گروہ سے کٹ کر الگ ہو گیا۔ وحدت کی جگہ تفرقہ اور اجتماع کی جگہ تشتت ان کا شعار ہوا کل الینا راجعون۔ مگر بالآخر سب کو ہماری طرف لوٹنا ہے اس وقت حقیقت حال آشکارا ہو جائے گی ہر گروہ دیکھ لے گا کہ اسکی حقیقت فراموشیوں نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا؟۔

معجزانہ بلاغت توحید سبحان اللہ قرآن کی معجزانہ بلاغت، ایک چھوٹی سی آیت کے اندر اس معاملہ کے سارے دفتر کس طرح سمیٹ دیئے ہیں؟ اور پھر صرف امر و خبر ہی نہیں ہے بلکہ ترتیب بیان نے خود بخود استدلال کی روشنی بھی پیدا کر دی ہے۔

(ا) ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ تم نے کتنے ہی تفرقے پیدا کر رکھے ہوں مگر تمہاری امت اصلاً ایک ہی امت ہے

(ب) وانا ربکم اور میں ہی تم سب کا تنہا پروردگار ہوں۔ میرے سوا کوئی نہیں۔

(ج) فاعبدون: جب تمام نوع انسانی ایک ہی امت ہوئی اور سب کا پروردگار بھی ایک ہوا، تو پھر سب کے لئے بندگی و نیاز کی چوکھٹ بھی ایک ہی کیوں نہ ہو؟ ایک سے دو کیوں ہو؟ پس اسی ایک کی بندگی کرو، کیونکہ تم سب ایک ہی ہو، اور ایک ہی کے لئے ہو، یہاں ایک سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں ہے: غور کرو "فاعبدون" کی "ف" یہاں کس طرح بول رہی ہے؟ کس طرح اس نے استدلال کا پہلو پکار دیا ہے؟

توحید امت توحید ربوبیت توحید عبادت ایک آیت کے اندر تینوں توحیدوں کا بیان جمع ہو گیا: توحید امت، توحید ربوبیت۔ توحید دین و عبادت۔ اور یہی تینوں توحیدیں دعوت قرآنی کا اصل الاصول ہیں۔ وہ ہر جگہ انہی کی صدا بلند کرتا ہے اور انہی پر اپنی تعلیم و تذکیر کی ساری بنیادیں استوار کرتا ہے

توحید امت سے مقصود یہ ہے کہ افراد انسانی کی کثرت و انتشار کے پردے میں اسکی وحدت چھپی ہوئی ہے اسے نہ بھولو تمہاری نسل تمہارا وطن تمہاری بولیاں کتنی ہی الگ الگ ہو گئی ہوں، مگر تم سب ایک ہی نسل انسانی کا گھرانا ہو، اور تمہارا گروہ اصل میں ایک ہی گروہ ہے

توحید ربوبیت سے مقصود یہ ہے کہ تم نے کتنے ہی مختلف نام رکھ لئے ہوں کتنی ہی مختلف عبادت گاہیں بنا رکھی ہوں کتنے ہی مختلف تصور گھڑ لئے ہوں لیکن تمہارے پیدا کئے ہوئے اختلاف سے حقیقت مختلف نہیں ہو جا سکتی جس طرح تم سب کا گروہ ایک ہی ہے اسی طرح تمہارا پروردگار بھی ایک ہی ہے اس ایک کے سوا اور کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔

توحید عبادت سے مقصود یہ ہے کہ جب گروہ ایک ہی گروہ ہے اور پروردگار ایک ہی پروردگار ہے تو دین بھی ایک ہی ہونا چاہئے۔ وہ ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ پس سچائی کی راہ یہ ہوئی کہ اسی ایک کی بندگی کرو اور اس راہ میں مختلف اور متفرق نہ ہو جاؤ!

خلافت نہیں رہی تھی۔ خلافت کا محض سایہ تھی۔ تاہم سایہ باقی تھا۔ اور وہ اصلیت کی یاد تازہ کرتا رہتا تھا۔ لیکن سقوط بغداد سے یہ سایہ بھی معدوم ہوگیا۔

حدیث زینب بنت جحش

بخاری کی حدیث زینب بنت جحش میں اس صورت حال کی طرف صاف صاف اشارہ موجود ہے: استیقظ النبی صلی اللہ علیہ وسلم محمرا وجہہ، یقول لا الہ الا اللہ، ویل للعرب من شر قد اقترب فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج مثل ہذہ، وعقد سفیان تسعین او مائۃ، قیل "انہلک وفینا الصالحون؟" قال "نعم اذا کثر الخبث"۔ یعنی آنحضرت (صلعم) ایک دن سو کر اٹھے تو ان کا چہرہ مبارک شدت تاثر سے سرخ ہو رہا تھا اور فرما رہے تھے "لا الہ الا اللہ! اس شر سے جو قریب آگیا عرب کے لئے افسوس! آج یاجوج ماجوج کی روک کھل گئی" پھر انگلیوں سے حلقہ بنا کر بتلایا کہ ابھی صرف اتنی راہ کھلی ہے۔ یہ حلقہ روپیہ کے برابر یا اس سے کچھ چھوٹا تھا۔[1] آخری راوی کو اس بارہ میں شبہ پڑ گیا۔ بہرحال مطلب یہ تھا کہ ابھی صرف رخنہ پڑا ہے پوری راہ نہیں کھلی۔ اس پر عرض کیا گیا "کیا ہم ہلاکت میں پڑ جائیں گے حالانکہ ہم میں صالح انسان بھی ہونگے؟" فرمایا "ہاں جب گند بڑھ جائے گی"۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

اولاً آنحضرت کے زمانہ میں یعنی ساتویں صدی مسیحی میں یاجوج ماجوج کی روک کھلنا شروع ہوگئی تھی لیکن اتنی نہیں کھلی تھی کہ قدم باہر بڑھا سکیں۔ یہ حقیقت خواب میں اس طرح دکھائی گئی جیسے ایک دیوار ہے اور اس میں ذرا سا سوراخ بن گیا ہے چنانچہ تاریخ اسکی ہو بہو تصدیق کرتی ہے۔ ٹھیک یہی زمانہ ہے جب منگولی قبائل نے اس راہ کے علاوہ جسے ذوالقرنین بند کر چکا تھا، ایک دوسری راہ کا سراغ پا لیا۔ یعنی بحر خزر اور بحر اسود کی درمیانی راہ کی جگہ بحیرہ یورال اور بحر خزر کا درمیانی راستہ چھٹی صدی میں تاتاریوں کے بعض قبائل اس طرف نکل آئے اور دریائے جیحون کی وادیوں میں آباد ہوگئے۔

ثانیاً یاجوج ماجوج کے ظہور میں عرب کے لئے ہلاکت تھی۔ کیونکہ ویل للعرب فرمایا "للمسلمین" نہیں فرمایا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو نسل عربی اقتدار کے انقراض کے باعث ہوئی۔ وہ یہی منگولی نسل ہے اور اس لئے یقیناً یاجوج ماجوج سے مقصود یہی نسل تھی۔ عربی اقتدار کی ہلاکت کی ابتدا اسی نسل کی مختلف شاخوں سے ہوئی یعنی ترکوں اور سلجوقیوں سے اور انتہا بھی اسی کے نئے ظہور سے ہوئی۔ یعنی منگولی تاتاریوں سے۔

تاریخ کی ایک ناقابل فراموش عبرت

اس باب میں بہت سے امور تفصیل طلب ہیں لیکن بیان مزید اطناب کا موقعہ نہیں۔ البتہ تذکیر و عبرت کے لئے ایک تاریخی حقیقت یاد رکھنی چاہئے۔ اسلام کا مورخ کبھی اسی واقعہ کے ماتم سے فارغ نہیں ہو سکتا کہ تاتاریوں کی ابتدائی تاخت اور آخری تاخت دونوں کا باعث خود مسلمانوں کی فرقہ بندی اور اسکی جاہلی عصبیت ہوئی۔ یعنی بربادی کا پہلا دروازہ حنفیوں اور شافعیوں کے باہمی جدال سے کھلا، اور بربادی کی آخری تکمیل یعنی بغداد کا قتل عام سنیوں اور شیعوں کے اختلاف کا نتیجہ تھا۔

چنگیز خاں نے وسط ایشیا کا بالائی علاقہ خوارزم تک (یعنی خیوا تک) فتح کر لیا تھا لیکن اس سے آگے قدم نہیں بڑھا سکا تھا۔ بعد کو جب اس کے پوتوں میں سلطنت تقسیم ہوئی تو وسط ایشیا اور اس کے ملحقات ہلاکو خاں کے زیر حکومت آئے لیکن اسے بھی آگے بڑھنے کی جرأت نہیں ہوئی کیونکہ اسلامی مملکتوں کی شش صد سالہ عظمت کا رعب ابھی تک دلوں سے محو نہیں ہوا تھا۔ مگر اس اثنا میں اچانک ایک واقعہ ایسا پیش آگیا جس نے خود بخود ہلاکو کے آگے فتح و تسخیر کی راہیں کھول دیں۔ خراسان میں حنفیوں اور شافعیوں میں باہمی جنگ و جدال کا بازار گرم تھا۔ طوس کے حنفیوں نے شافعیوں کی ضد میں آکر ہلاکو کو حملہ کی دعوت دی اور شہر کے دروازے کھول دیے۔ پھر جب تاتاریوں کی تلوار چمک گئی تو اس نے نہ حنفیوں کو چھوڑا نہ شافعیوں کو۔[2] دونوں کا خاتمہ کر دیا۔

[1] ذکر کے شمار کے لئے عربوں میں تسبیح کا رواج نہ تھا۔ تسبیح ایران بدھ کی ایجاد ہے اور انہی سے مسلمانوں نے لی عرب جب شمار کرنا چاہتے۔ تو انگلیوں پر شمار کرتے۔ اسی کو عقد انامل کا طریقہ کہتے ہیں۔ عقد انامل میں ایک علامت نوے کی ہے ایک سو کی۔ دونوں میں حلقہ بن جاتا ہے۔ ایک ذرا بڑا ایک چھوٹا۔ سفیان نے یہ روایت بیان کرتے ہوئے ایسا ہی حلقہ بنا کر دکھایا تھا۔ لیکن آخری راوی کو شبہ پڑ گیا کہ نوے والا تھا یا سو والا۔ اس لئے اس نے دونوں کا ذکر کر دیا۔

[2] اس واقعہ کی طرف اشارہ اگرچہ تمام مورخوں نے کیا ہے لیکن تفصیل ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغت میں ملیگی جو ایران اور مصر میں چھپ گئی ہے۔

لیکن چھٹی صدی ہجری میں ایک طرف تو ان کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی، دوسری طرف ایک غیر معمولی عزم و استعداد کا قائد بھی پیدا ہوگیا۔ یہ مشہور منگولی قائد چنگیز خاں تھا۔ اس نے تمام منتشر قبائل کو ایک رشتۂ اطاعت میں منظم کر دیا، اور اس طرح ایک عظیم الشان عسکری قوت پیدا ہوگئی۔ اب یہ قتل و غارت کا ایک ایسا منظم سیلاب تھا جسے دنیا کی کوئی انسانی قوت روک نہیں سکتی تھی چنگیز خاں کے بیٹے اوکتائی خاں کے عہد میں اس سیلاب کا بند ٹوٹا، اور پھر اچانک اس طرح ہر طرف پھیل گیا، گویا دنیا اپنی بربادی کے لئے صرف اسی بند کے ٹوٹنے کی منتظر تھی۔

اس کے بعد فرمایا من کل حدب ینسلون۔ "حدب" کے معنی کسی چیز کا اٹھا ہوا اور ابھرا ہوا ہونا ہے، چنانچہ زمین کے مرتفع حصوں کو "حدبۃ الارض" کہتے ہیں۔ ای کل اکمۃ من الارض مرتفعۃ "نسل" کے تیزی کے ساتھ دوڑنے کے ہیں۔ بھیڑیے کے لپکنے کو "نسلان الذئب" کہینگے پس مطلب یہ ہوا کہ وہ زمین کے تمام مرتفع حصوں سے دوڑتے ہوئے آ گرینگے۔

غور کرو تاتاریوں کے حملے کی یہ کیسی مکمل تصویر ہے؟ تمام مورخ متفق ہیں کہ ان کے خروج کی سب سے بڑی خصوصیت یہی تھی ان کا ظہور منگولیا میں ہوا جو کرۂ ارضی کی سطح مرتفع ہے۔ مشرق کی طرف بڑھے تو یہ بھی بلندی سے اترنا تھا۔ پھر شمال میں روس تک پہنچ گئے اور جنوب میں تمام مغربی ایشیا کے میدانوں پر چھا گئے۔ یہ بھی بلندیوں سے گرنا ہی تھا۔ کیونکہ وسط ایشیا کی بلندیوں پر نمودار ہوئے اور پھر شمال و جنوب کے زیریں میدانوں پر ٹوٹ پڑے۔ پھر ان کے ظہور کے لئے "ینسلون" کا لفظ کس درجہ موزوں واقع ہوا ہے؟ ان کی تب و روز کی زندگی منگولیا کے باد رفتار گھوڑوں کی پیٹھ پر بسر ہوتی تھی اور سو سو میل تک بغیر دم لئے چلے جاتے تھے۔ جب ان کے جتھے اسلامی ملکوں پر گرے تو ان کی برق رفتاری کا یہ حال تھا کہ ایک شہر کی تباہی کی خبر دوسرے شہر تک پہنچنے نہیں پاتی تھی۔ کہ وہ خود اس کے دروازے پر نمودار ہو جاتے تھے۔

علمائے عہد کی تصریحات

یہی وجہ ہے کہ اس عہد کے اکثر اصحاب نظر ان کی حالت دیکھتے ہی بے اختیار پکار اٹھے کہ یاجوج و ماجوج کا موعود خروج یہی ہے امام ذہبی نے تاریخ میں متعدد علماء کا یہ تاثر نقل کیا ہے اور حافظ علم الدین برزالی نے تاریخ دمشق میں اور مقریزی نے درر المضیئۃ میں تصریح کی ہے کہ اس عہد میں ایک کثیر جماعت اہل علم کی اس فتنہ کو فتنۂ یاجوج ماجوج قرار دیتی تھی۔ نیز حافظ سیوطی نے اپنے رسالہ فضائل بنی عباس میں مقریزی کے ایک رسالہ "مادر وفی حق امیۃ بنی العباس من الروایات والاقوال" کا حوالہ دیا ہے اور اس سے یہی قول نقل کیا ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے جد مجد الدین ابن تیمیہ صاحب منتقیٰ کہا کرتے تھے۔ اگر یہ خود یاجوج ماجوج نہیں ہیں تو ظاہر ہونے والے یاجوج ماجوج ایسے ہی ہونگے صاحب تاریخ گزیدہ نے بھی دبے لفظوں میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

فتح یاجوج سے مقصود کھلنا سد کا نہیں ہے

ہمارے مفسروں نے چونکہ سد ذوالقرنین کی تعمیر کا مطلب یہ سمجھ رکھا تھا کہ جس طرح قیدیوں کو دیوار چن کر بند کر دیتے ہیں اسی طرح ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج کو بند کر دیا ہے، اس لئے یہاں "فتحت" کا لفظ دیکھ کر جھٹ انہوں نے یہ مطلب ٹھیرا دیا کہ جب دیوار کھل جائے گی اور یاجوج ماجوج آزاد ہو کر نکل پڑینگے۔ حالانکہ نہ تو سد سے مقصود قید خانہ کی دیواریں ہیں، اور نہ یاجوج ماجوج سے مقصود بھیڑوں کا کوئی گلہ ہے جسے باڑھ کھینچ کر بند کر دیا گیا ہو۔ دنیا میں اس طرح کوئی کسی قوم کو دیواروں میں چن نہیں دے سکتا۔ ذوالقرنین کے زمانہ میں یاجوج ماجوج کا حملہ ایک خاص راہ سے ہوتا تھا۔ دوسری راہیں ان پر نہیں کھلی تھیں اس لئے اس نے سد تعمیر کر کے اسے بند کر دیا اور صدیوں تک کے لئے ملک محفوظ ہو گیا۔ اسی طرح چینیوں نے بارہ سو میل لمبی دیوار تعمیر کر کے شمال اور مغرب کی ساری سرحد بند کر دی۔ لیکن اب یہ دونوں رکاوٹیں بیکار ہو گئی تھیں کیونکہ چین کے لئے جنوب کی راہ اور مغربی ایشیا کے لئے خراسان کی راہ کھل گئی تھی۔ الملخصاً بلفظہا۔

حادثۂ یاجوج اور تاریخ اسلام

اس واقعہ نے تاریخ اسلام کو دو بڑی قسموں میں منقسم کر دیا ہے قبل از فتنۂ تاتار اور بعد از فتنۂ تاتار پہلے عہد کی تمام دینی، تمدنی، ذہنی اور عملی خصوصیات دوسرے عہد میں یک قلم معدوم ہو گئیں۔ پہلا عہد صرف عروج ہی کا عہد نہ تھا بلکہ تنزل کا بھی تھا، تاہم مسلمانوں کے فکر و عمل کی جو معنوی روح اوائل میں پیدا ہو گئی تھی، وہ کسی نہ کسی شکل میں کم و بیش قائم تھی لیکن اس فتنہ نے پچھلا دور بالکل ختم کر دیا اور عالم اسلامی کی خون آلود سرزمین سے جو نیا دور بنا وہ سراسر عقب رستے ایک مختلف اور متضاد دور تھا، اور سر تا سر عہد تنزل کی پیداوار آج مسلمانوں کے فکر و عمل کا جو ڈھانچہ نظر آرہا ہے یہ اسی دور کی پیداوار ہے۔

اس انقلاب حال کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ عربی خلافت کا بالکل خاتمہ ہوگیا عربی خلافت اس سے پہلے بھی

ہوئے ہے ان سے نکل جائے گی جو صالح ہونگے، ان کے ورثہ میں آئے گی! ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔

عابدین حق کے لئے پیام

اس کے بعد فرمایا: ان فی ھذا لبلاغا لقوم عابدین۔ اس بات میں عبادت گذاران حق کے لئے ایک بڑا پیام حقیقت مضمر ہے یعنی اس قانون الٰہی کے تذکرہ میں ان کے لئے وراثت ارضی کا پیام ہے کہ وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا (۲۴: ۵۵) جس طرح ان سے پہلے خدا کے صالح بندوں کی وراثت میں زمین آ چکی ہے اسی طرح عنقریب ان کی وراثت میں بھی آنے والی ہے۔ اور پھر یہ انقلاب کیوں ہونے والا ہے؟ اس لئے کہ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین! پیغمبر اسلام کا ظہور کرۂ ارضی کے لئے رحمت الٰہی کا ظہور ہے پس ضروری ہے کہ انسانی شقاوت کا خاتمہ ہو۔ ضروری ہے کہ اسکی جگہ رحمت الٰہی کا سایہ کرۂ ارضی پر چھا جائے!

اس کے بعد واضح کر دیا کہ پیغمبر اسلام کی دعوت کا ماحصل کیا ہے؟ انما الٰھکم اللہ واحد۔ فھل انتم مسلمون؟

باقی رہی یہ بات کہ یہ انقلاب حال کب ظہور میں آنے والا ہے؟ تو ان ادری اقریب ام بعید ما توعدون میں جانتا ہوں کہ یقیناً ایسا ہونے والا ہے لیکن ابھی اس میں کچھ دیر ہے یا بالکل سامنے آ گیا؟ یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ اس بارہ میں بھی اللہ کے مقررہ قوانین ہیں اور وہ کام کر رہے ہیں۔ وان ادری، لعلہ فتنۃ لکم ومتاع الی حین کون جانتا ہے ہو سکتا ہے کہ جو تاخیر ہو رہی ہے وہ اس لئے ہو کہ تمہیں ابھی کچھ دنوں اور آزمائش میں ڈالنا ہے یا اس لئے کہ تمہاری تمتع حیات کے کچھ دن ابھی باقی ہیں۔

یہ سورت کا کتنا اہم مقام ہے؟ سورت کے تمام بیانات کس طرح وقت کی سب سے بڑی موعظت پر ختم ہوئے ہیں؟ اور پھر کیسی فیصلہ کن بات ہے جس میں مومنین صالحین کے لئے پیام اقبال اور منکرین مفسدین کے لئے پیام ادبار ہے؟ لیکن تفسیریں اٹھا کر پڑھو ہمارے مفسر اس تیزی سے نکل گئے ہیں۔ گویا رکنے اور تفکر و تدبر سے کام لینے کی اس میں کوئی بات ہی نہیں ہے!

رحمۃ للعالمین

یہاں پیغمبر اسلام کے ظہور کا ایک ایسا وصف بیان کیا گیا ہے جو قرآن کے بیان کردہ اوصاف میں سب سے زیادہ اہم اور نمایاں ہے یعنی رحمۃ للعالمین! یہ ظہور صرف کسی ایک ملک کسی ایک قوم کسی ایک نسل ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام دنیا کے لئے رحمت کا ظہور ہے، یہ وصف بیان کر کے قرآن نے ایک کسوٹی ہمارے حوالے کر دی ہے اس پر ہم اس ظہور کی ساری صداقتیں پرکھ سکتے ہیں اگر یہ فی الحقیقت تمام نوع انسانی کے لئے رحمت کا ظہور ثابت ہوا ہے، تو اسکی سچائی میں کوئی شک نہیں اگر ایسا نہیں ہوا ہے، تو پھر سچائی نے قرآن کا ساتھ نہیں دیا۔ ہمارا فرض ہے کہ حقیقت کا حقیقت کے لئے اعتراف کر لیں یہ جانچ تاریخ کی بے لاگ اور بے رحم جانچ ہونی چاہیے۔ ہر طرح کی مذہبی خوش اعتقادیوں سے منزہ ہر طرح کی خود پرستانہ طرفداریوں سے پاک۔ کیونکہ یہاں حقیقت کی عدالت موجود ہے، اور وہ صرف حقیقت ہی کی شہادت پر کان دھرتی ہے!

تاریخ کا فیصلہ

جہل و تعصب نے ہمیشہ اعلانِ حقیقت کی راہ روکنی چاہی ہے لیکن روک نہیں سکی ہے اس فیصلہ میں بھی تاریخ نے دیر لگائی لیکن بالآخر اسے کرنا پڑا۔ ضروری ہے کہ یہ فیصلہ خود اسی کی زبانی سنا جائے اور ایک معتقد کی طرح نہیں بلکہ ایک مورخ کی طرح عالم انسانیت کے ایک ایک گوشہ سے شہادت طلب کی جائے۔ افسوس ہے کہ اس وقت تک کوئی کوشش ایسی نہیں کی گئی جو اس موضوع پر علمی حیثیت سے وقیع سمجھی جا سکے ہم نے مقدمہ تفسیر میں اسکی کوشش کی ہے اور ایک خاص باب کا موضوع بحث یہی مسئلہ ہے، یہاں اتنی تفصیل کی گنجائش نہیں، اور اختصار مفید مدعا نہیں اس لئے مجبوراً قلم روک لینا پڑتا ہے۔

حضرت ابراہیم بت شکنی کا واقعہ

(۲۷) سورت کی تشریحات ختم ہو گئیں مگر ایک نہایت اہم بحث باقی رہ گیا ہے یعنی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی بت شکنی کا واقعہ جو آیت ۵۷ سے ۶۷ تک بیان کیا گیا ہے۔ تمام طور پر مفسروں نے یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ حضرت ابراہیم کے تین قول

له میرے نزدیک ضروری ہے کہ یہاں الارض سے مقصود فلسطین کا ملک قرار دیا جائے، جیسا کہ مفسرین نے قرار دیا ہے کیونکہ اسلوب بیان عموم کا طالب ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ الارض سے مقصود روئے زمین ہے علاوہ بریں یہ الزبور کا ہے اور زبور میں عموم و استغراق کے ساتھ زمین ہے نہ کہ ارض موعود۔

خراسان کی تسخیر نے بغداد کی شاہراہ کھول دی تھی۔ پھر بھی ہلاکو اس کی جرات نہ کر سکا کہ عباسی دارالخلافہ پر حملہ کرے۔ لیکن اب پھر خود مسلمانوں کے باہمی قتال نے اسے بلاوا بھیجا۔ بغداد سنیوں اور شیعیوں کے باہمی پیکار کا میدان جنگ بن چکا تھا۔ خلیفہ مستعصم کا وزیر ابن علقمی شیعہ تھا، اور سنیوں کے ہاتھوں اذیتیں برداشت کر چکا تھا۔ اس نے خواجہ نصیر الدین طوسی کے ذریعہ (کہ ہلاکو کا وزیر اور معتمد تھا) ہلاکو کو بغداد آنے کی ترغیب دی، اور اس طرح تاریخ اسلام کی سب سے بڑی بربادی اپنی آخری تکمیل تک پہنچ گئی۔ یہی معنی ہیں سورۂ انعام کی اس آیت کے جس میں جماعتی زندگی کے عذابوں میں سے ایک عذاب یہ بتلایا ہے کہ کسی ایک جماعت کا مختلف جماعتوں میں متشیع اور متحزب ہو جانا اور پھر ہر گروہ دوسرے گروہ کو اپنی شدت کا مزہ چکھانا: قل ھو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم او من تحت ارجلکم، او یلبسکم شیعا و یذیق بعضکم باس بعض (۶: ۶۵)

تاریخی حیثیت سے یہ واقعہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ چنگیز خاں کو خوارزم پر حملہ کرنے کی ترغیب خود خلیفہ الناصر الدین اللہ عباسی نے دی تھی کیونکہ سلجوقیوں کے بعد خوارزم شاہیوں کا اقتدار قائم ہو گیا تھا، خلیفہ بغداد اس اقتدار کی وجہ سے سخت ضیق میں تھا۔ چنگیز خاں کا نام تیموجن تھا۔ ۶۰۲ھ مطابق ۱۲۰۶ء میں اس نے چنگیز خاں کا شہنشاہی لقب اختیار کیا۔ ۶۱۶ھ مطابق ۱۲۱۹ء میں خوارزم فتح کر لیا۔ سال وفات ۶۲۴ھ مطابق ۱۲۲۷ء ہے۔

اس کے بعد اس کا بیٹا اوکتائی خاں جانشین ہوا۔ اوکتائی کے بعد منکو۔ منکو کے بعد قبلائی۔ قبلائی کے بھائی ہلاکو کے حصہ میں وسط ایشیا کی فرمانروائی آئی۔ اسی نے ۶۵۶ھ مطابق ۱۲۵۸ء میں بغداد پر حملہ کیا اور عربی خلافت کا آخری نقش قدم بھی مٹ گیا۔

قانون وراثت ارض

(۴۶) آیت (۱۰۵) سے آخر تک سورت کے مواعظ کا خاتمہ ہے۔ فرمایا: ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون "ہم نے زبور میں اپنے اس مقررہ قانون کا اعلان کر دیا تھا کہ زمین کے وارث خدا کے صالح بندے ہوتے ہیں" یعنی جماعتوں اور قوموں کے لئے یہاں یہ قانون الٰہی کام کر رہا ہے کہ انہی لوگوں کے حصہ میں ملک کی فرمانروائی آتی ہے جو صالح ہوتے ہیں۔ "صلح" کے معنی سنورنے سنوارنے کے ہیں "فسد" کے معنی بگڑنے بگاڑنے کے "صالح" انسان وہ ہے جو اپنے کو سنوار لیتا ہے اور دوسروں کو سنوارنے کی استعداد پیدا کر لیتا ہے اور یہی حقیقت نیک عملی کی ہے "مفسد" وہ ہے جو بگاڑ میں پڑتا اور بگاڑنے والا ہوتا ہے، اور یہی حقیقت بد عملی کی ہے۔ پس قانون یہ ہوا کہ زمین کی وراثت سنورنے سنوارنے والوں کی وراثت میں آتی ہے۔ ان کی وراثت میں نہیں جو اپنے اعتقاد و عمل میں بگڑ جاتے ہیں اور سنوارنے کی جگہ بگاڑنے والے ہوتے ہیں۔

زبور کا اعلان

زبور کا مجموعہ آج موجود ہے اس کے بے شمار ترانوں میں یہ حقیقت صاف صاف بول رہی ہے۔ مثلاً زبور ۳۷ میں ہے۔ "بدعمل کاٹ ڈالے جائیں گے۔ مگر وہ جو خداوند کی بات کی راہ دیکھتے ہیں، زمین کو میراث میں لیں گے۔ قریب ہے کہ شریر نابود ہو جائے تو اس کا ٹھکانا ڈھونڈھے اور نہ پائے پر وہ جو حلیم ہیں زمین کے وارث ہوں گے اور ہر طرح کی راحتوں سے خوش دل ہوں گے" (۳۷: ۹)

انسانی زندگی سراسر ارث و میراث ہے

توراۃ، انجیل، اور قرآن تینوں نے زمین کی "وراثت" کی ترکیب جا بجا استعمال کی ہے اور غور کرو، یہ ترکیب صورت حال کی کتنی سچی اور قطعی تعبیر ہے؟ دنیا کے ہر گوشہ میں ہم دیکھتے ہیں۔ ایک طرح کی بدلتی ہوئی میراث کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے یعنی ایک فرد اور ایک گروہ طاقت و اقتدار حاصل کرتا ہے۔ پھر وہ چلا جاتا ہے اور دوسرا فرد اور گروہ اس کی ساری چیزوں کا وارث ہو جاتا ہے یہ حکومتیں کیا ہیں؟ محض ایک ورثہ ہیں جو ایک گروہ سے نکلتا اور دوسرے کے حصہ میں آ جاتا ہے۔ اگر زمین کا کوئی ایک قطعہ سامنے رکھ لو، اور جس وقت سے اس کی تاریخ روشنی میں آئی ہے، اس کے حالات کا کھوج لگاؤ، تو تم دیکھو گے، اس کی پوری تاریخ کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ارث و میراث کی ایک مسلسل داستان ہے ایک قوم قابض ہوئی۔ پھر مٹ گئی۔ دوسری اس کی وارث ہو گئی۔ پھر اس کے لئے بھی مٹنا ہوا، اور تیسرے وارث کے لئے جگہ خالی ہو گئی۔ وہلم جرا۔

پس قرآن کہتا ہے یہاں ارث و میراث کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اب سوچنا یہ چاہئے کہ جو ورثہ چھوڑنے پر مجبور ہوتے ہیں کیوں ہوتے ہیں؟ اور جو وارث ہوتے ہیں کیوں وراثت کے حق دار ہو جاتے ہیں؟ فرمایا اس لئے کہ یہاں خدا کا ایک اٹل قانون کام کر رہا ہے: "ان الارض یرثھا عبادی الصالحون"۔ وراثت ارضی کی شرط اصلاح و صلاحیت ہے جو صالح (حاشیہ بر صفحہ ۴۹۵)

اور الہامی اچنبھوں کا سرچشمہ چلی آتی ہیں، محض بے اختیار مورتیاں ہو جائیں اور جو حقیقت ہمارے آباؤ اجداد اور ان کے آباؤ اجداد نہ پا سکے وہ کل کا ایک نوجوان لڑکا پالے۔ چنانچہ وہ ان کی دعوت و تبلیغ کا تمسخر اڑاتے اور کہتے: اجئتنا بالحق ام انت من اللاعبین؟ (۵۵) فی الحقیقت تمہارا ایسا ہی عقیدہ ہے یا ہم سے ہنسی تمسخر کر رہے ہو؟ یعنی بتوں کی عظمت اور ان کے روحانی اقتدار و تصرف کی ہیبت دلوں پر اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ اس کے خلاف کسی کا بے دھڑک زبان کھولنا ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔ وہ حضرت ابراہیم کی باتیں سنتے تو متعجب ہو کر کہتے۔ تمہارے ہوش و حواس کہاں گئے؟ تم سنجیدگی سے ایک بات کہہ رہے ہو یا ہم سے مزاح کر رہے ہو؟۔

ان کا محسوس کرنا کہ مقلدین جہل کے دلائل بے کار ہیں

* جب اپنی قوم کے جہل و کوری کی یہ حالت دکھائی دی تو حضرت ابراہیم نے محسوس کیا، حجتوں اور دلیلوں کی روشنی ایسے لوگوں کے لئے بالکل بیکار ہے۔ ان کے دلوں میں بتوں کے اقتدار و تصرف کا وہم اقتدار بن کر جم گیا ہے جب تک اس پر چوٹ نہیں لگے گی ان کی آنکھیں کھلنے والی نہیں۔ پس ضروری ہے کہ اعلان حقیقت کے لئے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے اور وہ طریقہ ایسا ہو کہ میری دلیلوں اور موعظتوں کی روشنی سے نہیں بلکہ خود اپنی اندھی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ صدیوں کی یہ گڑھی ہوئی عظمتیں اور نسلوں کی مانی ہوئی معبودیتیں بے اختیار مورتیوں اور بے جان پتھروں سے زیادہ کچھ نہیں ہیں اور انسانوں کی کسی بڑی تعداد کا کسی بڑی مدت تک ایک بات مان لینا اور کئے جانا سچائی کا ثبوت نہیں۔ سچائی کا ثبوت صرف عقل سلیم کی حجت ہے۔

قیام حجت کا عملی طریقہ

یہ طریقہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ انہوں نے تمام لوگوں کو کھلا کھلا چیلنج دے دیا: تاللہ لاکیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین: یعنی اگر عقل کی کوئی دلیل بھی تمہارے لئے سود مند نہیں تم اپنے اس وہم باطل میں جمے ہوئے ہو کہ یہ مورتیاں طاقت و تصرف رکھتی ہیں تو اچھا خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ جونہی تم آج اپنے بڑے میلہ میں گئے ہیں تمہارے ان بتوں کے ساتھ ایک داؤ کھیلوں گا۔ اگر فی الحقیقت ان میں طاقت و تصرف ہے تو وہ کوئی معجزہ دکھا کر اپنے کو بچالیں۔ یا میرے ہاتھ پاؤں شل کر دیں۔

جب ایک جماعت تقلید و وہم پرستی میں اس درجہ ڈوب جائے کہ عقل و بصیرت کی کوئی بات بھی اس کے اندر نہ اتر سکے تو پھر اقناع فکر کی صرف یہی ایک راہ رہ جاتی ہے کہ ان کی عقل کی جگہ ان کے حواس کو مخاطب کیا، اور کوئی ایسی بات کر کے دکھا دی جائے جس سے ان کی ساری وہم پرستیوں کا بطلان ہو جائے۔ مثلاً ایک بچہ چڑیا کو دیکھ کر ڈرنے لگتا ہے تم ہزار اسے سمجھاؤ کہ چڑیا کاٹتی نہیں لیکن وہ ماننے والا نہیں۔ اب ایک دانشمند آدمی کیا کرے گا؟ یہ کرے گا کہ دلیلوں کی جگہ مشاہدہ سے کام لے گا۔ وہ اپنی انگلی چڑیا کی چونچ میں ڈال دے گا۔ اور پھر نکال کر بچہ کو دکھلا دے گا کہ دیکھ لے اس نے کاٹا ہے یا نہیں کاٹا ہے۔ یہ ایک مشاہدہ بچہ کے اندر جس درجہ یقین پیدا کر دے گا، وہ ایک سو آدمیوں کی ایک ہزار دلیلوں سے بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہی حال عقول فاسدہ کا ہے۔ تم ان کی عقل و فکر سے کچھ نہیں پا سکتے۔ لیکن تم انہیں مشاہدہ کے ذریعے عاجز کر سکتے ہو۔ حضرت ابراہیم نے بالآخر یہی طریقہ اختیار کیا۔ انہوں نے کیا جس حقیقت کو تم عقل و فکر سے نہیں پا سکے ہیں تمہارے مشاہدہ میں لا کر خود تمہاری زبانوں سے اگلوا لوں گا۔ تمہارے دل میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ ان میں طاقت و تصرف ہے اچھا میں ان پر ہاتھ اٹھاتا ہوں۔ اب اگر سچ مچ کو ان میں اختیار و تصرف ہے تو یہ اپنے سارے معجزے لیکر نمودار ہو جائیں اور مجھے اس سے روک دیں یا مجھ پر کوئی آسمانی عذاب اتار دیں۔

لوگوں نے ان کا یہ اعلان سنا، لیکن چونکہ دلوں میں بتوں کی عظمت و تقدیس رچی ہوئی تھی، اس لئے قابل التفات نہیں سمجھا۔ وہ سمجھے ایک مجنونانہ بڑ ہے بھلا کون ہے جو ان قادر و توانا معبودوں کی جناب میں ایسی جرأت کر سکتا ہے جو اور اگر کرے تو اسے اس کی مہلت ہی کب ملے گی؟ نہیں معلوم کیا سے کیا ہو جائے؟

پہلے چیلنج دیا پھر کر کے دکھا دیا

لیکن حضرت ابراہیم اپنے فیصلہ کا اعلان کر چکے تھے اور اسے کر کے دکھا دینا تھا۔ جونہی معبد خالی ہوا انہوں نے ایک ایک

لہ فلاڈیلفیا یونیورسٹی (امریکہ) کے عجائب خانہ اور برٹش عجائب خانہ کی ایک مشترک اثری مہم نے تل العبید کی کھدائی کا کام شروع کیا تھا جو جنگ کی وجہ سے رک گیا تھا مگر اب جاری ہو گیا ہے اس کے انکشافات نے حضرت ابراہیم کی سرگزشت متذکرہ قرآن کے متعدد گوشوں پر نہایت اہم روشنی ڈالی ہے۔ سورۂ الصافات کی تشریحات میں مختصراً اس کا ذکر کیا جائے گا اور تفصیل مقدمہ میں ملے گی۔

پر ایسی بات کہی جس پر بظاہر جھوٹ کا اطلاق ہو سکتا ہے اس میں سے ایک موقعہ یہ ہے جب ان سے پوچھا گیا "ءانت فعلت ھذا" کیا تو نے بتوں کو توڑا ہے تو انہوں نے کہا "بل فعلہ کبیرھم ھذا" بلکہ اس بڑے بت نے ایسا کیا۔ حالانکہ فی الحقیقت فعل خود انہی کا تھا۔

اس بارے میں استدلال صحاح کی ایک روایت سے کیا جاتا ہے لیکن سب سے پہلے ہمیں خود اس مقام پر تدبر کرنا چاہیے کہ کیا فی الحقیقت یہاں کوئی ایسا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس سے حضرت ابراہیم کا جھوٹ بولنا ثابت ہوتا ہو؟ خواہ وہ جھوٹ کسی درجہ اور کسی نوعیت کا ہو۔

کیا حضرت ابراہیم نے جھوٹ بولا تھا

حقیقت یہ ہے کہ تفسیر قرآن کی تاریخ کی بو العجبیوں میں اس سے بڑھ کر اور کوئی ناقابل توجیہہ بو العجبی نہیں قرآن میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے اس اصدق الصادقین کا جھوٹ بولنا نکلتا ہو لیکن بہ تکلف ایک آیت کو توڑ مروڑ کر ایسا بنایا جا رہا ہے کہ کسی نہ کسی طرح جھوٹ بولنے کی بات بن جائے۔ اور اثبات کذب کی یہ مبارک کوشش کیوں کی جا رہی ہے؟ صرف اس لئے کہ ایک مزعومہ حدیث موجود ہے بس کہیں یہ قیامت نہ ٹوٹ پڑے کہ اس کے غیر معصوم راویوں کی روایت کمزور ماننی پڑے، گویا اصل اس باب میں غیر معصوم راویوں کا تحفظ ہے نہ کہ معصوم رسولوں کا، اور اگر قرآن میں اور کسی روایت میں اختلاف واقع ہو جائے تو قرآن کو روایت کے مطابق بننا پڑے گا۔ راوی کی شہادت اپنی جگہ سے کبھی نہیں ہل سکتی!

اب غور کرو۔ یہاں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ خود قرآن کے صاف صاف لفظوں میں کیا ہے۔

شہر اور کی بت پرستی

سرزمین دجلہ و فرات میں نینوا اور بابل سے پہلے جو شہر آباد ہوئے ان میں ایک شہر اُور تھا۔ یہ جنوبی عراق میں فرات کے کنارے آباد تھا۔ اور محل وقوع وہ مقام تھا جو آج کل "تل العبید" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس کی تفتیش و تحقیق کا سلسلہ ابھی جاری ہے لیکن جس قدر آثار و کتبات روشنی میں آچکے ہیں ان سے باشندگان شہر کے عقائد و اعمال کے بہت سے گوشے واضح ہو چکے ہیں۔ یہاں بت پرستی کی وہ ساری بنیادیں استوار ہو چکی تھیں جو آگے چل کر نینوا اور بابل میں زیادہ وسیع اور منظم شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ پرستش کا مدار کواکب تھے۔ سب سے بڑا بت "شمس" کا تھا۔ یعنی شمس (سورج) کا اس کے نیچے بہت سے بت مختلف طاقتوں یا مختلف قبیلوں اور آبادیوں کے تھے۔ خود شہر اُور کا محافظ خدا "نانعار" تھا یعنی چاند "تل العبید" کے ٹیلہ میں جس مندر کے آثار ملے ہیں۔ یقین کیا جاتا ہے کہ وہ "نانعار" کا مندر تھا۔

مندر کے خاص پجاریوں اور محافظوں کا ممتاز گروہ بھی پیدا ہو چکا تھا، اور انہیں دینی ریاست پیشگی (Priesthood) کی نوعیت حاصل ہو گئی تھی۔

آزر نام نہیں لقب تھا

حضرت ابراہیم کا ظہور اسی شہر میں ہوا ان کے والد تارخ کا بچپنے ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ چچا نے پرورش کی تھی اور چونکہ وہ مندر کے پجاریوں میں سے تھا، اس لئے "آوار" کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ "آوار" قدیم کالدی زبان میں بڑے پجاری یا محافظ معبد کو کہا کرتے تھے۔ یہی "آوار" ہے جس نے بعد کی عربی میں "آزر" کی شکل اختیار کر لی، اور اسی لئے قرآن نے اس کا ذکر "آزر" کے نام سے کیا۔

حضرت ابراہیم کا گھرانا

حضرت ابراہیم نے جب آنکھ کھولی تو خود اپنے گھر میں بت پرستی پائی۔ لیکن اللہ نے سچائی کی حجتوں اور دلیلوں کی وحی سے ان کا قلب سلیم اس طرح معمور کر دیا تھا کہ نہ تو قوم و وطن کی جہالت و گمراہی اسے چھو سکی، نہ خود اپنے عزیزوں اور بزرگوں کا اعتقاد راسخ اسے متاثر کر سکا۔ انہوں نے پہلے اپنے گھرانے میں تبلیغ کی پھر تمام قوم کو پیام حق پہنچایا۔

دعوت و تبلیغ حق

انہوں نے پہلے شرک و بت پرستی کے خلاف عقل سلیم کی حجتیں اور وجدان صادق کی شہادتیں پیش کیں۔ وتلک حجتنا اتینٰھا ابراھیم علی قومہ نرفع درجٰت من نشآء ان ربک حکیم علیم (۶: ۸۳) لیکن پھر دیکھا کہ آباؤ اجداد کی تقلید کی ظلمت اس طرح دلوں پر چھا گئی ہے کہ عقل و بینش کی کوئی روشنی بھی انہیں دکھائی نہیں دیتی۔ ہر حجت و آیت کا جواب ان کی زبانوں سے یہی نکلتا ہے کہ وجدنا اٰباءنا لھا عٰبدین (۵۳) نیز انہوں نے دیکھا، ایک عرصہ کے توالُد و توارث نے لوگوں کی عقلیں یکسر مسخ کر دی ہیں۔ بتوں کے روحانی اقتدار و تصرف کا عقیدہ ان کی رگ رگ میں پیوست ہو گیا ہے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی کہ الوہیت و قدوسیت کی یہ تمثیلیں روحانیتیں جو طرح طرح کے روحانی معجزے

لہ حاشیہ صفحہ ۴۹۷ پر دیکھیں۔

ما ھٰؤلاء ینطقون۔ " لقد علمت " یعنی یہ حقیقت تو تجھے معلوم ہی ہو چکی ہے کہ مورتیوں کی صداؤں اور مندر کے ہاتف غیبی کے جوابوں کا معاملہ وہ نہیں ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ مورتیاں بولا نہیں کرتیں۔ پھر تیرا یہ کہنا کہ بڑے بت سے پوچھ کر فیصلہ کرو کیا معنی رکھتا ہے؟ تب حضرت ابراہیم نے تمام مجمع سے مخاطب ہو کر ندائے حق بلند کر دی: اتعبدون من دون اللہ ما لا ینفعکم شیئا ولا یضرکم؟ اف لکم ولما تعبدون من دون اللہ افلا تعقلون؟ (۶۷) جب ان مورتیوں کے منطق والہام کے سارے قصے من گھڑت ہیں اور ان کی عجز و درماندگی کا یہ حال ہے جو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، تو پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش پر جم گئے ہو؟ کیا اتنی موٹی بات بھی سمجھ نہیں سکتے؟

تفسیر "ان کانوا ینطقون"

ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں کہ کالڈیا میں پجاریوں کی خاص جماعت پیدا ہو چکی تھی، اور بت پرستی کی تاریخ میں اصلی کارفرما جماعت ہمیشہ یہی رہی ہے۔ یہ لوگ عوام سے الگ ہو جاتے تھے اور پھر عوام کو اپنے قبضہ و اقتدار میں رکھنے کے لئے مندروں کی معجزانہ قوتیں بار بار بڑھاتے رہتے تھے۔ چنانچہ مختلف طریقے کام میں لا کر لوگوں کو یقین دلاتے کہ مورتیاں بولتی ہیں، سوالوں کا جواب دیتی ہیں، نذرانے قبول کرتی ہیں، ہر طرح کے عجائب و خوارق شب و روز ان سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کا اصلی خطاب انہی پجاریوں سے تھا۔ وہ گھر کے بھیدی تھے۔ کیونکہ خود ان کا چچا مندر کے پجاریوں میں سے تھا، اور اس طرح وہاں کے تمام حالات سے باخبر ہونے کا پورا موقعہ انہیں حاصل ہو گیا تھا۔ انہوں نے چاہا عوام کے سامنے حقیقت حال کا پجاریوں سے اعتراف کرائیں اور انہوں نے اعتراف کرا کے چھوڑا۔ پس ان کے اس قول کا کہ "ان کانوا ینطقون" یہ مطلب سمجھنا چاہیے کہ اگر مورتیوں کی پراسرار نداؤں کی وہ بات ٹھیک ہے جس کا تم عوام کو یقین دلاتے رہتے ہو تو اس بڑے بت سے ندائے حق کا مطالبہ کرو۔ اگر یہ ہمیشہ تمہارے سوالوں کا جواب دیتا ہے تو آج کیوں نہ دے؟ اور ایسے موقعہ پر کیوں نہ دے جب تمام مندر تہ و بالا ہو گیا ہے؟ یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر بت عام طور پر نطق و کلام کرتے ہیں تو ان سے بات کرا لو۔ کیونکہ بتوں کا عام طور پر آدمیوں کی طرح بات نہ کرنا تو عام طور پر مسلم تھا۔ کوئی بھی عقیدہ نہیں رکھتا تھا کہ یہ ہماری طرح بولتے چالتے ہیں۔

حضرت ابراہیم کی یہ بات عوام کے دلوں میں قطعاً اثر انگیز ہوئی ہوگی۔ ہر شخص بول اٹھا ہوگا کہ بات ٹھیک کہہ رہا ہے، بڑی مورتی سے اس حادثہ میں کیوں نہ رجوع کیا جائے۔

لیکن جب ابراہیم نے مجمع عام میں بت پرستی کے خلاف وعظ شروع کر دیا، تو پجاری ڈرے اور انہوں نے چاہا عوام کے بت پرستانہ جذبات بھڑکا کر اپنا کام نکال لیں۔ انہوں نے کہا: احرقوہ وانصروا آلھتکم ان کنتم فاعلین۔ اسے زندہ آگ میں جلا دو کیونکہ تمام قدیم قوموں میں دستور تھا کہ مذہبی اور سیاسی مجرموں کو زندہ جلا دینے کی سزا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ کالڈیا میں آخری زمانے تک یہی دستور رہا۔ کتاب دانیال سے معلوم ہوتا ہے کہ کالدیوں نے ان یہودیوں کو زندہ جلا دینا چاہا تھا۔ جنہوں نے بادشاہ کی معبودیت سے انکار کر دیا تھا۔

فرض الباطل مع الخصم کذب نہیں

بیجا

اب غور کرو اس تمام سرگذشت میں کونسی بات ایسی ہے جس سے حضرت ابراہیم کا جھوٹ بولنا نکلتا ہو؟ بتوں کو انہوں نے کچھ چوری چھپے نہیں توڑا تھا کہ خلاف واقعہ بات کہہ کے اسے چھپانا چاہتے۔ تمام پجاریوں کے سامنے صاف صاف اعلان کر دیا تھا، اور اعلان بھی اس تاکید کے ساتھ کہ " تاللہ لاکیدن اصنامکم " خدا کی قسم! میں ضرور تمہارے بتوں کو اپنے داؤ کا نشانہ بناؤں گا۔ پھر جو بات اس طرح صاف صاف کہہ دی گئی ہو اور علانیہ کی گئی ہو، اس میں جھوٹ بولنے کی بات کہاں سے نکل آئی؟ باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ بل فعلہ کبیرھم ھذا تو ظاہر ہے کہ ایک لمحہ کے لئے اس سے مقصود انکار فعل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فعل کا تو وہ پہلے سے اعلان کر چکے تھے اور خود پوچھنے والوں میں ایک ایک فرد جانتا تھا کہ انہی کا کیا دھرا ہے۔ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ محض حجت الزامی تھی، اور حجت الزامی کا وہ طریقہ جسے ہمارے مناظر فرض الباطل مع الخصم حتیٰ تلزمہ الحجۃ سے تعبیر کرتے ہیں۔ صدق و کذب کا سوال یہاں کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔

اثبات کذب کے لئے ایک غلط توجیہ

چونکہ ہمارے مفسروں کے سامنے ایک روایت موجود تھی، اور اس کی تعمیل میں ضروری سمجھتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح جھوٹ کی بات بن جائے اس لئے انہوں نے کوشش کی کہ جو بات قرآن میں نہیں ہے، وہ محذوف بنا کر بڑھا دی جائے۔ چنانچہ وہ حضرت ابراہیم کے قول تاللہ لاکیدن اصنامکم کو سلسلہ بیان سے الگ کر لیتے ہیں، اور کہتے ہیں، یہ بات انہوں نے

کرکے تمام بت توڑ دئے صرف بڑے بت یعنی "شمش" کو چھوڑ دیا۔ اس میں مصلحت یہ تھی کہ "لعلھم الیہ یرجعون" اگر یہ باقی رہے گا تو شاید اس کی طرف لوگ رجوع کریں یعنی یہ سوال اٹھایا جاسکے کہ اس کے سامنے بتوں پر آفت آئی اور خود یہی کہ رب الارباب تھا کچھ نہ کرسکا۔ اب اسی سے بتوں کی تباہی کی کہانی سن لی جائے!

پجاریوں کی حیرانی اور پھر تجاہل

جب لوگ واپس آئے، اور انہوں نے دیکھا، جو بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آئی تھی وہ وقوع میں آگئی اور سچ مچ کو ابراہیم نے سارے بت پاش پاش کر دئے۔ تو غور کرو، ان کے دل و دماغ کا کیا حال ہوا ہوگا؟ اور ایسی حالت میں کیا ہونا چاہئے؟ پہلے حیرت چھائی ہوگی کہ یہ کیا سے کیا ہوگیا؟ کیا یہ مقدس مورتیاں اس طرح توڑ پھوڑ ڈالی جاسکتی تھیں؟ پھر حضرت ابراہیم کی ساری باتیں سامنے آگئی ہونگی صاف نظر آگیا ہوگا کہ اس بارے میں سچا وہی نکلا ہم جھوٹے ہوئے۔ پھر اپنی شکست کے خیال نے غم و غصہ کی شکل اختیار کرلی ہوگی۔ فتح مند آدمی اتنا غضب ناک نہیں ہوتا جتنا شکست خوردہ ہوجاتا ہے خصوصًا جبکہ یہ شکست سخت ذلت و ندامت کی شکست ہو۔ اب پجاریوں کے لئے سب سے زیادہ ضروری بات تھی کہ معاملہ کی شناعت عامۃ الناس سے پوشیدہ رکھی جائے۔ اگر انہیں معلوم ہوگیا کہ ابراہیم نے پہلے چیلنج دے دیا تھا، اور پھر کرکے دکھا دیا، تو ان کے عقیدے فورًا متزلزل ہوجائینگے پس دکھاوے کے لئے پجاریوں نے ایسا انداز اختیار کرلیا، گویا ابراہیم والی بات کی انہیں خبر ہی نہیں آپس میں پوچھنے لگے۔ یہ شرارت کس نے کی ہے؟ جس کسی نے کی ہے وہ بڑا ہی مجرم ہے۔ وہ دیوتاؤں کے سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔ اس پر بعض دکھاوے کے لئے بول اٹھے سمعنا فتی یذکرھم یقال لہ ابراھیم (۶۰) ہمارے سننے میں آیا ہے ایک نوجوان ان مورتیوں کے بارے میں کچھ باتیں کہتا تھا۔ غالبًا اسی نے کیا ہو اسے ابراہیم کہہ کر پکارتے ہیں۔ غور کرو کہنے والا اب بھی یہ نہیں کہتا کہ اس نے مورتیوں کے خلاف ایک داؤ چلنے کی دھمکی دی تھی بلکہ صرف یذکرھم کہہ کر چپ ہوجاتا ہے۔ کیونکہ کوشش یہ ہے کہ اصل معاملہ عوام سے چھپایا جائے جو اس حادثہ عظیم کی خبر سنکر وہاں جمع ہوگئے تھے اور جن کا پتہ فاتوا بہ علی اعین الناس (۶۱) سے لگتا ہے یعنی پجاریوں نے کہا ابراہیم کو یہاں لوگوں کے سامنے لاؤ۔ بہرحال حضرت ابراہیم بلائے گئے۔ وہ اب تمام مجمع کے سامنے کھڑے ہیں۔ مجمع میں پجاری اور عوام دونوں ہیں پجاریوں کو سب کچھ معلوم ہے عوام کو تفصیلات معلوم نہیں۔

حضرت ابراہیم کا مجمع عام میں آنا اور پجاریوں سے مکالمہ

اب وہ وقت آگیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے انکشاف حقیقت کا جو طریقہ اختیار کیا تھا، اس کا نتیجہ آشکارا ہوجائے اور جس حقیقت کے اعتراف سے لوگوں کو انکار تھا وہ خود انہی کے حلقوں سے اگلوالی جائے۔ اور دیکھو کیسے صاف اور قدرتی طریقہ سے حضرت ابراہیم اپنی اس عملی اور دعوتی حجت کی سلطانی کا اعتراف کرانے ہیں؟ پجاریوں نے دکھاوے کے لئے بے خبر بن کر پوچھا: ءانت فعلت ھذا بالھتنا یا ابراھیم؟ (۶۲) کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ تونے یہ حرکت کی ہے؟ اب اگر حضرت ابراہیم ان کے جواب میں کہتے میں تمہیں پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ ایسا کرونگا اس میں پوچھنے کی بات کیا ہے؟ تو انہیں رد و کد کرنے کا موقعہ مل جاتا مثلًا وہ عوام کے سامنے انکار کردیتے کہ تم نے کبھی ایسا نہیں کہا تھا، اور اس طرح اصل مسئلہ کی جگہ ایک دوسری بات میں سوال و جواب ہونے لگتا لیکن انہوں نے جواب میں حجت الزامی کا ایسا طریقہ اختیار کیا کہ رد و کد کے سارے دروازے بند ہوگئے اور حقیقت آشکارا ہوگئی: بل فعلہ کبیرھم ھذا فاسئلوھم ان کانوا ینطقون (۶۳) بلکہ اس سب سے بڑے بت "شمش" نے کیا ہے جس کے آگے تم ہمیشہ اپنے سوالات پیش کرتے رہتے ہو اور پھر کہتے ہو کہ اس کی پراسرار صدائیں تمہیں (یعنی تم پجاریوں کو) سنائی دیتی ہیں۔ "یہ ابھی زندہ سلامت موجود ہے۔ اگر فی الحقیقت مورتیاں سوالوں کا جواب دیا کرتی ہیں تو اسی سے پوچھ لو۔ مجھ سے کیوں سوال کرتے ہو؟

پجاریوں کا اعتراف اور مجبور ہونا

یہ جواب سنتے ہی سب پر سناٹا چھا گیا۔ کیونکہ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ نہ تو یہ کہہ سکتے تھے کہ مورتی سے امید جواب نہیں نہ مورتی سے سوال ہی کرسکتے تھے، ادھر عوام نتیجہ کے منتظر تھے۔ فرجعوا الی انفسھم۔ یعنی پجاریوں کی جماعت عوام سے الگ ہو کر آپس میں باتیں کرنے لگی، اور چونکہ اب حضرت ابراہیم کا تیر ٹھیک نشانہ پر لگ چکا تھا۔ اس لئے انہیں اقرار کرنا پڑا: فقالوا انکم انتم الظالمون بلاشبہ حق سے نا راستی کرنے والے ہم ہی ہیں۔ ٹھیک بات تو وہی ہے جو ابراہیم کہہ رہا ہے بالآخر مجبور ہوئے کہ جو بات حضرت ابراہیم ان سے کہلوانی چاہتے تھے، وہ سر جھکا کر اپنی زبان سے کہہ دیں: لقد علمت

تصنیف پر اپنے آپ کو راضی کر سکیں؛

یہ محل تفصیل کا نہیں لیکن چونکہ ایک اہم اور اصولی سوال ہے اس لئے ضروری ہے کہ مختصراً اشارات کر دئے جائیں۔ پس اس باب میں تحقیق کی راہ یہ سمجھنی چاہئے کہ: مسلمانوں

مسلک تحقیق

(۱) قرآن کے بعد دین کی ان تمام کتابوں میں جو [illegible] کی ترتیب دی ہوئی ہیں سب سے زیادہ صحیح کتاب جامع بخاری اور جامع مسلم ہے اور ان کی ترجیح محض ان کی شروط ہی کی بنا پر نہیں ہے بلکہ شہرت اور قبول کی بنا پر ہے۔ "شہرت" یہ کہ ایک کتاب علم و نظر کے تمام عہدوں اور طبقوں میں عالمگیر طور پر مشہور رہی ہو، اور اہل علم نسلاً بعد نسل اس کی صحت و فضیلت پر مہریں لگاتے رہے ہوں۔ "قبول" یہ کہ وہ تمام امت کی نظر و بحث کا مرکز بن گئی ہو۔ ہر عہد اور ہر طبقہ میں بے شمار ناقدوں اور محققوں نے اس کی ایک ایک روایت ایک ایک راوی ایک ایک متن ایک ایک لفظ ہر طرح کی بحثیں کی ہوں، ہر طریقہ سے جانچا ہو، ہر طرح کی نگاہیں رد و قبول کی ڈالی ہوں، زیادہ سے زیادہ موافق و مخالف شرحیں لکھی ہوں، زیادہ سے زیادہ درس و تدریس میں مانجھتے رہے ہوں، اور پھر بھی اس کی مقبولیت یک قلم بے داغ رہی ہو۔ چونکہ یہ دو باتیں تاریخ اسلام میں صرف انہی دو کتابوں کے حصے میں آئی ہیں، و لیس لہما ثالث اس لئے ان کی ہستی بجائے خود ایک دلیل صحت ہو گئی ہے۔ اور بلاشبہ جب کبھی اختلاف ہو گا، تو صحیحین کی روایت محض اس لئے بھی قوی تر سمجھی جائے گی کہ وہ صحیحین کی روایت ہے۔ دوسرے مجامیع کی روایات کتنی ہی شروط بخاری و مسلم پر نکال کر دکھا دی جائیں، لیکن وہ اس کی قوت کا ہم پلہ نہیں ہو سکتیں۔

(ب) لیکن یہ جو کچھ ہے ان کی صحت کا اعتقاد ہے یعنی ایسی صحت کا جیسی اور جس درجہ کی صحت ایک غیر معصوم انسان کے اختیارات کی ہو سکتی ہے۔ عصمت کا اعتقاد نہیں ہے۔ اور اس لئے اگر کوئی روایت شاذ یقینیات قطعیہ قرآنیہ سے معارض ہو جائیں گی تو ہم ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی تضعیف میں تامل نہیں کریں گے۔ کیونکہ اصل ہر حال میں قرآن ہے جس کا تواتر یقینی اور جس کی قطعیت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ہر انسانی شہادت اس پر کسی جائے گی۔ وہ کسی غیر معصوم شہادت اور رائے پر کسا نہیں جا سکتا کہ:

غرض اندر میان سلامت اوست!

اور پھر ہم دیکھ رہے ہیں کہ محققین حدیث نے اس باب میں کبھی ارباب جمود و تقلید کا شیوۂ اعمیٰ اختیار نہیں کیا۔ یہ بخاری کی روایت اسریٰ شریک بن عبداللہ بن ابی نمر والی ہے جس کی نسبت تمام محققین نے بے تامل تصریح کر دی کہ شریک کو غلط فہمی ہوئی، اور صحیح بات وہی ہے جو مسلم کی روایت انس بن مالک میں ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم کی حدیث خلق اللہ التربۃ یوم السبت کی نسبت تمام محققین نے اتفاق کیا اس کا رفع ثابت نہیں اور اسرائیلیات سے ماخوذ ہے۔ پھر اگر اسی طرح صحیحین کی یہ روایت بھی رد کر دی گئی کہ ابراہیم خلیل کی صداقت رد نہ کرنی پڑے، تو کونسی قیامت ٹوٹ پڑے گی؟

قال انی سقیم

اس روایت میں حضرت ابراہیم کی تین باتوں کو "کذب" سے تعبیر کیا گیا ہے، ایک تو یہی بات، دوسری وہ جو سورۂ صافات میں ہے فقال انی سقیم (۳۷: ۸۹) تیسری یہ کہ انہوں نے بادشاہ مصر کے آگے اپنی بیوی سارہ کو بہن کہا تھا۔ آخری بات قرآن میں کہیں نہیں ہے تورات میں ہے، اور ہم اس کے موجودہ نسخہ کی صحت کے ذمہ دار نہیں۔ باقی رہا "انی سقیم" والا قول، تو اس کی شرح صافات میں ملے گی یہاں اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ اس کا کوئی مطلب بھی ٹھہرایا جائے، لیکن اس میں جھوٹ کا پہلو کہاں سے نکل آیا؟ ایک شخص کہتا ہے میں سقیم ہوں۔ پھر کیوں اسے جھوٹ پر محمول کیا جائے؟

ہم نے یہاں اصل واضح کر دی۔ لیکن یہ بھی ضروری کہ روایت مشہورہ کے متن و اسناد پر نظر ڈالی جائے۔ اس کے لئے البیان کا انتظار کرنا چاہئے۔

مخاطبوں سے نہیں کہی تھی، اپنے جی میں کہی تھی یعنی ان کا اعلان نہ تھا۔ جی ہی جی میں ایک سازش سوچی تھی۔ لیکن یہ محض رائے سے قرآن کے مطالب میں اضافہ کرنا ہے۔ قرآن میں یہ کہیں نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے جی میں کہا تھا وہ تو صاف صاف کہہ رہا ہے کہ موقعہ مخاطبہ اور مکالمہ کا تھا۔ اور جب پجاریوں نے یہ بات کہی کہ اجئتنا بالحق ام انت من اللاعبین؟ تو اس کے جواب میں حضرت ابراہیم نے اعلان کیا۔ علاوہ بریں اس طرح کے محذوفات جبھی تسلیم کئے جا سکتے ہیں جبکہ کوئی قطعی قرینہ موجود ہو یہاں بجز اس ضرورت کے کہ حضرت ابراہیم کو کذب گو بنایا جائے اور کونسی ضرورت لاحق ہوگئی ہے کہ یہ محذوف گڑھ لیا گیا۔

حدیثِ صحیحین

باقی رہی صحیحین کی روایت کہ لم یکذب ابراھیم فی شیءٍ قط الا ثلاث کلھن فی اللہ الخ تو اگرچہ اس کی توجیہ و تاویل کی بہت سی راہیں لوگوں نے کھول لی ہیں، مگر صاف بات وہی ہے جو امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب ہے اور جسے امام رازی نے بھی دہرایا ہے یعنی ہمارے لئے یہ تسلیم کر لینا نہایت آسان ہے کہ ایک غیر معصوم راوی سے فہم و تعبیر حدیث میں غلطی ہوگئی، بہ مقابلہ اس کے کہ ایک معصوم اور برگزیدہ پیغمبر کو جھوٹا تسلیم کریں اگر ایک راوی کی جگہ سینکڑوں راویوں کی روایت بھی ناقص ٹھیر جائے۔ تو بہرحال غیر معصوم انسانوں کی غلطی ہوگی لیکن اگر ایک معصوم پیغمبر کو بھی غلط بیان تسلیم کر لیا گیا تو نبوت و وحی کی ساری عمارت درہم برہم ہوگئی۔

صحت اور عصمت

باقی روایت صحیحین کی ہے لیکن اس تیرہ سو برس کے اندر کسی مسلمان نے بھی راویانِ حدیث کی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا ہے نہ امام بخاری و مسلم کو معصوم تسلیم کیا ہے کسی روایت کے لئے بڑی سے بڑی بات جو کہی گئی ہے وہ اس کی "صحت" ہے "عصمت" نہیں ہے اور "صحت" سے مقصود صحت مصطلحہ فن ہے نہ کہ صحت قطعی و یقینی مثل صحت قرآن۔ پس ایک روایت پر صحت کی کتنی ہی مہریں لگ چکی ہوں لیکن بہرحال غیر معصوم انسانوں کی ایک شہادت اور غیر معصوم ناقدوں کا ایک فیصلہ ہے۔ ایسا فیصلہ

اصلی رد و قبول

ہر بات کے لئے مفید حجت ہو سکتا ہے مگر یقینیات و قطعیات کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ جب کبھی ایسا ہوگا کہ کسی راوی کی شہادت یقینیات قطعیہ سے معارض ہو جائے گی۔ تو یقینیات اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گے۔ غیر معصوم کو اپنی جگہ چھوڑنی پڑے گی۔

نبوت اور سچائی لازم ملزوم ہیں

نبی کا سب سے بڑا وصف جو قرآن نے بتلایا ہے وہ اس کی سچائی ہے اور احتیاج تفصیل نہیں۔ نبوت ایک سیرت ہے جو صرف سچائی ہی سے بنتی ہے اور صرف سچائی ہی کے سانچے میں ڈھل سکتی ہے ایک نبی کسی بات سے عاجز نہیں ہوتا۔ مگر اس بات سے کہ سچ نہ بولے۔ حقیقت اور سچائی کے خلاف جو کچھ ہے خواہ کسی شکل اور کسی درجہ میں ہو نبوت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ اگر نبوت ہوگی تو سچائی بھی ہوگی۔ اگر سچائی نہیں ہے تو نبوت بھی نہیں۔ پس انبیاء کرام کی سچائی اور عصمت یقینیات دینیہ و نقلیہ میں سے ہے۔ روایات کی قسموں میں سے کتنی ہی بہتر قسم کی کوئی روایت ہو، بہرحال ایک غیر معصوم راوی کی شہادت سے زیادہ نہیں، اور غیر معصوم کی شہادت ایک لمحہ کے لئے بھی یقینیات دینیہ کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ ہمیں ماننا پڑے گا کہ یہ اللہ کے رسول کا قول نہیں ہو سکتا۔ یقیناً یہاں راویوں سے غلطی ہوئی ہے اور ایسا مان لینے سے نہ تو آسمان پھٹ پڑے گا اور نہ زمین خشک ہو جائے گی۔

نشق

صحیحین کے باب میں افراط و تفریط

اصل یہ ہے کہ ہر گوشہ کی طرح اس گوشہ میں بھی متاخرین افراط و تفریط میں پڑ گئے ہیں اور اسکی وجہ سے عجیب عجیب الجھاؤ پیش آ رہے ہیں۔ ایک طرف فقہاء حنفیہ ہیں جنہوں نے یہ دیکھ کر کہ صحیح بخاری و مسلم کی مرویات کی زد ان کے مذہب پر پڑ رہی ہے اس امر کی کوشش شروع کر دی کہ ان دونوں کتابوں کی صحت کی قوت کسی نہ کسی طرح کمزور کی جائے۔ چنانچہ ابن ہمام وغیرہ نے اس طرح کے اصول بنانا شروع کر دئے کہ صحیحین کی ترجیح صحیحین کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ محض ان کی شروط کی وجہ سے ہے پس اگر کسی دوسری کتاب کی روایت بھی ان شرطوں پر اتر آئی تو قوت میں صحیحین کی روایت کے ہم پلہ ہو جائے گی۔ حالانکہ صحیحین کی ترجیح محض ان کی شروط کی بنا پر نہیں ہے بلکہ "شہرت" اور "قبول" کی بنا پر ہے، اور اس پر تمام امت کا اتفاق ہو چکا ہے۔ دوسری طرف عامۂ اصحاب حدیث میں جنہوں نے اس باب میں ٹھیک ٹھیک تقلید کی وہی چادر اوڑھ لی ہے جو فقہا مقلدین کے سروں پر انہوں نے دیکھی تھی اور اسے پارہ پارہ کر دینا چاہا تھا۔ ان کے سامنے جونہی بخاری و مسلم کا نام آ جاتا ہے بالکل درماندہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اور پھر کوئی دلیل و حجت بھی انہیں اس پر تیار نہیں کر سکتی کہ اس کی کسی روایت کی

فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ
لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ
مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـــًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ
5 هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ
6 اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَ

(٢) پیدائش سے پہلے جنین پر جو مختلف حالتیں طاری ہوتی ہیں ان کی طرف یہاں اشارہ کیا ہے:

"نطفۃ" لغت میں پانی کے ایک قطرہ کو کہتے ہیں چونکہ جنین کی تکوین کا ابتدائی مادہ پانی کے چند قطروں کی طرح ہوتا ہے اس لئے اسے نطفہ کہنے لگے۔

"علقۃ" جمے ہوئے خون کے لوتھڑے کو بھی کہتے ہیں اور جونک کو بھی۔

"مضغۃ" کے معنی ہیں گوشت کا ایک ٹکڑا۔

"مخلقۃ" یعنی اس ٹکڑے میں شکل و صورت کی شان کا پیدا ہوجانا۔

"غیر مخلقۃ" بگڑ کے رہ جانا اور متشکل نہ ہونا۔

پیدائش کے بعد کی تین حالتیں بیان کی ہیں، طفولیت، رشد و عقل، ارذل العمر یعنی بڑھاپا، بڑھاپے کو عربی میں ارذل العمر کہتے ہیں کیونکہ اس عمر میں تمام قوتیں جواب دے دیتی ہیں اور طاقت کے بعد پھر کمزوری و بے بسی کا عہد طاری ہوجاتا ہے۔

اس کے بعد اس کی تعلیل واضح کردی کہ یہ رشد و عقل کے بعد پھر طفولیت کی نادانی و بے عقلی کی طرف لوٹ جانا ہے گویا انسان کی عمر طفولیت کی نادانی سے شروع ہوتی ہے اور بتدریج بڑھتے بڑھتے رشد و عقل کے بلوغ و کمال تک پہنچ جاتی ہے اس کمال کے بعد پھر زوال شروع ہوجاتا ہے، اور جس حالت سے شروع ہوئی تھی، اسی کی طرف لوٹ آتی ہے۔

نطفہ ہوتا ہے پھر "علقہ" بنتا ہے (یعنی جونک کی طرح کی ایک چیز) پھر متشکل اور غیر متشکل گوشت کا ایک ٹکڑا اور یہ اس لئے ہوتا ہے کہ تم پر اپنی قدرت کی کارفرمائیاں) واضح کردیں پھر دیکھو جس نطفہ کو ہم چاہتے ہیں (تکمیل تک پہنچائیں) اسے عورت کے رحم میں ایک مقررہ وقت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ پھر (جب نطفہ تکمیل کے تمام اندرونی مراتب طے کرلیتا ہے تو) طفولیت کی حالت میں تمہیں باہر نکال لیتے ہیں۔ پھر تم پر (یکے بعد دیگرے) ایسی حالتیں طاری کرتے ہیں کہ (بالآخر) اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جاتے ہو۔ پھر تم میں کوئی تو ایسا ہوتا ہے جو (بڑھاپے سے پہلے ہی) مرجاتا ہے کوئی ایسا ہوتا ہے جو بڑھاپے تک پہنچتا، اور اس طرح عمر کی نکمی حالت کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے کہ سمجھ بوجھ کا درجہ پاکر پھر ناسمجھی کی حالت میں پڑجائے۔

اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے۔ پھر جب اس پر پانی برسا دیتے ہیں، تو اچانک لہلہانے اور ابھرنے
5 لگتی ہے۔ ہر قسم کی روئیدگیوں میں سے حسن و خوبی کا منظر اگ آتا ہے!
یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کی ہستی ایک حقیقت ہے، اور وہ بلاشبہ مردوں کو زندہ کردیتا
6 ہے اور وہ ہر بات پر قادر ہے۔ نیز اس بات کی کہ مقررہ گھڑی آنے والی ہے اس میں کسی طرح کا شبہ نہیں اور

سُورَةُ الحَجّ

مدنی - ٧٨ آیات

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ ١
عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ
شَدِيْدٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ ٢-٣
مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ ٤

لوگو! اپنے پروردگار (کے عذاب سے) ڈرو۔ ط
کرو۔ آنے والی گھڑی کا بھونچال بڑا ہی سخت واقعہ ہوگا!
جس دن وہ تمہارے سامنے آموجود ہوگی اس دن
(کسی کو کسی کا ہوش نہیں رہے گا) دودھ پلانے والی مائیں
اپنا دودھ پیتا بچہ بھول جائیں گی حاملہ عورتیں (وقت
سے پہلے) اپنا حمل گرا دینگی۔ لوگوں کو تم اس حال میں دیکھوگے
کہ بالکل متوالے ہوگئے حالانکہ وہ متوالے نہیں ہوئے مگر
اللہ کے عذاب کی ہولناکی بڑی ہی ہولناک ہے (جس
نے انہیں متوالوں کی طرح بے ہوش کر دیا!)
اور (دیکھو) کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے
میں جھگڑتے ہیں اور ان کے پاس کوئی علم نہیں وہ ہر
سرکش شیطان کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔
شیطان کے لئے یہ بات لکھ دی گئی ہے کہ جو
کوئی اس کا رفیق ہوا، وہ ضرور اسے گمراہی میں ڈالیگا
اور عذاب جہنم تک پہنچا کر رہے گا!

(۱) سورت کی ابتدا حیات اخروی کے اثبات اور قیامت کی
ہولناکیوں کی تذکیر سے ہوئی ہے غور کرو۔ صرف ایک آیت کے
١ اندر اس ہولناک ترین حادثہ کائنات کی کیسی کامل تصویر کھینچ دی ہے؟
ماں کی محبت سے بڑھ کر طبیعت انسانی کا کوئی علاقہ نہیں اور
اس محبت کے جوش کی سب سے زیادہ تیزی اس وقت ہوتی ہے جب
بچہ دودھ پیتا ہوتا ہے اور ہر وقت ماں کی چھاتی سے لگا رہتا ہے۔
پس ہولناکی کی شدت کی یہ کس درجہ حقیقی اور فطری تصویر ہے کہ
ماؤں کو اپنے دودھ پیتے بچوں تک کا ہوش نہ رہا دہشت میں ایسی کھوئی گئیں
کہ اپنی گود کے بچوں کو بھول گئیں، جسکی ہولناکی کا یہ حال ہو اس سے بڑھ
کر طبیعت بشری کیلئے اور کونسی ہولناکی ہو سکتی ہے؟
اس کے بعد فرمایا - حاملہ عورتیں کہ ابھی ان کے وضع حمل کا
٢ وقت نہیں آیا، شدت ہول سے بے اختیار جنین گرا دیں گی اور
یہ دہشت کی انتہا ہے جسم انسانی پر اس سے زیادہ دہشت کا کوئی
اثر نہیں ہو سکتا۔
اور لوگ کس حال میں ہونگے؟ ایسے جیسے متوالے ہوگئے ہوں
یہ حالت فی الحقیقت متوالے ہونے کی حالت نہ ہوگی بلکہ ہولناکی
٣ کی شدت انہیں مخبوط الحواس کر دے گی!
گزشتہ جنگ میں جب جرمن فوج نے پیرا اور انٹورپ پر
گولہ باری کی تھی تو وہاں کے بہت سے باشندے بالکل پاگل
ہوگئے تھے۔ اگر گولہ باری کی ہولناکی کا یہ اثر ہوتا ہے تو اس حادثہ
٤ کا اثر کیا ہوگا جس میں اجرام سماویہ ایک دوسرے سے ٹکرا جائینگے۔

لوگو! اگر تمہیں اس بارے میں شک ہے کہ آدمی (دوبارہ) جی اٹھے گا، تو (اس بات پر غور کرو) ہم نے
تمہیں (کس چیز سے) پیدا کیا (؟) مٹی سے۔ پھر (تمہاری پیدائش کا سلسلہ کس طرح جاری ہوا؟) اس طرح کہ پہلے

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا
يُرِيْدُ ۝ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَاۗءِ
١٥ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ
١٦ مَنْ يُّرِيْدُ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ڰ
١٧ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کئے تو فی الحقیقت اللہ انہیں ایسے باغوں میں پہنچائے گا جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہونگی (اور اس لئے وہ کبھی خشک ہونے والے نہیں)
١٤ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے (وہ مالک مختار ہے!)

جو آدمی (مایوس ہوکر) ایسا خیال کر بیٹھتا ہے کہ اللہ دنیا اور آخرت میں اسکی مدد کرنے والا نہیں، تو اس کے لئے زندگی کی کوئی راہ باقی نہ رہی، اسے چاہئے ایک رسی چھت تک لیجا کر باندھ دے اور (اس میں گردن لٹکا کر زمین سے) رشتہ کاٹ لے پھر دیکھے اس تدبیر نے اس کا غم و غصہ دور کر دیا یا نہیں ؟

اور دیکھو اس طرح ہم نے یہ کلام روشن دلیلوں کی شکل میں اتارا، اور اس لئے اتارا کہ اللہ
١٦ جسے چاہتا ہے (کامیابی کی) راہ پر لگا دیتا ہے!

جو لوگ ایمان لائے (یعنی مسلمان) جو یہودی ہیں جو صابی ہیں جو نصاریٰ ہیں جو مجوسی ہیں جو مشرک ہیں، قیامت کے دن ان سب کے درمیان اللہ فیصلہ کرے گا (اور ان کے اعمال کی حقیقت ظاہر ہو جائیگی)
١٧ اللہ سے کوئی بات چھپی نہیں وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے!

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو کوئی بھی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی بھی زمین میں ہے نیز سورج، چاند، ستارے پہاڑ، درخت

یہاں آیت (۱۱) میں یہی حقیقت واضح کی ہے۔ فرمایا کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی بندگی تو کرتے ہیں مگر اس طرح کہ دل میں جماؤ نہیں ہے اور ایمان کی بنیاد یقین پر نہیں ہے۔ زندگی کے عارضی اور وقتی حالات پر ہے، اگر آرام و خوشحالی کی کوئی بات پیش آگئی تو مطمئن ہو گئے، مصیبت پیش آگئی تو اکھڑ گئے۔ ایسا آدمی نہ تو دنیا کی زندگی میں کامیاب ہو سکتا ہے نہ آخرت میں کیونکہ بنا رکامیابی یقین اور امید ہے جو اس روح سے محروم رہا، وہ دونوں جگہ نامراد ہوگا، اور زندگی کی سب سے نمایاں نامرادی یہی ہے!

پھر فرمایا۔ زندگی کی ذرا سی مصیبت بھی انہیں اللہ کی طرف سے ہٹا کر دوسری چوکھٹوں پر گرا دیتی ہے۔ جہاں نہ ان کے لئے نفع ہے نہ نقصان۔ وہ گمراہی میں سب سے زیادہ گہری گمراہی یہی ہے!

(۵) آیت (۱۱) پر غور کرو۔ انسانی زندگی کی گمراہیوں کی کیسی سچی تصویر ہے؟ کتنے ہی آدمی ہیں جو بظاہر خدا پرستی کے دعوے میں کسی سے پیچھے نہیں ہوتے، لیکن جہاں زندگی کے کسی الجھاؤ میں پڑے اور حسب خواہش وہ نہیں ہوا، جھٹ انہوں نے خدا سے منہ موڑ لیا۔ اور گو زبان سے اقرار نہ کریں لیکن ان کی اعتقادی حالت ایسی ہی ہو جاتی ہے کہ اب حاجت براری کے لئے دوسرے آستانے ڈھونڈھنے چاہئیں۔ چنانچہ جو چوکھٹ سامنے نظر آ جائے گی فوراً جھک جائینگے، اور اسے اپنی بندگی و نیاز کا کعبہ بنا لینگے قرآن کہتا ہے: ذلک ھو الضلال البعید: یہ گمراہی کی سب سے زیادہ گہری حالت ہے!

آیت (۱۱) میں فرمایا۔ وہ ایسی ہستیوں کو پکارنے لگتے ہیں جن کے نفع سے زیادہ ان کا نقصان اقرب ہے یعنی اگر وہ ذرا بھی سمجھ بوجھ سے کام لیں تو دیکھ لیں ان سے نفع پہنچنے کے لئے تو کوئی دلیل موجود نہیں، لیکن نقصان میں پڑ جانا یقینی

۷ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ
۸ مُّنِيْرٍ ۝ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ
ع ۹، ۱۰ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ
عَلٰي حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ انْقَلَبَ عَلٰي وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا
۱۱ وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ
۱۲ - ۱۳ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ۝

۷ اس کی کہ اللہ ضرور انہیں اٹھا کھڑا کرے گا جو قبروں میں پڑ گئے (یعنی مر گئے)
اور دیکھو! کچھ لوگ ایسے ہیں کہ نہ تو ان کے پاس علم کی کوئی روشنی ہے نہ کسی طرح کی رہنمائی، نہ کوئی کتاب
۸ روشن، مگر گھمنڈ کرتے ہوئے اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں، تاکہ لوگوں کو اس کی راہ سے بھٹکا دیں۔ ایسے آدمی
۹ کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی رسوائی ہے اور قیامت کے دن بھی ہم اُسے عذاب آتش کا مزہ چکھائیں: "یہ
اس کا نتیجہ ہے جو خود تیرے ہاتھوں نے پہلے سے مہیا کر رکھا تھا۔ اور اللہ تو اپنے بندوں کے لئے کبھی ظالم
۱۰ نہیں ہو سکتا!"

اور (دیکھو) کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کی بندگی تو کرتے ہیں مگر دل کے جماؤ سے نہیں[1]۔ اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچ گیا تو مطمئن ہو گئے اگر کوئی آزمائش آ گئی تو اُلٹے پاؤں اپنی (کفر کی) حالت پر لوٹ پڑے وہ دنیا میں بھی نامراد ہوئے اور آخرت میں بھی اور یہی ہے جو
۱۱ آشکارا نامرادی ہے
وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کو (اپنی حاجت روائی کیلئے) پکارتے ہیں جو نہ تو انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں نہ نفع یہی گمراہی ہے
۱۲ جسے سب سے زیادہ گہری گمراہی سمجھنا چاہئے!
وہ ایسی ہستی کو پکارتے ہیں جس کے نفع سے زیادہ
۱۳ اس کا نقصان قریب تر ہے (یعنی واضح و آشکارا ہے) سو کیا ہی بُرا کارساز ہوا، اور کیا ہی بُرا ساتھی۔

[1] الحرف الشك. اصله من حرف الشيء وهو طرفه - مثل حرف الجبل والحائط فان القائم عليه غير مستقر۔

(۳) قرآن نے جا بجا انسان کی ایک ذہنی حالت کو "جدال فی اللہ بغیر علم" سے تعبیر کیا ہے، تشریح اس کی آخری نوٹ میں ملے گی۔

(۴) قرآن نے ہر جگہ یہ حقیقت واضح کی ہے کہ ایمان امید اور یقین ہے اور کفر شک اور مایوسی ہے اور وہ بار بار اس بات پر زور دیتا ہے کہ مایوس نہ ہو۔ امید کا چراغ روشن رکھو۔ ہر حال میں امیدوار فضل و سعادت رہو۔ یہی مقتضائے ایمان ہے۔ یہی سرچشمہ زندگی ہے اسی سے تمام دنیوی اور اخروی کامرانیوں کی دولت حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر مایوس ہو گئے اگر مایوسی کی پرچھائیں بھی دل پر پڑنے دی تو پھر یہ زندگی کا خاتمہ ہو گا۔ دنیا کی نامرادی ہو گی، عاقبت کا خسران ہو گا!

وہ کہتا ہے زندگی امید ہے اور موت مایوسی۔ جونہی تم نے امید کی شمع جلائی زندگی و سعادت کے دائرہ میں آ گئے۔ جونہی یہ شمع بجھ گئی، موت اور نامرادی کی ظلمت میں گر گئے!

غور کرو! قرآن جو کچھ کہتا ہے کیا اس کے علاوہ بھی کچھ اس بارے میں کہا جا سکتا ہے؟ کیا انسانی زندگی کی ساری کامرانیوں اور فتحمندیوں کی اصل و اساس امید ہی نہیں ہے؟ اور کیا ناامیدی سے بڑھ کر کوئی موت کا سرچشمہ ہو سکتا ہے!

الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ
٢٣ - ٢٤ فِیْهَا حَرِیْرٌ ۝ وَهُدُوْٓا اِلَی الطَّیِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚۖ وَهُدُوْٓا اِلٰی صِرَاطِ الْحَمِیْدِ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ
عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِیْهِ وَالْبَادِ ؕ وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ
٢٥ ع ٣ / ١٠ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ
٢٦ شَیْـًٔا وَّطَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ
یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ

کی جگہ سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار پہنائے جائیں گے، اور لباس ان کا ریشمی ہوگا۔ انہیں بات
٢٣ میں سے ایسی بات کی راہنمائی ملی جو نہایت پاکیزہ ہے، انہی راہوں میں سے ایسی راہ پر چلایا گیا جس کی ستائش
٢٤ کی گئی!

جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور جو اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں، نیز مسجد حرام سے جسے ہم نے بلا امتیاز تمام انسانوں کے لئے (عبادت گاہ) ٹھہرایا ہے، خواہ وہاں کے بسنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے (تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہم انہیں) اور ہر اس آدمی کو جو اس میں از راہ ظلم حق سے منحرف ہونا
٢٥ چاہے گا، عذاب دردناک کا مزہ چکھائینگے۔

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے ابراہیم کے لئے خانۂ کعبہ کی جگہ مقرر کر دی (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر، اور میرا یہ گھر ان لوگوں کے لئے پاک کر جو طواف کرنے والے ہوں، عبادت میں سرگرم رہنے
٢٦ والے ہوں، رکوع و سجود میں جھکنے والے ہوں" اور حکم دیا تھا کہ" لوگوں میں حج کا اعلان پکار دے۔ لوگ تیرے پاس دنیا کی تمام دور دراز راہوں سے آیا کرینگے پاپیادہ اور ہر طرح کی سواریوں پر (جو مشقت سفر سے) تھکی ہوئی ہونگی وہ اس لئے آئینگے کہ اپنے فائدہ پانے کی جگہ میں حاضر

(٧) اس کے بعد آیت (١٧) میں فرمایا کہ دنیا دار العمل ہے، اور ہر فرد اور گروہ اس کے ایمان و عمل کے مطابق نتیجہ ملتا ہے یہاں حقیقت کا فیصلہ نہیں ہوتا کیونکہ آنکھوں کے آگے پردے پڑے ہیں، لیکن قیامت کے دن تمام پردے اٹھ جائینگے، اور سب دیکھ لینگے کہ اللہ کا فیصلہ حق کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے علاوہ ان مذہبی گروہوں کا بھی ذکر کیا جو عرب اور عرب کے جوار میں موجود تھے:

یہودی، صابی، مسیحی، مجوس اور مشرک یعنی عرب کے بت پرست

آیت (١٨) نے واضح کر دیا کہ قرآن کے نزدیک اتباع حق کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا کائنات ہستی میں جس قدر مخلوق ہے سب اللہ کے احکام و قوانین کے آگے جھکی ہوئی ہے۔ اجرام سماویہ سے لے کر درختوں اور چوپاؤں تک کوئی چیز نہیں جس کے لئے اس نے احکام و قوانین نہ ٹھہرائے ہوں، اور ان کے مطابق ان کی ہستی کا کارخانہ نہ چل رہا ہو۔ پھر اگر یہاں درخت کے ایک پتہ اور پہاڑ کی ایک چٹان کے لئے بھی کسی کے ٹھہرائے ہوئے احکام ہیں۔ تو کیا انسان کے لئے نہیں ہونگے جو کرۂ ارضی کے تمام سلسلۂ خلقت کا ماحصل اور تمام کارخانۂ تخلیق و تکمیل کا آخرین مظہر ہے؟ اور اگر سب کی ہستی و بقا اس پر موقوف ہوئی کہ احکام حق کے آگے سر بسجود رہیں، تو کیا انسان کی ہستی و سعادت کے لئے ایسا ہونا ضروری نہیں؟

اس آیت کے اسلوب بیان پر غور کرو انسان کو مخلوقات ہستی کی ہم صنفی سے الگ کر کے نہیں کیا ہے، بلکہ ایک ہی سلسلہ میں سب کا ذکر کیا ہے: والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب، وکثیر من الناس یعنی اس اعتبار سے

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَ
١٨ سجدہ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝
هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ
١٩ ٢٠ ٢١ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۝ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا
٢٢ ع ١٢ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۤ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

واضح اور آشکارا ہے۔ کون نقصان؟ ایمان وعقل کا نقصان اگر ایک انسان اپنے ہی جیسی عاجز و محتاج ہستی کو حاجت روائی کے لیے پکارتا ہے، تو حاجت پوری ہو یا نہ ہو لیکن اس کے ایمان وعقل کا تو فوراً خاتمہ ہو ہی گیا۔ اس نے سچائی اور حقیقت سے منہ موڑا۔ نجات وسعادت کی راہ اپنے اوپر بند کر لی۔ یہ تو ہوا فوری نقصان باقی رہا نفع، تو اس کے لئے کوئی روشنی موجود نہیں۔ محض اوہام و
١٨ ظنون ہیں جو اسے ان چھکوں پر گرا رہے ہیں! پس نقصان یقینی اور فوری ہوا، اور نفع محض مظنون و موہوم!

(٦) آیت (١٥) پچھلے بیانات کا خلاصہ ہے۔ فرمایا جس انسان نے امید و یقین کی جگہ شک و مایوسی کی راہ اختیار کی خواہ دنیا کی زندگی کے لئے ہو خواہ آخرت کے لئے اسے سمجھ لینا چاہئے کہ اسے
١٩ اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ ایسے آدمی کے لئے صرف یہی چارہ کار رہ جاتا ہے کہ گلے میں پھندا ڈالے اور زندگی ختم کر ڈالے!

سبحان اللہ! انسانی زندگی کے تمام مسائل اس ایک آیت
٢٠ نے حل کر دیے۔ زندگی امید اور سعی ہے موت مایوسی اور ترک سعی ہے
پس اگر ایک بدبخت نے یہ فیصلہ کر لیا کہ خدا کے پاس اس کے
٢١ لئے کچھ نہیں۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ تو پھر اس کے لئے باقی کیا رہا؟ کیا ہے جس کے سہارے وہ زندہ رہ سکتا ہے؟ اور زندہ ہے تو کیوں زندہ ہے؟

لیکن نہیں ایمان نام ہی امید کا ہے اور مومن وہ ہے جو مایوسی سے کبھی آشنا نہیں ہو سکتا۔ اس کا خوشی فراج کسی چیز
٢٢ یہ بھی اتنا بیگانہ نہیں جس قدر مایوسی سے زندگی کی مشکلیں اسے کتنا ہی ناکام کریں، لیکن وہ پھر سعی کرے گا لغزشوں اور گناہوں کا ہجوم اسے کتنا ہی گھیر لے لیکن وہ پھر توبہ کرے گا۔ نہ تو دنیا کی کامیابی سے وہ مایوس ہو سکتا ہے نہ آخرت کی نجات سے وہ جانتا ہے کہ دنیا کی مایوسی موت ہے اور آخرت کی مایوسی شقاوت۔ وہ دونوں جگہ رحمت الٰہی کو دیکھتا اور اس کی بخششوں پر یقین رکھتا ہے کہ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔ انہ ھو الغفور الرحیم!
(٥٣:٣٩)

چارپائے سب اللہ کے آگے سربسجود ہیں؟ اور کتنے ہی انسان بھی؟ ہاں بہت سے انسان ایسے بھی کہ ان پر عذاب کی بات ثابت ہو گئی اور جس کسی کو اللہ ذلت میں ڈالے تو پھر کوئی نہیں جو اسے عزت دینے والا ہو وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(دیکھو) یہ دو مخالف (فریق) ہیں جو اپنے پروردگار کے بارے میں ایک دوسرے سے مخالف باتیں کہتے ہیں ان میں سے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان کے لئے آگ کا پہناوا قطع کر دیا گیا۔ ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا۔ اس (کی گرمی کی شدت) سے جو کچھ ان کے شکم میں ہے جل کر گل اٹھے گا۔ ان کے جسم کے چمڑے کا بھی یہی حال ہوگا نیز ان کی روک تھام کے لئے لوہے کے گرز ہوں گے جب کبھی (عذاب کے) دکھ سے بیقرار ہو کر نکلنا چاہیں گے تو اسی میں لوٹائے جائیں گے کہ "اب نکلتے کیوں ہو؟ عذاب سوزاں کا مزہ چکھو!"

جو فریق ایمان لایا اور نیک عمل ہوا، تو یقیناً اللہ اسے (نعیم ابدی کے) باغوں میں داخل کرے گا۔ ان کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں (اس لئے ان کی بہار کبھی ختم ہونے والی نہیں) انہیں وہاں (آگ کے پہناوے

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ○ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ ۳۲
اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ○ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ ۳۳
الْاَنْعَامِ ط فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ط وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ○ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ ۳۴
قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ وَالْبُدْنَ ۳۵
جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ق صلے

نے اللہ کی نشانیوں کی عظمت مانی، تو اس نے ایسی
بات مانی جو فی الحقیقت دلوں کی پرہیزگاری کی باتوں
میں سے ہے۔ ۳۲
ان (چارپایوں) میں ایک مقررہ وقت تک تمہارے
لئے (طرح طرح کے) فائدے ہیں۔ پھر (اس) خانۂ قدیم
تک پہنچا کر ان کی قربانی کرنی ہے۔ ۳۳
اور (دیکھو) ہر امت کے لئے ہم نے عبادت کا
ایک طور طریقہ ٹھہرا دیا کہ ہمارے دیئے ہوئے پالتو چارپائے
ذبح کرے تو اللہ کا نام یاد کرے۔ پس (یاد رکھو) تمہارا
معبود وہی ایک معبود یگانہ ہے (اور جب اس کے سوا
کوئی نہیں تو چاہیئے کہ) اسی کے آگے فرمانبرداری کا سر
جھکا دو!
اور (اے پیغمبر!) عاجزی اور نیازمندی کرنے
والے بندوں کو (کامرانی و سعادت کی) خوشخبری دیدو۔ ان ۳۴
(نیازمندانِ حق) کو جن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا
ہے تو ان کے دل لرز اٹھتے ہیں، جو ہر طرح کی مصیبتوں
میں صبر کرنے والے ہیں، جو نماز کے پڑھنے اور درستگی میں کوشاں رہتے ہیں، جو اس رزق میں سے کہ اللہ نے دے
رکھی ہے اس کی نیک کاموں کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں! ۳۵
اور (دیکھو قربانی کے یہ) اونٹ (جنہیں دور دور
سے حج کے موقعہ پر لایا جاتا ہے) تو ہم نے اسے ان چیزوں

عام ہے، وہ صرف باشندگان مکہ ہی کے لئے نہیں بنایا گیا ہے، تمام انسانوں کے لئے بنایا گیا ہے، کسی انسان کو حق نہیں کہ اس کا دروازہ عبادت گزاروں پر بند کردے۔

اس کے بعد آیت (۲۶) سے (۲۹) تک سے واضح کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے اس عبادت گاہ کی بنیاد رکھی تو کیا مقاصد ان کے پیش نظر تھے اور وحی الٰہی نے کس راہ کی تلقین کی تھی؟ اور پھر حج کا اعلان کیا گیا، تو اس کے بنیادی اعمال و مقاصد کیا کیا تھے؟ اور کس طرح وحی الٰہی نے اس کی رہنمائی کی تھی؟ خلاصہ ان کا یہ ہے کہ:

(ا) توحید کا اعتقاد۔

(ب) عبادت گزارانِ حق کے لئے معبد کی تطہیر۔

(ج) حج کا اجتماع تاکہ اس کے گوناگوں منافع سے لوگ مستفید ہوں اور معین ایام میں ذکر الٰہی کا ولولہ تازہ ہوتا ہے

(د) جو لوگ اس موقعہ پر جمع ہوں جانوروں کی قربانیاں کریں اور محتاجوں کے لئے غذا کا اہتمام ہو۔

پس جس مرکز عبادت کا قیام اول دن سے ان مبادی و مقاصد کے لئے ہوا ہے، کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ قریش مکہ اس کے مالک بن بیٹھیں اور جنہیں چاہیں وہاں آنے دیں جنہیں چاہیں روک دیں۔

(۱۰) بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت (۲۶) سے (۲۷) تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ سب ان احکام کی حکایت ہے جو حضرت ابراہیم کو دیئے گئے تھے، لیکن عام طور پر مفسروں نے آخری حصہ کو براہ راست خطاب قرار دیا ہے۔ بہرحال دونوں صورتوں میں یہ تمام تفصیلات اسی بات کی شرح ہیں کہ جعلناہ للناس، سواء العاکف فیه والباد۔ یعنی یہ عبادت گاہ صرف باشندگانِ مکہ ہی کے لئے نہیں بنائی گئی ہے بلکہ

عَمِيقٍ ۝ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ ۲۷
الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا ۲۸
بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ ذَٰلِكَ ق وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۗ وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ ۲
إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ ۖ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ۝ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ ۳
بِهِ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ۝ ذَٰلِكَ ق ۳۱

جائیں اور ہم نے جو پالتو چارپائے ان کے لئے مہیا کر دیئے ہیں، ان کی قربانی کرتے ہوئے مقررہ دنوں میں اللہ کا نام لیں۔ پس قربانی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیر کو بھی کھلاؤ۔ پھر قربانی کے بعد وہ اپنے جسم و لباس کا میل کچیل دور کر دیں (یعنی احرام اتار دیں) نیز اپنی نذریں پوری کریں اور اس خانۂ قدیم (یعنی خانہ کعبہ) کے گرد پھیرے پھر لیں"۔

تو دیکھو (حج کی آیات یوں ہوئی۔ اور جو کوئی اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حرمتوں کی عظمت مانے تو اس کے لئے اس کے پروردگار کے حضور بڑی ہی بہتری ہے۔ اور (یہ بات بھی یاد رکھو کہ) ان جانوروں چھوڑ کر جن کا حکم قرآن میں سنا دیا گیا ہے، تمام چارپائے تمہارے

۳۰ لئے حلال کئے گئے ہیں۔ پس چاہئے کہ بتوں کی ناپاکی سے بچتے رہو۔ نیز جھوٹ بولنے سے صرف اللہ ہی

کے لئے ہو کر رہو۔ اس کے ساتھ کسی ہستی کو شریک نہ کرو جس کسی نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا، تو اس کا حال ایسا سمجھو جیسے بلندی سے اچانک نیچے گر پڑا۔ جو چیز اس طرح گرے گی اُسے یا تو کوئی اُچک لے گا، یا ہوا کا جھونکا کسی دور دراز گوشہ میں لے جا کر پھینک دے گا!

(حقیقت حال) یہ ہے پس (یاد رکھو) جس کسی

۲۷ سب ایک ہی صف میں ہیں۔ انسان کا گوشہ عام سلسلہ قوانین فطرت
سے کوئی الگ گوشہ نہیں ہے۔ جس طرح سورج چاند ستارے
نباتات، جمادات احکام فطرت کے آگے سربسجود ہیں، اسی
طرح صحیح الفطرت انسانوں کے بھی سر جھکے ہوئے ہیں۔ وہ
۳۰ جانتے ہیں کہ یہاں حقیقت کی راہ عمل صرف یہی ہے؛
یہ مقام نہایت معارف قرآنی میں سے ہے اور صرف اس
ایک آیت کی تفسیر میں پوری ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔
اس کے بعد فرمایا: کثیر حق علیہ العذاب۔ بہت
سے انسان ایسے ہیں جو اس دائرہ اطاعت سے باہر ہو جاتے ہیں
۲۹ اس لئے ان پر تعذیب کا قانون لازم آجاتا ہے۔ ومن یھن
الله فماله من مکرم۔ اور جس کسی پر اللہ کے قانون تذلیل
کی مہر لگ گئی تو پھر کوئی نہیں جو اسے سربلند کر سکے!
(۸) آیت (۱۹) میں فرمایا دین کے کتنے ہی جتھے بن گئے
ہوں، مگر راہیں صرف دو ہی ہیں، اور دو ہی منزلوں پر ختم ہوتی
ہیں۔ ایک منکروں کی ہے ایک مومنوں کی ہے۔ پہلی انکار
مایوسی اور بدعملی کی راہ ہے۔ دوسری ایمان امید اور نیک
علمی کی۔ پہلی کو بالآخر عذاب کی منزل پر پہنچنا ہے۔ دوسری کو
نعیم و سرور ابدی پر۔ انہی دو راہوں پر چلنے والوں کو خصمان
اختصموا فی ربھم سے تعبیر کیا۔
(۹) اس کے بعد آیت (۲۵) سے سلسلۂ بیان کفار مکہ
کی طرف متوجہ ہو گیا ہے۔ یہ گویا اذن قتال کی تمہید ہے جو
آیت (۵۱) میں آنے والا ہے۔ فرمایا۔ یہ صرف کفر ہی پر قانع
۳۱ نہیں رہے بلکہ ظلم و تشدد پر اتر آئے۔ یہ مسجد حرام کا اپنے کو
مالک سمجھتے ہیں، اور جسے چاہتے ہیں وہاں آنے اور عبادت
کرنے سے روک دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ انسان کے لئے معبد

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ
بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ
۴۰ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا
۴۱ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ
۴۲-۴۳ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۝ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ۝ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ

(۱۲۱) آیت (۳۸) اور (۳۹) میں مسلمانوں کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنے دفاع میں اب ہتھیار اٹھا سکتے ہیں۔ بالاتفاق یہ پہلی آیت ہے جو اذنِ قتال کے بارے میں نازل ہوئی۔

اس سے پہلے قریشِ مکہ کا یہ ظلم بیان کر دیا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں پر حج کی راہ بند کر دی ہے جس کا انہیں کوئی حق نہیں اب یہاں صاف صاف لفظوں میں واضح کر دیا کہ جوازِ قتال کی علت کیا ہے؟ فرمایا بانھم ظلموا۔ اس لئے کہ مسلمان مظلوم ہیں اور مظلوم کا حق ہے کہ ظالم کے مقابلہ میں اپنا بچاؤ کرے۔

یہ مظلوم تیرہ برس تک قریشِ مکہ کے ظلم و تشدد کا نشانہ رہے، بالآخر ترکِ وطن پر مجبور ہوئے لیکن غربت میں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا گیا۔ ان کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا گیا۔ آخر ان کا قصور کیا تھا؟ صرف یہ کہ یقولوا ربنا اللّٰہ" وہ کہتے تھے ہم اپنے یقین کے مطابق اپنے پروردگار کو یاد کرنا چاہتے ہیں ہم دوسروں کو مجبور نہیں کرتے کہ ہمارا اعتقاد تسلیم کریں۔ لیکن دوسرے ہمیں کیوں مجبور کرتے ہیں کہ اپنے اعتقاد سے دست بردار ہو جائیں؟

اس کے بعد واضح کیا کہ یہ مظلوموں کا قدرتی حق ہے۔ اگر وہ اس حق سے محروم کر دئے جائیں تو دنیا میں انسانی ظلم و استبداد کی مدافعت کا کوئی سامان باقی نہ رہے جس گروہ کی بن پڑے دوسرے گروہ کے اعتقاد و عمل کی آزادی ہمیشہ کے لئے پامال کر دے۔ چنانچہ فرمایا یہاں اللّٰہ نے ایک جماعت کے ہاتھوں دوسری جماعت کے ظلم و تشدد کو دفع کرانے کا نظام قائم کر رکھا ہے اگر یہ سلسلہ مدافعت بعض بعض نہ ہوتا، تو دنیا میں خدا پرستی کا خاتمہ ہو جاتا۔ کسی گروہ کی عبادت گاہ انسانی ظلم و استبداد کے ہاتھوں محفوظ نہ رہتی۔

یہ وہ مظلوم ہیں جو بغیر کسی حق کے اپنے گھروں سے نکال دئے گئے۔ ان کا کوئی جرم نہ تھا۔ اگر تھا تو صرف یہ کہ وہ کہتے تھے "ہمارا پروردگار اللہ ہے"! اور دیکھو! اگر اللہ بعض آدمیوں کے ہاتھوں بعض آدمیوں کی مدافعت نہ کراتا رہتا (اور ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر ظلم و تشدد کرنے کے لئے بے روک چھوڑ دیتا) تو کسی قوم کی عبادت گاہ زمین پر محفوظ نہ رہتی۔ خانقاہیں، گرجے، عبادت گاہیں، مسجدیں جن میں اس کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے سب کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے (یاد رکھو) جو کوئی اللہ (کی سچائی) کی حمایت کرے گا، ضروری ہے کہ اللہ بھی اس کی مدد فرمائے۔ کچھ شبہ نہیں وہ یقیناً قوت رکھنے
۴۰ والا اور سب پر غالب ہے!

(یہ مظلوم مسلمان) وہ ہیں کہ اگر ہم نے زمین میں انہیں صاحبِ اقتدار کر دیا (یعنی ان کا حکم چلنے لگا) تو وہ نماز (کا نظم) قائم کریں گے، زکوٰۃ کی ادائیگی میں سرگرم ہوں گے نیکیوں کا حکم دیں گے، برائیاں روکیں گے اور تمام باتوں کا
۴۱ انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ ہے!

اور (اے پیغمبر!) اگر یہ (منکر) تجھے جھٹلائیں تو یہ کوئی
۴۲-۴۳ نئی بات نہیں) ان سے پہلے کتنی ہی قومیں اپنے اپنے وقتوں کے رسولوں کو جھٹلا چکی ہیں: قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم ابراہیم، قوم لوط، اصحابِ مدین اور موسیٰ بھی جھٹلایا گیا (اگرچہ خود اس کی قوم نے نہیں جھٹلایا) اور ہم نے

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ
سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ ٣٦
سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ ٣٧
اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ○ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى ٣٨
نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ○ ٣٩

ع

بلا امتیاز سب کے لئے خواہ مکہ کے بسنے والے ہوں، یا دوسری جگہوں کے۔ چنانچہ اسی لئے حج اور قربانی کا حکم دیا گیا۔ لوگ دُور دور سے یہاں آنے لگے اور قربانی کے جانور لانے لگے۔ خصوصاً قربانی کے اونٹ جو صحرا و جبال طے کر کے حرم مکہ میں پہنچائے جاتے اور لوگ انہیں اس معبد کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی تصور کرتے اب اگر قریش مکہ کا یہ اختیار تسلیم کر لیا جائے کہ جسے چاہیں آنے دیں جسے چاہیں روک دیں تو پھر نہ کعبہ، کعبہ رہا نہ حج حج۔

(١١) ضمناً یہ بات بھی واضح کر دی کہ قربانی کی حقیقت کیا ہے؟ آیہ (٢٨) اور (٣٦) میں فرمایا تھا کہ اس کا گوشت خود بھی کھاؤ اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ یعنی مقصود اس سے جانوروں کا خون بہانا نہیں ہے جیسا کہ لوگ سمجھتے تھے بلکہ یہ ہے کہ لوگوں کے لئے غذا کا سامان ہو۔ پھر آیت (٣٧) میں صاف صاف کہہ دیا کہ اصل عبادت تمہارے دلوں کا تقویٰ ہے، نہ کہ قربانی کا گوشت اور خون۔

بت پرست اقوام میں قربانی کی رسم اس طرح چلی تھی کہ انہوں نے خیال کیا انسانوں کی طرح دیوتاؤں کو بھی چڑھاؤوں کی ضرورت ہے اور جانوروں کا خون بہانا ان کا غضب و قہر ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ قرآن کہتا ہے، نہ تو خدا تک گوشت کا چڑھاوا پہنچ سکتا ہے، نہ وہ خون بہانے کا شایق ہے۔ اصل شے جو اس کے حضور مقبول ہو سکتی ہے دل کی نیکی اور طہارت ہے!

میں سے ٹھہرا دیا ہے جو تمہارے لئے اللہ کی (عبادت
کی) نشانیوں میں سے ہیں۔ اس میں تمہارے لئے بہتری
کی بات ہے پس چاہیے کہ انہیں قطار در قطار ذبح کرتے
ہوئے اللہ کا نام یاد کرو۔ پھر جب وہ کسی پہلو پر گر پڑیں
(یعنی ذبح ہو جائیں) تو ان کے گوشت میں سے خود
بھی کھاؤ اور فقیروں اور زائروں کو بھی کھلاؤ۔ اس
طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا۔
تاکہ (احسان الٰہی کے) شکر گزار رہو۔ ٣٦
یاد رکھو۔ اللہ تک ان قربانیوں کا نہ تو گوشت پہنچتا
ہے نہ خون، اس کے حضور جو کچھ پہنچ سکتا ہے وہ تو
صرف تمہارا تقویٰ ہے (یعنی تمہارے دل کی نیکی ہے) ان جانوروں
کو اس طرح تمہارے لئے مسخر کر دیا کہ اللہ کی رہنمائی پر اس کے شکر
گزار ہو اور اس کے نام کی بڑائی کا آوازہ بلند کرو اور نیک
کرداروں کے لیے (قبولیت حق کی) خوش خبری ہے! ٣٧
جو لوگ ایمان لائے ہیں یقیناً اللہ (ظالموں
کے ظلم و تشدد سے) ان کی مدافعت کرتا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ امانت میں خیانت کرنے والوں
کو کہ کفران نعمت کر رہے ہیں، کبھی پسند نہیں کر سکتا! ٣٨
جن (مومنوں) کے خلاف ظالموں نے جنگ کر رکھی ہے اب انہیں بھی (اس کے جواب میں) جنگ کی
رخصت دی جاتی ہے، کیونکہ ان پر سراسر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے! ٣٩

ك صواف "صف" سے ہے چونکہ اونٹ کو کھڑے کھڑے ذبح کرتے ہیں اس لئے اس لفظ سے تعبیر کرنے لگے یعنی صفت قوائمها۔ گھوڑے کے لئے بھی بولتے ہیں صفن الفرس فهو صافن اذا قام علی ثلاث قوائم و ثنی الرابعة۔

٤٩ ٥٠ النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝
٥١ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ
وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ
٥٢ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ
٥٣ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ

کچھ نہیں ہوں کہ (انکار و شرارت کے نتائج سے) تمہیں
٤٩ علانیہ خبردار کر دینا چاہتا ہوں!"
پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے، ان
کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔ جن لوگوں
٥٠ نے اللہ کی نشانیوں کے خلاف لڑ کر کامیاب ہونا چاہا
وہ دوزخی ہیں (ان کے لئے ہر طرح کی کامیابیوں
٥١ اور سعادتوں سے محرومی ہے!)
اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسول اور جتنے نبی بھیجے سب کے ساتھ یہ معاملہ ضرور پیش
آیا کہ جونہی انہوں نے (اصلاح و سعادت کی) آرزو
کی، شیطان نے ان کی آرزو میں کوئی نہ کوئی فتنہ کی
بات ڈال دی اور پھر اللہ نے اس کی وسوسہ اندازیوں
کا اثر مٹایا اور اپنی نشانیوں کو اور زیادہ مضبوط کر
دیا۔ وہ (سب کچھ) جاننے والا (اپنے سارے کاموں
٥٢ میں) حکمت والا ہے!
اس میں (ایک بڑی) مصلحت یہ رہی ہے کہ شیطان
کی وسوسہ اندازی ان لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ ہو
جائے جن کے دل روگی ہیں اور (سچائی کی طرف سے)
٥٣ سخت پڑ گئے ہیں، اور بلاشبہ یہ ظلم کرنے والے بڑی ہی گہری مخالفت میں پڑے ہیں۔
نیز اس میں یہ مصلحت بھی تھی کہ (اے پیغمبر!) جن لوگوں نے علم پایا ہے وہ جان لیں کہ یہ معاملہ فی الحقیقت

نہیں سکتے، اور عقلیں ماری گئیں کہ سمجھ کام نہیں دیتی۔ پھر خود ہی ان کے سوالوں کا جواب دے دیا کہ فانہا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور: اصل یہ ہے کہ جب کسی پر اندھے پن کا وقت آتا ہے تو آنکھوں کی بصارت نہیں جاتی، دل کی بصیرت جاتی رہتی ہے اور اسی کی بصیرت سے ساری بصارت ہے:

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ، تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے!

(١٦) آیت (٤٧) میں قوانین کائنات کی ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ ہمارے مفسروں نے اس کی ساری اہمیت ضائع کر دی۔ فرمایا یہ عذاب کے لئے جلدی مچاتے ہیں، یعنی ازراہ شرارت کہتے ہیں، اگر سچ مچ کو بدعملیوں کا برا نتیجہ پیش آنے والا ہے تو کیوں نہیں آچکتا؟ لیکن یہ نہیں جانتے کہ فطرت کائنات کی اوقات شماری کا حساب نہیں جو دنیا میں لوگوں نے بنا رکھا ہے۔ اس کی گھڑی کا کانٹا بہت دیر میں چلتا ہے۔ تمہاری تقویم میں ہزار برس گزر جائیں تو اس کی تقویم کا بمشکل ایک دن گزرے۔ پس ظہور نتائج کا فیصلہ اپنی صبح و شام دیکھ کر نہ کر لیا کرو، ٹھہرو اور انتظار کرو۔ ایک دوسرے موقعہ پر ہزار برس کی جگہ پچاس ہزار برس

٤٤ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ○ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ
٤٥ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ○ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ
يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي
٤٦ الصُّدُوْرِ ○ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۚ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ
ع ۱۴ ٤٧ ٤٨ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ○ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ○ قُلْ يٰۤاَيُّهَا

(ہمیشہ ایسا ہی کیا کہ) پہلے منکروں کو (کچھ عرصہ کے لئے) ڈھیل
دیدی پھر (مواخذہ میں) پکڑ لیا، تو دیکھ (ہماری) ناپسندیدگی
ان کے لئے کیسی سخت ہوئی؟ ۴۴
پھر دیکھو کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے انہیں ہلاک
کر دیا اور وہ ظلم کرنے والی تھیں وہ ایسی اجڑیں کہ اپنی چھتوں
پر گر کے رہ گئیں۔ کنوئیں ناکارہ ہو گئے سربفلک محل کھنڈر
بن گئے۔ ۴۵ کیا یہ لوگ ملکوں میں چلے پھرے نہیں کہ عبرت
حاصل کرتے؟ ان کے پاس دل ہوتے اور سمجھنے بوجھنے۔ کان
ہوتے اور سنتے اور پاتے حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی
اندھے پن میں پڑتا ہے تو آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا
کرتیں (جو سروں میں ہیں) دل اندھے ہو جاتے ہیں جو
سینوں کے اندر پوشیدہ ہیں! ۴۶
اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تجھ سے عذاب کے مطالبہ میں
جلدی مچا رہے ہیں (یعنی کہتے ہیں اگر سچ مچ کو عذاب
آنے والا ہے تو کیوں نہیں آچکتا؟) اور اللہ کبھی ایسا
کرنے والا نہیں کہ اپنا وعدہ پورا نہ کرے مگر تیرے پروردگار
کے یہاں ایک دن کی مقدار ایسی ہے جیسے تم لوگوں کی گنتی میں ایک ہزار برس۔ ۴۷
اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے (ابتدا میں)
ڈھیل دی اور وہ ظالم تھیں۔ پھر ہم نے مواخذہ میں پکڑ
لیا، اور بالآخر سب کو ہماری ہی طرف لوٹنا ہے!
(اے پیغمبر!) کہدے اے لوگو! میں اس کے سوا ۴۸

(۱۳) آیت ۴۱ نے واضح کر دیا کہ قرآن کے نزدیک مسلمانوں کے اقتدار و حکومت کا اصلی مقصد کیا تھا؟ فرمایا ان مظلوم مسلمانوں کے اگر قدم جم گئے تو کیا کریں گے؟ یعنی تمکن فی الارض کو کن مقاصد کے لئے کام میں لائیں گے؟ اس لئے کہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں برائیوں سے روکیں اور ظلم و بدعملی کی جگہ عدالت و نیکی کی مملکت قائم ہو جائے!

(۱۴) اس کے بعد فرمایا۔ یہ انقلاب اسی سلسلہ انقلاب کی ایک کڑی ہے جو دنیا میں ہمیشہ ہوتا رہا ہے پس اگر منکرین حق اسے جھٹلائیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں پہلے بھی ہمیشہ ظلم و غرور کے متوالوں نے حق و صداقت کی آوازیں جھٹلائی ہیں۔ اگر ان کے دل اندھے نہ ہو گئے ہوتے تو یہ پچھلوں کی سرگزشتوں سے عبرت پکڑتے۔ مگر انسان کے ظلم و غرور کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ دوسروں کی حالت سے کبھی عبرت نہیں پکڑتا۔ یہاں تک کہ خود اس پر بھی وہ سب کچھ گزر جائے جو دوسروں پر گزر چکا ہے؟

اس بات پر بھی غور کرو کہ یہاں اسلامی اعمال میں سے اور کسی عمل کا ذکر نہیں کیا۔ صرف قیام صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا ذکر کیا۔ اس سے معلوم ہوا، قرآن کے نزدیک مسلمانوں کے جماعتی اقتدار کی اصلی علامت یہی دو عمل ہیں۔ جس گروہ کا اقتدار ان دو عملوں کے قیام سے خالی ہو اس کا اقتدار اسلامی اقتدار نہیں سمجھا جا سکتا۔

(۱۵) آیت ۴۶ نے انسان کے ذہنی تعطل اور قلبی غفلت کی کیسی کامل تصویر کھینچ دی ہے؟ فرمایا۔ اگر فہم و بصیرت کی ساری دلیلیں ان کے لئے بے سود ہیں تو کیا آنکھوں کا مشاہدہ بھی کچھ کام نہیں دیتا؟ کیا انہوں نے زمین میں سیر و گردش نہیں کی حوادث و انقلابات عالم کے نتائج نہیں دیکھے؟ کیا ان کے کان بہرے ہو گئے کہ سن

٦٩ وَإِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۗ إِنَّ
٧٠ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ۝ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَأَنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ
٧١ بَصِيرٌ ۝ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ
الْكَبِيرُ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً ۗ إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ
٧٢ خَبِيرٌ ۝ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ ع ٩/١٢

ہونگے۔ یقیناً وہ (سب کچھ) جاننے، اور (اپنے کاموں
٥٩ میں) بڑا بردبار ہے!
(بہرحال) حقیقت حال یہ ہے پس جس کسی نے خود
زیادتی نہیں کی۔ بلکہ جتنی سختی اس کے ساتھ کی گئی
تھی ٹھیک اتنی ہی بدلے میں کرنی چاہیئے اور پھر دشمن
٦٠ مزید زیادتی پر اُتر آیا، تو ضروری ہے کہ اللہ مظلوم کی مدد کرے! اللہ یقیناً معاف کر دینے والا بخش دینے والا ہے!
اور (یہ صورت حال) اس لئے ہوئی کہ اللہ رات
کو دن کے اندر نمایاں کرتا ہے اور دن کو رات کے اندر
(یعنی یہاں ہر گوشہ میں حالات کی متضاد تبدیلی کا
قانون جاری ہے) نیز اس لئے کہ اللہ سننے والا دیکھنے
٦١ والا ہے!
نیز اس لئے بھی کہ حق اللہ ہی کی ہستی ہے اور
جن ہستیوں کو اس کے سوا پکارتے ہیں، باطل ہیں اور
پھر اس لئے بھی کہ اللہ ہی کی ہستی بلند مرتبہ ہے۔
٦٢ بڑائی والی۔
کیا تم نے (یہ منظر) نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے
پانی برساتا ہے اور (سوکھی) زمین سرسبز ہو کر لہلہانے
لگتی ہے؟ یقین کرو! اللہ بڑا ہی لطف کرنے والا
٦٣ ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے!
آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا

کو اور زیادہ مضبوط کر دیتا ہے یعنی شیطانی فتنہ جتنا بڑھتا جاتا ہے اللہ کی نشانیوں کا نقش اور زیادہ جمتا اور گہرا ہوتا جاتا ہے پھر آیت (۵۳) اور (۵۴) میں واضح کر دیا کہ اس صورت حال میں لوگوں کے لئے آزمائش ہوتی ہے۔ جن کے دل روگی ہیں، وہ اور زیادہ ضد اور عناد میں بڑھ جاتے ہیں۔ جو اصحاب علم و بصیرت ہیں ان کا ایمان اور زیادہ پختہ ہو جاتا ہے!

(۱۹) آیت (۶۰) سے (۶۲) تک تین آیتوں میں تین "ذلک" آئے ہیں۔ ان کا مطلب سمجھ لینا چاہئے۔

ذلک ومن عاقب بمثل ما عوقب به۔ یعنی اب صورت حال یہ ہے جو اوپر بیان کر دی گئی ہے، اور ایسی حالت میں ضروری ہے کہ مظلوموں کو دفع ظلم و تشدد کا موقعہ دیا جائے پس جو مظلوم مدتوں تک ستائے جانے کے بعد دفع کے لئے آمادہ ہونگے اور جس طرح ان پر تلوار اٹھائی گئی ہے ٹھیک اسی طرح خود بھی تلوار اٹھائیں گے اور پھر اس کی وجہ سے ظالم از سر نو ظلم و تعدی پر آمادہ ہو جائیں گے تو وہ یقین رکھیں اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا، کیونکہ وہ ظالم نہیں ہیں ظلم کا دفع کرنے والے ہیں۔ آخر میں کہا: ان الله لعفو غفور، اللہ کی بخشش پر بھروسہ رکھیں یعنی وہ جو قدم اٹھانے پر مجبور ہوئے ہیں، وہ کتنی ہی مجبوری کی حالت میں اٹھایا ہو، مگر پھر قتل و خونریزی کا قدم ہے۔ لیکن چونکہ بڑی برائی کو دور کرنے کے لئے چھوٹی برائی اختیار کر لینی پڑتی ہے، اس لئے وہ یقین رکھیں اللہ درگزر کرنے والا بخش دینے والا ہے۔

ذلک بان الله یولج الیل فی النهار۔ اور اللہ کی مدد کیوں ان کا ساتھ دے گی؟ اس لئے کہ قانون الٰہی یہی ہے کہ یہاں حالت بدلتی رہے، وہ دن کے اندر سے رات کو ابھارتا، اور رات کے اندر سے دن کو نمایاں کرتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ایک ہی حالت سدا قائم

٥٤ مِن رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝
٥٥ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ ۝
٥٦ الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا
٥٧ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا ع
٥٨ لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝ لَيُدْخِلَنَّهُم مُّدْخَلًا
يَرْضَوْنَهُ ۚ

کی بھی مدت فرمائی ہے، یہ مقام مہمات معارف میں سے ہے۔ تشریح کے
لئے تفسیر سورۂ فاتحہ دیکھو۔
(۱۷) آیت (۴۹) پچھلے ارشادات کا خلاصہ ہے۔ فرمایا اعلان کر دو:
میرا ظہور تمہارے لئے ایک آشکارا انذار ہے۔ اور اب راہیں صرف
٥٤ دو ہی ہیں اور نتیجے بھی دو ہی پیش آنے والے ہیں۔ ایمان و عمل والوں
کے لئے آخرت میں مغفرت اور دنیا میں رزق کریم کی بشارت ہے
اور سچائی کی نشانیوں سے لڑنے والوں کے لئے نامرادی و عذاب
کی وعید۔ اب جو راہ چاہو اختیار کر لو۔
(۱۸) پھر آیت (۵۲) میں مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ راہ کی صعوبتوں
٥٥ سے غافل نہ ہو جائیں۔ نتائج کا ظہور یقینی ہے لیکن ساتھ ہی شکست
بھی ناگزیر ہے۔ کیونکہ اس بارے میں سنت الٰہی جو ہمیشہ ایسی ہی
رہی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ حق و باطل کی کشاکش کے بغیر حق
کی فتحمندی آشکارا ہو جائے۔
چنانچہ فرمایا۔ کوئی رسول اور نبی دنیا میں ایسا نہیں آیا کہ اس
٥٦ کی صعوبتوں کی راہ میں یعنی اصلاح و ہدایت کی راہ میں شیطان
کی فتنہ پردازیوں نے رخنہ ڈالنا نہ چاہا ہو اور مفسدانہ قوتیں پوری
٥٧ طرح آمادہ پیکار نہ ہو گئی ہوں۔ پس اس معاملہ کی سچائی کا معیار
یہ نہیں ہے کہ شیطانی وسوسہ اندازی خلل انداز ہوتی ہے یا نہیں
بلکہ یہ ہے کہ بالآخر کامیاب ہوتی ہے یا نہیں اور وحی و نبوت کی باقی
قوتیں اس کے اثرات ملیامیٹ کر دیتی ہیں یا نہیں؟ کیونکہ شیطانی
قوتیں کسی حال میں بھی نابود نہیں ہو جا سکتیں جب تک انسان
موجود ہے شیطان اور اس کی وسوسہ اندازیاں بھی موجود ہیں لیکن
وحی و نبوت کے اعمال کی خصوصیت یہ ہے کہ شیطانی توفیق کتنی
٥٨ ہی ابھریں فتح مند نہیں ہو سکتیں۔ فینسخ اللہ ما یلقی
الشیطٰن ثم یحکم اللہ اٰیاتہ۔ وہ جتنے فتنے بھی
اٹھاتی ہیں اللہ ان کے اثرات محو کر دیتا ہے اور پھر اپنی نشانیوں

تیرے پروردگار ہی کی طرف سے ہے، اس طرح اس پر ایمان لے آئیں اور ان کے دلوں میں عجز و نیاز پیدا ہو جائے یقیناً اللہ ایمان والوں کو (سعادت و کامرانی کی) سیدھی راہ چلانے والا ہے!

(یاد رکھو) جو لوگ منکر ہیں وہ اس بارے میں برابر شک ہی کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ (فیصلہ کن) گھڑی اچانک ان کے سروں پر آجائے، یا کسی منحوس دن کا عذاب نمودار ہو!

اس دن بادشاہی صرف اللہ ہی کی ہو گی وہ ان سب کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ پھر ان لوگوں کے لئے نعیم و سرور کے باغ ہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے

اور ان لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے جنہوں نے انکار کیا اور ہماری نشانیاں جھٹلائیں!

اور (دیکھو) جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر لڑائی میں قتل ہوئے یا اپنی موت مر گئے، تو (دونوں صورتوں میں) ضروری ہے کہ اللہ انہیں (آخرت میں) بہتر سے بہتر روزی دے اور یقیناً اللہ ہی ہے جو سب سے بہتر روزی بخشنے والا ہے۔

وہ ضرور انہیں ایسی جگہ پہنچائے گا جس سے وہ خوشنود

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ٦٩
ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ٧٠
وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ○ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ ٧١
فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ
بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ ٧٢ ع
فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ

کہ نزاع کے پیچھے پڑ جائے۔ فرمایا۔ فلا ینازعنک فی الامر
اس بارے میں تم سے نزاع کرنے کا لوگوں کو حق نہیں جس بات
پر انہیں غور کرنا چاہئے وہ تو یہ ہے کہ اصل دعوت کیا ہے؟
وادع الی ربک۔ انک لعلی ھدی مستقیم۔ اصل دین
دعوت الی اللہ ہے اور یہی ہے جو ہدایت کی سیدھی راہ ہے!
اس کے بعد فرمایا۔ اگر لوگ اس پر بھی نہ مانیں اور جھگڑا
کریں تو پھر اللہ پر معاملہ چھوڑ دینا چاہئے۔ وہ قیامت کے دن ان
تمام نزاعات کا آخری فیصلہ کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر
دین کے بارے میں لوگ جدل و نزاع سے باز نہ آئیں، تو پھر
"اللہ اعلم بما تعملون" کہہ کر جھگڑا ختم کر دینا چاہئے اس
سے زیادہ کسی کے پیچھے پڑنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ اور اگر اللہ
کے رسول کے لئے بھی یہی راہ اختیار کرنی تھی، تو اور کسی کو
اس سے آگے بڑھنے کا کب حق مل سکتا ہے

اگر پیروان مذاہب صرف اتنی بات سمجھ لیں کہ ان
جادلوک فقل اللہ اعلم بما تعملون، تو مذہبی نزاع
و منازعت کے سارے جھگڑے ختم ہو جائیں۔

میں باہم دگر اختلاف کرتے ہو قیامت کے دن وہ
٦٩ تمہارے درمیان فیصلہ کر کے حقیقت حال آشکارا کر دے گا"
"اے پیغمبر! کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ پر سب کچھ
روشن ہے جو کچھ آسمان میں ہے جو کچھ زمین میں ہے؟
یہ ساری باتیں نوشتہ میں ضبط ہیں اور ایسا کرنا اللہ کے
٧٠ لئے کوئی مشکل کام نہیں!"
اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی بندگی کرتے
ہیں جن کے لئے نہ تو اس نے کوئی سند اتاری اور نہ
ان کے پاس علم کی کوئی روشنی ہے اور بے انصافوں
٧١ کو مدد کا کوئی سہارا نہیں مل سکتا!
اور جب انہیں ہماری روشن آیتیں پڑھ کر
سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کفر ہے
ان کے [illegible] تم

پہچان لیتے ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مارے ناپسندیدگی کے یہ پڑھنے والوں پر حملہ کر بیٹھیں گے۔ اے پیغمبر!
تو کہہ دے کیا میں تمہیں اس سے بھی ایک بدتر صورت حال کی خبر دوں؟ آگ کے شعلے! جس کا اللہ نے منکروں
٧٢ کے لئے وعدہ کر لیا، اور جس کا ٹھکانا یہ ہوا تو کیا ہی برا ٹھکانا ہے!"
اے لوگو! ایک مثال سنائی جاتی ہے۔ غور سے سنو! اللہ کے سوا جن (خود ساختہ) معبودوں کو تم پکارتے
ہو، انہوں نے ایک مکھی تک پیدا نہیں کی۔ اگر تمہارے یہ سارے معبود اکٹھے ہو کر زور لگائیں جب بھی پیدا
نہ کر سکیں۔ اور (پھر اتنا ہی نہیں بلکہ) اگر ایک مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو ان میں قدرت نہیں کہ

ع ١٥ ٦٤ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ
٦٥ بِاَمْرِهٖ ؕ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝
٦٦ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ؗ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ۝ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا
٦٧ هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاِنْ
٦٨ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ

وہی ہے جو بے نیاز ہے ہر طرح کی ستائشوں کا سزاوار!
کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ کس طرح اللہ نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے لئے مسخر کر دی ہیں؟ جہاز کو دیکھو کس طرح وہ اس کے حکم سے سمندر میں تیرتا چلا جاتا ہے؟ پھر کس طرح اس نے آسمان کو (یعنی فضائے سماوی کے اجرام کو) تھامے رکھا کہ زمین پر گر نہیں پڑیں اور گریں تو اس کے حکم سے؟ بلاشبہ اللہ انسان کے لئے بڑی ہی شفقت رکھنے والا بڑی ہی رحمت والا ہے۔
٦٥ اور (دیکھو) وہی ہے جس نے تمہیں زندگی بخشی پھر وہ موت طاری کرتا ہے۔ پھر (دوبارہ)
٦٦ زندہ کرے گا۔ دراصل انسان بڑا ہی ناشکرا ہے!
(اے پیغمبر!) ہم نے ہر امت کے لئے (عبادت کا) ایک طور طریقہ ٹھہرا دیا ہے جس پر وہ چل رہی ہے۔ پس لوگوں کو اس معاملہ میں (یعنی اسلام کے طور طریقہ میں) تجھ سے جھگڑنے کی کوئی وجہ نہیں۔ تو اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو دعوت دے! کہ اصل دین یہی ہے، یقیناً تو ہدایت کے سیدھے راستے پر گامزن ہے۔
٦٧ اگر (اس پر بھی) لوگ تجھ سے جھگڑا کریں تو کہہ دے
٦٨ اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔ تم جن باتوں

رہے پس ضروری ہے کہ تمہاری حالت میں بھی اب انقلاب ہو۔ ان اللہ سمیع بصیر۔ نیز اس لئے کہ وہ سننے والا دیکھنے والا ہے یعنی یہاں اندھے بہرے قوانین کی حکومت کام نہیں کر رہی ہے جو نہ تو ظالموں کا ظلم دیکھتی ہو نہ مظلوموں کی فریاد سنتی ہو۔ بلکہ ایک سمیع و بصیر عدالت کی کار فرمائی ہے پس ضروری ہے کہ دیکھا جائے اور سنا جائے:
ذلک بان اللہ ھو الحق۔ کیوں دیکھا جائے؟ کیوں سنا جائے کیوں دیکھنے اور سننے کا نتیجہ بھی نکلے؟ اس لئے کہ حق اللہ ہی کی ہستی ہے اور یہ منکرین رسالت جنہیں پکار رہے ہیں وہ بطلان کے سوا اور کچھ نہیں ہے پس ضروری ہے کہ حقیقت دیکھے اور سنے اور بطلان اپنے بطلان کا ثبوت دے دے
٦٥ وان اللہ ھو العلی الکبیر۔ نیز اس لئے کہ رفعت و کبریائی اللہ ہی کے لئے ہے پس ضروری ہے کہ اس کے کلمہ حق کی رفعت اور بڑائی آشکارا ہو کر رہے۔

(٢٠) آیت ٦٣ میں اس انقلاب حال کی مثال دیدی کیا تم نے یہ منظر نہیں دیکھا ہے کہ سوکھی زمین پر پانی برستا ہے اور پھر وہ دفعتاً سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے؟ ایسا ہی حال اس معاملہ کا بھی سمجھو انسانی سعادت کی زمین پر بھی خشک سالی کا عالم چھا جاتا ہے پھر جب سرسبزی کا موسم آتا ہے تو بارش کا ایک چھینٹا انقلاب حال پیدا کر دیتا ہے۔ وہ موسم اب آچکا، اور انقلاب کچھ دور نہیں۔
(٢١) آیت ٦٧ میں اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کیا ہے کہ
٦٧ اصل دین ایک ہے البتہ مناسک میں یعنی عبادت کے طور طریقہ میں اختلاف ہوا کیونکہ ہر عہد اور ہر قوم کی حالت یکساں نہ تھی جس کی جیسی حالت تھی اس کے مطابق ایک طور طریقہ اسے دیدیا
٦٨ گیا پس طالب حق کو چاہیے کہ سب سے پہلے اصل کو دیکھے نہ یہ

الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ؕ ھُوَ مَوْلٰکُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ۝

کرو۔ اللہ کا سہارا مضبوط پکڑ لو۔ وہی تمہارا کارساز ہے، اور جس کا کارساز اللہ ہوا، تو کیا ہی اچھا کارساز ہے اور کیا ہی اچھا مددگار!

دی۔ اس بہتری کا معیار کیا ہے؟ یہ کہ کسی طرح کی بھی تنگی اور رکاوٹ اس میں نہیں ہے۔ سب سے زیادہ سہل، سب سے زیادہ سبک، سب سے زیادہ واضح، سب سے زیادہ فکر و عمل کی وسعت رکھنے والی۔ حنیفیۃ السمحۃ، لیلھا کنھارھا!

تھی انسان پر فکر و عمل کے ارتقاء کی راہ جس بات نے روک رکھی تھی وہ یہی دین کی تنگی اور رکاوٹ تھی۔ اس تنگی نے اس طرح انہیں جکڑ بند کر رکھا تھا کہ ایک قدم بھی وسعت و بلندی کی طرف نہیں اٹھا سکتے تھے۔ اللہ نے اس جکڑ بندی سے تمہیں نجات دیدی۔ اور یہ اس کا بڑے سے بڑا احسان ہے جو کسی انسانی گروہ پر ہو سکتا ہے

الغا یہ تنگیاں جس قدر ہیں بعد کو پیدا کر لی گئیں۔ اصل دین میں نہ تھیں جو تمہارے بزرگ ابراہیم کا دین تھا۔ اسی دین خالص کی راہ تم پر کھول دی گئی۔

(و) اس نے تمہارا نام "مسلم" رکھا۔ کیونکہ دین خالص اول دن سے "اسلام" ہی ہے یعنی قوانین حق کی اطاعت یہی نام پہلے تھا۔ اب ہوا۔

(ز) تمہیں اس لئے چنا گیا، کہ اللہ کا رسول تمہارے لئے شاہد ہو۔ تم تمام انسانوں کے لئے۔ تم اپنا چراغ اس سے روشن کرو گے تمہارے چراغ سے تمام دنیا کے چراغ روشن ہو جائیں گے:

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتو آں ہر کجا می نگری، انجمنے ساختہ اند!

(ح) یہ فرض کیونکر انجام پا سکتا ہے؟ اس طرح کہ نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ کا نظام استوار کرو۔ اللہ کا سہارا مضبوط پکڑ لو۔ ھو مولٰکم فنعم المولٰی ونعم النصیر!

یہاں سے دو باتیں قطعی طور پر معلوم ہو گئیں۔ ایک یہ کہ دین کی سچائی کی سب سے بڑی کسوٹی یہ ہے کہ اس میں تنگی و رکاوٹ نہ ہو۔ دوسری یہ کہ مسلمانوں کے لئے دینی نام صرف "مسلمان" ہی ہے اس کے سوا جو نام بھی اختیار کیا جائے گا وہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے نام کی نفی ہوگا۔ پس مسلمانوں کے مختلف فرقوں، مذہبوں اور طریقوں نے جو طرح طرح کے خود ساختہ نام گڑھ لئے ہیں اور اب انہی سے اپنے کو پہچانا چاہتے ہیں، وہ صریح "سماکم المسلمین" سے انحراف ہے

بعث بعد الموت اور قرآن کا استدلال

سورت کی فردی تشریحات ختم ہو گئیں لیکن بعض مقامات کی اہمیت مزید تفصیل کی طالب ہے، خصوصاً سورت کا ابتدائی حصہ جس میں بعث بعد الموت کا اثبات ہے اس میں پہلے دلائل بیان کئے ہیں پھر ان سے نتائج نکالے ہیں۔ یہ نتائج حسب ذیل ہیں آیت (۶) پر غور کرو:

(ا) ذٰلک بان اللہ ھو الحق۔ اللہ کی ہستی ایک حقیقت ہے۔

(ب) وانہ یحی الموتٰی۔ وہ مردوں کو زندہ کر دیتا ہے۔

(ج) وانہ علٰی کل شیءٍ قدیر۔ اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔

(د) وان الساعۃ اٰتیۃ لاریب فیھا۔ ایک مقررہ گھڑی آنے والی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں۔

(ہ) وان اللہ یبعث من فی القبور۔ جو مر گئے ہیں اللہ انہیں اٹھا کھڑا کرے گا۔

یہ پانچ باتیں ہیں جن پر اس مقام کی موعظت نے روشنی ڈالی ہے۔ یہ شک کو دور کرتی اور اذعان و یقین کی حالت پیدا کر دیتی ہے جو موعظت ایسی ہو اسے قرآن اپنی اصطلاح میں دلیل برہان اور حجت سے تعبیر کرتا ہے۔ نہ کہ دلیل مصطلحہ منطق و فنون بحث۔ اب غور کرو۔ ان پانچوں باتوں کے لئے یہاں دلیل کی روشنی کس طرح نمایاں ہوئی ہے؟ فرمایا ان کنتم فی ریب من البعث۔ اگر تم شک میں پڑے ہو کہ مرنے کے بعد پھر دوبارہ اٹھنا کیسے ہو سکتا ہے تو اس بات پر غور کرو جو یہاں کیجاتی ہے

۷۳ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ
۷۴ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ
۷۵ ۷۶ بَصِيْرٌ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
السجدة ۷۷ عند الشافعی ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ السجدة وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ
هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ
مِنْ قَبْلُ وَفِيْ ھٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ښ فَاَقِيْمُوا

اس سے چھڑا لیں۔ تو دیکھو، طلبگار بھی یہاں درماندہ ہوا اور مطلوب بھی درماندہ (یعنی پرستار بھی عاجز ہیں اور
۷۳ ان کے معبود بھی عاجز)
۷۴ اللہ کے مقام کی جو عزت کرنی تھی، یہ نہ کرسکے۔ وہ تو سرتاسر قوت ہے، سب پر غالب!
اللہ نے فرشتوں میں سے بعض کو پیام رسانی کے لئے برگزیدہ کرلیا۔ اسی طرح بعض انسانوں کو بھی
(لیکن اس برگزیدگی سے انہیں معبود ہونے کا درجہ نہیں مل گیا، جیسا ان گمراہوں نے سمجھ رکھا ہے) بلاشبہ
۷۵ اللہ ہی ہے سننے والا، دیکھنے والا!
وہ جانتا ہے جو کچھ انہیں پیش آنے والا ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے گزر چکا۔ اور ساری باتوں کا آخری
۷۶ سررشتہ اسی کے ہاتھ ہے!
مسلمانو! رکوع میں جھکو، سجدے میں گرو، اپنے پروردگار کی بندگی کرو، جو کچھ کرو نیکی کی بات کرو۔
۷۷ عجب نہیں کہ اس طرح بامراد ہو!
اور اللہ کی راہ میں جان لڑا دو۔ اس کی راہ میں جان لڑا دینے کا جو حق ہے پوری طرح ادا کرو۔ اس نے تمہیں برگزیدگی کے لئے چن لیا۔ تمہارے لئے دین میں کسی طرح کی تنگی نہیں رکھی۔ وہی طریقہ تمہارا ہوا جو تمہارے باپ ابراہیم کا تھا۔ اس نے تمہارا نام "مسلم" رکھا۔ پچھلے وقتوں میں بھی (اور اس (قرآن) میں بھی۔ اور یہ اس لئے کیا۔ تاکہ رسول تمہارے لئے (حق کا) گواہ ہو (یعنی معلم ہو) اور تم تمام انسانوں کے لئے پس نماز کا [illegible] قائم کرو۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کا سامان

(۲۲) آیت ۷۷ سے آخر تک سورت کے مواعظ کا خاتمہ ہے
فرمایا:
(ا) اللہ کی بندگی دنیا میں سرگرم رہو، تمہارے سارے کام خیر و صلاح پر مبنی ہوں۔ اگر حسن عمل کی یہ روح تم میں بس گئی۔ تو پھر تمہارے لئے فلاح ہی فلاح ہے!
(ب) جہاد فی اللہ تمہاری زندگی کا شعار ہو۔ "جہد" کے معنی کمال درجہ کوشش کرنے کے ہے پس مطلب یہ ہوا کہ زیادہ سے زیادہ کوشش جو ایک انسان کسی مقصد کے لئے کرسکتا ہے وہ تمہیں اللہ کے لئے کرنی چاہئے۔ کیونکہ تمہارے مساعی کا نصب العین اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ کوشش نیت سے بھی ہے زبان سے بھی مال سے بھی ہاتھ پاؤں سے بھی۔
(ج) اس نے تمہیں برگزیدگی کے لئے چن لیا۔
(د) اس نے تمہیں دین کی بہتر سے بہتر راہ دکھا

رہتی ہے؟ وتری الارض ھامدۃ تم زمین کو دیکھتے ہو، وہی زمین جو کچھ عرصہ پہلے شادابی تھی۔ یک قلم سوکھ گئی ہے پھر جب اس کی زندگی کی اجل مسمّیٰ آجاتی ہے یعنی پانی برسنے لگتا ہے تو اچانک ہری ہوئی شادابی دوبارہ زندہ ہو جاتی ہے، اور ہر تخم نباتی اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے جس طرح نباتات کے اعادۂ نشأۃ کا یہ منظر ہمیشہ دیکھتے رہتے ہو، ٹھیک اسی طرح انسانی زندگی کے اعادۂ نشأۃ کا معاملہ بھی سمجھ۔ بارش نے نئی زندگی پیدا نہیں کر دی۔ اسی پیدا شدہ زندگی کو دہرا دیا جو زمین کی آغوش میں محفوظ موجود تھی۔ قیامت کی اجل مسمّیٰ بھی نئی زندگی پیدا نہیں کرے گی۔ اسی پیدا شدہ زندگی کو دہرائے گی جو کائنات کی آغوش میں موجود ہے اب تم کہو گے اگر موجود ہے تو وہ دکھائی کیوں نہیں دیتی۔ لیکن تمہیں کونسی چیز دکھائی دیتی ہے؟ تمہیں نطفہ میں انسان اور تخم میں درخت دکھائی دیتا ہے؟ تم کہو گے، مگر نطفہ اور تخم دکھائی دیتا ہے اور زندگی کے جو جراثیم آنکھوں سے نہیں دیکھے جا سکتے آلات کے ذریعہ دیکھ لئے جا سکتے ہیں۔ ہاں دیکھ سے جا سکتے ہیں، مگر اس لئے کہ زیادہ دقیق نہیں، جو دقیق نہیں تھے، وہ تمہیں صاف نظر آتے رہے، جو دقیق تھے وہ ہزاروں برس تک نظر نہیں آئے۔ یہاں تک کہ تم نے طاقت ور خورد بینیں ایجاد کیں پس تم کیسے حکم لگا دے سکتے ہو کہ ان سے بھی دقیق تر تخمہائے حیات موجود نہیں! اگر تمہیں صرف اتنی سی بات کے لئے دس ہزار برس تک انتظار کرنا پڑا کہ نطفۂ حیوانی کے جراثیم دیکھ لو۔ تو تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ان سے بھی دقیق تر تخمہائے حیات کے لئے تمہیں چند ہزار برس اور مطلوب نہیں؟ اور ان کا مرئی نہ ہونا ان کی معدومیت کا قطعی ثبوت ہے؟

ابن حال تفصیل
عالم دقائق
صفات رمایدنمو
تفصیل استدلال

اب دیکھو مندرجۂ صدر موعظت سے ان پانچوں باتوں پر کس طرح اذعان و یقین کی روشنی پڑ رہی ہے؟

(أ) ان اللہ ھو الحق - کیونکہ یہ سب کچھ بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ خالقیت اور قدرت کی ایک حقیقت کام کر رہی ہو تم وجدانی طور پر ایسا اعتقاد رکھنے پر مجبور ہو۔

(ب) انہ یحیی الموتٰی - کیونکہ زندگی نہ تھی۔ اس نے پیدا کی، اور پھر برابر اسے دہراتا رہتا ہے۔

(ج) انہ علی کل شیءٍ قدیر کیونکہ جس کی قدرت نے ایک ایسے مواد سے جو مٹی اور پانی کا ملا جلا کیچڑ تھا، زندگی کا شعلہ روشن کیا، اور اس کا ایسا نظم قائم کر دیا کہ نطفہ کے ایک قطرہ اور تخم کے ایک ذرہ سے پیدائشیں نکلتی اور زندگیاں بنتی رہتی ہیں اسکی قدرت سے کونسی بات بعید ہو سکتی ہے؟

(د) ان الساعۃ اٰتیۃ لاریب فیھا۔ ایک مقررہ گھڑی قیامت کی ضرور آنے والی ہے۔ کیونکہ یہاں تبدیلی کا قانون نافذ ہے اور ہر تبدیلی کے لئے ایک اجل مسمّیٰ مقرر ہے پس جس طرح بارش کی مقررہ گھڑی تمام اجسام نباتیہ کو موت کی حالت سے زندگی کی حالت میں لے آتی ہے ضروری ہے نوع انسانی کے لئے بھی ایک ایسی ہی اجل مسمّیٰ ہو۔

(ہ) وان اللہ یبعث من فی القبورلہ۔ اور جب وہ گھڑی آئے تو تمام اموات لہلہاتی ہوئی کونپلوں کی طرح اٹھ کھڑی ہوں۔

قرآن کی اس موعظت کو ٹھیک طور پر سمجھ لینے کے لئے ضروری ہے کہ چند مقامات واضح ہو جائیں۔

قرآن کی اصطلاح میں بعث

اولاً قرآن نے جا بجا حیات بعد الموت کو "بعث" سے تعبیر کیا ہے۔ بعث کے معنی اٹھ کھڑے ہونے کے ہیں۔ گویا اس کے نزدیک یہ معاملہ ایسا ہو گا۔ جیسے کوئی سو رہا تھا، پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اسے خلقت کے "اعادہ" سے بھی تعبیر کرتا ہے: کما بدانا اول خلق، نعیدہ (۲۱: ۱۰۴)

موت اور "حیات"

ثانیاً موت اور حیات کا اطلاق وہ صرف انہی حالتوں پر نہیں کرتا جو فلسفیانہ اصطلاح کی معدومیت اور تخلیق ہیں، بلکہ ہر ایسی حالت پر کرتا ہے جس میں زندگی کی نمود مفقود ہو جائے، یا بالفاظ دیگر صورت معدوم ہو جائے اور پھر نمایاں اور متشکل ہو جائے اس باب میں اس کا اطلاق اس درجہ وسیع ہے کہ نیند کی حالت پر بھی اس نے موت کا اطلاق کیا ہے، اور دراصل یہ خود عربی زبان کا لغوی اطلاق ہے۔ بعد کو موت اور حیات نے جو فلسفیانہ معانی پہن لئے وہ قرآن کی زبان نہیں ہے

انسان کا عام مشاہدہ اور اعتقاد بھی یہی ہے "نطفہ" کو ہم زندہ نہیں کہتے حالانکہ اس میں زندگی کا جرثومہ موجود ہے۔ آم کی گٹھلی اور پتھر کے ایک ٹکڑے میں ہم کوئی فرق نہیں کرتے۔ دونوں ہماری زبان، ہمارے اعتقاد اور ہمارے مشاہدہ میں بے جان ہیں، حالانکہ علمی اصطلاح میں گٹھلی بے جان نہیں۔ اس میں نباتی زندگی کا تخم موجود ہے پس قرآن کے اطلاقات لغویہ کو کہ لغت کے اعتبار سے ہیں، علمی مصطلحات پر ڈھالنا نہیں چاہیئے۔ اس کی زبان میں "موت" عام ہے۔ خواہ انعدام محض ہو، خواہ

لہ من فی القبور کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو مرنے کے بعد قبروں میں مدفون کئے گئے، بلکہ یہ عربی کا محاورہ ہے کہ مردوں کو اصحاب قبور کہتے ہیں۔ ما انت بمسمع من فی القبور یعنی تو مردوں کو مخاطب نہیں کر سکتا۔ زندوں ہی سے بات چیت کی جاتی ہے۔

تمہارا سارا شک اور استعجاب دور ہو جائے گا۔

فانا خلقنٰکم من تراب۔ یعنی یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ انسان مر کر پھر اٹھ کھڑا ہو۔ یعنی زندگی کا دوسرا اٹھان تمہیں عجیب معلوم ہوتا ہے لیکن اگر یہ بات عجیب ہے تو کیا اس سے زیادہ یہ بات عجیب نہیں کہ زندگی کا پہلا اٹھان ظہور میں آگیا؟ تم اپنی ہستی میں تو شک نہیں کر سکتے؟ اچھا یہ ہستی کس طرح ظہور میں آئی؟ دوسری مرتبہ اگر انسانی ہستی اٹھے گی تو یہ زندگی کی ابتدا نہیں ہوگی زندگی کا اعادہ ہوگا۔ لیکن اس کی ابتدا کیونکر ہوئی؟ من تراب: مٹی سے یعنی من صلصال من حمإ مسنون (۱۵: ۲۸) مٹی کا گارا جس میں مدتوں تک خمیر اٹھتا رہا، اور پھر سوکھ کر کھنکھنانے لگا۔ سب سے پہلے زندگی کا جرثومہ اسی میں نمودار ہوا تھا۔ پھر حکمت الٰہی نے اسے درجہ تکمیل تک پہنچایا۔ سوال یہ ہے کہ اگر زندگی عدم حقیقی سے وجود میں آسکتی تھی تو کیا ایک مرتبہ وجود میں آکر پھر دہرائی نہیں جا سکتی؟ زیادہ عجیب بات کونسی ہے؟ کسی چیز کی ابتدائی پیدائش کے بعد اعادہ؟ اگر تمہارے لئے ابتدائی پیدائش میں کوئی اچنبھا نہیں تو اعادہ میں کیوں ہو؟ کیوں تم قطعی فیصلہ کر دو کہ ایسا نہیں ہو سکتا؟ جس قدرت پر یہ دشوار نہ ہو کہ زندگی پیدا کر دے، اس پر یہ کیوں دشوار ہونے لگا کہ پیدا شدہ زندگی کو کہ بکھر گئی ہے، پھر سمیٹ دے؟ اگر کمہار نئی مٹی سے نیا برتن بنا سکتا ہے، تو یقیناً ٹوٹے ہوئے برتن کے ٹکڑوں کو بھی دوبارہ ڈھال لے سکتا ہے!

اچھا یہ تو ابتدائی پیدائش ہوئی۔ اس کے بعد پیدائش کا جو سلسلہ قائم ہوا، اس کا کیا حال ہے؟ اس کا حال یہ ہے کہ دو حقیقتیں ہر وقت تمہارے سامنے آتی رہتی ہیں۔ ایک یہ کہ انسانی وجود کا پورا درخت صرف ایک بیج سے پیدا ہو جاتا ہے جس کا نام "نطفہ" ہے لیکن "نطفہ" کیا ہے؟ کیا گوشت پوست ہے؟ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے؟ ڈیل ڈول ہے؟ شکل و صورت ہے؟ عقل و ہوش ہے؟ نہیں کچھ بھی نہیں ہے، اور پھر سب کچھ ہے، ایک قطرہ حقیر مگر اسی سے انسان کا جسم، اس کی قامت، اس کی صورت، اس کی ساری معنوی قوتیں ظہور میں آجاتی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ یہاں یکسر تغیر و تحول کا قانون جاری ہے۔ شکم مادر میں جنین کو دیکھو کتنی مختلف حالتوں سے گزرتا ہے؟ نطفہ سے علقہ، علقہ سے مضغہ، مضغہ سے عظم، لحم، عظم و لحم سے تشکل و صورت۔ پھر پیدائش کے بعد بچے کو دیکھو کس طرح یکے بعد دیگرے نشوونما بلوغ کے درجے بدلتا رہتا ہے؟ جوان آدمی کو دیکھو۔ کس طرح جسم و عقل کے کمال تک پہنچا اور پھر زوال کی طرف پلٹتا ہے؟ گویا انسان کی ہستی سراسر تبدیل ہے، تطور ہے، تحول ہے، ایک حالت سے بدل کر دوسری حالت میں داخل ہوتے رہنا ہے:

یہی حال عالم نباتات کا ہے۔ زمین کی گود میں بھی زندگیاں اور پیدائشیں ہیں جس طرح یہاں "نطفہ" ہے وہاں بھی تخم اور تخم کے ذرات ہیں۔ تم دیکھتے ہو کہ اس کی گود زندگیوں کی نمود سے بالکل خالی ہو گئی۔ پھر دیکھتے ہو کہ زندگیوں کی فراوانی سے شاداب ہو گئی۔ یہ انقلاب کس طرح ظہور میں آیا؟ اسی طرح کہ محض ایک تخم سے، تخم کے ایک ذرہ سے حیات نباتی کی ایک جوہری بلغمہ سے پورا وجود نباتی پیدا ہو گیا، اور تبدیل و تحول کی تمام حالتیں اس پر بھی اسی طرح گذریں جس طرح تمہاری ہستی پر گزرتی رہتی ہیں۔

ساتھ ہی غور کرو۔ یہاں ایک تیسرا قانون بھی کام کر رہا ہے تم دیکھتے ہو کہ ہر تبدیل کے لئے ایک اجل مسمی یعنی ایک مقررہ وقت جونہی وہ وقت آیا، احیا و اجسام ظہور میں آگئے "نطفہ" کو دیکھو۔ نقر فی الارحام ما نشاء الی اجل مسمی۔ وہ اندرونی طور پر نشوونما پاتا رہتا ہے مگر ایک مقررہ وقت تک ارحام کے اندر چھپا رہتا ہے۔ اجسام نباتیہ کو دیکھو ان کی زندگی کا جوہر موجود ہوتا ہے مگر ابھرتا نہیں۔ ابھرتا کب ہے؟ اذا انزلنا علیھا الماء۔ جب بارش کی گھڑی آتی ہے اور زندگی کے بروز و نمود کا اعلان کر دیتی ہے اس وقت اھتزت و ربت و انبتت من کل زوج بھیج کا عالم نمایاں ہو جاتا ہے!

یہ انسان و حیوان کی کامل ہستی جو محض نطفہ سے ظہور میں آجاتی ہے کیوں ظہور میں آتی ہے؟ اس لئے کہ اس میں جوہر حیات بالقوۃ موجود ہے اور پھر وہ بالفعل نمود کرتا ہے۔ اچھا اگر تمہاری روزانہ زندگی کا یہ معاملہ تمہارے لئے عجیب نہیں، تو یہ بات کیوں عجیب ہو جائے کہ اسی طرح کوئی نطفہ حیات ہے جو مرنے کے بعد بھی موجود رہتا ہے اور اس سے دوبارہ وجود انسانی ظہور میں آجائے گا؟ تم کہو گے، اس کی کوئی مثال نہیں۔ لیکن تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو جبکہ اس کی مثال ہمیشہ تمہاری نگاہوں سے گزرتی

تخلیق حیات اور اعادہ حیات

پیدائش کا تناسلی سلسلہ اور قانون تحول

عالم نباتات اور اعادہ تحول

قانون تاجیل

تخم حیات اور اعادہ نشئہ

کے لئے کیوں معطل ہو جائے جو کرۂ ارضی کی تمام مخلوقات کا ماحصل اور سلسلۂ تخلیق کا منتہیٰ اور مقصود ہے؟ نہیں یہاں کوئی ہستی بھی جو وجود میں آجائے نابود محض نہیں ہو جا سکتی۔ بلاشبہ اس کی صورت مٹ جاتی ہے مگر حقیقت نہیں مٹے گی۔ اس کی صورت پر ہزار تبدیلیاں طاری ہو جائیں، مگر بالآخر کوئی نہ کوئی حقیقت جوہری ضرور باقی رہے گی۔ وہ ایک دانۂ تخم کی طرح ہو، ایک نطفۂ پیدائش کی طرح ہو، ایک ذرۂ حیات کی طرح ہو، مگر ممکن نہیں کہ موجود نہ ہو۔ وہ کسی نہ کسی حالت میں ضرور موجود رہتی ہے اور پھر جونہی بعث و اعادہ کی گھڑی آئے گی اور زندگی کا صور پھونکا جائے گا، ہر انسانی زندگی اس سے نمودار ہو کر اٹھ کھڑی ہوگی۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح نطفۂ پیدائش سے شکم مادر میں تخم نباتی سے آغوش ارضی میں اٹھ کھڑی ہوتی ہے!

عنصری مقدار کا ذرہ

یہاں کوئی ہستی جو پیدا ہو جائے، پھر نابود نہیں ہو جاتی۔ وہ کسی مخفی نشیمن میں سوئی رہتی ہے۔ اب اسے دوبارہ خلق کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی صرف اٹھا دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ نباتات کی ہستی ذرات تخم نشیمنوں میں سوئی رہتی ہے جب نمود و بروز کا موسم آتا ہے تو وہ نئی ہستیاں پیدا نہیں کر دیتا، سوئی ہوئی ہستیوں کو بیدار کر دیتا ہے۔ اسی طرح انسان کی ہستی بھی کسی نہ کسی نہیں بند ہو کر سو رہتی ہے اور جب وقت آئے گا تو اٹھ کھڑی ہوگی۔ تم اسے دیکھتے نہیں لیکن تم اور کتنی حقیقتوں کو دیکھ رہے ہو؟ تمہیں اس کا پتہ نہیں لیکن تم نے اور کتنی حقیقتوں کا پتہ لگا لیا ہے؟ تمہارے عدم ادراک سے حقیقت معدوم نہیں ہو جا سکتی۔ تم اگر اعتقاد وجود کے لئے مشاہدہ وجود کو شرط سمجھ لوگے تو تمہیں آدھی دنیا سے انکار کر دینا پڑے گا۔ تم نے اگر ایسا سمجھ لیا ہوتا تو آج حقائق مادیہ کی دو تہائی حقیقتیں غیر معلوم ہوتیں۔ تم عرفان حقیقت کی راہ میں صرف حواس کے سہارے چل نہیں سکتے۔ تمہیں ادراک عقل کا سہارا پکڑنا پڑتا ہے، اور پھر جب یہ سہارا بھی جواب دیدیتا ہے تو تم رک جاتے ہو اور انتظار کرتے ہو۔ تمہیں اس گوشہ میں بھی رک جانا چاہئے اور انتظار کرنا چاہئے۔

موسم ہستی کی گردش اور تقویم فطرت

خاصاً قرآن نے بعث و حشر کے معاملہ کا جس طرح ذکر کیا ہے اور عالم نباتات کے اعادۂ حیات کی مقررہ گھڑی سے جس طرح اسے تشبیہ دی ہے اس سے ایسا متبادر ہوتا ہے کہ تبدل کائنات کے معاملہ کو بھی موسموں کی تبدیلیوں کا سا معاملہ تصور کرنا چاہئے۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں، خزاں و بہار خشک سالی و سیرابی، گرمی و سردی کے مختلف موسم آتے رہتے ہیں۔ اسی طرح تبدل کائنات کا بھی ایک موسم ہے اور ہمارے سال کی طرح اس کا بھی کوئی سال، اور ہماری روز شماریوں کی طرح اس کی بھی کوئی روز شماری ہے لیکن ہم اپنی تقویم پر جو کائنات کے صرف ایک حقیر کرہ کی سیر و گردش کا نتیجہ ہے، اس کی تقویم کو قیاس نہیں کر سکتے۔ اس کی مدت کوئی بڑی ہی طولانی مدت ہے اتنی طولانی کہ ہماری وقت شماری کا پچاس ہزار سال اور اس کا صرف ایک دن۔ چنانچہ آگے چل کر سورۂ معارج میں پڑھو گے: تعرج الملائکۃ والروح الیہ فی یوم، کان مقدارہ خمسین الف سنۃ (۷۰: ۴) ہمارے سال کے موسموں کی طرح اس کا بھی ایک موسم ختم ہوتا اور دوسرا موسم شروع ہوتا ہے۔ یہاں جب حیات ارضی کا موسم آتا ہے تو اس کی تحریک اول بارش ہوتی ہے۔ بارش گرتی ہے، اور اموات نباتات کو زندگی کا حکم مل جاتا ہے۔ اھتزت وربت، و انبتت من کل زوج بھیج۔ ٹھیک اسی طرح جب سال کائنات کا وہ مقررہ موسم آئے گا تو بارش ہی کی طرح زندگی کا کوئی صور پھونک دیا جائے گا: فاذا نفخ فی الصور نفخۃ واحدۃ (۶۹: ۱۳) اور یہ مجرد حکم، تمام اموات انسانی اٹھ کھڑی ہوں گی: یخرجون من الاجداث کانھم جراد منتشر مھطعین الی الداع (۵۴: ۸۷)

علم کو اس مقام میں نہیں کہ جرأت انکار کرے

آخر میں ایک اصل عظیم نہیں بھولنی چاہئے۔ جہاں تک مسئلہ حیات کی حقیقت کا تعلق ہے علم انسانی کے سامنے کوئی یقینی روشنی موجود نہیں۔ ہم ابھی وقت تک یہ بھی نہ جان سکے کہ زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ ارنسٹ ہیگل Ernst Haeckel کے لفظوں میں ہم زیادہ سے زیادہ جو کر سکے ہیں وہ صرف یہی ہے کہ "اس کے آنے کا انتظار کریں، اور جب آجائے تو اس کے اطوار و احوال اور خواص و افعال کے تعاقب میں نکل جائیں" لیکن وہ ہے کیا؟ وہ آتی کہاں سے ہے؟ وہ جاتی کہاں ہے؟ تو اس بارے میں علم انسانی کا قدم اس جگہ سے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکا، جہاں ہزاروں برس سے متحیر و درماندہ کھڑا ہے!

جب حقیقت حیات کے بارے میں ہماری عقلی معلومات کا یہ حال ہے تو کیا ہمیں ایسا مقام حاصل ہے کہ وحی الٰہی کے اعلانات علم و یقین کے مقابلہ میں نفی و انکار کی جرأت کریں؟ اگر کریں گے، تو یہ ویسی ہی جرأت ہوگی جسے اسی سورت میں جدال فی اللہ بغیر علم سے تعبیر کیا ہے: ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم، ولا ھدی، ولا کتاب منیر:-

انعدام صورت ہو۔ اسی طرح "حیات" بھی ہے۔ خواہ معدومیت محضہ سے تخلیق ہو۔ خواہ کسی جوہر حیات سے بروز انبعاث ہو۔ چنانچہ جس طرح وہ اس ابتدائی حالت کو موت سے تعبیر کرتا ہے جو عدم محض کی حالت تھی اسی طرح نطفہ کی اور تخمہائے نباتات کی حالت کو بھی موت سے تعبیر کرتا ہے اور کہتا ہے پہلے زندگی مٹی سے ہوئی جبکہ حیات حیوانی میں سے کچھ نہ تھا پھر نطفہ سے ہوتی ہے جبکہ نطفہ کا جوہر حیات موجود ہوتا ہے۔

ثالثاً اس نے حشر اجساد کے معاملہ کو بھی اسی حالت سے تشبیہ دی ہے جو نطفہ سے زندگی کے ابھرنے اور تخم سے درختوں کے نکلنے کی حالت ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا، انسان کی دوسری زندگی کا ظہور اس طرح کا ظہور نہ ہوگا۔ جیسا ابتدائی تخلیق کا ظہور تھا یعنی بغیر کسی اصل حیات کے حیات ظہور میں آگئی تھی۔ بلکہ ایسا ہوگا، جیسا نطفہ سے ایک نئی پیدائش اور تخم و نباتات سے ایک نیا انبعاث ظہور میں آجاتا ہے یعنی اصل حیات بالقوہ موجود ہوتی ہے اور بالفعل ظہور میں آجاتی ہے۔ اسی لئے وہ اُسے "بعث" سے تعبیر کرتا ہے یعنی جیسے کوئی آدمی بہت دیر تک سوتا رہا تھا۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس نے اس انبعاث کے احساسات و واردات ایسے بیان کئے ہیں جیسے نیند کے بعد بیدار ہونے پر طاری ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً جا بجا کہا ہے اس وقت لوگ سوچیں گے ہم کتنے عرصہ تک بے خبر رہے؟ کوئی کہے گا تھوڑی دیر۔ کوئی کہے گا زیادہ عرصہ تک اور پھر یہی وجہ ہے کہ وہ اس حالت کو اعادۂ حیات سے تعبیر کرتا ہے اور عالم ہستی کے تبدل و تحول سے استدلال کرتا ہے یعنی جب فطرت کائنات کے ہر گوشہ میں تبدل حالت کا قانون کام کر رہا ہے۔ اور یہاں ہر قدم پر تبدل اور ہر منزل پر تجدد ہے تو کیوں تمہیں اس سے انکار ہو کہ ایک اور تبدل بھی پیش آنے والا ہے اور اس کا نام بعث و حشر ہے؟

انسان اپنی ہستی کی جس منزل تک پہنچ چکا ہے وہاں سے گردن موڑ کر پیچھے کی طرف دیکھے کتنے بے شمار تبدلات ہیں جن سے اس کی ہستی گزرتی رہی ہے؟ پھر اگر ماضی میں بے شمار تبدلات ہو چکے ہیں تو کیوں مستقبل میں بھی نہ ہوں؟ کیوں تبدلات کا سفر اسی منزل تک پہنچ کر رک جائے؟ کیوں اس نتیجہ پر نہ پہنچو کہ جہاں ایک ہزار تبدیلیاں ہو چکی ہیں وہاں ایک آخری تبدیلی اور بھی ہونے والی ہے!؟ ہم نے اضافی حیثیت سے یہاں "آخری" کہہ دیا۔ ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ تبدل بھی آخری ہوگا؟ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔

مابعد ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں جو چیز بھی اپنا وجود پا لیتی ہے پھر اس کی حقیقت معدوم نہیں ہوتی۔ صرف صورت معدوم ہو جاتی ہے اور اسی صورت کا انعدام ہمارے لئے اس کا معدوم ہو جانا ہوتا ہے۔ تم درخت کو چیر کر تختہ بنا لیتے ہو۔ اب درخت معدوم ہو گیا۔ تختہ پیدا ہو گیا۔ مگر جو چیز معدوم ہو گئی وہ کیا تھی؟ صورت یا حقیقت؟ محض صورت جو پیدا ہو گئی، وہ کیا پیدا ہوئی؟ نئی حقیقت یا نئی صورت؟ نئی صورت۔ کیونکہ درخت پر جو تبدیلی طاری ہوئی وہ صرف صورت کی ہوئی حقیقت تختے کی بھی وہی ہے جو درخت کی تھی۔ اب تختہ جلا دو۔ تختہ نابود ہو گیا۔ راکھ پیدا ہو گئی۔ راکھ بھی اڑا دو۔ راکھ نابود ہو گئی منتشر ذرات پیدا ہو گئے۔ مگر ان دونوں حالتوں میں بھی جو انعدام ہوا۔ وہ کس چیز کا ہوا؟ محض صورت کا۔ اگر تم منتشر ذروں کا بھی تعاقب کر سکتے ہو تو کر دیکھو۔ صورت بدلتی جائے گی حقیقت کبھی معدوم نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہاں ہر گوشہ میں تبدل صرف صورت کے لئے ہے حقیقت کے لئے نہیں ہے۔

لیکن صورت کے اس تبدل کا سلسلہ کس نقطہ پر جا کر ختم ہوتا ہے؟ اس کا کھوج ہم آج تک نہ پا سکے۔ ہماری جستجو کا قافلہ ہمیشہ کی طرح اب بھی رواں ہے۔ ہم نے عرصہ تک عناصر کا خواب دیکھا۔ ہم مدتوں جزو لا یتجزیٰ کی سراغ رسانی میں رہے ہم نے ذی مقراطیسی سالمات پر صدیوں تک اعتماد کیا۔ اب ہم الکٹرون کی مثبت اور منفی لہروں میں اسے دیکھ رہے ہیں اور نہیں جانتے کہ آگے بڑھیں گے یا یہیں رکے رہیں گے۔ ~~البتہ اس آخری منزل نے حقیقت کا ایک نیا جلوہ آشکارا کر دیا ہے یعنی یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ مادہ کا آخری تعین محض ایک جامد ذرہ ہی نہیں ہے بلکہ مرکز (؟) حرکت کا ایک مشتعل نقطہ ہے اور عجب معلوم اس منتقاق میں فعل و انفعال کی کتنی دنیائیں پوشیدہ ہیں!~~

قرآن کہتا ہے جب تم دیکھ رہے ہو کہ یہاں تبدل صورت اور بقاء حقیقت کا قانون ہر گوشہ میں کام کر رہا ہے تو پھر تم نے کیسے سمجھ لیا کہ ایک انسانی ہستی وجود میں آکر پھر مطلقاً نابود ہو جاتی ہے، اور اس کی کوئی حقیقت جوہری باقی نہیں رہتی؟ فطرت کا جو قانون وجود و ہستی کے ہر گوشہ میں نافذ ہے۔ وہ زندگی اور روح کے لئے کیوں معطل ہو جائے؟ وہ انسان کی زندگی

مقادیر عنصری کے نظریہ (Quantum Theory) نے حقیقت کا جلوہ ایک دوسری ہی صورت میں نمایاں کیا ہے، اور ٹھوس مادہ کی جگہ قوت مجردہ اب وجود اور حرکت کے ہر گوشے میں کام کرتی نظر آرہی ہے۔

انبعاث تخلیق نہیں ہے، اعادہ و تبدل حیات

لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحاھا

لبثنا یوماً او بعض یوم

یہاں وجود کی حقیقت نہیں مٹتی صورت مٹتی ہے۔

تبدل صورت اور بقاء حقیقت سے استدلال

الجزء الثامن عشر ۱۸

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْن

مکّی - ۱۱۸ آیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

۲ ۳ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○
۴ ۵ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّکٰوةِ فَاعِلُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰۤی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا
۶ ۷ مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ
وقف لازم ۸ ۹ ۱۰ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ○
۱۱ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ

۱ بلاشبہ ایمان لانے والے کامیاب ہوئے (کون ایمان
لانے والے؟) جو اپنی نمازوں میں خشوع وخضوع رکھتے ہیں
۲-۳ جو لغو باتوں سے رخ پھیرے ہوئے ہیں' جو زکوٰۃ ادا کرنے
۴ میں سرگرم ہیں' جو اپنے ستر کی نگہداشت سے کبھی غافل
۵ نہیں ہوتے' ہاں اپنی بیبیوں سے زناشوی کا علاقہ رکھتے
ہیں' یا اُن سے جو ان کی ملکیت میں آگئیں (یعنی غلامی
کی حالت میں پڑی ہوئی عورتیں' جو ان کے نکاح
۶ میں آگئیں) تو ان سے علاقہ رکھنے پر ان کے لئے کوئی
ملامت نہیں' اور جو کوئی (اس معاملہ میں) اس کے
علاوہ کوئی دوسری صورت نکالے' تو ایسی صورتیں نکالنے
۷ والے ہی ہیں جو حد سے باہر ہوگئے۔

(۱) یہ مکی زندگی کی آخری تنزیلات میں سے ہے۔ بالاتفاق الانبیاء کے بعد اتری۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت مکہ میں پیدا ہو گئی تھی۔ اور دعوت حق کے فیضان نے اس کے خصائص اسلامی آشکارا کر دئے تھے۔ یہ گویا مریضوں کی پہلی جماعت تھی جو اس شفاخانہ سے تندرست ہو کر نکلی۔ اب طبیب ان کی طرف اشارہ کر کے کہہ سکتا تھا کہ جسے میری طبابت میں شک ہو وہ انہیں دیکھ لے۔ جو طبیب اپنے نسخۂ شفا سے ایسی تندرست روحیں پیدا کر دیتا ہے' وہ طبیب ہے یا نہیں؟

یعنی یہ جماعت اپنے خصائص ایمانی و عملی میں دعوت حق کی صداقت کی ایک مشہود دلیل بن گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد کی سورتوں میں جابجا اس کے اعمال و خصائص کی طرف اشارات کئے ہیں۔ اس سورت کی ابتدا اسی مرقع سے ہوتی ہے۔ غور کرو۔ اس مرقع کے اصلی نقش و نگار کیا ہیں۔

۸ نیز جن کا حال یہ ہے کہ اپنی امانتوں اور عہدوں کا پاس رکھتے ہیں' اور اپنی نمازوں کی حفاظت میں
۹ کبھی کوتاہی نہیں کرتے' تو یقیناً ایسے ہی لوگ ہیں جو
۱۰ اپنا ورثہ پانے والے ہیں۔ یہ فردوس کی زندگی میراث
۱۱ میں پائیں گے۔ ہمیشہ کے لئے اس میں بسنے والے
[illegible] دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ

(۲) یہاں خصوصیت کے ساتھ پانچ وصف بیان کئے۔ گویا قرآن کے نزدیک ایمان و عمل کے مرقع میں سب سے زیادہ نمایاں یہی خط و خال ہیں۔ جس زندگی میں یہ خصائص نہ ہوں' وہ مومن زندگی نہیں سمجھی جا سکتی۔

(۱) نماز کی محافظت اور اس کا خشوع وخضوع کے ساتھ ادا

(۲) دلایل بعث کے بیان کے بعد فرمایا - ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولا هدی ولا کتاب منیر (۸) اور کتنے ہی آدمی ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑنے لگتے ہیں" اور ان کی حالت کیا ہوتی ہے؟ یہ کہ نہ تو علم کی روشنی رکھتے ہیں، نہ کوئی رہنمائی کی راہ، اور نہ کوئی کتاب روشن - اور عرفان حق کے یہی تین وسایل ہیں جو انسان کو حاصل ہو سکتے ہیں پس ایسے لوگوں کے لئے سچائی کی کوئی دلیل بھی سودمند نہیں، وہ دلایل بعث کی یہ تمام موعظت سن کر بھی سر ہلا دیں گے کہ بات سمجھ میں نہیں آتی -

یہ آیت مہمات معارف قرآنی میں سے ہے کیونکہ اس نے جدال فی اللہ بغیر علم کی حالت کی طرف اشارہ کیا ہے، اور یہی حالت قرآن کے نزدیک جہل و ضلالت انسانی کا سب سے بڑا مبدا رہے؛ لیکن چونکہ یہ مقام زیادہ تفصیل کے ساتھ آئندہ سورتوں میں آنے والا ہے، اس لئے یہاں اس کی تشریح میں جانا ضروری نہیں -

---

19 فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ
20 لِلْآكِلِينَ ۝ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَ
21 22 مِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا ع ۲
23 اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۚ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَٰذَا إِلَّا
بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً ۚ

جسے اس کا خلاصہ اور ست سمجھنا چاہئے۔ اسی خلاصہ سے زندگی کی اولین نمود ہوئی اور اسی سے بالآخر وجود انسانی متشکل ہوا۔

یہ تو پہلی پیدائش ہوئی اس کے بعد پیدائش کا سلسلہ کس طرح جاری ہوا؟ توالد و تناسل سے چنانچہ پہلے "نطفہ" رحم مادر میں جگہ پکڑتا ہے پھر اس پر نشو و نما کے مختلف دور طاری ہوتے ہیں قرآن نے یہاں اور دوسرے مقامات میں تشکیل جنین کے جو مراتب مختصر بیان کئے ہیں گزشتہ زمانے میں ان کی پوری حقیقت واضح نہیں ہوئی تھی کیونکہ علم تشریح جنین نہ ہونا موجود تھا بالکل ناقص حالت میں تھا لیکن اب انیسویں صدی کی تشریحی تحقیقات نے تمام پردے اٹھائے ہیں اور ان سے پوری طرح ان تصورات کی تصدیق ہوگئی ہے خصوصاً ثم انشاناہ خلقاً آخر کی تفصیل اس کی سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی۔

تمہارے لئے بہت سے پھل پیدا ہوتے ہیں بعض تمہارے
19 کھانے میں کام آتے ہیں۔
اور وہ درخت جو طور سینا میں پیدا ہوتا ہے (یعنی زیتون کا درخت) جو چکنائی اگاتا ہے اور کھانے والوں
20 کے لئے (نہایت اچھا) سالن!
اور (دیکھو) تمہارے لئے چارپایوں کی خلقت میں بھی بڑی ہی عبرت ہے۔ جو کچھ ان کے شکم میں بھرا ہے (یعنی ناگوار آلائشیں) اسی میں سے تمہارے لئے پینے کی (خوشگوار) چیز پیدا کر دیتے ہیں (یعنی دودھ)
21 اور تمہارے لئے ان کے وجود میں اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں۔ انہی میں سے بعض تمہارے لئے غذا
22 کا کام بھی دیتے ہیں تم (خشکی میں) ان پر اور جہازوں پر (سمندر میں) سوار بھی ہوتے ہو۔

(۳) انسان اگر غور کرے تو حقیقت کے دلایل و شواہد اسے تینوں راہوں سے گھیرے ہوئے ہیں۔ خود اس کی ہستی کا ہر گوشہ سرتاسر دلیل حقیقت ہے۔ یہ قرآن کی اصطلاح میں "عالم النفس" ہے۔ اس سے باہر جو کچھ ہے وہ بھی حقیقت کا پیام ہے یہ "عالم آفاق" ہے۔ پھر عالم آفاق کے دلایل کی بھی دو قسمیں ہو گئیں۔ کائنات ہستی کی خلقت و قوانین کے مظاہر۔ یہ آیات کونیہ ہیں۔ اقوام ماضیہ کے احوال و تجارب یہ براہین عملیہ ہیں۔

قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ ان تمام اقسام سے استدلال کرتا اور ایک قسم کے دلایل سے بعد دوسری قسم کے دلایل لاتا ہے اس سورت میں علی الترتیب تینوں قسموں کے دلایل جمع ہو گئے ہیں۔ آیت (۱۲) سے (۱۶) تک انسان کو توجہ دلائی ہے کہ خود اپنی خلقت پر غور کرے۔ آیت (۱۷) سے (۲۲) تک عالم آفاق کے دلایل

اور (پھر دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف (ہدایت کے لئے) بھیجا تھا۔ اس نے کہا تھا "بھائیو! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم (بدعملی کے نتائج
23 سے) ڈرتے نہیں؟"
اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی، وہ یہ سن کر (لوگوں سے) کہنے لگے "یہ آدمی اس کے سوا کیا ہے کہ تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہے مگر چاہتا ہے تم پر اپنی بڑائی جتائے۔ اگر اللہ کو کوئی ایسی ہی

۱۲ ۱۳ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۠ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ
مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ
۱۴ ۱۵ ۱۶ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَا
۱۷ فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَاۗىِٕقَ ڰ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي
۱۸ الْاَرْضِ ڰ وَاِنَّا عَلٰي ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ لَكُمْ

۱۲ کرنا "خشوع" کا پورا مفہوم کسی ایک لفظ میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ تم
کسی باہیبت و اجلال مقام میں کھڑے ہو جاؤ، تو تمہارے ذہن و جسم پر جیسی
حالت طاری ہو جائیگی؟ ایسی ہی حالت کو عربی میں "خشوع" کی حالت
۱۳ کہتے ہیں۔
(ب) ہر اس بات سے مجتنب رہنا جو لغو ہو۔ صرف انہی باتوں
کا اشتغال رکھنا جو دین و دنیا میں نافع ہوں۔
(ج) اپنی کمائی اپنے محتاج بھائیوں کے لئے خرچ کرنا۔
(د) زنا سے کبھی آلودہ نہ ہونا۔
(ہ) امانت دار ہونا، اپنے عہدوں کو پورا کرنا۔
آیت (۷) سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک اتحاد تناسلی
۱۴ کا جائز طریقہ صرف ایک ہی ہے۔ اور وہ ازدواج کا طریقہ ہے
اس کا علاوہ جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے گا، ناجائز ہوگا۔
خواہ کسی شکل اور کسی نوعیت کا ہو۔
۱۵ تمام دنیا کی طرح عرب میں بھی غلامی کی رسم جاری تھی اور
۱۶ لونڈی غلاموں کے معاملہ کو ملک یمین سے تعبیر کرتے تھے کسی چیز
پر قابض ہو جانے سے بیان فرمایا۔ وہ زناشوی کا علاقہ بجز
منکوحہ عورتوں کے اور کسی سے نہیں رکھتے۔ ان کی بیبیاں ہوں جو
سوسائٹی کے آزاد افراد میں سے ہیں۔ یا لونڈیاں ہوں جو
ان کے نکاح میں آگئی ہیں۔
۱۷ چونکہ وقت کی سوسائٹی میں آزاد اور غلام افراد کی یہ دو
قسمیں پیدا ہو گئی تھیں، اس لئے ان کا ذکر کرنا ناگزیر تھا۔
باقی رہی یہ بات کہ خود قرآن نے رسم غلامی کے باب میں کیا حکم
دیا؟ اور کس طرح اسے مٹانا چاہا؟ تو اس کا جواب سورہ محمد کی
تشریحات میں ملیگا۔
۱۸ (۳) آیت (۱۲) میں وہی بات کہی جو سورہ حج میں گزر چکی
ہے یعنی انسان کی ابتدائی پیدائش کس چیز سے ہوئی؟ سلالۃ
من طین۔ ایک ایسے جوہر سے جو کیچڑ کا خلاصہ تھا یعنی مرطوب مٹی
مدتوں تک خمیر کی حالت میں رہی پھر اس میں کوئی ایسی چیز پیدا ہوگئی

سے پیدا کیا (یعنی زندگی کی ابتدا مٹی کے خلاصہ سے ہوئی)
پھر ہم نے اسے "نطفہ" بنایا۔ ایک ٹھہر جانے اور جماؤ پانے
کی جگہ میں۔ پھر "نطفہ" کو ہم نے "علقہ" بنایا۔ پھر "علقہ"
کو ایک گوشت کا لوتھڑا سا کر دیا۔ پھر اس میں ہڈیوں کا
ڈھانچہ پیدا کیا۔ پھر ڈھانچے پر گوشت کی تہہ چڑھا دی۔ پھر
دیکھو کس طرح اسے بالکل ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا
کر نمودار کر دیا؟ تو کیا ہی برکتوں والی ہستی ہے اللہ کی
پیدا کرنے والوں میں سب سے بہتر پیدا کرنے والا۔
پھر (دیکھو) اس پیدائش کے بعد) تم سب کو ضرور
مرنا ہے اور پھر (مرنے کے بعد) ایسا ہوتا ہے کہ قیامت
کے دن اٹھائے جاؤ!
اور (دیکھو) یہ ہماری ہی کارفرمائی ہے کہ تمہارے اوپر
(گردش کے) سات راستے بنائے اور ہم مخلوق کی
طرف سے غافل نہ تھے۔
اور ہم نے ایک خاص اندازہ کے ساتھ آسمان سے
پانی برسایا اور اسے زمین میں (حسب ضرورت) ٹھہرائے رکھا
اور ہم یقیناً قادر ہیں کہ اسے جس طرح نمودار کیا۔ اسی
طرح (اڑا) لے جائیں۔
پھر اسی پانی کی آبیاری سے تمہارے لئے کھجوروں اور
انگوروں کے باغوں کو نشوونما دے دی ان باغوں میں

٢٩ ٣٠ ٣١ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝
٣٢ ع فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ ع وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ
قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ
٣٣ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا
٣٤ ٣٥ ٣٦ لَّخٰسِرُوْنَ ۝ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ

٢٩ جگہ دینے والا ہے!"
بلاشبہ اس واقعہ میں (سمجھنے والوں کے لئے) بڑی
ہی نشانیاں ہیں نیز یہ کہ یہاں ضرور ایسا ہوتا ہی کہ
٣٠ ہم لوگوں کو آزمائش میں ڈالیں ۔
پھر ہم نے قوم نوح کے بعد قوموں کا ایک دوسرا
٣١ دور پیدا کردیا ۔ ان میں بھی اپنا رسول بھیجا جو خود انہی
میں سے تھا (اس کی پکار بھی یہی تھی:) کہ اللہ کی بندگی
کرو ۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ۔ کیا تم (انکار
٣٢ وفساد کے نتائج بد سے) ڈرتے نہیں؟"
اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کی راہ اختیار
کی تھی اور آخرت کے پیش آنے سے منکر تھے اور جنہیں
دنیا کی زندگی میں ہم نے آسودگی دے رکھی تھی (لوگوں سے) کہنے لگے "اس سے زیادہ اس کی کیا حیثیت ہے
٣٣ کہ تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہے ۔ جو کچھ تم کھاتے ہو یہ بھی کھاتا ہے جو کچھ تم پیتے ہو یہ بھی پیتا ہے، اگر تم نے
اپنے ہی جیسے ایک آدمی کی اطاعت کرلی تو بس سمجھ لو تم
تباہ ہوئے تم سنتے ہو ۔ یہ کیا کہتا ہے؟ یہ تمہیں امید
٣٥ دلاتا ہے کہ جب مرنے کے بعد محض مٹی اور ہڈیوں کا
چورہ ہوجاؤ گے تو پھر تمہیں موت سے نکالا جائے گا
کیسی انہونی بات ہے جس کی تمہیں توقع دلاتا ہے
٣٦ (بھلا دوبارہ زندہ ہونا کیسا؟) زندگی تو بس یہی
زندگی ہے جو دنیا میں ہم بسر کرتے ہیں یہیں مرتے

ہے اور انسان کے لئے نہایت مقوی غذا اور دوا کا کام دیتا ہے۔
ان میں سب سے زیادہ عجیب و نافع درخت زیتون کا درخت ہے، اس کا دانہ سرتاسر دہنیت ہے حتی کہ اگر ہتھیلی میں لیکر ذرا سے مسل ڈالو تو تیل کے قطرے ٹپکنے لگیں گے۔ خواص کے لحاظ سے کوئی چکنائی اتنی معتدل اور موافق نہیں جتنی زیتون کی ہے۔
شاید بہت کم لوگوں نے اس بات پر غور کیا ہوگا کہ دہنیت کے لئے تمام دنیا کا اعتماد دہنیت سے نباتاتی دہنیت ہی پر رہا ہے اور اس میں بھی خصوصیت کے ساتھ زیتون پر۔ یہ صرف ہندوستان ہے جہاں مکھن کو گھی بناکر استعمال کرنے کا رواج پیدا ہوا، اور لوگ اسے نباتاتی دہنیت پر ترجیح دینے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی دوسری زبانوں میں گھی کے لئے کوئی خاص لفظ نہیں ملتا۔ وہ اس سے آشنا ہی نہ تھے۔
زیتون کے لئے طور سیناء کی طرف اس لئے اشارہ کیا کہ منابت زیتون میں سے قریب تر مقام جزیرہ نمائے سینا ہی کا علاقہ تھا گویا زیتون کی اصلی دنیا یہاں سے شروع ہوجاتی ہے

(۷) آیت (۲۲) سے اقوام ماضیہ کی سرگزشتوں کا جو بیان شروع ہوا ہے وہ تمام تر مجمل اشارات پر مشتمل ہے۔ کیونکہ یہاں یہ تفصیلات مقصود بالذات نہیں ہے پچھلی دو موعظتوں کو دلائل قصص سے مزید تقویت دینی ہے۔
چونکہ گزشتہ دعوتوں کا تذکرہ ہر جگہ حضرت نوح کی دعوت سے شروع کیا گیا ہے اور حضرت مسیح کی دعوت پر ختم ہوجاتا ہے اس لئے یہاں بھی ابتدا دعوت نوحی ہی سے ہوئی اور حضرت مسیح کے تذکرہ پر ختم ہوگئی۔ درمیان میں جو دعوتیں اور قومیں گزریں ان کی طرف اجمالی اشارہ کردیا گیا۔ البتہ حضرت موسیٰ کا خصوصیت سے ساتھ

۲۴ ۲۵ مَّا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ۝ قَالَ
۲۶ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ۝ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا
وَفَارَ التَّنُّورُ ۙ فَاسْلُكْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۖ
۲۷ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ۝ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنتَ وَمَن مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ
۲۸ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ وَقُل رَّبِّ أَنزِلْنِي مُنزَلًا مُّبَارَكًا وَأَنتَ

بات منظور ہوتی تو کیا وہ فرشتے نہ اُتار دیتا؟ (وہ
ہماری ہی طرح کے ایک آدمی کو اپنا پیام بر کیوں
بنانے لگا؟) ہم نے اپنے اگلے بزرگوں سے تو کوئی ایسی
۲۴ بات کبھی سنی نہیں۔ کچھ نہیں یہ پاگل ہو گیا ہے پس
۲۵ (اس کی باتوں پر کان نہ دھرو) کچھ دنوں تک انتظار کر کے دیکھ لو اس کا انجام کیا ہونا ہے"۔
۱۶ اس پر نوح نے دعا مانگی "خدایا! انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے تو تو میری مدد کر!"
پس ہم نے نوح کی طرف وحی بھیجی کہ "ہماری نگرانی
میں اور ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنا۔ پھر جب
ایسا ہو کہ ہمارے حکم کا وقت آجائے اور تنور کے
شعلے بھڑک اٹھیں (یعنی ظہور نتائج کا معاملہ پختہ ہو جائے)
تو کشتی میں ہر جانور کے دو دو جوڑے ساتھ لے لے اور
اپنے گھر والوں کو بھی۔ مگر گھر کے ایسے آدمی کو نہیں
جس کے لئے پہلے فیصلہ ہو چکا۔ اور دیکھ! جن لوگوں نے
ظلم کیا ہے ان کے بارے میں ہم سے کچھ عرض معروض نہ
کیجیو۔ وہ ڈوب کر رہیں گے!"
۲۷ "اور جب تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ کشتی میں سوار
ہو جائے تو اس وقت تیری زبان سے یہ صدا اٹھے: ساری
ستائشیں اللہ کے لئے جس نے ہمیں ظالم قوم (کی معیت)
۲۸ سے نجات دی! نیز یہ دعا بھی مانگیو کہ "خدایا! مجھے اب
زمین پر اس طرح اتار کہ برکت کا اترنا ہو' اور تو سب سے بہتر

کو نبیہ بیان کئے ہیں کہ اپنے نفس سے باہر کے عالم میں نظر کرے۔ آیت
(۲۳) سے (۵۳) تک گزشتہ دعوتوں کی سرگزشتوں سے استدلال
کیا ہے کہ حوادث ماضیہ سے حال و مستقبل کے لئے عبرت پکڑے
اس کے بعد آخر سورت تک جو کچھ بیان ہے وہ اسی سلسلہ استدلال
کے قدرتی نتائج و عبر ہیں۔

(۵) آیت (۱۷) سے (۲۲) تک جن دلائل کو تنبیہ پر توجہ دلائی
ہے وہ برہان ربوبیت کا استدلال ہے۔ تفصیل کے لئے تفسیر
فاتحہ دیکھو۔ آیت (۱۷) میں فرمایا: خلقنا فوقکم سبع طرائق
طرائق کے صاف معنی عربی میں راہ کے ہیں، لیکن چونکہ ہمارے
مفسرین کے سامنے نظام بطلیموسی موجود تھا، اور اس میں کواکب کی
جگہ طبقات سماوی کی گردش تسلیم کی گئی تھی۔ اس لئے مجبور ہوئے کہ
کسی نہ کسی طرح اسے طبقات کے معنوں میں لے جائیں۔ مگر اب نظام
بطلیموسی کا پورا کارخانہ ہی ملیامیٹ ہو گیا۔
سات بڑے ستاروں کا تعین انسانی علم کی نہایت قدیم
معلومات میں سے ہے۔ اسی لئے قرآن جا بجا ان کی سیر و گردش اور
عجائب آفرینش پر توجہ دلاتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ان کی
مخلوقیت پر اس لئے بھی زور دیا گیا کہ تمام قدیم قوموں میں ان کی
پرستش کا اعتقاد پیدا ہو گیا تھا۔ اس سے ضروری تھا کہ ان کی
مخلوقیت کے پہلو پر بار بار زور دیا جاتا۔
(۶) آیت (۲۰) میں خصوصیت کے ساتھ زیتون کے درخت کا
ذکر کیا ہے۔
فطرت کے افادہ و فیضان عالم کا یہ ایک خاص گوشہ
ہے اس نے دانوں اور پھلوں میں ہر طرح کی ٹھوس غذا ہی پیدا نہیں کی
دی بلکہ درخت بھی اپنے خزینے بھی مہیا کر دئے جن سے بکثرت تیل نکلتا

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ۬ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا ۴۵
وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۚ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۚ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا ۴۶ ۴۷
مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّ ۴۸ ۴۹
اٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ۝ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۵۰
اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ ۵۱ ۵۲

پھر (دیکھو) ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون
۴۵ کو اپنی نشانیاں اور آشکارا دلیلیں دے کر فرعون
اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا لیکن انہوں نے
۴۶ گھمنڈ کیا۔ وہ سرکشوں کا گروہ تھا۔
وہ (آپس میں) کہنے لگے "کیا ہم اپنے ہی طرح
کے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں؟ حالانکہ ان
۴۷ کی قوم ہمارے آگے جھکی ہوئی اور ہماری پرستار ہے؟"

کہا ہے، پھر ان کے بعد جن قوموں کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے مقصود وہ بے شمار قومیں ہیں جو حضرت موسیٰ کے ظہور سے پہلے گزری ہیں اور جن کی نسبت سورۂ ابراہیم کی آیت (۹) میں گزر چکا ہے وَالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِھِمْ لَا یَعْلَمُھُمْ اِلَّا اللّٰہُ۔
آیت ۴۴ سے معلوم ہوا کہ ان عہدوں میں بے شمار قومیں ابھریں اور پامال ہوئیں اور خدا کے رسولوں کا بھی کثرت اور لگاتار ظہور ہوا کیونکہ فرمایا: ارسلنا رسلنا تترا۔ اور اتبعنا بعضھم بعضاً یکے بعد دیگرے لگاتار رسول ظاہر ہوتے رہے اور ایک کے بعد ایک قومیں ابھرتی اور پاداش عمل میں پامال ہوتی رہیں۔

۴۸ پس انہوں نے موسیٰ اور ہارون کو جھٹلایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہلاک ہو جانے والوں میں سے ہوئے!
۴۹ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ہم نے (اس واقعہ کے بعد) موسیٰ کو الکتاب (یعنی تورات) دی تھی تاکہ لوگ ہدایت پائیں۔

اور (اسی طرح) ابن مریم (یعنی مسیح) اور اس کی ماں
کو (اپنی سچائی کی) ایک بڑی نشانی بنایا، اور انہیں
ایک مرتفع مقام میں پناہ دی جو بسنے کے قابل اور
۵۰ شاداب تھی۔
"اے گروہ پیغمبران! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک
عمل کرو۔ جیسے کچھ تمہارے اعمال ہوتے ہیں مجھ سے
۵۱ پوشیدہ نہیں اور دیکھو، یہ تمہاری امت دراصل ایک
ہی امت ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہی ہوں۔ پس
(انکار و بدعملی کے نتائج سے) ڈرو" (ان تمام پیغمبروں کے
۵۲ ذریعہ جو تعلیم دی گئی وہ یہی تعلیم تھی۔)
لیکن لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کٹ کر الگ

(۱۱) آیت (۵۰) میں حضرت مسیح اور ان کی والدہ (علیہما السلام) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: وَاٰوَیْنٰھُمَآ اِلٰی رَبْوَۃٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِیْنٍ ہم نے انہیں ایک مرتفع مقام میں پناہ دی جو بسنے کی اچھی جگہ اور پانی کی فراوانی سے شاداب تھی۔ غالباً اس سے مقصود وادیٔ نیل کی بالائی سطح ہے، یعنی مصر کا بالائی حصہ۔ اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کی پیدائش کے بعد مریم کے شوہر یوسف نے ماں بیٹے کو ساتھ لیا اور فلسطین سے مصر چلا گیا۔ "چنانچہ حضرت مسیح کا بچپن [redacted] وہیں گزرا [redacted]۔ غالباً ان کی زندگی کے اسی واقعہ کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے۔
دریائے نیل کے پانی کی فراوانی، اور اس کے سالانہ سیلاب کی عجیب و غریب نوعیت سرزمین مصر کا ایک امتیازی وصف رہی ہے۔ اس کی آبادی و شادابی، یعنی اس کا ذات قرار و معین ہونا ضرب المثل کی طرح زبان زد ہو گیا تھا۔ چنانچہ عبرانی کی یہ قدیم مثل آج تک ملتی ہے کہ فلاں ملک میں پانی کی اتنی فراوانی

۳۷ إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا
۳۸ ۳۹ ۴۰ وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ۝ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ
۴۱ ۴۲ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً ۚ فَبُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ۝
۴۳ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۝ ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۖ كُلَّ مَا جَاءَ أُمَّةً رَسُولُهَا
۴۴ كَذَّبُوهُ فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ ۚ فَبُعْدًا لِقَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

نام لیا گیا۔ کیونکہ ان سے سلسلۂ دعوت کے ایک نئے دور کی ابتدا
ہوئی تھی۔
۳۷ (۸) ایک صورت حال یہ ہے کہ افراد انسانی پیدا ہوں اور آباد
ہوں، ایک یہ ہے کہ ان کی جماعتی زندگی اور اسکی مدنی خصوصیات
۳۸ اس طرح ابھریں اور عروج تک پہنچیں کہ ایک خاص قومی عہد
پیدا ہو جائے۔ عربی میں دوسری حالت کو کسی قوم و ملک کے "قرن"
سے تعبیر کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جا بجا "قرن" اور
۳۹ "قرون" کا لفظ اختیار کیا ہے یعنی صرف قوموں کا پیدا ہونا۔
اور آبادیوں میں بسنا ہی نہیں بلکہ قومی عروج و اقبال کے
دور اور عہد۔
۴۰ ہمارے مترجموں اور عام مفسروں نے اس پہلو پر غور نہیں کیا
۴۱ وہ قرن اور قرون کا مطلب ادا کرنے کے لئے صرف قوم و اقوام
کے الفاظ پر قناعت کر لیتے ہیں۔
(۹) منکرین حق کے بیان جو عقاید و اقوال نقل کئے ہیں
۴۲ ان پر غور کرو۔ یہ گویا تمام منکرین رسالت کے وجوہ انکار و
اعتراض کا خلاصہ ہے اور سب کا مشترک اور متفقہ مسلک کیونکہ
یہاں کسی خاص دعوت اور اس کے منکروں ہی کا ذکر نہیں ہو
۴۳ رہا ہے، بلکہ ان سب کا جنہوں نے حضرت نوحؑ کے بعد اپنے اپنے
وقتوں اور اپنے اپنے ملکوں میں دعوت وحی سے روگردانی کی
یہ انکار دو باتوں پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ ہماری طرح کا ایک
آدمی جو ہماری ہی طرح کھاتا پیتا ہے۔ خدا کی سچائی کا پیام بر
کیسے ہو سکتا ہے۔ دوسری یہ کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا اور عذاب
و ثواب کا پیش آنا نہایت ہی عجیب بات ہے ایسی بات
کیونکر مانی جا سکتی ہے۔
(۱۰) حضرت نوحؑ کے بعد قومی نشأۃ کے جس عہد کا ذکر کیا ہے
غالباً قوم عاد و ثمود کا عہد تھا۔ کیونکہ دوسری جگہ انہیں قوم کا جانشین

ہیں ہمیں جینا ہے۔ ایسا کبھی ہونے والا نہیں کہ مر
کر پھر جی اٹھیں کچھ نہیں یہ ایک مفتری آدمی ہے
جس نے اللہ کے نام سے جھوٹ موٹ بات بنا دی
ہم کبھی اس پر یقین لانے والے نہیں!"
اس پر اس رسول نے دعا مانگی "خدایا!
انہوں نے مجھے جھٹلایا۔ پس تو میری مدد کر!"
حکم ہوا "عنقریب ایسا ہونے والا ہے کہ یہ اپنے
کئے پر شرمسار ہوں گے" چنانچہ فی الحقیقت ایک
ہولناک آواز نے انہیں آ پکڑا۔ اور ہم نے خس و
خاشاک کی طرح انہیں پامال کر دیا۔ تو محرومی ہو اس
گروہ کے لئے کہ ظلم کرنے والا ہے۔
پھر ہم نے ان کے بعد قوموں کے اور بہت سے دور پیدا
کئے۔ کوئی قوم اپنے مقررہ وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے
نہ پیچھے رہ سکتی ہے (سب کو قانون الٰہی کے مطابق اپنا دور
پورا کرنا ہے!)
پھر ہم نے لگاتار یکے بعد دیگرے اپنے رسول
بھیجے لیکن جب کبھی کسی قوم میں اس کا رسول ظاہر ہوا
معاً وہ جھٹلانے پر آمادہ ہو گئی۔ پس ہم بھی ایک کے بعد
ایک کر کے انہیں ہلاک کرتے گئے اور ان کی ہستیاں
۴۴ (روایت کا) افسانہ بن گئیں۔ تو ان کے لئے محرومی و نامرادی ہو جو آیات حق پر یقین نہیں کرتے!

كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ ٦٢
دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ۝ لَا ٦٣ ٦٤
تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ٦٥
تَنْكِصُوْنَ ۝ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ ٦٦ ٦٧
يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ ٦٨

حال کے مطابق حکم لگا دیتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا
کہ کسی جان کے ساتھ نا انصافی ہو! ٦٢
لیکن (اصل یہ ہے کہ) ان لوگوں کے دل اس حقیقت
کی طرف سے غفلت و سرشاری میں پڑ گئے، ان کے
اور بھی اعمال (بد) ہیں جو ہمیشہ کرتے رہتے ہیں۔ ٦٣
یہ کرتے رہیں گے۔ یہاں تک (کہ ظہور نتائج کی
گھڑی سامنے آجائے) جب ہم ان کے خوش حال آسودوں
کو عذاب میں پکڑ لیں گے تو پھر اچانک دیکھو گے کہ (سرکشی
کی جگہ) آہ و زاری کر رہے ہیں! ٦٤
اب آج آہ و زاری نہ کرو (اس سے کیا فائدہ)
تم ہماری طرف سے مدد پانے والے نہیں! ٦٥
"ایک وقت تھا کہ ہماری آیتیں تمہارے آگے
پڑھی جاتی تھیں اور تم الٹے پاؤں بھاگنے لگتے تھے۔ ٦٦
تمہارے انذار (کی سماعت) سے گھمنڈ پیدا ہو جاتا تھا'

ایک سے دو نہیں ہو سکتی۔ یہ تفرقے جو لوگوں نے گمراہ ہو کر پیدا کر لئے ہیں حزب ہیں بنی بیٹھے ہیں۔ امت نہیں۔

(۱۳) آیت (۵۴) میں خطاب پیغمبر اسلام سے ہے۔ فرمایا۔ ہدایت کی طرح شقاوت کا مزاج بھی ہمیشہ ایک ہی طرح کار رہتا ہے۔ بس جس طرح پہلے ہوتا رہا ہے اب بھی ہو گا، اور جو ماننے والے نہیں، وہ کبھی نہیں مانیں گے۔ پس انہیں ان کی حالت میں چھوڑ دو اور اپنا کام کئے جاؤ۔

(۱۴) آیت (۵۵) سے (۶۱) تک قانون امہال کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تشریح سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے نیز پچھلی سورتوں کی تشریحات میں بھی۔ فرمایا یہاں مہلت سب کے لئے ہے۔ اچھوں کے لئے بھی بروں کے لئے بھی۔ پس اگر مفسدوں کو دنیوی زندگی کی خوش حالیاں مل رہی ہیں، تو یہ اس لئے نہیں ہے کہ ہمارا قانون مجازات معطل ہو گیا ہے، اور ہم چاہتے ہیں، بدعملیوں پر بھی انہیں فوائد سے بہرہ اندوز کریں۔ بلکہ محض اس لئے کہ مقررہ وقت ابھی آیا نہیں۔ اور یہاں ہر نتیجہ کے لئے ایک اجل مسمّٰی کا قانون کام کر رہا ہے۔

اس کے بعد فرمایا۔ خیرات و برکات کے حصول کی اصلی راہ تو ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ایمان و عمل صالح کی راہ اختیار کر لی۔ ان کی کامرانیاں کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ ان کی بلندیاں عارضی اور موقت نہیں۔ وہ اس لئے بلند نہیں ہوتے کہ زیادہ بلندی سے گریں، بلکہ اس لئے کہ اور زیادہ بلند ہوں۔

تم اپنی مجلسوں کی داستان سرائیوں میں انہیں مشغلہ بنانے تم ان کے حق میں ہذیان بکتے تھے!" ٦٧

پھر (انہیں کیا ہو گیا ہے؟) کیا انہوں نے اس
بات پر (یعنی قرآن پر) غور نہیں کیا؟ یا ان کے سامنے کوئی
ایسی عجیب بات آگئی ہے جو ان کے اگلے بزرگوں کے
سامنے نہیں آئی تھی؟ یا یہ اپنے رسول کو پہچان نہ سکے، اس ٦٨
لئے منکر ہو گئے؟ یا یہ کہتے ہیں اسے جنون ہو گیا ٦٩

(۱۵) آیت (۶۲) میں فطرت کائنات کی ایک بہت بڑی حقیقت چند لفظوں کے اندر بیان کر دی ہے۔ فرمایا۔ یہاں فطرت کا یہ قانون کام کر رہا ہے کہ کسی جان پر اس کی جسمانی اور معنوی استطاعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالی جاتی۔ ہر جان سے فطرت کا مطالبہ عمل اتنا ہی ہے جتنے کی اس میں استعداد ودیعت کر دی گئی ہے

یعنی فطرت نے ہر وجود کو استعداد دی ہے اور اس استعداد

۵۳ ۵۴ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا
۵۵ ۵۶ نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ
۵۷ ۵۸ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا
۵۹ ۶۰ يُشْرِكُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ
۶۱ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا

ہوگئے اور اپنا دین الگ الگ کر لیا۔ اب جو جس کے پلے
۵۳ پڑ گیا ہے اسی میں مگن ہے !
پس (اے پیغمبر!) ان منکروں کو ان کی غفلت و
سرشاری میں پڑا رہنے دے۔ ایک مقررہ وقت تک (یہ
اسی حالت میں رہیں گے۔ پھر حقیقتِ حال کا فیصلہ ہو
۵۴ جائے گا۔ جیسا کہ ہمیشہ ہوتا رہا ہے)
کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں، ہم مال اور اولاد (کی
۵۵ فراوانی) سے اس لئے ان کی امداد کر رہے ہیں کہ بھلائی
۵۶ پہنچانے میں سرگرمی دکھائیں؟ نہیں، (حقیقتِ حال دوسری ہی ہے مگر) وہ شعور نہیں رکھتے۔
۵۷.۵۸ جو لوگ اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں جو اپنے پروردگار کی نشانیوں پر یقین رکھتے ہیں
۵۹ جو اپنے پروردگار کے ساتھ کسی ہستی کو شریک نہیں ٹھیراتے جو (اس کی راہ میں) جتنا کچھ دے سکتے ہیں بلا
تامل دیتے ہیں اور (پھر بھی) ان کے دل ترساں رہتے
۶۰ ہیں کہ اپنے پروردگار کے حضور لوٹنا ہے، تو بلاشبہ یہ
لوگ ہیں جو بھلائیوں کے لئے تیز گام ہیں اور یہی
ہیں جو اس راہ میں سب سے آگے نکل جانے والے
۶۱ ہیں !
اور ہم کسی جان پر ذمہ داری نہیں ڈالتے مگر
اتنی ہی جتنی کی اس میں طاقت ہے (یعنی استعداد
ہے) ہمارے پاس (ان سب کی حالت و استعداد
کے لئے) نوشتہ ہے جو ٹھیک ٹھیک (حقیقت

ہے۔ جیسے مصر میں "۔ چونکہ یہ مصر کا ایک امتیازی وصف ہو گیا تھا اس
لئے اسی وصف سے اسے یاد کیا گیا۔ اس تعبیر میں یہ پہلو بھی پوشیدہ
ہے کہ وہ فلسطین جیسا سرسبز ملک ترک کر دینے پر مجبور ہو گئے لیکن
اللہ کے فضل نے ایسی جگہ پناہ دیدی جو فلسطین ہی کی طرح بلکہ اس سے
بھی زیادہ ذات قرار و معین تھی !
حضرت مریم اس سفر پر کیوں مجبور ہوئیں؟ اناجیل میں اس
کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہیرودس حاکم شام کے ظلم و تشدد سے
اسے بجومیوں نے پیدائش مسیح کی خبر دیدی تھی اور وہ چاہتا تھا
انہیں قتل کر دے تب فرشتہ نے یوسف کو خواب میں حکم دیا۔
"اٹھ اور بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر بھاگ جا" (متی ۲: ۱۳)
لیکن قرآن نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا ہے۔

(۱۲) آیت (۱۱) میں وحدت دین و امت کی وہی اصل عظیم
بیان کی گئی ہے جو پچھلی سورتوں میں جا بجا گزر چکی ہے اور ابھی ابھی
سورہ انبیا میں پڑھ چکے ہو۔ فرمایا ان تمام رسولوں پر جو ان بے شمار
قوموں میں آتے رہے، جو تعلیم نازل کی گئی تھی، وہ کیا تھی؟ یہی کہ
اچھی چیزیں کھاؤ نیک عملی کی زندگی بسر کرو۔ الگ الگ نہ ہو۔
تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہاری امت بھی ایک ہی امت
ہے یہی سچائی کی سیدھی راہ ہے۔
لیکن لوگوں نے وحدت کی جگہ تفرقہ کی اور جمعیت کی جگہ
تشتت و تحزب کی راہ اختیار کی۔ اب جو جس کے پلے پڑ گیا ہے اسی
میں مگن ہے۔
غور کرو۔ آیت (۵۳) میں کل حزب فرمایا کل امۃ نہیں
کہا کیونکہ قرآن کے نزدیک نوع انسانی کی امت ایک ہی ہے۔

۷۶ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ
۷۷ ۷۸ ع فِيهِ مُبْلِسُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي
۷۹ ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا
۸۰ تَعْقِلُونَ ۝ بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ۝ قَالُوا أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا
۸۱ لَمَبْعُوثُونَ ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا

اس پر بھی وہ اپنے پروردگار کے آگے نہ جھکے اور نہ
۷۶ ہی عاجزی کی!
پھر جب معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا کہ ہم ان پر
ایک بڑے ہی سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں، تو
۷۷ اس وقت اچانک متحیر ہو کر رہ جائیں گے۔
اور (دیکھو) وہی ہے جس نے تمہارے (سننے
کے) لئے کان (دیکھنے کے لئے) آنکھ (سوچنے کے لئے)
دل[1] پیدا کر دیئے۔ مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم شکر
۷۸ بجا لاؤ!
اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین کی سطح پر
ہر طرف پھیلا دیا ہے (اور گزران معیشت کے
مختلف سامان پیدا کر دیئے ہیں) اور پھر وہی ہے
۷۹ جس کے حضور اکٹھا کر کے لائے جاؤ گے!
اور وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔
اُسی کی کارفرمائی ہے کہ رات دن ایک دوسرے

بنی اسرائیل کی آیت (۱۶) میں گزر چکا ہے: امرنا مترفیہا، ففسقوا فیہا، فحق علیہا القول۔ اس سے معلوم ہوا، انفرادی زندگی میں بدعملی کا بڑا مرکز دنیوی خوش حالی کی زندگی ہو جاتی ہے اور ہمیشہ حق و صداقت کی مخالفت وہیں سے شروع ہوتی ہے۔
سبب اس کا ظاہر ہے۔ خوش حالی و ثروت کی حالت ایک ایسی حالت ہے کہ اگر کسی جماعت میں پھیلی ہوئی ہو۔ تو اس سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں۔ کیونکہ جب دولت صرف چند افراد ہی کے قبضہ میں آگئی باقی افراد جماعت محروم رہ گئے، تو قدرتی طور پر ہر طرح کا غلبہ و تسلط چند افراد کے ہاتھ آجائے گا۔ اور ایسے غلبہ و تسلط کا نتیجہ غرور باطل اور استکبار عن الحق ہے۔
یہی وجہ ہے کہ قرآن جس جماعتی خوش حالی کو اللہ کا سب سے بڑا فضل قرار دیتا ہے اسی کو انفرادی حالت میں فتنہ اور متاع غرور بھی کہتا ہے، چونکہ ہمارے مفسروں کی نظر اس پہلو پر نہ تھی اس لئے یہ مقام واضح نہ ہو سکا۔ آج تمام دنیا میں شور مچ رہا ہے کہ انفرادی سرمایہ داری دنیا کے لئے مصیبت ہے، لیکن قرآن تیرہ سو (۱۳۰۰) برس پہلے اسے فتنہ قرار دے چکا، اور اس کے لئے اکتناز کا لفظ بول چکا ہے الذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونہا (۹: ۳۴) مشکل یہ ہے کہ جب تک قرآن کی صدا صرف قرآن کی صدا ہے تمہاری نظر میں جچتی نہیں۔ جب وہی بات وقت کے ذہن و فکر کے حلقوں سے اٹھنے لگتی ہے تو تم فوراً اس کی پرستش شروع کر دیتے ہو!

۸۰ کے پیچھے آتے رہتے ہیں۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟
۸۱ نہیں انہوں نے تو ویسی ہی بات کہی جیسی ان سے پہلے کہہ چکے ہیں۔ انہوں نے کہا "جب ہم مر گئے اور
۸۲ مٹی اور ہڈیوں کا چورہ ہو گئے تو پھر کیا ہم (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے؟ ہم سے اور ہم سے پہلے ہمارے

[1] یاد رہے کہ عربی میں "قلب" اور "فواد" کا اطلاق صرف اس عضو ہی پر نہیں ہوتا جو علم تشریح کا دل ہے بلکہ قوت مدرکہ و عاقلہ پر بھی ہوتا ہے یعنی ذہن و عقل پر۔

۶۹-۷۰ مُنْكِرُوْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ
اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ
۷۱-۷۲ مُّعْرِضُوْنَ ؕ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ
الربع ۷۳-۷۴ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ۝ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ
۷۵ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِیْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ

نہیں (ان میں سے کوئی بات نہیں ہو سکتی) اللہ کا رسول ان کے پاس سچائی کے ساتھ آیا، مگر ان میں سے اکثروں کا یہ حال ہو گیا ہے کہ سچائی کا ماننا انہیں گوارا ہی نہیں ہے۔

اور اگر ایسا ہوتا کہ سچائی ان کی خواہشوں کی پیروی کرتی، تو یقیناً آسمان و زمین اور وہ سب جو ان میں ہے یک قلم درہم برہم ہو جاتا۔ ہم نے ان کے لئے ان کی نصیحت کی بات مہیا کر دی، تو بیا اپنی نصیحت کی بات سے گردن پھیرے ہوئے ہیں۔

(اے پیغمبر!) کیا وہ سمجھتے ہیں تو ان سے مال و دولت کا طالب ہے؟ تیرے لئے تو تیرے پروردگار کا دیا مال ہی بہتر ہے (تو ان سے کیوں طالب زر ہونے لگا؟) وہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے!

بلا شبہ یقیناً تو انہیں (کامیابی و سعادت کی) سیدھی راہ کی طرف بلا رہا ہے اور جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، وہ یقیناً راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں!

اور اگر ہم ان پر (مزید) رحم کریں اور جو کچھ انہیں دکھ پہنچتے رہتے ہیں، دور کر دیں، تو (کیا یہ شکر گزار ہونگے؟ نہیں) یہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے اور زیادہ بڑھ چلیں گے!

اور (دیکھو) ہم نے انہیں عذاب میں مبتلا بھی کیا

کے جواب میں عمل چاہتی ہے لیکن عمل کا یہ تقاضہ ٹھیک اتنا ہی ہوتا ہے جتنے کی استعداد اسے دیدی گئی ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی کو استعداد عمل تو چھٹانک بھر دی ہو اور مطالبہ عمل کا بوجھ اس پر سیر بھر کا ڈال دیا جائے۔

۷۰ یہ مطالبہ عمل کس بات میں ہوتا ہے؟ فرائض ہستی کی انجام دہی میں ہر وجود کو اپنی بقا و تکمیل کے لئے جدوجہد کرنی پڑتی ہے لیکن جتنی کچھ اور جیسی کچھ جدوجہد کرنی پڑتی ہے، اتنی ہی اور اسی کیفیت کی استعداد بھی اسے دیدی گئی ہے۔ ادائے فرض کا مطالبہ اس سے زیادہ نہیں ہوتا جتنی اس کی طاقت و گنجایش ہے اگر استعداد اور مطالبہ عمل میں یہ تطابق کلی نہ ہوتا، تو ممکن نہ تھا کہ کوئی جان بیان نشوونما پا سکتی۔

۷۱ قرآن کہتا ہے۔ جب اللہ کا یہ قانون ہر جاندار کے لئے ہے تو ضروری ہے کہ انسان کے لئے بھی ہو۔ اور جس طرح عالم جسم و صورت میں جاری ہے ضروری ہے کہ روح و معنی میں بھی ہو۔ پس سعادت روحانی کے لئے بھی جو مطالبہ عمل ہے، وہ ٹھیک انسان کی استعداد عمل کے مطابق ہے۔ اور یہاں عالم جسم و روح، دونوں کے لئے اس کا قانون ایک ہی ہے۔

۷۲ یاد رہے کہ اس آیت میں "تکلیف" کو صرف تکلیف شرعی پر ایجانا صحیح نہیں ہو سکتا یہاں "تکلیف" عام معنوں میں بولا گیا ہے اور اس میں ہر طرح کی تکلیف آگئی ہے۔ تکلیف کے لئے ہمیں کوئی موزوں لفظ نہیں ملا۔ اس لئے مجبوراً ہم نے "ذمہ داری" کی ترکیب اختیار کی یہ نئی اردو ترکیب ہے لیکن اداء مفہوم کے لئے نسبتاً بہتر اور جامع ہے۔

۷۳-۷۴

۷۵ (۱۶) آیت (۶۴) میں فرمایا حتیٰ اذا اخذنا مترفیہم بالعذاب جب ان میں سے خوش حال اور دولت مند لوگوں کو ہم نے مواخذہ میں پکڑا۔ نیز جا بجا ان لوگوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے جو قوم کے دولت مند طبقہ میں سے ہوتے ہیں۔ سورۂ

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ
٩١ ٩٢ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۠ قُلْ رَّبِّ اِمَّا
٩٣ ٩٤ تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِنَّا عَلٰۤى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ
٩٥ ٩٦ لَقٰدِرُوْنَ ۝ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ
٩٧ ٩٨ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ
٩٩ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۙ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ

اسی کا نام عدل و قسط بھی ہے اور اسی پر تمام نظام کائنات قائم ہے۔ عالم جسم و مادہ کا ایک ایک گوشہ دیکھو تمہیں ہر گوشہ میں وجود و تکوین، تغیر، ایجاب، زندگی، بناؤ کی اصل یہی حقیقت ملے گی۔ یہی حقیقت جب افکار و اعمال انسانی میں ظاہر ہوتی ہے تو اس کا نام ایمان اور عمل صالح ہو جاتا ہے۔ اور یہی حقیقت ہے جس کی طرف ہدایت وحی بلاتی ہے۔

یہاں فرمایا: اگر حقیقت ان منکرین حق کی خواہشوں کی پیروی کرے تو تمام نظام ارضی و سماوی درہم برہم ہو جائے کیونکہ انہیں معلوم نہیں جس حقیقت سے یہ انکار کر رہے ہیں، وہی حقیقت ہے جس پر یہ تمام کارخانہ ہستی چل رہا ہے۔

یہ مقام بہت دقیق ہے۔ تشریح کے لئے تفسیر فاتحہ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

نہ تو اللہ نے کسی ہستی کو اپنا بیٹا بنایا، نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہو سکتا ہے۔ اگر ہوتا، تو ہر معبود اپنی ہی مخلوق کی فکر میں رہتا، اور ایک معبود دوسرے معبود پر چڑھ دوڑتا۔ اللہ کی ذات ان باتوں سے
٩١ پاک ہے جو یہ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں!
وہ غیب اور شہادت، دونوں جاننے والا ہے (یعنی محسوسات اور غیر محسوسات سب کا جاننے والا ہے، اس کے لئے کوئی چیز غیر محسوس نہیں) انہوں نے
٩٢ جو کچھ شرک کی باتیں بنا رکھی ہیں، وہ ان سب سے بالاتر ہے۔
٩٣ (اے پیغمبر!) تو کہہ "خدایا! جن باتوں کا تو نے وعدہ کیا ہے، اگر ان کا ظہور میرے سامنے ہونے والا ہے،
٩٤ تو خدایا! مجھے اس گروہ میں نہ رکھیو جو ظالم گروہ ہے!"
اور ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ جن جن باتوں کا ان سے وعدہ کیا ہے، انہیں (تیری زندگی ہی میں ظاہر بلا تشبیہ
٩٥ کر کے) تجھے دکھا دیں۔
(اے پیغمبر!) برائی کو برائی سے نہیں، بلکہ ایسے طرز عمل کے ذریعے جو بہتر طرز عمل ہو (یعنی عفو و درگزر
٩٦ کرکے) ہم ان باتوں سے بے خبر نہیں جو یہ تیری نسبت کہتے رہتے ہیں (تیری دعا ہمارے حضور یہ) ہو کہ خدایا!
٩٧-٩٨ میں شیطانی وسوسوں سے تیرے دامن میں پناہ لیتا ہوں، میں اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں!
ان منکروں کا حال ایسا ہی رہیگا۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سرہانے موت آکھڑی ہوگی،
٩٩ تو اس وقت کہنے لگیگا "خدایا! مجھے پھر (دنیوی زندگی میں) لوٹا دے کہ زندگی کے جو موقعے میں نے کھو دئے شاید

۸۳ ۸۴ هٰذَا مِنْ قَبْلُ إِنْ هٰذَآ إِلَّآ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَآ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝
۸۵ ۸۶ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝
۸۷ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيرُ
۸۸ ۸۹ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُلْ فَأَنّٰى تُسْحَرُونَ ۝ بَلْ أَتَيْنٰهُمْ
۹۰ بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكٰذِبُونَ ۝

(۱۷) آیت (۶۸) پر غور کرو کس طرح قرآن بار بار اس پہلو پر زور
۸۴ دیتا ہے کہ کیا لوگوں نے اس پر تدبر نہیں کیا؟ کیونکہ اس کا سارا مطالبہ
تدبر و تعقل ہی سے ہے۔ وہ کہتا ہے سچائی کی سب سے بڑی نشانی
یہ ہے کہ عقل و بصیرت اسے پالے گی اور جہل و کوری اس سے روگردان
رہیگی۔ پس اگر لوگ قرآن میں تدبر و تفکر کریں تو ممکن نہیں کہ اسکی
سچائی انہیں گرویدہ نہ کرلے۔
۸۳ یہاں سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ قرآن کا مطالبہ
غور و فکر کا ہے۔ نہ کہ تقلید کا۔ پس جو شخص قرآن کے مطالب میں
غور و فکر نہیں کرتا، وہ اس کا مطالبہ پورا نہیں کرتا، اور پھر جب
۸۵ قرآن کے لئے کہ وحی الٰہی ہے "تدبر" ضروری ہوا، تو کیونکر یہ بات
جائز ہو سکتی ہے کہ کسی مجتہد اور امام کی تحقیق میں تدبر ضروری
نہ ہو؟ اور اہل علم کے لئے ضروری ہو کہ از روئے تقلید ان کی اطاعت
ختم کردیں؟
۸۶ (۱۸) یہاں تین باتیں فرمائیں کیا انہوں نے قرآن پر
غور نہیں کیا؟ اگر غور کرتے تو یقیناً حقیقت پالیتے کیا انہیں
رسول کی معرفت نہ ہوئی؟ اگر ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لیں تو
۸۷ اس کی پاکی و صداقت کی معرفت سے کبھی انکار نہیں کرسکتے۔ پھر
کیا یہ سمجھتے ہیں، یہ مجنوں ہوگیا ہے کہ ایسی باتیں کرنے لگا ہے؟
لیکن کیا راست بازی کے ساتھ یہ کہنے کی جرأت کرسکتے ہیں کہ سچ
مچ کو وہ مجنوں ہے؟
یہاں سے معلوم ہوا کہ دعوت اسلام کی معرفت کی دو راہیں
۸۸ ہیں۔ قرآن میں تدبر کیا جائے، اور صاحب قرآن کی زندگی میں
(۱۹) آیت (۷۱) میں ایک بہت بڑی اصل کائنات کی
۸۹ طرف اشارہ کیا ہے جو قرآن کے مہمات معارف میں سے ہے۔
یعنی قرآن جس حقیقت کو "حق" سے تعبیر کرتا ہے، وہ محض کسی ایک
گوشہ ہی کی حقیقت نہیں ہے، جیسا کہ عام طور پر سمجھا گیا ہے،
بلکہ اصل کائنات کی ایک عالمگیر حقیقت ہے وہ کہتا ہے، یہاں
۹۰ اصل تخلیق و تکوین "حق" اور قیام حق کا قانون ہے، اسی کا

باپ دادوں سے ایسی ہی بات کا وعدہ ہوتا آیا ہے
کچھ نہیں۔ پچھلے عہدوں کے افسانے ہیں"۔
(اے پیغمبر!) ان منکروں سے کہدے "اچھا اگر تم
جانتے ہو تو بتلاؤ، زمین اور وہ تمام مخلوقات جو
اس میں ہیں کس کے لئے ہیں؟"
وہ فوراً کہیں گے "اللہ کے لئے"
تو کہہ "پھر کیا ہے کہ تم غور نہیں کرتے؟"
تو ان سے پوچھ "وہ کون ہے، جو ساتوں آسمانوں کا پروردگار
ہے؟ اور (جہانداری کے) عرش عظیم کا مالک ہے؟"
وہ فوراً کہیں گے "یہ سب کچھ اللہ ہی کیلئے ہے"
تو کہہ "پھر تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ (شرک و انکار
کے نتیجہ سے) ڈرتے نہیں؟"
تو ان سے پوچھ "اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ، وہ کون
ہے جس کے قبضہ میں تمام چیزوں کی بادشاہی ہے؟
اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے اور کوئی نہیں جو اس سے
اوپر پناہ دینے والا ہو؟"
وہ فوراً کہینگے "یہ صفتیں تو اللہ ہی کے لئے ہیں"۔
تو کہہ "پھر یہ کیا ہے کہ تمہاری عقل ماری گئی؟"
حقیقت یہ ہے کہ ہم نے سچائی انہیں جتلادی
اور یہ اپنے (انکار و ادعا میں) قطعاً جھوٹے ہیں!

فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ○ قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ ○ إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا ١٠٧ ١٠٨
آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ○ فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّىٰ أَنسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنتُم ١٠٩
مِّنْهُمْ تَضْحَكُونَ ○ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ○ قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ ١١٠ ١١١
عَدَدَ سِنِينَ ○ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَاسْأَلِ الْعَادِّينَ ○ قَالَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنَّكُمْ ١١٢ ١١٣
كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ○ أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ○ فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ١١٤ ١١٥
لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ○ وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ ١١٦
رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ○ وَقُل رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ○ ١١٧ ١١٨ ع

قَالُوا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوثُونَ؟
مزید تشریح کے لئے دیکھو تفسیر فاتحہ مبحث تسکین حیات۔

پڑیں تو بلا شبہ نافرمان ہوئے"۔ ١٠٧
اللہ فرمائے گا "جہنم میں جاؤ۔ اور زبان نہ کھولو"۔ ١٠٨

"ہمارے بندوں میں سے ایک گروہ ایسا بھی تھا جو کہتا تھا۔ خدایا! ہم ایمان لے آئے پس ہمیں بخشدے
اور ہم پر رحم فرما۔ تجھ سے بہتر رحم کرنے والا کوئی نہیں۔ لیکن تم نے انہیں اپنے تمسخر کا مشغلہ بنا لیا تھا۔ یہاں تک ١٠٩
کہ اس مشغلہ نے ہماری یاد بھی بھلا دی تھی۔ تم ان لوگوں کی باتوں پر ہنسا کرتے تھے۔ آج دیکھو ہم نے انہیں ١١٠
ان کے صبر کا بدلہ دیدیا۔ وہی ہیں جو فیروز مند ہوئے"! ١١١
ان سے کہا جائے گا "تمہیں خیال ہے۔ زمین میں کتنے برس تک رہے"؟ ١١٢
وہ کہیں گے "بس ایک دن یا ایک دن کا بھی کچھ حصہ (ہمیں ٹھیک وقت کا اندازہ نہیں) ان سے پوچھ
جو گنتے رہے ہیں"۔ ١١٣
ان سے کہا جائے گا "ہاں تمہارا زمین میں رہنا اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک بہت ہی تھوڑے زمانہ کا رہنا۔
کاش تم نے یہ بات جانی ہوتی"! ١١٤
کیا تم خیال کرتے ہو، ہم نے تمہیں بیکار کو پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹنے والے نہیں؟ ١١٥
اللہ کہ پادشاہ حقیقی ہے، ایسی بات کرنے سے پاک و بلند ہے، وہ، کہ کوئی معبود نہیں ہے مگر اسی کی
ایک ذات جہانداری کے تخت عزت کا مالک! ١١٦
اور جو کوئی اللہ کے سوا کسی دوسرے (من گھڑت) معبود کو پکارتا ہے تو اس کے پاس اس کے لئے کوئی
دلیل نہیں، اس کے پروردگار کے حضور اس کا حساب ہونا ہے۔ یقیناً کفر کرنے والے کبھی کامیابی نہیں پائینگے! ١١٧
(اور اے پیغمبر!) تو کہہ "خدایا! بخشدے، رحم فرما، تجھ سے بڑھ کر کوئی رحم کرنے والا نہیں"!

۱۰۰ ۱۰۱ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○ فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ○
۱۰۲ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
۱۰۳ ۱۰۴ فِىْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ○ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ○ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِىْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ
۱۰۵ ۱۰۶ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ○ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ○ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا

(۳۰) آیت (۸۰) کے چند لفظوں کے اندر قرآن کا ایک بہت بڑا استدلال پوشیدہ ہے۔ جلد نہ گزر جاؤ۔ اس پر غور کرلو۔ فرمایا وہی ہے جو جلاتا ہے اور موت طاری کرتا ہے اور یہ اسی کی کارفرمائی ہے کہ رات دن کے پیچھے آتی رہتی ہے اور دن رات کے پیچھے۔

یہاں "اختلاف اللیل والنهار" کہہ کر اس قانون ہستی کی طرف اشارہ کیا ہے جسے قرآن قانون ازواج سے تعبیر کرتا ہے ہم نے اپنی معروضہ مصطلحات میں اسے قانون تثنیہ کہا ہے یعنی کارخانہ ہستی کے ہر گوشہ میں ہم دیکھتے ہیں یہاں کوئی حقیقت اکہری اور طاق نہیں ہے کسی نہ کسی شکل میں دو دو ہونے کی نوعیت ضرور پائی جاتی ہے ہر چیز کی تکوین و تشکیل اسی طرح ہوگی کہ دو متماثل اور متقابل نوعیتیں ابھریں گی اور اسی تماثل و
۱۰۱ تقابل کا تثنیہ ایک مکمل حقیقت کی شکل اختیار کرے گا۔ مثلاً نر کے لئے مادہ۔ مرد کے لئے عورت۔ زندگی کے لئے موت، رات کے لئے دن، صبح کے لئے شام، مثبت کے لئے منفی، تکوین
۱۰۲ کے لئے اضداد جس گوشہ میں بھی دیکھو گے، ہر حقیقت کے ساتھ اس کا کوئی نہ کوئی مثنیٰ بھی ضرور موجود ہے: ومن كل شئ خلقنا زوجين لعلكم تذكرون (۵۱: ۴۹)
۱۰۳ قرآن کا استدلال یہ ہے کہ اگر کارخانہ ہستی کے ہر گوشہ میں دو دو ہونے کی حقیقت کام کر رہی ہے اور یہاں ہستی کی کوئی نمود بغیر اپنے مثنیٰ اور زوج کے نہیں ہے، تو پھر تمہیں اس بات
۱۰۴ پر کیوں تعجب ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کی نمود بھی اکہری نہیں ہے دوہری ہے اور دنیوی زندگی کے لئے بھی ایک مثنیٰ ہے اس کا نام آخرت ہے؟ جس حقیقت کو تم سینکڑوں میں دیکھتے ہو اور نہیں چونکتے رہتے ہو، اسی کو اکیسویں بھیس میں دیکھ کر کیوں چونک اٹھتے ہو
۱۰۵ اسی لئے آیت کا خاتمہ اس پر ہوا کہ افلا تعقلون؟ کیونکہ اس معاملہ میں خطاب تعقل سے تھا، اور وہی مفقود ہو جاتی ہے۔
اب غور کرو۔ اس کے بعد کی آیت کس طرح اس آیت سے
۱۰۶ مربوط ہوگئی ہے؟ اور اس کی ابتدا میں حرف "بل" کا آنا کس طرح ٹھیک اپنی جگہ میں بیٹھ گیا: بل قالوا مثل ما قال الاولون۔

اس دفعہ ان میں نیک کام کر سکوں"
حکم ہوگا "ہرگز نہیں۔ یہ محض ایک کہنے کی بات ہے جو یہ کہہ رہا ہے، اب ایسا ہونے والا نہیں۔ ان لوگوں کے (مرنے کے) پیچھے ایک آڑ ہے جو اس دن تک رہیگی کہ دوبارہ اٹھائے جائیں"
پھر جب وہ گھڑی آجائے گی کہ نرسنگا پھونکا جائے (یعنی تمام انسانی ہستیوں کو دوبارہ اٹھ کھڑے ہونے اور اکٹھا ہو جانے کا حکم ہو) تو اس دن تو ان لوگوں کی باہمی رشتہ داریاں باقی رہیں گی نہ کوئی ایک دوسرے کی بات ہی پوچھے گا
اس دن جن لوگوں (کے نیک عملوں) کا پلہ بھاری نکلا بس وہی ہیں جو کامیاب ہونگے اور جن کا پلہ ہلکا ہوا تو وہی ہیں جنہوں نے اپنے کو بربادی میں ڈال دیا۔ ہمیشہ جہنم میں رہنے والے!
آگ کے شعلوں کی لپٹ ان کے چہروں کو جھلستی ہوگی، وہ اس میں منہ بگاڑے پڑے ہونگے!
کیا ایسا نہیں ہو چکا ہے کہ میری آیتیں تمہارے آگے پڑھی جاتی تھیں؟ اور تم انہیں جھٹلاتے رہتے تھے؟"
(ان سے یہ بات کہی جائے گی)
وہ کہیں گے "اے ہمارے پروردگار! درحقیقت ہماری بدبختی ہم پر چھا گئی تھی۔ ہمارا گروہ گمراہوں کا گروہ تھا اب ہمیں اس حالت سے نکال دے اگر ہم پھر ایسی گمراہی میں

تسطورکی

نے یہ پورا نظریہ غلط ٹھہرایا اور تولید و[illegible] اصل پر زور دیا۔ پھر ۱۸۱۷ء میں پانڈر نے اور ۱۸۳۵ء میں بیر نے اسے مزید ترقی دی۔ اس کے بعد سے اسی رخ پر قدم اٹھنا شروع ہو گئے، پھر جب ۱۸۵۹ء میں ڈارون کی کتاب "اصلیت انواع" شائع ہوئی تو اس نے علم کے تمام گوشوں کی طرح اس گوشہ کے لئے بھی ایک نئی روشنی مہیا کر دی اور بالآخر انیسویں صدی کے آخری سالوں میں ارنسٹ ہیکل (ERNST HAECKEL) کے ہاتھوں یہ تحقیقات تکمیل تک پہنچ گئی۔ اب علم الجنین کا ہر گوشہ نظریوں اور قیاسوں کے سہاروں سے بالکل بے پروا ہو گیا ہے اور جو کچھ ہے تمام تر استقرار و مشاہدات پر مبنی ہے، یہ اب فلسفہ کی بحث و تعلیل کا محتاج نہیں کیونکہ خود علم کی ایک حقیقت ہے۔

اس باب میں سب سے زیادہ معتمد خود ارنسٹ ہیکل کی دو کتابیں ہیں۔ نیچرل ہسٹری آف کریئیشن اور ایوولیوشن آف مین۔ اس مبحث میں ہمارا اعتماد انہی پر ہے۔

جدید تحقیقات

قبل اس کے کہ قرآن کے بیان کردہ مراتب پر نظر ڈالی جائے، معلوم کر لینا چاہئے کہ انسانی وجود کی پیدائش اور اس کے جنین کے احوال و تطورات کے باب میں علم کے حقائق کیا ہیں؛ یہ مبحث بتفصیل مقدمہ میں ملے گا، یہاں مختصر اشارات کرینگے:

تمام حیوانات کی طرح انسان کی پیدائش بھی ایک بیضہ سے ہوتی ہے جسے اصطلاح میں (ovum) کہتے ہیں یعنی خلیۂ تخم (خلیہ یعنی cell) یہ خلیۂ تخم جنس اناث میں بھی پیدا ہوتا ہے اور جنس رجال میں بھی۔ فعل تلقیح اس وقت واقع ہوتا ہے جب جنس رجال کے خلیات تخم جنس اناث کے بیضہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہ خلیۂ تخم ایک بہت ہی دقیق ذرہ کا سا حجم رکھتا ہے یعنی اس کا قطر ایک انچ کا ایک سو بیسواں حصہ بلکہ اس سے بھی کم ہوتا ہے۔ یہی خلیۂ زندگی اور وجود کا اصلی تخم ہے۔

(۶)

نطفہ کے قرار پانے کے معنی یہ ہیں کہ جنس رجال کا خلیۂ تخم جنس اناث کے بیضہ میں جگہ پا جائے۔ استقرار کے بعد جنین کا تطور شروع ہوتا ہے۔ ابتداءً وہ محض خلیات کا ایک کروی مجموعہ ہوتا ہے، پھر ایک مجوف گیند کی سی شکل اختیار کر لیتا ہے جس کے اطراف کی دیوار خلیات سے مرکب ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ خلیات ایک دوسرے سے بالکل مل جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ ان میں طولانیت پیدا ہونی شروع ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بالکل ایک قعلہ نما (solid round ball) صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ پھر ان میں ایک ایسی شکل و ہیئت پیدا ہو جاتی ہے جیسی مچھلی کی ہوتی ہے۔ پھر یہ ہیئت حیوانیت قوازب[1] (amphibian) کا سا ہیکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس کے بعد حیوانات لبونہ (mammals) کا ہیکل نمایاں ہوتا ہے لیکن پہلے ادنیٰ درجہ کے حیوانات لبونہ کا، مثلاً ایسا جیسا آسٹریلیا کے نلدار (marsupials) کا ہوتا ہے یا ان حیوانات کا جنہیں ذوات الکیس (marsupials) کہتے ہیں۔ پھر اونچے درجہ کے حیوانات لبونہ کا، مثلاً گھوڑا، کتا، بیل۔ پھر یہ ترتیب ترقی کر کے ایک ایسے ہیکل تک پہنچتا ہے جو ٹھیک ٹھیک بندر کا سا ہوتا ہے۔ دم بھی موجود ہوتی ہے۔ پھر اس میں تبدیلی شروع ہوتی ہے اور بندر کے ترقی یافتہ اعلیٰ اقسام کا سا ہیکل نمایاں ہونے لگتا ہے یعنی گوریلا، شمپانزی، گیبون وغیرہ اقسام کا۔ اس کے بعد آخری مرتبہ تطور آتا ہے اور اچانک ایک انقلابی حالت طاری ہونے لگتی ہے یعنی تمام حیوانی و میمونی خصوصیات مفقود ہو جاتی ہیں۔ ایک نئی نوعیت کا ہیکل نمایاں ہو جاتا ہے اور وجود انسانی اپنی ساری خصوصیتوں اور رعنائیوں کے ساتھ ابھر آتا ہے!

نیز

ابتدا کے تمام تطورات ایک مہینے کے اندر طاری ہو جاتے ہیں۔ آخری تطورات دوسرے مہینے کے اندر۔ اور پھر حمل کا بقیہ زمانہ جس قدر گزرتا ہے صورت انسانی ہی کی تکمیل پر گزرتا ہے۔

قانون حیات عالمگیر وحدت

اس سلسلہ میں جو حقیقت سب سے زیادہ اہم نمایاں ہوئی ہے اور جس نے علم و نظر کے بہت سے گوشوں میں انقلاب ڈال دیا، وہ پیدائش حیات کے قانون کی عالمگیر وحدت ہے۔ نباتات سے لے کر وجود انسانی تک اصل و بنیاد حیات ایک ہی ہے اور جس قدر امتیازی اختلافات پیدا ہوتے ہیں ٹھیک ٹھیک انہی حدود کے اندر اور انہی ترتیبات سے جو قانون نشو و ارتقا کی بنا پر ضروری ہیں۔ اس اعتبار سے اگر انسان کے جنین پر نظر ڈالی جائے تو حسب ذیل مدارج اور ان کے احکام سامنے آئینگے۔

مدارج تطور

(۱) پہلا درجہ وہ ہے جس میں خلیۂ تخم کی حالت ٹھیک ٹھیک ویسی ہی ہوتی ہے جیسی تمام نباتات اور حیوانات کی۔ گویا اس ابتدائی درجہ میں ایک انسان کا جنین بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسا ایک درخت کا، ایک مچھلی کا، ایک چار پائے کا، ایک پرند کا۔

[1] (amphibia) کا لفظی ترجمہ ذوات الحیاتین ہے یعنی ایسے جانور جو تری اور خشکی دونوں طرح کے گردوپیش میں رہتے ہیں۔ ہم نے اس کے لئے قوازب کا لفظ اختیار کیا جو میجر جنرل امین معلوف صاحب معجم الحیوانات کے اختیارات میں سے ہے۔

سورت کا ترجمہ ختم ہوگیا۔ مگر چند اہم نکات کی تشریحات باقی رہ گئی ہیں :

قرآن حکیم نے اس سورت میں اور دوسرے مقامات میں انسانی پیدائش کے مختلف احوال و مراتب پر توجہ دلائی ہے اور ان سے اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت اور بعث بعد الموت کے وقوع پر استشہاد کیا ہے۔ یہ مراتب تطور چھ ہیں۔ جیسا کہ یہاں آیت (۱۴) میں بیان کئے گئے ہیں :

(ا) "نطفہ" کی حالت جبکہ وہ قرار مکین میں ہوتا ہے۔ (ب) "علقہ" کی حالت۔

(ج) "مضغہ" کی حالت۔ (د) "خلقنا المضغۃ عظاما" کی حالت۔

(ھ) "کسونا العظام لحما" (و) ایک ایسی آخری حالت جسے "خلقا آخر" سے تعبیر کیا ہے۔

ان میں سے آخری حالت کو قرآن نے "خلقا آخر" سے تعبیر کیا ہے یعنی اس مرتبہ میں پہنچ کر کوئی ایسا انقلاب طاری ہو جاتا ہے کہ بالکل ایک دوسری ہی طرح کی خلقت ظہور میں آجاتی ہے گویا مرتبہ (الف) سے لے کر مرتبہ (ھ) تک جنین کی جو حالتیں رہیں اور جس نوعیت کی مخلوق بنتی رہی وہ کوئی دوسری طرح کی چیز تھی، اور اب اس مرتبہ میں آکر بالکل ایک دوسری طرح کی چیز نمایاں ہوگئی۔ چونکہ مراتب پیدائش کی کوئی ایسی انقلابی حالت ہمارے مفسروں کے سامنے نہ تھی اس لئے قدرتی طور پر اس کی کوئی جچتی ہوئی تفسیر ان سے بن نہ آئی اور مختلف وادیوں میں نکل گئے۔ بعضوں نے کہا اس سے مقصود نفخ روح کی حالت ہے۔ کیونکہ اس مرتبہ سے پہلے روح نہیں ہوتی۔ بعضوں نے کہا شکم مادر سے باہر نکلنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وضع حمل اسی کے بعد ہوتا ہے۔ بعضوں نے کہا مقصود بالوں کا پیدا ہونا ہے اس سے پہلے بال نہیں ہوتے۔ بعضوں نے کہا مقصود دانت ہیں، دانت اسی مرتبہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ بعضوں نے جمع و تطبیق کی راہ اختیار کرنی چاہی تو کہا اصل مقصود تمام قوی کی تکمیل ہے اس میں بال بھی آگئے، دانت بھی آگئے۔ مگر ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی تعبیر بھی "خلقا آخر" کا تقاضا پورا نہیں کرتی، نہ منطوق کے اعتبار سے بھی اور مفہوم کے اعتبار سے بھی۔

اسی طرح پچھلے مراتب تطور کی بھی حقیقت واضح نہ ہو سکی۔ "علقہ" کو جمے ہوئے خون کے معنوں میں لے گئے اور "مضغہ" کو گوشت بن جانے کے معنوں میں اور ترتیب نشوونما یوں سمجھی گئی کہ پہلے خون پیدا ہوتا ہے اور وہ کلیجی کی طرح جما ہوا ہوتا ہے پھر یہ منجمد خون گوشت بن جاتا ہے پھر اس گوشت میں ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھ جاتا ہے اس آخری کو "کسونا العظام لحما" میں مجازاً کہا ہے۔

لیکن گو اس مقام کی تشریح تحقیق حق ادا نہ ہو سکا تو اسے مفسروں کے قصور فہم پر محمول نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس باب میں وہ یقیناً معذور تھے علم و تحقیق کا یہ گوشہ تمام تر زمانہ حال کی پیداوار ہے اور زمانہ حال کی پیداوار میں بھی سب سے آخری عہد کی پیداوار۔ بیسویں صدی ابتدائی زمانہ جو تمام علوم جدیدہ کے اکتشاف و تکمیل کا سب سے زیادہ شاندار زمانہ ہے پورا گزر گیا اور کارخانہ فطرت کے اس گوشہ سے پردے تمام [redacted] اٹھ سکے بس اگر اٹھارویں صدی کے علماء معذور تصور کئے جا سکتے ہیں کہ اس بارے میں بالکل غلط رخ پر جا رہے تھے حالانکہ خوردبین ایجاد ہو چکی تھی اور انسانی تعضیلی تشریح کا باب مسدود کھل چکا تھا تو ظاہر ہے نویں اور دسویں صدی کے مفسرین قرآن بطریق اولیٰ معذور تصور کئے جائیں جن کے سامنے اس سے زیادہ کچھ نہ تھا جتنا ارسطو اپنی کتاب الحیوان [redacted] میں اور جالینوس اپنے معالجات میں لکھ چکا ہے۔

دراصل پیدائش حیوانات کے بارے میں گزشتہ دو ہزار سال تک انسانی علم کی پرواز اسی حد تک رہی علم نظری کی تمام شاخوں کی طرح علم الجنین (Embryology) میں بھی ارسطو ہی کی تحقیقات پر تمام تر دارومدار تھا۔ سترھویں صدی میں جب خوردبین کی ایجاد ایک خاص حد تک ترقی پذیر ہوئی تو پرندوں کے انڈوں کا خوردبینی مطالعہ شروع ہوا اور بتدریج ایک نئے نظریہ کی بنیاد پڑ گئی جسے اس وقت نظریہ ارتقاء سے تعبیر کیا گیا تھا لیکن اب [redacted] کے نظریہ سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی (Preformation Theory) Preformation

اس نظریہ کا ماحصل یہ تھا کہ اصل پیدائش جنس اناث کا بیض (ovum) ہے جنین پر تطورات کی کوئی نئی حالت طاری نہیں ہوتی۔ بلکہ بیض میں جو کامل وجود موجود ہوتا ہے وہی کھلنے اور بڑھنے لگتا ہے۔ مثلاً انسان کے تخم حیات میں ایک کامل انسان اپنے تمام خارجی و داخلی اعضاء کے ساتھ موجود ہوتا ہے لیکن اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ خوردبین سے بھی اس کا ادراک نہیں کیا جا سکتا۔ اسی کامل و متشکل وجود کا بڑھ جانا نطفہ کا انسان بن جانا ہے۔ ۱۶۷۹ء میں جب ایک ڈچ عالم خوردبینی لیون ہاک (Leeuwenhoek) نے جنس رجال کے مادہ منویہ کے جراثیم کا انکشاف کیا تو ایک گروہ پیدا ہو گیا جس نے بیض اناث کی جگہ جراثیم منویہ کو اصل حیات قرار دیا۔ تاہم اس رائے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی کہ جنین پر تطور کی نہیں بلکہ محض بروز [redacted] کی حالت طاری ہوتی ہے۔ اٹھارویں صدی کے وسط تک یہی رائے وقت کی مقبول و معتمد رائے رہی۔ یہاں تک کہ ۱۷۵۹ء میں ایک جرمن محقق ڈیڈرک ولف

چلنے سے صاف انکار کر رہا تھا قرآن جنین کے تمام تغیرات کو صاف صاف ایک انقلابی تطور قرار دے رہا ہے: ثم من نطفۃ، ثم من علقۃ، ثم من مضغۃ (۲۲: ۵) ثم خلقنا النطفۃ علقۃ، فخلقنا العلقۃ مضغۃ (۲۳: ۱۴) یعنی تخلیق کی حالت نطفہ کی ہوتی ہے، پھر تخلیق کی دوسری حالت علقہ کی ہوتی ہے۔ پھر تخلیق کی تیسری حالت مضغہ کی ہوتی ہے۔ پس یہ محض کسی ایسے کیڑے کا نشو و بروز نہیں ہو سکتا جس کے اندر وجود انسانی اپنے تمام اصول و جزئیات کے ساتھ موجود ہو بلکہ ایک حالت کے بعد صریح دوسری حالت کی پیدائش اور دوسرے کے بعد تیسرے کی اور تیسرے کے بعد چوتھے کی پیدائش ہے، اور ہر پیدائش تخلق و تطور کی نوعیت میں ظاہر ہوتی ہے ضروری ہے کہ یکے بعد دیگرے طرح طرح کے تطورات طاری ہوں، ضروری ہے کہ ہر تطور ایک نئی پیدائش کا حکم رکھتا ہو۔

چونکہ انیسویں صدی کے اواخر تک یہی نظریہ "ظہور و بروز" عام طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔ اور فن طب و تشریح نے بھی اسی کو اختیار کر لیا تھا، اس لئے جس طرح قدیم مفسروں کو شرح و تحقیق آیت میں دشواریاں پیش آئیں اور طرح طرح کی توجیہات کرنی پڑیں، اسی طرح مصر اور ہندوستان کے بعض نئے مفسروں کو بھی ٹھوکر لگی اور رفاعہ بک طہطاوی، احسن پاشا محمود، سر سید احمد خان، شیخ محمد عبدہ وغیرہم اسی نظریوں کی وادیوں میں گم ہو گئے۔ انہوں نے کوشش کی کہ قرآن کی تصریحات کو اس کے مطابق کر دکھائیں جو مطابق ہو نہیں سکتی تھیں اس طرح کا تجوز و تکلف جو لغت و زبان سے کیا جا سکتا ہے جائز کر لیا گیا اور نہیں سمجھے کہ یہ تمام قطع و برید چند سالوں کے بعد یکسر بیکار ہو جائیں گی۔

لیکن قرآن کی تصریحات اپنی جگہ بدستور قائم رہیں جس طرح قدیم جامہ ان پر راست نہیں آیا تھا، اسی طرح نئے جامے سے بھی انہوں نے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ جمال حقیقت بے پردہ ہوا اور نظریوں کی سب کوری کی جگہ انکشاف و مشاہدہ کی صبح نمودار ہو گئی۔ اب ہر نگاہ دیکھ سکتی ہے کہ قرآن کو اپنی جگہ سے ہلنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ یہ علم کا نقص تھا کہ صحیح جگہ نہ پا سکا۔ آخر اسے اپنی جگہ چھوڑنی پڑی اور وہیں آ گیا۔ جہاں تیرہ صدیوں سے قرآن کی صداقت جمی کھڑی ہے! لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ، تنزیل من حکیم حمید۔

تم علم کی ایک ذرا سی نمود دیکھ کر مرعوب ہو جاتے ہو اور چاہتے ہو قرآن کو فوراً اس کی جگہ سے ہٹا دو لیکن اگر تم جلدی نہ کرو تو قرآن کو ہلنے کی ضرورت کبھی نہ ہوگی جلد یا بدیر علم اپنی جگہ چھوڑے گا اور آگے بڑھ کر قرآن کی تصدیق کرے گا:

اب غور کرو علم کی روشنی میں کس طرح قرآن کی تمام تصریحات واضح ہو رہی ہیں، بغیر اس کے کہ لغت و زبان کے قدرتی مقتضیات سے رائی برابر بھی انحراف کیا جائے؟

(۱) سب سے پہلے جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین پر غور کرو۔ استقرار حمل یوں ہوتا ہے کہ جنس رجال کا جنسی خلیہ جنس اناث کے مبیض میں پہنچتا ہے اور اس طرح تک جاتا ہے گویا اپنے اصلی مکان میں پہنچ گیا۔ اس صورت حال کے لئے فی قرار مکین کی ترکیب کس درجہ صحیح اور موزوں ہے؟ دو لفظوں کے اندر پوری وضاحت کے ساتھ دونوں حالتیں آ گئیں۔ اس کا ٹھہر جانا اور تمکن کے ساتھ قرار پا جانا۔ یہ استقرار و تمکن کس طرح پیدا ہوا؟ دونوں جنسوں کے خلیوں کے اتحاد سے اس اتحاد و امتزاج کی ان میں قدرتی طلب تھی بغیر اس کے قرار نہیں پا سکتے تھے۔

اس وقت تک ہم نے اس کا مطلب یہ سمجھا تھا کہ نطفہ رحم میں قرار پا جاتا ہے لیکن فی الحقیقت بات پوری طرح جچتی نہ تھی۔ رحم تو ایک طرح کا مجوف خول ہے۔ اس میں ایک قطرۂ تخم کا پڑ جانا فی قرار مکین سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تعبیر کہہ رہی ہے کہ کوئی نطفہ ہی کی طرح کا دقیق عمل ہونا چاہئے جہاں وہ پہنچ کر اس طرح تک جائے جیسے ٹھیک اپنے حجم اور اپنی نوعیت کے مطابق ایک جگہ اسے مل گئی۔ پس یقیناً اس سے مقصود مبیض کا خلیہ ہے نہ کہ پورا عضو رحم۔

(۲) اس کے بعد "نطفہ" پر مختلف حالتیں طاری ہوتی ہیں، لیکن سب سے پہلی انقلابی حالت کون سی ہوتی ہے جو بالکل ایک نئی قسم کی نوعیت پیدا کر دیتی ہے؟ اور جو تمام آئندہ انقلابوں کے لئے سنگ بنیاد کا کام دیتی ہے؟ وہ حالت جب خلیات کا کروی مجموعہ اچانک طول میں بڑھنے لگتا ہے اور پھر اس طرح کی لمبی چیز بن جاتا ہے جس کے دونوں سرے کسی قدر پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ پروفیسر ہیکل نے اس مرتبہ کی ابتدائی حالت کو (sandal shaped) سے اور پختہ حالت کو (sole shaped) سے تعبیر کیا ہے[1]۔ اور ہم نے اس کے لئے حرف "فعل نما" حالت کی تعبیر اختیار کی ہے۔ اسی مرتبہ تحول کو قرآن نے "علقہ" کے لفظ

جدید مفسرین کی بے نتیجہ تطبیق و ہیر پھیر

قرآن اپنی جگہ سے نہیں ہلا مگر علم کو ہلنا پڑا

قرآن کے مدارج ستہ

[1] دیکھو پروفیسر موصوف کی کتاب دی ایوولیوشن آف مین کا انگریزی ترجمہ مترجمہ جوزف کیب جلد اول صفحہ ۲۵۴ (مطبوعہ ۱۹۱۰ء)

یہ حالت نطفہ کی ابتدائی حالت ہوتی ہے۔

(ب) پھر خلیات کا کروی مجموعہ ایک دوسرے درجہ میں داخل ہوتا ہے۔ اس درجہ میں پہلا امتیاز نمایاں ہوتا ہے یعنی اب جنین نباتات کے دائرہ سے بلند ہو کر صرف حیوانات کے دائرہ کی چیز بن جاتا ہے۔ ہم تمام حیوانات کا جنین ایسا ہی پاتے ہیں مگر نباتات کا نہیں۔

یہ حالت دو ہفتہ کے اندر طاری ہو جاتی ہے۔

(ج) تیسرے ہفتہ میں جنین دوگنی طوالت پیدا کر لیتا ہے اور نعل کی سی شکل بن جاتی ہے۔ نیز ایک نشان ظاہر ہو جاتا ہے جو آگے چل کر سر بننے والا ہوتا ہے۔ یہی نشان تین بنیادی جاسوں کی پہلی داغ بیل ہے۔

اس درجہ میں دوسرا امتیاز نمایاں ہوتا ہے یعنی اب جنین حیوانات کے عام دائرہ سے نکل کر حیوانات لبونہ کے خاص دائرہ میں آجاتا ہے لیکن ادنیٰ درجہ کے دائرہ میں۔

(د) چوتھے ہفتہ میں سر کا نشان ایک غیر متشکل گنبد کی سی ہیئت پیدا کرنے لگتا ہے۔ اس کے اندر بھیجے کے چاروں خانے بھی نمایاں ہو جاتے ہیں۔ عنصری نالیاں بھی ابھر آتی ہیں۔ دل کے چاروں حصے بھی وجود پذیر ہو جاتے ہیں۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ ریڑھ کی ہڈی کا ڈھانچہ پوری طرح نشو و نما پانے لگتا ہے۔

اس درجہ میں پہنچ کر جنین اعلیٰ درجہ کے حیوانات لبونہ کی خصوصیات پیدا کر لیتا ہے یعنی اب انسان کا جنین ایسا ہو جاتا ہے جیسا گھوڑے، بیل، کتے وغیرہ شیر خوار جانوروں کا ہوتا ہے۔

اب حمل کا پہلا مہینہ ختم ہو گیا۔

(ہ) پانچویں ہفتہ سے صورت آرائی کا زیادہ مشخص دور شروع ہوتا ہے لیکن یہ بندر کے سے ہیکل کا ہوتا ہے۔ اس درجہ کے جنین کی تصویر بندر کے جنین کی تصویر کے ساتھ رکھی جائے تو دونوں میں کوئی نمایاں فرق دکھائی نہیں دے گا۔

(و) پھر یہ ہیکل بندر کی اونچی قسم کے ہیکلوں کی طرف بڑھتا ہے اور گوریلا اور چمپانزی وغیرہ کے جنین کی سی ہیئت پیدا کرنے لگتا ہے۔

(ز) اس کے بعد ایک آخری انقلاب طاری ہوتا ہے اور انسانی جسم و صورت کی خصوصیات یکا یک ابھرنے لگتی ہیں حتیٰ کہ بالکل ایک نئی قسم کا تناسب اعتدال ظہور میں آجاتا ہے۔

دوسرے مہینے کے اختتام پر یہ درجہ پوری طرح صورت پذیر ہو جاتا ہے۔

(ح) اس کے بعد فطرت کی نقاشی زیادہ دقیق قسم کے امتیازات کا نوب پلک درست کرنے لگتی ہے یعنی نوع انسانی کی مختلف وطنی، موسمی، نسلی، اور معنوی اختلافات ابھرنے اور بننے لگتے ہیں۔ پھر جدی اور آبائی اثرات کی نمود شروع ہوتی ہے، اور ہر والدین کو اپنی قوم، اپنے ملک، اپنی نسل، اور اپنے ماحولی موثرات کا مولود میسر آجاتا ہے۔

یہ آخری انسانی دور سب سے بڑا دور ہے یعنی ابتدا کے دو مہینے چھوڑ کر باقی تمام ایام حمل جن کی مدت چار سے سات مہینوں تک پہنچ جاتی ہے، اسی دور میں بسر ہوتے ہیں۔

اب ان تمام تفصیلات کو پیش نظر رکھ کر قرآن کی تصریحات پر غور کرو۔ اور پچھلی تفاسیر پر بھی ایک نظر ڈال لو جس وقت تک انسانی جنین کے یہ تمام حقائق منکشف نہیں ہوئے تھے، قرآن کے بیان کردہ مدارج ستہ کی تشریح کس درجہ دشوار تھی؟ قدیم نظریوں کا ساتھ دینے کے لئے مفسروں کو کیسی کیسی توجیہیں ڈھونڈھنی پڑیں۔ اور پھر بھی بات بنی نہیں؟ لیکن اب ان انکشافات کے بعد کس طرح سارا معاملہ صاف ہو گیا ہے؟ کس دونوں بیان ٹھیک ٹھیک ایک دوسرے کے مطابق ہیں، اور ایک کے اجمال کی دوسرا تفصیل کر رہا ہے۔ کس طرح آج علم کی آنکھیں بھی وہی دیکھ رہی ہیں جو وحی کی زبان نے آشکارا کر دیا تھا! وحی کی یہ صدا کس کی زبان سے نکلی تھی؟ ساتویں صدی عیسوی کے ایک امی کی زبان سے جو ریگستان عرب کے بادیہ نشینوں میں پیدا ہوا، اور جس کی ساری زندگی انہی بادیہ نشینوں میں بسر ہوئی تھی!

قرآن کی تصریحات

سترھویں صدی میں خوردبینی مطالعہ سے جراثیم حیات کا انکشاف ہوا لیکن حکماء عہد اصل حقیقت پر مطلع نہ ہو سکے اور ظہور و بروز کا نظریہ قائم کر لیا گیا۔ اب دیکھو! جس طرح قدیم قیاسات قرآن کا ساتھ نہیں دیتے تھے، اسی طرح یہ مذہب بھی ساتھ

قرآن کا سترھویں صدی کے نظریہ سے انکار

سے تعبیر کیا ہے "علقہ" کی تعبیر اس مرتبہ کے لئے ہر اعتبار سے اتنی صاف اور چسپاں تعبیر ہے کہ جونہی میری پہلی نظر اس فعل نما جنین کی تصویر پر پڑی تھی میری زبان سے بے اختیار "خلق الانسان من علق" نکل گیا تھا!

جونک کے لئے علاق، علوقہ، عولق، علقہ سامی زبانوں کی نہایت قدیم تعبیر ہے۔ عبرانی میں اسے علوقہ کہتے تھے اور بجنسہ علقہ کا نام بھی ملتا ہے چنانچہ سفر امثال میں ایک جگہ آیا ہے "جونک کی دو بیٹیاں ہیں جو چلاتی رہتی ہیں کہ لاؤ لاؤ" (۳۰:۱۵) عبرانی نسخہ میں یہاں جونک کے لئے علوقہ کا لفظ ہے۔ یہی علوقہ عربی میں علق اور علقہ ہے۔ اور جونک کے لئے مستعمل ہے اب جونک کی حالت اور صورت کا معائنہ کرو۔ اس میں ہڈی نہیں ہوتی بلکہ ایک لوتھڑے کی لنبان ہوتی ہے اور خون پی کر جب سیراب ہو جاتی ہے تو ٹھیک ٹھیک ویسی ہی صورت ہو جاتی ہے جیسی اس مرتبہ جنین کی تصویر میں نظر آتی ہے۔

علقہ کی تعبیر

ہیکل نے اس حالت کو محض اس کی جزئی مشابہت کی بنا پر "مچھلی نما صورت" سے تشبیہ دی لیکن قرآن نے "علقہ" سے دی جو خود سلسلۂ حیوانات کی ایک خاص زندہ کڑی ہے اور اس طرح عجیب نہیں کہ ایک دوسری مخفی حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہو۔

پیدائش انسانی کے مختلف مدارج کی جو تفصیلات اوپر گذر چکی ہیں ان سے تمہیں پتہ لگ گیا ہوگا کہ قانون نشو و ارتقا کے مختلف مدارج کس طرح نطفہ انسانی کے مدارج میں جمع ہو گئے ہیں اور کس طرح ہر انسان کا جنین اب بھی ان مدارج سے گزر کر انسان بنتا ہے جن مدارج سے گزر کر انسان اپنے موجودہ مرتبہ خلق تک پہنچا ہے۔ اچھا اب غور کرو ان مدارج خلقت میں ابتدائی مخلوقات کا درجہ کونسا ہے؟ آبی مخلوقات کا یعنی بحکم وجعلنا من الماء کل شیء حی زندگی کا سب سے پہلا ظہور پانی میں ہوا۔ اور پہلی مخلوقات آبی مخلوقات ہوئی۔ ان کے بعد خشکی کی مخلوقات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اچھا آبی مخلوقات میں ابتدائی مراتب کی مخلوقات کونسی ہیں؟ جونک کی قسم کی غیر عظمی مخلوقات انہی سے ارتقا سے تمام اونچی قسم کی آبی کڑیاں وجود پذیر ہوئیں پس اگر انسانی نطفہ اپنے تمام ارتقائی تطورات سے گزر کر آخری درجہ تک پہنچا کرتا ہے تو کیا ضروری نہیں کہ اس کا ابتدائی درجہ آبی مخلوقات کی حالت کے درجہ کا ہو؟ اور اس میں بھی سب سے پہلے جونک کی قسم کی نوعیت اپنی نمود دکھائے؟ یقیناً ضروری ہے اور یقیناً یہی نوعیت ہے جو اس فعل نما صورت کے درجہ میں نمایاں ہوتی ہے پس اسے "علقہ" سے تعبیر کرنا گویا اس کے درجۂ خلقت کو ٹھیک ٹھیک اس کے اصلی نام سے پکار دینا ہے:

(۳) اس کے بعد تیسرا انقلابی تطور وہ ہے جب یہ فعل نما چیز اور زیادہ بڑھتی ہے اور اس کے مادہ میں گوشت کی صلابت پیدا ہو جاتی ہے اسی حالت کو قرآن نے "مضغہ" سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ اب جنین بوٹی کی طرح بن جاتا ہے اور چونکہ یہی مرتبہ ہے جب میں ارتسام و انقسام اعضاء کی پہلی داغ بیل پڑتی ہے اس لئے سورۂ حج میں اشارہ کر دیا کہ مخلقہ و غیر مخلقہ (۲۲:۵) یعنی یہی مضغہ کا درجہ ہے جس میں یا تو داغ بیل پڑ جاتی ہے یا بگڑ کے رہ جاتا ہے۔

(۴) چوتھا درجہ وہ ہے جب اس مضغہ میں ریڑھ کی ہڈی کا ڈھانچہ نشو و نما پانے لگتا ہے اور ایک ایسا ہیکل نمایاں ہو جاتا ہے جسے مچھلی سے مشابہ کہا گیا ہے اسی کو فخلقنا المضغۃ عظاماً سے تعبیر کیا ہے۔ اسی درجہ میں آ کر جنین حیوانات فقاریہ VERTEBRADLE کی امتیازی خصوصیات پیدا کر لیتا ہے۔

(۵) پھر اس کے بعد ہڈیوں اور گوشت پوست کا الحاق تکمیل تک پہنچا اور ایک حیوانی صورت متشکل ہو کر نمایاں ہو جاتی ہے اسی کو فکسونا العظام لحماً کے درجہ سے تعبیر کیا ہے۔

مرحلہ "خلقاً آخر"

(۶) لیکن جو صورت اب بنتی ہے وہ کیا انسان کی صورت ہوتی ہے؟ نہیں ایسی جو تمام حیوانات بونہ کی مشترک صورت ہوتی ہے وہ ترقی بھی کرتی ہے تو بندر کی صورت کی طرف لیکن اس کے بعد نقاش قدرت کی دستکاری اچانک ایک نیا انقلاب تحول پیدا کر دیتی ہے وہی جنین جو محض مضغہ تھا، وہی مضغہ جو مچھلی کی طرح کا ایک ڈھانچہ تھا، وہی ڈھانچہ جس نے عام حیوانی ہیکل کی شکل اختیار کر لی تھی وہی حیوانی ہیکل جو بندر کی سی صورت میں ابھر آیا تھا، اچانک انسانی جسم و صورت کی ساری خصوصیتیں اور رعنائیاں پیدا کر لیتا ہے:

فتبارک اللہ احسن الخالقین!

یہی آخری مرتبہ تحول ہے جسے ثم انشانٰہ خلقاً آخر سے تعبیر کیا ہے



ارتقا
مقصدی
انقلاب

مکتبہ جدید (انار کلی) لاہور

پبلشرز • بک سیلرز